احیاء العلوم

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ

جلد دوم

مکتبہ رحمانیہ

اردو بازار لاہور

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ

کے معرکہ آرا فکر انگیز مرقع ہدایت

احیاء علوم الدین

کا مستند اردو ترجمہ

مذاق العارفین

جلد دوم

ترجمہ

مولانا محمد احسن نانوتوی

عنوانات

مولانا سعید الرحمٰن علوی

مکتبہ رحمانیہ ۰ اردو بازار لاہور۔ ۲

فون ۵۶۵۳۹

نام کتاب : احیاء العلوم

نام مصنّف : حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

نام مترجم : مولانا محمد احسن نانوتویؒ

عنوانات : مولانا سعید الرحمٰن علوی

ناشر : مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

پرنٹرز : زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت مکمل ۴ جلد : ۳۰۰/- روپے

فہرست مضامین

احیاء العلوم اردو جلد دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطعہ

یاالٰہی نظر لطف سے تو کر قبول　　احسن خستہ جو در پر تیرے مانگے ہے دعا
جلد اول کا ہوا ترجمہ جس طرح سے ختم　　ویسے ہی ترجمہ ہو جلد دوم کا پورا

ترجمہ دیباچہ

سب تعریفیں اس خدا کو ہیں جس نے اچھی طرح کائنات کو انتظام دیا اور زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ابر بہاری سے شیریں پانی برسایا پھر اس سے غلہ اور سبزہ اگایا اور رزقوں اور غذاؤں کو اندازہ سے رکھ کر ماکولات سے حیوانوں کی حفاظت کی اور حلال غذا کھانے سے طاعات اور نیک اعمال پر اعانت فرمائی اور درود و سلام بے انتہا سالار انبیاء صاحب معجزات علیا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل مجتبٰی اور اصحاب ائمہ ہدٰی پر اس طرح نازل ہو کہ جوں جوں اوقات گزرتے جاویں اور ساعات ایک دوسرے کے پیچھے آویں اسی قدر درود و سلام بے شمار ان سب کو شامل ہو بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ اہل عقل کا مقصود یہ ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوں اور دیدار الٰہی تک پہنچنے کی سبیل بجز علم اور عمل کے نہیں اور ان دونوں پر مداومت کرنی بدون بدن کی سلامتی کے غیر ممکن ہے اور بدن کی سلامتی اچھی طرح جب ہوتی ہے کہ غذا اور کھانا بھوک کے وقت حاجت کے موافق کھاتے رہیں اور اسی وجہ سے کسی اگلے نیک بخت کا قول ہے کہ کھانا بھی دین میں سے ہے اور پروردگار عالم نے بھی اس مضمون پر آگاہ کیا ہے۔ کلوا من الطیبات واعملوا صالحا[1] پس جو شخص کھانے پر اس غرض سے جرأت کرے کہ اس کے باعث علم و عمل پر مدد اور تقوی پر قدرت حاصل ہو تو چاہیئے کہ اپنے نفس کو بیکار اور مہمل نہ رکھے اور اپنے نفس کو غذا میں اس طرح نہ چھوڑ دے جیسے چوپائے چراگاہ میں چھوٹے رہتے ہیں کیونکہ جو غذا دین کا ذریعہ ہے اسمیں دین کے انوار ظاہر ہونے چاہئیں اور دین کے انوار اس کی سنتیں اور آداب جنکی مہاریں بندہ باندھا جاتا ہے اور متقی کو ان کا لگام دیا جاتا ہے تاکہ کھانے کی بھوک کو شریعت کے میزان سے تول کر کھانے پر اقدام کریں یا اس سے ہاتھ کھینچیں اور اس وجہ سے گناہ کو بھی اپنے اوپر سے ٹالیں اور ثواب بھی حاصل کریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کو ثواب دیا جاتا ہے یہاں تک کہ لقمہ میں جس کو اپنے منہ کی طرف اٹھاوے خواہ اپنی بی بی کے منہ کی طرف لیجاوے اور یہ ثواب اس صورت میں ہے کہ لقمہ کا اٹھانا دین کی وجہ سے اور دین ہی کے واسطے ہو اور اس کے آداب اور وظائف کی رعایت بھی ملحوظ رہے اسی نظر سے ہم کھانے کے فرائض اور سنتیں اور مستحبات اور آداب اور ہیئتیں بتائے دیتے ہیں۔

---

[1] کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا ۱۲ [2] بخاری ۱۲ - سعد بن ابی وقاص کی حدیث میں اسی کے قریب مضمون روایت کیا ہے ۱۲-

باب ۱۔ کھانے کے آداب

گر کیسا ہی پید اکرو طاعت ہیں کمال — دن رات رہے ذکر و عبادت کا خیال
کچھ فائدہ احسن نہ ہو اس محنت سے — کھانے کے لئے اگر نہ ہو مال حلال

واضح ہو کہ کھانے کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ تنہا کھاوے دوسرے یہ کہ مجمع کے ساتھ کھاوے تیسرے یہ کہ کھانا اپنے ملنے والوں کے سامنے لاکر رکھے چوتھے یہ کہ دعوت اور مہمانی وغیرہ کی خصوصیت ہو جاوے اسی لحاظ ان کو چار فصلوں میں لکھا جاتا ہے۔

پہلی فصل تنہا کھانا کھانے والے کے آداب

ایسے آداب تین طرح کے ہیں کچھ کھانے کے اثنا میں اور کھانے کے بعد ان تینوں کو ہم تین بیان میں لکھتے ہیں۔

کھانا کھانے سے قبل جو آداب ضروری ہیں۔ اور وہ سات باتیں ہیں اول یہ کہ کھانا بذات خود حلال ہونے کے بعد کمائی کی جہت سے بھی پاک اور طیب ہو اور طریق سنت اور پرہیزگاری کے موافق ہو کسی ایسی وجہ سے حاصل نہ ہوا ہو جو شریعت میں بری ہو اور نہ خواہش نفس کے بموجب اور دین کی مداہنت سے پیدا ہوا ہو بلکہ جس طرح باب حلال و حرام میں طیب مطلق کا ذکر کیا جاوے گا۔ اس طرح کا کھانا ہو اور اللہ تعالیٰ نے طیب غذا کھانے کا حکم فرمایا ہے جو مال حلال اور باطل طور پر کھانے کو قتل کی ممانعت سے پیشتر منع فرمایا تاکہ مال حرام کو نہایت برا اور حلال کو بہت بڑا سمجھا جاوے چنانچہ ارشاد فرمایا[1] یاایہا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم۔ غرض کہ کھانے میں اصل یہی ہے کہ طیب ہو اور امر دین کے فرائض اور اصول میں سے ہے دوم ہاتھوں کا دھونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الوضوء[2] قبل الطعام ینفی الفقر وبعدہ ینفی اللمم اور ایک روایت[3] میں یوں ہے کہ ہاتھوں کا دھونا کھانے سے پہلے اور پیچھے مفلسی کو دور کرتا ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ کاروبار کرنے سے ہاتھوں پر کچھ نہ کچھ لگا رہتا ہے۔ اس لئے ان کا دھونا نظافت کے شایان ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ کھانا دین پر مدد حاصل کرنے کے ارادہ سے عبادت ہے۔ تو مناسب ہے کہ اس کے پیشتر بھی کوئی بات ایسی ہی ہو جیسے نماز سے پیشتر طہارت سوم یہ کہ کھانے کو اس دستر خوان پر رکھے جو زمین پر بچھا ہو کہ یہ فعل بہ نسبت دستر خوان کے اونچا کرنے کے

[1] اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ سودا ہو آپس کی خوشی سے اور نہ خون کرو آپس میں ۱۲ [2] کھانے سے پیشتر ہاتھ دھونا مفلسی کو دور کرتا ہے اور بعد کھانے کے رنج دور کرتا ہے ۱۲ قضاعی اور مسند شہاب بروایت موسیٰ رضا عن آبا ء متصلاً منصلاً ۱۲ [3] طبرانی در اوسط بروایت ابن عباس اور دونوں روایتیں ضعیف ہیں ۱۲

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل سے قریب تر ہے کہ آپ کا دستور تھا۔ جب کھانا آپ کے سامنے آتا تو اس کو زمین[71] پہ رکھتے۔ غرضکہ یہ صورت فروتنی کے قریب تر ہے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو دستر خوان پہ رکھے جس کو سفرہ کہتے ہیں اور اس پہ رکھنے سے یہ غرض ہے کہ اس سے سفر یاد آتا ہے اور سفر سے سفر آخرت اور زاد تقویٰ کی یاد ہوتی ہے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں[72] کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانا کبھی خوان اور کشتی میں نہیں کھایا ان سے کسی نے پوچھا پھر کس چیز پر تم کھانا کھایا کرتے تھے فرمایا کہ دستر خوان پر۔ اور بعض کا قول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چار نئی چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ ایک اونچے خوان دوسرے چھلنیاں تیسرے اشنان چوتھے شکم سیری اور یہ واضح رہے کہ ہم نے اگرچہ یہ کہا کہ کھانا کھانا دستر خوان پہ بہتر ہے۔ مگر ہم یہ نہیں کہتے کہ اونچے دستر خوان پر کھانا مکروہ یا حرام ہے۔ کیونکہ اس بات میں ممانعت ثابت نہیں۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ایجاد ہوا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک نو ایجاد بدعت کی ممانعت نہیں بلکہ ممانعت اسی بدعت کی ہے جس کے مقابل[1] کوئی سنت قائم ہو اور رہا جو کسی امر شریعت کے موجود رہنے کے اس امر کو دور کر دے بلکہ بعض احوال میں جب اسباب بدل جاویں بدعت کا ایجاد واجب ہو جاتا ہے۔ اور اونچے دستر خوان میں صرف اتنا ہی ہے کہ کھانے کو زمین سے بلند کیا جاتا ہے تاکہ کھانے میں آسانی ہو۔ اور اس جیسے امور ایسے ہیں کہ ان میں کراہت نہیں چنانچہ وہ چار چیزیں جو نو ایجاد بدعت ہیں وہ سب یکساں نہیں ہیں ان میں اشنان بہتر ہے۔ کہ نظافت پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ہاتھوں کا دھونا نظافت کے لئے ہے۔ اور اشنان سے نظافت اچھی طرح ہوتی ہے اور اول زمانے کے لوگ جو اس کا استعمال نہ کرتے تھے تو غالباً اس جہت سے ہوگا کہ ان کو اس کی عادت نہ تھی یا ملتا نہ ہوگا یا نظافت میں مبالغہ کرنے کی نسبت کر زیادہ تر اہم کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ کہ بعض اوقات ہاتھ بھی نہ دھوتے تھے۔ اور رومال کی جگہ پاؤں کے تلوؤں سے صاف کر لیتے تھے۔ اور یہ امر ہاتھ دھونے کا مانع نہیں اور چھاننے سے غرض غذا کا صاف کرنا ہے اور یہ بھی مباح ہے بشرطیکہ زیادہ آسائش طلبی کی نوبت نہ پہنچے اور اونچا دستر خوان کھانے کی آسانی کے لئے ہے اس میں اگر نوبت تکبر اور شیخی کی نہ ہو تو مباح ہے باقی رہا پیٹ بھرنا یہ ان چاروں میں سخت تر بدعت ہے۔ کہ اس سے بڑی بڑی شہوتیں پیدا ہوتی ہیں اور بدن میں رگوں کو جنبش ہوتی ہے اس لئے ان چاروں میں فرق معلوم کر لینا ضرور ہے۔ چہارم یہ کہ ابتدا میں دستر خوان پہ جس طرح بیٹھے آخر تک اسی بیٹھک پہ بیٹھا رہے آنحضرت[73] صلے اللہ علیہ وسلم بعض اوقات دو زانو ہو کر اپنے دونوں پاؤں کی پشت پہ بیٹھتے اور کھانا تناول فرماتے اور کبھی داہنی ٹانگ کھڑی کر لیتے اور بائیں پاؤں پہ بیٹھتے اور فرماتے کہ میں تکیہ لگا کر نہیں[74] کھاتا میں تو ایک بندہ ہوں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے بندہ

71 - احمد در کتاب الزہد بروایت حسن مرسلات ۱۲ 72 بخاری ۱۲ - 73 دو زانوں ہو کر کھانا ابوداؤد نے بروایت عبداللہ بن بسر ایک حدیث کے اثنا میں بیان کیا ہے۔ اور داہنا زانو کھڑا کر کے کھانا ابوالحسن مقری نے شمائل میں بروایت انسؓ نقل کیا ہے بسند ضعیف ۱۲ 74 بخاری بروایت ابوجحیفہ ۱۲۔ [1] اصل میں اس طرح ہے جو کسی سنت قائمہ کے خلاف پڑے اور کسی امر شریعت کو اس کی علت موجود ہونے کے باوجود دور کر دے۔

کھاتا ہے۔ اور ایسے ہی بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے[1]۔ اور تکیہ لگا کر پانی پینا معدہ کو بھی مضر ہے۔ اور کھانا کھانا لیٹ کر اور تکیہ لگا کر مکروہ ہے۔ مگر چنے وغیرہ جو نقل کے طور پر کھاتے ہیں۔ ان کو اس طرح کھانا مکروہ نہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چت لیٹ کر کاک کو ڈھال پر رکھ کر کھایا ہے اور کہتے ہیں کہ پیٹ کے بل لیٹ کر کھایا ہے۔ اور عرب کے لوگ کبھی ایسا کرتے ہیں پنجم یہ کہ غذا کھانے میں یہ نیت کرے کہ اس سے طاعت الٰہی میں قدرت حاصل ہو گی تاکہ اس کھانے میں بھی طاعت کا مضمون بنا رہے اور کھانے میں نیت لذت اور آرام طلبی کی نہ کرے ابراہیم بن شیبان کا قول ہے کہ میں نے اسی برس سے کوئی چیز اپنی خواہش کے سبب سے نہیں کھائی اور اس نیت کے ساتھ ہی کم غذا کھانے کا پختہ ارادہ کرے اس لئے کہ جب غذا کھانے میں نیت عبادت پر قوت ہونے کی ہو گی تو نیت اسی وقت سچی ہو گی کہ شکم سیری سے کمتر کھاوے کیونکہ شکم سیری تو عبادت کی مانع ہے۔ اس سے قوت عبادت نہیں ہوتی اسی وجہ سے اس نیت کو لازم ہے کہ شہوت کو توڑے اور بہت کی نسبت کر تھوڑے پر قناعت کرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[2]۔ ما ملا آدمی وعاء اشر من بطنہ حسب ابن آدم لقمات یقمن صلبہ فان لم یفعل فثلث للطعام وثلث للشرب وثلث للنفس۔ اور نیت مذکور میں یہ ضرور ہے۔ کہ ہاتھ کھانے پر اسی وقت بڑھاوے کہ جب بھوکا ہو یعنی بھوک کا ہونا ان باتوں میں سے ہو وے جو کھانے سے پیشتر ہونی چاہئیں پھر شکم سیر ہونے سے پیشتر کھانے سے ہاتھ کھینچ لے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ طبیب کا محتاج نہ ہو گا اور کم کھانے کے فوائد اور رفتہ رفتہ غذا کم کرنے کی کیفیت جلد سوم کے باب کسر شہوت طعام میں آوے گی ششم یہ کہ جو رزق موجود ہو اس پر راضی ہو اور مزہ داری اور زیادہ طلبی اور سالن کے انتظار میں محنت نہ اٹھاوے بلکہ روٹی کی تعظیم یہی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے سالن کا انتظار نہ ہو۔ حالانکہ حکم بھی روٹی کی تعظیم کا احادیث میں آچکا ہے[3] غرضکہ جو کھانا ایسا ہو کہ اس سے جان بچی رہے اور عبادت پر قوت حاصل ہو اس میں بہت برکت ہے۔ اس کو حقیر نہ جاننا چاہیئے۔ بلکہ روٹی کے سامنے نماز کا انتظار بھی نہ کیا جاوے گو نماز کا وقت ہو جاوے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے[4] اذا حضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشاء اور حضرت ابن عمرؓ بعض اوقات امام کی آواز سنتے اور اپنے رات کے کھانے سے نہ اٹھتے اور جس صورت میں کہ نفس کو زیادہ رغبت کھانے کی نہ ہو اور دیر کر کھانے میں نقصان بھی نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ نماز کو پیشتر ادا کیا جاوے مگر جس صورت میں کہ کھانا آگیا ہو اور نماز

---

۱ ح ۔ ابوداؤد و نسائی بروایت انسؓ اور اس میں افعل جو بجائے اجلس کے یعنی کام کرتا ہوں جیسے بندہ کام کرتا ہے ۱۲ اور احمد نے بروایت حسن مرسلاً دوسری اور تیسری حدیث کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ ۱۲۔ ۲ ح نہیں بھرا آدمی نے کوئی برتن زیادہ برا اپنے پیٹ سے آدم کے بیٹے کے لئے چند لقمے کافی ہیں کہ اس کی پیٹھ سیدھی کریں پس اگر یوں نہ کرے تو تہائی کھانا کھاوے اور تہائی پانی پئے اور تہائی شکم سانس کے لئے رہنے دے ۱۲ ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت مقدام بن معدی کرب ۱۲۔ ۳ ح حاکم بروایت عائشہ ۱۲ اور بزار و طبرانی کی حدیث اس باب میں ابن جوزی نے داخل موضوعات کی ہے ۔ ۴ ح ۔ جب شام کا کھانا اور نماز عشاء دونوں آجائیں تو ابتداء کھانے سے کرو اس کی سند جلد اول باب الصلوٰۃ میں گزری ۱۲۔

کی تکبیر ہو جاوے اور دیر کرکے کھانے سے کھانا ٹھنڈا ہو جاوے گا یا اور کچھ تمردد اس میں ہو تو پہلے کھا لینا مستحب ہے۔ بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو خواہ نفس کو رغبت ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث عام ہے۔ اس میں قید رغبت وغیرہ کی نہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ دل کو رکھے ہوئے کھانے کی طرف کچھ نہ کچھ دھیان ہوتا ہے گو بھوک غالب نہ ہو۔ ہفتم یہ کہ کھانے پہ بہت سے ہاتھ ہونے میں کوشش کرے گو اپنے زن و فرزند ہی ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1]۔ اجتمعوا علیٰ طعامکم یبارک لکم فیہ اور حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت[2] صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ کھانا تنہا نہ کھاتے تھے۔ اور ایک حدیث[3] میں ارشاد فرمایا کہ بہتر کھانا وہ ہے جس پر بہت ہاتھ ہوں۔

دوران طعام کے آداب

وہ یہ ہیں کہ بسم اللہ کھانے کے شروع میں اور الحمد للہ اس کے آخر میں کہے اور ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہے تو بہتر ہے تاکہ کھانے کی حرص خدائے تعالیٰ کے ذکر سے نہ بھلاوے اور اول لقمہ پہ بسم اللہ کہے اور دوسرے پر بسم اللہ الرحمٰن اور تیسرے پہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور پکار کر کہے تاکہ دوسرے کو یاد آجاوے اور داہنے ہاتھ سے کھائے اور نمک سے شروع کرے اور اسی پہ ختم کرے اور لقمہ چھوٹا لیکر خوب چباوے اور جب تک اس کو نگل نہ جاوے تب تک دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ نہ بڑھاوے کہ جلدی کھانے میں داخل ہے اور کسی کھانے کی مذمت نہ کرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی کھانے میں عیب[4] نہ لگاتے تھے بلکہ یہ دستور تھا کہ اگر اچھا معلوم ہوا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا اور میوہ کے سوا اور کھانے میں اسی طرف سے کھاؤ جو اپنے قریب ہو مگر میوہ میں اور طرف سے بھی ہاتھ ڈالنے کا مضائقہ نہیں آنحضرت[5] صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس طرف سے کھاؤ جو تمہارے قریب ہے۔ مگر آپ میوہ پر اپنا دست مبارک اور طرف سے بھی ڈالتے لوگوں نے اس باب میں عرض کیا آپ نے فرمایا کہ میوہ سب ایک طرح کا نہیں اور پیالے کے گرد سے نہ کھاوے اور کھانے کے درمیان سے مثلاً روٹی کا بیچ کھائے اور کنارہ چھوڑ دے بلکہ مع کنارہ روٹی کھاوے اور اگر روٹی[6] کم ہو تو ٹکڑا توڑے لیکن چھری سے نہ کاٹے کہ حدیث میں اس سے ممانعت[7] ہے اور حکم[8] ہے کہ دانت سے گوشت کو جدا کرو اور روٹی[9] پر پیالہ وغیرہ نہ رکھے اور اگر سالن رکھے تو مضائقہ نہیں آنحضرت[10] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روٹی کی تعظیم کرو کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو آسمان کی برکتوں سے اتارا ہے اور روٹی سے

اح۔ اپنے کھانے پر مجتمع ہو یعنی مل کر کھاؤ تمہارے لئے برکت دی جاوے گی ۱۲ ابوداؤد ابن ماجہ بروایت وحشی بن حرب۔ ۲ح خرائطی در مکارم اخلاق ۳ح۔ اس کی سند تخریجات میں نہ تھی۔ ۴ح۔ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲۔ ۵ح۔ بخاری ومسلم بروایت عمر بن ابی سلمہ ۱۲۔ ۶ح۔ ترمذی وابن ماجہ بروایت عکراش بن ذویب اور ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ ۷ح۔ بیہقی نے شعب میں بروایت ام سلمہ بسند ضعیف روٹی کا چھری سے کاٹنا ممنوع لکھا ہے اور ابوداؤد نے گوشت کا چھری سے کاٹنا بروایت عائشہؓ ممنوع بیان کیا ہے۔ ۱۲ ۸ح۔ ابن ماجہ بروایت صفوان بن امیہ بسند ضعیف ۱۲

۹ح۔ حاکم بروائت عائشہؓ ۱۰ح۔ مسلم بروایت انس وجابرؓ۔

ہاتھ نہ پونچھے کہ بے ادبی ہے۔ اور آنحضرت[۱] صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر پڑے تو اس کو اٹھائے اور جو کچھ اس پر لگ گیا ہو اس کو دور کردے اور اس لقمہ کو شیطان کے لئے پڑا نہ رہنے دے اور جب تک کھانے کے بعد انگلیاں نہ چاٹ لے تب تک رومال سے ہاتھ نہ پونچھے کیونکر کیا معلوم کہ برکت کس کھانے میں ہے اور گرم کھانے میں پھونک نہ مارے کہ اس کی ممانعت ہے بلکہ اتنا صبر کرے کہ اس کا کھانا سہل ہو جاوے اور خرما طاق کھاوے سات[۲] یا گیارہ[۲] یا اکیس[۲] یا جتنے کھائے جاویں اور طباق میں خرما اور گٹھلی اکٹھی نہ کرے اور نہ ہاتھ میں جمع کرے بلکہ گٹھلی کو منہ سے نکال کر ہتھیلی کی پشت پر رکھے پھر ڈالدے اور جن چیزوں میں گٹھلی یا آخورہ ہو سب سب کا یہی حال ہے۔ اور جس کھانے کی چیز کو برا سمجھے اس کو پیالے میں نہ چھوڑے بلکہ پھوکٹ کے ساتھ رکھدے تاکہ کسی دوسرے کو دھوکہ نہ ہو اور وہ اس کو کھا نہ جاوے۔ اور عین کھانا کھانے میں پانی بہت نہ پیوے لیکن جس صورت میں کہ گلے میں لقمہ پھنس جاوے یا پیاس سچی ہو کہ بعض لوگوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ طب میں یہ مستحب ہے اور معدہ کا استحکام اس سے ہوتا ہے اور پانی پینے کے آداب یہ ہیں کہ آبخورے کو داہنی ہاتھ میں لے اور بسم اللہ کہہ کر پیوے اور چوسنے کی طرح یعنی پتلے گھونٹ آہستہ آہستہ پیوے بڑے گھونٹ سے جلد نہ پیوے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲] کہ پانی کو چوس کر پیو بڑے گھونٹوں سے پیا پے مت پیو کہ اس سے جگر کی بیماری ہوتی ہے اور کھڑے ہو کر اور لیٹ کر پانی نہ پیوے کہ آنحضرت[۳] صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور یہ جو مروی ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پیا[۴] ہے تو شاید کسی عذر سے ہوگا اور آبخورے کے نیچے کا لحاظ رکھے کہ پانی اوپر نہ ٹپکے اور پینے سے پیشتر آبخورے میں دیکھ لے کہ کوئی مضر چیز نہ ہو اور پانی پینے میں ڈکار اور سانس نہ لے بلکہ اس وقت آبخورہ کو منہ سے علیحدہ کردے اور الحمد للہ کہے اور پھر بسم اللہ کہہ کر منہ سے لگادے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کے بعد یہ کلمات فرمائے ہیں[۵]۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَہٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِہٖ وَلَمْ یَجْعَلْہُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔ اور آبخورے کا دور جب بہت سے لوگوں میں ہو تو داہنی طرف کو ہو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بار دودھ پیا اور حضرت ابوبکرؓ آپ کی بائیں جانب تھے اور ایک اعرابی داہنی جانب اور حضرت عمرؓ ایک طرف کو تھے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو دیجئے آپ نے اعرابی کو مرحمت فرمایا اور فرمایا[۶] کہ داہنا مستحق ہے پھر جو اس کے داہنی طرف ہو۔ اور پانی تین سانسوں[۷] میں پیوے سب کے آخر میں الحمد للہ کہے اور سب سے پہلے بسم اللہ اور بہتر یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر شروع کرے اور جب اول سانس لے تو الحمد للہ کہے دوسری سانس میں الحمد للہ رب العالمین

۱ح۔ احمد بروایت ابن عباسؓ ۱۲ ۲ح۔ ابو منصور نے بروایت انس دوسرا جملہ روایت کیا ہے اور ابوداود نے مرسلاً بروایت عطا بن ابی رباح پہلا جملہ ۱۲ ۳ح۔ مسلم روایت انس و ابو سعید و ابو ہریرہ۔ ۴ح۔ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس آب زمزم کے باب میں۔ ۵ح۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جس نے اس کو شیریں اور پیاس بجھانے والا بنایا اپنی رحمت سے اور اس کو ہمارے گناہوں کے بدلے کھاری اور کڑوا نہیں کیا ۱۲ طبرانی در دعا بروایت امام جعفر مرسلاً ۱۲ ۶ح بخاری و مسلم ۱۲ ۷ح ترمذی ۱۲۔

تیسری میں الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم کہے۔ غرضکہ کھانے اور پینے کی حالت میں یہ بتیس آداب کے قریب ہیں جن پر اخبار اور آثار دلالت کرتے ہیں۔

کھانے کے بعد کے آداب

اور وہ یہ ہیں کہ شکم سیری سے پیشتر ہاتھ روک لے اور اپنی انگلیاں چاٹ کر رومال سے پونچھے پھر ہاتھ دھووے اور دستر خوان پر سے ریزے چن کر کھالے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۱] جو شخص گرا ہوا کھانا دستر خوان پر سے کھاوے وہ وسعت میں زندگی کرے گا اور اس کی اولاد تندرست رہے گی اور خلال کرے اور خلال کے ساتھ جو کچھ دانتوں میں سے نکلے اس کو نہ نگل جاوے بلکہ پھینک دے ہاں زبان کی نوک پر جو دانتوں کی جڑوں میں سے کچھ آجاوے اس کے کھا جانے کا مضائقہ نہیں اور بعد خلال کے کلی کرے کہ اس باب میں اہلبیت علیہم السلام سے ایک قول مروی ہے اور پیالہ کو چاٹے اور اس کا پانی پی جاوے اور کہتے ہیں کہ جو کوئی پیالہ چاٹے اور اس کا دھوون پی لے اس کو ایک بردہ کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور کھانے کے ریزوں کا چننا حوران جنت کا مہر ہے اور دل میں خدائے تعالیٰ کا شکر اس کھانا کھانے پر کرے یعنی اس کی نعمت جانے اور مشکور ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت] كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ۔ اور جب غذائے حلال کھائے تو یہ دعا پڑھے[ت] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَتَنْزِلُ الْبَرَكَاتُ اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْنَا طَيِّبًا وَاسْتَعْمِلْنَا صَالِحًا۔ اور اگر شبہ کی غذا کھاوے تو یوں پڑھنا چاہیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ قُوَّةً لَّنَا عَلٰى مَعْصِيَتِكَ اور کھانا کھانے کے بعد قل ہو اللہ احد اور لایلاف قریش پڑھے اور دستر خوان پر سے نہ اٹھے جب تک کہ اول دستر خوان نہ اٹھالیا جائے اور اگر دوسرے شخص کا کھانا کھاوے تو اس کے لئے دعا مانگے۔ اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ خَيْرَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا رَزَقْتَهٗ وَيَسِّرْ لَهٗ اَنْ يَّفْعَلَ فِيْهِ خَيْرًا وَقَنِّعْهُ بِمَا اَعْطَيْتَهٗ وَاجْعَلْنَا وَاِيَّاهُ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ اور کسی کے یہاں روزہ افطار کرے تو یوں کہے۔ اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور جب شبہ کا مال کھاجاوے تو چاہیئے کہ بہت سا استغفار اور غم کرے تاکہ آنسوؤں اور غم کے پانی سے اس آگ کی گرمی فرو ہو جاوے جو ایسا مال کھانے سے پیش ہو گی۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ حَرَامٍ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔ اور جو شخص کھا کر گریہ کرے اس کا حال اس شخص کا سا نہیں کہ کھاوے اور کھیلے یعنی اپنے فعل پہ

---

۱ ح ابن حبان در ثواب بروایت جابرؓ بالفاظ دیگر اور حدیث منکر ہے ۲ ح جو گوشت کہ مال حرام سے پیدا ہوا ہو آگ اس کی مستحق زیادہ ہے ۱۲ بیہقی در شعب از کعب بن عجزہ اور اس میں سحت بجائے حرام کے ہے اور یہ مضمون ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ ت ۱ کھاؤ ستھری چیزیں جو تم کو روزی دی ہم نے اور شکر کرو اللہ کا ۱۲ ت ۲ سب خوبیاں ہیں اللہ کو جس کی نعمت سے پوری ہوتی ہیں بھلائیاں اور اترتی ہیں برکتیں الٰہی تو ہم کو مال طیب کھلا اور ہم سے نیک کام لے ۱۲ ت ۳ سب خوبیاں اللہ کو ہیں ہر حال میں الٰہی اس کھانے کو تو ہمارے واسطے اپنی نافرمانی پر قوت مت دینا ۱۲ ت ۴ الٰہی اس کا مال زیادہ کر اور جو کچھ تو نے اس کو دیا ہے اس کے لئے اسمیں برکت دے کہ اسمیں خیرات کرے اور اس کو اپنی عطا پر قانع کر اور ہم کو اور اس کو شکر گزاروں میں کر ۱۲ ت ۵ تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں اور تمہارا کھانا نیک بخت کھائیں اور تم پر فرشتے رحمت بھیجیں ۱۲

نادم ہونا اچھا ہے۔ اور اگر دودھ پئے تو کہے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَزِدْنَا مِنْهُ اور دودھ کے سوا اور اور چیز کھاوے تو زِدْنَا مِنْهُ کی جگہ وَارْزُقْنَا خَیْرًا مِنْهُ کہے کیونکہ یہ دعا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دودھ ہی کے لئے خاص کردی ہے اس لئے کہ اس کا نفع عام ہے۔ اور کھانے کے بعد یہ کہنا بھی مستحب ہے[1]۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَاٰوَانَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا یَا کَافِیَ کُلِّ شَیْءٍ وَلَا یَکْفِیْ مِنْهُ شَیْءٌ وَاَطْعَمْتَ مِنْ جُوْعٍ وَاٰمَنْتَ مِنْ خَوْفٍ فَلَکَ الْحَمْدُ اٰوَیْتَ مِنْ یُتْمٍ هَدَیْتَ مِنْ ضَلَالَۃٍ وَاَغْنَیْتَ مِنْ عَیْلَۃٍ فَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا دَائِمًا طَیِّبًا نَافِعًا مُبَارَکًا فِیْهِ کَمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَمُسْتَحِقُّهٗ اَللّٰھُمَّ اَطْعَمْتَنَا طَیِّبًا فَاسْتَعْمِلْنَا صَالِحًا فَاجْعَلْهُ عَوْنًا لَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ نَعُوْذُ بِکَ اَنْ نَسْتَعِیْنَ بِهٖ عَلٰی مَعْصِیَتِکَ اور اشنان سے ہاتھ دھونے کی کیفیت یہ ہے کہ اشنان کو بائیں ہاتھ میں بھگوئے اور پہلے اپنے داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں دھووے اور ان کو خشک اشنان پر لگاوے اور ان سے اپنے ہونٹ پوچھے پھر انگلی سے اچھی طرح منہ دھووے اور دانتوں کو اوپر نیچے سے اور زبان اور تالو کو انگلی سے ملے پھر پانی سے انگلیاں دھوڈالے اور باقی اشنان خشک اپنی انگلیوں کے اوپر نیچے مل لے اور اب دوبارہ منہ کے ملنے اور دھونے کی حاجت نہیں۔

دوسری فصل۔ اجتماعی کھانے کے آداب

اور وہ سات چیزیں ہیں۔ اول یہ کہ جس صورت میں کوئی شخص مجمع میں عمر کی زیادتی یا کثرت فضیلت کی جہت سے تقدیم کا مستحق ہو تو اپنے آپ اول شروع نہ کرے لیکن جب خود پیشوا اور مقتدا ہو تو جب کھانے والے جمع ہو چکیں اور مستعد ہو جائیں تو ان کو زیادہ انتظار میں نہ رکھے دوم یہ کہ کھانے کے وقت خاموش نہ رہیں کہ یہ عجمیوں کی عادت ہے بلکہ عمدہ گفتگو اور کھانے کے باب میں صلحا کی حکایتیں وغیرہ کہتے رہیں سوم یہ کہ پیالہ میں اپنے رفیق کے ساتھ نرمی برتے یعنی قصد نہ کرے کہ جس قدر وہ کھاوے اس سے زیادہ کھا جاوے کیونکہ جس صورت میں کھانا مشترک ہو اور رفیق کی مرضی نہ ہو کہ دوسرا زیادہ کھائے تو پھر زیادہ کھا جانا حرام ہے۔ بلکہ یہ چاہیئے کہ اپنے ساتھی کو اپنے اوپر ترجیح دیوے اور ایک بار میں دو خرما نہ کھاوے لیکن اگر سب ایسا کریں یا ان سے پوچھ کر کھاوے

---

[1] ح۔ الٰہی ہم کو برکت دے اسی چیز میں کہ تو نے ہم کو روزی دی ہے اور اس میں سے ہم کو اور زیادہ دے [2] اللہ کو تعریف ہے جس نے ہم کو کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور کافی ہوا ہم کو اور جگہ دی ہمارے سردار اور آقا نے اسے کفایت کرنے والے ہر چیز کے اور اس سے کوئی چیز کافی نہیں تو نے کھانا دیا بھوک پر اور امن دیا خوف سے تو تجھ کو تعریف ہے تو نے ٹھکانا دیا یتیمی پر اور ہدایت کی گمراہی سے اور غنی کیا مفلسی سے تو تجھ کو بھی شایان ہے تعریف بہت ہمیشہ کو پاکیزہ نافع برکت والی جیسا تو اس کا مستحق ہے الٰہی تو نے ستھرا کھلایا تو ہم سے اچھے کام لے اور اس کو ہمارے لئے اپنی فرمانبرداری کرنے پر سہارا کر دے اور تجھ سے پناہ مانگتے ہیں کہ اس تیری نافرمانی پر مدد لیں

تو مضائقہ نہیں اور اگر رفیق کمتر کھاوے تو اس کو کھانے کی ترغیب دیوے اور کہے کہ اور کھاؤ اور تین مرتبہ
سے زیادہ نہ کہے ورنہ اصرار اور افراط میں داخل ہوگا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کسی
امر کے لئے تین[1] بار کہا جاتا تھا تو تیسری دفعہ کے لئے بعد اور کچھ سوال نہ کرتے تھے۔ اور آپ کا دستور تھا
کہ تقریر کو تین بار فرمایا کرتے تھے[2] غرض کہ تین بار سے زیادہ کہنا مستحب نہیں اور کھانے کے لئے قسم دینے
کی ممانعت ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ نے فرمایا ہے کہ کھانا اس بات سے سہل زیادہ ہے کہ اس پر
قسم دی جاوے۔ چہارم یہ کہ ایسی طرح کھاوے کہ رفیق کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہو کہ کھاؤ بعض ادبا فرماتے
ہیں۔ کہ کھانے والوں میں بہتر وہ ہے جس کے ساتھی کو ضرورت نہ پڑے کہ کھانے کے باب میں اس کا
جو یار ہے اور ساتھ والے سے مشقت کہنے کی اٹھاوے اور یہ بھی نہ چاہیئے کہ دوسرے کے اپنی طرف
دیکھنے سے جس کو خواہش ہو اس چیز کو چھوڑ دے کہ ایک طرح کا تکلف ہے، بلکہ مجمع میں وہی چال اختیار
کرے جس کی تنہائی میں عادت ہو اس لئے ضرور ہے کہ تنہائی میں بھی ایسے آداب کا عادی ہو کہ مجمع میں
تکلف کا محتاج نہ ہووے ہاں اگر غذا مجمع میں اس لئے کم کھاوے کہ اور بھائی زیادہ کھاویں یا ان کو کھانے
کی حاجت جان کر ترس کرے اور کم کھاوے تو بہتر ہے اسی طرح اور لوگوں کے ساتھ دینے کی نیت سے اور
اور ان کو کھانے کی رغبت زیادہ ہونے کے ارادہ سے زائد کھالیوے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اچھا ہے حضرت
ابن مبارکؒ کا دستور تھا کہ عمدہ خرمے اپنے یاروں کے سامنے رکھتے جاتے اور فرماتے کہ جو زیادہ کھاوے
گا اس کو ہر گٹھلی پیچھے ایک درم دوں گا پھر گٹھلیاں گنتے جس کی گٹھلیاں جتنی زیادہ ہوتیں اس کو اتنے
ہی درم دیتے اور یہ امر حیا کے دور کرنے کو اور انبساط میں خوب سرور حاصل کرنے کو کرتے تھے اور حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے یاروں میں سے سب سے زیادہ مجھ کو وہ اچھا اور
محبوب ہے جو سب میں زیادہ کھاوے اور بڑے بڑے لقمے لے۔ اور سب سے بھاری مجھ پر وہ شخص ہے
کہ کھانے کے باب میں مجھ کو اس بات کی ضرورت ڈالے کہ اس کا خبر گیر رہوں اور یہ سب باتیں اسی پر
اشارہ کرتی ہیں کہ اپنی عادت کے موافق کام کرے اور بناوٹ کو چھوڑ دے۔ اور یہ بھی انہیں کا ارشاد
ہے کہ آدمی کی محبت دوسرے شخص سے اچھی طرح جب معلوم ہوتی ہے کہ جب اس کے گھر جا کر اچھی طرح
کھانا کھاوے پنجم یہ کہ ہاتھوں کو طشت میں دھوتے کا کچھ مضائقہ نہیں اور اگر تنہا کھاوے تو اس میں تھوکنے
کا اختیار ہے مگر مجمع میں ایسا نہ کرنا چاہیئے اور جب کوئی شخص طشت کو اس کے سامنے تعظیم کی جہت
سے کر دے تو قبول کرے۔ حضرت انس بن مالک اور ثابت بنانیؒ ایک بار ایک کھانے پر اکٹھے ہوئے
جب طشت ہاتھ دھونے کے لئے آیا تو حضرت انسؓ نے حضرت ثابت کی طرف کو کر دیا وہ ہاتھ دھوتے
کو رکے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جب تمہار! بھائی تمہاری تعظیم کرے تو اس کو منظور کرو اور انکار مت

۱ح۔ احمد بروایت جابرؓ ۲ح۔ بخاری بروایت انسؓ ۱۲

کرو کیونکہ تعظیم اللہ تعالیٰ کرانا ہے اور مروی ہے کہ ہارون رشید نے ابو معاویہ نابینا کی دعوت کی اور ان کے ہاتھ خود دھلائے۔ جب ہاتھ دھلا چکے تو کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہاتھ کس نے دھلائے انہوں نے کہا کہ نہیں کہا کہ امیر المومنین نے ہاتھ دھولائے انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین تم نے علم کی تعظیم وتوقیر کی خدائیتعالیٰ تمہاری بھی ایسی ہی تعظیم وتوقیر کرے جیسے تم نے علم اور اہل علم کا اکرام کیا اور اگر طشت میں چند شخص ایک ہی بار اکٹھے ہاتھ دھولیں تو کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ امر فروتنی کے قریب تر ہے اور زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑتا اور اگر اس طرح نہ کریں تو یہ نہ چاہیئے کہ ایک کے ہاتھ دھلائے اور پانی پھینک دے پھر دوسرے کے دھلائے اور پھینک دیا۔ بلکہ پانی طشت میں اکٹھا ہونے دیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔[۱] اجمعوا وضوءکم جمع اللہ شملکم یعنی اپنے وضو کا پانی اکٹھا کرو خدائیتعالیٰ تمہاری ابتری کو اکٹھا کر دے گا۔ بعضے محدثین نے وضو کے پانی سے مراد یہی لی ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے پانی سے غرض ہے کہ ایک جگہ جمع رہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ لوگوں کے سامنے سے طشت اس وقت اٹھایا جاوے کہ پانی سے لبریز ہو جاوے اور عجم کی مشابہت ہرگز مت کرنا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ ایک طشت میں سب مل کر ہاتھ دھویا کرو اور عجم کی عادت اختیار نہ کرو اور جو خادم کہ ہاتھوں پر پانی ڈالے بعضوں نے اس کا کھڑا ہونا مکروہ کہا ہے۔ بیٹھ کر پانی ڈالنے کو اچھا سمجھا ہے۔ کہ تواضع سے قریب بھی ہے اور بعضوں نے اس کے بیٹھنے کو برا اور مکروہ کہا ہے چنانچہ مروی ہے کہ کسی بزرگ کے ہاتھ ایک خادم نے بیٹھ کر دھلائے وہ بزرگ کھڑے ہوگئے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کھڑے کیوں ہوئے فرمایا کہ ہم دونوں میں سے ایک کو کھڑا ہونا ضرور چاہیئے اور ہمارے نزدیک پانی ڈالنے والے کا کھڑا ہونا بہتر ہے کہ اس سے ہاتھ دھلانے میں آسانی ہے اور دھلانے والے کی تواضع نکلتی ہے اور جب اس کی نیت بھی ہاتھ دھلانے میں تواضع کی ہو تو اس خدمت کے دینے میں تکبر نہیں کہ اس کی عادت ہو رہی ہے۔ غرضکہ طشت میں اب سات آداب ہوئے۔ اول۔ اسمیں نہ تھوکنا دوم چلمچی آگے سامنے کر دینا لیکن اگر تعظیماً دوسرے کے سامنے کر دے تو منظور کر لینا تیسرا داہنی طرف کو دورہ کرنا چوتھے کئی آدمیوں کا مل کر ہاتھ دھونا۔ پانچویں اس میں پانی کا اکٹھا کرنا چھٹے ہاتھ دھلانے والے کا کھڑا ہونا۔ ساتویں کلی اور ہاتھوں کے پانی کو آہستہ اسمیں ڈالنا کہ فرش اور دوسرے شخصوں پہ نہ گرے اور چاہیئے کہ مہمان کے ہاتھ خود میزبان ہی دھلائے کہ حضرت امام مالک نے حضرت امام شافعی کے ساتھ جس وقت آپ اول دفعہ امام مالک کے یہاں گئے تھے ایسا ہی کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جو میں نے کام کیا اس سے گھبرانا مت اس لیئے کہ مہمان کی خدمت فرض ہے ششم یہ کہ ساتھ کے کھانے

---

[۱] قضاعی در مسند شہاب بروایت ابوہریرہ ۱۲۔

والوں کی طرف نہ تاکے اور نہ ان کے کھانے کو دیکھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ شرما جاویں بلکہ ان کی طرف نیچی نگاہ رکھے اور اپنے کھانے میں مشغول رہے اور ساتھ کھانے والوں سے بیشتر اپنا ہاتھ نہ روکے جس صورت میں کہ اس کے بعد کھانے میں تامل کریں بلکہ ان کا ساتھ دینے کو تھوڑا تھوڑا کھاتا رہے یہاں تک کہ وہ شکم سیر ہو جاویں اور اگر کم خوراک ہو تو چاہیئے کہ ابتداء میں توقف کرے اور تھوڑا تھوڑا کھاوے یہاں تک کہ جب لوگ خوب کھا چکیں تو آخر میں ان کے ساتھ بقدر بھوک کھالیوے کہ بہت سے اصحاب نے ایسا ہی کیا ہے اور اگر کسی وجہ سے نہ کھا سکے تو لوگوں سے عذر کر دے تاکہ وہ کھانے میں نہ شرمائیں، ہفتم یہ کہ جو بات دوسرے کو بری معلوم ہو اس کو نہ کرے مثلاً پیالہ میں ہاتھ نہ جھاڑے اور نہ لقمہ لیتے وقت اس پر اپنا منہ جھکا دے اور جب منہ سے کوئی چیز نکالنی ہو تو کھانے کی طرف سے منہ پھیر کر بائیں ہاتھ میں نکالے اور چکنائی کا لقمہ سرکہ میں نہ ڈالے اور نہ سرکہ کی چکنائی میں کہ یہ بھی بعض لوگ برا جانتے ہیں اور جو ٹکڑا دانت سے کترا ہو اس کو شوربہ اور سرکہ میں نہ ڈالے اور نہ ایسی باتیں کرے جن سے گھن آوے

تیسری فصل ۔ مہمانوں کے سامنے کھانا رکھنا

واضح ہو کہ اپنے بھائی مسلمانوں کے سامنے کھانا پیش کرنے کا بہت ثواب ہے حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب تم بھائیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھو تو زیادہ دیر تک بیٹھے رہو کیونکہ یہ ایسی ساعت ہے کہ تمہاری عمروں میں سے اس کا حساب نہ لیا جاوے گا۔ اور حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے کہ آدمی جو نفقہ اپنے اوپر اور اپنے ماں باپ پر وغیرہ رشتہ داروں پر کرتا ہے اس کا حساب یقیناً لیا جاوے گا مگر جو نفقہ کہ برادران دینی پر کھانے میں اٹھاتے ہیں اس کا حساب نہ ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ اس امر کا حساب لینے سے شرم کرتا ہے اور کھانا کھلانے کے باب میں احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے[ح۱] فرمایا کہ فرشتے تم میں سے ایک شخص پر ہمیشہ دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ جب تک کہ اس کے سامنے اس کا دسترخوان بچھا رہے اور اٹھ نہ جاوے اور بعض علماء خراسان کے حال میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے ملنے والوں کے سامنے بہت سا کھانا پیش کرتے تھے کہ سب سے کھایا نہ جاتا تھا اور فرمایا کرتے کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ[ح۲] نے فرمایا کہ جب کوئی مجمع کھانے سے اپنے ہاتھ اٹھا لے تو جو شخص ان کا بچا ہوا کھالے گا اس سے اس کی باز پرس نہ ہوگی۔ اسی نظر سے مجھ کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے

ح۱ طبرانی در اوسط بروایت عائشہؓ بسند ضعیف ۱۲ ح۲ عراقی نے کہا کہ مجھ کو اس کی اصل نہیں ملی۔

کہ جو چیز تمہارے سامنے کروں وہ بہت سی ہو تاکہ جو بچی ہوں ہم کھاویں اور ایک حدیث میں ہے کہ آدمی جو بھائیوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اس کا حساب اس سے نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے بعض اکابر مجمع کے ساتھ میں تو زیادہ کھاتے تھے اور تنہائی میں کم۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تین باتوں کا حساب بندہ سے نہ لیا جاوے گا سحریوں کا کھانا دوسرے افطار کی چیز تیسرے جو ساتھیوں کے ہمراہی میں کھاوے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے بھائیوں کو ایک صاع کھانے پر اکٹھا کروں تو یہ امر میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ ایک بردہ آزاد کروں اور حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ سفر میں عمدہ توشے کا ہونا اور اپنے یاروں کے لئے خرچ کرنا آدمی کے کرم میں سے ہے۔ اور صحابہؓ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے پر اکٹھا ہونا مکارم اخلاق میں سے ہے اور یہ بھی دستور تھا کہ قرآن کی تلاوت کے لئے اکٹھے ہوتے اور جب جدا ہوتے تو کچھ چکھ کے جدا ہوتے۔ اور کہتے ہیں کہ بھائیوں کا کفایت کے طور پر اکٹھا ہونا اور انس والفت کے ساتھ جمع ہونا دنیا میں سے نہیں ہے بلکہ دین میں سے ہے اور ایک حدیث[ح] میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو قیامت کے روز فرماوے گا کہ اے ابن آدم میں بھوکا ہوا تو نے مجھے کھانا نہ دیا وہ کہے گا کہ الٰہی تو تو رب العالمین ہے میں تجھ کو کیسے کھانا دیتا ارشاد کرے گا کہ تیرا بھائی مسلمان بھوکا تھا تو نے اس کو نہ کھلایا اگر تو اس کو کھلاتا تو گویا مجھ کو کھلاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ جب تمہارے پاس کوئی ملنے کو آوے تو اس کی تعظیم کرو۔ اور فرمایا[ح] کہ جنت میں ایسے صاف دریچے ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی چیز اور اندر سے باہر کی چیز سوجھتی ہے اور وہ ان لوگوں کے لئے ہیں کہ گفتگو نرم کریں اور کھانا کھلاویں اور رات کو نماز پڑھیں جس وقت لوگ سوتے ہوں اور فرمایا کہ[ح] تم میں سے بہتر وہ ہے جو کھانا کھلاوے اور فرمایا کہ[ح] جو شخص اپنے بھائی کو اتنا کھانا کھلاوے کہ اس کا پیٹ بھر دے اور پانی پلا دے یہاں تک کہ اس کی پیاس جاتی رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے سات خندقیں دور کر دے گا جن میں سے دو خندقوں کے درمیان کا فاصلہ پانسو برس کی راہ ہو گی اور آداب ملنے اور کھانا پیش کرنے کے کچھ تو آنے کے باب میں ہیں یہ مسنون نہیں کہ کسی کے پاس آوے تو کھانے کا وقت تاک کر آوے کہ جب وہ کھانا کھانے لگے اس وقت موجود ہو جاوے اس لئے کہ یہ اچانک آجانے میں داخل ہے اور اس کی ممانعت ہو گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ کھانے

ح[۴] اس کی سند اگلی حدیث میں آوے گی ح[۵] ازدی در ضعفا بروایت جابر بالفاظ دیگر ۱۲ ح[۵] مسلم بروایت ابی ہریرہ یہ لفظ استطعمک کے یعنی میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہ دیا ۱۲ ح[۶] خرائطی در مکارم اخلاق بروایت انس اور یہ حدیث منکر ہے ح[۷] ترمذی بروایت علی مرتضیٰ اور کہا یہ حدیث غریب ہے عبد الرحمٰن بن اسحٰق راوی پر کلام ہے ۱۲۔ ح[۸] احمد و حاکم بروایت صہیب ۱۲ ح[۹] طبرانی بروایت عبد اللہ ابن عمرؓ ذہبی نے کہا کہ یہ غریب اور منکر ہے ۱۲ [۱] مت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے اس کے پکنے کی

کے وقت اور پکنے کا انتظار نہ کرو۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ایسے کھانے کی طرف جاوے کہ اس کے لئے بلایا نہ گیا ہو تو جانے کی حالت میں فاسق ہوگا اور حرام کھاوے گا ولیکن اگر کوئی شخص بدون کھانے کی تاک کے چلا آیا اور اتفاقاً کھانے کے وقت پہنچا تو اس کو مناسب یہ ہے کہ جب تک گھر والا اجازت نہ دے کھانا نہ کھاوے اور اگر مالک مکان کو کہے تو تامل کرے اگر یہ جانے کہ تواضع براہ محبت کرتا ہے اور ساتھ کھلانا دل سے چاہتا ہے تب تو شریک ہو جاوے اور اگر شرم کے باعث تواضع ہوئی ہو تو کھانا نہ چاہیئے اور جس صورت میں کہ بھوکا ہو اور اپنے کسی بھائی کے پاس اسی غرض سے جاوے کہ وہ کھانا کھلاوے گا اور اس کے کھانے کے وقت کا منتظر نہ رہے تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھوکے تھے پس آپ سب متفق ہو کر ابی الہثیم ابن القیہان اور ابو ایوب انصاری کے مکان پر تشریف لے گئے کہ کچھ وہاں کھاویں اور ایسی حالت میں دوسرے کے یہاں جانا اس کی مدد کھانے کے ثواب لینے میں کرنی ہے اکابر سلف کی عادت یہی تھی عون بن عبد اللہ مسعودی کے تین سو ساٹھ دوست تھے سال بھر میں سب کے پاس ایک ایک روز رہتے تھے اور کسی دوسرے بزرگ کے تیس دوست تھے کہ ایک ایک مہینے میں ہر ایک کے یہاں ہو آتے تھے اور ایک بزرگ کے سات دوست تھے کہ ہفتہ میں سب کے پاس پھرا کرتے تھے اور ان بزرگواروں کے دوستوں کی آمدنی ہاتھ کی کمائی ہوتی تھی اور ان کو ان اکابر کی خدمت کرنی تبرک کی نیت سے عبادت میں داخل تھی پس اگر اپنے دوست کے مکان پر آوے اور اس کو مکان پر نہ پاوے اور اس کی دوستی پر وثوق رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ اگر میں اس کے یہاں سے کچھ کھاؤں گا تو وہ میرے کھانے سے خوش ہوگا تو اس کو اختیار ہے کہ بدون اس کی اجازت کے کھالیوے کیونکہ اجازت سے مقصود راضی ہونا ہے خصوصاً کھانے کی چیزوں میں اور ان کا معاملہ وسعت پر مبنی ہے کہ بہت سے شخص صریح اجازت دے دیتے ہیں اور قسم دیا کرتے ہیں مگر راضی نہیں ہوتے ایسے شخصوں کا کھانا کھانا باوجود اجازت کے مکروہ ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ وہاں موجود نہیں ہوتے اور اجازت نہیں دیتے مگر ان کا کھالینا اچھا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ دوستوں کے یہاں سے کھانے کے لئے ارشاد فرماتا ہے اَوْ صَدِیْقِکُمْ یعنی خواہ اپنے دوستوں کے یہاں سے کھاؤ تو کچھ گناہ نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بریرہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے وہ اس وقت موجود نہ تھیں اور کھانا خیرات کا موجود تھا اس میں سے آپ نے تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ صدقہ اپنے

۱۲ ح بیہقی پر جو روایت عائشہ صدیقہؓ اور اس کو ضعیف کہا ہے ۱۲ ۲ح ابی الہثیم کے یہاں جانا ترمذی نے بروایت ابی ہریرہؓ بیان کیا ہے اور ابو ایوب کے یہاں جانا طبرانی نے بروایت ابن عباس بسند صغیر میں روایت کیا ہے ۵ع یعنی صدقہ تو بریرہؓ کے پاس پہنچ چکا اب میرا کھانا بطور ہدیہ ہے اور واضح ہو کہ بریرہؓ کا کوئی مکان نہ تھا وہ تو ام المومنین عائشہ کی آزاد کردہ تھیں اور انہیں کے یہاں رہتی تھیں اصل حدیث

ٹھکانے لگا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ ہمارے کھانے سے خوش ہوں گی اور اسی لحاظ سے جس کو معلوم ہو کہ صاحب مکان مجھ کو ضرور اجازت دے گا اس کو پوچھ کر اندر جانے کی ضرورت نہیں بدوں پوچھے گھس جاوے اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو پہلے پوچھے پھر اندر جاوے۔ اور محمد بن واسع اور ان کے ساتھی حضرت حسن بصریؒ کے گھر میں جاتے اور جو پاتے بدون اجازت کھا جاتے اور اگر اس وقت حسنؒ آتے اور یہ حال دیکھتے تو فرماتے کہ ہم ایسے ہی رہا کرتے تھے اور مروی ہے کہ حضرت حسنؒ بازار میں میوہ فروش کی دکان پر کھڑے ہوئے اس کا مال کھا رہے تھے کبھی اس ٹھلیا میں کے خشک خرما نکالتے اور کبھی اس میں سے ہشام نے آپ سے کہا اے ابو سعید ورع کے باب میں اب آپ کو کیا سوجھتا ہے کہ اس شخص کا مال بدون اس کی اجازت کے کھاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ذرا میرے سامنے کھانے کے باب میں آیت تو پڑھو ہشام نے سورہ نورہ کی آیت او صدیقکم تک پڑھی اور کہا کہ صدیق سے غرض کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جس سے نفس کو راحت ملے اور دل کا اطمینان اس کی طرف ہو اور کچھ لوگ حضرت سفیان ثوری کے مکان پر گئے ان کو موجود نہ پایا دروازہ مکان کا کھول کر دسترخوان اتار لیا اور کھاتے لگے اتنے میں سفیان ثوری آ گئے اور کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو اگلے لوگوں کی عادات یاد دلا دیں وہ لوگ بھی یونہی کرتے تھے اور کچھ لوگ ایک تابعی کی زیارت کو گئے اس وقت ان کے پاس کچھ نہ تھا کہ اس کو ان کے سامنے رکھتے پس آپ اپنے کسی دوست کے مکان پر گئے وہ گھر پر نہ تھے آپ نے اندر جا کر جو دیکھا تو ہنڈیا پکی ہوئی جدا رکھی اور روٹی وغیرہ جدا تیار ہے آپ سب اٹھا لائے اور ملنے والوں کے سامنے لا کر رکھ دیا کہ کھاؤ جب ان کا دوست اپنے مکان پر آیا تو کھانا کچھ نہ پایا لوگوں نے اس سے کہا کہ فلاں شخص لے گیا ہے اس نے کہا کہ خوب کیا اور جب ان سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ بھائی اگر تمہارے پاس یہ لوگ آویں تو تم پھر جو کچھ پاؤ لیجانا غرضکہ آنے کے آداب تو سن چکے اب کھانا پیش کرنے کے آداب معلوم کرو ان میں سے اوّل یہ ہے کہ تکلف نہ کرے اور جو کچھ حاضر ہو سامنے کر دے اور اگر کچھ نہ ہو اور نہ پیسا پاس ہو تو اس کے لئے قرض نہ لیوے کہ نفس کو تردد میں ڈالے اور اگر کھانا موجود ہو مگر اپنی غذا کی قدر ہو اور اس کو پیش کرنے کے جی نہ چاہے تو پیش نکرے کوئی بزرگ کسی زاہد کے پاس گئے وہ اس وقت کھانا کھاتے تھے فرمانے لگے کہ اگر میں نے یہ کھانا قرض نہ لیا ہوتا تو تم کو

(بقیہ حاشیہ) یہ ہے کہ آپ آئے تو حضرت عائشہ نے موجود طعام پیش کیا آپ نے فرمایا کہ میں تو چولہے پر گوشت چڑھا دیکھتا ہوں انہوں عرض کیا کہ یہ بریرہؓ کو صدقہ دیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے صدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے ۱۲ سید صدیق احمد عفی عنہ ۱۲ اخ بخاری و مسلم بروایت ام عطیہ ۱۲ عه ٹھلیا رسم ملک کے موافق ترجمہ ہے بلکہ ٹوکرے کا ترجمہ انسب تھا اور اصل میں جونہ ہے یعنی چمڑے سے منڈھا ہوا برتن اور اصل میں ہے کہ کبھی اس جونہ میں سے انجیر لیتے اور کبھی دوسرے میں سے خشک خرما لیتے تھے ۱۲ سید امیر علی۔

بھی اس میں سے کھلاتا اور بعض اکابر نے تکلف کے معنے یہ بیان کئے ہیں کہ اپنے ملنے والوں کو وہ چیز کھلاوے اور فضیلؒ فرمایا کرتے کہ لوگوں نے آپس کا ملنا تکلف کے باعث چھوڑ دیا ایک شخص اپنے بھائی کی دعوت کرتا ہے اور اس کے لئے تکلف کرتا ہے اسی وجہ سے وہ دوبارہ اس کے پاس نہیں آتا اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ میرے دوستوں میں سے جو کوئی میرے پاس آتا ہے مجھ کو دقت نہیں ہوتی اس لئے کہ میں اس کے لئے تکلف نہیں کرتا جو میرے پاس ہوتا ہے اس کے سامنے رکھ دیتا ہوں اور اگر میں تکلف کروں تو اس کے یہ معنی ہوں کہ اس کے آنے کو برا سمجھوں اور اس سے اکتا جاؤں اور کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے ایک دوست کے پاس جایا کرتا تھا میں نے اس سے کہا کہ نہ تو اکیلا ایسا کھانا کھاوے اور نہ میں ایسا کھاتا ہوں تو پھر کیا بات ہے کہ اکٹھا کھانے میں یہ صورت ہو اب یا تو اس تکلف کو چھوڑ دے یا میں آنا موقوف کروں دو باتوں سے ایک ہونی چاہیئے اس نے تکلف کو تہ کر دیا اور اس بےتکلفی کے جہت سے ہم ہمیشہ اکٹھے رہا کئے۔ اور یہ بھی تکلف میں داخل ہے کہ جو کچھ اپنے پاس ہو سب کا سب سامنے لار کھے اور اپنے عیال کے واسطے کچھ نہ چھوڑے اور ان کے دلوں کو آزار دے۔ مروی ہے کہ کسی شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی آپ نے فرمایا کہ میں تین شرطوں پر تیری دعوت مانتا ہوں۔ ایک یہ کہ بازار میں سے میرے لئے کچھ نہ لانا دوسرے یہ کہ جو کچھ گھر میں ہو اسے اٹھا مت رکھنا تیسرے یہ کہ ایسا مت کرنا کہ اپنے عیال کے لئے کچھ نہ چھوڑے۔ اور بعض اکابر گھر میں جتنے اقسام کھانے ہوتے ہیں سب میں سے تھوڑا تھوڑا لار کھتے اور کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ ہم جابر بن عبد اللہؓ کے پاس گئے انہوں نے روٹی اور سرکہ ہمارے لار کھا اور فرمایا کہ اگر ہم کو ممانعت تکلف کی نہ ہوتی تو میں تمہارے واسطے تکلف کرتا اور کسی بزرگ نے فرمایا کہ اگر کوئی تیرے یہاں آپ سے ملنے آوے تو جو چیز تیرے یہاں موجود ہو پیش کر دے اور اگر تو اپنی خواہش سے کسی کو بلاوے تو جو کچھ تجھ سے ہو سکے اس میں دقیقہ باقی نہ رکھ۔ اور حضرت سلمانؓ نے فرمایا ہے کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا ہے کہ مہمان کے لئے ایسی چیز کا تکلف نہ کریں جو ہمارے پاس نہ ہو اور جو چیز موجود ہو وہ اس کے سامنے رکھ دیں[1] اور حضرت یونسؑ کے حال میں ہے کہ ان کے بھائی بندان سے ملنے آئے آپ نے روٹی کے ٹکڑے ان کے سامنے رکھ دیئے اور ساگ جو آپ بویا کرتے تھے ان کے واسطے کاٹ لائے پھر فرمایا کہ کھاؤ اگر خدا نے تکلف کرنے والوں کو لعنت نہ کی ہوتی تو میں تمہارے لئے تکلف کرتا اور حضرت انس بن مالک رضؓ اور ان کے سوا دوسرے اصحابؓ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ ملنے والوں کے سامنے

[1] خرا بطی در مکارم اخلاق اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

خشک روٹی کے ٹکڑے اور خشک خرما رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ دو شخصوں میں زیادہ گناہ گار کونسا ہے آیا وہ ہے کہ جو کچھ اس کے سامنے پیش ہو اسکو حقیر جانے یا وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پاس رکھتا ہے اسکو سامنے کرنا حقیر جانے دوسرا ادب آنے والے کے واسطے یہ ہے کہ میزبان پر کچھ معین کھانے کی فرمائش اور زبردستی نہ کرے کہ بعض اوقات اس کو اس چیز کے موجود کرنے میں دقت ہوتی ہے اور اگر میزبان اس کو دو کھانوں میں اختیار دے دے تو دونوں میں سے جونسا میزبان سے باآسانی بن سکے اس کو اختیار کرے کہ طریق سنت یہی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا ہے تو آپ نے ایسی ہی چیز کو اختیار کیا ہے جو باآسانی ہو سکے اور اعمش ابی وائل سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حضرت سلمان رضؓ کے ملنے کو گیا انہوں نے ہمارے سامنے جو کی روٹی اور کچھ بے مزہ نمک رکھ دیا میرے ساتھی نے کہا کہ اگر اس نمک میں پودینہ ہوتا تو خوب ہو جاتا حضرت سلمان رضؓ باہر گئے اور اپنا وضو کا لوٹا گرو کر کے پودینہ لائے جب ہم کھانا کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو قناعت دی اس چیز پر کہ ہم کو روزی کی حضرت سلمان رضؓ نے فرمایا کہ اگر جو کچھ روزی ہوا تھا اس پر تم قناعت کرتے تو میرا لوٹا گرو نہ ہوتا یہ فرمائش نہ کرنے کی صورت اس وقت میں ہے کہ مہمان کو معلوم ہو جاوے کہ میزبان پر اس کا بہم پہنچانا دشوار ہوگا یا اس کو فرمائش کرنا برا معلوم ہوگا اور اگر یہ جانے کہ فرمائش سے وہ خوش ہوگا اور اس چیز کا بہم پہنچنا آسان ہے تو اس صورت میں فرمائش مکروہ نہیں حضرت امام شافعیؒ نے جس وقت کہ بغداد میں زعفرانی کے پاس فروکش تھے ایسا کیا تھا زعفرانی کا دستور تھا کہ جتنے اقسام کھانے کے پکتے تھے ان کی فہرست لکھ کر لونڈی کو دیدیتے کسی روز وہ فہرست امام شافعیؒ نے لے کر اپنے قلم سے ایک قسم کھانے کی زیادہ کر دی جب زعفرانی نے وہ قسم دسترخوان پر دیکھی تو کہا اس کی میں نے اجازت نہیں دی پھر وہ فہرست پیش ہوئی جس میں امام شافعیؒ نے کچھ بڑھا دیا تھا جب زعفرانی کی نگاہ آپ کے خط پر پڑی نہایت خوش ہوئے اور لونڈی کو اس خوشی کے مارے آزاد کر دیا کہ امام شافعیؒ نے ہم سے فرمائش کی اور ابوبکر کنانی کہتے ہیں کہ میں سری سقطیؒ کے پاس گیا اور کچھ ٹکڑے اٹھا لائے اور ان میں سے آدھے پیالہ میں گھولنے لگے میں نے کہا یہ آپ کیا کرتے ہیں میں تو ایک دفعہ میں سب پی جاؤں گا آپ ہنس پڑے اور فرمایا کہ حجت کرنے کی نسبت کر یہ تمہارے لئے بہتر ہے جو میں کرتا ہوں اور کسی بزرگ نے کہا کہ کھانا تین طرح پر ہے فقیروں کے ساتھ میں تو ان کو اپنے نفس پر ترجیح دینا چاہیئے

۲۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ ۱۲

اور بھائی بندوں کے ساتھ کھیل کر کھانا چاہیئے اور دنیا داروں کے ساتھ ہیں ادب کے ساتھ تیسرا ادب یہ ہے کہ میزبان اپنے بھائی مہمان سے التماس فرمائش کرے بشرطیکہ اس کی فرمائش بجالانے کو جی بھی چاہتا ہو کہ یہ بات اچھی ہے اور اس میں ثواب اور فضیلت بہت ہے چنانچہ آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی خواہش کو پورا کر دے اس کی مغفرت ہوگی اور جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرے اس نے گویا خدا تعالیٰ کو خوش کیا۔ اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت[۲] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کو وہ چیز کھلادے جو وہ چاہتا ہے تو اللہ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور دس لاکھ برائیاں اس کے نامۂ اعمال سے دور کرتا ہے اور دس لاکھ درجے اس کے بلند کرتا ہے اور اس کو تین جنتوں سے کھانا کھلاتا ہے یعنی فردوس اور عدن اور خلد۔ سے چوتھا ادب یہ ہے کہ آنے والے سے نہ کہے کہ آپ کے واسطے کھانا لاؤں بلکہ کھانا اگر موجود ہو تو بن پوچھے سامنے رکھ دے۔ ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا بھائی تم سے ملنے آوے تو اس سے یہ نہ کہو کہ کچھ کھاؤ گے یا کھانا لاؤں بلکہ بلا استفسار کھانا سامنے رکھ دو اگر کھائے فبہا ورنہ اٹھا لیوے اور اگر ملنے والوں کو کھانا کھلانا منظور نہ ہو تو نہ چاہیے کہ کھانے کو ان پر ظاہر کرے یا ان کے سامنے اس کا بیان کرے حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ جب آدمی کو یہ منظور ہو کہ اپنے عیال کو اپنی خوراک میں سے نہ کھلاوے تو چاہیے کہ ان کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے اور نہ ان کو دکھاوے اور بعض صوفیوں کا قول ہے کہ جب فقیر تم سے ملنے آویں تو ان کے سامنے کھانا رکھ دو اور اگر فقیہ آویں تو ان سے کوئی مسئلہ پوچھو اور اگر قاری تو ان کو جانماز بتا دو۔

چوتھی فصل۔ دعوت کے آداب

چونکہ ضیافت میں چھ چیزیں آداب کی جگہیں ہیں اوّل دعوت کرنا دوم قبول کرنا سوم کھانے کے لئے آنا چہارم کھانا پیش کرنا پنجم کھانا ششم بعد کھانے کے لوٹ جانا۔ اس لئے ہم اس فصل کو چھ بیانوں میں لکھیں گے۔

دعوت کی فضیلت

آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہمان کے لئے تکلف مت کرو کہ تکلف سے اس کو برا جانو گے اور جو شخص مہمان کو برا جانتا ہے وہ اللہ کو برا جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برا مانتا ہے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[۴] ہے کہ جو شخص مہمان کی ضیافت نکرے اس میں کچھ خیر نہیں۔ اور نہ

[۱] بزاز و طبرانی بروایت ابو درداء اور ابن جوزی نے کہا کہ موضوع ہے ۱۲ [۲] ابن جوزی نے موضوع کہا ہے ۱۲ [۳] ابوبکر بن ہلال در مکارم اخلاق اور اس میں ایک راوی میں لوگوں کو کلام ہے ۱۲ [۴] احمد روایت عقبہ بن عامر اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

ایک بار آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جس کے یہاں اونٹ اور گائیں بہت تھیں اس نے آپ کی ضیافت نہ کی اور ایک عورت کے پاس تشریف لے گئے کہ اس کے یہاں بکریاں تھیں اس نے بکری آپ کے لئے ذبح کی آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ ان دونوں کے حال کو دیکھو یہ اخلاق خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جس کو نیک عادت دینی چاہتا ہے دیدیتا ہے اور ابورافع آپ کا مولی راوی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں ایک مہمان اترا آپ نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ فلاں یہودی سے کہو کہ میرے یہاں ایک مہمان آگیا ہے مجھ کو تھوڑا آٹا جب تک قرض دیدے یہودی نے کہا کہ واللہ میں بدون کوئی چیز گرو رکھے نہ دوں گا۔ میں نے آپ کی خدمت میں ماجرا عرض کیا آپ نے فرمایا کہ بخدا میں آسمان میں امین ہوں اور زمین میں امین ہوں اگر وہ مجھ کو قرض دیتا بے شک میں ادا کرتا اب میری زرہ لے جاؤ اور اس کے پاس گرو رکھ دو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کھانا چاہتے تو ایک یا دو کوس باہر جاتے کہ کوئی ساتھ کھانے والا ملے اور اسی وجہ سے ان کی کنیت ابو الضیفان ہو گئی اور چونکہ ضیافت میں آپ کی نیت سچی تھی اسی وجہ سے آج تک ضیافت کی رسم آپ کے مقام میں جاری ہے ... کہ کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ اس جگہ پر تین سے دس اور سو آدمیوں تک کھانا نہیں کھاتے اور اس مقام کے منتظموں کا قول ہے کہ اب تک کوئی شب مہمان سے خالی نہیں گذری اور حضرت[۳] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ ... کھانا کھلانا اور سلام کا افشا کرنا اور کفارات اور درجات میں آپ نے[۴] ارشاد فرمایا ہے کہ کھانا کھلانا اور رات کے وقت لوگوں کے سونے کی حالت میں نماز پڑھنا ہے اور کسی شخص نے آپ سے حج مقبول کا حال پوچھا تو فرمایا[۵] کہ کھانا کھلانا اور اچھا کام کرنا ہے اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ جس گھر میں مہمان نہیں آتا اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور چونکہ ضیافت اور کھانا کھلانے کی فضیلت میں اخبار بے شمار وارد ہیں لہذا ان میں سے اسی قدر پر اکتفا کر کے ضیافت کے آداب ذکر کرتے ہیں۔ اول یہ کہ ضیافت کرنے والا متقیوں کی دعوت کرے نہ بدکاروں کی چنانچہ آنحضرت[۶] صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کسی نے دعوت کی تھی تو اس کے لئے آپ نے دعا مانگی کہ تیرا کھانا نیک بندے کھاویں اور ایک حدیث میں ہے[۷] ارشاد فرمایا کہ بجز متقی کے اور کسی کا کھانا مت کھانا اور نہ تیرا کھانا متقی

---

[۱] ح خرائطی در مکارم اخلاق بروایت ابی المنہال مرسلا ۱۲ [۲] ح اسحاق بن راہویہ وہ خرائطی نے مکارم اخلاق میں بسند ضعیف روایت کیا ہے ۱۲ [۳] ح احمد بروایت عبد اللہ بن عمرو بالفاظ دیگر ۱۲ [۴] ح ترمذی بروایت معاذ رضہ ۱۲ [۵] اس کی سند باب الحج جلد اول میں گذر گئی ۱۲ [۶] ح ابوداؤد بروایت انس رضہ ۱۲

[۷] ح اس کی سند باب الزکوٰۃ جلد اول میں گذر گئی۔ ۱۲

کے سوا اور کوئی کھاوے دوسرے یہ کہ فقراء کی دعوت کرے توانگروں کو خاص نہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [1] ہے کہ سب کھانوں میں برا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں توانگروں کی دعوت ہو فقیروں کی نہ ہو تیسرے یہ کہ دعوت میں اپنے اقارب کو نہ چھوڑے کہ ان کو چھوڑ دینے میں ان کو وحشت میں ڈالنا اور قرابت کو توڑنا ہے اسی طرح اپنے دوستوں اور آشناؤں کی دعوت میں ترتیب کا لحاظ رکھے کہ بعض کی خصوصیت کرنے سے اوروں کے دل کو وحشت میں ڈالنا ہے چوتھے یہ کہ دعوت سے فخر اور شیخی کی نیت نہ کرے بلکہ بھائیوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور کھانا کھلانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق پر چلنا اور ایمان داروں کے دلوں میں خوشی پہنچانی مدنظر رکھے پانچویں یہ کہ ایسے شخص کی دعوت نہ کرے کہ جس کو جانے کہ قبول کرنے میں اس کو دشواری ہوگی اور جب آوے گا تو حاضرین سے کسی سبب سے ایذا پاوے گا۔ چھٹے یہ کہ دعوت اسی شخص کی کرے جس کا قبول کرنا اچھا کرنے والے پر معلوم ہو حضرت سفیان رض فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کی دعوت کرے اور دل سے اس کا قبول کرنا برا جانتا ہو تو دعوت ایک گناہ ہے اور دوسرا شخص اگر اس کی دعوت منظور کرے تو اس صورت میں اس پر دو گناہ ہیں کیونکہ اس شخص نے دوسرے کو باوجود برا جاننے کے کھانے پر آمادہ کر لیا اگر وہ جانتا کہ میرا کھانا اس کو برا معلوم ہوتا ہے تو کبھی نہ کھاتا اور متقی کو کھانا کھلانے میں یہ فائدہ ہے کہ تقویٰ پر مدد ہوتی ہے۔ اور بدکار کو کھلانے سے بدکاری پر قوت دینا ہے ایک درزی نے حضرت ابن مبارک رح سے پوچھا کہ میں بادشاہوں کے کپڑے سیتا ہوں تو تجھ کو یہ خوف تو نہیں کہ میں ظالموں کا مددگار ہوں آپ نے فرمایا کہ ظالموں کے مددگار تو وہ ہیں جو تیرے ہاتھ سوئی دھاگا بیچتے ہیں تو تو خود ظالم ہے مددگار ہونے کا کیا پوچھتا ہے۔

دعوت قبول کرنا

دعوت کا منظور کرنا سنت موکدہ ہے اور بعض جگہوں میں لوگ اس کو واجب بھی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ [2] اور اجابت کے لئے پانچ ادب ہیں اول یہ کہ توانگر اور مفلس میں اسبات میں فرق نہ کرے کہ توانگر کے یہاں ہو تو قبول کرے اور فقیر کے یہاں ہو تو نہ مانے اس لئے کہ ایسا کرنا تکبر ہے اور اس کی ممانعت ہے اور اسی تکبر کی جہت سے بعض لوگوں نے سرے سے دعوت کا قبول کرنا ہی چھوڑ دیا اور کہتے ہیں کہ شوربا کا انتظار کرنا ایک ذلت ہے اور دوسرے نے کہا ہے کہ جب میرا ہاتھ دوسرے کے پیالہ میں پڑا تو اس کے لئے میری گردن جھک گئی اور بعض متکبر توانگروں کی دعوت قبول کرتے ہیں۔

---

[1] قولہ سب کھانوں الخ مطلب یہ کہ طعام ولیمہ سب سے بدتر ہے کہ اس میں توانگروں کی دعوت ہوتی ہے نہ فقیروں کی ۱۲ امیر علی۔

[2] اگر میری دعوت کوئی بکری کی نلی پر کرے تو میں مان لوں اور اگر کوئی مجھ کو بکرے کا دست تحفہ دے تو قبول کر لوں ۱۲ بخاری ابی ہریرہ رض

فقیروں کی نہیں کرتے یہ بھی سنت کے خلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلام اور مسکین سب کی دعوت قبول فرماتے تھے اور ایک بار حضرت امام حسنؓ کچھ مسکینوں کے پاس سے گزرے جو سڑک پر لوگوں سے سوال کرتے تھے انہوں نے اس وقت روٹی کے ٹکڑے زمین کی ریت پر پھیلا رکھے تھے اور سب بیٹھے کھا رہے تھے اور آپ اپنے خچر پر سوار جاتے تھے آپ نے ان کو سلام کیا انہوں نے آپ سے کہا کہ اے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے نواسے آئیے کھانا کھائیے آپ نے فرمایا بہتر اللہ تعالیٰ متکبروں کو نہیں چاہتا یہ کہہ کر خچر پر سے اتر پڑے اور ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر تناول فرمایا پھر سلام کر کے سوار ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت منظور کی تم بھی میری دعوت منظور کرو انہوں نے کہا بسر وچشم آپ نے ان کو ایک وقت معین کر دیا جب وہ آئے تو خوب عمدہ کھانا ان کے سامنے لائے اور آپ بھی ان کے ساتھ کھانے کو بیٹھ گئے اور یہ جو کسی کا قول اوپر گزرا ہے کہ جب میرا ہاتھ دوسرے کے پیالہ میں پڑا تو اس کے لئے میری گردن جھک گئی تو اس کے جواب میں بعضوں نے فرمایا ہے کہ یہ قول خلاف سنت ہے اور واقع میں ایسا نہیں کیونکہ دعوت کا منظور کرنا ذلت اس صورت میں ہے کہ دعوت کرنے والا دعوت کے قبول کرنے سے خوش نہ ہو اور منت کش نہ ہو بلکہ اپنی دعوت کرنے کو دوسرے پر احسان جانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دعوت میں تشریف لے جاتے تھے تو یہی وجہ تھی کہ آپ کو معلوم تھا کہ دعوت کرنے والا احسان مانے گا اور ہمارے جانے کو دارین میں اپنا فخر اور شرف سمجھے گا غرضیکہ دعوت کا قبول کرنا احوال کے اختلاف سے مختلف حکم رکھتا ہے اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ دعوت کرنے والا کھانا کھلانے کو گراں جانتا ہے اور دعوت صرف فخریہ اور تکلف کے طور پر کرتا ہے تو اس کی دعوت کا قبول کرنا مسنون نہیں بلکہ حیلہ کر دینا بہتر ہے اور اسی لئے کسی صوفی نے ارشاد فرمایا ہے کہ دعوت ایسے ہی آدمیوں کی کھاؤ جو یہ سمجھے کہ تم اپنا رزق کھاتے ہو اور جو تمہاری امانت اس کے پاس تھی اس کو تمہارے حوالے کرتا ہے اور تمہاری اس امانت کے لینے سے ممنون ہوتا ہے اور سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایسے لقمہ کا طالب ہوں کہ اس میں خدا تعالیٰ کا گناہ کوئی مجھ پر نہ ہو اور نہ کسی مخلوق کی منت پس جس صورت میں کہ مدعو کہ معلوم ہو کہ اس دعوت میں منت نہیں تو اس کو رد کرنا چاہئے اور ابو تراب بخشی فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے سامنے کھانا آیا میں نے نہ کھایا اور انکار کر دیا پھر چودہ روز میں بھوک میں مبتلا ہوا اور جانا کہ یہ اس کھانے سے انکار کرنے کی سزا ہے اور حضرت معروف کرخیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ کی دعوت جو کوئی کرتا ہے آپ چلے جاتے ہیں فرمایا کہ میں مہمان ہوں جہاں مجھے اتارتے ہیں وہاں اترتا ہوں دوم یہ کہ فاصلے کے دور ہونے کی جہت سے دعوت

اھ ترمذی و ابن ماجہ مگر مسکین کا ذکر اس میں نہیں ۱۲ ع اصل میں میل کا لفظ ہے ۱۲ -

سے انکار نہ کرے جیسے اس صورت میں انکار نہ چاہیئے کہ دعوت کرنے والا مفلس ہو اور وجاہت نہ رکھتا ہو بلکہ جو فاصلہ اتنا ہو کہ اس قدر کی برداشت کی عادت ہو تو پھر دوری کے عذر سے انکار نہ کرے کہتے ہیں کہ توریت میں یا کسی دوسری کتاب آسمانی میں ہے کہ ایک کوس چل مریض کو پوچھ دو کوس چل جنازہ کے ہمراہ ہو تین کوس چل دعوت کو منظور کر چار کوس چل ایسے بھائی کی ملاقات کر جو بھائی چارہ فی اللہ رکھتا ہو۔ دعوت کو منظور کرنے اور بھائی کی ملاقات کو اس لئے فضیلت ہوتی کہ اس میں زندہ کے حق کا ادا کرنا ہے جو مردہ کی نسبت کہ اولیٰ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری کوئی دعوت کراع الغمیم میں کرے تو قبول کر لوں۔ اور کراع الغمیم ایک جگہ ہے مدینہ منورہ سے چند کوس پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں جب اس جگہ پہنچے تھے تو روزہ افطار کیا تھا اور آپؐ نے سفر سے اسی جگہ نماز کا قصر فرمایا تھا تیسرے یہ کہ روزہ دار ہونے کی بہت سے دعوت سے انکار نہ کرے بلکہ دعوت میں جاوے اگر صاحب دعوت کی خوشی اپنے افطار کرنے میں جانے تو افطار کرے اور مسلمان کے دل خوش کرنے کے ارادہ سے افطار میں بھی اسی ثواب کا خواہاں ہو جو روزہ سے ہوتا ع اور یہ بات نفل روزہ میں ہے اور اگر صاحب دعوت کے دل کی خوشی ثابت ہو تو اس کے ظاہر حال ہی کو سچا کر دے اور افطار کرے لیکن جس صورت میں ثابت ہو کہ وہ تکلف کرتا ہے تو بہانہ کر دیوے اور افطار نہ کرے اور ایک شخص نے جو روزہ کے عذر سے کھانے سے انکار کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ارشاد؀ فرمایا کہ تیرے بھائی نے تیرے واسطے محنت اٹھائی اور تو کہتا ہے کہ میں روزہ دار ہوں اور حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ہم نشینوں کی خاطر سے افطار کر لینا بہت عمدہ حسنات میں سے ہے پس نیت سے افطار کرنا عبادت اور خوش خلقی ہے تو اس کا ثواب روزہ کے ثواب سے زیادہ ہے اور جس صورت میں کہ افطار نہ کرے تو خوشبو اور انگیٹھی اور عمدہ گفتگو اس کی ضیافت ہے اور کہتے بھی ہیں کہ سرمہ اور تیل بھی دو دعوتوں سے ایک ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر کھانا شبہہ کا ہو یا جگہ خواہ فرش حلال کا نہ ہو یا اس مقام میں کسی طرح کی بری بات ہو مثلاً ریشمی فرش ہو یا چاندی کے برتن خواہ جانداروں کی تصویریں چھت یا دیواروں میں لگی ہوں یا کچھ ستار بانسری وغیرہ اور لہو و لعب کی چیزیں اور ڈھول تاشے یا ہزلیات اور غیبت اور چغلی اور بہتان اور جھوٹ و فریب کے سننے میں مشغول ہونا پڑے یا اور کوئی اسی قسم کی بدعت ہو تو ان کے باعث دعوت کو نہ ماننے اور ایسی صورت میں قبول دعوت مستحب نہیں رہتا بلکہ یہ امور اس کی

ع اصل میں نیل کا لفظ ہے ۱۲۔

۱؎ الغمیم کا لفظ اس حدیث میں معروف نہیں کراع ہے چنانچہ اس سے تیسری حدیث میں مذکور ۱۲ ؎ مسلم و بروایت جابر ۳؎ اس کی سند معلوم نہیں ہوئی ۱۲۔

حرمت اور کراہت کے موجب ہوتے ہیں اور یہی حال ہے اگر صاحب دعوت ظالم یا بدعتی یا فاسق یا شریر ہو یا فخر شیخی کے طور پر دعوت بہ تکلف کرتا ہو پانچویں یہ کہ دعوت کے قبول کرنے سے یہ قصد نہ کرے کہ ایک وقت پیٹ بھر جاوے گا ورنہ یہ عمل دنیا کے لئے ہو گا بلکہ نیت کو قبول کرنے میں درست رکھے تاکہ آخرت کے لئے خاص ہو اور اس کی یہ صورت ہے کہ قبول دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کی پیروی کا قصد کرے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ لو دعیت الی کواع لاجبت ورنہ یہ نیت کرے کہ اگر دعوت[2] کو منظور کروں گا تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچوں گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] مَنْ لم یجب الداعی فقد عصی اللہ و رسولہٗ اور یہ نیت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب[4] من اکرم اخاہ المومن فکانما اکرم اللہ اپنے بھائی مومن کا اکرام کرتا ہوں اور نیز یہ نیت ہو کہ بفحوائے حدیث شریف[5] من سر مومنا فقد سر اللہ ایک مومن کے دل کو سرور پہنچاتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی نیت کرے[6] کہ صاحب دعوت کی ملاقات کو جاتا ہوں اس نیت سے یہ فائدہ ہے کہ نیت کرنے والا ان لوگوں میں سے ہو جاوے گا جو آپس میں محبت فی اللہ رکھتے ہیں اس لئے کہ اس طرح کی محبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ کے واسطے ایک دوسرے کے پاس جانا اور آپس میں ایک دوسرے پر خرچ کرنا شرط کیا ہے تو جب صاحب دعوت نے خرچ کیا تو مدعو کی طرف سے ملاقات کو جانا ہو جاوے گا اور یہ نیت کرے کہ دعوت قبول کرنے سے کوئی میری طرف سے بدگمان نہ ہو گا اور یہ طعنہ زبان زد نہ کرے گا کہ تکبر یا بدخلقی سے یا مسلمانوں کو حقیر جان کر دعوت قبول نہ کی غرضیکہ دعوت کے قبول کرنے میں یہ چھ نیتیں ایسی ہیں کہ اگر ایک بھی آدمی کرے تو قبول دعوت مورث قربت ہو گا اور اگر سب نیتیں کوئی کرے تو پھر کیسے باعث قربت نہ ہوں گی اور سلف کے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے ہر عمل میں ایک نیت ہو یہاں تک کہ کھانے اور پینے وغیرہ میں بھی نیت ہوا کرے اور اسی جی سے نیت کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[7] انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرء ما

---

[1] بیہقی بروایت ابو سعید خدری مگر ضعیف ہے ۱۲ [2] اس کے معنی اور سند ابھی اوپر گذری ۱۲ [3] جو شخص دعوت کرنے والے کا کہنا نہ مانے تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [4] جس نے اپنے بھائی مومن کا اکرام کیا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کا اکرام کیا عقیلی در ضعفا بروایت صدیق اکبر بسند ضعیف ۱۲ [5] جس نے کسی مومن کو خوش کیا سند مثل حدیث بالا ۱۲ [6] مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ اعنی ہوتا الخ یا اس سے افضل ثواب کی امید کرے کذافی الاصل ۱۲ [7] اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی اس کی ہجرت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کی طرف رہے گی اور جس کی ہجرت دنیا کے ملجانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی ہو گی تو اس کی ہجرت اس چیز کی طرف ہو گی جس کے لئے ہجرت کی ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق ۱۲۔

نوٰی فَمَنْ کانت ھجرتہٗ الی اللہِ ورَسُوْلہٖ فھجرتہ الی اللہ وَرَسولہٖ وَمَنْ کانَتْ ھِجْرَتہٗ

اِلیٰ دُنیَا یصیبھا اوامراۃ یتزَوَّجھا فھجرتہٗ الیٰ مَاھَاجرَ الیہ اور نیت صرف مباح اور طاعت

کی چیزوں میں اثر کرتی ہے ممنوع چیزوں میں تاثیر نہیں کرتی مثلاً اگر ساتھیوں

کی خوشی کے لئے شراب پیوے خواہ اور کسی حرام کا مرتکب ہو اور نیت کرے کہ مسلمانوں کی خوشی کرتا ہوں

تو یہ نیت مفید نہ ہوگی اور نہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے بلکہ جہاد جو طاعت ہے اگر اس سے

بھی نیت فخر کی یا مال حاصل کرنے کی کرے گا تو طاعت نہ رہے گی یہی حال مباح کا ہے کہ جو چیز خیرات میں

بھی مل سکتی ہے اور غیر خیرات میں بھی وہ نیت سے خیرات میں لاحق ہو جاتی ہے پس نیت کا اثر انہیں دو

قسموں میں ہوتا ہے کسی تیسری قسم میں نہیں ہوتا۔

دعوت کھانے کے لئے حاضری کے آداب اس کے آداب یہ ہیں کہ جب مکان میں آوے تو صدر مقام میں نہ بیٹھے بلکہ فروتنی کرے دوسرے یہ کہ بہت دیر نہ لگائے کہ لوگ منتظر رہیں اور نہ

اتنا جلدی جاوے کہ ابھی صاحبِ دعوت سامان بھی نہ کرنے پاوے اور جا موجود ہو۔ تیسرے یہ کہ بھیڑ کے

وقت ایسی طرح نہ بیٹھے کہ دوسروں کی تنگی ہو بلکہ اگر مالک مکان کسی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کرے تو اس کے

خلاف ہرگز نہ کرے کیونکہ بعض اوقات صاحب مکان اپنے دل میں ہر ایک شخص کی جگہ تجویز کر لیتا ہے

تو اس کے خلاف کرنے میں اس کی ترتیب ٹوٹ جائے گی اور تردد ہوگا اور اگر بعض حاضرین اس کی تعظیم

کے لئے کوئی اونچی جگہ بتادے تو اس وقت تواضع کرنی چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے

ہیں اِنَّ مِنَ التواضع للہ الرضاءُ بالدُّوْنِ مِنَ المَجْلِسِ [۱] چوتھے یہ کہ جس کوٹھری میں عورتیں ہوں اور پردہ

پڑا ہو تو اس کے دروازہ کے سامنے نہ بیٹھے پانچویں یہ کہ جس جگہ کھانا اترتا ہو وہاں بہت نہ تاکے کہ

یہ دلیل بے صبری اور حرص کی ہے چھٹے یہ کہ جب بیٹھے تو جو شخص پاس ہو اس سے سلام علیک اور پرسش

احوال کرے اور جب مہمان میزبان کے یہاں آوے تو میزبان کو چاہیئے کہ اس کو قبلہ کی سمت اور

پاخانہ اور وضو کی جگہ بتادے حضرت امام مالکؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اور حضرت

امام مالکؒ نے کھانے سے پیشتر ہاتھ دھونے میں لوگوں سے پہلے خود ہاتھ دھوئے اور فرمایا کہ کھانے

سے پہلے ہاتھ دھونے اوّل مالک مکان کو چاہیئیں اس لئے کہ وہ لوگوں کو اپنے کرم کی طرف بلاتا ہے تو

مناسب یہ ہے کہ ہاتھ پہلے دھوئے اور کھانے کے بعد سب سے پیچھے ہاتھ دھوئے کہ شاید اگر کوئی کھانے والا رہ

گیا ہو اور وہ آجاوے تو اس کے ساتھ کھاوے ساتویں یہ کہ جب دعوت کی جگہ پہنچ کر کوئی بری بات دیکھے تو اگر

---

[۱] اللہ کے لئے تواضع کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ بیٹھنے کے مقام سے ادنیٰ جگہ پر راضی ہو جاوے ۲ انحرابطی در مکارم اخلاق وابونعیم اور ریاضۃ المتعلمین بروایت طلحہ بن عبد اللہ۔

اس کے دور کرنے پر قادر ہو تو دور کر دے ورنہ زبانی اس کی برائی بیان کر کے لوٹ جاوے اور بری باتیں یہ ہیں۔
کہ فرش ریشمی کا ہونا یا چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال یا تصویروں کا دیواروں پر ہونا یا باجے گاجے
ستار وغیرہ کا سننا یا عورتوں کا منہ کھلے وہاں موجود ہونا یا اور کوئی حرام چیز کا پایا جانا۔ یہاں تک کہ امام احمدؒ
نے فرمایا ہے کہ جب سرمہ دانی ایسی دیکھے جس کے سر پر چاندی لگی ہو تو نکل جانا چاہئے اور اس مجلس
میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی صحن میں بیٹھنے کو فرمایا اور جب کوئی شخص باریک پردہ مچھر دن کے بچاؤ
کا دیکھے تب بھی یہی کہا ہے کہ وہاں سے چلا آوے کہ بے فائدہ کا تکلف ہے نہ اس سے گرمی جاوے
نہ سردی اور نہ کوئی شے اس کے سبب سے چھپ سکے اور اسی طرح جب گھر کی دیواروں کو ریشمی کپڑوں
سے کعبہ کی طرح مڑھا ہوا دیکھے وہاں بھی نہ بیٹھنا چاہئے اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ جب کوئی شخص ایک
مکان کرایہ پر لے جس میں تصویر ہو یا حمام میں جاوے اور اس میں تصویر پاوے تو چاہیئے کہ اس
تصویر کو اگر قدرت ہو تو دور کر دے اور اگر قابو نہ ہو تو اس میں سے نکل آوے اور جتنی باتیں آپ
نے فرمائی ہیں سب درست ہیں لیکن پردہ مسہری کا دیکھنا اور دیواروں پر ریشمی کپڑے زینت کے
لئے لٹکانا داخل حرمت نہیں کیونکہ حریر کا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے[1] ھذان حرام علیٰ ذکور امتی حل لاناثھا اور جو دیواروں پر کپڑے ہیں وہ
مردوں کی طرف منسوب نہیں اور اگر بالفرض دیواروں پر ریشمی کپڑا ڈالنا حرام ہوتا تو کعبہ شریفہ کی
زینت بھی حرام ہوتی بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس طرح کی زینت مباح میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے[2] قل من حرم زینت اللہ خصوص ایسی صورت میں کہ اس فعل سے زینت مقصود ہو اور فخر
کے لئے عادت نہ ٹھہرائی گئی ہو گو یہ بات سوچ لی ہو کہ ان لوگوں کو اس کے دیکھنے سے نفع ہو گا اس
لئے کہ مردوں کو حریر کی طرف دیکھنا حرام نہیں جس صورت میں کہ لونڈیاں اور عورتیں اس کو پہنے ہوئے
ہوں تو دیواروں پر پڑا دیکھنا بھی ایسا ہی ہے کہ ان میں بھی مردیت کا وصف نہیں۔

کھانا لانے کے آداب خمسہ

اول کھانا جلد پیش کرنا اس میں مہمان کی تعظیم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد
فرماتے ہیں[3] مَن کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ اور جس صورت
میں کہ اکثر لوگ آ گئے ہوں اور ایک یا دو وقت مقررہ پر نہ آئے ہوں تو حاضرین کی خاطر سے جلد کھانا
پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ غیر حاضرین کی خاطر سے کھانا کھلانے میں دیر کی جاوے ہاں جس صورت

---

[1] یہ دونوں حرام ہیں میری امت کے مردوں پر حلال ہیں ان کی عورتوں کو ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ بروایت علی مرتضیٰؓ ۱۲۔ اور اس میں ابو افلح ہمدانی
مجہول ہے ۱۲۔ [2] تو کہ کس نے منع کیا ہے رونق اللہ اللہ ۱۲۔ [3] جو شخص ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کی
تعظیم کرے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو شریح

ہیں کہ غیر حاضر فقیر ہو یا پیچھے رہ جانے میں اس کی دل شکنی متصور ہو تو اس کا انتظار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں [۱] ہل اتٰک حدیث ضیف ابراھیم المکرمین ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کی تعظیم یہ کی گئی تھی کہ کھانا ان کو جلد کھلایا گیا تھا چنانچہ دوسری آیت اس پر دلیل ہے کہ ارشاد فرمایا [۲] فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ اور ایک جا فرمایا [۳] فراغ اِلٰی اَھْلِہٖ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ اور راغ کے معنی جلد جانے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خفیہ جانے کے معنی ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک ران گوشت لائے تھے اور اس کا نام عجل اس لئے رکھا کہ عجلت کے ساتھ لائے اور دیر نہ کی کہ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ جلدی کرنا بجز پانچ باتوں کے شیطان کی طرف سے ہے اور ان پانچ امور میں سنت آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یعنی مہمان کو کھانا کھلانا اور مردہ کی تجہیز و تکفین کرنا اور کنواری عورت کو بیاہ دینا اور قرض ادا کرنا اور گناہ سے توبہ کرنا اور ولیمہ میں بھی جلدی کرنا مستحب ہے اور کہتے ہیں کہ اوّل روز کا ولیمہ سنت ہے اور دوسرے روز کا معروف یعنی سلوک کے طور پر ہے اور تیسرے روز کا نمود ہے دوم کھانوں کو ترتیب وار پیش کرنا یعنی اگر فاکہہ ہوں تو اوّل اس کو پیش کرے اس لئے کہ طب کی رو سے یہ امر مناسب ہے کیونکہ فاکہہ جلد ہضم ہوتا ہے اس لئے معدہ میں سب سے نیچے ہونا اس کا اچھا ہے اور قرآن مجید میں بھی تنبیہ ہے کہ فاکہہ کو اوّل پیش کرنا چاہیئے چنانچہ ارشاد ہے [۴] وفاکھۃ مما یتخیرون پھر فرمایا [۵] ولحم طیر مما یشتھون پھر بعد فاکہہ کے پیش کرنا گوشت اور ثرید کا افضل ہے اور ثرید اس کھانے کو کہتے ہیں کہ شوربا میں روٹی توڑ دی جاوے اور یہ کھانا عرب میں افضل ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد [۶] ہے کہ حضرت عائشہؓ کو عورتوں پر ایسا فضل ہے جیسا ثرید کو اور کھانوں پر ہے اور اگر کھانے کے بعد کچھ شیرینی بھی ہو تو سب عمدہ چیزیں جمع ہو گئیں اور گوشت سے اکرام کے ہونے پر یہ آیت دلالت کرتی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی شان میں ہے۔ فما لبث ان جاء بعجل حنیذ اور حنیذ اس گوشت کو کہتے ہیں کہ خوب پکا ہو اس سے معلوم ہوا کہ بیشتر گوشت لانے میں بھی اکرام کی صورت ہے اور عمدہ چیزوں کے باب میں ارشاد فرمایا [۷] وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اس میں من کے معنی شہد کے ہیں اور سلوٰی سے مقصود گوشت ہے اور گوشت کو سلوٰی اس لئے فرمایا کہ اس کے ہوتے ہوئے اور سالنوں سے تسلی ہو جاتی ہے اور دوسری کوئی چیز اس کے قائم مقام نہیں اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [۸] سید الادم لحم یعنی گوشت سالنوں کا سردار ہے پھر من و سلوٰی کے ذکر کے

[۱] پہنچا ہے تجھ کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے۔ [۲] پھر دیر نہ کی کہ لاتے ایک بچھڑا تلا ہوا [۳] پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لایا ایک گھی میں تلا بچھڑا [۴] اور میوہ جون سا پسند کریں [۵] اور گوشت پرندوں کا جس قسم کا جی چاہے [۶] ترمذی بروایت انسؓ [۷] اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلوٰی [۸] ابن حبان بروایت ابن سمعان ابن ماجہ بروایت ابی درداء رضی اللہ عنہ بسند ضعیف۔

بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہےؑ کُلُوْ مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ اس سے معلوم ہوا کہ شیرینی اور گوشت دونوں عمدہ غذاؤں میں سے ہیں ابو سلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ طیب چیزوں کا کھانا رضاء الٰہی کا موجب ہوتا ہے اور یہ طیب چیزیں ٹھنڈا پانی پینے اور ہاتھ دھونے کے وقت گنگنا پانی ہاتھوں پر ڈالنے سے پوری ہو جاتی ہیں۔ مامون نے کہا ہے کہ برف کا بجھا پانی شکر کو خالص کر دیتا ہے یعنی یہ نعمت شکر خالص چاہتی ہے اور بعض ادبا کا قول ہے کہ جس صورت میں تم نے اپنے بھائیوں کی دعوت کی اور ان کو بادام کا حلوہ اور بورانی کھلا کر ٹھنڈا پانی پلایا تو دعوت کامل کی اور کسی شخص نے ضیافت میں بہت سے روپیہ لگائے پس ایک حکیم نے کہا کہ تم کو اس خرچ کرنے کی ضرورت نہ تھی بشرطیکہ روٹی عمدہ اور ٹھنڈا پانی اور سرکہ چاشنی دار تمہارے پاس موجود ہوتا اس لئے کہ یہی چیزیں ضیافت کو کافی تھیں اور بعض حکما کا یہ قول ہے کہ کھانے کے بعد شیرینی کا ہونا بہت قسم کے کھانے تیار کرنے سے بہتر ہے اور دستر خوان پر سب کو کھانا پہنچ جانا اس سے بہتر ہے کہ کئی قسم کا کھانا ہو اور کسی کے سامنے کچھ ہو اور کسی کے سامنے کچھ اور کہتے ہیں کہ جس دستر خوان پر بقولات ہوتے ہیں اس پر فرشتے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رکھنا بھی دستر خوان پر مستحب ہے اور اسمیں سب چیزوں سے ایک طرح کی زینت بھی ہے اور حدیث میں ہے کہ جو دستر خوان بنی اسرائیل پر اترا تھا گندنا کے سوا سب بقولات تھے اور ایک مچھلی تھی کہ جس کے سر کے پاس سرکہ اور دم کے پاس نمک تھا اور سات روٹیاں تھیں اور ہر ایک روٹی پر روغن زیتون اور دانہ انار رکھا تھا تو اگر یہ سب چیزیں ضیافت میں جمع کی جاویں تو اس دستر خوان کے مطابق ہونے کے اعتبار سے بہتر ہوں گی سوم یہ کہ کھانوں کے اقسام میں سے جو زیادہ لطیف ہو اس کو پہلے پیش کر دے تاکہ جس کو منظور ہو وہ اس کو بھرپور کھالیوے اسکے بعد اگر لطیف سامنے آوے تو رگ شہوت جنبش کرے اور یہ امر سنت کے خلاف ہے کیونکہ یہ بہت کھانا کھانے کا ایک حیلہ ہے اور پہلے لوگوں کا طریق یہ تھا کہ کھانے کے سب اقسام کو ایک ہی دفعہ لا رکھتے تھے اور پیالہ رکابیاں کھانوں کی دستر خوان پر چن دیتے تھے تاکہ ہر شخص جس چیز کی رغبت رکھتا ہو اس میں سے کھاوے اور اگر صاحب خانہ کی یہاں ایک قسم کے سوا دوسرا کھانا نہ ہوتا تھا تو اس کو ذکر کر دیتا تھا تاکہ لوگ اسی کو شکم سیر ہو کر کھالیں اس سے بہتر کا انتظار نہ کریں اور بعض اہل مروت کا حال منقول ہے کہ وہ ایک پرچہ پر جتنے اقسام کھانے کے لانے منظور ہوتے لکھ کر اوّل مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے اور ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے شام کے بعض مشائخ نے ایک کھانا پیش کیا میں نے کہا ہمارے یہاں عراق میں یہ کھانا سب کے بعد پیش ہوتا ہے اس نے کہا کہ ہمارے یہاں شام میں بھی دستور ہے اور اس کھانے کے سوا دوسری قسم اس نے تیار نہ کرائی تھی مجھ کو اس سے نہایت شرمندگی ہوئی اور کسی دوسرے کا قول ہے کہ ہم

ت کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں۔۱۲

چند لوگ ایک ضیافت میں تھے صاحب خانہ نے بکری کے سر بھنے ہوئے اور شور باوار ہمارے سامنے لار کھے
ہم نے ان کو اس انتظار میں کہ اور کوئی کھانا یا گوشت آوے گا نہ کھایا آخر کو صاحب خانہ نے ہمارے سامنے
طشت لار کھا اور کچھ پیش نہ کیا تب ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے ایک صاحب جو ظریف تھے انہوں
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ بدوں بدنوں کے سر پیدا کر دیوے راوی کہتا ہے کہ اس
رات ہم بھوکے رہے اور سحر تک روٹی کے طالب اس لحاظ سے مستحب ہے کہ سب اقسام پیش کر دے
یا جو اپنے پاس ہو اس کی اطلاع کر دے تاکہ مہمان پھر انتظار نہ کریں چہارم یہ کہ جب تک کھانا کے اقسام
سے اچھی طرح نہ کھا لیویں اور ہاتھ نہ کھینچ لیویں تب تک ان کو اٹھانا نہ چاہیئے کیونکہ شاید بعضے لوگ ایسے
ہوں گے کہ جو قسم سب سے بعد میں آئی ہو گی وہ پیشتر کے اقسام کی نسبت کر ان کو زیادہ مرغوب ہو گی یا
ابھی شکم سیر نہ ہوتے ہوں گے تو برتن اُٹھانے سے ان کا حرج ہو گا اور دستر خوان پر تمکن کو جو دو رنگ
کے کھانوں سے بہتر کہتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں کہ برتن جلد نہ اٹھاتے جاویں یا یہ معنی ہے کہ جگہ فراخ
ہو سنتوری جو ظریف صوفی تھے ان کے حال میں لکھا ہے کہ کسی دنیا دار کے وہاں ضیافت کھانے گئے ایک
بکرا بھنا ہوا ان کے سامنے آیا اور یہ شخص بخیل تھا لوگوں نے جو اس بکرے کو چیر پھاڑ کر بوٹی کیا تو وہ گھبرایا
اور غلام سے کہا کہ یہ بکرا لڑکوں کے لئے اٹھالے جا غلام نے اس کو اٹھایا اندر جانے کا قصد کیا سنتوری
اس کے پیچھے دوڑے کسی نے ان سے کہا کہ کہاں جاتے ہو کہا لڑکوں کے ساتھ کھاؤں گا تب تو صاحب
خانہ شرمایا اور اس بکرے کو واپس منگایا اور اسی ادب کے متعلق یہ ہے کہ ضیافت کرنے والا لوگوں
سے پیشتر اپنا ہاتھ نہ کھینچے کہ وہ حیا کریں گے بلکہ یوں چاہیئے کہ سب کے بعد خود موقوف کرے بعض
اہل سخاوت کا دستور تھا کہ لوگوں سے سب کھانوں کے اقسام ذکر کر دیتے اور ان کو کھانے دیتے جب
لوگ قریب شکم سیری کے ہوتے تو خود زانو ہو کر کھانے پر بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھاتے اور کہتے کہ
میرا ساتھ دو خدا تم میں اور تم پر برکت کرے اور اگلے لوگ اس عادت کو اچھا جانتے تھے پنجم یہ کہ کھانے
کی مقدار اتنی ہو کہ کھانے والے کو کافی ہو جاتے اس لئے کہ مقدار کفایت سے کم کرنے میں تو مروت
میں بٹہ لگے گا اور اس سے زیادہ کرنے میں بناوٹ اور نمود ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ دل پر گوارہ
نہ ہو کہ سب کھا جاویں۔

ہاں اگر بہت کھانا اس طرح رکھے کہ اگر سب کھا جاویں تو بھی خوش ہو اور اگر چھوڑ دیں تو ان کے
انس کو باعث برکت سمجھیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ[1] حدیث میں ہے کہ اس کھانے پر حساب نہیں ہوتا۔

[1] اس کی سند اوّل گزری ۱۲۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے اپنے دستر خوان پر بہت سا کھانا حاضر کیا ان کو سفیان ثوریؒ نے کہا کہ اے ابو اسحاق تمکو خوف نہیں کہ یہ کثرت فضول خرچی نہ ہو جاوے انہوں نے فرمایا کہ کھانے میں فضول خرچی نہیں ہے غرضکہ اگر کثرت اس نیت سے نہ ہو بے شک تکلف ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو منع کیا گیا ہے اس سے کہ ایسے شخص کی دعوت قبول کریں جو اپنے کھانے سے فخر کرتا ہو اور صحابہؓ میں سے بہت سے لوگوں نے مباہات کے کھانے کو مکروہ جانا ہے اور قدر کفایت پیش کرنے کی ہی وجہ سے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بچا ہوا کھانا نہیں اٹھایا گیا اس واسطے کہ اصحابؓ مقدار حاجت سے زائد پیش نہ کرتے تھے اور خوب پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے اس صورت میں مقدار کفایت بہت تھوڑی ہوتی تھی اور نوبت بچ رہنے کی نہ آتی تھی اور چاہیئے کہ اوّل حصہ گھر والوں کا علیحدہ کر دے ایسا نہ ہو۔ کہ ان کو مہمانوں کے پاس سے بچنے کا انتظار ہو اور جس صورت میں کہ شاید نہ بچے وہ دل تنگ ہوں اور مہمانوں کو صلوٰت سنائیں تو ان کو ایسا کھانا کھلانا کیا ضروری ہے جس سے اور لوگ برا مانیں یہ امر ان کے حق میں خیانت ہے۔ اور کھانا اگر کچھ بچ رہے تو مہمان کو اس کا لینا نہ چاہئے اور یہ وہ کھانا ہے جس کو صوفی زلہ کہتے ہیں ہاں جس صورت میں کہ صاحب خانہ بطیب خاطر اس امر کی اجازت دیدے یا حال کے قرینہ سے اس کا خوش ہونا معلوم ہو تو لینے کا مضائقہ نہیں لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ میزبان برا مانے گا تو اس صورت میں نہ لینا چاہیئے اور اس کی رضامندی کی صورت میں بھی عدل و انصاف کی رعایت رفیقوں کے ساتھ ملحوظ چاہیئے یعنی ہر ایک شخص وہی کھانا لیوے جو اپنے سامنے بچا ہو یا اپنے ساتھی کے سامنے کا بشرطیکہ وہ بخوشی خاطر اس کے لینے پر راضی ہو اور حیا کے سبب سے راضی نہ ہو گیا ہو

دعوت سے واپسی کے آداب ثلٰثہ

اوّل یہ کہ ساتھ مکان کے دروازہ تک نکلے کہ یہ امر مسنون ہے اور مہمان کی تعظیم اس سے ہوتی ہے اور اس کی تعظیم کا حکم ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے اور فرمایا کہ مہمانوں کی پاسداری یہ ہے کہ گھر کے دروازہ تک اس کی ہمراہی کی جاوے حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ خود بہ نفس نفیس ان کی خدمت کو اٹھے اصحابؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان کی خدمت بجا لاویں گے آپ تکلیف نہ فرماویں آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا انہوں نے میرے اصحاب کی تعظیم کی تھی میں چاہتا ہوں ان کی مکافات کروں اور پوری تعظیم یہ ہے کہ کشادہ پیشانی رہنا اور آنے جانے کے اوقات میں اور دستر خوان پر اچھی طرح ان سے کلام کرنا چاہیئے اوزاعیؒ سے کسی نے کہا کہ مہمان کی تعظیم

کیا ہے فرمایا کشادہ رو اور عمدہ گفتگو سے پیش آنا اور یزید بن ابی زیاد کہتے ہیں کہ ہم جب کبھی عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے پاس آئے تو انہوں نے ہم سے گفتگو بھی اچھی ہی کی اور کھانا بھی اچھا ہی کھلایا دوم یہ ہے کہ مہمان کو چاہیئے کہ میزبان کے پاس سے خوش دل جاوے اگرچہ اس کی خاطرداری میں کوتاہی ہوئی ہو اس لئے کہ یہ امر خوش خلقی اور تواضع میں سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی خوش خلقی سے روزہ دار شب بیدار کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے پہلے زمانہ کے اکابر میں سے کسی کے پاس ایک شخص نے آدمی بھیجا کہ کھانا کھانے کو بلا لاوے وہ بزرگ گھر پر نہ ملے جب انہوں نے سنا کہ فلاں شخص نے بلوایا تھا تو اس کے یہاں گئے اس وقت لوگ کھانا کھا کر چلے گئے صاحب مکان ان کے پاس آیا اور کہا کہ اب تو لوگ کھا کر چلے گئے پوچھا کہ کچھ بچا ہے اس نے کہا کہ نہیں کہا کہ ایک آدھ ٹکڑا روٹی کا ہو تو لے آ ؤ اس نے کہا کہ کوئی نہیں کہا کہ ہانڈی لے آؤ کہ اسی کو پونچھ لوں اس نے کہا وہ میں نے دھو ڈالی پس شکر خدا کہتے ہوئے وہاں سے اپنے مکان کو چلے آئے لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ بات ہے کہ تم کو کچھ کھلایا بھی نہیں اور تم اس شخص سے راضی اور خوش ہو فرمایا کہ اس نے بہرحال اچھا کہا کہ ایک نیت صاف سے ہم کو بلایا اور ویسی ہی صاف نیت سے ہم کو جواب دے دیا پس تواضع اور خوش خلقی اس کا نام ہے اور کہتے ہیں کہ استاد ابو القاسم جنید کو چار بار ایک لڑکا بلانے گیا کہ میرا باپ تمہیں کھانا کھلانے کو بلاتا ہے اور چاروں دفعہ میں اس کے باپ نے ان کو جواب صاف دیا مگر وہ ہر دفعہ بلانے پر چلے آتے تھے کہ اس لڑکے کا بھی دل خوش ہو جاوے کہ میرا کہنا مانا اور اس کا باپ بھی راضی رہے کہ اس کے جواب دے دینے سے چلے گئے یہ نفوس قدسیہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرنے میں دب گئے ہیں اور توحید سے ان کو اطمینان حاصل ہے اور ہر ایک رد و قبول میں بجز اپنے خالق کے اور کسی کی طرف نظر نہیں کرتے نہ کسی کے ذلیل سمجھنے سے شکستہ دل ہوں اور نہ کسی کے تعظیم سے خوش دل بلکہ ہر ایک بات کو واحد قہار کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں دعوت کو اسلئے منظور کرتا ہوں کہ اس کے سبب سے مجھ کو جنت کا کھانا یاد ہوتا ہے یعنی وہ کھانا بھی ایسا ہی عمدہ ہوگا کہ ہم کو اس میں کچھ محنت و مشقت نہ ہوگی اور نہ اس کا حساب ہم سے لیا جاوے گا سویم یہ کہ بدوں رضا اور اجازت میزبان کے اس کے یہاں سے نہ آوے ٹھہرنے کی مقدار میں اس کے دل کی رعایت رکھے اور جب مہمان ہو کر فروکش ہو تو تین دن سے زیادہ نہ بڑھاوے کہ عجب نہیں کہ میزبان اکتا جاوے اور چلے جانے کے لئے کہنے کی ضرورت پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح] ہے الضیافۃ ثلثۃ ایام فما زاد فصدقۃ. ہاں اگر

ح مہمانی تین دن ہے اور جو زیادہ ہو وہ صدقہ ہے بخاری و مسلم بروایت ابو شریح ۱۲

صاحب خانہ خالص دل سے ٹھہرنے کا اصرار کرے تو ٹھہرنا جائز ہے اور صاحب خانہ کے پاس ایک بچھونا مہمان کے لئے رہنا چاہیئے آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک بچھونا خود مرد کے لئے ہے اور ایک عورت کے لئے اور ایک مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے

خاتمہ۔ کھانے سے متعلق طبی اور شرعی آداب

اوّل یہ کہ ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ فرمایا کہ بازار میں کھانا کھانا کمینگی ہے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب[۲] کیا ہے اور اس کی سند غریب اور اس کے خلاف پر ایک روایت حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چلتے پھرتے کھاپی لیا کرتے تھے اور بعض شخصوں نے کسی معروف صوفی کو بازار میں کھاتے دیکھا اور ان سے اس کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ کیا خوب مجھ کو بھوک لگے بازار میں اور کھانا کھاؤں گھر پر سائل نے کہا کہ تو آپ مسجد میں چلے جاتے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے گھر میں کھانے کے واسطے جاؤں اور ان دونوں باتوں کے مطابق کرنے کی صورت یہ ہے کہ بازار میں کھانا بعض لوگوں کے اعتبار سے تواضع اور بے تکلفی ہے اس صورت میں بازار میں کھالینا اچھا ہے اور بعض اشخاص کے لحاظ سے بے غیرتی ہے ان کے حق میں مکروہ ہے پس یہ امر شہروں کی حالتوں اور لوگوں کی عادتوں کے اختلاف سے مختلف طور پر ہوگا یعنی اگر کسی شخص کے سب اعمال ایسے نہ ہوں گے تو بازار میں کھانا اس کے حق میں بے غیرتی اور زیادتی حرص پر دال ہوگا اور گواہی مقبول ہونے کا مانع متصور ہوگا اور جس شخص کے سب اعمال اسی کے مناسب ہوں گے اور ہر حال میں بے تکلفی ٹپکتی ہوگی اس کا بازار میں کھانا تواضع میں شمار کیا جاوے گا **دوم** حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کا کھانا نمک سے شروع کرے اللہ تعالیٰ ستر قسم کی بلا اس پر سے ٹال دیتا ہے اور جو کوئی ہر روز اکیس سرخ کشمکش کھالیوے وہ اپنے بدن میں ایسی چیز نہ دیکھے گا کہ جو اس کو بری معلوم ہو اور گوشت کھانا گوشت زیادہ کرتا ہے اور ثرید عرب کی غذا ہے اور حلوہ کھانے سے پیٹ بڑھتا ہے اور خصیے لٹک جاتے ہیں اور گائے کا گوشت مرض ہے اور اس کا دودھ شفا ہے اور اس کا گھی دوا ہے اور چربی اپنے برابر روگ بدن سے دور کر دیتی ہے اور نفاس والی عورت کو خرما تر سے بہتر کسی چیز سے شفا نہیں ہوتی ہے اور مچھلی سے جسم پگھل جاتا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت اور مسواک کرنا بلغم دور کرتی ہیں اور جو شخص بقا یعنی دیر پائی چاہے کہ صبح کا کھانا سویرے کھاوے اور شام کو کم کھاوے اور جوتا پہنے اور آدمیوں کے حق میں گھی سے بہتر کوئی علاج نہیں

[۱] مسلم بروایت جابرؓ [۲] طبرانی بروایت ابوامامہ بسند ضعیف [۳] ترمذی و ابن ماجہ ۱۲

اور عورتوں سے اختلاط کم کرے اور جتنی چادر دیکھے اتنے پاؤں پھیلا دے یعنی قرض اپنے ذمہ کرے سویم حجاج نے
کسی طبیب سے پوچھا کہ مجھے ایسی بات بتاؤ کہ اس کو عمل میں لاؤں اور اس سے عدول یا تجاوز نہ کر دں اس نے
کہا کہ عورتوں میں سے جوان کے سوا کسی سے شادی نہ کرے اور گوشت سوائے جوان حیوان کے مت کھانا اور
پکی چیز جب تک خوب پک نہ لے مت کھانا اور بدوں مرض دوا مت پینا اور میوہ میں سے خوب پکا ہوا کھانا اور جو غذا کھاوے
اس کو اچھی طرح چبانا اور غذا وہ کھانا جس کو دل چاہتا ہے اور اس پر پانی مت پینا اور پانی جب پی چکو تو پھر کچھ مت کھانا۔ اور
بول و براز کو مت روکنا اور جب دن کی غذا کھانا تو سو رہنا اور رات کی غذا کے بعد سونے سے پیشتر چہل قدمی کرنا گو سو قدم ہی چلے اور عرب والے
بھی یہی مضمون کہتے ہیں تغد تمد تعش تمش یعنی دن کی غذا کھا کر لیٹ جانا اور رات کا کھانا کھاؤ تو چلو پھرو اور کہتے ہیں کہ پیشاب کا بند رکھنا
بدن میں خرابی پیدا کرتا ہے جیسے چلتی نہر کو روک دو تو اس کے گرد کی چیزیں خراب ہو جاتی ہیں چہارم کہتے ہیں
کہ رنگوں کا کاٹنا مرض لاتا ہے اور رات کا نہ کھانا بوڑھا کرتا ہے اور عرب والوں کا قول ہے کہ صبح کا کھانا چھوڑ
دینا سرین کی چربی کو دور کر دیتا ہے اور کسی حکیم نے اپنے لڑکے سے کہا کہ جب تک اپنی عقل ساتھ نہ لے لو
تب تک گھر سے نہ نکلا یعنی بدون کچھ کھائے صبح کو مت نکلو اور اسکو عقل اس لئے کہا کہ عقل کھانے ہی سے ٹھکانے
رہتی ہے اور اسی سے طیش دور ہوتا ہے اور ایک یہ فائدہ کہ شکم سیری پر بازار کی چیزوں پر نیت کم بھٹکتی
ہے اور ایک حکیم نے کسی موٹے آدمی کو کہا کہ تیری ڈاڑھوں کا کارگاہ بنا ہوا کپڑا تیرے بدن پر معلوم ہوتا
ہے کیسی یہ صورت ہوئی اس نے کہا کہ میں گیہوں کا میدہ اور حلوان کا گوشت کھاتا ہوں اور بنفشہ کا تیل ملتا ہوں
اور ریشمی کپڑا پہنتا ہوں پنجم یہ کہ پرہیز تندرست کو ایسا مضر ہے جیسے بد پرہیزی بیمار کو اور بعضوں کا قول
ہے کہ جو پرہیز کرتا ہے اس کو بیماری کا یقین اور تندرستی کا شک ہے اور صحت کے حال میں ایسا حال ہونا
اچھا ہے آنحضرت[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صہیب رومی کو دیکھا کہ خرما کھاتے تھے اور ان کی ایک آنکھ پر
آشوب تھی فرمایا کہ تمہاری آنکھ دکھتی ہے اور خرما کھاتے ہو عرض کیا کہ رسول اللہ میں دوسری داڑھ کی طرف
سے کھاتا ہوں آپ یہ سن کر ہنس پڑے ششم یہ کہ میت والوں کے لئے کھانا بھیجنا مستحب ہے چنانچہ جب
خبر مرگ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی کی آئی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] تھا کہ جعفر کے کنبے
والے میت کے شغل میں کھانا نہ تیار کر سکیں گے ان کے پاس کچھ کھانے کو بھیج دو اسی لئے یہ امر مسنون
ہے اور جب اس قسم کا کھانا مجمع میں آوے تو اس کو کھا لینا جائز ہے لیکن اگر نوحہ کرنے والیوں اور واویلا
کرنے والیوں کے لئے ہو تو اس میں سے کھانا نہ چاہئے۔ ہفتم ظالم شخص کے کھانے کو کھانے نہ جاوے
اور اگر زبردستی کرے تو تھوڑا کھاوے اور جو کھانا بہت عمدہ ہو اس پر ہاتھ نہ ڈالے کسی مزکی نے ایسے شخص کی گواہی
نہ قبول کی جس نے ظالم بادشاہ کی دعوت کھائی تھی اس نے کہا کہ میں دعوت کھانے میں مجبور تھا مزکی نے کہا کہ میں
دیکھتا تھا کہ عمدہ ہی کھانے کی طرف جھکتا تھا اور بڑے بڑے لقمے کھاتا تھا اس میں تو کسی کا جبر تجھ پر نہ تھا

[1] ابن ماجہ بروایت حبیب ۱۲ [2] ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ بروایت عبد اللہ بن جعفر ۱۲

اور کہتے ہیں کہ بادشاہ مذکور نے اس بندی کو بھی جبراً کھانے کو کہا تھا مگر اس نے جواب دیا کہ اگر میں کھانا کھاؤں گا تو گواہ کا تزکیہ نہ کروں گا اور اگر تزکیہ کروں گا تو کھانا نہ کھاؤں گا اور چونکہ اس کے تزکیہ کی بدولت بہت ہرج تھا اسلئے اسکا عذر بادشاہ نے مان لیا اور کہتے ہیں کہ ذوالنون مصریؒ مقید ہو گئے چند روز قید خانہ میں کھانا کھایا ان کی ایک دینی بہن تھی اس نے اپنا سوت کات کر داروغہ مجلس کے ہاتھ کھانا پکا کر بھیجا انہوں نے انہوں نے اس کو بھی نہ کھایا رہائی کے بعد اس عورت نے اس کی شکایت کی فرمایا کہ کھانا حلال تھا مگر ظالم کے برتن اور ہاتھ میں آیا تھا اس لئے میں نے نہ کھایا یعنی داروغہ مجلس کی معرفت اگر نہ آتا تو کھاتا اور یہ نہایت درجہ کا تقوی ہے ہشتم فتح موصلی کے حال میں لکھتے ہیں کہ وہ بشر حافی کے یہاں بطور ملاقات تشریف لے گئے بشر نے کچھ درہم نکال کر احمد جلاء اپنے خادم کو دیئے اور فرمایا کہ ان کا عمدہ کھانا اور اچھا سالن لے آؤ احمد کہتے ہیں کہ میں نے بہت ستھری روٹی مول لی اور اپنے دل میں کہا کہ آنحضرتؐ[1] صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے سوا اور کسی چیز کے لئے نہیں فرمایا[2] اللھم بارك لنا فيه وزدنا منه اس نظر سے کچھ دودھ اور عمدہ چھوہارے مول لئے اور ان سب کو لاکر فتح موصلیؒ کے سامنے رکھدیا اور انہوں نے کھانا کھایا اور باقی اپنے ساتھ لے گئے بشر حافیؒ نے ہم کو فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے عمدہ کھانا مول لینے کو کس لئے کہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اچھا کھانا موجب شکر خالص کا ہوا کرتا ہے اور تم کو یہ معلوم ہو کہ فتحؒ نے مجھ سے کیوں نہ کہا کہ کھاؤ اس کا سبب یہ ہے کہ مہمان کے لئے ضروری نہیں کہ میزبان کو کہے کہ آؤ کھاؤ اور تم جانتے ہو کہ باقی بچا ہوا کھانا ساتھ کیوں لے گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ جب توکل صحیح ہوتا ہے تو توشہ کا لینا ضرر نہیں کرتا ان افعال سے یہ مسائل گویا تم کو تعلیم کئے اور ابو علی رودباری نے ایک شخص کا حال نقل کیا ہے کہ انہوں نے ضیافت کی اور اس میں ہزار چراغ جلائے کسی نے ان پر اعتراض کیا کہ تم نے اسراف کیا انہوں نے کہا کہ اندر جاکر جو چراغ میں نے خدا کے لئے روشن نہ کیا ہو اس کو گل کر دو وہ شخص اندر گیا اور بہت کوشش کی مگر کوئی چراغ گل نہ ہوا آخر کو قائل ہو گیا اور ابو علی رودباریؒ نے بہت سے پلے شکر کے لئے اور حلوائیوں سے کہہ کر شکر کی دیوار مع کنگروں اور محرابوں کی تیار کرالی اور اس میں کھمبے منقش لگوائے کہ سب شکر کے تھے پھر صوفیوں کو بلاکر ان سے اس کے کھانے کو کہا سب نے اس کو گرا کر لوٹ لیا نہم یہ کہ کھانا امام شافعی کے قول کے بموجب چار طرح پر ہے اول ایک انگلی سے کھانا اور یہ موجب خدا تعالیٰ کی خفگی کا ہے دوم دو انگلیوں سے کھانا داخل تکبر ہے سوم تین انگلیوں سے کھانا

[1] اس کی سند آخر فصل اول اس باب میں گزری [2] الہٰی ہم کو اس میں برکت دے اور اس سے ہم کو زیادہ دے

[2] مسلم نے بروایت کعب بن مالک نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھایا کرتے تھے ۱۲

یہ طریقہ مسنون ہے چہارم چار یا پانچ انگلیوں سے کھانا یہ شدت حرص پر دال ہے اور چار چیزیں بدن کی مقوی ہیں گوشت کھانا اور خوشبو سونگھنا اور بدوں صحبت کے بہت نہانا اور کتان کا پہننا اور چار چیزیں بدن کو سست کرتی ہیں بہت صحبت کرنا اور بہت رنج کرنا اور نہار منہ اکثر پانی پینا اور کثرت سے ترشی کا کھانا اور چار چیزیں بینائی کو قوت دیتی ہیں قبلہ رخ بیٹھنا اور سونے کے وقت سرمہ لگانا اور سبزہ کو دیکھنا اور چار چیزیں بینائی کو سست کرتی ہیں نجاست کو دیکھنا اور سولی دیئے ہوئے کو دیکھنا اور عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا اور قبلہ کو پیٹھ کر کے بیٹھنا اور چار چیزیں مقوی باہ ہیں چڑیوں کا کھانا اور اطریفل اکبر کا کھانا اور پستہ کا کھانا اور ترہ تیزک کا کھانا اور سونا چار طرح پر ہے چت لیٹنا انبیاء کا سونا ہے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں اور داہنی کروٹ پر علماء اور عابد سوتے ہیں اور بائیں کروٹ پر بادشاہ سوتے ہیں کہ کھانا ہضم ہو اور منہ کے بل سونا شیطانوں کا ہے اور چار چیزیں عقل بڑھاتی ہیں کلام لغو کو منہ سے نہ نکالنا اور مسواک کرنی اور علماء کے پاس بیٹھنا اور صلحا کی ہمنشینی کرنی اور چار چیزیں داخل عبادت ہیں وضو کر کے چلنا اور کثرت سے سجدہ کرنا اور مسجدوں میں بیٹھا رہنا اور اکثر قرآن مجید پڑھنا اور یہ بھی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ مجھ کو تعجب ہے کہ جو شخص نہار منہ حمام میں نہاوے اور نکلنے کے بعد کھانا دیر کر کھاوے وہ مرتا کیوں نہیں اور مجھ تعجب ہے کہ جو شخص نہار منہ حمام میں نہاوے اور نکلنے کے بعد کھانا دیر کر کھاوے وہ مرتا کیوں نہیں اور مجھ کو تعجب ہے کہ جو پچھنے لگواوے اور اسی وقت جلدی سے کھالیوے وہ کیوں نہیں مرتا اور فرمایا کہ وبا میں کوئی ایسی چیز اس سے زیادہ مفید میں نے نہیں دیکھی کہ بنفشہ کا تیل ملنے اور پینے میں مستعمل ہووے واللہ اعلم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین والحمد للہ اولاً و آخراً۔

دوسرا باب ۔ نکاح

رباعی

سنت ہے نکاح اور ہے دین پہ معین — اس امر کا منکر جو وہ ہے بد دین
قرآن میں وانکحوا الایامیٰ کو دیکھ — کر دل پہ حدیث سنتی نقش و نگین

واضح ہو کہ نکاح دین پر مددگار اور شیطانوں کا ذلیل کنندہ اور ان کے مکروں سے بچنے کو ایک مضبوط حصار ہے اور باعث امت کے بہت ہونے کا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور نبیوں

پر فخر کریں گے اس لحاظ سے اس کے اسباب کی جستجو اور سنتوں کی یادداشت اور آداب کی گفتگو نہایت زیبا ہے اور ہم اس کے مقاصد اور اقسام ضروری احکام کو تین فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

پہلی فصل ۔ نکاح کی ترغیب اور اس سے اعراض

واضح ہو کہ نکاح کی فضیلت میں علما نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے اس کی فضیلت یہاں تک بیان کی ہے کہ نکاح کرنا عبادت الٰہی کے لئے تنہائی اختیار کرنے سے بہتر ہے اور بعضے فضیلت کے مقر ہیں مگر عبادت الٰہی کے واسطے تنہائی کو اس سے بڑھ کر سمجھتے ہیں بشرطیکہ نفس میں اتنا جوش نہ ہو جس سے حال پریشان ہو اور صحبت کا خواہاں ہو اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اس ہمارے زمانہ میں نکاح کا نہ کرنا ہی بہتر ہے اور اس میں فضیلت اگلے وقتوں میں تھی کہ کمائیوں کے طریقے حرام اور ممنوع نہ تھے اور عورتوں کی عادتیں بری نہ تھیں۔ یہ قول علما کے ہیں اور امر واقع اور صحیح جب ہی معلوم ہوگا کہ اول اخبار اور آثار نکاح کی ترغیب اور اعراض کے باب میں بیان کئے جاویں پھر نکاح کے فوائد اور آفات کی شرح کریں تاکہ اس کے بعد جس شخص کے حق میں کہ اس کی آفتوں سے محفوظ ہو اس کی فضیلت ظاہر ہو اور جو ایسا نہ ہو اس کے حق میں اس کا نہ کرنا مناسب ٹھہرے اس لئے اس فصل کو ہم چار بیانوں میں منحصر کرتے ہیں۔

نکاح کی ترغیب آیتیں اس باب میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ا] وانکحوا الایامیٰ منکم یہ بصیغہ امر ارشاد ہوا ہے جو مفید وجوب ہے اور فرمایا[۲] ولا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اس میں روک اور باز رکھنے سے ممانعت اور نہی فرمائی اور رسولوں کی مدح اور ثنا میں ارشاد فرمایا[۳] و لقد ارسلنا رسلاً من قبلك وجعلنا لھم ازواجاً وذریۃ اس امر کو منت جتانے کے اور فضل ظاہر کرنے کے مقام میں بیان فرمایا اور اپنے اولیا کی مدح بھی فرمائی ہے کہ ہم سے اولاد کی درخواست کرتے ہیں چنانچہ فرمایا[۴] والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماً اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں انہیں انبیاء کا ذکر فرمایا ہے جو بی بی والے ہیں ہاں دو پیغمبر حضرات یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اس سے مستثنیٰ ہوئے جاتے ہیں تو ان کے لئے یہ کہا ہے کہ حضرت یحییٰ نے شادی کی تھی اور اتفاق صحبت نہیں ہوا اور شادی کرنا صرف

[ا] اور بیاہ دو رانڈوں کو اپنے اندر ۱۲ [۲] تو نہ روکو ان کو کہ بیاہ کرلیں اپنے خاوندوں سے ۱۲ [۳] اور بھیجے ہیں ہم نے کتنے رسول تجھ سے آگے اور وہ دی تھیں ان کو جوروئیں اور لڑکے ۱۲ [۴] اور وہ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے۔

فضیلت نکاح حاصل کرنے اور طریق نکاح کے قائم رکھنے کے لئے تھا اور بعض کہتے ہیں کہ آنکھیں نیچی رکھنے کے لئے کی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ حال ہے کہ جب وہ زمین پر تشریف لاویں گے اس وقت نکاح کریں گے اور اولاد بھی ہوگی۔ اور اخبار اس کی فضیلت میں یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [ح۱] النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فقد رغب عنی اور فرمایا [ح۲] النکاح سنتی فمن احب فطرتی فلیستن بسنتی اور فرمایا [ح۳] تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیمۃ حتیٰ بالسقط اور فرمایا [ح۴] ومن رغب عن سنتی فلیس منی وان من سنتی النکاح فمن احبنی فلیستن بسنتی اور فرمایا [ح۵] کہ جو کوئی مفلسی کے خوف سے نکاح کو ترک کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس حدیث میں نکاح سے روکنے کی وجہ کی برائی ارشاد فرمائی اصل نکاح کے ترک کی مذمت نہیں فرمائی اور فرمایا کہ جو شخص [ح۶] قدرت رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ نکاح کرے اور فرمایا [ح۷] من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج من لا فلیصم فانہ الصوم لہ وجاء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی ترغیب کی وجہ آنکھ اور شرمگاہ کے خراب ہونے کا خوف ہے اور وجاء لغت میں نر کے خصیے ملنے کو کہتے ہیں کہ اس کا نر ہونا جاتا رہے اور یہاں روزہ کے باعث قوت جماع کے کم ہو جانے سے غرض ہے اور فرمایا کہ جب کوئی تمہارے پاس ایسا شخص آوے کہ جس کی دیانت و امانت سے تم خوش ہو تو اس کا نکاح کر دو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔ اس میں ترغیب کی علت فساد کے خوف کو بیان فرمایا اور فرمایا [ح۹] کہ جو شخص خدا کے واسطے اپنا نکاح کرے یا دوسرے کا نکاح کر دے وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا مستحق ہوتا ہے اور فرمایا کہ جو شخص نکاح کرے وہ اپنا آدھا دین لے چکا اب چاہیئے

اح نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس نے مجھ سے اعراض کیا ۱۲ ابو یعلی بروایت ابن عباس ۱۲۔ ۲۔ نکاح میری سنت ہے تو جو کوئی میرے دین سے محبت رکھے اس کو چاہیئے کہ میرے طریق پر چلے ۱۲ ابو یعلی بروایت ابن عباس باندک اختلاف ۱۲ ح۳ نکاح کرو اور بہت ہو جاؤ کہ میں تم سے اور امتوں سے فخر کروں گا یہاں تک کہ بچہ ناقص پیٹ سے گرنے سے ۱۲ بیہقی عن الشافعی انہ بلغہ ۱۲ ح۴ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں اور میری سنت میں سے نکاح ہے

تو جو مجھ سے محبت رکھے اس کو چاہیئے کہ میری سنت کا اقتدا کرے ۱۲ اول جملہ بخاری و مسلم میں بروایت انس ہے اور باقی کی سند پیشتر گزری اسی فصل میں ۱۲ ح۵ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابی سعید بسند ضعیف ۱۲ ح۶ ابن ماجہ بروایت عائشہ بسند ضعیف ۱۲ ح۷ جو شخص کہ طاقت رکھتا ہو تم میں سے شہوت کی اس کو چاہیئے کہ نکاح کرے کہ اس سے آنکھ زیادہ نیچی رہتی ہے اور شرمگاہ زیادہ محفوظ رہتی ہے اور جو نہ کر سکے اس کو روزہ رکھنا چاہیئے کہ روزہ اس کے حق میں خصی ہونا ہے بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود رض ح۸ ترمذی بروایت ابی ہریرہ و ابی حاتم مزنی ۱۲۔ ح۹ احمد بروایت معاذ بن انس بسند ضعیف باختلاف الفاظ ۱۲ ح۱۰ ابن الجوزی بروایت انس بسند ضعیف ۱۲۔

کہ دوسرے آدھے میں خدا تعالیٰ سے ڈرے اس میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ نکاح کی فضیلت مخالفت سے بچنے اور فساد سے علیحدہ رہنے کے باعث اس لئے کہ آدمی کے دین کو فساد کرنے والی چیزیں اکثر شرم گاہ اور پیٹ ہی ہوتی ہیں اور شادی کرنے سے ایک کی آفت سے بچ جاتا ہے اور فرمایا کہ آدمی کا ہر ایک عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں ایک نیک بخت لڑکا جو اس کے لئے دعا مانگے آخر حدیث تک اور ظاہر ہے کہ لڑکے کے ہونے کا ذریعہ بجز نکاح کے اور کچھ نہیں۔ اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نکاح سے صرف دو چیزیں روکتی ہیں یا عاجز ہونا یا بدکار ہونا اس میں آپ نے بیان فرمایا کہ دین داری مانع نکاح نہیں اور اس کے مانع کو دو بری باتوں میں منحصر کر دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عابد کی عبادت پوری نہیں ہوتی جب تک کہ شادی نہ کرے اس سے غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ نکاح عبادت کا تتمہ ہے مگر ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی غرض اس سے یہ ہے کہ غلبہ شہوت کے باعث دل کی سلامتی بدون نکاح کے متصور نہیں اور عبادت بدون فراغ دل کے نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے اپنے غلاموں حضرت عکرمہ اور قریب وغیرہما کو بالغ ہونے کے بعد آپ نے اکٹھا کیا اور فرمایا کہ اگر تم نکاح کرنا چاہتے ہو تو میں تمہارا نکاح کر دوں کیونکہ بندہ جب زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے دل میں سے نکال لیا جاتا اور حضرت ابن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ اگر بالفرض میری عمر میں سے صرف دس روز رہ گئے ہوں تو مجھے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کر لوں تاکہ خدا تعالیٰ کے سامنے مجرد نہ جاؤں اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیبیاں وبا و طاعون میں مر گئی تھیں اور خود بھی مرض وبائی میں مبتلا تھے مگر فرمایا کہ میرا نکاح کر دو مجھے برا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مجرد ملوں ان دونوں اثروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے نزدیک شہوت کے وغدغہ سے بچنے کے سوا نفس نکاح میں فضیلت تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نکاح بہت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں صرف اولاد کے لئے نکاح کرتا ہوں اور ایک صحابی آنحضرت[2] صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہی کیا کرتے تھے اور رات کو بھی آپ کے پاس ہی رہتے کہ شاید کوئی ضرورت پڑے آپ نے ان کو فرمایا کہ تم شادی کیوں نہیں کر لیتے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک تو میں مفلس ہوں کچھ مایہ نہیں رکھتا دوسرے آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو جاؤں گا آپ نے سکوت فرمایا پھر ان سے دوبارہ اسی طرح ارشاد فرمایا اور انہوں نے وہی جواب عرض کیا پھر انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے فائدہ کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں جو بات میرے لئے دین و دنیا میں مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرے گی اس کو زیادہ جانتے ہیں اگر تیسری بار مجھ سے ارشاد فرما دیں گے تو میں نکاح کر لوں گا آپ نے ان کو تیسری بار ارشاد

ا؎ مسلم و بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۲؎ بروایت ربیعہ اسلمی اور یہ قصہ بھی انہیں صحابی کا ہے۔

فرمایا کہ تم نکاح نہیں کر لیتے انہوں نے عرض کیا کہ آپ میرا نکاح کرا دیجئے فرمایا کہ فلاں قبیلہ میں جاؤ اور کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم فرماتے ہیں کہ تم اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دو انہوں نے عرض کیا کہ حضور میرے پاس کچھ نہیں آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے ایک گٹھلی کے برابر سونا جمع کر دو لوگوں نے جمع کر دیا اور ان صحابی کو ان کے پاس لے گئے انہوں نے ان کا نکاح کر دیا لوگوں نے ان سے ولیمہ کو کہا اور ایک بکری ولیمہ کے لئے سب نے مل کر ان کو لے دی اس حدیث میں مکرر آپ کا ارشاد فرمانا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ نفس نکاح میں فضیلت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان کے اندر کوئی بات نکاح کی حاجت معلوم فرمائی ہو اور کہتے ہیں کہ پہلی امتوں میں سے ایک عابد عبادت میں اپنے اقران وہم عصروں پر فائق تھا اس کا ذکر اسی وقت کے پیغمبر کے سامنے ہوا انہوں نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص خوب تھا بشرطیکہ ایک سنت کو نہ چھوڑتا عابد نے جو پیغمبر کا ارشاد سنا رنجیدہ ہوا اور پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ میں کون سی سنت کا تارک ہوں انہوں نے فرمایا کہ تو نکاح کا تارک ہے عابد نے عرض کیا کہ میں نے اس کو اپنے اوپر حرام نہیں کیا ہے مگر مفلس ہوں اور اپنا خرچ لوگوں پر رکھتا ہوں اس وجہ سے کوئی اپنی لڑکی مجھے نہیں دیتا پیغمبر نے فرمایا کہ تجھ کو میں اپنی لڑکی دیتا ہوں چنانچہ اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور بشر بن حارثؒ نے فرمایا کہ تین باتوں سے احمد بن حنبل مجھ پر فضیلت رکھتے ہیں اوّل یہ کہ حلال روزی اپنے لئے اور غیر کے لئے تلاش کرتے ہیں اور میں فقط اپنے ہی لئے طالب ہوں دوسرے یہ کہ ان کو نکاح کی گنجائش ہے مجھ کو اس امر میں تنگی ہے تیسرے یہ کہ وہ عوام کے لئے امام ہیں اور کہتے ہیں کہ امام احمدؒ کی بی بی یعنی عبد اللہ کی ماں کا جس روز انتقال ہوا تھا تو آپ نے اس کے دوسرے روز نکاح کر لیا اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو مجرد رہوں اور بشر کا یہ حال ہے کہ لوگوں نے جب ان سے کہا کہ آدمی آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ سنت نکاح کے تارک ہیں تو آپ نے فرمایا کہ معترضوں سے کہہ دو کہ میں فرض کے باعث سنت سے رکا ہوں اور دوبارہ ان سے جو کسی نے نکاح پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ مجھے تو نکاح سے صرف یہ آیت روکتی ہے[ا] ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف یہ امر امام احمدؒ کے سامنے ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا کہ بشر جیسا آدمی ہو تو لے وہ ایک بھال کی نوک پر بیٹھا ہوا ہے اور باوجود اس کے یہ بھی مروی ہے کہ بشرؒ کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا کہ جنت میں میرے مراتب بلند ہوئے اور انبیاء کے مقامات تک مجھ کو جھکا دیئے مگر نکاح والوں کے درجہ کو نہیں پہنچا اور ایک روایت یہ ہے کہ بشرؒ نے یہ جواب دیا کہ مجھ کو ارشاد ہوا ہے

[ا] اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا ان پر حق ہے موافق دستور کے۔ ۱۲

کہ ہم کو یہ پسند نہ تھا کہ تو ہمارے سامنے مجرد آوے گا راوی کہتا ہے کہ میں نے بشرؒ سے پوچھا کہ ابو نصر تمار کا کیا حال ہے فرمایا کہ مجھ سے ستر درجہ زیادہ ان کو دیئے گئے ہیں میں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ کہ دنیا میں تو ہم آپ کو ان سے زیادہ دیکھتے تھے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی لڑکیوں اور عیال پر صبر کیا تھا اور سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ بیبیوں کی کثرت دنیا میں سے نہیں اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور اصحابؓ کی نسبت کر زیادہ زاہد تھے حالانکہ آپ کی چار بیبیاں اور حرمؓ تھیں حاصل یہ کہ نکاح ایک پہلی سنت اور انبیاء کی عادتوں میں سے ایک عادت ہے اور ایک شخص نے ابراہیمؒ سے کہا کہ خوشحالی ہو تم کو کہ تجرد کے باعث سے تم عبادت ہی کے لئے ہو رہے ہے آپ نے فرمایا کہ تمہاری عیال کے ہوتے ہوئے ایک طلب میری سب حالتوں سے بہتر ہے اس نے کہا کہ پھر کون چیز آپ کو نکاح سے مانع ہے فرمایا کہ مجھ کو عورتوں کی حاجت نہیں اور نہ یہ منظور ہے کہ کسی عورت کو اپنی طرف منسوبؒ کر دن اور کہتے ہیں کہ نکاح والے کی فضیلت مجرد پر ایسی ہے جیسے جہاد کرنے والے کو نہ جانے والے پر ہے اور بی بی والے کی ایک رکعت مجرد کی ستر رکعتوں سے بہتر ہے۔

نکاح سے اعراض کی وجوہات

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو سو برس کے بعد لوگوں میں سے بہتر وہ ہوگا جو مایہ اور عیال کم رکھتا ہو اور نہ اس کی بی بی اور نہ بچہ اور فرمایاؐ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آوے گا کہ آدمی کی تباہی اس کی بی بی اور ماں باپ اور اولاد کے ہاتھ ہوگی اور اس کو مفلسی کا ننگ دلاویں گے اور اس کو ایسی بات کی تکلیف دیں گے جس پر اس کا قابو نہ ہو اسی وجہ سے وہ ایسی راہوں میں گھسے کا جن میں اس کا دین جاتا رہے اور اس لئے تباہ ہوگا اور حدیثؐ میں ہے کہ عیال کا کم ہونا بھی دو تو انگریوں میں سے ایک ہے اور کنبہ کا زیادہ ہونا دو مفلسیوں میں سے ایک ہے اور ابو سلیمان دارانیؒ سے جو کسی نے نکاح کا حال پوچھا تو فرمایا کہ عورتوں سے صبر کرنا اس سے بہتر ہے کہ ان کی حرکت پر صبر کیا جاوے اور ان کی حرکت پر صبر کرنا آگ پر صبر کرنے سے بہتر ہے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ تنہا آدمی کو عمل کا مزہ اور دل کا فراغ اس قدر حاصل ہوتا ہے کہ بی بی والے کو نہیں ہوتا اور یہ بھی وہی فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے یاروں میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ نکاح کرنے کے بعد اپنے پہلے مرتبہ پر ثابت رہا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے ان کو تلاش کیا اس نے دنیا کی طرف میل کیا اول یہ کہ معاش کا طالب ہو دوم کسی عورت سے نکاح کیا سوم یہ کہ حدیث کو لکھا۔ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بہتری

۱؎ اصل میں سترہ ہیں ۱۲ ع؎ منسوب الخ صحیح ترجمہ موافق اصل کے یہ کہ اپنی ذات سے دھوکا دوں ۱۲ - ۲ح؎ ابو یعلی بروایت خدیفہ اور یہ روایت ضعیف ہے ۱۲ ۳ح؎ خلابی در عزلت بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲ - ۴ح؎ ابو المنصور دیلمی در سند فردوس سطر اول بسند ضعیف ۱۲

کیا چاہتا ہے تو اس کو مال اور زن اور فرزند میں مشغول نہیں کرتا اور ابن ابی الحواری کہتے ہیں کہ ایک جماعت نے اس قول میں مناظرہ کیا آخر کو ان کی رائے اس پر ٹھہری کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ مال و اہل و آدمی بالکل نہ رکھتا ہو بلکہ یہ مراد ہے کہ ہو ویں تو سہی مگر اس کو اللہ تعالیٰ سے روک نہ دیں اور یہی بات ابو سلیمان دارانی کے اس قول میں پائی جاتی ہے کہ جو چیز تجھ کو اللہ تعالیٰ سے روک دے خواہ مال ہو یا زن و فرزند وہ تجھ پر منحوس ہے۔ حاصل یہ کہ نکاح سے اعراض کرنے کو جو کسی نے اکابر سلف سے فرمایا ہے تو مطلق نہیں فرمایا بلکہ ایک شرط کے ساتھ فرمایا ہے اور نکاح کی ترغیب بھی مطلق مذکور ہے اور شرط کے ساتھ بھی ہے اس لئے ہم کو ضرور ہوا کہ نکاح کی آفتوں اور فوائد کا ذکر کر کے اس کی تشریح اچھی طرح کریں۔

نکاح کے فوائد

جاننا چاہیئے کہ نکاح کے فوائد مجملاً پانچ ہیں اولاً اولاد کا ہونا دوم شہوت کا توڑنا سوم گھر کا انتظام کرنا چہارم اپنے جتھے کا زیادہ ہونا پنجم عورتوں کے ساتھ رہنے میں نفس پر مجاہدہ کرنا۔ اب ان کو مفصل سننا چاہیئے کہ فائدہ اوّل یعنی اولاد کا ہونا یہ سب میں اصل ہے اور نکاح اسی کے لئے موضوع ہوا ہے اور نسل کا باقی رکھنا اس سے مقصود ہے کہ جسم انسان سے عالم خالی نہ ہو جاوے اور شہوت جو مرد اور عورت میں رکھ دی گئی ہے یہ ایک لطیف تدبیر اولاد کے ہونے کی ہے جیسے جانور کو جال کے اندر پھنسانے کے واسطے دانہ پھیلا دیا جاتا ہے کہ اس کی چاہ میں جال میں آجاوے اسی طرح خواہش جماع مرد و عورت کا ذریعہ حصول اولاد کر دیا گیا ہے قدرت ازلی آدمیوں کو بدوں ان بکھیڑوں کے بھی ابتدا پیدا کر سکتی تھی مگر حکمت الٰہی اسی بات کی مقتضی ہوئی کہ مسببات کا وجود اسباب پر منحصر کیا جاوے گو اس کی حاجت اس کو نہ تھی مگر اپنی قدرت کے ظاہر کرنے اور عجائب صنعت کو پورا کرنے اور جس طور پر پہلے مشیئت ہو چکی ہے اور حکم کیا گیا ہے اور قلم لکھ چکا ہے اس طرح پر موجود کرنے کو ایسا ہی سامان اس کے لئے فرمایا اور جس صورت میں کہ شہوت کے شبہات سے امن ہو تو نکاح کا ذریعہ ولد ہونا چار طرح سے موجب ثواب ہے جو ترغیب کے باب میں اصلی ہیں حتیٰ کہ اکابر نے انہیں کے باعث پسند نہیں کیا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے مجرد جاوے۔ اوّل یہ کہ اولاد ہونے میں سعی کرنے سے باعتبار بقاء جنس انسانی اللہ تعالیٰ کی مرضی کی موافقت ہوتی ہے دوسرے یہ کہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پائی جاتی ہے کہ جن کی کثرت سے آپ فخر فرما دیں گے ان کی کثرت میں سعی کی جاوے تیسرے یہ کہ بعد اپنے مرنے کے نیک بخت لڑکے کی دعا کی توقع ہے چوتھے یہ کہ لڑکا اگر صغر سنی میں مر جاوے گا تو اس کے سفارشی ہونے کی توقع ہے ان چاروں وجہوں میں سے وجہ اوّل سب سے باریک اور عوام کی سمجھ سے دور تر ہے حالانکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عجیب مصنوعات اور مجاری احکامات میں بصیرت رکھتے ہیں ان کے نزدیک

سب سے زیادہ قوی اور درست اوّل ہی وجہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بیج اور کھیتی کے اوزار سپرد کرے اور اس کے لئے زمین کھیتی کے لئے تیار کردے اور غلام مذکور کھیتی پر قادر ہو اور آقا اس پر ایک گماشتہ مقرر کردے کہ اسکو کھیتی کیلئے تقاضہ کرتا رہے تو اس صورت میں اگر غلام سستی کرے اور کھیتی کا سامان بیکار رہنے دے اور بیج کو ضائع ہونے دے یہاں تک کہ خراب ہو جاوے اور گماشتہ کو اپنے اوپر سے کسی بہانہ سے ٹال دے تو ظاہر ہے کہ یہ غلام مستوجب آقا کی خفگی اور عتاب کا ہوگا اب دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو جوڑا بنایا اور مرد کے لئے آلہ تناسل اور خصیے خاص کئے اور نطفہ کو پشت کی ہڈی میں پیدا کر کے انثیین میں اس کے رگ و پے تیار کئے اور عورت کے رحم کو نطفہ کے ٹھہرنے اور رکھنے کی جگہ ٹھہرایا اور مرد و عورت دونوں پر شہوت کو مسلط کیا تو یہ سب افعال اور سامان زبان فصیح خالق کی مراد پر شہادت دیتے ہیں اور عقل والوں کو بتاتے ہیں کہ ہم کو اس غرض سے بنایا گیا ہے اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کی زبانی اپنے مقصود کو ارشاد نہ فرمایا ہو اور جس صورت میں کہ آپ کی زبان مبارک سے اپنا مقصود بھی ظاہر کردیا ہو جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا[۱] تناکحوا تناسلوا تب تو جو شخص کہ نکاح سے رکے گا وہ کھیتی سے روگرداں اور بیج کا تلف کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے سامان کو بے کار رکھنے والا ہوگا اور فطرت کے مقصود اور اس حکمت کے خلاف کرے گا جو خلق کا مشاہدہ سے سمجھ میں آتی ہے اور ان اعضا پر خط تقدیر سے لکھی ہوئی ہے جس میں نقوش اور حروف اور آواز کو دخل نہیں اسکو وہی پڑھتا ہے جس کی بصیرت خداداد حکمت ازلی کے دقائق کے سمجھنے میں چلتی ہو اور یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اولاد کے قتل کرنے اور زندہ درگور کرنے کی سخت، ممانعت فرمائی اس لئے کہ یہ صورت بھی وجود کے پورا ہونے کی مانع ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے کسی کے اس قول میں کہ صحبت کے انزال کے وقت آلہ تناسل کو نجوف حمل رہ جانے کے باہر نکالنا بھی ایک قسم کا زندہ درگور ہے حاصل یہ کہ نکاح کرنے والا اس چیز کے کامل کرنے میں کوشش کرتا ہے جس کا پورا کرنا خدائے تعالےٰ کو محبوب ہے اور نکاح سے اعراض کرنے والا اس چیز کو ضائع اور بیکار کرتا ہے جس کا تلف کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور یہیں وجہ کہ خدائے تعالیٰ کو جانوں کا باقی رکھنا محبوب ہے کھانا کھلانے کو حکم فرمایا اور اسپر ترغیب دی اور اس کو قرض دینے سے تعبیر فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا[۲] من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً اب اگر یہ کہو کہ تمہارے اس کہنے سے کہ نسل اور جان کا باقی رکھنا خدائے تعالیٰ کو محبوب ہے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کا فنا ہونا خدائے تعالیٰ کو برا معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ کے لحاظ سے

---

[۱] باہم نکاح کرو اور نسل چلاؤ ۱۲ [۲] کون شخص ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو قرض اچھا ۱۲

موت اور حیات میں کچھ فرق ہو حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی خواہش سے ہیں اور خدا تعالیٰ عالم کے لوگوں سے غنی ہے اور اس کے نزدیک ان کی موت اور حیات اور بقا و فنا میں کچھ فرق نہیں ہو سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقریر تو ظاہرا ٹھیک ہے مگر اس کی مراد باطل ہے اس لئے کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وُہ اس کے منافی نہیں کہ دنیا کی سب چیزیں یعنی خیر و شر اور نفع و ضرر خدا تعالیٰ کے ارادے سے منسوب ہوں بلکہ محبت اور کراہت آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ نہیں کہ ارادہ کی ضد ہوں کیونکہ بعض اوقات ارادہ کی چیز مکروہ ہوتی ہے اور بعض مرتبہ محبوب ہوتی ہے مثلاً معاصی مکروہ ہیں مگر باوجود اس کے ارادہ سے ہوتے ہیں اور طاعات بھی ارادہ سے ہوتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی محبوب اور پسند ہیں اور کفر اور شرک کو ہم پسند اور محبوب نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ارادہ سے ہوتے ہیں اور ان کے ناپسند ہونے کو خود خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[۱] ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر پس کیسے ہو سکتا ہے کہ محبت اور کراہت کے لحاظ سے فنا اور بقا خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک سی ہوں تو وہ حدیث قدسی[۲] میں فرماتا ہے کہ مجھ کو کسی چیز میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے بندہ فرمان بردار کی جان قبض کرنے میں ہوتا ہے کہ وہ موت کو برا جانتا ہے اور مجھ کو اس کی برائی ناپسند ہے اور موت اس کو ضروری ہے پس موت کا ضروری ہونا جو ارشاد فرمایا اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ اور تقدیر پہلے گزر چکے ہیں جن کو اس آیت میں ذکر فرمایا[۳] نحن قدرنا بینکم الموت اور اس قول میں خلق الموت والحیوٰۃ اور نحن قدرنا بینکم الموت میں اور اس قول میں کہ مجھ کو اس کی برائی ناپسند ہے کچھ منافات نہیں مگر امر حق واضح کرنے کے لئے ارادہ اور محبت اور کراہت کے معنوں کو تحقیق کرنا اور ان کی حقیقتوں کا بیان کرنا درکار ہے اس لئے کہ ان الفاظ سے ذہنوں میں یہی بتادر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ اور محبوب جاننا اور ناپسند کرنا خلق کے ارادہ اور محبوب جاننے اور ناپسند کرنے کے مشابہ ہے حالانکہ یہ بات نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی صفات اور مخلوق کی صفات میں ایسا ہی فرق ہے جیسا اس کی ذات اور مخلوق کی ذات میں ہے اور جس طرح کہ مخلوق کی ذاتیں جوہر اور عرض ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات جوہر اور عرض ہونے سے منزہ ہے اور جو چیز کہ جوہر اور عرض نہ ہو وہ مشابہ ان دونوں کے بھی نہیں ہو سکتی اسی طرح خدا تعالیٰ کی صفات بھی مشابہ خلق کی صفات کے نہیں جو چونکہ یہ حقائق مکاشفہ میں داخل ہے اور انہیں کی آڑ میں تقدیر کا راز جس کے ظاہر کرنے کی ممانعت ہے اس لئے ہم اس مضمون سے عنان قلم کو روکتے ہیں اور جو کچھ نکاح کرنے پر جرأت کرنے اور اس سے روکنے ———————— میں فرق ہم نے بتادیا اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں یعنی نکاح سے رُکنے والا اپنی اس نسل کو کھوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے

---

[۱] اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کی منکری ۱۲ [۲] بخاری بروایت ابی ہریرہ [۳] ہم نے ٹھہرایا تم میں مرنا۔ [۴] پیدا کیا مرنا اور جینا ۱۲

حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے نسلاً بعد نسل اس شخص تک موجود رکھا تھا اور اپنے آپ سے وہ تدبیر کرنا ہے کہ مرنے کے بعد اسکی اولاد اس کی قائم مقام نہ ہو اور اگر بالفرض نکاح کے باعث شہوت کا ٹا لنا ہی ہوتا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وبا میں مبتلا ہو کر یہ نہ فرماتے کہ میرا نکاح کر دو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مجرد نہ جاؤں اور اگر یہ پوچھو کہ حضرت معاذؓ کو اس وقت میں توقع اولاد کی نہ تھی پھر نکاح کی خواہش کی کیا وجہ تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد صحبت سے ہوتی ہے اور صحبت کا باعث شہوت ہے اور یہ امر بندہ کے اختیار میں داخل نہیں بندہ کے اختیار میں صرف اسی قدر ہے کہ جو چیز محرک شہوت ہو اس کو موجود کرے اور یہ ہر حال میں ہو سکتا ہے پس جو شخص عقد کرے گا تو جو بات اس کے ذمہ تھی وہ ادا کر چکا اور باقی باتیں اس کے قبضہ اختیار سے خارج ہیں اور اسی وجہ سے نامرد کو بھی نکاح کرنا مستحب ہے اس لئے کہ شہوت کے ابھار پوشیدہ ہیں ان پر اطلاع نہیں ہوتی یہاں تک کہ خصیہ مالیدہ شخص کے حق میں نکاح کا مستحب ہونا منقطع نہیں گو اس کو توقع اولاد کی نہیں جس طرح کہ افعال حج میں گنجہ کے لئے سر پر استرہ پھروانا مستحب ہے گو سر پر بال نہ ہوں مگر غیروں کی پیروی اور سلف صالح کی اقتدار اس کو اس باب میں مستحب ہے یا جس طرح آج کل حج میں طواف کے وقت تین پھیروں میں چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں شانہ پر ڈالنا اور اکٹر کر دوڑ کر چلنا مستحب ہے حالانکہ شروع میں یہ اعمال اس غرض سے تھے کہ کافروں کی نظروں میں اہل اسلام کی شجاعت اور بہادری ظاہر ہو مگر جن لوگوں نے داد شجاعت دی تھی ان کا یہ فعل پچھلے لوگوں کے حق میں مستحب ہو گیا اور اگر ان دونوں شخصوں کو اس لحاظ سے دیکھا جاوے کہ صحبت پر قادر نہیں تو استحباب نکاح میں ضعف آجاتا ہے اور یہ استحباب اس اعتبار سے اور بھی ضعیف ہے کہ ان کے نکاح سے ایک شے بے کار ہوئی جاتی ہے اور اس سے جو مطلب نکلتا ہے وہ تلف ہوتا ہے اور اس کی حاجت بھی پوری نہیں ہوتی اور اس میں ایک طرح کا خطرہ ہے تو یہ وجہ ایسی ہے کہ جو لوگ شہوت کے ضعیف ہونے کی جہت سے نکاح نہیں کرتے اور شدت سے انکار کرتے ہیں ان کے عذر پر آگاہ کرتی ہے وجہ دوم نکاح کے ذریعہ اولاد ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور رضا میں کوشش کرنا ہے کہ جس چیز سے آپ مباہات فرماویں گے اس کی کثرت نکاح ہی سے ہے کیونکہ آپ نے اس امر کی تصریح فرما دی ہے اور اولاد کے لحاظ رکھنے پر بہمہ وجوہ مجملاً یہ روایت دال ہے جو حضرت عمرؓ کے حال میں مروی ہے کہ آپ نکاح بہت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اولاد کے واسطے نکاح کرتا ہوں اور مذمت بانجھ عورت کی جو حدیث میں مروی ہے اس سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ اولاد کا لحاظ ہونا چاہیئے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[۱] نے فرمایا کہ گھر کے کونہ میں بوریا بانجھ عورت کی نسبت کہ اچھا ہے اور فرمایا۔

[۱] ابو عمر توتانی سے حضرت عمر فاروقؓ پر موقوفاً روایت کیا ہے اور سند مرفوع مجھ کو نہیں ملی۔

ح۱ خیر نسائکم الولود الودود اور فرمایا[ح۲] کہ کالی عورت اولاد والی خوبصورت سے بہتر ہے جس سے اولاد نہ ہو ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح کی فضیلت حاصل ہونے میں اولاد کی طلب کو دخل ہے بہ نسبت صرف جوش شہوت دور کرنے کے اس لئے کہ خوبصورت عورت مرد کی پارسائی قائم رکھنے اور نگاہ نیچی کرنے اور شہوت دور کرنے کے لئے زیادہ زیبا ہے لیکن تاہم اولاد کے لحاظ سے اس پر بدصورت کو ترجیح دی گئی وجہ سوم بعد کو اولاد کا نیک بخت رہنا ہے جو باپ کے لئے دعا خیر کرے چنانچہ حدیث[ح۳] میں ہے کہ دعائیں مردوں کے سامنے نور کے طباقوں میں رکھ کر پیش کی جاتی ہیں اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اولاد بعض وقت نیک بخت نہیں ہوتی تو یہ قول ان کا لغو ہے اس لئے کہ مسلمان دین دار کی اولاد غالباً نیک بخت ہی ہو گی خصوصاً اس عورت میں کہ اس کی تربیت کا قصد کرے اور نیک بختی کے کام لیوے حاصل یہ کہ ایمان دار کی دعا ماں باپ کے حق میں مفید ہی ہوتی ہے خواہ نیک بخت ہو یا بدکار اور اگر لڑکا نیکیاں کرے گا اور دعا مانگے گا تو باپ کو اس کا ثواب ملے گا اس نظر سے کہ لڑکا اس کی کمائی ہے اور اگر برائیاں کرے گا تو باپ سے اس کی باز پرس نہ ہو گی اس وجہ سے کہ لا[ح۴] تزر وازرۃ وزر اخری قرآن مجید میں موجود ہے اور اسی مضمون کو خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا[ح۵] الحقنا بھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شئی یعنی ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ ان کے احسان پر یہ بات زائد کر دی کہ ان کی اولاد کو ان کے ساتھ کر دیا وجہ چہارم یہ ہے کہ لڑکا پیشتر مر جاوے گا تو سفارشی ہو گا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۶] کہ لڑکا اپنے ماں باپ کو جنت کی طرف کھینچے گا۔ اور بعض اخبار میں ارشاد[ح۷] فرمایا کہ بچہ ماں باپ کا کپڑا پکڑے گا جیسے میں اب تیرا کپڑا پکڑتا ہوں[ح۸] اور فرمایا کہ بچہ کو حکم ہو گا کہ جنت میں داخل ہو وہ جنت کے دروازے پر توقف کرے گا اور غصہ میں بھر کر کہے گا کہ میں جنت میں

جب ہی جاؤں گا کہ میرے ماں باپ میرے ساتھ ہوں حکم ہو گا کہ اس کے ماں باپ کو اس کے ساتھ جنت میں داخل کرو اور دوسری حدیث میں[ح۹] ہے کہ لڑکے قیامت کے میدان میں جس وقت کہ خلقت حساب کے لئے درپیش ہو گی جمع ہوں گے فرشتوں کو حکم ہو گا کہ ان کو جنت

ح۱ تمہاری بیبیوں میں سے بہتر وہ ہیں کہ بچہ جنیں اور محبت کریں ح۲ بیہقی بروایت سعید بن یسار مرسلہ بروایت ابن ابی ادیہ ایضاً مرفوعاً ۱۲ ح۳ ابن حبان بروایت یزید بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اور یہ صحیح نہیں ۱۲ ح۴ اس کی سند اوپر گزری ۱۲ ح۴ اس کی روایت ہم کو بروایت ابی ہدیہ عن انس اربعین میں پہنچی مگر ابو الہدیہ جھوٹا ہے ۱۲ ح۵ اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا ح۶۔ پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد اور گھٹایا نہیں ان سے ان کا کیا ۱۲ ح۷ ابن ماجہ بروایت علی مرتضیٰ ۱۲ ح۸ مسلم بروایت ابی ہریرہ ح۹ نسائی بروایت ابی ہریرہ اسی کے قریب مضمون نقل کیا ہے بسند جید اور بعینہ یہ الفاظ ابن حبان نے روایت کئے ہیں مگر وہ ضعیف ہے۔

ہیں لے جاؤ وہ لڑکے جنت کے دروازے پر ٹھہر ہیں گے اور ان سے کہا جاوے گا کہ خوب ہوا تم آئے
مسلمانوں کے بچو تم اندر جاؤ تم سے کچھ حساب نہیں وہ کہیں گے کہ ہمارے ماں باپ کہاں ہیں جنت کے
فرشتے کہیں گے وہ تم جیسے نہیں ہیں بلکہ ان کے ذمہ گناہ اور برائیاں ہیں ان سے ان کا حساب اور مطالبہ
ہوگا یہ سن کر وہ لڑکے یکبارگی مچیں گے اور فریاد وزاری جنت کے دروازہ پر کریں گے پس خدا تعالیٰ
باوجودیکہ ان کے حال سے خوب واقف ہوگا ارشاد فرماوے گا کہ یہ فریاد کیسی ہے فرشتے عرض کریں گے۔
الٰہی مسلمانوں کے بچے ہیں کہتے ہیں کہ ہم جنت میں بدوں اپنے ماں باپ کو ساتھ لئے نہ جاویں گے خدا تعالیٰ
حکم فرماوے گا کہ اس جماعت کے اندر جاؤ اور ان کے ماں باپوں کا ہاتھ پکڑو اور ان کو جنت میں داخل
کرو اور فرمایا[۱] من مات له اثنان من الولد فقد احتظر بحظار من النار اور فرمایا[۲]
من مات له ثلثه لم یبلغو الحنث ادخله الله الجنة بفضل رحمته ایاهم قیل
یا رسول الله و اثنان قال و اثنان حکایت ہے کہ کسی نیک بخت سے لوگ نکاح کرنے کو کہا کرتے
تھے اور وہ بزرگ کچھ دنوں انکار کرتے رہے ایک روز جو سو کر اٹھے تو کہنے لگے کہ میرا نکاح کر دو میرا بیاہ
کر دو لوگوں نے ان کا نکاح کر دیا اور وجہ پوچھی کہ اب کس لئے خواہاں نکاح کے ہوئے فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ
مجھے لڑکا دیوے اور صغر سنی میں اس کو وفات دیوے تو آخرت میں میرے کام آوے پھر کہا میں نے خواب میں
دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہے اور تمام خلق کے ساتھ میں بھی قیامت کے میدان میں کھڑا ہوں اور میرا پیاس کے
مارے لبوں پر دم آ رہا ہے اور اسی طرح مخلوق بھی سخت تشنگی اور کرب میں گرفتار ہے پھر دیکھتا ہوں کہ کچھ
بچے صفوں کو چیرتے پھرتے ہیں ان کے سر پر نور مندیل ہیں اور ہاتھوں میں چاندی کی چھاگل اور سونے
کے آبخورے لئے ایک ایک کو پانی پلاتے ہیں اور اندر گھسے جاتے ہیں اور بہتوں کو چھوڑتے بھی جاتے
ہیں میں نے اپنا ہاتھ ان میں سے ایک لڑکے کی طرف پھیلایا اور کہا کہ میرا پیاس کے مارے برا حال ہے مجھ کو
پانی پلا اس نے کہا کہ ہم مسلمانوں کے لڑکے ہیں جو صغر سنی میں مر گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں
[۳] وقدموا لانفسکم کے ایک معنی یہ بھی کہے ہیں کہ اس سے مراد بچوں کا آخرت میں بھیجنا ہے غرضکہ ان
چاروں وجہوں سے معلوم ہوا کہ نکاح کی فضیلت زیادہ تر اسی جہت سے ہے کہ وہ اولاد ہونے کا سبب

---

[۱] اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [۲] جس کے دو بچے مر جائیں اس کے لئے آتش دوزخ سے ایک دیوار حائل بن گئی ۱۲ بزار و طبرانی بروایت زبیر بن ابی علقمہ
و مسلم بروایت ابی ہریرہ رض در ضمن قصہ ۱۲ [۳] جس کے تین ایسے لڑکے مر جائیں کہ حالت بلوغ کو نہ پہنچیں ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا
اپنے تتمہ رحمت سے ان بچوں پر کسی نے پوچھا اور دو لڑکے پس آپ نے فرمایا کہ دو کا بھی یہی حال ہے احمد بروایت معاذ رض اور بخاری و مسلم میں
اور الفاظ سے ایسے ہی مضمون مذکور ہیں ۱۲ [۴] اور آگے بھیجو اپنی جانوں کے لئے ۱۲

ہے دوسرا فائدہ نکاح سے یہ ہے کہ شیطان سے محفوظ رہنا اور جوش اشتیاق کو دبانا اور شہوت کا ٹالنا اور نگاہ کو نیچا رکھنا اور شرمگاہ کو بچانا اس سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس[1] حدیث میں کہ جس جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین بچالیا پس چاہیئے کہ دوسرے نصف میں خدا تعالیٰ سے ڈرے اور اس حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے علیکم بالباءة فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم لہ وجاء اور جو آثار و اخبار کہ ہم لکھ آئے ہیں ان میں بھی اشارہ اس مضمون کی طرف ہے اور یہ فائدہ اول فائدہ کی نسبت کم ہے اس لئے کہ شہوت اولاد کے ہونے کے تقاضہ کرنیکو ایک گماشتہ ہے اس کی آفت سے بچنے اور شر سے محفوظ رہنے کو تو نکاح ہی کافی ہے مگر جو شخص اپنے آقا کا کہنا مانے اس سے کہ اس کی رضا جوئی کا طالب ہو اور دوسرا شخص بھی مانے مگر اس خیال سے کہ گماشتہ کی آفت سے محفوظ رہے یہ دونوں برابر نہیں ہیں بلکہ فضیلت اوّل ہی کو ہے غرضیکہ شہوت اس پر ترغیب دہندہ ہے ہاں شہوت میں سوائے اولاد کی ترغیب کے ایک اور حکمت بھی ہے یعنی اس کے پورا کرنے میں وہ لذت ہے کہ اگر اس کو بقا ہو تو اس کے جوڑ کی کوئی لذت نہیں اور یہی لذت اس لذت کی خبر دیتی ہے کہ جس کا وعدہ جنت میں ہوا ہے اور اس کے موجود کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس لذت کا ذائقہ معلوم نہ ہو اس کی ترغیب بیکار ہوتی ہے مثلاً اگر نامرد کو صحبت کی لذت پر ترغیب دے جاوے یا لڑکے کو ملک و سلطنت کی لذت پر ابھارا جاوے تو مفید نہیں پس آدمی میں اس لذت کو اس لئے پیدا کیا گیا کہ اس کے مزہ سے آگاہ ہو جنت میں اس کے دوام کا خواہاں ہو جس کا حصول عبادت الٰہی پر موقوف ہے اب غور کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس میں کیسی حکمت اور کس طرح کی رحمت رکھی ہے کہ ایک شہوت کے اندر دو زندگیاں ظاہر و باطن کی پوشیدہ کر دی ہیں ظاہر کی زندگی تو اس طرح ہے کہ اس کے ذریعہ سے نسل باقی رہتی ہے اور یہ بھی ایک طرح کا دوام آدمی کے لئے ہے اور باطنی زندگی حیات اخروی ہے کہ اس کے باعث بھی یہی شہوت ہوتی ہے یعنی اس کے سریع الزوال ہونے کو دیکھ کر آدمی لذت دائمی اور کامل کی فکر کرتا ہے اور اس کے حاصل ہونے کے لئے عبادت پر آمادہ ہوتا ہے تو گویا شہوت ہی کی رغبت کرنے سے جنت کی نعمت کی طلب اس پر آسان ہو جاتی ہے اسی طرح انسان کے بدن میں کوئی ذرہ ظاہری و باطنی ایسا نہیں بلکہ آسمان زمین کے ملکوت میں کوئی جز اس طرح کا نہیں کہ اس کے عجائب و حکمتوں کے اندر عقلیں حیران نہ ہوں مگر یہ اسرار دلہائے پاک پر اسی قدر کھلتے ہیں جس قدر وہ صاف اور دنیا کی طرف سے اعراض کرنے والے اور اس کے مغالطے اور فریبوں سے روگرداں ہوتے ہیں حاصل یہ کہ جوش شہوت کے ٹالنے کے سبب سے نکاح کرنا دین میں ایک مہم امر ہے اس شخص کے حق میں جو عاجزی و نامردی نہ رکھتا ہو اور یہ حال اکثر خلق کا ہے اور وجہ اس کے مہم کی یہ ہے

[1] اس کی سند اوپر گذری شروع باب ہذا میں۔ [2] اس کی سند شروع میں اس باب کے گذری ۱۲۔ [3] اس کی سند بھی اوپر گذر چکی۔

کہ جب شہوت غالب ہوتی ہے اور اس کی روک پر تقویٰ کی قوت نہیں ہوتی ہے تو بری بری باتوں میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے اور اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت سے ارشاد فرمایا [۱][۲] الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر اور اگر غلبہ شہوت کی صورت میں تقویٰ کی روک تمام بھی ہو تو اس کا انجام ہوگا کہ آدمی اعضاء ظاہری کو شہوت سے روکے گا یعنی آنکھ نیچی اور شرم گاہ کو محفوظ رکھے گا مگر دل کا بچانا وسوسہ اور فکر سے اس کے اختیار میں نہیں اس سے اس کا نفس ہمیشہ اس سے کشاکش رکھے گا اور جماع کی باتیں کریگا اور شیطان وسوسہ انداز اکثر وقتوں میں ایسے خطروں کو دل میں ڈالنے سے کوتاہی نہ کرے گا اور بعض اوقات یہ بات نماز کے اندر پیش ہوتی ہے حتیٰ کہ دل پر نماز کے اندر معاملات ایسے گزرتے ہیں کہ اگر مخلوقات میں ادنیٰ شخص کے سامنے بھی ان کی تصریح کرے تو اس سے شرماوے اور اللہ تعالیٰ دل پر خبردار ہے دل کا حال اس کے سامنے ایسا ہے جیسا زبان کا حال ہے خلق کے نزدیک اور مرید کے لئے طریق آخرت کے چلنے میں اصل سرمایہ دل ہی ہے پس اس کا وساوس میں مبتلا رہنا نہایت بُرا ہے اور ہمیشہ روزہ رکھنا بھی قائم مقام نکاح کے نہیں کیونکہ اکثر لوگوں کے حق میں ہمیشہ کے روزے سے بھی وسوسہ کی جڑ نہیں کٹتی ہاں اگر روزہ رکھتے رکھتے بدن میں کمزوری اور مزاج میں خرابی آجاوے تو وسوسہ کا دور ہونا ممکن ہے اور انہیں وجہوں کے لحاظ سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ عابد کی عبادت نکاح ہی سے پوری ہوتی ہے اور غلبہ شہوت ایک مصیبت عام ہے کمتر شخص اس سے محفوظ رہتے ہیں اور حضرت قتادہؓ ولا [۳] تحملنا مالا طاقۃ لنا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جوش شہوت سے مراد ہے اور مجاہدؓ نے [۴] خلق الانسان ضعیفا کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ضعیف سے یہ غرض ہے کہ عورتوں سے صبر نہیں کرتا اور فیاض بن نجیح نے فرمایا ہے کہ جب آدمی کا عضو تناسل کھڑا ہوتا ہے تو اس کی عقل دو تہائی جاتی رہتی ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اس کا دو تہائی دین جاتا رہتا ہے اور نوادر التفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ [۵] ومن شر غاسق اذا وقب کی تفسیر میں فرمایا کہ آلہ تناسل کے کھڑے ہونے سے غرض ہے غرضکہ یہ وہ بلا ہے کہ جب ہیجان میں آتی ہے تو نہ عقل اس کا مقابلہ کرے اور نہ دین اور باوجودیکہ اس میں یہ لیاقت ہے کہ دو زندگیوں کا باعث ہو سکتی ہے جیسے اوپر مذکور ہوا لیکن شیطان کے لئے آدمیوں کے بہکانے کا نہایت زبردست سامان ہے اور ——————

اسی بات کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں ما [۶] رأیت من ناقصات عقل و دین اغلب لذی

---

۱ اس کی سند ابھی اوپر گزر چکی ۱۲۔ ۲ ت اگر اس کو نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا ۱۲۔ ۳ ت نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہم کو ۱۲۔ ۴ ت پیدا کیا گیا انسان کمزور۔ ۵ ت یعنی پناہ مانگتا ہوں میں بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آوے ۱۲۔ ۶ ت نہیں دیکھا میں نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

الباب مِنکُنّ اور یہ عقل کا دور ہونا ہیجان شہوت ہی کے باعث ہے اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یہ ارشاد فرماتے تھے[۱] اللھم انی اعوذ بک من شر سمعی و بصری و قلبی و شر منیی اور فرماتے[۲] اسئلک ان تطھر قلبی و تحفظ فرجی اب دیکھنا چاہیئے کہ جس چیز سے آنحضرت صلعم پناہ مانگتے ہوں دوسرے شخص کو اس بات میں تساہل کیسے درست ہوگا کہتے ہیں کہ کوئی نیک بخت نکاح بہت کرتے تھے حتی کہ دو یا تین بیبیوں سے خالی نہیں رہتے تھے بعض صوفیوں نے اس امر کا ان پر اعتراض کیا انہوں نے کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے سامنے ایک نشست بیٹھے یا کسی معاملہ میں کچھ دیر کھڑا رہے اور اس عرصہ میں اس کے دل پر شہوت کے وسوسہ کا گذر ہوا انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات تو ہم کو اکثر ہوتی ہے انہوں نے کہا کہ جیسا حال تمہارا صرف ایک وقت میں ہوتا ہے اگر یہ حال میرے اوپر ساری عمر میں بھی کبھی ہوتا اور میں اس کو اچھا جانتا تو ہرگز نکاح نہ کرتا مگر میرا حال یہ ہے کہ جب میری دل پر کوئی وسوسہ ایسا ہوا کہ اس نے مجھ کو میرے حال سے روک دیا تو میں نے اس کو پورا کر دیا اور اپنے کام پر رجوع کیا اور چالیس برس سے میرے دل پر گناہ کا وسوسہ نہیں ہوا اور کسی شخص نے صوفیوں پر اعتراض کیا ایک دین دار نے اس سے کہا کہ تم کو ان کی کون سی بات پر اعتراض ہے اس نے کہا کہ بہت کھاتے ہیں اس بزرگ نے کہا کہ اگر تم بھی ایسے بھوکے رہو جیسے وہ رہتے ہیں تو تم بھی اسی طرح کھاؤ جیسے وہ کھاتے ہیں اس نے کہا کہ صوفی نکاح بہت کرتے ہیں اس نے جواب دیا کہ اگر تم بھی اپنی آنکھ اور شرم گاہ کی حفاظت ان کی طرح کرو تو انہیں کی طرح نکاح کرنے لگو۔ اور حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے کہ مجھ کو جماع کی حاجت ایسی ہے جیسی غذا کی غرضکہ واقع میں بی بی غذا اور دل کی طہارت کا سبب ہے اور اسی وجہ سے جس شخص کی نظر اجنبی عورت پر پڑے اور اس کا نفس اس کی طرف شائق ہو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[۳] نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی بی بی سے صحبت کرنا دل کے وسوسہ کو دور کر دے گا اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کو دیکھ کر حضرت ام المومنین زینبؓ کے پاس گئے اور ان سے ہم بستر ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے پس جب کوئی تم میں سے کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کو اچھی معلوم ہو تو چاہیئے کہ اپنی بی بی سے ہم بستر ہو کہ اس کے پاس بھی وہی بات ہے جو دوسری کے پاس ہے اور فرمایا کہ جن عورتوں کے خاوند ان کے پاس نہ ہوں ان کے پاس تنہا نہ جاؤ کہ شیطان تمہارے اندر خون کی جگہ میں پھرتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کی خون کی جگہ

بقیہ حاشیہ ناقص عقل اور دین والیوں کو عاقلوں پر غالب تر عورتوں سے زیادہ ۱۲ مسلم و بروایت ابن عمرؓ متفق علیہ بروایت ابو سعید ۱۲ [۱] الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بدی سے اپنی آنکھ اور کان اور دل کی اور بدی سے اپنی منی کی ۱۲۔ اس کی سند باب الدعوات میں گزر گئی ۱۲ [۲] تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو پاک کرے اور میری شرمگاہ کو محفوظ رکھے ۱۲ بیہقی در دعوات بروایت ام سلمہ بسند لین ۱۲ [۳] ترمذی بروایت ابی کبشۃ الانماری

میں بھی پھرتا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر
غالب کر دیا تو میں اس سے بچا رہتا ہوں سفیان بن عیینہؒ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ لفظ اسلم جو وارد ہے اس
کے معنی یہ ہیں کہ میں شیطان سے بچا رہتا ہوں یعنی صیغہ ماضی نہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا بلکہ مضارع
متکلم ہے اور وجہ اس معنی کی یہ ہے کہ مسلمان شیطان نہیں ہوتا اور حضرت عمرؓ جو صحابہ میں سے بڑے زاہد اور
عالم تھے ان کے حال میں منقول ہے کہ روزہ کا افطار صحبت سے کیا کرتے اور کھانا بعد کو کھاتے اور بعض اوقات
مغرب پڑھنے سے پیشتر ہم بستر ہوتے پھر نہا کر نماز پڑھتے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ دل عبادت الٰہی کے لئے فارغ
ہو جاوے اور شیطان کا سامان اس میں سے نکل جاوے اور کہتے ہیں کہ ماہ رمضان میں انہوں نے نماز عشا سے
پیشتر اپنی تین تین لونڈیوں سے صحبت کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بہتر شخص اس امت میں وہ
ہے جس کی بیبیاں زیادہ ہوں اور چونکہ عرب کے لوگوں کے مزاج پر شہوت غالب تھی اس لئے ان میں سے نیک بخت
لوگ نکاح بہت کرتے تھے اور دل کے فارغ ہونے کے لئے گناہ کے خوف کے وقت لونڈی سے نکاح
مباح کیا گیا ہے. باوجودیکہ اس صورت سے لڑکے کا غلام کرنا لازم آتا ہے جو ایک قسم کا ہلاک کرنا ہے اور یہیں
وجہ ایسے شخص کو جو آزاد عورت کے نکاح کرنے پر قادر ہو لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے مگر لڑکے کا غلام
کرنا بہ نسبت دین کے تباہ کر ڈالنے کے بہت آسان ہے اس لئے کہ لڑکے کے غلام بنا دینے میں تو صرف
یہی خرابی ہے کہ چند روز کیلئے اس کی خرابی ہے کہ چند روز کی اس کی زندگی تلخ طور پر دوسرے کے زیر حکم
گزرے گی اور زنا کر بیٹھنے میں آخرت کی زندگی جاوید ہاتھ سے جاتی ہے جس کے ایام سے ایک دن کے
مقابلہ میں دنیاوی عمریں بڑی بڑی ہیچ ہیں اور مروی ہے کہ ایک روز حضرت ابن عباس کی مجلس کے سب لوگ
چلے گئے صرف ایک جوان بیٹھا رہا آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کو کچھ ضرورت ہے اس نے عرض کیا کہ میں ایک
مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں پہلے تو گونگی شرم مانع تھی اور اب آپ کی ہیبت اور تعظیم مجھ کو کہنے نہیں دیتی آپ
نے فرمایا کہ عالم کا درجہ باپ کا سا ہوتا ہے تو جو تو بات اپنے باپ سے کہہ دیتا وہ مجھ سے بھی کہہ دے اس
نے عرض کیا کہ میں جوان ہوں اور بی بی نہیں رکھتا اکثر مٹھولوں سے قضا حاجت کر لیتا ہوں اس میں کچھ گناہ ہوتا ہے
کہ نہیں حضرت ابن عباسؓ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا بدصورت لونڈی سے نکاح تیری حرکت
سے بہتر ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرد آدمی پر از شہوت کو تین خرابیوں میں سے ایک
نہ ایک ضرور ہو گی سب سے کمتر لونڈی سے نکاح کر لینا ہے کہ جس میں اپنی اولاد کو دوسرے کا غلام کرنا ہے اور اس
سے زیادہ خرابی ہاتھ سے منی نکالنی یعنی مٹھولے مارنا ہے اور سب سے زیادہ زنا کرنا ہے اور حضرت ابن عباسؓ
نے اس میں سے کسی چیز کو مطلق مباح نہیں فرمایا اس لئے کہ اوّل کی دونوں خرابیاں ممنوع ہیں ان کی طرف

ؒ مسلم وترمذی ۱۲۰۔ ۲ ترمذی بروایت جابر رضؓ مسلم بروایت عبداللہ بن عمرو ۳ رواہ البخاری ۱۲

ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ خوف اس سے زیادہ ممنوع چیز میں مبتلا ہونے کا ہووے جیسے مردار کھانا حرام ہے مگر بخوف جان جانے کے اس کا کھانا مباح بمجبوری ہو جاتا ہے پس ایک خرابی کو جو دوسرے سے بہتر فرمایا اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مباح ہے یا مطلق بہتر ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ اضطرار کے وقت اس کو اختیار کیا جاوے اسی طرح سڑے ہوتے ہاتھ کا کاٹ ڈالنا کچھ خیر مطلق نہیں مگر جان پر بنتی ہے تو اس کی اجازت دے دیتے ہیں۔ غرضکہ نکاح کرنے میں ایک فضیلت اس وجہ سے بھی ہے کہ ان تینوں خرابیوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے مگر یہ فضیلت سب کے حق میں نہیں بلکہ اکثر شخصوں کے حق میں ہے کیونکہ بہت آدمی ایسے بھی تو ہیں کہ ان کی شہوت بڑھاپے میں یا مرض وغیرہ کے باعث سست پڑ جاتی ہے تو ایسے لوگوں کے حق میں یہ سبب فضیلت کا نہیں رکھتا ہاں اولاد کی توقع ان کے لئے بھی باقی ہے اور یہ بات سب مردوں میں عام ہے البتہ نامردوں کے حق میں یہ بھی نہیں مگر نامردی شاذونادر ہے اور بعض طبیعتوں پر غلبہ شہوت اس قدر ہوتا ہے کہ ان کو ایک عورت پارسا نہیں رکھ سکتی تو ایسی طبیعت والے کو ایک سے زیادہ چار تک نکاح کرنا مستحب ہے اگر خدا تعالیٰ ان سے موافقت اور دوستی نصیب کر دے تب تو چین کرے ورنہ مستحب ہے کہ ناموافق کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کرے چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے سات دن بعد نکاح کر لیا تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ بڑے نکاح کرنے والے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی زندگی میں دو سو سے زیادہ عورتوں سے نکاح کیا تھا اور بعض اوقات ایک ہی وقت میں چار عورتوں سے نکاح اور کبھی ایک ہی وقت میں چاروں کو طلاق دے کر اور چار سے نکاح کر لیا اور آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اشبہت خلقی[1] اور نیز فرمایا حسنؓ[2] منی وحسین من علی اس سے لوگوں نے یہ نکالا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کا زیادہ نکاح کرنا بھی ایک عادت ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت سے زیادہ ملتی ہے اور مغیرہ بن شعبہؓ نے اسی عورتوں سے نکاح کیا تھا اور صحابہؓ میں سے ایسے لوگ تھے کہ جن کی تین تین اور چار چار بیبیاں تھیں اور دو والے تو بھی شمار تھے اور جس وقت کہ سبب معلوم ہو جاوے اس وقت چاہئے کہ علاج سبب ہی مقدار کے موافق ہو کیونکہ مقصود نفس کا ساکن کرنا ہے تو کثرت اور قلت نکاح میں اس چیز کا لحاظ رکھنا چاہئے تیسرا فائدہ نکاح کرنے سے نفس کو راحت پہنچانا اور بی بی کے پاس بیٹھنے سے اس کو انس دلانا ہے اور روئے نگار کو دیکھنا اور ہنسی چہل کرنا دل کے لئے راحت اور عبادت پر قوت پیدا کرنا ہے اس لئے کہ نفس ہار بہت مانتا ہے اور حق سے زیادہ بھاگتا ہے کیونکہ یہ اس کی سرشت کے خلاف پڑتا ہے

---

[1] تو مشابہ ہوا میری صورت اور سیرت کے یہ جملہ اپنے جعفر بن ابی طالب کے حق میں فرمایا ہے چنانچہ بخاری و مسلم وبروایت براء مروی ہے حضرت امام حسن بھی نہ زیادہ تر مشابہ آپ کے ہاتھ چنانچہ صحیحین میں بروایت ابی جحیفہ اور ترمذی میں بروایت انس مذکور ہے۔

پس اگر نفس کے مخالف امر پر اس
کو بزور لایا جاوے گا اور ہمیشہ خلاف سرشت پر دباؤ دیا جاوے گا تو کہنا نہ مانے گا اور سرکشی کرے گا اور اگر کبھی کبھی لذتوں سے راحت اس کو ملتی رہے گی تو خوب پکا اور خوش رہے گا اور عورتوں کے ساتھ دل بہلانے میں وہ راحت ہوتی ہے جس سے کرب دور ہوتا ہے اور دل مسرور اور متقیوں کے نفس کو مباح چیزوں سے کچھ راحت پہنچنی بھی ضرور ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ[1] الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا لیسکن الیھا اور حضرت مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ اپنے دلوں کو راحت دو گو ایک ساعت کو ہو اس لئے کہ جب دلوں سے زبردستی کام لیا جاتا ہے تو اندھے ہو جاتے ہیں اور ایک حدیث[2] میں ہے کہ عاقل کے لئے ضرور ہے کہ تین ساعتیں ہوں ایک وہ کہ جس میں اپنے رب سے مناجات کرے اور ایک وہ کہ جس میں اپنے نفس سے حساب لے اور ایک وہ کہ جس میں اپنے کھانے پینے میں لگا رہے اس لئے کہ اس اخیر ساعت سے پہلی دو ساعتوں پر مدد ہوتی ہے اور اسی طرح ایک اور روایت[3] ہے کہ عاقل آدمی بجز تین باتوں کے اور چیز کا حریص نہیں ہوتا اول آخرت کے لئے توشہ بہم کرنا دوم فکر معیشت سوم لذت حلال چیز سے اور ایک حدیث[4] میں ارشاد فرمایا لِکُلِ عامل شرۃ ولکل شرۃ فترۃ فمن کانت فترتہٗ علی سنتی فقد اھتدی اس حدیث میں شرہ کے معنی کوشش اور غایت درجہ محنت کرنی ہے اور یہ بات ابتداء ارادہ میں ہوا کرتی ہے اور فترہ کے معنی دم لینے اور ٹھہرنے کے ہیں اور حضرت ابو درداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے نفس کو کسی قدر کھیل سے بہلا دیتا ہوں تاکہ آئندہ کو امر حق پر اس سے قوت پاؤں اور بعض اخبار[5] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں وارد ہے کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے اپنی قوت باہ کے ضعیف ہونے کی شکایت کی انہوں نے مجھ کو ہریسہ[6] بنا دیا اور یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس سے بھی مقصود صرف استراحت کی قوت ہے رفع شہوت اس کی تعلیل نہیں ہوسکتی کہ اس صورت میں شہوت کے لئے مشورہ لینا لازم آتا ہے اور جس شخص کی شہوت جاتی رہی ہے اس کو اسطرح کے انس میں سے بھی اکثر معدوم ہو جاوے گا اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

---

[1] وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے اور اس سے بنایا اس کا جوڑا کہ اس کے پاس آرام پکڑے ۱۲ [2] ابن حبان بروایت ابی ذرؓ ۱۲ [3] ابن حبان بروایت ابی ذرؓ ضمن حدیث طویل شعر مضمون سنت ابراہیم علیہ السلام ۱۲ [4] ہر آدمی عمل کرنے والے کے لئے ایک راحت تو جس شخص کی راحت میرے طریقہ پر ہوگی وہ راہ یاب ہوگا احمد وطبرانی بروایت عبد اللہ بن عمرو ترمذی بروایت ابی ہریرہؓ نحوہ ۱۲ [5] ابن عدی بروایت حذیفہ ابن عباس وعقیلی بروایت معاذ وجابر بن سمرہ اور اس کے سب طریق ضعیف ہیں اور ابن عدی نے کہا کہ موضوع اور عقیلی نے کہا کہ باطل ہے۔ [6] ایک کھانا ہے گندم کوفتہ اور گوشت اور گھی اور نمک مصالحہ سے بنایا جاتا ہے۔

حبیب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنسأو قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ غرضکہ یہ فائدہ نفس کو راحت دینے کا بھی ایسا ہی ہے کہ جس شخص نے اپنی نفس کو فکروں اور ذکروں اور اقسام اعمال کی مشقتوں میں ڈال کر تجربہ کیا ہو وہ اس فائدہ کا منکر نہ ہوگا اور یہ فائدہ پہلے دو فائدوں سے علاوہ ہے یہاں تک کہ مرد از کار رفتہ کے حق میں بھی ہو سکتا ہے البتہ اتنا ہے کہ نکاح کی فضیلت اس کے اعتبار سے جب ہی ہوگی کہ نکاح کرنے میں اس فائدہ کی بھی نیت ہو اور ایسے لوگ کم ہیں جو نکاح میں یہ نیت کرتے ہوں ہاں اولاد اور دفع شہوت وغیرہ کی نیت بہت ہوا کرتی ہے پھر بعض اشخاص ایسے ہیں کہ ان کو آب رواں اور سبزہ وغیرہ کے دیکھنے سے دل کو راحت پہنچتی ہے ان کو اس بات کی حاجت نہیں ہوتی کہ عورتوں سے باتیں اور چہل کر کے دل بہلا دیں تو ان کے حال کے اختلاف سے اس فائدہ کا حکم بھی جدا ہو جاوے گا اس کو یاد کر لینا چاہیئے۔

چوتھا فائدہ نکاح سے یہ ہے کہ گھر کے انتظام اور کھانا پکانے اور جھاڑو دینے اور فرش بچھانے اور برتن مانجھنے اور لوازم خانہ داری کے مہیا کرنے سے دل کو فراغت ہوتی ہے کیونکہ بالفرض اگر آدمی کو شہوت جماع نہ ہو اور گھر میں اکیلا رہے تو بڑی مشکل پڑے اس لئے کہ گھر کے سب کاموں کی کفالت اگر خود کرے تو اس کے اکثر اوقات اس میں تلف ہو جاویں گے اور علم و عمل کے لئے فارغ نہ ہوگا بس اس اعتبار سے نیک بخت عورت گھر کا انتظام کرنے والی دین کی مددہے اور لوازم خانہ داری کا خلل پذیر ہونا دل میں تشویش پیدا کرتا ہے اور عیش کو مکدر کرتا ہے اور اسی وجہ سے حضرت ابو سلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ نیک بخت بی بی دنیا میں سے شمار نہیں کی جاتی اس لئے کہ اس سے آدمی کو آخرت کے لئے فراغت ملتی ہے تدبیر منزل سے جدا بے فکر کرتی ہے اور قضاء شہوت سے جدا اور محمد بن کعب قرظی نے اس آیت کی تفسیر میں[۲] ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ فرمایا ہے کہ دنیا کی خوبی سے نیک بخت عورت مراد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں[۳] کہ تم میں سے ہر کسی کو چاہیئے کہ دل شاکر اور زبان ذاکر اور بی بی ایماندار نیک بخت عورت مراد ہے نیک بخت جو دین پر مدد کرے پیدا کرے اب دیکھنا چاہیئے کہ آپ نے نیک بخت بی بی کو شکر اور ذکر کے ساتھ کیسے اکٹھا فرمایا ہے اور اس قول خداوندی کی[۴] فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد نیک بخت بی بی ہے اور حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کو ایمان کے بعد کوئی

---

[۱] تمہاری دنیا میں سے مجھ کو تین چیزیں محبوب کر دی گئیں ہیں خوشبو اور عورتیں اور نماز جس میں میری آنکھ کو ٹھنڈک ہے ۱۲ نسائی وحاکم بروایت انس اور اس میں ذکر عدد نہیں۔ [۲] اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ثوبان اور اس کی سند انقطاع ہے ۱۲۔ [۴] تو اس کو ہم کہیں گے کہ اچھی زندگی ۱۲۔ [۵] خطب در تاریخ بروایت عمر فاروق مگر اس کی سند میں محمد بن ولید ہے جو حدیث وضع کیا کرتا ہے اور دوسرا جملہ اس کا حدیث کا مسلم نے بروایت ابن مسعود نقل کیا ہے۔

چیز نیک بخت عورت سے بہتر نہیں مرحمت ہوئی اور عورتوں میں بعض ایسی غنیمت ہوتی ہیں کہ کوئی عطا ان کا عوض نہیں ہو سکتی اور بعض طوق گردن ہوتی ہیں کہ ان سے کسی فدیہ کے عوض رہائی نہیں ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو حضرت آدم علیہ السلام پر دو باتوں سے فضیلت ہوئی ایک تو یہ کہ ان کی بی بی معصیت پر ان کی مددگار تھی اور میری بیبیاں طاعت پر میری اعانت کرتی ہیں دوم یہ کہ ان کا شیطان کافر تھا اور میرا شیطان مسلمان ہے غیر خیر کے اور کچھ نہیں امر کرتا اس حدیث میں بی بی کی طاعت پر باعث فضیلت ارشاد فرمایا غرضکہ یہ فائدہ بھی ان فوائد میں سے ہے جن کو نیک بخت چاہا کرتے ہیں مگر یہ فائدہ صرف ان لوگوں کے حق میں ہے جن کو لوازم خانہ داری کا کوئی کفیل اور تدبیر کرنے والا نہ ہو اور فائدہ اس بات کا مقتضی ہے کہ دو بیبیاں نہ ہوں کیونکہ دو کے ہونے سے اکثر امور خانگی ابتر ہو جاتے ہیں اور عیش مکدر رہتا ہے پس اس فائدہ کے ضمن میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمی نیت کرے کہ نکاح کرنے سے عورت کے کنبے والے میری طرف ہو جاویں گے اور میرے اور اس کے قبیلے مل کر زور پکڑیں گے کیونکہ شر کے دفع کرنے اور سلامتی کی طلب میں اس بات کی حاجت ہوا کرتی ہے اور اسی واسطے کہتے ہیں کہ جس کا کوئی مددگار نہیں وہ ذلیل ہے اور جس شخص کا کوئی ایسا آدمی مل جائے کہ اس پر سے برائی ٹال دیا کرے تو اس کا حال سلامت رہے گا اور دل عبادت کے لئے فارغ اس لئے کہ بیکسی دل کو تشویش میں ڈالتی ہے اور جتھے کے باعث عزت حاصل ہوتی ہے ذلت اور بیکسی کو ٹالتی ہے پانچواں فائدہ نکاح سے یہ ہے کہ نفس پر مجاہدہ اور ریاضت ہوتی ہے یعنی گھر کی رعایت اور ولایت اور گھر والوں کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی عادتوں پر صبر کرنا اور ان سے تکلیف اٹھانی اور ان کی اصلاح میں کوشش کرنی اور ان کو طریق دین بتانا اور ان کی خاطر کسب حلال میں جانفشانی کرنی اور بعد کو اولاد کی تربیت کرنی یہ سب امور بڑے مرتبے کے ہیں کیونکہ یہ سب رعایت اور ولایت ہیں اور زن و فرزند رعیت ہیں اور رعیت کی حفاظت کا بڑا رتبہ ہے اس سے احتراز وہی کرے گا جس کو خوف ہو گا کہ مجھ سے اس کے حق کی بجا آوری میں قصور ہو گا ورنہ اس کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [۲] یوم من وال عادل افضل من عبادة سبعين سنة اور فرمایا [۳] الا كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے نفس کی درستی اور غیر کے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو گا وہ ایسا نہ ہو گا جو خود اپنے ہی نفس کی اصلاح میں لگا رہے اسی طرح جو شخص ایذا پر صبر کرے وہ اس جیسا نہیں کہ اپنے نفس

---

[۱] خطیب در تاریخ بروایت عمر فاروق مگر اس کی سند میں محمد بن ولید ہے جو حدیث وضع کیا کرتا ہے اور دوسرا جملہ اس کا حدیث کا مسلم نے بروایت ابن مسعود نقل کیا ہے۔ [۲] ایک روز حاکم عادل کا ستر برس کی عبادت سے افضل ہے طبرانی و بیہقی بروایت ابن عباس [۳] سن لو کہ تم سب راعی ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کی باز پرس ہو گی بخاری و مسلم بروایت ابن عمر ۱۲۔

کو رفاہیت اور راحت میں رکھے غرضکہ زن و فرزند کی فکر اٹھانی ایسی ہے جیسے خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور اسی وجہ سے بشر حافیؒ نے فرمایا تھا کہ امام احمد بن حنبلؒ کو مجھ پر تین باتوں میں فضیلت ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ طلب حلال اپنے لئے اور غیر کے لئے کرتے ہیں اور ایک حدیث [۱] میں ارشاد ہے کہ آدمی جو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے وہ خیرات ہے اور آدمی کو اس لقمہ میں ثواب ملتا ہے جس کو اٹھا کر اپنی بی بی کے منہ میں دیوے اور بعض علماء سے کسی بزرگ نے ذکر کیا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے ہر عمل میں سے کچھ حصہ دیا ہے یہاں تک کہ حج اور جہاد وغیرہ کا ذکر کیا عالم نے فرمایا کہ تم کو ابدال کا عمل تو ملا ہی نہیں اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ حلال کمانا اور عیال پر خرچ کرنا اور ابن مبارکؒ جس وقت کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ جہاد میں تھے فرمانے لگے کہ تم کو وہ عمل معلوم ہے جو ہمارے اس جہاد سے افضل ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں فرمایا کہ میں جانتا ہوں انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ جو شخص عیال دار ہو اور کسی سے کچھ نہ چاہتا ہو اور رات کو اٹھ کر اپنے بچوں کو کھلا ہوا دیکھے اور ان کو اپنے کپڑے سے ڈھانپ دیوے تو اس کا عمل ہمارے اس جہاد سے افضل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا [۲] مَنْ حَسُنَتْ صلاتہ وکثر عیالہ وقل مالہ ولم یغتب المسلمین کان معی فی الجنۃ کھاتین اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ان [۳] اللہ یحب الفقیر المتعفف ابا العیال [۴] اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ بندہ کے جب گناہ بہت ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو عیال کی فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ ان گناہوں کو اس پر سے دور فرماوے اور بعض اکابر سلف نے فرمایا ہے کہ گناہوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ بجز عیال کی فکر کے اور کچھ نہیں اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کو سوائے فکر طلب معیشت کے اور کوئی چیز دور نہیں کرتی اور فرمایا [۶] مَنْ کان لہٗ ثلاث بنات فانفق علیھن واحسن الیھن حتیٰ یغنیھن اللہ عنہ اوجب اللہ لہٗ الجنۃ البتۃ الا ان یعمل عملا لا یغفر لہٗ حضرت ابن عباسؓ جب اس حدیث کو بیان فرماتے تو کہتے کہ بخدا یہ حدیث عجیب و غریب اور عمدہ ہے اور کہتے ہیں کہ کوئی عابد اپنی

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود و سعد ابن ابی وقاص بلفظ دیگر ۱۲ [۲] جس کی نماز اچھی ہو اور عیال بہت ہوں اور مال تھوڑا اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرے تو جنت میں میرے ساتھ ہوگا ابو یعلیٰ بروایت ابی سعید بسند ضعیف ۱۲ [۳] اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے مفلس پارسا صاحب عیال کو ابن ماجہ بروایت عمران بن حصین بسند ضعیف ۱۲ [۴] احمد بروایت عائشہؓ اور اس سند میں لیث بن ابی سلیم مختلف فیہ ۱۲ [۵] [۶] جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر نفقہ کرے اور ان سے سلوک کرے یہاں تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ اس سے بے پروا کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت قطعاً بے شک واجب کرے گا مگر یہ کہ وہ شخص ایسا عمل کرے جس سے اس کی مغفرت نہ ہو خرائطی در مکارم اخلاق بروایت ابن عباس بسند ضعیف ابو داؤد و ترمذی میں بروایت ابو سعید خدری دوسرے الفاظ سے یہی مضمون مروی ہے ۱۲

بی بی کے ساتھ بہت سلوک سے رہتے یہاں تک وہ مر گئی پھر لوگوں نے ان سے نکاح کرنے کو کہا انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ایک ہی میرے دل کی راحت اور جمعیت کے لئے بس ہے پھر بعد چند روز کے کہا کہ میں نے اس عورت کے مرنے کے ہفتہ بھر بعد خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور کچھ آدمی اترتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے ہوا میں چلے آتے ہیں اور جب ایک میرے پاس اترتا ہے مجھ کو دیکھکر اپنے پیچھے والے سے کہتا ہے کہ منحوس یہی ہے وہ کہتا ہے کہ ہاں اسی طرح تیسرا چوتھے سے کہتا ہے اور وہ ہاں کہتا ہے اور میں ڈر کے مارے یہ امر ان سے پوچھ نہیں سکتا یہاں تک کہ سب کے بعد ایک لڑکا میرے پاس کو گذرا میں نے اس سے کہا کہ میاں وہ بدبخت کون ہے جس کی طرف تم اشارہ کرتے ہو اس نے کہا وہ تم ہو میں نے کہا کہ اس کی کیا وجہ اس نے کہا ہم تیرے اعمال کو ان لوگوں کے اعمال کے ساتھ اوپر جاتے تھے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں مگر ایک ہفتہ سے ہم کو حکم ہوا ہے کہ تیرے اعمال ان لوگوں کے اعمال میں مندرج کریں جو عمداً جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں ہم کو نہیں معلوم کہ تو نے کیا نئی حرکت کی ہے کہ جس کے باعث یہ حکم ہوا پھر اس عابد نے اپنے یاروں سے کہا کہ میرا نکاح کر دو اور عمر بھر دو یا تین بیبیاں ہمیشہ رکھیں اور انبیاء کے حالات میں مروی ہے کہ کچھ لوگ حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آئے آپ نے ان کی ضیافت کی اور گھر میں آمد و رفت کے وقت ان کی بی بی ان کو ستاتی اور زبان درازی اور زیادتی کرتی مگر آپ خاموش رہتے مہمان آپ کی اس بردباری سے متعجب ہوئے آپ نے فرمایا کہ تعجب مت کرو اس لئے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ جو کچھ تجھ کو آخرت میں مجھے سزا دینی منظور ہو وہ دنیا میں دیدے اس پر ارشاد ہوا کہ تیری سزا فلاں شخص کی لڑکی ہے اس سے نکاح کرلے پس میں نے اس سے نکاح کر لیا ہے اور جو باتیں تم نے دیکھیں ان پر صبر کرتا ہوں اور ان امور پر صبر کرنے سے نفس کی جفاکشی اور غصہ کو مارنا ہے اور عادت کی درستی حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ جو شخص خود تنہا رہتا ہے یا کسی خوش نفس کا شریک ہو کر رہتا ہے تو اس سے اس کے نفس کی خباثتیں مترشح نہیں ہوتیں اور نہ باطن کے عیب ظاہر ہوں نہیں وجہ سالک طریق آخرت کو لازم ہے کہ اپنے نفس کو ایسے بکھیڑوں میں ڈال کر آزماوے اور ان پر صبر کا عادی ہو تاکہ اس کی عادت معتدل اور نفس مرتاض اور باطن صفات ذمیمہ سے صاف ہو جاوئے اور عیال پر صبر کرنا قطع نظر ریاضت اور مجاہدہ سے بذات خود ایک عبادت ہے اور ان کی کفالت ہے غرضکہ یہ بھی نکاح کا ایک فائدہ ہے مگر اس سے دو طرح کے شخصوں کو صرف فائدہ ہو سکتا ہے یا تو وہ شخص کہ مجاہدہ اور ریاضت اور تہذیب اخلاق کا قصد کرے اس نظر سے کہ وہ راستہ کے شروع میں ہے عجب نہیں کہ اس ذریعہ سے اس کو مجاہدہ کا طریق معلوم ہو جاوے اور نفس جفاکش بنجاوے یا کوئی عابد ہو جس کو سیر باطن حاصل نہ ہو اور فکر و دل کی حرکت سے بے بہرہ ہو صرف اعضا ظاہری

سے اعمال مثل نماز و حج وغیرہ کے کر لیتا ہو تو ایسے شخص کے حق میں زن و فرزند کے لئے کسب حلال کرنا اور ان کی تربیت کو بجالانا بہ نسبت اس کی عبادت بدنی کے افضل ہے اس لئے کہ ان عبادات کا نفع غیر کی طرف تجاوز نہیں کرتا اور جو شخص اپنی اصلی سرشت کی رو سے اخلاق درست رکھتا ہو یا پہلے مجاہدہ کے باعث اس کی عادات مہذب ہوں تو ایسے شخص کو جس صورت میں کہ باطن کی سیر اور فکر قلبی سے علوم و مکاشفات میں حرکت حاصل ہو نکاح کرنا اس فائدہ کے لئے ضروری نہیں اس لئے کہ ریاضت بقدر کفایت اس کو حاصل ہے باقی رہی عبادت عملی اس طرح کہ زن و فرزند کے لئے کچھ کمائیے تو اس کی نسبت کر علم افضل ہے اس لئے کہ علم بھی عمل ہے اور اس کا فائدہ بہ نسبت زن و فرزند کے لئے کمانے کے زیادہ ہے کہ یہ خاص عیال کے واسطے ہے اور وہ تمام خلق کے لئے غرضکہ جن فوائد دینی کے اعتبار سے نکاح کو فضیلت ہے وہ بھی پانچ ہیں جو مذکور ہوئے۔

نکاح کے سبب پیدا ہونے والی آفتیں اول آفت جو سب سے قوی ہے حلال روزی سے عاجز ہونا ہے کہ وہ ہر شخص کو بہم نہیں پہنچتی خصوصاً اس زمانہ میں کہ معیشت کے اطوار ابتر ہو رہے ہیں تو جب آدمی اور نکاح کرے گا تو نکاح ہی کی جہت سے طلب بھی زیادہ ہوگی اور وہ حرام سے گھر والوں کو کھلاوے گا اور اسی وجہ سے خود بھی ہلاک ہوگا اور ان کو بھی ہلاک کر دے گا اور مجرد آدمی اس آفت سے مامون ہے اور اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ عیال داری بڑی بری جگہوں میں گھستا پھرتا ہے اور بی بی کی خواہش کی پیروی کر کے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے میں بیچ ڈالتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ بندہ میزان کے پاس کھڑا کیا جاوے گا اور اس کے پاس حسنات پہاڑوں کے برابر ہوں گے اس وقت اس سے عیال کی خبر گیری اور خدمت سے سوال ہوگا اور مال کا حال پوچھا جاوے گا کہ کہاں سے پیدا کیا اور کس چیز میں خرچ کیا یہاں تک کہ ان مطالبات میں اس کی تمام نیکیاں تمام ہو جاویں گی اور اس کے پاس کوئی نیکی نہ رہے گی اس وقت فرشتے پکاریں گے کہ یہ شخص وہ ہے کہ دنیا میں اس کے عیال نے اس کے حسنات کو کھا لیا اور آج اپنے اعمال کے عوض میں گرو ہو گیا اور کہتے ہیں کہ قیامت میں سب سے پہلے آدمی سے جو لوگ لپٹیں گے وہ اس کے زن و فرزند ہوں گے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کریں گے کہ الٰہی تو ہمارا بدلہ اس سے لے کر جو چیز ہم کو معلوم نہ تھی اس نے ہم کو نہ بتایا اور ہم کو نادانستگی میں حرام کھلایا پھر اس سے بدلہ لیا جاوے گا اور بعض اکابر سلف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے برائی کرانا چاہتا ہے تو دنیا میں اس کے اوپر ڈنک[2] مسلط کر دیتا ہے جو اس کو ڈستے رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے کہ کوئی شخص خدائے تعالیٰ کے سامنے اس سے بڑا گناہ لے

[1] اس کی اصل پر میں واقف نہیں ہوا [2] صاحب فردوس بروایت ابو سعید ۱۲۔

جاوے گا اس کے اہل و عیال جاہل ہوں حاصل یہ کہ یہ آفت ایسی پھیلی ہے کہ اس سے کم کوئی چھوٹا ہوگا ہاں جس کے پاس موروثی یا وجہ حلال سے اس قدر کمایا ہو کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو کافی ہو اور قدر کفالت پر اس کو قناعت بھی ایسی ہو کہ وہ زیادہ طلبی سے باز ہے تو ایسا شخص اس آفت سے برکنار رہے گا یا کوئی حرفہ والا جو مباح چیزوں سے کسب حلال پر قادر ہو مثل لکڑیاں جمع کرنے اور شکار پکڑنے کے ایسا پیشہ رکھتا ہو جس کو بادشاہوں سے علاقہ نہ ہو اور ایسوں ہی سے معاملہ کرتا ہو جو اہل خیر ہیں یا بظاہر سلامت رو ہیں اور غالبًا مال حلال رکھتے ہیں تو یہ دونوں شخص بھی اس آفت سے محفوظ ہیں۔ ابن سالم سے کسی نے نکاح کرنے کا حال پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اس زمانہ میں نکاح کرنا ایسے شخص کے حق میں افضل ہے جس کو غلبہ شہوت اتنا ہو گیا ہو جیسا گدھے کو ہوتا ہے کہ اگر مادہ کو دیکھ پاوے تو مار کھانے پر بھی اس سے نہیں ہٹتا ہے اور اس کا نفس قابو میں نہ رہا ہو اور اگر نفس قابو باقی ہو تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ دوسری آفت نکاح کی یہ ہے کہ گھر والوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کی عادتوں پر صبر کرنے اور ایذاء کے برداشت کرنے سے قاصر ہو اور یہ آفت پہلی آفت کی نسبت کم ہے یعنی سب میں نہیں ہوتی کیونکہ اس پر قادر ہونا بہ نسبت پہلی پر قادر ہونے کے آسان ہے اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح رہنا اور حقوق کا بجالانا طلب حلال کی نسبت کر سہل ہے مگر اندیشہ بھی ضرور ہے اس لئے کہ زن و فرزند بجائے رعیت ہیں اور ہر شخص سے اس کی رعیت کی باز پرس ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کفی[1] بالمرء اثما ان یضیع من یعول اور مروی ہے کہ جو شخص اپنے عیال سے بھاگے وہ ایسا ہے جیسا غلام آقا سے اپنے بھاگے اس کا روزہ اور نماز کچھ مقبول نہیں جب تک کہ اپنے عیال میں پھر نہ آوے اور جو شخص اپنے عیال کے حقوق بجالانے سے قاصر ہو گو وہ ان میں موجود رہے مگر وہ ایسا ہی ہے جیسا بھاگا ہوا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[2] قوا انفسکم و اھلیکم نارًا اس میں ہم کو فرمایا کہ گھر والوں کو آگ سے بچاویں جیسے اپنے نفسوں کو اس سے بچاتے ہیں اور آدمی سے کبھی اپنی اس نفس کے حق ادا نہیں ہوتے اس صورت میں اگر نکاح کرے گا تو اس پر دو نے حق ہو جاویں گے اس کے نفس کے ساتھ دوسرے کا نفس بھی شامل ہوگا اور چونکہ نفس بدی کا حکم کرتا ہے تو جب ایک سے دو ہو جاویں گے اس کے نفس تو غالب یہی ہے کہ بدی کا حکم بھی زیادہ ہو جاوے گا اور یہیں وجہ کسی بزرگ نے نکاح کرنے سے عذر کیا اور کہا کہ میں اپنے ہی نفس میں پھنسا ہوا ہوں اس پر دوسرے نفس کو کیسے اضافہ کروں چنانچہ کسی کا شعر ہے۔ ے

بقیہ حاشیہ: ے اصل میں ہے کہ اس پر ایسے دانت مسلط کرتا ہے جو اس کو نوچتے رہتے ہیں اس سے مراد عیال ہے ۱۲ امیر علی

[1] آدمی کو یہی گناہ کافی ہے کہ اپنے عیال کو ضائع کر دے ابو داؤد اور نسائی اور اس میں یعول کی جگہ من یقوت ہے ۱۲ [2] بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر کے لوگوں کو آگ سے ۱۲

موش کے رہنے کو تنہا تو نہ تھا بل ہی کافی　　اس کی دم میں جو بندھے جھاڑو تو پھر کیسے رہے

اسی طرح حضرت ابراہیم ادہمؒ نے نکاح سے عذر کیا اور فرمایا کہ میں اپنے نفس کے باعث کسی عورت کو خطرہ میں نہیں ڈالتا ہوں اور نہ ان کی کچھ حاجت ہے یعنی میں ان کے حقوق کی بجا آوری اور پارسا رکھنے اور انکو نفع پہنچانے سے عاجز ہوں اور ایسا ہی عذر بشر حافیؒ نے کیا تھا اور فرمایا کہ مجھ کو نکاح سے مانع یہ ارشاد خداوندی ہے ۱؎ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف اور یہ کہا کرتے تھے کہ اگر بالفرض میں ایک مرغی کا نفقہ دوں تو یہ خوف ہے کہ کہیں پل پر جلاؤ نہ ہو جاؤں اور ایک بار سفیان بن عیینہؒ کو کسی نے بادشاہ کے دروازے پر دیکھ کر پوچھا کہ یہاں آپ کیسے کھڑے ہیں۔ آپ کا مقام یہ نہیں آپ نے فرمایا کہ کہیں عیال والے کو بھی فلاح پاتے دیکھا ہے اور آپ اس مضمون کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

اشعار　ہو وے عزلت اور اپنے پاس ہو گھر کی کلید　　جھونپڑا ایسا ہو باد تند سے ہو نا پدید

شور و غل اس میں نہ ہو ہرگز زن و فرزند کا　　یہ مزہ کی بات ہے اور اس میں ہے لذت مزید

خلاصہ یہ کہ یہ بھی ایک آفت عام ہے اگرچہ پہلی آفت کی نسبت کر اس کا عموم کم ہے پھر بھی ایسا ہی شخص محفوظ رہے گا جو مدبر اور عقلمند اور خوش اخلاق ہو اور عورتوں کی عادتوں کا تجربہ کار اور ان کی زبان پر صابر اور ان کی خواہشوں کی پیروی سے طرح والا اور ان کے حقوق کو پورا کرنے کا حریص ہو اور ان کی لغزشوں سے دیدہ و دانستہ غفلت کر جاوے اور اپنی عقل سے ان کے اخلاق کی مدارات کرے اور اب تو اکثر لوگ کم عقل اور سخت گو اور تند خو اور خفیف الحرکات اور بد مزاج اور بے انصاف ہیں گو اپنے لئے انصاف کامل کے خواہاں ہیں پس ایسے شخصوں کو نکاح سے بہیں لحاظ بے شک خرابی پڑے گی ایسوں کے لئے تجرد ہی میں زیادہ سلامتی ہے تیسری آفت نکاح کی جو پہلی دو آفتوں سے کم ہے یہ ہے کہ زن و فرزند یاد الٰہی سے باز رکھیں اور آدمی کو دنیا کی طلب کا مائل کر دیں اور پھر یہی سوجھے کہ انتظام اولاد کی معیشت کا بہت سامان جمع کرنے اور رکھ چھوڑنے سے کیجئے اور ان کے سبب سے ہمچشموں میں دوں کی لیجئے اور ظاہر ہے کہ جتنی چیزیں یاد خدا سے مانع ہوں خواہ اہل ہو یا مال ہو یا اولاد وہ سب ملک پر منحوس ہیں اور ہماری غرض اس سے یہ نہیں کہ یہ اشیاء اس کو کسی امر ممنوع کا مرتکب کر دیں کیونکہ یہ بات تو پہلی اور دوسری آفت میں مندرج ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ اہل و عیال اس بات کے باعث ہوں کہ مباح سے تنعم اور کامرانی حاصل کرے اور ان سے چہل اور دل لگی اور نفع اٹھانے میں بالکل مستغرق ہو جاوے اور نکاح کے باعث اس قسم کے اشغال بہت سے ہو جاتے ہیں کہ دل ان میں ڈوب جاتا ہے اور صبح سے شام

۱؎ عورتوں کا حق بھی ہے جیسا کہ ان پر حق ہے موافق دستور کے ۱۲

اور شام سے صبح ہو جاتی ہے اور آدمی کو فرصت نہیں ملتی کہ فکر آخرت اور اس کی تیاری کا موقع ملے اور اسی جیسے موقع میں ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس بات کا عادی ہو جاوے کہ عورتوں کے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہے اس سے کچھ نہ ہو سکے گا اور ابو سلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے نکاح کیا وہ دنیا کا مائل یعنی نکاح کرنا باعث میلان دنیا ہوتا ہے اب بالکل آفتیں اور فوائد نکاح کے بیان ہو چکے باقی رہی یہ بات کہ کسی شخص معین پر یہ حکم کرنا کہ اس کے حق میں نکاح کرنا بہتر ہے یا مجرد رہنا تو یہ امر مطلق نہیں کہا جا سکتا اور ان سب امور سے قطع نظر نہیں کی جا سکتی بلکہ یوں چاہیئے کہ ان فوائد اور آفات کو وہ شخص اپنے حق میں کسوٹی سمجھے اور اپنے نفس کو ان پر مطابق کرے پھر اگر آفات اپنے حق میں نہ پاوے اور فوائد موجود ہوں اس طرح کہ اس کے پاس حلال کا مال موجود ہو اور خوش اخلاق ہو اور دین میں ایسا پکا کہ نکاح کرنے سے یاد خدا میں فرق نہ پڑے گا اور ان سب امور کے ساتھ یہ بھی ہو کہ جوانی کے باعث حاجت شہوت کے دبانے کی اور تنہائی کے سبب ضرورت انتظام خانہ کی رکھتا ہو اور کنبے کی ہونے سے اپنی پارسائی متصور ہو تو یقیناً جان لے کہ نکاح اس کے حق میں افضل ہے اور اس پر ایک فائدہ اور بھی ہے کہ اولاد کے حاصل کرنے میں سعی بھی پائی جاوے گی۔ اگر فوائد مفقود اور آفات موجود پاوے تو اس میں شک نہیں کہ اس کے لئے مجرد رہنا افضل ہے اور اگر فوائد اور آفات دونوں ہوں جیسا کہ فی زمانناغلبہ اسی شکل کو ہے تو اس وقت یہ چاہیئے کہ میزان عدل سے تولا جاوے کہ فوائد سے اس کے دین میں زیادتی کس قدر ہے اور آفات سے نقصان کس قدر جب ظن غالب ایک طرف کی زیادتی کا ہو تو اسی کے بموجب حکم کرنا چاہیئے مثلاً فوائد میں سے ظاہر تر دو ہیں اولاد کا ہونا اور شہوت کا دبانا اور آفات میں بھی دو ظاہر تر ہیں ایک طلب حرام کی ضرورت دوم رک جانا یاد خدا سے اب ہم چاروں کو ایک دوسرے کے مقابل فرض کر کے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شہوت کی تکلیف میں نہ ہو اور نکاح کا فائدہ صرف اولاد کا ہونا ہی ہے اور دونوں آفتیں مذکورہ بالا موجود ہوں تو اس کے حق میں مجرد رہنا ہی افضل ہے کیونکہ جو چیز مانع عن اللہ ہو نہ اس میں بہتری ہے اور نہ طلب حرام میں کچھ خیر ہے اور جتنا نقصان ان دونوں آفتوں سے ہو گا وہ صرف اولاد کے لئے سعی کرنے کے فائدے سے پورا نہ ہو گا اس لئے کہ نکاح اولاد کے لئے کرنے سے اولاد کی زندگی میں سعی کرنی پائی جاتی ہے مگر یہ زندگی ایک امر وہمی ہے اور ان دونوں آفتوں کا نقصان دین میں سردست یقینی ہے اس لئے اپنی خود کی زندگی کے لئے دین کو محفوظ رکھنا اور ہلاک ابدی سے اپنے آپ کو بچانا اولاد کے لئے سعی کرنے کی نسبت کر زیادہ حرام ہے کہ نفع اس میں ہے کہ دین سلامت رہے کیونکہ وہ راس المال ہے اس کے بگڑ جانے سے زندگانی آخرت کی بربادی اور راس المال کا ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ فائدہ اولاد

ان آفتوں میں سے ایک کے مقابل بھی نہیں ہو سکتا ہاں اگر اولاد کے ساتھ یہ بھی بات پائی جاوے کہ آدمی کو شہوت کے دبانے کی بھی ضرورت اشد ہو تو اس وقت دیکھنا چاہیئے کہ اگر تقوٰی کی پابندی اس کو خوب نہ ہو اور نہ نکاح نہ ہونے کی صورت میں اپنے نفس پر زنا کرنے کا خوف رکھتا ہو تو اس صورت میں نکاح اس کے لئے افضل ہے اس لئے کہ اب دو طرفہ کی برائیوں میں پھنس گیا کہ اگر نکاح نہیں کرتا تو زنا میں داخل ہو گا اور اگر کرتا ہے تو طلب حرام کرے گا تو ان دونوں برائیوں میں سے طلب مال حرام زنا کی نسبت کم ہے اس لئے نکاح کو ترجیح ہے اور اگر اپنے نفس پر یقین کرتا ہو کہ نکاح نہ کرنے سے بھی زنا میں تو مبتلا نہ ہو گا مگر آنکھوں کے نیچا رکھنے پر قادر نہ ہو گا یعنی نظر حرام سے باز نہ رہے گا تو اس صورت میں نکاح نہ کرنا بہتر ہے اس لئے کہ اگرچہ نظر کرنا اور حرام پیسا کمانا دونوں حرام ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ مال حرام پیدا کرنا ہمیشہ کو ہوتا ہے اور اس سے گناہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو دونوں کو ہوتا ہے اور نظر حرام کبھی ہو جاتی ہے اور اس کا گناہ خاص اسی کو ہو دوسرا اس میں شریک نہیں علاوہ ازیں جلد منقطع بھی ہو جاتی ہے اور گو نظر حرام آنکھ کا زنا ہے لیکن اگر شرمگاہ سے اس کی تصدیق نہ ہو گی تو حرام کھانے کی نسبت کر جلد معاف بھی ہو سکتا ہے ہاں اگر نظر سے شرمگاہ کے گناہ کرنے کی نوبت آجانے کا خوف ہو تو اس کا حال ویسا ہی ہے جیسا زنا میں مبتلا ہونے کا خوف ہو اور جب یہ معلوم کر چکے تو اب جان لو کہ ایک تیسری حالت یعنی جس صورت میں کہ آدمی نیچی نگاہ رکھنے پر تو قادر ہو مگر دل کے اوپر سے فکروں کے ٹالنے پر قادر نہ ہو نکاح کرنے کی نسبت کر بہتر ہے۔ کیونکہ دل کامل صاف ہو جانے کے زیادہ قریب ہے اور علاوہ بریں دل کا فراغ ہونا عبادت کے لئے مقصود ہوا کرتا ہے حرام کے کھانے اور کھلانے کے ساتھ عبادت پوری ہی نہ ہو گی جس کے لئے فراغ دل چاہیئے غرضکہ آفات مذکورہ کو فوائد کے ساتھ تول کر اس طرح کے بموجب حکم کرنا چاہیئے اور جو شخص اس رمز سے واقف ہو گا اس پر وہ حالات سلف کے جو ہم نے لکھے ہیں کہ کبھی نکاح میں ترغیب تھی اور کبھی اعراض معلوم ہو جانے کچھ مشکل نہ پڑیں گے اس لئے کہ رغبت اور اعراض کا ہونا بحسب اختلاف حالات درست ہے۔ اب اگر یہ پوچھو کہ جو شخص آفات سے مصئون اور مامون ہو اس کے حق میں عبادت الٰہی کے لئے مجرد رہنا بہتر ہے یا نکاح کرنا تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس کو دونوں باتیں کرنی چاہئیں، اس واسطے کہ نکاح عقد کے لحاظ سے مانع عبادت الٰہی کا نہیں بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ اس میں ضرورت مال کمانے کی ہوتی ہے پس اگر آدمی حلال سے مال کمانے پر قادر ہو تو نکاح بھی افضل ہے کیونکہ عبادت الٰہی کے لئے رات اور دن کی تمام اوقات میں اور ایسی طرح عبادت کرنی کہ دم بھر آرام نہ کرے ہو نہیں سکتی اور اگر یہ فرض کیا جاوے کہ اس کے تمام اوقات مال حاصل کرنے میں مستغرق ہیں یہاں تک کہ بجز اوقات فرائض پنجگانہ اور اکل و شرب اور قضا حاجت کے کوئی وقت خالی نہیں

جن میں فرائض کے سوا اور قسم کی عبادت کرے تو ایسا شخص اگر ان لوگوں میں سے ہو جو راہ آخرت
کو نفل نماز اور حج وغیرہ اعمال بدنی ہی سے طے کیا کرتے ہیں تو اس کو بھی نکاح کرنا افضل ہے کیونکہ مال
حلال کمانے اور زن و فرزند کی خدمت کرنی اور اولاد کی تحصیل میں سعی کرنی اور عورتوں کی عادت پر صبر کرنے
میں بھی طرح طرح کی عبادتیں ہیں جن کا ثواب عبادات نفل سے کم نہیں اور اگر وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو علم
و فکر اور باطن کی سیر سے عبادت کرتے ہیں اور مال کمانے سے اس کو اس عبادت میں پریشانی ہو تو اس کے حق میں
نکاح نہ کرنا افضل ہے پھر اگر یہ کہو کہ اگر نکاح اچھی بات ہے تو حضرت عیسیٰؑ نے اس کو کیوں نہ کیا اور اگر عبادت
الٰہی اس کی نسبت کرنا بہتر ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ بیبیاں کیوں کیں تو اس کا جواب یہ
ہے کہ جو شخص صاحب قدرت ہو اور ہمت عالی اور قوت زیادہ رکھتا ہو اس طرح کہ کوئی مانع و مزاحم اس کو اللہ
سے روک نہ سکے تو اس کے حق میں دونوں باتوں کا مجتمع ہونا افضل ہے اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کو نہایت درجہ کی قوت و ہمت تھی اس لئے آپ نے دونوں بزرگیاں حاصل کیں کہ باوجود نو بیبیوںؓ
عبادت الٰہی میں بھی ویسے ہی لگے رہے اور نکاح سے قضاء حاجت آپ کے حق میں مانع و مزاحم نہ ہوتی جیسے
دنیا کے بڑے بڑے مدبروں کو پائخانہ میں جانا مانع تدبیرات دنیاوی کا نہیں ہوتا بظاہر تو قضاء حاجت میں مشغول
ہوتے ہیں اور ان کے دل اپنے مقاصد میں مستغرق رہتے ہیں اور ان سے غفلت نہیں کرتے اسی طرح آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بسبب علو مرتبہ اور رفعت شان کے اس دنیا کے کام خدا تعالیٰ کے ساتھ حضور
دل کے مانع نہ تھے اور یہیں وجہ آپ کے اوپر وحی نازل ہوتی تھی ایسے وقت میں کہ آپ اپنی بی بی کے بستر
پر ہوتے تھے اور اگر بالفرض کسی دوسرے کے لئے یہ مرتبہ فرض کیا جاوے تو ممکن ہے مگر اس کے
ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ نالیاں تھوڑے سے خس و خاشاک سے بگڑ جاتی ہیں سمندر میں ایسی باتوں سے تبدیلی
نہیں ہو سکتی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر دوسروں کو قیاس نہ کرنا چاہیئے باقی رہا حضرت عیسیٰؑ
کا حال تو آپ نے اپنی قوت کا لحاظ کر کے طریقہ احتیاط اختیار کیا یا شاید آپ کی حالت ایسی ہو گی کہ خانہ داری
کے اشتغال اس میں تاثیر کر جاتے یا اس حالت میں طلب حلال میں دقت پڑتی یا نکاح اور عبادت دونوں
جمع نہ ہو سکتے اس وجہ سے عبادت ہی اختیار کرنے کو پسند فرمایا اور انبیاء علیہم السلام اپنے احوال کے اسرار
سے خوب واقف ہیں اور اپنے زمانہ میں وجہ حلال سے کمانے کے احکام اور عورتوں کی عادات کو خوب جانتے
ہیں اور جو باتیں کہ نکاح کرنے والے کو مضر اور مفید ہیں ان پر روشن ہیں اور چونکہ انسان کے حالات مختلف
ہیں حتیٰ کہ بعض حالتوں میں اس کے حق میں نکاح افضل ہے۔ اور بعض میں ترک نکاح تو ہم کو یہی ہے کہ انبیاءؑ

ع۵ بخاری میں بروایت انسؓ تعداد نو اور گیارہ کے دونوں مذکور ہیں۔ بخاری بروایت انسؓ ۱۲

کے معاملات کو ہر حال میں افضل صورت پر ہی محمول کریں واللہ اعلم۔

دوسری فصل۔ عورت کے حالات اور عقد کی شرائط

عقد کی چار شرائط اوّل ولی کی اجازت اور اگر ولی عورت کا نہ ہو تو بادشاہ کا اذن اس کا قائم مقام ہے جس سے عقد ہو جاتا ہے دوم عورت کا راضی ہونا بشرطیکہ بالغ اور مرد رسیدہ ہو یا کنواری ہی ہو مگر باپ خواہ دادا کے سوا اس کے اور کوئی عقد کا متولی ہو۔ سوم دو گواہوں کا موجود ہونا جو بظاہر عادل ہوں یعنی برائیوں کی نسبت زیادہ نیکیاں کرتے ہوں اور اگر دو ایسے گواہ ہوں جن کا حال کچھ معلوم نہ ہو تب بھی نکاح ہو جانے کا حکم کریں گے کہ ضرورت اس کی مقتضی ہے۔ چہارم ایجاب اور اس کے ساتھ ہی قبول کا ہونا اور ان میں یہ قید ہے کہ بلفظ نکاح یا تزویج یا اور کوئی لفظ جو ان معنوں میں ہو ایجاب ہو اور اسی طرح قبول ہو دو مرد بالغ عاقل ہوں عورت نہ ہو اور مردوں میں خود شوہر یا ولی یا دونوں کے وکیل ہوں کفایت کرتا ہے اور عقد کے آداب میں اوّل یہ مناسب ہے کہ عورت کے ولی سے پیشتر پیام نسبت کیا جاوے لیکن اگر عورت عدت میں ہو تو پیام نہ چاہئے بلکہ اس صورت میں بعد عدت گذرنے کے پیام کرے اسی طرح اگر دوسرے شخص نے نسبت کا پیام دے رکھا ہو تب بھی خود پیام نہ کرے کہ اس سے حدیث میں ممانعت آئی ہے[۱] دوسرا ادب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے خطبہ ہو اور ایجاب و قبول کے ساتھ حمد و نعت ہو مثلاً ولی عقد یوں کہے کہ الحمد للہ والصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ میں نے اپنی فلاں لڑکی کا نکاح تجھ سے کیا اور شوہر کہے کہ الحمد للہ والصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ میں نے اس کا نکاح اس مہر کے عوض قبول کیا اور مہر معین اور تھوڑا ہونا چاہیئے اور حمد و نعت خطبہ کے پیشتر بھی مستحب ہے سوم یہ کہ شوہر کا حال منکوحہ کے گوش گذار کر دینا چاہیئے گو کنواری ہو کیونکہ یہ امر موافقت اور آپس کی الفت کے لئے زیادہ مناسب ہے اور بہیں وجہ نکاح سے پیشتر زوجہ کا دیکھ لینا بھی مستحب ہے کہ الفت باہم گر کے واسطے زیبا پڑتا ہے چہارم یہ کہ دو گواہوں کے سوا جو درستی عقد کے لئے شرط ہیں اور کچھ نیک بندے بھی نکاح میں اکٹھے کرے چاہئیں پنجم یہ کہ نکاح سے یہ نیت کرے کہ سنت کی بجا آوری اور نگاہ کا نیچے رکھنا اور اولاد کا حاصل کرنا اور جتنے فوائد کہ ہم ذکر کر چکے ہیں منظور ہیں صرف خواہش نفس اور کامرانی ملحوظ نہ ہو ورنہ یہ نکاح دنیا کے کاموں میں متصور ہوگا اور خواہش نفس کا ہونا کچھ ان نیتوں کا مانع بھی نہیں اکثر امر حق خواہش نفس

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کے مطابق پڑ جاتا ہے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی امر حق خواہش نفس کے مطابق پڑے تو ایسا ہے کہ چپڑی اور دو دو اور یہ بات محال نہیں کہ حظ نفس اور دین کا حق دونوں مل کر کسی چیز کی علت پڑیں اور مستحب یہ ہے کہ نکاح مسجد میں اور ماہ شوال میں کیا جاوے حضرت[1] عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عقد بھی شوال میں کیا اور ہم بستر بھی ماہ شوال میں ہوئے۔

منکوحہ کے حالات منکوحہ کے احوال میں دو قسم کا لحاظ چاہیئے اول اس کے حلال ہونے میں دوم اچھی طرح گزران کرنے اور مقاصد کے حصول میں اول قسم سے یہ غرض ہے کہ جتنی باتیں نکاح کے مانع ہیں ان سے عورت بری ہو اور وہ باتیں انیس ہیں اول یہ کہ دوسرے شخص کی منکوحہ نہ ہو دوئم یہ کہ دوسرے شوہر کی عدت میں نہ ہو اور عدت خواہ مرنے کی ہو یا طلاق کی یا شبہ سے صحبت ہو جانے کی سب برابر ہیں اور یہی حکم ہے لونڈی کا جس صورت میں کہ آقا کی صحبت سے اس کا حمل سے بری کرنا منظور ہو سوم یہ کہ کوئی کلمہ کفر زبان سے نکل جانے کے باعث دین سے مرتد نہ ہوگئی ہو چوتھے یہ کہ مجوسی نہ ہو پانچویں یہ کہ بت پرست نہ ہو اور زندیق نہ ہو کہ کسی کتاب آسمانی اور پیغمبر کی طرف منسوب نہ ہو اور اسی میں وہ عورتیں داخل ہیں جن کا مذہب حرام چیزوں کے حلال جاننے کا ہو یا ایسے امور کی معتقد ہوں کہ شریعت ان کے معتقدوں کو کافر کہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح درست نہیں چھٹے یہ کہ ایسی کتاب والی نہ ہو کہ اہل کتاب کا دین تحریف کے بعد یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد اختیار کیا ہو اور باوجود اس کے بنی اسرائیل میں سے بھی نہ ہو اگر یہ دونوں خصلتیں اس میں پائی جاویں گی تو اس کا نکاح درست نہیں اور اگر صرف بنی اسرائیل میں سے نہ ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے ساتویں یہ کہ لونڈی نہ ہو اس میں یہ قید ہے کہ نکاح کرنے والا آزاد ہو اور زنا کے خوف سے مامون اور آزاد عورت کے نکاح پر قادر ہو اور درصورت مفقود ہونے کسی شرط کے منکوحہ کا لونڈی ہونا مانع نہ ہوگا آٹھویں یہ کہ شوہر کی ملک یمین منکوحہ پر نہ ہو نہ اس کے کل پر نہ اس کے کسی جزو پر نویں یہ کہ منکوحہ ان قرابت داروں میں سے جن کا نکاح مرد کو حرام ہے یعنی ماں اور نانی اور دادی اور بیٹی اور پوتی اور نواسی اور بہن اور بھتیجی اور بھانجی اور ان سب کی اولاد اور پھوپھی اور خالہ نہ ہو دسویں یہ کہ دودھ کی جہت سے حرام نہ ہو اور دودھ کی جہت سے وہی رشتے حرام ہیں جو قرابت کی رو سے اوپر گزرے لیکن دودھ پینے میں حرمت جب ہوتی ہے کہ پانچ بار دودھ پیوے اس سے کمتر میں امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت نہیں گیارہویں یہ کہ عورت مذکورہ بوجہ دامادی حرام نہ ہوگئی ہو مثلاً شوہر

[1] مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

اس کی بیٹی یا پوتی نواسی وغیرہ سے نکاح نہ کرچکا ہو یا ان کا مالک عقد کی رو سے یا بوجہ شبہ عقد کے ہوگیا ہو یا شبہ عقد میں ان سے صحبت کرچکا ہو یا منکوحہ کی ماں خواہ نانی دادی سے بوجہ عقد یا شبہ عقد ہم بستر ہوگیا ہو تو ان صورتوں میں اس سے نکاح نہیں کرسکتا اس لئے کہ کسی عورت سے صرف نکاح کرلینے کی وجہ سے اس کی ماں وغیرہ حرام ہوجاتی ہے اور جب اس سے صحبت بھی کرلیتا ہے تو اس کی اولاد بھی حرام یا ایسی عورت نہ ہو کہ اس سے شوہر کے باپ یا بیٹے نے پیشتر نکاح کرلیا ہو تو وہ بھی شوہر پر حرام ہے۔ بارہویں یہ کہ وہ عورت پانچویں نہ ہو یعنی شوہر کے نکاح میں اس وقت چار عورتیں نہ ہوں اگر ہوں گی تو اب کسی پانچویں سے نکاح درست نہ ہوگا تیرھویں یہ کہ شوہر کے نکاح میں اس عورت کی بہن یا پھوپھی یا خالہ پہلے سے نہ ہو کہ دونوں نکاح میں ساتھ نہ ہوجاویں کیونکہ ایسی دو عورتوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام جن میں اس طرح کی قرابت قریبہ ہو کہ اگر ایک کو ان میں سے مرد فرض کریں تو دوسرے سے ان کا نکاح نہ ہوسکے۔ چودھویں یہ کہ اس عورت کو مرد نے تین طلاقیں نہ دی ہوں ورنہ وہ شوہر پر حلال نہ ہوگی جب تک دوسرا مرد اس سے نکاح صحیح کے بعد صحبت نہ کرچکے۔ پندرھویں یہ کہ شوہر سے اس نے لعان نہ کیا ہو کہ ایسی عورت بعد لعان کے ہمیشہ کو شوہر پر حرام ہوجاتی ہے سولہویں یہ کہ حج یا عمرہ کا احرام نہ باندھے یا شوہر محرم نہ ہو کہ دونوں میں سے ایک کے محرم ہونے سے بھی نکاح نہ ہوگا۔ جب تک کہ کامل حلال نہ ہوجاویں۔ سترھویں یہ کہ عورت مرد رسیدہ خورد سال نہ ہو کہ اس کا نکاح بالغ ہونے کے بعد ہی درست ہوگا۔ اٹھارہویں یہ کہ یتیم نہ ہو کہ اس صورت میں بھی نکاح بالغ ہونے کے بعد درست ہوگا۔ انیسویں شرط جو فی زماننا مفقود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے نہ ہو کہ وہ سب بنص قطع سب ایمانداروں کی مائیں ہیں غرضکہ موانع نکاح کی یہی باتیں ہیں جو مذکور ہوئیں۔ اب قسم دوم کی باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی وہ عمدہ خصلتیں جن کا لحاظ عورت میں عقد کی مداومت اور اس کے مطالب کی زیادتی کے لئے ہونا چاہیئے پس اس طرح کی باتیں آٹھ ہیں۔ اول یہ کہ عورت نیک بخت دین دار ہو یہ بات سب کی جڑ ہے اس کا خیال بہت ضروری ہے کیونکہ بالفرض اگر عورت اپنی ذات اور شرم گاہ کے باب میں کچی اور دین کی ہلکی ہوگی تو خاوند کو حقیر کرے گی اور لوگوں میں اس کا منہ کالا کرے گی غیرت کے مارے اس کا دل پریشان اور زندگی تلخ ہوگی اگر وہ حمیت اور غیرت کا کاربند ہوگا تو ہمیشہ بلا اور رنج کے دام میں گرفتار رہے گا اور اگر سہولت برتے گا تو اپنے دین اور آبرو کو بٹہ لگادے گا اور بے غیرت و بے شرم کہلادے گا اور جس صورت میں کہ بداطواری کے ساتھ عورت خوبصورت بھی ہو تو سخت مصیبت ہے کیونکہ اس کی مفارقت گوارا ہوگی نہ اس کی حرکات پر صبر آوے گا اور ایسے شخص کا حال اس مرد کا سا ہوگا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں آکر عرض کیا تھا

کہ یارسول اللہ وہ شخص ایک زوجہ رکھتا ہے کہ کسی کو ہاتھ لگانے سے مانع نہیں آپ نے فرمایا کہ تو اس کو طلاق دیدے اس نے عرض کیا میں اس کو چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کو رہنے دے اس حدیث میں جو اس کے رہنے دینے کو ارشاد فرمایا ہے تو اس وجہ سے کہ آپ کو خوف ہوا کہ اگر یہ شخص اس کو طلاق دیدے گا تو فریفتگی کے مارے اس کا پیچھا کرے گا اور خود بھی خراب ہو جاوے گا۔ اس لئے کہ نکاح کا باقی رہنا اور اس پر سے خرابی کو ٹالنا ہی بہتر معلوم فرمایا[ح۱] اور بالفرض اگر عورت کے دین میں یہ خرابی ہو کہ شوہر کا مال تلف کرے یا اور کوئی صورت سوائے اول صورت کے ہو تب بھی عیش مکدر رہے گا کہ اگر اس کی حرکات پر سکوت اختیار کرے گا اور منع نہ کرے گا۔ تب تو گناہ میں اس کا شریک ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قوا انفسکم واھلیکم ناراً یعنی اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ تو منع کرنا حرکات ناشائستہ سے اس آیت کے بموجب ضروری ہے ورنہ عدول عملی ہو گی اور اگر منع کرے گا اور جھگڑتا رہے گا تو عیش منغص رہے گا اور بایں لحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین دار عورت کے لئے مبالغہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد[ح۲] فرمایا ہے تنکح المراءۃ لمالہا وجمالہا وحسبہا و دینہا فعلیک بذات الدین تربت یداک اور ایک[ح۳] دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص عورت سے نکاح اس کے مال وجمال کے واسطے کرتا ہے تو وہ اس کے مال وجمال سے محروم کیا جاتا ہے اور جو کوئی اس کی دین داری کی جہت سے نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مال وجمال دونوں عنایت فرماتا ہے اور نیز ارشاد فرمایا کہ عورت سے بوجہ خوبصورتی کے نکاح مت کر کہ شاید اس کی خوبصورتی اس کو تباہ کر دے اور نہ مال کے لحاظ سے اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہیئے کہ شاید اس کا مال اس کو سرکش کر دے بلکہ نکاح عورت کے ساتھ اس کی دیانت کے لحاظ سے کرنا چاہیئے اور آپ نے دیانت پر اس وجہ سے زیادہ ترغیب فرمائی کہ متدین عورت دین کی مددگار ہوتی ہے اور جس صورت میں کہ متدین نہ ہو گی تو شوہر کو بھی دین سے روکے گی اور باعث اس کی پریشان خاطری کا ہو گی دوسری خصلت خوش خلق ہونا ہے جو شخص فارغ البال رہنے کا طالب اور دین پر مدد کا خواہاں ہو اس کے لئے خوش خلق عورت کا ہونا بڑی غنیمت ہے کیونکہ اگر عورت زبان دراز سخت گو تندخو نعمت کی ناشکری ہو گی تو نفع کی نسبت کر اس سے نقصان زیادہ ہو گا چنانچہ سعدی کا قول ہے

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم ست دوزخ او

ح۱۔ ابوداؤد و نسائی بروایت ابن عباس اور نسائی نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ اور احمد نے کہا منکر ہے اور ابن جوزی نے موضوع کہا ہے ۱۲۔ ح۲ نکاح کی جائے عورت اس کے مال اور جمال اور حسب و دین کے باعث جو لازم پکڑو دین والی کو مٹی میں بھریں تیرے ہاتھ ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲۔ ح۳ طبرانی در اوسط بروایت انس رضی ۱۲۔

اور عورتوں کی زبان پر[۷۱] صبر کرنا ان باتوں میں سے ہے کہ ان سے اولیاء کا امتحان لیا جاتا ہے کسی عرب کا قول ہے کہ چھ قسم کی عورتوں سے نکاح مت کرو اول انانہ دوم منانہ سوم حنانہ چہارم حداقہ پنجم براقہ ششم شداقہ۔ انانہ اس کو کہتے ہیں جو ہر وقت کراہتی اور آہ آہ کرتی رہتی ہے اور ہر گھڑی اپنا سر پٹی سے باندھے رہے یعنی جو عورت دائم المرض یا بتکلف مریض ہی رہے اس کے نکاح میں کچھ برکت نہیں اور منانہ اس کو کہتے ہیں کہ خاوند پر اکثر احسان جتاوے کہ میں نے تیری خاطر یہ کیا اور وہ کیا۔ اور حنانہ وہ ہے جو اپنے پہلے شوہر پر یا اپنی اولاد پر جو شوہر اوّل سے ہو فریفتہ رہے تو ایسی سے بھی اجتناب مناسب ہے اور حداقہ وہ ہے کہ ہر چیز پر نظر ڈالتی رہے اور اس کی خواہش کرے پھر شوہر کو اس کے خریدنے کے لئے تکلیف دیوے

اور براقہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک اہل حجاز کے موافق یعنی جو عورت اپنے دن بھر چہرے کے بناؤ سنگھار میں رہے تاکہ بناوٹ میں اس کے آب و تاب ہو جاوے اور دوسرے اہل یمن کے محاورے کے مطابق یعنی جو عورت کھانے پر روٹھے اور اکیلے ہی کھاوے اور ہر چیز میں سے اپنا حصّہ جدا کرے اور شداقہ اس کو کہتے ہیں جو بہت بکتی رہے اور اسی لحاظ سے متشدق بھی نکلا ہے جو اس حدیث شریف میں وارد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یبغض الشرثارین المتشدقین[۷۲] اور کہتے ہیں کہ سیاح ازدی نے اپنی سیاحت میں حضرت الیاس علیہ السلام کی زیارت کی آپ نے ازدی کو نکاح کے لئے ارشاد فرمایا اور مجرد رہنے سے ممانعت کی اور فرمایا کہ چار قسم کی عورتوں سے نکاح مت کرنا اوّل طالب خلع سے کہ ہر گھڑی بلا سبب خلع کی درخواست کرے دوم شیخی والی کہ دوسری عورتوں پر دنیا کے لوازم سے فخر کرے تیسرے فاسقہ جو خفیہ آشنار کھتی ہے اور اس بات میں مشہور ہو ایسی ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ[۷۳] چوتھی زبردست کہ خاوند پر قول و فعل میں بڑھ چڑھ کر رہے اور حضرت علی نے فرمایا ہے کہ جو عادتیں مردوں میں بُری ہیں وہ عورتوں میں اچھی ہوتی ہیں اور وہ بخل، تکبر اور نامردی ہے اس لئے کہ عورت اگر بخیل ہو گی تو اپنا مال اور شوہر کا مال بچاوے گی اور اگر متکبر ہو گی تو ہر شخص سے نرم اور فریفتہ کرنے والے کلام سے نفرت کرے گی اور جب نامرد ہو گی تو ہر چیز سے ڈرے گی اور اپنے گھر سے نہ نکلے گی اور شوہر کے ڈر کے مارے تہمت کی جگہوں سے اجتناب کرے گی غرضکہ یہ حکایتیں اس بات کی ہدایت کرتی ہیں کہ نکاح میں کون سے اخلاق مطلوب ہوتے ہیں تیسری خصلت خوبصورتی ہے یہ بھی اس نظر سے مطلوب ہے کہ اس کی جہت سے

---

[۷۱] ابن ماجہ بروایت عبداللہ بن عمرو رضؓ بسند ضعیف ۱۲

[۷۲] اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے زیادہ گوؤں بکیوں سے ۱۲ ترمذی بروایت جابر رضؓ ۱۲ ت[۳]۔ اور نہ بنانے والیاں چھپے یار

آدمی زنا سے محفوظ رہتا ہے اور اگر عورت بدصورت ہو تو سرشت انسانی اس پر کفایت نہیں کرتی اور ایک وجہ یہ ہے کہ اکثر یہ قاعدہ ہے کہ صورت اور سیرت کا اچھا ہونا لازم وملزوم ہیں جس کی صورت اچھی ہوگی غالبًا سیرت بھی اچھی ہوگی اور ہم نے جو اوپر لکھا ہے کہ عورت کی دیانت پر لحاظ ضروری ہے اور خوبصورتی کے باعث اس سے نکاح نہ کرنا چاہیئے اس کے یہ معنی نہیں کہ خوبصورتی کا لحاظ بالکل ممنوع ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ جس صورت میں کہ دین میں خرابی ہو تو صرف خوبصورتی پر فریفتہ ہو کر نکاح نہ کرنا چاہیئے کیونکہ صرف خوبصورت ہونا نکاح میں راغب البتہ کرتا ہے مگر دین کے امر میں ڈھیلا کر دیتا ہے اور وجہ خوبصورتی کا لحاظ کرنے کی یہ ہے کہ اس کے باعث زن وشوہر میں اکثر الفت و محبت ہوتی ہے اور اسباب الفت کی رعایت کرنے کے لئے شریعت بھی امر فرماتی ہے اور یہی وجہ قبل نکاح عورت کو دیکھ لینا مستحب ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے دل میں کسی عورت سے نکاح کرنے کا خیال ڈال دے تو چاہیئے کہ اس کو دیکھ لے اس لئے کہ دیکھ لینا الفت طرفین کے لئے شایان تر ہے اور اس حدیث میں جو لفظ ان یدوم بینہما آیا ہے وہ مشتق اَدَمہ بفتحتین سے ہے جس کے معنی جلد باطنی یعنی متصل گوشت کے ہیں یعنی وہ جلد گوشت سے مالوف ہے ایسے ہی زن وشو مالوف رہیں گے۔ اور فرمایا ان فی اعین الانصار شیئًا فاذا اراد احدکم ان یتزوج منہن فلینظر الیہن کہتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چندھی تھیں اور بعضوں نے کہا کہ چھوٹی تھیں اور سلف کے کچھ پرہیزگار ایسے تھے کہ شریف زادیوں سے بھی نکاح جب ہی کرتے تھے کہ جب اول ان کو دیکھ لیتے تھے تاکہ دھوکے سے محفوظ رہیں۔ اور اعمشؒ فرماتے ہیں کہ جو نکاح بدوں پیشتر دیکھ لینے کے ہوتا ہے تو اس کا انجام رنج وغم ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اول نظر کرنے سے سیرت اور دیانت تو معلوم ہی نہیں ہوتی صرف جمال ظاہری پہنچانا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جمال کا لحاظ بھی شریعت کے مطابق ہے اور مروی ہے کہ کسی مرد نے حضرت عمرؓ کے عہد میں خضاب کر کے شادی کر لی بعد چندے اس کا خضاب کھل گیا اس کی سسرال والوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں نالش کی کہ ہم نے اس کو جوان جان کر شادی کی تھی آپ نے اس کو سزا دی کہ تو نے لوگوں کو مغالطہ دیا اور مروی ہے کہ حضرت بلالؓ اور حضرت صہیب رومیؓ عرب کے کسی خاندان میں گئے اور ان سے پیام اپنی شادی کا دیا اہل مکان نے پوچھا کہ تم کون ہو حضرت بلال نے کہا کہ میں بلالؓ ہوں اور یہ میرا بھائی صہیب ہے ہم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت کیا اور ہم غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ہم کو آزاد کیا اور ہم مفلس

۱؎ ابن ماجہ بروایت محمد ابن سلمہ بسند ضعیف پہلا جملہ اور بروایت مغیرہ بن شعبہ آخری جملہ ۱۲

۲؎ البتہ انصار کی آنکھوں میں کچھ چیز ہے جب کوئی تم میں سے ان میں کی کسی سے نکاح کرنا چاہے تو ان کو دیکھ لینا چاہیئے ۱۲ مسلم بروایت ابی ہریرہؓ

تھے اللہ تعالیٰ نے ہم کو تو انگر کیا پس اگر تم ہماری شادی اپنے یہاں کر دو تو الحمد للہ اور اگر انکار کرو تو سبحان اللہ
لوگوں نے کہا کہ تمہاری شادی ہو جاوے گی والحمد للہ حضرت صہیبؓ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ تم کاش وہ خدمات
اور جانفشانیاں بھی ذکر کر دیتے جو ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں کی ہیں حضرت بلالؓ نے فرمایا
کہ چپ رہو تم نے سچ کہہ دیا اسی راستی نے تمہارا نکاح کر دیا اور دھوکا خوبی ظاہری اور سیرت باطنی دونوں میں ہوتا
ہے تو خوبصورتی کا دھوکا تو دیکھنے سے دور کرنا مستحب ہے اور اخلاق کا دھوکا وصف سننے سے رفع ہو سکتا ہے اس
لئے ان دونوں باتوں کو نکاح سے پیشتر کر لینا چاہئے مگر اس کا وصف اخلاق اور جمال کا ایسے ہی شخص سے دریافت
کرنا چاہیئے جو عاقل راست گو اور ظاہر و باطن کے حال سے واقف ہو نہ تو عورت کا طرفدار ہو کہ اس کی تعریف
میں مبالغہ کرے اور نہ اس سے بغض رکھتا ہو کہ گھٹا کر بیان کرے کیونکہ اب لوگوں کی طبیعتیں نکاحوں سے پیشتر
امور میں اور منکوحات کے وصف بیان کرنے میں افراط و تفریط کی طرف مائل ہیں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس باب
میں سچ بولتے ہوں بلکہ فریب اور مغالطہ دینے کا رواج بہت ہو رہا ہے اسی نظر سے جو شخص کہ اپنے نفس پر زن
اجنبیہ کی طرف تاکنے کا خوف رکھتا ہو اس باب میں احتیاط کر لینی بہت ضرور ہے ہاں اگر کسی شخص کو منکوحہ
سے غرض صرف ادائے سنت اور اولاد کا ہونا اور گھر کا انتظام مقصود ہو تو وہ شخص اگر جمال کا راغب نہ
ہو تو مرتبہ زہد سے قریب تر ہے کیونکہ خوبصورتی بھی ایک امر دنیاوی ہے گو بعض اوقات کسی کسی شخص
کے حق میں دین میں ممد ہوتی ہے۔ حضرت ابو سلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ زہد ہر چیز میں ہوتا ہے یہاں تک کہ بی بی
میں بھی ہوتا ہے کہ دنیا میں زہد اختیار کرنے کے لئے آدمی بڑھیا سے نکاح کرے اور مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے
کہ لوگ یتیم اور مفلس عورت سے تو نکاح نہیں کرتے کہ جس کے کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے میں ثواب ملے
اور اس کا نفقہ دینا سہل پڑے تھوڑے سے مال پر راضی رہے بلکہ دنیا داروں کی بیٹیوں سے نکاح کرتے
ہیں کہ ہمیشہ نئی خواہش ان کے سامنے پیش کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو فلاں کپڑا پہناؤ اور فلاں چیز کھلاؤ اور
امام احمدؒ نے دو بہنوں کا حال پوچھا کہ ان میں سے عقلمند کونسی ہے لوگوں نے کہا کہ جو عقلمند ہے اس کی آنکھیں
نہیں آپ نے فرمایا کہ میرا نکاح اسی اندھی سے کر دو۔ غرضکہ جو شخص لذت سے غرض نہ رکھتا ہو رفع حاجت ہی
چاہتا ہو اس کا قاعدہ ایسا ہی ہونا چاہیئے ان بزرگوں کے اقوال ہیں مگر جس شخص کو بدون لذت کے اپنے
دین پر امن نہ ہو اس کو جمال بھی طلب کرنا چاہیئے کہ امر جماع سے لذت حاصل کرنا دین کے لئے ایک قلعہ
ہے اور کہتے ہیں کہ عورت جس وقت خوبصورت خوش خلق سیاہ چشم و سیاہ مو بڑی آنکھ کی رنگ میں گوری شوہر
دوست کہ اپنی نظر شوہر ہی پر منحصر کر دے کسی کو میسر ہو تو اس کو گویا حور مل گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
اہل جنت کی بیبیوں کی صفت انہیں صفات کے ساتھ فرمائی ہے چنانچہ فرمایا خیرات حسان خیرات

سے مراد خوش خلق عورتیں ہیں اور حسان سے خوبصورت فرمایا۔ قاصرات الطرف عرباً اترابًا۔ اوّل قول سے غرض وہ عورتیں ہیں کہ اپنے شوہر پر نظر کو منحصر رکھیں اور دوسرے قول میں عرب جمع عروب کی ہے یعنی عاشق اپنے شوہر کی اور خواہش مند اس کی ہم بستری کی اور ظاہر ہے کہ ایسی صفت سے لذت کو کمال ہوتا ہے اور فرمایا حور' عین' حوراء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھ کی سفیدی خوب سفید ہو اسی طرح آنکھ کی سیاہی مثل بالوں کی سیاہی کے ہو اور عیناء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں بڑی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۱] خیر نسائکم من اذا نظر الیہا زوجہا سرتہ واذا امرہا اطاعہ واذا غاب عنہا حفظتہ فی نفسہا ومالہا اور مرد اپنی منکوحہ کو دیکھ کر اسی وقت خوش ہو گا کہ عورت اس کو چاہتی ہو چوتھی صفت یہ ہے کہ مہر تھوڑا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[۲] ہیں کہ عمدہ بیبیاں وہ ہیں جن کی صورتیں اچھی ہوں اور مہر تھوڑے ہوں اور مہر کو حد سے زیادہ بڑھانے سے[۳] منع فرمایا ہے اور آپ نے[۴] اپنی بعض ازواج طاہرات کو دس درہم اور اثاث البیت کے عوض نکاح کیا اور اثاث البیت ایک چکی تھی اور ایک گھڑا ایک گدا جس میں ریشہ خرما بھرا تھا اور کسی بی بی[۵] کے نکاح کے بعد آپ نے ولیمہ جو کی روٹی کا اور کسی کا ولیمہ خرما کا اور کسی کا ستو کا کیا۔ اور حضرت عمرؓ مہر کو زیادہ مقرر کرنے سے منع کیا کرتے اور فرماتے کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نکاح چار سو درہم سے[۶] زیادہ مہر پر کیا۔ اور نہ اپنی بیٹیوں کا نکاح اس مقدار سے زائد پر کیا اگر مہر کے زیادہ کر دینے میں کچھ بزرگی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور مبادرت فرماتے اور بعض[۷] صحابہؓ نے نکاح میں مہر اتنا سونا ٹھہرایا کہ اس کی قیمت پانچ درم بتاتے ہیں اور سعید بن مسیبؓ نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت ابوہریرہؓ سے دو درم مہر پر کر دیا اور رات کے وقت اس کو اپنے ساتھ لے جا کر ان کے دروازہ میں پہنچا کر پھر آئے سات روز کے بعد بیٹی کے پاس گئے اور اس سے سلام علیک کیا اور اگر مہر دس درہم مقرر کیا جاوے اس نظر سے کہ سب علماء کے نزدیک نکاح

---

[۱] نیچی نگاہ والیاں ۱۲ پیار والی ایک عمر کی۔ [۱] تمہاری بیبیوں میں بہتر وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اس کو دیکھے تو اس کو خوش کر دے اور جب اس کو زوج امر کرے تو کہنا مانے اور جب اس کے پاس سے چلا جاوے تو اس کی حفاظت اپنے نفس اور اس کے مال میں کرے نسائی بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ [۲] ابن حبان بروایت عائشہؓ و بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [۳] اصحاب سنن اربعہ موتوفا علی عمر الفاروقؓ ۱۲ [۴] ابو داؤد طیالسی بزار بروایت انس و طبرانی اور اوسط بروایت ابی سعید اور دونوں ضعیف ہیں ۱۲ [۵] سنن اربعہ میں بروایت انس ہے کہ حضرت صفیہ کا ولیمہ تمر اور ستو سے کیا اور بخاری میں بروایت عائشہؓ ہے کہ آپ نے ولیمہ جو کی روٹی سے کسی بی بی کا کیا اور بعض میں تمر اور پنیر اور گھی بھی مذکور ہے ۱۲ [۶] سنن اربعہ بروایت عمر فاروقؓ ۱۲ [۷] سونا بوزن تخم خرما صحیحین بروایت عبدالرحمٰن بن عبداللہ مذکور ہے۔ اس کی قیمت کا ذکر بیہقی نے کیا ہے۔ ۲

ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اور حدیث[۱] میں ہے کہ عورت کا مبارک ہونا یہ ہے کہ جلد نکاح ہو اور جلد اولاد ہو اور مہر
کم ہو اور فرمایا[۲] کہ عورتوں میں زیادہ برکت والی وہ ہے کہ جس کا مہر سب سے کم ہو۔ اور جس طرح کہ عورت کی
جانب سے مہر میں زیادتی کا ہونا مکروہ ہے اسی طرح مرد کی جانب سے عورت کے مال کا حال دریافت کرنا مکروہ
ہے اور مال کی طمع سے عورت کا نکاح نہ کرنا چاہیئے سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی نکاح کرے اور
یہ پوچھے کہ عورت کے پاس کیا کیا چیز ہے تو جان لو کہ وہ چور ہے اور جب مرد کچھ تحفہ سسرال میں بھیجے تو یہ نیت نہ
کرے کہ ان کے یہاں سے اس کے بدلے میں مجھے زیادہ ملے گا اور اسی طرح دو بیٹی والے شوہر کو کچھ بھیجیں وہ
بھی یہ نیت نہ کریں کہ زیادہ طلبی کی نیت خراب ہوتی ہے باقی رہا ہدیہ تو بھیجنا وہ البتہ مستحب اور دوستی کا سبب ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۳] تہادوا و تحابوا اور زیادہ طلبی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے ولا
تمنن تستکثر یعنی اس نیت سے نہ دو کہ بہت سا لو یا اس میں داخل ہے۔[۴] وما اٰتیتم من ربا
لیربوا فی اموال الناس کیونکہ ربوا زیادتی کا نام ہے اور اس صورت میں بھی فی الجملہ زیادتی طلب کرنا پایا جاتا
ہے گو ان چیزوں میں نہیں جن میں ربوا ہوتا ہے بہرحال نکاح میں اس طرح کی صورت مکروہ اور بدعت ہے اور
تجارت اور قمار کی طرح پر ہے کہ مقصود نکاح کو خراب کرتی ہے پانچویں خصلت یہ ہے کہ عورت بانجھ نہ ہو پس اگر
بانجھ ہونا معلوم ہو جاوے تو اس سے نکاح نہ کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۵] علیکم با
الولود یعنی نکاح ایسی عورت سے کرنا چاہیئے جس کے اولاد ہوتی ہو اور شوہر دوست ہو پس اگر اس کی شادی
نہ ہوئی ہو اور اس کا حال نہ معلوم ہو کہ اولاد ہو گی یا نہیں تو تندرست اور جوان ہونے کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جب دونوں
باتیں اس میں ہوں گی تو غالباً اس سے اولاد ہو گی۔ چھٹی خصلت۔ یہ ہے کہ کنواری ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت جابرؓ کو ارشاد فرمایا[۶] جب کہ انہوں نے ایک مرد رسیدہ عورت سے شادی کی تھی کہ کنواری سے نکاح
کیوں نہ کیا کہ تم اس سے دل خوش ہوتے اور وہ تم سے اور کنواری ہونے میں تین فائدے ہیں اول یہ کہ عورت
کو خاوند سے الفت اور محبت ہوتی ہے تو جو مضمون حدیث شریف میں لفظ دو دو سے تعبیر کیا گیا ہے وہ اس
صورت میں خوب اثر کرتا ہے علاوہ ازیں طبیعتوں میں یہ امر سرشتی ہے کہ اوّل مالوف پر دل لگتا ہے اور جو
عورت کہ مرد آزمودہ اور احوال دیدہ ہوتی ہے عجب نہیں کہ جن امور کی پہلے سے مالوف ہو انکے خلاف مرضی
راضی نہ ہو اور یہی وجہ شوہر ثانی کے برا جاننے کی ہو جاوے دوم یہ کہ کنواری ہونے سے شوہر کے ساتھ

---

[۱] احمد بیہقی بروایت عائشہؓ باندک اختلاف ۱۲ [۲] ابو عمر نوقانی بروایت عائشہؓ و احمد بیہقی نیز ۱۲ [۳] آپس میں ہدیہ بھیجو اور دوستی پیدا کرو۔ ۱۲ بخاری اور
کتاب المفرد و بیہقی بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ت۔ ایسا نہ کرو کہ احسان کرے اور بہت چاہے۔ ۱۲ م۔ ذرجو دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا ہے
لوگوں کے مال میں۔ ۱۲ [۵] ابو داؤد و نسائی بروایت معقل بن یسار ۱۲ [۶] بخاری و مسلم بروایت جابرؓ ۱۲

محبت ہوتی ہے اس لئے کہ یہ امر سرشتی ہے کہ جس عورت کو شوہر کے سوا اور کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو اس سے
کسی قدر نفرت ہوا کرتی ہے اور جب دوسرے کے ہاتھ لگانے کا خیال بندھتا ہے تو طبیعت پر گراں معلوم
ہوتا ہے اور اس باب میں بعض طبیعتوں کو بہت نفرت ہوا کرتی ہے۔ سوم یہ کہ کنواری ہونے سے عورت پہلے
شوہر کو یاد نہیں کیا کرتی ورنہ اس سے بھی عیش میں ایک طرح کی تلخی ہو جاتی ہے اور محبت غالباً سب سے زیادہ
وہی پختہ ہوتی ہے جو محبوب اول سے ہوا کرتی ہے ساتویں خصلت یہ ہے کہ عورت حسب اور نسب والی ہو یعنی
ایسے خاندان والی ہو جس میں دیانت اور نیک بختی پائی جاوے کیونکہ ایسے خاندان کی عورت اپنی اولاد کی تعلیم
و تربیت کیا کرتی ہے اور اگر خود مودب نہیں ہوتی تو اس سے تربیت اور تادیب بخوبی نہیں بن پڑتی اور
اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [۱] ایاکم وخضراء الدمن یعنی گھوڑے اوپر کی سبزی
سے علیحدہ رہو لوگوں نے عرض کیا کہ خضراء دمن کیا ہے آپ نے فرمایا کہ خوبصورت عورت جو بری جگہ پیدا ہوئی
ہو اور نیز [۲] فرمایا کہ اپنے نطفوں کے لئے اچھی عورتیں پسند کرو کہ رگ قرابت اصول کے اخلاق کو اولاد میں
کھینچ لاتی ہے آٹھویں صفت یہ ہے کہ عورت قرابت قریبہ میں سے نہ ہو اس لئے کہ امر شہوت کو کم کرتا ہے آنحضرت
صلی اللہ علیہ [۳] وسلم نے فرمایا کہ قرابت قریبہ والی سے نکاح مت کرو کہ لڑکا ضعیف پیدا ہوتا ہے اور لڑکے
کے ضعیف ہونے کی وجہ یہی ہے کہ شہوت ضعیف ہوتی ہے کیونکہ شہوت نظر اور لمس کی قوت سے اٹھتی ہے
اور ان حالتوں کا اثر وقت قوی ہوتا ہے کہ معاملہ نیا اور اجنبی ہو اور جو عورت ہمیشہ ایک مدت تک نظروں
میں رہتی ہے اس کو دیکھتے دیکھتے مساوات ہو جاتی ہے اثر حس کا کامل نہیں رہتا اسی جہت سے شہوت
اچھی طرح نہیں ابھرتی غرض کہ عورتوں میں یہیں خصلتیں ہیں جن کے باعث سے نکاح کی رغبت ہوتی ہے
اور عورت کے ولی پر بھی واجب ہے کہ شوہر کی عادتوں کو دیکھ بھال لے اور اپنی لڑکی پر شفقت کرے
یعنی اس کا نکاح ایسے شخص سے نہ کرے جس کی پیدائش جسمی میں کوئی قصور یا عادت اچھی نہ ہو یا دین میں
ضعیف ہو یا عورت کے حق ادا کرنے سے قاصر ہو یا نسب میں عورت کا کفو نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے [۴] ہیں کہ نکاح کرنا عورت کو کنیز کر دینا ہے تو دیکھ لیا کرو کہ اپنی لڑکی کو کہاں دیتے ہو اور احتیاط
عورت کے حق میں بہت ضرور ہے کہ نکاح کے باعث وہ ایسی قید میں پڑتی ہے کہ اس سے چھوٹ نہیں سکتی
بخلاف مرد کے کہ وہ ہر حال میں طلاق پر قادر ہے اور جب کوئی شخص اپنی لڑکی کا نکاح ظالم یا فاسق یا بدعتی
یا شراب خور سے کرے گا تو وہ اپنے دین میں بٹہ لگائے گا اور خدا تعالیٰ کے غصہ کا مستحق ہوگا کہ اس نے

[۱] دار قطنی در افراد بروایت ابو سعید خدری اور کہا کہ واقدی اس کی روایت میں منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ۱۲ [۲] ابو منصور
دیلمی در سند فردوس بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [۳] ابو نعیم بروایت عمرؓ فاروق موقوفاً۔ ۱۲ [۴] ابو عمر توقانی بروایت عائشہؓ و اسماء بنت
الصدیق موقوفاً اور بیہقی نے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے ۱۲

حق قرابت کو منقطع کیا اور اس کے لیے ایسا مرد تجویز کیا اور ایک شخص نے حضرت حسن بصری کی خدمت میں عرض کیا کہ چند لوگوں نے میری لڑکی کے لئے پیام نسبت دیا ہے ہیں اس کا نکاح کس سے کروں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان میں سے خدا تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو اس سے شادی کرنا اس لئے کہ اگر وُہ تیری لڑکی کو چاہے گا تو اس کی خاطر داری کرے گا اور اگر ناپسند کرے گا تو اس پر ظلم نہ کرے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[۷۱] ہیں کہ جس شخص نے اپنی لڑکی کو فاسق سے بیاہ دیا اس نے اس کی قرابت قطع کر دی۔

تیسری فصل۔ آداب معاشرت اور ایسے اُمور جو تعلقات کی بہتری کیلئے ضروری ہیں

شوہر کے لئے آداب

جاننا چاہیئے کہ شوہر پر بارہ چیزوں میں اعتدال اور ادب کا لحاظ ضروری ہے اور ولیمہ اور حسن خلق اور مزاج اور سیاست اور غیرت اور نفقہ دینا اور تعلیم کرنا اور عدل کرنا اور نافرمانی پر سزا دینی اور صحبت کرنا اور اولاد کا ہونا اور طلاق دینا ہیں۔ اب ان سب کو بتفصیل معلوم کرنا چاہیئے۔ اول ادب ولیمہ ہے وہ مستحب ہے چنانچہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف پر زردی کا نشان دیکھا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے اور مہر خرما کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا ٹھہرا ہے آپ نے فرمایا[۷۲] بارك الله لك اولم ولو بشاة یعنی خدا تعالیٰ تجھ کو مبارک کرے ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی بکری ہو اور آنحضرت[۷۳] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کے نکاح کے بعد خرما اور ستو سے ولیمہ کھلایا اور ایک حدیث[۷۴] میں ارشاد فرمایا کہ اوّل روز کا کھانا حق ہے اور دوسرے روز کا سنت اور تیسرے کا نمود ہے اور جو شخص لوگوں کے سننے کے لئے شہرت کا کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو فضیحت کرے گا یہ حدیث غریب ہے بجز زیاد بن عبد اللہ کے اور کسی نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً نہیں بیان کیا۔ اور مستحب ہے کہ شوہر کو مبارک باد دی جائے تو جو شخص اسکے پاس آئے یوں کہے[۷۵] بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[۷۶] فصل ما بين الحلال والحرام

---

[۷۱] ابن حبان در ضعفا بروایت انس اور ثقات میں اس کو قول شعبی کا کہا ہے ۱۲ [۷۲] بخاری ومسلم ۱۲ [۷۳] اصحاب سنن اربعہ بروایت انس ومسلم نحوہ ۱۲ [۷۴] ترمذی کے موافق مصنف کے کہا اور بروایت ابن مسعود بھی نقل کیا ہے اور ضعیف کہا ہے ۱۲۔ [۷۵] خدا تجھ کو مبارک کرے اور تجھ پر برکت کرے اور تم دونوں کا خیر کے ساتھ اتفاق کرے ۱۲۔ ابو داؤد اور ترمذی۔ [۷۶] فرق درمیان حلال وحرام کے دف بجانا اور آواز ہے ۱۲ ترمذی ونسائی وابن ماجہ بروایت محمد بن حاطب ۱۲۔

الدف والصوت۔ اور فرمایا ۱ح اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف اور ربیع بنت معوذ روایت کرتی ہیں ۲ح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس شب زفاف کی صبح کو تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے اور ہماری چند لونڈیاں اپنے دف بجاتی تھیں اور جو لوگ بدر کی لڑائی میں میرے بزرگوں سے مارے گئے تھے ان کا ذکر کر رہی تھیں یہاں تک کہ ایک نے ان میں سے کہا کہ ہم میں وہ نبی ہیں کہ جو بات کل ہوگی اس کو جانتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اس بات سے خاموش رہو اور جو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔ دوسرا ادب عورت کے ساتھ خوش خلقی سے رہنا اور ان کی ایذا کو برداشت کرنا بنظر ترحم کہ ان کی عقل میں قصور ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۳ت وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور ان کے حق کی تعلیم کے بارے میں ارشاد فرمایا ۴ت وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا اور فرمایا ۵ت وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ اس سے غرض بعضوں نے بیان کی ہے کہ زوجہ ہے اور سب سے آخر وصیت آنحضرت صلعم کی تین باتیں تھیں کہ انہوں کو فرماتے فرماتے آپ کی زبان گنگنا گئی اور آواز آہستہ پڑ گئی آپ فرماتے تھے کہ ۶ح الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم لا تکلفوھم ما لا یطیقون اللہ اللہ فی النساء فانھن عوان فی ایدیکم اخذتموھن بعھد اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ۷ح کہ جو شخص اپنی بی بی کی بدخلقی پر صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب عطا فرمادیگا جتنا حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کو مصیبت پر عطا فرمایا اور جو عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی پر صبر کرے گی اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ثواب دے گا جیسا کہ آسیہ فرعون کی بی بی کو ملا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بی بی کے ساتھ خوش خلقی کے یہ معنی نہیں کہ اگر وہ ایذا نہ دے بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہ ایذا دے تو اس کی برداشت کرے اور جب وہ غصہ کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اقتدا کرکے اس کے غصہ پر حلم کرے یعنی آپ کی ازواج مطہرات آپ کے سامنے جواب دے بیٹھتی تھیں اور کبھی ان میں سے کوئی ایک دن رات آپ سے بات نہ کرتی تھی اور آپ ان باتوں پر حلم فرماتے تھے اور ان پر تشدد نہ کرتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کی بی بی نے ایک بار ان کے کلام کا جواب دیا آپ نے

۱ح اس نکاح کو اعلان کرو اور اس کو مسجدوں میں کیا کرو اور اس پر دف بجاؤ ۱۲ ترمذی بروایت عائشہ۔ ۲ح بخاری بروایت ربیع ۱۲
۳ت اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ معقول ۱۲۔ ۴ت اور لے چکیں تم سے عہد گاڑھا ۱۲ ۵ت یعنی نیکی کرو برابر کے رفیق سے ۱۲
۶ح نماز اور جن کو تمہارے ہاتھ مالک ہیں ان کو اس بات کی تکلیف مت دینا جس کی ان کو طاقت نہ ہو اللہ سے ڈرو عورتوں کے باب میں کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں اسیر ہیں تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کے عہد سے لیا اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے حلال کرلیا ۱۲ نسائی درکبریٰ اور ابن ماجہ نے بروایت ام سلمہؓ دو جملے اول کے ذکر کئے ہیں اور عورتوں کی وصیت معروف یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں فرمائی تھیں ۷ح اس کی اصل پر مجھ کو آگاہی نہیں ہوئی ۱۲۔

فرمایا کہ اے گستاخ مجھ کو جواب دیتی ہے اس نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کے کلام کا جواب دیتی ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے کہیں بہتر ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر حفصہ نے جواب دیا ہوگا تو اس کا بڑا نقصان ہوا پھر بیٹی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے حفصہ صدیق کی بیٹی کی حرص مت کرنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری ہے تو ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب مت دینا[ح۱] اور مروی ہے کہ کسی نے ازواج طاہرات میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر آپ کو دھکا دیا ان کی ماں نے ان کو ڈانٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانے دو کچھ نہ کہو یہ بیبیاں تو اس سے زیادہ حرکات کرتی ہیں اور ایک بار آنحضرت[ح۲] صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی یہاں تک کہ دونوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنے درمیان حکم اور شاہد قرار دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یا تو تم اوّل کہہ لو یا میں کہوں انہوں نے عرض کیا کہ آپ ارشاد فرماویں لیکن سچ ہی سچ فرمانا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر ایک ایسا طمانچہ مارا کہ خون نکلنے لگا اور فرمایا کہ اے دشمن جان کیا حضرت سچ کے سوا کچھ اور فرمائیں گے حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلعم کی پناہ چاہی اور آپ کی پشت کے پیچھے جا بیٹھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ ہم نے تم کو اس لئے نہیں بلایا اور نہ تم سے یہ ہمارا مقصود ہے اور ایک بار کسی کلام[ح۳] پر غصہ ہو کر حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہی کہتے ہیں کہ میں پیغمبر خدا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور حلم وکرم کی راہ سے اس امر کو برداشت کیا اور آپ[ح۴] حضرت عائشہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری خفگی اور رضامندی میں جان جاتا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ آپ کیسے پہچانتے ہیں فرمایا کہ جب تم راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ قسم ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی اور خفگی کی حالت میں کہتی ہو کہ قسم ہے ابراہیمؑ علیہ السلام کے خدا کی حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپ بجا فرماتے ہیں واللہ میں حالت غضب میں فقط آپ کا نام ترک کرتی ہوں۔ اور کہتے ہیں[ح۵] کہ اسلام میں جو اوّل دوستی ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ اور آپ ان کو فرمایا کرتے کہ میں تیرے ساتھ ایسا ہوں جیسا ابو زرعؓ اپنی بی بی ام زرع کے ساتھ تھا مگر میں تجھ کو طلاق نہ دوں گا ف مترجم کہتا ہے کہ حدیث ام زرع کی مشہور

ح ۱ و ۲ اس کی اصل پر میں واقف نہیں ہوا ۱۲ ح ۳ طبرانی در اوسط وخطیب در تاریخ بروایت عائشہؓ بسند ضعیف ۱۲ ح ۴ ابو یعلی بروایت عائشہؓ و ابن حبان در کتاب الامثال ۱۲ ح ۵ بخاری ومسلم بروایت عائشہ ۱۲ ح ۶ شاید اس سے یہ غرض ہوگی کہ مدینہ طیبہ میں اوّل یہ محبت ہوئی۔ ورنہ آپ کی محبت حضرت خدیجہؓ سے مشہور ومعروف ہے اور جملہ کہ میں تیرے ساتھ ایسا ہوں الخ۔ بخاری ومسلم نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے ۱۲

ہے اور شمائل ترمذی میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس گیارہ عورتوں نے جمع ہو کر اپنے شوہروں کا احوال بیان کیا ان میں سے ایک ام زرع تھی کہ انکے خاوند نے ان کے ساتھ بہت سلوک کیا تھا پھر طلاق دے دی تھی حضرت عائشہؓ نے ان سب کا احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اس وقت آپ نے ارشاد مذکورہ بالا فرمایا اور آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کو ارشاد فرمایا کرتے کہ عائشہؓ کے باب میں مجھ کو ایذا نہ دو کہ بخدا میرے اوپر جب وحی آئی ہے میں اسی کے لحاف میں ہوتا ہوں (یعنی تم میں سے کسی کے پاس یہ امر نہیں ہوا)[۲] اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں اور لڑکوں پر سب لوگوں کی نسبت کر زیادہ رحیم تھے ادب سوم یہ ہے کہ ایذا کی برداشت کے ساتھ عورتوں سے ہنسی) اور چہل بھی کرے کہ اس سے ان کا دل خوش ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلعم کا دستور تھا کہ اپنی ازواج طاہرات سے مزاح فرماتے تھے اور اعمال و اخلاق میں انہیں کی عقلوں کے مراتب پر نزول فرماتے تھے حتیٰ کہ مروی ہے[۳] کہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑا کرتے تھے ایک روز حضرت عائشہؓ آگے نکل گئیں اور پھر جو کسی روز دوڑے تو آپ آگے نکل گئے اس وقت آپ نے فرمایا کہ یہ اُس روز کا عوض ہے اور حدیث[۴] شریف میں ہے کہ اور لوگوں کی نسبت کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے زیادہ چہل فرماتے تھے اور حضرت[۵] عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ کے لوگوں وغیرہ کی آواز سنی کہ وہ عاشورا کے دن کھیل رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اُن کا کھیل دیکھنا چاہتی ہے میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے ان کو بلوایا جب وہ آئے تو آپ دونوں کواڑوں کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور اپنا ہاتھ ایک کواڑ پر رکھ کر پھیلا دیا میں نے اپنی ٹھوڑی آپ کے ہاتھ پر رکھ لی اور دیکھنے لگی وہ لوگ تماشا کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ بس کر میں نے دو یا تین بار عرض کیا کہ ذرا ٹھہریئے پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہؓ بس کر میں نے عرض کیا کہ بہتر آپ نے ان لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ چلے گئے اور نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ[۶] اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّ اَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ اور فرمایا[۷] خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِنِسَائِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِنِسَائِیْ اور حضرت عمرؓ باوجود اپنی تیزی

[۱] بروایت عائشہ رضہ ۱۲۔ [۲] مسلم نے عورتوں اور لڑکوں کی جا عیال لکھا ہے ۱۲ [۳] ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ بروایت عائشہؓ ۱۲۔ [۴] حسن بن سفیان در سند خود بروایت انسؓ اور اس میں اتنا ہے کہ مزاح زیادہ فرماتے بیبیوں کا ذکر نہیں ۱۲۔ [۵] بخاری و مسلم میں یہ قصہ اور طرح ہے جس کا بیان باب آداب سماع میں آوے گا اور اس میں عید کا دن ہے اور نسائی نے کبریٰ بروایت عائشہ رضہ اس طرح عید کے دن کا قصہ باندک اختلاف نقل کیا ہے ۱۲ [۶] ایمانداروں میں سے ایمان میں کامل تر وہ ہے جس کی عادت اچھی ہو اور اپنی گھر والی سے ملائم تر ہو ۱۲ ترمذی و نسائی و حاکم ۱۲۔ [۷] تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے سب سے زیادہ اچھا ہو اور میں اپنی ازواج کے حق میں تم سے زیادہ اچھا ہوں ۱۲ ترمذی بروایت عائشہ رضہ نحوہ

مزاح کے ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد کو چاہیئے کہ اپنے گھر میں مثل بچے کے رہے اور جس وقت اس کے پاس کی چیز طلب کی جائے اس وقت مرد ہو جاوے اور لقمانؒ کا قول ہے کہ عاقل کو چاہیئے کہ اپنے گھر میں بچے کی طرح رہے اور جب اپنی قوم میں ہو تو مرد ہو اور یہ جو حدیث میں آیا ہے[۲] ان اللّٰہ یبغض الجعظری الجواظ اس کی تفسیر میں بعضوں نے یوں کہا ہے کہ وہ شخص مراد ہے جو اپنے گھر والوں پر سخت ہو اور اپنے دل پر متکبر ہو اور بعضوں نے قرآن مجید میں جو لفظ عتل آیا ہے اس کے یہی معنی کئے ہیں کہ سخت زبان اور گھر والوں پر سخت دل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو ارشاد فرمایا تھا کہ کنواری سے نکاح کیوں نہ کیا کہ تم اس سے مزاح کرتے اور وہ تم سے چہل کرتی اور ایک بدوانی کا شوہر مر گیا تھا اس نے اس کا اس طرح ذکر کیا کہ بخدا جب گھر میں آتا تو ہنستا آتا اور باہر جاتا تو چپکا جاتا جو کچھ کھانے کو پاتا اس سے پیٹ بھرنا کوئی چیز جاتی رہتی تو سوال نہ کرنا ادب چہارم یہ ہے کہ مزاح اور حسن خلق اور عورت کی خواہش کی متابعت اس درجہ نہ بڑھاوے کہ اس کا مزاج بگڑ جاوے اور اس کے سامنے اپنی کچھ ہیبت نہ رہے بلکہ اس بات میں اعتدال کا لحاظ رکھے اس طرح کہ جب کوئی بری بات دیکھے تو ہیبت اور خفگی سے درگذر نہ کرے اور بری بات پر کبھی راضی نہ ہو بلکہ جب کوئی بات مخالف شریعت یا مروت کے دیکھے فوراً آگ بگولہ ہو جاوے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بی بی کا مطیع بنا رہے کہ جو وہ چاہے وہی کرے تو حق تعالیٰ اس کو دوزخ میں اوندھا گرادے گا اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی مرضی کے خلاف کیا کرو کہ ان کے خلاف کرنے میں برکت ہوتی ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ عورتوں سے مشورہ لو اور جو کچھ وہ مشورہ دیں اس کے خلاف کرو اور حدیث[۴] میں ہے کہ ہلاک ہو جورو کا غلام اور یہ اس لئے فرمایا کہ جب اس کی خواہش کے امور میں اس کی اطاعت کرے گا تو اس کا غلام ہوا اور وجہ ہلاکی کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بی بی کا مالک کیا تھا اس نے اپنے نفس کو اس کا مملوک کر دیا اور معاملہ معکوس اور الٹا مقدمہ ہو گیا اور شیطان کا قول جو قرآن میں نقل ہے[۳] ولا مرنہم فلیغیرن خلق اللّٰہ اس قول کی بھی اطاعت کی کہ مرد کا حق متبوع ہوتے کا تھا نہ تابع ہونے کا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم فرمایا ہے جیسے ارشاد فرمایا ہے[۶] الرجال قوامون علی النساء اور شوہر کو سید اور آقا فرمایا[۷] والفیا سیدھا لدی الباب پس جس صورت میں چاہیئے کہ اگر تھوڑی سی باگ نفس امارہ کی ڈھیلی کر دو تو بہت سی شوخی

[۱] اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے درشت خو متکبر بخیل کو ۱۲۔ [۲] ابو بکر بن بلال در مکارم اخلاق بروایت ابی ہریرہ بسند ضعیف اور ابو داؤد میں بلفظ لا یدخل الجنۃ ہے بجائے ان اللّٰہ یبغض کے ۱۲۔ [۳] اس کی سند بخاری و مسلم سے ابھی گزری ۱۲۔ [۴] اس کی سند مجھ کو نہیں ملی۔ [۵] اور ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورت بنائی اللہ کی [۶] مرد حاکم ہیں عورتوں پر ۱۲۔ [۷] اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازہ پر

کرے اور اگر ایک بالشت اس کی لگام ڈھیلی کرے تو تم کو ہاتھوں گھسیٹ لے جاوے اور اگر لگام کو تانے رہو اور اس پر اپنا ہاتھ سختی کے موقع پر سخت رکھو تو قابو میں رہے گی حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان کا اکرام کرو تو وہ تم کو ذلیل کریں گی اور اگر تم ان کو ذلیل کرو تو تمہاری تعظیم کریں گی۔ اول عورت دوم خادم سوم نبطی اس سے مراد آپ کی یہ ہے کہ اگر صرف اکرام کرو اور کبھی نرمی کے ساتھ گرمی نہ کرو اور سخت لفظ نہ کہو تو بے شک سر چڑھ جاویں گی اور کہتے ہیں کہ عرب کی عورتیں اپنی لڑکیوں کو ان کے شوہروں کا امتحان اس طرح سکھاتی تھیں کہ لڑکی سے اس کی ماں کہہ دیتی کہ شوہر پر جرأت اور مباورت کرنے سے پہلے اس کو آزما لینا یعنی اس کے نیزہ کی بھال اکھاڑ دینا اگر وہ اس پر خاموش ہو جاوے تو اس کی سپر پر گوشت کاٹنا اگر اس پر بھی نہ بولے تو اس کی تلوار سے ہڈیاں توڑنا اگر اس پر بھی سکوت کرے تو وہ تیرا گدھا ہو چکا پالان اس کی پشت پر ڈال کر اس پر سوار ہونا حاصل یہ کہ آسمان و زمین عدل ہی کی جہت سے قائم ہیں اگر ذرا عدل سے ہٹیں تو معاملہ برعکس ہو جاوے اس لئے عاقل کو چاہئے کہ عورت کے ساتھ موافقت اور مخالفت میں میانہ روی کا راستہ چلے اور ہر ایک بات میں حق کی پیروی رکھے تاکہ ان کے شر سے محفوظ رہے کہ ان کے داؤ برے ہیں اور خرابی فاش ہے اور ان کے مزاج پر بدخلقی اور عقل کا کم ہونا غالب ہے اور یہ بات ان کے اعتدال پر اسی وقت آئے گی کہ کچھ لطف ان کے ساتھ کیا جاوے اور کچھ ریاست برتی جاوے ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است — چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

اور آنحضرت[۷۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ نیک بخت عورت عورتوں میں ایسی ہے کہ جیسے سو کوؤں میں سفید پیٹ کا کوا۔ اور لقمانؑ نے جو اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی اس میں یہ بھی تھا کہ بیٹا بری عورت سے بچنا کہ وہ بڑھاپے سے پہلے تجھ کو بوڑھا کر دے گی اور شریر عورتوں سے کنارہ کرنا کہ وہ تجھ کو کوئی نیک کام کرنے کو نہ کہیں گی اور نیک بخت عورتوں سے ڈرتے رہنا۔ اور آنحضرت[۷۲] صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین بلاؤں سے پناہ مانگو اور ان میں سے ایک کو زن بد ارشاد فرمایا کہ وہ بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دیگی[۷۳] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تو اس کے پاس جاوے تو گالی دے اور جب اس کے پاس نہ ہو تو تیری خیانت کرے اور ان عورتوں کے حق میں جو بہتر سب عورتوں سے ہیں یعنی اپنی ازواج طاہرات کو ارشاد فرمایا[۷۴] انتن صوٰاحبات یوسفُ مترجم کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض سخت

۷۱ طبرانی بروایت ابی امامہ بسند ضعیف اور نسائی نے کبریٰ میں بروایت عمرو ابن العاص۔ صحیح اس طرح نقل کیا ہے اسی مضمون کے قریب ۱۲۔ ۷۲ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف ۱۲۔ ۷۳۔ طبرانی بروایت افضالہ بن عبید ۱۲۔ ۷۴ تم یوسف علیہ السلام کے ساتھ والیاں ہو ۱۲ بخاری بروایت عائشہؓ

میں مبتلا ہوئے اور طاقت نماز پڑھانے کی نہ رہی تو ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھاوے حضرت عائشہؓ نے
عرض کیا کہ میرا باپ نرم دل بہت ہے جب آپ کی جگہ خالی دیکھے گا تو بے تاب ہو جاوے گا اس وقت[۱] آپ نے یہ جملہ
ارشاد فرمایا یعنی تم جو ابو بکرؓ کو نماز کی امامت نہیں کرنے دیتی ہو تو یہ امر حق بات سے خواہش نفس کی طرف رغبت کرنا
ہے اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز آپ کی ازواج نے فاش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
نازل فرمائی ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما[۱] یعنی تمہارے دل میل کر گئے اور یہ آپ کی ازواج میں
سے بہتر کی شان میں ارشاد فرمایا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔ لا یفلح قوم تملکھم امرءۃ[۲] اور
حضرت عمرؓ کو جب ان کی بی بی نے جواب دیا تو آپ نے اس کو جھڑکا اور فرمایا کہ تو گھر کے کونے میں ایک کھلونے
کی طرح ہے اگر ہم کو تیری حاجت ہوئی تو خیر ورنہ چپ چاپ بیٹھی رہا کر غرض کہ عورت میں دو امر ہوتے ہیں ایک
برائی دوسری کمزوری اور اس کی برائی کا علاج تو سیاست اور خشونت ہے اور اس کمزوری کا علاج دل لگی کرنا
اور رحم کرنا ہے تو جس طرح طبیب ماہر جتنا مرض دیکھتا ہے اتنا ہی علاج کرتا ہے اسی طرح اول آدمی کو عورت
کی عادات کا حال تجربہ سے معلوم کرنا چاہیئے پھر اس سے ویسا معاملہ برتنا چاہیئے جیسا کہ اس کا حال مقتضی ہو
پانچواں آداب غیرت میں اعتدال رکھتا ہے یعنی جن امور کی خرابی کا اندیشہ ہو ان کی ابتدا سے غفلت نہ کرنی
اور عورتوں پر بدگمانی اور باطن کی تلاش میں مبالغہ نہ کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے خفیہ امور
کے درپے ہونے سے منع[۳] فرمایا ہے اور بعض روایتوں میں یوں ہے کہ عورتوں کے پاس اچانک چلے جانے سے
منع فرمایا ہے اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کسی سفر سے مراجعت[۴] فرمائی تو مدینہ منورہ میں
داخل ہونے سے پیشتر ارشاد فرمایا کہ رات کو عورتوں کے پاس مت جانا اس حکم کے خلاف دو شخص آگے بڑھ
گئے اور ہر ایک نے اپنے گھر بری بات دیکھی اور ایک حدیث مشہور میں ہے[۵] المرأۃ کالضلع ان قومتہ
کسرتہ فدعہ تستمتع بہ علی عوج اور یہ عورت کے اخلاق کی تہذیب میں ارشاد فرمایا اور نیز فرمایا
[۶] ان من الغیرۃ یبغضھا اللہ عز وجل وھی غیرۃ الرجل علی اھلہ من غیر ریبۃ اس

---

[۱] اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے ۱۲۔ [۲] نہیں فلاح ہوگی اس قوم کو جن کی مالک اور حاکم عورت ہو ۱۲ بخاری
بروایت ابی بکرؓ نحوہ ۱۲ ع قولہ اس وقت اقول اس وقت نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ کے عذر پر آپ نے فرمایا کہ نہیں تم ابو بکر سے کہو کہ نماز پڑھادیں
تب عائشہؓ نے حفصہ سے کہا کہ تم جا کر کہو حفصہ نے جا کر کہا کہ ابو بکر بہت نرم دل ہیں عمرؓ کو حکم ہو تب آپ نے فرمایا کہ تم یوسف کے معاملہ والی
عورتوں کی طرح ہو جاؤ ابو بکر سے کہو کہ نماز پڑھادیں حفصہ نے عائشہؓ سے کہا کہ تیری ذات سے مجھے کبھی بھلائی نہ ملی ۱۲ سید صدیق احمد
[۳] طبرانی در اوسط بروایت جابرؓ ۱۲ [۴] احمد بروایت ابن عمر [۵] عورت مثل پسلی کی ہڈی کے ہے اگر اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ دو گے
پس اس کو چھوڑ دو اور ٹیڑھی سے نفع لو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ ۔ [۶] غیرت میں سے ایک وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ناپسند ہے اور
وہ غیرت آدمی کی ہے اپنی زوجہ پر بدوں کسی شک کے ابوداؤد ونسائی و ابن حبان بروایت جابر بن عتیک ۱۲

لئے کہ ایسی غیرت از قبیل بد گمانی ہے جس کی ہم کو ممانعت ہے کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنی گھر والی پر زیادہ غیرت نہ کرو ایسا نہ ہو کہ تمہاری ہی سبب سے وہ بدگمان ہو جاوے اور غیرت اپنے موقع پر اچھی چیز ہے وہ آدمی میں ضرور ہونی چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غیرت کرتا ہے اور ایماندار غیرت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی غیرت ایک یہ ہے کہ اس نے جو چیز آدمی پر حرام فرمائی آدمی اس کا مرتکب[۷۲] ہو اور نیز فرمایا کہ تم لوگ سعد کی غیرت سے کیا کرتے ہو میں بخدا سعد کی نسبت کر زیادہ غیرت رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا باعث ہے کہ اس نے ظاہر اور باطن کی برائیوں کو حرام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی نسبت کر کوئی ایسا نہیں کہ جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے مبعوث فرمائے اور نہ کوئی ایسا ہو کہ اس سے بڑھ کر اس کو تعریف پسند ہو اور یہیں جہت جنت کا وعدہ فرمایا اور ایک[۷۳] حدیث میں ارشاد فرمایا کہ میں نے شب معراج میں جنت کے اندر ایک محل دیکھا اور اس کے صحن میں ایک لونڈی تھی میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے کسی نے جواب دیا کہ عمر کا ہے میں نے چاہا کہ اس کو دیکھوں مگر اے عمرؓ مجھ کو تیری غیرت یاد آئی حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہا کہ میں کیا آپ پر غیرت کروں گا حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے کہ کیا تم اپنی عورتوں کو چھوڑ دیتے ہو کہ بازاروں میں کافروں سے رگڑ کر چلیں خدا تعالیٰ برا کرے اس کا جو غیرت نہ رکھتا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۷۴] اِنَّ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُهُ اللّٰهُ وَمِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُهُ اللّٰهُ فَاَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِي يُحِبُّهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيْبَةِ وَالْغَيْرَةُ الَّتِي يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ رِيْبَةٍ وَالْاِخْتِيَالُ الَّذِي يُحِبُّهُ اللّٰهُ اِخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَعِنْدَ الصَّدَقَةِ وَالْاِخْتِيَالُ الَّذِي يُبْغِضُهُ اللّٰهُ الْاِخْتِيَالُ فِي الْبَاطِلِ اور نیز فرمایا کہ میں غیرت والا ہوں اور جو مرد کہ غیرت نہ کرتا ہو وہ اندھے دل کا آدمی ہے اور غیرت کی ضرورت نہ ہونے کی یہ تدبیر ہے کہ اس کے پاس مرد نہ آویں اور نہ بازاروں میں نکلے اور آنحضرت[۷۵] صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ عورت

---

۷۱ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ ۱۲ ۷۲ بخاری و مسلم بروایت مغیرہ ۱۲ ۷۳ بخاری و مسلم عمر فاروقؓ اس میں معراج کی شب کا ذکر نہیں نہ ذکر لونڈی کا بلکہ لونڈی کا ذکر صحیحین میں بروایت ابی ہریرہؓ آیا ہے ۱۲ ۷۴ غیرت میں سے ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور ایک وہ ہے جو اس کو مبغوض ہے تو جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ غیرت شک کے مقام میں ہے اور جس کو ناپسند کرتا ہے وہ غیرت بدون شک کے ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ آدمی کو تکبر ہے اپنے دل میں قتال کے وقت اور صدقہ کے وقت اور جس تکبر کو ناپسند کرتا ہے وہ امر باطل پر تکبر کرنا ہے ۱۲ ابو داؤد و نسائی و ابن حبان و جابر ابن عتیکؓ ۱۲ ۷۵ اول جگہ کی پسند او پر گذری اور پچھلا جملہ ابو عمر فوقانی نے بروایت عبداللہ بن محمد روایت کیا ہے۔

کے لئے کونسی چیز بہتر ہے انہوں نے عرض کیا کہ بہتر یہ ہے کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ کوئی مرد اس کو دیکھے آپ نے انکو چھاتی سے لگالیا اور فرمایا[1] شِنْشِنَۃٌ اَعْرِفُھَا مِنْ اَخْزَمَ یعنی کیوں نہ ہو کس باپ کی بیٹی ہے اور اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیواروں کے نابدان اور سوراخ بند کر دیا کرتے تھے کہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاذؓ نے اپنی بی بی کو روشن دان سے جھانکتے ہوئے دیکھ کر سزا دی اور ایک دفعہ دیکھا کہ ان کی بی بی نے ایک سیب میں سے کچھ کھا کر بقیہ ان کے غلام کو دے دیا آپ نے اس پر بھی سزا دی اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو عمدہ پوشاک نہ دو گھروں میں بیٹھی رہیں گی۔ اور یہ اس لئے فرمایا کہ عورتیں خراب خستہ حالت میں باہر جانے کی رغبت نہیں کرتیں گویا یہ مثل فارسی حضرت عمرؓ کے قول سے ماخوذ ہے عصمت بی بی بے چادری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی بیبیوں کو گھروں میں رہنے کی عادت ڈالو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دی تھی اور اب بڑھیوں کے سوا اوروں کو اجازت نہ ہونی بہتر ہے بلکہ یہ امر صحابہؓ کے زمانہ میں بھی قرین صواب تھا یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا[1] کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں معلوم ہوتیں جو آپ کے بعد عورتوں نے پیدا کی ہیں تو ان کو باہر نکلنے سے بے شک منع فرماتے اور جب کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث بیان کی لَا تَمْنَعُوا[2] اِمَاءَ اللّٰہِ مَسَاجِدَ اللّٰہِ تو ان کے کسی لڑکے نے کہا کہ ہم تو بخدا ان کو منع کریں گے پس آپ نے اس کو مارا اور غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تو میرا کہنا نہیں سنتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے ہیں پھر اس کے نہ ماننے کے کیا معنی۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے لڑکے نے جو مخالفت پر جرأت کی تو یہی وجہ تھی کہ زمانے کے بدل جانے کا حال ان کو معلوم تھا اور ان کے پدر بزرگوار کی خفگی کا یہ سبب تھا کہ بظاہر لفظ مخالف حدیث منہ سے نکالا اور کچھ عذر بیان نہ کیا اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عید میں بالخصوص نکلنے کی اجازت دی تھی مگر مشروط باجازت اپنے خاوندوں کے اور اس زمانہ میں بھی پارسا عورت کو باجازت اپنے شوہر کے نکلنا مباح ہے مگر نہ نکلنے میں احتیاط زیادہ ہے اور عورت کو چاہئے کہ بدون کسی امر ضروری کے نہ نکلے کیونکہ تماشوں اور غیر ضروری کاموں کے لئے نکلنا شرافت کا مخل ہے اور بعض اوقات فساد بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے پھر اگر گھر سے نکلے تو چاہئے کہ مردوں اور عورتوں سے اپنے آنکھیں نیچی رکھے

---

[1] بزار اور دارقطنی در افراد بروایت علی مرتضےٰؓ بسند ضعیف ۱۲ ؎ یعنی یہ عادت ہے تو اس کو جانتا ہوں اخزم سے اخزم طائی ایک شخص باپ کا نافرمان تھا جب وہ مرگیا اس کے بیٹوں نے بھی دادا کی نافرمانی کی تو اس نے یہ جملہ کہا کہ تمہاری یہ عادت تمہارے باپ کی سی تم میں آئی ہے پھر یہ مثل ہوگئی جیسے ہندی میں مثل ہے باپ پر پوت پتا پر گھوڑا اور عربی میں ہے الولد سر لابیہ قشنہ ۱۲ معلوم نہیں یہ جملہ کہاں سے لکھا اور یہ شعر پڑھنا بھی آپ سے ثبوت نہیں بلکہ اصل میں یہ ہے ذریۃ بعضھا من بعض یہ اولاد پیغمبری ایک دوسرے سے چلے آتے ہیں اور یہی ٹھیک ہے ۱۲ امیر علی [1] بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ [2] اللہ تعالیٰ کی کنیزوں کو اسکی مسجدوں سے مت روکو۔

اور یہ ہم نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے حق میں داخل ستر ہے جیسے عورت کا چہرہ مرد کے حق میں ہے بلکہ اس کو ایسا جاننا چاہیئے کہ جتنا امرد کا چہرہ مرد کے حق میں ہے کہ فتنہ کے خوف کی حالت میں دیکھنا حرام ہے اور اگر خوف فتنہ نہیں تو حرمت بھی نہیں اس لئے کہ مرد زمانہ پیشین میں ہمیشہ کھلے منہ پھرتے تھے اور عورتیں نقاب ڈال کر نکلتی تھیں اگر مردوں کے چہرے سے عورتوں کے حق میں داخل ستر ہوتے تو مردوں کو نقاب ڈالنے کا حکم ہوتا یا بدوں ضرورت عورتوں کو نکلنے سے منع کر دیا جاتا چھٹا ادب یہ ہے کہ نفقہ میں اعتدال کرے یعنی نفقہ تنگی کے طور پر دیوے اور نہ اس میں اسراف کرنا چاہیئے بلکہ متوسط طور پر دیوے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کُلُوا[۲] وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا اور فرمایا[۳] وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۴] خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ اور دوسری جا ارشاد ہے[۵] دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار انفقتہ فی رقبۃ و دینار تصدقت بہ علی مسکین و دینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی چار بیٹیاں تھیں آپ ان میں سے ہر ایک کے لئے ہر چار روز میں ایک درم کا گوشت مول لے دیا کرتے تھے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ سلف کے اکابر مردوں میں فراخ حال رہنے تھے اور لوازم خانگی اور کپڑوں میں میانہ روی اور متوسط چال برتتے تھے اور ابن سیرینؒ کا قول ہے کہ مرد کو مستحب ہے کہ ہر ہفتہ میں اپنے گھر والوں کے لئے فالودہ بنا دیا کرے اور ہر چند شیرینی کوئی ضروریات میں سے نہیں مگر اس کا بالکل ترک کر دینا عادت کے بخل میں داخل ہے اور مرد کو چاہیئے کہ اپنی بی بی سے کہہ دے کہ بچا ہوا کھانا اور وہ چیز جو رکھنے سے بگڑ جاوے خیرات کر دیا کرے کہ یہ خیرات کا ادنیٰ درجہ ہے اور عورت کو جائز ہے کہ اس قسم کی خیرات بدوں شوہر کے حکم صریح کے بھی کر دیا کرے اور مرد کو نہ چاہیئے کہ اپنے آپ عمدہ کھانا کھاوے اور گھر والوں کو اس میں سے نہ کھلاوے کہ یہ امر سینہ کو کینہ سے پر کرتا ہے اور اچھی طرح اہل و عیال کے ساتھ رہنے سے بعید ہے پس اگر مرد کو ایسی ہی تنہا خوری منظور ہو تو چاہیئے کہ چھپ کر کھاوے کہ گھر والوں کو اس کی اطلاع نہ ہو اور یہ بھی نہیں چاہیئے کہ گھر والوں کے سامنے ایسے کھانے کا ذکر کرے جس کا ان کو کھلانا منظور نہ ہو اور جب کھانا کھانے بیٹھے تو سب گھر والوں کو اپنے ساتھ بٹھلاے کہ حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں کہ جس نے ایسا سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان گھر والوں پر رحمت بھیجتے

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت ام حبیبہ۔ [۲] ت کھاؤ اور پیو اور بے جا مت اڑاؤ ۱۲ [۳] ت اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا گردن کے ساتھ اور نہ کھول اس کو نرا کھولنا ۱۲ [۴] [۵] ت ایک دینار جس کو تو جہاد میں خرچ کرے اور ایک تو غلام آزاد کرنے میں اور ایک کو کسی مسکین پر صدقہ کرے اور ایک کو اپنے اہل پر خرچ کرے تو ان سب میں زیادہ ثواب اس دینار کا ہو گا جس کو تو اپنے اہل پر خرچ کرے گا ۱۲ مسلم بروایت ابو ہریرہؓ

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ہیں جو ایک جا ہو کر کھانا کھاتے ہیں اور نفقہ کے باب میں زیادہ تر لحاظ اس بات کا چاہیئے کہ عورت کو حلال کمائی سے کھانا کھلاوے اور اس کے نفقہ کی وجہ سے بری بری آمدنیوں میں مبتلا نہ ہوئے ورنہ اس صورت میں رعایت اہل درکنار بلکہ خطادار ٹھہرے اور ہم نکاح کی آفتوں کے بیان میں جو اخبار اس باب میں وارد ہیں ان کو بیان کر چکے ہیں ساتواں ادب یہ ہے کہ مرد کو حیض کے احکام سیکھنے چاہئیں کہ اس عرصہ میں کس کس بات سے احتراز رکھنا واجب ہے اور عورت کو نماز کے احکام سکھانے چاہئیں کہ ان ایام میں کون سی نماز قضا پڑھے اور کونسی قضا نہ پڑھے کیونکہ قرآن مجید میں مرد کو حکم ہے کہ اپنی بی بی کو دوزخ سے بچاوے چنانچہ ارشاد ہے[ا] قوا انفسکم واھلیکم نارا اس لئے مرد پر لازم ہے کہ عورت کو اہل سنت کا عقیدہ سکھلائے۔ اور اگر اس نے بدعت پر کان دیا ہو تو اس کو اس کے دل سے دور کرے اور اگر دین کے معاملہ میں سستی کرتی ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراوے اور حیض اور استحاضہ کے مسائل میں سے جن کو اس کو ضرورت ہو تو بتا دے اور ہر چند استحاضہ کا علم بڑا ہے مگر تاہم عورتوں کو حیض کے احکام میں سے ان نمازوں کو ضرور بتا دینا چاہیئے جن کو وہ قضا پڑھے مثلاً اگر اس کو حیض مغرب سے پیشتر ایسی طرح بند ہوا ہو کہ ایک رکعت پڑھ سکتی ہے تو اس کو ظہر اور عصر کی قضا لازم ہے اور جس صورت میں کہ صبح کے ہونے سے ایک رکعت کی مقدار پیشتر بند ہوا ہو تو اس پر مغرب اور عشاء کی قضا چاہیئے اور یہ بات ایسی ہے کہ عورتیں اس کا لحاظ کم کرتی ہیں پھر جس صورت میں کہ شوہر اسکی تعلیم کا متکفل ہو تو اس کو جائز نہیں کہ مسائل کے پوچھنے کے لئے عالموں کے پاس جاوے اور اگر مرد کم علم ہو مگر اس کی طرف سے سوال کا جواب مفتی سے پوچھ کر اس کو کہہ دیتا ہے تب بھی اس کو باہر نکلنا درست نہیں اور اگر یہ امر بھی نہ ہو تب البتہ اس کو سوال کے لئے نکلنا جائز بلکہ واجب ہے اور مرد اگر منع کرے گا تو گنہگار ہوگا اور اگر اس قدر سیکھ چکی ہو کہ فرائض آ گئے ہوں تو پھر کسی مجلس وعظ میں خواہ سیکھنے کے لئے اس کو نکلنا بدوں اجازت شوہر کے درست نہیں اور جس صورت میں کہ عورت حیض اور استحاضہ کے احکام میں سے کوئی حکم نہ جانتی ہو اور اس پر عمل نہ کرے اور شوہر نے اس کو تعلیم نہ کیا ہو تو شوہر خود اس کے ساتھ جاوے ورنہ گناہ میں اس کا شریک ہوگا آٹھواں ادب۔ یہ ہے کہ جب مرد کے کئی بیبیاں ہوں تو چاہیئے کہ ان کے درمیان عدل کرے اور ایک طرف زیادہ نہ جھکے اور ایسی صورت میں اگر سفر کو نکلے اور ان میں سے ایک

بقیہ حاشیہ ۵؎ یہ ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ عورتوں کو رات میں مسجد میں جانے کی اجازت دو۔ یہ بخاری و مسلم میں ہے۔ ۶؎ امرد جس کے داڑھی مونچھ نہ نکلی ہو ۷؎ رعایت الخ اصل میں یوں ہے کہ ایسا کرنے میں اہل و عیال کی رعایت نہیں بلکہ ان پر خیانت ہے یعنی گناہ میں مبتلا کرنا ۱۲

[ا] بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو۔

کو ساتھ لے جانا چاہے تو چاہیئے کہ قرعہ ڈال کر جس کا نام نکلے اس کو ساتھ لے کہ آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے پھر اگر کسی بی بی کی باری چھوڑ دے تو اس کی قضا کرے کہ باری کا قضا کرنا اس پر واجب ہے اور بیبیوں کی کثرت کی صورت میں عدل کے احکام جاننے کی ضرورت ہے جن کا بیان طویل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[۲] مَن کان لہ امرأتان فمال الی احدھما دُوْنَ الْاُخْریٰ جاءَ یَوْمَ القیٰمۃ وَ اَحَدُ شقیہ مائل اور ایک روایت میں ہے بجائے مال الی احدھما کے لم یعدل بینھما ہے یعنی دونوں میں عدل نہ کیا ہو اور مہر دینے پر عدل صرف دینے اور سونے میں واجب ہے مگر دوستی اور صحبت میں واجب نہیں کیونکہ یہ امر آدمی کے اختیار میں داخل نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَنْ[۳] تستطیعوا ان تعدلوا بین النّسَاءِ ولو حرصتم یعنی خواہش قلبی اور جی کی رغبت میں عدل کرنا تمہاری قدرت سے باہر ہے اگرچہ تم اس پر حرص کرو اور صحبت بھی اس کے تابع ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلعم[۴] ازواج مطہرات کو نفقہ دینے اور رات کو ان کے پاس رہنے میں عدل فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ الٰہی جس چیز میں میرا قابو ہے اس میں میری کوشش یہ ہے جو میں نے کی اور جس چیز کا مالک تو ہے اور میرے بس کی نہیں اس کی طاقت مجھ کو نہیں یعنی محبت قلبی میرے اختیار میں نہیں اور حضرت عائشہ رض سب ازواج طاہرات کی نسبت کر آپ کو زیادہ محبوب تھیں اور سب اس بات کو جانتی تھیں[۵] اور مرض اخیر میں ہر روز آپ کی چارپائی جس بی بی کی نوبت ہوتی تھی اس کے یہاں پہنچا دیتے تھے آپ رات کو رہتے اور پوچھتے کہ صبح میں کہاں رہوں گا ایک بی بی نے ان میں سے جان لیا کہ آپ کی مرضی حضرت عائشہ رض کی باری پوچھنے سے ہے پھر سب بیبیوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو اجازت دی کہ آپ حضرت عائشہ رض کے گھر میں رہیں کہ ہر شب اٹھا کر پہنچانے میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ سب اس امر پر راضی ہیں عرض کیا کہ سب راضی ہیں فرمایا کہ مجھ کو عائشہ رض کے گھر لے چلو۔ اور جب کوئی عورت اپنی باری دوسری کو بخش دے اور شوہر بھی راضی ہو جاوے تو اس کا حق ثابت ہو جاوے گا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[۶] نے ام المومنین سودہ رض کو عمر کے زیادہ ہونے کی جہت سے طلاق دینے کا ارادہ فرمایا انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رض کو

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رض ۱۲۔ [۲] جس شخص نے دو بیبیاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو نہ کہ دوسری کی طرف تو وہ قیامت میں ایسی طرح آوے گا کہ اس کا نصف بدن یعنی ایک جانب جھکی ہوگی ۱۲۔ ابو داؤد و ابن ماجہ و نسائی بروایت ابوہریرہ رض اور دوسری روایت کو ترمذی نے بروایت ابی ہریرہ رض ذکر کیا ہے ۱۲۔ [۳] اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کا شوق کرو ۱۲ [۴] اصحاب سنن و ابن حبان بروایت عائشہ رض ۱۲ [۵] بخاری و مسلم و ابن عمرو بن عاص ۱۲ [۶] ابن سعد در طبقات بروایت ابن باقر عن ابیہ عن جدہ علیہ السلام اور بخاری میں بروایت عائشہ رض آپ کا سوال فرمانا اور ازواج کا اجازت دینا منقول ہے اور صحیحین میں ہے کہ جب آپ مریض ہوتے اور ازواج نے میرے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی [۷] ابو داؤد بروایت عائشہ رض اور اس میں جملہ اخیر نہیں اس کو بیہقی نے مرسلاً ذکر کیا ہے ۱۲

ہبہ کردی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی درخواست کی کہ مجھ کو طلاق نہ دیجئے تاکہ قیامت میں آپ کی بیبیوں کے زمرہ میں میرا حشر ہو آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور نوبت ان کے لئے مقرر نہ فرماتے تھے بلکہ حضرت عائشہ رضؓ کی نوبت دو راتیں اور باقی بیبیوں کی ایک ایک رات فرماتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حسن عدل اور قوت کے باعث صحبت میں عدل فرماتے تھے یعنی اگر اپنی بیبیوں میں سے کسی پر آپ کا نفس راغب ہوتا اور اس کی باری اس روز نہ ہوتی اور اس سے آپ صحبت کرتے تو اس روز یا اس شب میں سب بیبیوں سے صحبت فرماتے جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شب میں اپنی سب ازواج سے صحبت فرمائی[۱] اور حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن میں دوپہر کے وقت نو بیبیوں سے صحبت کی۔ نواں ادب یہ ہے کہ جس صورت میں زن وشوہر میں جھگڑا واقع ہو اور اتفاق کی صورت جاتی رہے تو اگر ناموافقت دونوں کی طرف سے ہو خواہ مرد کی جانب سے تو اس صورت میں نہ تو عورت کو اپنے شوہر پر قابو اور نہ مرد کو عورت کے درست کرنے کا اختیار ہے اس لئے دو پنچوں کا ہونا ضرور ہوا ایک تو شوہر کے گھرانے کا اور ایک دوسرا عورت کے گھرانے کا کہ وہ دونوں پنچ ان دونوں کا حال دیکھ کر اگر آپس میں صلح چاہتے ہوں تو صلح کرادیں اور حضرت عمر رضؓ نے زن وشوہر میں صلح کرنے کیلئے ایک حکم فرمایا وہ شخص واپس آیا اور اصلاح نہ کی آپ نے درہ سے اس کی خبر لی اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا یعنی اگر زن وشوہر کو صلح کرنی منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت پیدا کردے گا پھر تو بدوں صلح کرائے کیسے چلا آیا وہ شخص دوبارہ گیا اور نیت کو درست کر کے مرد وعورت سے ملائمت پیش آیا اور دونوں میں صلح کرادی اور اگر نافرمانی خاص عورت کی جانب سے ہو تو مرد عورتوں پر زبردست ہیں مرد کو چاہئے کہ اس کو ادب دیوے اور زبردستی اس کو فرمانبردار کرے اور اسی طرح اگر عورت نماز نہ پڑھتی ہو تو مرد کو چاہیئے کہ اس سے زبردستی نماز پڑھواوے لیکن تادیب میں تدریج کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ اول نصیحت کرے اور عذاب اُخروی اور اپنی سزا سے ڈرادے اور اگر یہ امر مفید نہ ہو تو سونے میں اس کی طرف پشت پھیر کر لیٹے یا اپنا بستر علیحدہ کرے مگر ایک ہی گھر میں رہے اور تین راتوں تک یہی معاملہ کرے اور اگر یہ بھی اس کو اثر نہ کرے تو ایسی طرح مارے کہ اس کو تکلیف تو ہو لیکن زخم نہ پہنچے اور نہ ہڈی ٹوٹے اور منہ پر نہ مارے کہ اس سے ممانعت[۲] ہے۔ اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت[۳] میں عرض کیا کہ عورت کا حق مرد پر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جب آپ کھاوے اس کو کھلاوے اور جب آپ پہنے اس کو پہنادے اور اس کو یوں کہے کہ خدا تیرا منہ بُرا نہ کرے اور اس کو جب مارے تو سخت نہ مارے اور اس کے پاس سونے سے علیحدگی کرے تو اسی گھر میں رہے اور مرد کو درست ہے کہ عورت کے دین کے امور میں سے کسی پر غصہ کر بیٹھے تو پاس سونا دس بیس روز خواہ مہینہ بھر چھوڑدے اور یہ امر آنحضرت

---

[۱] بخاری ومسلم بالفاظ مختلف ۱۲۔ [۲] ابن عدی در کامل ۱۲ [۳] ابن ماجہ ونسائی وکبریٰ بروایت معاویہ بن حیدہ ۱۲ [۴] ابو داؤد وابن ماجہ بروایت معاویہ بن حیدہ۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کیا ہے یعنی جب آپ نے ام المومنین زینب رضؓ کے پاس کچھ تحفہ[۱] بھیجا اور انہوں نے اس کو ہٹا دیا تو جس بی بی کے گھر میں آپ تشریف رکھتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی زینب نے بے قدری کی کہ آپ کا تحفہ پھیر دیا آپ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ذلیل ہو اس سے کہ میری بے قدری کرو پھر آپ مہینہ بھر تک اپنی سب بیبیوں پر غصہ ہوئے بعد ایک مہینہ کے ان کے پاس گئے[۲] دسواں ادب صحبت کے آداب میں ہے مستحب ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرے اور پہلے سورہ اخلاص پڑھے اور تکبیر اور تہلیل پھر یوں کہے۔ بسم[۵] اللہِ الْعَلِیِّ العظیم اللّٰھم اجعلھا ذریۃ اِن کُنْتَ قَدَّرْتَ اَنْ تخرج ذٰلِکَ من صُلْبِیْ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] اِنَّ اَحَدَکُم اِذَا اَتٰی اَھْلَہٗ قَالَ اَللّٰھُمَّ اجْنُبْنِیْ الشَّیطَانَ وَجنب الشیطان ما رزقتنا فان کان بینھما ولد لم یضرہ الشیطان غرضکہ یہ پڑھ کر صحبت کرے اور جب انزال کے قریب ہو تو اپنے جی میں یہ پڑھے اور ہونٹ نہ ہلیں الحمد[۵] للہ الذی خلق من الماءِ بَشَرًا فجعلہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا[۱] اور بعض اصحاب حدیث اللہ اکبر ایسے پکار کر کہتے کہ گھر والے ان کی آواز سنتے۔ اور صحبت کے وقت قبلہ کی جانب سے ہٹ جاوے کہ تعظیم قبلہ اسی کی مقتضی ہے اور چاہیئے کہ اپنے آپ کو اور اپنی بی بی کو کسی کپڑے سے ڈھانپ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ[۱۱] وسلم اپنا سر مبارک ڈھانپ لیتے تھے آواز پست کر لیتے تھے اور بی بی سے ارشاد فرماتے تھے کہ وقار کے ساتھ رہو۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب میاں بی بی صحبت کیا چاہیں تو گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں اور صحبت کے پیشتر گفتگو کرنی اور بوسہ دینا چاہیئے آنحضرت صلعم[۲] نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی بی بی پر اس طرح نہ جا پڑے جیسے چوپایہ پڑتا ہے بلکہ زن و شوہر میں اول ایلچی ہونا چاہیئے۔ لوگوں[۳] نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایلچی کیا ہے آپ نے فرمایا کہ بوسہ اور کلام اور فرمایا کہ مرد میں تین باتیں عاجزی پر دال ہیں اول یہ کہ جس کی آشنائی پسند کرتا ہو اس سے ملاقات کرے اور پیشتر اس سے کہ اس کے نام اور نسب سے واقف ہو اس سے جدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص اس کی تعظیم

---

[۱] ابن ماجہ بروایت عائشہ رضؓ بہ سند ضعیف اور قصہ مہینہ بھر ازواج کے چھوڑ دینے کا صحیحین میں بروایت عمر فاروق رضؓ مذکور ہے کہ آپ نے سب پر غصہ ہو کر قسم کھائی تھی کہ مہینہ بھر ان کے پاس نہ جائیں گے [۲] لمہ اگر زن و شوہر الخ مصنف رحؒ نے ضمیر کو دونوں حکم کی جانب رکھا اور اسی پر حضرت عمر رضؓ کا قول بطور شہادت پیش کیا اس واسطے جب اس حکم نے نیت درست کی تو اللہ تعالیٰ نے زن و شوہر میں موافقت پیدا کر دے خلاصہ یہ کہ اگر دونوں پنچ جو حکم بن کر گئے ہیں اصلاح کی ہمت کریں گے تو اصلاح ہو جائے گی ۱۲ امیر علی [۲] اگر تم میں سے کوئی اپنی بی بی سے صحبت کرے اور یہ دعا پڑھے کہ الٰہی علیحدہ رکھ مجھ کو شیطان سے اور شیطان کو اس سے جو تو نے ہمکو دیا تو اگر ان دونوں میں کوئی بچہ پیدا ہو گا تو اس کو شیطان ضرر نہ کرے گا۔ ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس رضؓ [۳] خطیب بروایت ام سلمہ بسند ضعیف ۱۲ [۴] ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت انس رضؓ اور یہ حدیث منکر ہے ۱۲ [۵] ابو منصور دیلمی بروایت انس رضؓ باختصار ۔ [۶] شروع ہے اللہ بزرگ و برتر کے نام سے الٰہی اگر تو نے میری قسمت میں لکھا ہے کہ میری پشت سے اولاد ہو تو اس نطفہ کو اولاد اچھی بنا دینا ۱۲۔ [۷] حمد ہے اس اللہ کو جس نے بنایا پانی سے آدمی ٹھہرایا اس کو رشتہ جاری اور سسرال ۱۲ [۸] ابن ماجہ بروایت عقبہ بسند ضعیف ۱۲ [۹] یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

کرے اور کچھ ہدیہ دیوے اور یہ وہ چیز نہ لیوے اور ہٹا دیوے تیسرے یہ کہ اپنی لونڈی خواہ بی بی سے صحبت کرنی چاہے اور بدوں اس بات کے کہ اس سے بات کرے اور انس پیدا کرے اور پاس لیٹے اس سے صحبت کرنے لگے اور حاجت پوری کرے، اس کی حاجت پوری نہ ہونے دے۔ اور تین راتوں میں صحبت کرنی مکروہ ہے ایک مہینہ کی اوّل شب دوم آخر شب سوم پندرھویں شب کہتے ہیں کہ ان تین راتوں میں صحبت کے وقت شیطان موجود ہوتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ان راتوں میں شیطان صحبت کیا کرتے ہیں　　اور اس امر کی کراہت ان راتوں میں حضرت علی اور معاویہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور بعض علماء نے جمعہ کے دن اور اس کی شب میں صحبت کو مستحب کہا ہے اس حدیث کے ایک معنی کے لحاظ سے [ف] رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ غَسَّلَ وَ اغْتَسَلَ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ پھر جب مرد کو انزال ہو جائے تو چاہیئے کہ اسی طرح کچھ ٹھہرا رہے تاکہ عورت کا مطلب بھی پورا ہو جاوے کیونکہ بعض اوقات عورت کو انزال دیر کر ہوتا ہے تو اس وقت مرد کا اس سے کنارہ کرنا اس کو ایذا دینا ہے اور انزال میں سرشت کی رو سے اختلاف ہونا دیر نفرت کا باعث ہوتا ہے بشرطیکہ مرد کو انزال پیشتر ہوتا ہو اور انزال کا ایک ساتھ ہونا عورت کو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اس صورت میں مرد کو عورت کے انزال کی خبر نہیں ہوتی ورنہ وہ مرد کی اطلاع سے حیا کرتی ہے اور مرد کو چاہیئے کہ ہر چار روز میں ایک بار عورت کے پاس آوے۔ کیونکہ عورتوں کی تعداد چار ہو سکتی ہے اور سب میں عدل کے لحاظ سے اس حد تک تاخیر جائز ہے ہاں اس حد سے زیادہ اور کم کر سکتا ہے بلحاظ عورت کی حاجت کے اور اس کے پارسا رکھنے کے اس لئے کہ عورت کا عفیفہ رکھنا مرد پر واجب ہے گو صحبت کا مطالبہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مطالبہ اور اس کا پورا کرنا مشکل ہے اور ایام حیض میں اور ان کے گزرنے کے بعد نہانے سے پیشتر عورت سے صحبت نہ کرے کہ نص قرآنی سے اس کی حرمت ثابت ہے اور کہتے ہیں کہ اس سے اولاد مجذوم یعنی کوڑھی ہو جاتی ہے اور سوائے صحبت کے ایام حیض میں عورت کے تمام بدن سے فائدہ لینا جائز ہے اور پشت کی طرف صحبت کرنی یعنی لواطت درست نہیں اس لئے کہ حیض والی عورت سے صحبت کرنی ایذا کی جہت [ف] سے حرام ہوئی ہے اور دوسرے مقام میں صحبت کرنے سے ہمیشہ تکلیف ہوتی ہے تو اس کی حرمت زیادہ سخت ہے بہ نسبت حیض والی کی صحبت کے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ اسکے یہ معنی ہیں کہ جس وقت چاہو اپنی

[ف] اس کے تین معنی کہتے ہیں ایک یہ کہ غسل کو باب تفعیل سے کہیں تو یہ معنی ہوئے خدا رحم کرے اس پر جو نہاوے یعنی اپنی بی بی سے صحبت کرے جمعہ سے پیشتر تاکہ وہ نہاوے اور جو غسل جنابت اور جمعہ کرے دوم یہ کہ غسل ماضی ثلاثی مجرد ہو تو یہ معنی کہ وضو کرے اور نہاوے یا یہ غسل جنابت بجا لاوے اور غسل جمعہ کرے سوم یہ کہ دونوں کے معنی ایک ہیں تاکید اً مکرر آئے ہیں ۱۲ منہ الحمد [ف] اس کی سند باب الصلوٰۃ کی فصل پنجم میں گزر گئی ۱۲ [ف] ایذا الخ اصل کتاب میں موافق قرآن کے اذی ہے اور مراد اس سے گندگی ہے اور مقعد کی صحبت میں یہ گندگی دائمی ہے اور اس سے ایذا مراد نہیں ہے ورنہ یہ کثرت ایسے مخنث ہیں کہ بجائے ایذا کے خواہش مند ہوتے ہیں مگر گندگی سے حرام ہے ۱۲ سید صدیق احمد

کھیتی کو آ ۔ یہ غرض نہیں کہ جس طرف سے چاہو صحبت کرو مترجم کہتا ہے کہ یہ مطلب مصنف نے لفظ حرث سے
نکالا یعنی کھیتی وہی ہے جس میں تخم ریزی سے کچھ اگے اور چونکہ دوسری طرف کی صحبت سے
یہ غرض حاصل نہیں ہوتی اس لئے وہ اس میں داخل بھی نہیں ہو سکتی اور مرد کو جائز ہے کہ عورت کے ہاتھ سے
اپنی منی نکلوا دے اور سوائے صحبت کے پاجامہ کے اندر جس جگہ سے چاہے تمتع لے اور عورت کو چاہئے کہ
ایام حیض میں ناف سے لے کر گھٹنوں کے اوپر تک ایک کپڑا باندھ لے کہ مستحب ہے۔ اور مرد کو درست ہے
کہ ایام حیض میں عورت کے ساتھ کھانا کھاوے اور پاس لیٹنے وغیرہ میں اس سے میل رکھے یعنی اس سے
علیحدہ رہنا واجب نہیں اور اگر یہ منظور ہو کہ ایک بار صحبت کر کے پھر کرے تو چاہیئے کہ اپنا ذکر دھو ڈالے
اور اگر احتلام ہو جاوے اور اس کے بعد صحبت کرنا چاہے تو اول ذکر دھو ڈالے یا پیشاب کر لے اور بدون
ان دونوں باتوں میں سے ایک کے کرنے کے صحبت نہ کرے اور اول شب میں صحبت مکروہ ہے اس
نظر سے کہ ناپاکی کی حالت میں سونا نہ پڑے اور جس صورت میں کہ صحبت کے بعد سونا یا کچھ کھانا منظور ہو تو
چاہئے کہ نماز کے لئے جیسے وضو کرتے ہیں ویسے وضو کر لیوے کہ یہ امر مسنون ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ
فرماتے ہیں ۱؎ کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی ناپاکی کی حالت میں
سو سکتا ہے کہ نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اگر وضو کرے اور اس باب میں اجازت بھی وارد ہے حضرت
عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ۲؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت جنابت میں سو رہتے تھے بدون اس کے کہ پانی کو
ہاتھ لگاویں اور جب کہ اپنے بستر پر آوے تو اس کو پونچھ دے یا جھاڑ ڈالے اس لئے کہ اس کو کیا معلوم ہے کہ
پیچھے اس پر کیا چیز پڑ گئی ہوگی۔ اول جنابت کی حالت میں سر منڈانا اور ناخن کٹوانے اور استرہ لینا یا خون نکالنا یا اپنے بدن سے کوئی
. . . . چیز علیحدہ کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ یہ آخرت میں تمام اجزا اس کے پاس واپس آ دیں گے پس
ناپاک اجزا کا ملنا اچھا نہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ایک بال آدمی سے اپنی ناپاکی کا مطالبہ کرے گا۔ اور صحبت کے
آداب میں سے ہے کہ منی کا اخراج باہر نہ کرے بلکہ پانی کو کھیتی کی جگہ یعنی رحم میں ہی چھوڑے کہ جو روح خدا تعالیٰ
کو پیدا کرنی منظور ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گی پھر باہر انزال سے کیا فائدہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس باب میں ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ پھر اگر انزال باہر کرے تو علماء اس فعل کے
مباح و مکروہ ہونے میں چار مذہب مختلف رکھتے ہیں بعض ہر حال میں مباح مطلق فرماتے ہیں اور بعض ہر صورت میں
حرام کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ عورت کی رضامندی سے جائز ہے اور بدون اس کی رضامندی کے ناجائز ان
کا مطلب گویا یہ ہے کہ ایذا دینی حرام ہے نہ باہر انزال کرنا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ فعل لونڈی کے ساتھ میں درست

۱؎ بخاری و مسلم نے بروایت ابن عمرؓ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے سوال کیا تھا ابن عمرؓ نے ۱۲ ۲؎ ابو داؤد ترمذی و ابن ماجہ ۱۲

۳؎ بخاری و مسلم بروایت ابو سعید ۱۲ —

ہے آزاد عورت کے ساتھ صحبت کرنے میں درست نہیں اور ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ فعل مباح ہے اور اس میں کراہت بمعنی ترک اولیٰ ہے یعنی کراہت کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے ایک نہی تحریمی ایک نہی تنزیہی، ایک ترک اولیٰ تو اس فعل میں تیسرے معنوں کی کراہت ہے جیسے کہتے ہیں کہ مسجد میں بیٹھنے والے کو خالی بیٹھا رہنا بدوں ذکر اور نماز کے مکروہ ہے یا جو شخص مکہ معظمہ میں رہتا ہو اس کو ہر سال حج کا نہ کرنا مکروہ ہے تو اس جگہ بھی مکروہ کے معنی یہی ہیں کہ امر افضل اور اولیٰ کا ترک ہے اور جو فضیلت کہ اولاد کے باب میں ہم نے بیان کی ہے اس سے یہ مضمون پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے اور اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنی بی بی سے صحبت کرتا ہے تو اس کے لئے اس صحبت کے عوض میں اس مذکور بچے کا ثواب لکھا جاتا ہے جو خدا کی راہ میں لڑ کر مارا جاوے اور یہ اس لئے ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض اس کے ایسا ہی لڑکا پیدا ہو تو اس شخص کو اس کے سبب ہونے کا ثواب ملے گا باوجودیکہ بچے کا پیدا کرنے والا اور زندہ رکھنے والا اور جہاد پر قدرت دینے والا خدا تعالیٰ ہے مگر جو کام آدمی کا تھا یعنی سبب ظاہری بنجانا اور صحبت کا کرنا اس کو آدمی نے کیا اور اس کا صحبت کرنا بچہ کی پیدائش کا سبب جب ہی ہوگا کہ جب منی کو رحم کے اندر ڈالے گا اور یہ جو ہم نے کہا اس فعل میں کراہت تحریمی اور تنزیہی نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نہی کا ثبوت نص سے یا منصوص چیز پر قیاس کرنے سے ہو سکتا ہے اور یہاں نہ کوئی نص صریح ہے اور نہ کوئی اصل ہے جس پر قیاس نہیں کا کیا جاوے بلکہ ایک اصل ہے جس پر اباحت کا قیاس ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ سرے سے نکاح نہ کرنا یا نکاح کے بعد صحبت کو ترک کرنا یا دخول کے بعد انزال اندر نہ ہونے دینا کہ یہ سب باتیں افضل بات کے ترک کرنے کی ہیں نہ نہی کے ارتکاب کی اور ان تینوں میں کچھ فرق نہیں اس لئے کہ بچہ رحم میں نطفہ کے پڑنے سے بنتا ہے ، اور اس کے چار سبب ہیں اوّل نکاح دوم صحبت سوم بعد صحبت کے انزال تک توقف چہارم انزال کے بعد ٹھہرنا تاکہ نطفہ رحم میں پڑ جاوے اور ان سببوں میں سے کوئی سبب زیادہ قریب ہے بہ نسبت دوسرے کے پس چوتھی سبب سے رک رہنا ایسا ہے جیسا تیسرے سے رکنا اور تیسرا سبب دوسرے کے مانند ہے اور دوسرا اول جیسا ہے اور ان سببوں سے رکنا ایسا نہیں حمل کا گرانا اور زندہ بچہ کو داب دینا اسلئے کہ یہ دونوں صورتیں ایک موجود چیز پر ستم کرنے کی ہیں پھر اس کے بھی کئی مراتب ہیں کیونکہ وجود کے مراتب ہیں سے اوّل یہ ہے کہ نطفہ رحم میں واقع ہو اور عورت کی منی سے مل کر زندگی کی قابلیت بہم پہنچاوے اس حالت میں اس کا تلف کرنا خطا ہے پھر اگر وہ نطفہ خون منجمد گوشت کا لوتھڑا ہو جاوے تو خطا پہلے کی نسبت کر زیادہ ہوگی اور جب پیدائش کامل ہو جاوے اور روح بھی پڑ جاوے تو اس وقت میں ضائع کرنا اور برا ہوگا اور سب سے زیادہ قصور اسی وقت ہوگا کہ بچہ جب زندہ ماں کے پیٹ سے علیحدہ ہو جاوے اور اسوقت اسکو تلف کیا جاوے ۔ اور وجود

؎ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ۔

کے مراتب کا ثمرہ سنا جو ہم نے رحم میں نطفہ کے پڑنے کو کہا اور منی کے جدا ہونے کو سوراخ ذکر سے نہ کہا اسکی وجہ یہ ہے کہ بچہ صرف مرد کی منی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ زن وشوہر دونوں کے پانی ملنے سے یا مرد کے پانی اور خون حیض سے پیدا ہوتا ہے بعض اہل تشریح نے لکھا ہے کہ گوشت کا لوتھڑا خدا تعالیٰ کے حکم سے حیض کے خون سے بنتا ہے اور خون کو اس سے وہ نسبت ہے جو دودھ کو دہی سے اور خون حیض کے جمنے کے لئے مرد کا نطفہ شرط ہے جیسے جماون دودھ کے منجمد ہونے اور دہی بننے کے لئے شرط ہے تو جس طرح جماون سے دودھ بستہ ہو جاتا ہے اسی طرح مرد کے نطفہ سے خون حیض بستہ ہو جاتا ہے بہر حال عورت کا پانی نطفہ کے منجمد ہونے میں ایک رکن ہے اور دونوں پانی وجود انسانی میں ایسے ہیں جیسے معاملات کے وجود حکمی میں ایجاب وقبول ہوتے ہیں بس اگر کوئی شخص ایجاب کرے اور طرف ثانی کے قبول سے بیشتر اس سے پھر جاوے تو اسکے ذمہ قصور معاملہ کے فسخ کرنے خواہ توڑنے کا نہ ہوگا ہاں اگر ایجاب وقبول دونوں ہو چکیں گے تو اس وقت پھر جانا معاملہ کا برطرف کر دینا اور فسخ کرنا اور توڑنا کہلادے گا اور جس طرح کہ مرد کی پشت میں نطفہ رہنے سے لڑکا نہیں پیدا ہوتا اسی طرح بعد ذکر سے نکلنے کے بھی نہیں بنتا جب تک کہ عورت کے پانی یا خون حیض سے نہ ملے بغرضکہ اس باب میں قیاس جلی یہ ہے جو مذکور ہوا اب اگر یہ کہو کہ ہر چند باہر منی کا ڈالنا اس نظر سے تو مکروہ نہیں کہ اس فعل سے لڑکے کے وجود میں خلل ہوتا ہو مگر کچھ بعید نہیں کہ اس کی کراہت اس وجہ سے ہو کہ نیت فاسد کی جہت سے اس فعل کا مرتکب ہوا اسلئے کہ ایسی حرکت کا باعث خراب نیت ہی ہوگی جس میں کچھ شرک خفی کا شائبہ ہووے بس اس کا جواب یہ ہے کہ جو نیتیں اس فعل کا باعث ہوتی ہیں وہ پانچ ہیں اوّل تو لونڈیوں کے حق میں یعنی مرد کو یہ منظور ہوتا ہے کہ اس سے اولاد ہونے کی صورت میں مستحق آزادی کی ہو جاوے گی اور مال ہاتھ سے جاتا رہے گا اس لئے ایسی صورت کرنی چاہیئے کہ یہ ہمیشہ اپنے پاس رہے اور آزاد نہ ہو تو اپنی ملک کے تلف ہونے اسباب کو دور کرنا ممنوع نہیں. دوم عورت کا حسن وجمال بنا رہنا منظور ہوتا ہے کہ ہمیشہ موٹی تازی رہے اور زندہ رہے کہ درد زہ میں خطرہ بہت ہے پس اسطرح کہ نیت بھی ممنوع نہیں. سوم اولاد کی کثرت کے باعث زیادتی خرچ کا خوف کرنا اور اس بات سے بچنا کہ کمانے کی محنت نہ پڑے اور بری آمدنی کی جگہوں میں جانا نہ ہو. اور یہ بات بھی ممنوع نہیں اسلئے کہ خرچ کا کم ہونا دین پر مدد کرنا ہے ہاں فضل اور کمال اس میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کفایت رزق کی فرمائی ہے اس ارشاد میں وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا اس پر اعتماد اور بھروسہ کرے پس بلاشبہ اس تیسری قسم کی نیت کرنے سے کمال کے مرتبہ سے اور افضل بات کو چھوڑنا ہے لیکن انجام کار کا نظر کرنا اور مال کی حفاظت اور اس کا رکھ چھوڑنا گو کہ توکل کے خلاف ہے مگر ہم اس کو ممنوع نہیں کر سکتے. چہارم اس بات کا خوف کہ لڑکیاں پیدا ہوں گی اور ان کی شادی کرنے سے دامادی کا بٹہ لگے گا. جیسے عرب کے لوگ اسی وجہ سے لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے اور ہندوستان میں بھی یہ دستور بد بکثرت جاری تھا، تو اس نیت کی جہت سے اگر نکاح نہ کرے گا یا نکاح کے بعد صحبت چھوڑ دے گا

ت اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے۔

تو البتہ نیت خراب ہوگی اور گناہ گار ہوگا صرف نکاح چھوڑنے یا صحبت نہ کرنے سے گناہ نہیں بلکہ اس نیت بد کی جہت سے ہے اور یہی صورت منی کے باہر ڈالنے کی ہے کہ اس میں اگر یہ نیت ہوگی تو گناہ گار ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں عیب کا اعتقاد رکھنا نہایت خراب ہے اور اس صورت کو ایسا تصور کر لیا جاوے گا کہ کوئی عورت نکاح اس وجہ سے ترک کرے کہ مرد کا اس پر بیٹھنا اس کو ناگوار ہو تو گویا وہ مردوں سے مشابہت پیدا کرتی ہے اسی وجہ سے ترک نکاح اس کے حق میں برا اور یہ برائی خاص ترک نکاح پر راجع نہیں جب تک کہ کوئی نیت فاسد اسکے ساتھ نہ ہو پنجم یہ کہ عورت خود اندر انزال ہونے کی مانع ہو اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو عزت دار سمجھتی ہو اور ستھرائی میں اور درد زہ اور نفاس اور دودھ پلانے سے بچنے میں مبالغہ کرتی ہو۔ اور یہ عادت خارجیوں کی عورتوں کی تھی کہ پانی بہت استعمال کیا کرتیں اور ایام حیض کی نمازیں قضا پڑھتیں اور پاخانہ میں ننگی جایا کرتیں پس یہ حرکت بدعت اور سنت کے مخالف ہے اور اسطرح کی نیت خراب ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ جب بصرہ میں تشریف لائیں تو اس طرح کی ایک عورت آپ سے ملنے کو آئی مگر آپ نے اس کو اپنے پاس نہ آنے دیا غرضکہ اس نیت میں فساد ہے بچہ ہونے کو روکنے میں کچھ خرابی نہیں اب اگر یہ کہو کہ آنحضرت[۴] نے ارشاد فرمایا[۱] من ترک النکاح مخافة العیال فلیس منا اور تم ترک نکاح اور منی باہر ڈالنے کو یکساں کہتے ہو اور خوف عیال سے اس کو مکروہ نہیں بتاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لیس منا کے معنی یہ ہے کہ وہ شخص ہمارا موافق اور ہمارے طریق و سنت پر نہیں کہ ہماری سنت افضل بات کا بجالانا ہے پھر اگر یہ کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری جا اس حرکت کے باب میں ارشاد فرمایا[۲] ہے ذالک الواد الخفی اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی[۳] واذا الموؤدة سئلت اور یہ روایت حدیث صحیح میں وارد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایت صحیح میں اس فعل کی اباحت[۴] بھی اور آپکا فرمانا الواد الخفی یہ ایسا ہے جیساکہ الشرک الخفی فرمایا ہے اور اس سے کراہت ثابت ہوتی ہے کراہت تحریمی نہیں ثابت ہوتی۔ اب اگر یہ کہو کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ منی کا باہر ڈالنا چھوٹا سا زندہ درگور کرنا ہے کیونکہ اس حرکت سے جس بچہ کے وجود کو روکدیا وہ گویا چھوٹا سا زندہ درگور ہوا تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ ارشاد ایک قیاس ہے کہ وجود کو یقینی فرض کر کے اسکے دور کرنے کو زندہ درگور کرنا فرمایا اور یہ قیاس ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے جب حضرت علی رضؓ نے یہ قول سنا تو نہ مانا اور فرمایا کہ زندہ درگور کرنا ہونا بدوں کیفیتوں کے گذرے ثابت نہ ہوگا پھر یہ آیت پڑھی جسمیں ساتوں کیفیتوں کا مذکور ہے۔[۵] ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا آخر اور خلق آخر سے مراد یہ ہے کہ اسمیں روح

[۱] جو شخص نکاح کو عیال کے خوف سے ترک کرے وہ ہم سے نہیں ۱۲ اس کی سند اس باب کے شروع میں گزری ۱۲۔ [۲] یہ پوشیدہ زندہ درگور کرنا ہے ۱۲ مسلم بروایت احمد اہمیت وہب ۱۲ [۳] اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی کو پوچھے۔ ۱۲ [۴] مسلم بروایت ابی سعید و نسائی بروایت ابی ہریرہ رضؓ [۵] اور ہم نے بنایا ہے آدمی چکنی مٹی سے پھر رکھا اس کو بوند کر ایک جمے ٹھہراؤ میں پھر بنائی اس بوند سے پھٹکی پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی پھر بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ہڈیوں پر گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک صورت میں ۱۲

اِذَا الْمَوْؤُدَۃُ سُئِلَتْ اور جو کچھ طریقہ قیاس کا اور عبرت حاصل کرنے کا ہم اوپر لکھ آئے ہیں اس کے تامل کرنے سے تم کو ظاہر ہوگا کہ معانی کے اندر غوض کرنے اور علوم اور اسرار کے نکال لینے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت ابن عباسؓ کے منصب میں بہت فرق ہے اور یہ قیاس حضرت ابن عباسؓ کا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کُنَّا نَعْزِلُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْاٰنُ یَنْزِلُ[1] اور دوسری جگہ یوں آیا ہے کُنَّا نَعْزِلُ فَبَلَغَ ذٰلِکَ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَنْھَنَا۔[2] اور ایک روایت صحیح[3] حضرت جابرؓ سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرے یہاں ایک لونڈی ہے کہ وہ خدمت کرتی ہے اور درختوں کو پانی دیتی ہے اور میں اس سے صحبت کرتا ہوں اور یہ نہیں چاہتا کہ اس کو حمل رہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اَعْزِلْ عَنْھَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّہٗ سَیَاْتِیْھَا مَا قُدِّرَ لَھَا۔ پھر وہ شخص چند روز کے بعد حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ وہ لونڈی حاملہ ہو گئی آپ نے فرمایا کہ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ جو کچھ اس کے مقدر میں ہے وہ اس کو پہنچے گا یہ سب روایتیں بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

گیارہواں ادب بچہ ہونے کے باب میں ہے اور وہ پانچ باتیں ہیں اول یہ کہ لڑکا پیدا ہونے سے زیادہ خوش نہ ہو اور نہ لڑکی کے ہونے سے رنجیدہ ہو کیونکہ اس کو کیا معلوم ہے کہ اس کے حق میں ان دونوں میں سے بہتری کس میں ہے بہت سے پسر والے تمنا کیا کرتے ہیں کہ ہمارے پسر نہ ہوتا یا یہ جانتے ہیں کہ دختر ہوتی بلکہ اگر بتامل دیکھا جاوے تو لڑکیوں سے سلامت رہنا اکثر ہی اور ان کے باب میں ثواب بہت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص کی ایک لڑکی ہو اور وہ اس کو ادب سکھاوے اور اچھی طرح تادیب کرے اور کھانا کھلاوے اور بخوبی پرورش کرے اور جو نعمت کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کامل کی ہو اس میں سے اس لڑکی پر نعمت پوری کرے تو وہ لڑکی اس شخص کے لئے دہنے اور بائیں دوزخ کو آڑ ہو کر جنت میں پہنچا دے گی[4] اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا[5] ارشاد ہے کہ جس کو دو لڑکیاں ملیں اور جب تک اس کے ساتھ رہیں تب تک ان سے سلوک کرتا رہے تو وہ دونوں اس کو جنت میں داخل کریں گی اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَنْ کَانَتْ لَہٗ اِبْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِمَا مَا صَحِبَتَاہُ کُنْتُ اَنَا وَھُوَ فِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ۔[6] اور یہ بھی انہیں سے[7] مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمانوں کے بازاروں میں سے کسی بازار میں جا کر کوئی چیز خریدے اور اس کو اپنے

---

[1] ہم منی باہر ڈالتے تھے آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں اور قرآن شریف اترتا تھا ۱۲ اسکی سند خود مصنف نے بیان کر دی ۱۲ [2] ہم باہر انزال کرتے پس یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی آپ نے ہم کو نہ منع فرمایا ۱۲ یہ روایت خاص مسلم کی ہے بروایت جابرؓ ۱۲ [3] مسلم نے اس کو نقل کیا ۱۲ ع اگر تو چاہے تو اس سے باہر انزال کر مگر جو کچھ اس کے لئے مقدر ہے وہ اس کو پہنچ رہے گا ۱۲ [4] طبرانی در کبیر و خرائطی در مکارم اخلاق بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲ [5] ابن ماجہ و حاکم ۱۲ [6] ترمذی میں حال جارتین سے بجائے من کانت لہ ابنتان او اختان اور ان لفظوں سے یہ سند ضعیف خرائطی میں مکارم اخلاق میں نقل کیا ہے ترجمہ یہ ہے کہ جس کی دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان سے سلوک کرے جب تک وہ اس کے پاس رہیں تو میں اور وہ شخص جنت میں پاس مثل ان دو انگلیوں کے ہوں گے ۱۲ [7] خرائطی بہ سند ضعیف ۱۲

اس کو عذاب نہ دے گا۔ اور یہ بھی انہیں سے مروی ہے کہ آپ نے[ا] فرمایا کہ جو شخص بازار سے کوئی عجیب چیز اپنے عیال کے لئے لے جاوے تو گویا ان کے واسطے خیرات لئے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس چیز کو ان میں تقسیم کرلے۔ اور چاہئے کہ لڑکوں سے پیشتر لڑکیوں سے شروع کرے اس لئے کہ جو کوئی لڑکی کو خوش کرتا ہے وہ گویا خدا تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن پر دوزخ کو حرام کردیتا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲] مَنْ کَانَتْ لَہٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ اَخَوَاتٍ فَصَبَرَ عَلٰی لَاْوَائِہِنَّ وَضَرَّائِہِنَّ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ بِفَضْلِ رَحْمَتِہٖ اِیَّاھُنَّ۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر دو بیٹیاں ہوں آپ نے فرمایا کہ دو کا بھی یہی حال ہے پس ایک شخص نے کہا کہ خواہ ایک ہو آپ نے فرمایا کہ خواہ ایک ہو دوم یہ کہ بچہ کے کان میں اذان کہے رافع اپنے باپ سے راوی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام حضرت فاطمہؓ سے پیدا ہوئے تو آپ نے ان کے کان میں اذان کہی اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۴] مَنْ وُلِدَ لَہٗ مَوْلُوْدٌ فَاَذَّنَ فِیْ اُذُنِہِ الْیُسْرٰی دُفِعَتْ عَنْہُ اُمُّ الصِّبْیَانِ اور مستحب کہ جب لڑکے کی زبان کھلے تو سب سے پہلے اس کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سکھادیں تاکہ اول گفتگو یہی ہووے اور ساتویں روز ختنہ کرنا مستحب ہے اس باب میں ایک[۵] حدیث آئی ہے سوم یہ کہ اس کا نام اچھا رکھے یہ بھی بچہ کا حق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۶] اِذَا سَمَّیْتُمْ فَعَبِّدُوْا اور[۷] فرمایا اَحَبُّ الْاَسْمَآءِ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ اور[۸] سَمُّوْا بِاِسْمِیْ وَلَا تَکْنُوْا بِکُنْیَتِیْ علما فرماتے ہیں کہ منع کرنا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اس لئے آپ کو ابو القاسم کہہ کر پکارتے تھے اور اب دوسرے کے لئے یہ کنیت مقرر کرنی کچھ مضائقہ کی بات نہیں ہاں آپ کے نام اور کنیت کو ایک شخص کے لئے اکٹھا کرنا نہیں چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۹] ہے کہ میرے نام اور کنیت کو جمع مت کرو اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نہی بھی مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک تک تھی اور ایک شخص کا نام ابو عیسیٰ تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۱۰] کہ عیسیٰ علیہ السلام

[ا] خرائطی بسند روایات ضعیف وابن جوزی نے کہا ہے کہ حدیث موضوع ہے [۲] جسکے تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور ان کی معصیت اور سختی پر بسر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اپنی رحمت کے بقیہ سے ان عورتوں پر حاکم نے اس کو نقل کیا ۱۲ [۳] ابو داؤد ترمذی ۱۲۔ [۴] جس شخص کے کوئی بچہ ہو اور وہ اس کے دہنے کان میں اذان اور بائیں تکبیر کہے تو اس بچہ سے مرض ام الصبیان ہٹا رہے گا۔ ۱۲۔ ابو یعلی وابن سنی بروایت حسین بن علیؓ بسند ضعیف ۱۲ [۵] جب درصغیر بروایت جابرؓ بسند ضعیف وحاکم بروایت عائشہؓ ۱۲ [۶] جب تم نام رکھو تو ایسے رکھو جن میں اول جز عبد ہو اور اس کے عبد اللہ کا نام ہو ۱۲ طبرانی بروایت عبد المالک عن ابیہ ابراہیم بن زبیر عن جدہ معاذ بسند ضعیف ۱۲ [۷] اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں ۱۲ مسلم بروایت ابن عمرؓ [۸] میرے نام پر رکھو اور میری کنیت پر کنیت مت رکھو ۱۲ بخاری ومسلم بروایت جابرؓ [۹] احمد وابن حبان بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ [۱۰] ابو عمر وتوقانی در معاشرۃ الاہلین بروایت ابن عمر بسند ضعیف۔

کے تو باپ نہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ ابو عیسیٰ[ع] نام رکھنا مکروہ ہے۔ اور جو بچہ کہ پیدا نہ ہوا اور ایام معین سے پہلے ہی گر جاوے تو اس کا بھی نام رکھنا چاہئے عبداللہ بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے ایسا سنا کہ گرا ہوا بچہ قیامت کو اپنے باپ کے پیچھے فریاد کرے گا اور کہے گا کہ تو نے مجھ کو کھو دیا اور بے نام چھوڑ دیا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوگا باپ کو کبھی معلوم بھی نہیں ہوتا کہ حمل ساقط لڑکا ہے یا لڑکی تو وہ نام کس طرح رکھے عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ بہت نام ایسے ہیں کہ عورت مرد دونوں کے ہو سکتے ہیں جیسے عمارہ اور طلحہ اور عتبہ وغیرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱] اِنَّکُمْ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِکُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَائَکُمْ۔ اور جس شخص کا نام برا ہو اس کو اس کا بدل ڈالنا مستحب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص کا نام عبداللہ[ح۲] سے بدل دیا تھا اور حضرت زینب رضی کا نام بَرَّہ تھا پس آپ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو اچھا کہتی ہو اس لئے ان کا نام زینب فرمایا۔ اور اسی طرح افلح اور یسار اور نافع اور برکت نام رکھنے سے منع[ح۳] وارد ہے کیونکہ جب پوچھا جاوے گا۔ کہ یہاں برکت ہے اور وہ نہ ہوگا تو جواب میں کہا جاوے گا کہ نہیں یعنی برکت کا انکار کرنا پڑے گا۔ چہارم عقیقہ کرنا پسر کے لئے دو بکریاں اور دختر کے واسطے ایک اور کچھ مضائقہ نہیں کہ عقیقہ میں جانور نر ہو یا مادہ حضرت عائشہ رض روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا[ح۴] کہ پسر کے عقیقہ میں دو بکریاں برابر کی ذبح کی جاویں اور دختر کے عقیقہ میں ایک بکری اور مروی[ح۵] ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن علیہ السلام کا عقیقہ ایک بکری سے کیا اس سے یہ نکلا کہ ایک بکری پر اکتفا کرنا بھی درست ہے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ح۶] مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا عنہ دما واميطوا عنہ الاذی۔ اور سنت یوں ہے کہ بچہ کے بالوں کے برابر سونا یا چاندی خیرات کر دے کہ اس باب میں ایک حدیث وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کے ساتویں روز حضرت فاطمہ رض کو ارشاد فرمایا کہ ان کے بال منڈوا کر بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرو۔ اور حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈی نہ توڑی جاوے پنجم یہ کہ بچہ کے تالو میں خرما یا شیرینی مل دی جاوے۔ حضرت اسماء بیٹی صدیق اکبر رض کی فرماتی ہیں کہ قبا میں عبداللہ

ع ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عمر رض نے اپنے ایک غلام ابو عتبہ کو مارا حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ان پر اعتراض کیا کہ تم نے ابو عیسیٰ کنیت کیوں کی اس غلام نے کہا کہ میری کنیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے اور یہ حدیث صحیح الاسناد ہے تو معلوم ہوا کہ اس کنیت میں کراہت نہیں ۱۲

ح۱ تم قیامت کو اپنے ناموں اور اپنے آباء کے نام سے پکارے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھا کرو ۱۲ ابو داؤد بروایت ابی درداء

ح۲ بیہقی بروایت عبداللہ بن حارث زبیدی ۱۲۔ ح۳ بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ رض ح۴ مسلم بروایت سمرہ بن جندب ۱۲۔

ح۵ ترمذی ۱۲ ح۶ ترمذی بروایت معاذ بسند غیر متصل و وصلہ الحاکم ۱۲ ح لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے تو اس کی طرف سے ذبح کرو اور اس سے آلودگی کو دور کرو ۱۲۔ بخاری بروایت سلمان ابن عامر ۱۲۔

بن زبیر مجھ سے پیدا ہوئے میں نے ان کو لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں رکھ دیا آپ نے ایک خرما منگا کر چبایا اور اپنا لب مبارک عبداللہ کے منہ میں ڈال دیا بس سب سے اول چیز جو ان کے پیٹ میں گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لب مبارک تھا پھر آپ نے خرما ان کے تالو میں ملا اور دعا اور برکت ان کے لئے فرمائی اور مسلمانوں میں سب سے اول یہی پیدا ہوتے تھے اس لئے ان کے پیدا ہونے سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ لوگوں نے یہ کہہ رکھا تھا کہ یہودیوں نے تم پر جادو کیا ہے تمہارے اولاد نہ ہوگی بارہواں ادب طلاق کے باب میں ہے۔ اول یہ کہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ طلاق مباح ہے۔ مگر مباح چیزوں میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بری اور کوئی نہیں اور یہ مباح اس وقت ہوتی ہے کہ اس سے ناحق ایذا منظور نہ ہو یعنی عورت کو طلاق دے گا تو اس کو ایذا دے گا اور دوسرے شخص کو ایذا پہنچانا درست نہیں بجز اس کے کہ کوئی خطا عورت کی ہو یا ضرورت مرد کی جانب سے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا[1]۔ یعنی اطاعت کی صورت میں کوئی تدبیر جدا ہونے کی تلاش نہ کرو۔ اور اگر مرد کا باپ اس عورت کو برا سمجھے۔ تو اس کو طلاق دے دینی چاہیئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی اور حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کرتے تھے اور مجھ کو فرماتے تھے کہ اس کو طلاق دیدو میں نے اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رجوع کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن عمر اپنی بی بی کو طلاق دے دو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا حق مقدم ہے مگر اسی صورت میں ہے کہ باپ کے ناپسند کرنے کی کوئی غرض فاسد نہ ہو۔ جیسے حضرت عمرؓ تھے کہ ایسے باپ کا حکم بلاشک مقدم ہے اور جب عورت اپنے خاوند کو ایذا دے یا اس کے گھر والوں کو برا کہے تو وہ خطاوار ہے۔ اور اسی طرح جب کہ بد خلق اور دین کی خراب ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ اس آیت کی تفسیر میں وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ[ت] اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جب عورت گھر والوں کو برا کہے اور شوہر کو ایذا دیوے تو اس کی یہ حرکت فاحشہ ہے اور ہر چند یہ مضمون عدت کے باب میں بیان ہوا ہے مگر اس سے اصل مقصود تنبیہ ہے۔ اور اگر ایذا دینا شوہر کی جانب سے ہو تو عورت کو مناسب ہے۔ کہ کچھ مال اس کو دے کر اپنی گردن چھڑا دے اور مرد کو مکروہ ہے کہ جس قدر عورت کو دیا ہے اس سے زیادہ لیوے کیونکہ زیادہ لینے کی صورت میں عورت کو تنگ کرنا اور زیر بار کرنا اور فلاں پر سوداگری کرنی لازم ہوگی اور عورت کی جانب سے مال دیا جانا اس آیت میں مذکور ہے[ت۲] فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

ت ا۔ اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی ۱۲ ت ۲۔ پس نہیں گناہ اوپر ان دونوں کے بیچ اس چیز کے کہ بدل دے عورت ساتھ اس کے ۱۲۔

فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ غرض کہ جس قدر عورت نے خاوند سے پایا ہو اسی قدر یا اس سے کم دینا فدیہ کے لائق ہے۔ پس اگر عورت بلاوجہ طلاق کی درخواست کرے تو وہ گنہگار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[۱] فرماتے ہیں۔ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ سَاَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا مِنْ غَیْرِ مَا بَاْسٍ لَمْ تَرُحْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ۔ اور دوسری روایت میں یوں وارد ہے۔ کہ[۲] فَالْجَنَّۃُ عَلَیْھَا حَرَامٌ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے[۳] اَلْمُخْتَلِعَاتُ ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ۔ اب خاوند کو طلاق کے باب میں چار باتوں کی رعایت کرنی چاہیئے اول یہ کہ طلاق عورت کو ایسے طہر میں دیوے کہ اس میں اس کے صحبت نہ کی ہو اس لئے کہ حیض میں اور ایسے طہر میں جس میں صحبت کرنی ہو طلاق دینی بدعت اور حرام ہے اگرچہ دینے سے پڑ جاتی ہے لیکن بدعی اور حرام ہوتی ہے اس وجہ سے کہ اس صورت میں عورت کی عدت بڑی ہو جاتی ہے پس اگر ایسی طرح طلاق دے دے تو چاہیئے کہ اس سے رجوع کرے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بی بی کو حیض میں طلاق دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کو ارشاد فرمایا[۴] کہ اس سے کہہ دو کہ رجعت کرے یہاں تک کہ وہ عورت حیض سے پاک ہو پھر حیض سے ہو پھر پاک ہو پھر اگر چاہے طلاق دے چاہے رہنے دے پس یہ وہ عدت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس پر عورتوں کو طلاق دیتے جانے کا حکم فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر کو رجعت کے بعد دو طہر ٹھہرنے کا امر فرمایا اس سے یہ غرض ہے کہ رجعت کا مقصود صرف طلاق نہ ہو جاوے دوم یہ کہ ایک طلاق پر اکتفا کرے دو یا تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دیوے کیونکہ ایک طلاق بھی عدت کے بعد وہی فائدہ دیتی ہے جو دو یا تین سے ہوتا ہے یعنی عورت کا نکاح سے نکل جانا مگر ایک طلاق دینے میں دو فائدے اور بھی ہیں ایک تو یہ کہ اگر طلاق کے بعد نادم ہو تو عدت کے دنوں میں رجوع کر سکتا ہے دوسرے یہ کہ عدت کے بعد پھر از سر نو اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر تین طلاقوں کے بعد نادم ہوگا تو اس بات کی حاجت ہوگی کہ اس کا حلالہ کیا جاوے اور مدت تک اس کے لئے ٹھہرنا پڑے گا۔ اور عقد حلالہ کی ممانعت[۵] ہے اور اس کا باعث یہی شخص ہوگا پھر ایک یہ خرابی ہے کہ دوسرے کی بی بی میں نیت لگی رہے گی۔ اور اس کی طلاق کا منتظر رہے گا یعنی حلالہ کرنے والا نکاح کے بعد اس کو طلاق دے تو اس پر حلال ہو اور ایک یہ خرابی ہے کہ اس حرکت سے بی بی سے نفرت ہو جاوے گی غرض کہ یہ ساری خرابیاں اکٹھی

ت[۱]۔ جو عورت اپنے شوہر سے طلاق کی خواہاں ہو بدوں کسی خوف یا ضرورت کے تو وہ جنت کی بو نہ سونگھے گی ۱۲۔ احمد ترمذی بروایت ثوبان ۱۲ [۲]ح جنت اس پر حرام ہے ۱۲ دارمی وابی داؤد ۱۲۔ [۳]ح خلع کرنے والی عورتیں ہی منافق عورتیں ہیں ۱۲ نسائی بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [۴]ح بخاری ومسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲۔ [۵]ح۔ دارمی بروایت ابن مسعود وابن ماجہ بروایت حضرت علی مرتضیٰ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۱۲۔

طلاق دینے کی ہیں ایک طلاق دینے میں مطلب بھی نکل آتا ہے اور ایک خرابی بھی لازم نہیں آتی اور ہم یہ نہیں کہتے کہ طلاقوں کا اکٹھا دینا حرام ہے بلکہ یہ عرض ہے کہ ان خرابیوں کی جہت سے مکروہ ہے اور کراہت سے یہ مراد ہے کہ اس فعل میں اپنا لحاظ نہیں رہتا سویم یہ کہ اس کے طلاق دینے میں کوئی لطیف بہانہ کرے درشتی اور حقارت کے ساتھ نہ چھوڑے بلکہ جو رنج ناگہانی جدائی کا اس کو ہوگا۔ اس کے دور کرنے کے لئے کوئی چیز ہدیہ اور متعہ[ع۱] کے طور پر اس کو دے کر اس کا دل خوش کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ومتعوهن یعنی متعہ کا دینا اس عورت کے لئے واجب ہے کہ جس کے عقد نکاح کے وقت مہر کا نام نہ لیا گیا ہو۔ حضرت امام حسن علیہ السلام طلاق بہت دیتے اور نکاح بہت کرتے ایک روز آپ نے اپنے ایک ساتھی کو بھیجا کہ ہماری دو بیبیوں کو طلاق دے دو اور ہر ایک کو دس ہزار درہم حوالہ کر دو وہ شخص حکم بجالایا اور جب لوٹ کر آیا تو آپ نے پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے اس نے عرض کیا کہ ایک نے درم لے کر گردن جھکائی اور کچھ نہ بولی اور دوسری روئی اور چیخی اور میں نے سنا کر یوں کہتی تھی ع۔

یہ درہم قلیل ہیں پیش داغ فراق یار

حضرت امام حسنؓ نے سر جھکایا اور اس پر ترس کھایا اور فرمایا کہ اگر چھوڑنے کے بعد میں کسی عورت سے رجوع کرتا تو اسی سے کرتا اور ایک روز آپ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے پاس گئے جو مدینہ منورہ کے فقیہہ اور رئیس تھے اور اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور حضرت عائشہؓ نے انہیں کو ضرب المثل کر کے فرمایا تھا کہ اگر میں اپنی اس راہ میں نہ آتی۔ تو میرے نزدیک یہ بہتر تھا کہ میرے پاس سولہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یادگار مثل عبدالرحمٰن بن حارث کے ہوتے پس جب حضرت امام حسن علیہ السلام ان کے گھر گئے تو انہوں نے بہت تعظیم کی اور اپنی جگہ آپ کو بٹھلایا اور عرض کیا کہ آپ نے مجھ سے کہلا بھیجا ہوتا میں خود حاضر ہوتا آپ نے فرمایا کہ ضرورت مجھ کو ہی تھی انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے فرمایا کہ تمہاری لڑکی کا خواستگار ہو کر آیا ہوں انہوں نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ بخدا روئے زمین پر چلنے والا ایسا کوئی نہیں کہ جو مجھ کو تم سے زیادہ محبوب ہو مگر تم جانتے ہو کہ میری لڑکی میرا جگر پارہ ہے جس بات سے اس کو رنج ہو گا اس سے مجھ کو رنج پہنچے گا اور جس بات سے وہ خوش ہو گی اس سے میں خوش ہوں گا۔ اور آپ طلاق بہت دیتے ہیں مجھے بہت خوف ہے کہ مبادا آپ اس کو طلاق دے دیں تو پھر میرا دل آپ کی محبت میں بدل جاوے اور یہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کے باب میں میرے دل میں کچھ تبدل آوے اس لئے کہ آپ جگر پارہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں اس صورت میں اگر آپ شرط کر لیں کہ میں اس کو طلاق نہ دوں گا۔ تو میں آپ

ع۱ کپڑے کے جوڑے کو کہتے ہیں۔

سے عقد کروں گا آپ خاموش ہوتے اور اُٹھ کر باہر چلے آئے عبد الرحمن کے گھروالوں میں کسی نے ذکر کیا ہے کہ میں نے سنا کہ آپ کہتے جاتے تھے کہ عبد الرحمن کو یہی منظور تھا کہ اپنی بیٹی کو میرے گلے کا طوق کر دے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے زیادہ طلاق دینے سے تنگ ہوتے اور برسر ممبر ان کی طرف سے عذر کرتے اور اپنے خطبہ میں فرماتے کہ حسن طلاق بہت دیتے ہیں۔ پس تم ان کو اپنی بیٹیاں مت دو یہاں تک کہ ایک بار ہمدان کی قوم میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کیا یا امیر المومنین بخدا جس قدر امام حسن علیہ السلام نکاح کرنا چاہیں گے ہم ان کو لڑکیاں دیں گے چاہے وہ رکھیں اور چاہے چھوڑ دیں اس بات سے حضرت علی خوش ہوئے شعر۔

اگر مجھ کو ملے جنت کے دروازوں کی دربانی تو ہمدان سے کہوں اندر چلے آؤ بآسانی

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے اہل یا اولاد پر کسی حیا کی بات کا طعن کیا جاوے تو اس شخص کو چاہئے کہ اپنے زن و فرزند کی پچ نہ کرے کہ پچ کرنا برا ہے بلکہ یہ مستحب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کی مخالفت اس باب میں کرے کہ اس سے اپنا دل مسرور رہے گا۔ اور اس کے دل کے روگ کا علاج ہو جاوے گا۔

اور اس قصہ کے بیان کرنے سے یہاں اتنی ہی غرض تھی کہ طلاق مباح ہے اور اللہ تعالیٰ نے کرنے کا وعدہ نکاح اور جدائی کی صورت میں دونوں میں کیا ہے مثلاً نکاح کے باب میں ارشاد ہے[ت۱] وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم واماتکم ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ اور جدائی کی صورت میں ارشاد ہے[ت۲] وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ چہارم یہ کہ عورت کا راز ظاہر نہ کرے نہ طلاق میں نہ نکاح میں کیونکہ عورتوں کے راز فاش کرنے کے باب میں صحیح حدیث[ح۳] میں بڑا وعید آیا ہے اور بعض صلحا سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہا لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اس کے باب میں آپ کو کیا شک ہوا ہے فرمایا کہ عاقل آدمی اپنی بی بی کے راز کا پردہ نہیں کھولتا جب انہوں نے طلاق دے دی تو پوچھا گیا کہ آپ نے اس کو طلاق کیوں دی آپ نے فرمایا کہ میں اجنبی عورت کا حال کیوں کہوں حاصل یہ کہ جو حقوق و آداب شوہر پر ہونے چاہئیں وہ یہی تھے جن کا بیان ہو گیا۔

عورت کے ذمہ حقوق کی تفصیل[۱] اور قول شافی اس باب میں یہ ہے کہ نکاح ایک طرح کا لونڈی ہونا ہے تو وہ شوہر کی لونڈی ہو چکی اس لئے اس پر شوہر کی فرمانبرداری مطلقاً واجب ہے جس

ت ۱۔ اور بیاہ دو رنڈوں کو اپنے اندر جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ ان کو غنی کرے گا اپنے فضل سے ت ۲۔ اگر دونوں جدا ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو محفوظ کرے گا۔ اپنی کشائش سے ح ۳ مسلم میں بروایت ابو سعید منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا مرتبہ میں قیامت کو وہ ہے کہ اپنی بیوی کا ماجرا فاش کرے۔

بات کا وہ اس سے خواہاں ہو بشرطیکہ معصیت نہ ہو اور شوہر کا حق عورت پر زیادہ ہونے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں[ا] ایما امراۃ ماتت وزوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ اور ایک شخص سفر کو گیا اور اپنی بی بی سے کہہ گیا کہ بالاخانہ سے نیچے نہ اترنا اور اس عورت کا باپ رہتا تھا اتفاقاً وہ بیمار ہوا۔ اس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اجازت لینے کے لئے آدمی بھیجا کہ اپنے باپ کے پاس اتروں آپ نے فرمایا کہ اپنے خاوند کی اطاعت کر اس کا باپ مرگیا پھر اس نے اترنے کی اجازت چاہی پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے شوہر کی اطاعت کر غرض کہ اس کا باپ دفن بھی گیا اور وہ نہ اتری پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے کہلا بھیجا کہ تو نے جو اپنے شوہر کی اطاعت کی اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کی مغفرت فرمائی اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ[۲] اذا صلت المرأۃ خمسھا وصامت شھرھا وحفظت فرجھا واطاعت زوجھا دخلت جنۃ ربھا اس حدیث میں زوج کی فرمانبرداری کو ارکان اسلام پر زیادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عورتوں کا ذکر فرمایا کہ پیٹ والیاں جننے والیاں دودھ پلانے والیاں اپنی اولاد پر رحم کرنے والیاں اگر اپنے شوہروں سے افعال کرتی ہیں نہ کرتیں تو ان میں نمازی عورتیں جنت میں داخل ہوتی اور فرمایا[۳] اطلعت فی النار فاذا اکثر اھلھا النساء فقلن لم یا رسول اللہ قال یکثرن اللعن ویکفرن العشیر۔ سے غرض شوہر سے ہے جو ان کے ساتھ معاشرت کرتا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو تمام جنتیوں کی نسبت کر عورتیں بہت کم تھیں میں نے پوچھا کہ عورتیں کہاں ہیں فرمایا کہ ان کو دو سرخ چیزوں نے روک دیا سونے اور زعفران نے یعنی زیور اور رنگین کپڑوں نے اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں جوان عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جوان ہوں اور لوگ میرے ساتھ عقد کا پیغام کرتے ہیں اور مجھ کو شادی کرنی اچھی نہیں معلوم ہوتی پس شوہر کا حق عورت پر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر بالفرض شوہر کے سر سے پاؤں تک پیپ ہو اور عورت اس کو چاٹے تب بھی اس کا شکریہ ادا نہ کرے گی اس نے عرض کیا کہ میں نکاح کر لوں فرمایا کہ کر لے نکاح کرنا بہتر ہے۔ اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک عورت قبیلہ خثعم کی آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں بے شوہر

ا ح جو عورت مر جاوے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہو گی ترمذی بروایت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲ ح جب عورت نماز پنجگانہ پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنے شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی حفاظت کرے وہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گی ۱۲ ابو نعیم در حلیہ باذک اختلاف ۱۲ ۔ ۳ ح - میں نے دوزخ میں جھانکا تو دیکھا اکثر دوزخی اس میں عورتیں ہیں عورتیں نے پوچھا کس وجہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ لعنت بہت کہتی ہیں اور اپنے قبیلہ کی ناشکری کرتی ہیں ۱۲

ہوں اور نکاح کرنا چاہتی ہوں پس شوہر کا حق کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ایک حق شوہر کا یہ ہے کہ اگر اونٹ کی پشت پر ہو اور اس وقت اس سے طلب گار صحبت کا ہو تو اس سے انکار نہ کرے اور ایک حق اس کا یہ ہے کہ کوئی چیز اس کے گھر سے بدوں اس کی اذن کے نہ دیوے اور اگر دے گی تو بھوکی پیاسی رہے گی اور روزہ قبول نہ ہو گا اور اگر اپنے گھر سے بدوں اپنے شوہر کے حکم کے نکلے گی۔ تو جب تک اپنے گھر میں پھر کر آوے گی اور توبہ کرے گی اس کو فرشتے لعنت کرتے رہیں گے اور فرمایا لو امرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجھا اور یہ اس لئے فرمایا ہے کہ شوہر کا حق عورت پر زیادہ ہے اور فرمایا کہ عورت خدا تعالیٰ کی ذات مقدس سے زیادہ تر قریب اس وقت ہوتی ہے کہ جب اپنی کوٹھری کے قعر میں ہووے اور عورت کی نماز اپنے گھر کے صحن میں بہ نسبت مسجد میں نماز پڑھنے کے بہتر ہے اور اپنی کوٹھری میں نماز پڑھنی بہ نسبت گھر کے صحن میں نماز پڑھنے کے اور کوٹھری در کوٹھری میں نماز پڑھنی کوٹھری کی نسبت کر افضل ہے اور یہ اس لئے فرمایا کہ مدار عورت کے حال کا پردہ پر ہے جس صورت میں پردہ زیادہ ہو گا وہی اس کے حق میں افضل ہے۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المرأة عورة فاذا خرجت استشرفھا الشیطان ۔ اور فرمایا کہ عورت کی دس برہنگیاں ہیں جب وہ نکاح کر لیتی ہے تو شوہر ایک برہنگی کو چھپا دیتا ہے اور جب مر جاتی ہے تب قبر دسوں برہنگیوں کی پردہ پوش ہوتی ہے۔ غرض کہ شوہر کے حق عورت پر بہت سے ہیں ان میں سے زیادہ دو اہم ہیں ایک بچاؤ اور پردہ دوسرے زائد از حاجت چیز کا مطالبہ نہ کرنا اور جس وقت کہ اس کی کمائی حرام کی ہو تو اس سے بچے رہنا چنانچہ زمانہ سلف میں عورتوں کی عادت ایسی ہی تھی کہ جب آدمی اپنے گھر سے باہر جاتا تھا تو اس کی بی بی یا بیٹی اس سے کہتی تھی کہ خبردار حرام کمائی مت کرنا کہ ہم بھوک اور تکلیف پر صبر کر لیں گے مگر دوزخ کی آگ پر صبر نہ کر سکیں گے اور ایک شخص نے سلف کے لوگوں میں سے سفر کا ارادہ کیا اور اس کے ہمسایوں کو اس کا سفر برا معلوم ہوا سب نے اس کی بی بی سے کہا کہ تو اس کے سفر پر کیوں راضی ہوتی ہے یہ تو تیرے نفقہ کے لئے کچھ چھوڑے نہیں جاتا اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے شوہر کو جب سے دیکھا ہے کھانے والا ہی پایا ہے رزاق نہیں پایا میرا رب میرا رزاق ہے کھانے والا چلا جاوے گا۔ رزاق میرے پاس رہے گا اور رابعہ بنت اسمعیل نے احمد بن ابی الحواری سے پیام اپنے نکاح کا کیا ان کو بوجہ اپنی عبادت کے برا معلوم ہوا اور فرمایا کہ بخدا مجھ کو عورتوں کی خواہش نہیں کہ میں اپنے دھندے میں لگا ہوں رابعہ نے کہا کہ میں اپنے حال میں تم سے زیادہ مشغول ہوں اور مجھ کو مرد

ا؎ اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ دوسرے کے لئے سجدہ کرے تو عورت کے لئے حکم کرتا کہ وہ شوہر کے لئے سجدہ کرے ۱۲ ترمذی بروایت ابی ہریرہ رضؓ ۲؎ ۔ عورت برہنگی ہے پس جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔ ۱۲

کی خواہش نہیں مگر مجھ کو اپنے شوہر سے مال بہت ملا ہے میں چاہتی ہوں کہ تم اس مال کو اپنے یاروں پر خرچ کرو اور تمہارے سبب سے میں نیک بختوں کو پہچان جاؤں اور مجھ کو بھی خدا کی طرف کی راہ مل جاوے احمدؒ نے فرمایا کہ میں اول اپنے استاد سے اجازت لے لوں پس آپ حضرت سلیمان دارانی کے پاس گئے اور ان سے یہ ماجرا کہا جب آپ نے اس عورتؒ کی گفتگو سنی تو فرمایا کہ اس سے نکاح کرلے کہ وہ خدا کی ولی ہے کیونکہ یہ گفتگو صدیقوں کی ہے احمدؒ کہتے ہیں کہ آپ مجھ کو نکاح سے منع فرمایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہمارے یاروں میں جس کسی نے نکاح کیا ہے وہ بدل گیا ہے خلاصہ یہ کہ میں نے اس سے نکاح کیا اور اس نے اس قدر کھانا پکوا کر کھلوایا کہ ہمارے گھر میں ایک چونہ کا رتہ خانہ تھا لوگ جو جلدی نکلنے کے مارے کھانے کے بعد اس میں ہاتھ دھو دیتے تھے اس پانی کی تری سے وہ خراب ہوگیا اور جو لوگ اشنان وغیرہ سے ہاتھ دھوتے تھے ان کا تو کیا ذکر ہے اور میں نے اس کے بعد تین عورتوں سے اور شادی کی تو اس کا یہ دستور تھا کہ مجھ کو عمدہ چیزیں کھلاتی اور خوشبو لگاتی اور کہتی کہ جاؤ اپنی بیبیوں میں مزے کرو اور یہ رابعہ شام میں ایسی تھی جیسے بصرہ میں رابعہ بصری تھیں اور عورت پر واجبات میں سے ہے کہ شوہر کے مال میں سے فضول خرچی نہ کرے بلکہ اس کے مال کی حفاظت کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورت کو حلال نہیں کہ شوہر کے گھر سے بدوں اس کی اجازت کے کھانا دے ڈالے بجز تر خوراک کے کہ جس کے بگڑنے کا خوف ہو پس اگر اس کی رضامندی سے کھلاوے گی تو شوہر کے برابر اس کو ثواب ہوگا اور اگر بدوں اس کی اجازت کے کھلا دے گی تو ثواب شوہر کو ہوگا اور گناہ اس پر رہے گا اور عورت کا حق ماں باپ پر یہ ہے کہ اس کو دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا اور شوہر کے ساتھ اچھی طرح رہنا سکھلا دیں چنانچہ مروی ہے کہ اسماء بنت خارجہ فزاری نے اپنی بیٹی کی شادی کے وقت اس کو یوں کہا کہ جس گھر میں تو آئی تھی اب اس سے نکلتی ہے اور ایسے بستر پر جاتی ہے جس سے تو واقف نہ تھی اور ایسے آدمی کے پاس رہے گی جس سے پہلے سے الفت نہ تھی تو بیٹی تو اس کی زمین بننا کہ وہ تیرا آسمان بنے گا اور تو اس کے لئے باعث آرام ہونا وہ تیرے لئے باعث آرام ہوگا۔ تو اس کی لونڈی ہونا وہ تیرا غلام رہے گا [1] اپنی طرف سے اس کے پاس مت جانا کہ تجھ سے نفرت کرے اور نہ اس سے دور ہونا کر جلد بھول جاوے بلکہ وہ اگر تیرے پاس ہو تو اس کے قریب ہونا اور اگر علیحدہ رہے تو دور رہنا اور اس کی ناک اور کان اور آنکھ کا لحاظ رکھنا کہ تجھ سے بجز خوشبو کے اور کچھ نہ سونگھے اور جب سنے تب اچھی بات سنے اور جب دیکھے اچھی بات دیکھے۔ اور ایک شخص نے اپنی بی بی کو یوں کہا نظم۔

---

[1] اپنی طرف الخ اصل میں یوں ہے کہ تو اس سے کسی چیز کے مانگنے سے پرہیز مت کرنا کہ وہ تجھے برا جاننے لگے سید صدیق احمد ۱۲

در گزر کر مجھ سے تا ہو تو حبیب جاوداں ہو غضب مجھ کو تو ہرگز مت ہلا اپنی زبان
ڈھول کے مانند مجھ کو مت بجا یہ یاد رکھ مجھ کو کیا معلوم ہے آواز کیسی ہو عیاں
کثرت شکوہ نہ کر اس سے ہو زائل حب قلب ہے مسلم دل بدلنے میں نہیں لگتی ہے آن
میں نے دیکھا ہے نہیں رہتی ہے باقی دوستی دل میں جب تبدیل وایذا کا ہوا کچھ درمیان

اور سو کی ایک بات عورت کے آداب میں یہ ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے چرخہ وغیرہ کا شغل رکھے چھت پر چڑھنے اور جھانکنے کی کثرت نہ کرے ہمسایوں سے بات کم کرے اور بدوں اشد ضرورت ان کے گھر میں نہ جاوے شوہر کے پیچھے اور سامنے اس کا لحاظ رکھے اور ہر کام میں اس کی خوشی کی خواہاں رہے اپنے نفس میں اور اسکے مال میں خیانت نہ کرے اور اگر اس کی اجازت سے بھی نکلے تو پرانے کپڑوں میں چھپی ہوئی نکلے اور خالی جگہوں میں چلے بیچ سڑک اور بازار سے بچی رہے اور اس بات سے احتراز کرے کہ اجنبی اس کی آواز پہچانے یا اس کے جسم پر واقف ہو ایسا نہ کرے کہ شوہر کے دوست سے اگر کوئی اپنا کام کہے تو وہ اس کو پہچان جاوے بلکہ اگر گمان کرتی ہو کہ مجھ کو یہ پہچانتا ہے۔ تو آواز بدل دے ہمہ تن اپنے حال کی بہتری اور گھر کے انتظام میں مصروف رہے اور نماز روزہ سے سروکار رکھے اور اگر شوہر کا کوئی دوست دروازے پر آواز دے اور شوہر گھر میں نہ ہو تو اپنی اور شوہر کی غیرت کا مقتضی یہ ہے کہ اس سے کچھ سوال اور کلام نہ کرے اور شوہر کو جو کچھ خدا نے دیا ہو اس پر قناعت کرے اور اس کے حق کو اپنے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے حق پر مقدم کرے اور خوب وشستہ رہے اور ہر حال میں جب شوہر اس سے تمتع چاہے مستعد رہے اور اپنی اولاد پر شفقت کرے اور ان کے راز کا افشا نہ کرے اور ان کو برا کہنے میں زبان کم کھولے اور شوہر کی بات کا جواب نہ دیوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اور وہ عورت کہ اس کے رخسار و نکار رنگ تیرہ ہو گیا ہو جنت میں پاس پاس مانند دو انگلیوں کے ہوں گے اور یہ وہ عورت ہے کہ شوہر سے اس کے اولاد ہوتی ہو اور اپنے نفس کو اس نے اپنی بیٹیوں پر بند رکھا ہو یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جاویں یا مر جاویں اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک آدمی پر جنت حرام فرمائی ہے اسطرح کہ مجھ سے پیشتر اس میں داخل ہو لیکن میں ایک عورت کو دیکھوں گا کہ جنت کے دروازہ کی طرف مجھ سے آگے جاتی ہوگی میں پوچھونگا کہ یہ کیا بات ہے کہ یہ عورت مجھ سے آگے جاتی ہے مجھ کو کہا جاوے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ایک عورت حسین و خوبصورت تھی اور اس کے پاس یتیم بچے تھے اس نے ان پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کا حال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس کی پسند فرمائی اور اس کے ثواب میں یہ رتبہ دیا اور عورت کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ شوہر پر اپنی خوبصورتی کا فخر نہ کرے اور نہ اس کی بدصورتی کے باعث غیر

سبحے اصمعی کہتے ہیں کہ میں جنگل میں گیا دیکھا تو ایک عورت نہایت خوبصورت ہے اور اس کا شوہر ویسا ہی بدصورت میں نے اس سے کہا کہ عجیب بات ہے کہ تو اس جیسے شخص کی بی بی ہونے پر خوش ہو اس نے کہا خاموش تم غلطی پر رہو۔

اصل یہ کہ شاید اس مرد نے کوئی کام خالق کی رضا کا کیا ہے جس کے عوض میں اس کو ملی اور شاید مجھ سے کوئی حرکت اس کی مرضی کے خلاف ہوئی جس کی سزا میں مجھ کو یہ شوہر ملا پس جس چیز کو خدا تعالیٰ نے میرے لئے پسند فرمایا اس پر بھلا میں راضی نہ ہوں اصمعی کہتے ہیں کہ اس عورت نے مجھ کو لاجواب کر دیا اور یہ بھی اصمعی کا قول ہے کہ میں نے جنگل میں ایک عورت دیکھی کہ سرخ کرتا پہنے ہے اور خضاب کئے ہاتھ میں تسبیح لئے ہے میں نے کہا کہ یہ امور تو اس پر زیبا نہیں اس نے جواب دیا شعر حق جو خالق کا ہے مجھ پر نہیں کرتی ہوں تلف اور ادھر لہو بطالت کا بھی ہے مجھ کو خیال میں نے جان لیا کہ یہ ایک نیک بخت عورت ہے اور شوہر دار ہے اسی کے لئے بناؤ سنگار کرتی ہے اور عورت کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ جب شوہر نہ ہو تو نیک بخت اور پژمردہ رہے اور اس کے سامنے پھر وہی رنگ رلیاں شروع کر دے اور یہ مناسب نہیں کہ کسی حال میں شوہر کو ستاوے چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لا توذی امرءۃ زوجها فی الدنیا الا قالت زوجته من الحور العین لا توذیه قاتلك الله فانما هو عندك دخیل یوشك ان یفارقك الینا۔ اور حقوق نکاح میں سے عورت پر ایک واجب ہے کہ جب اس کا شوہر مرجاوے تو اس پر چار مہینہ دس روز سے زیادہ سوگ نہ کرے اور اس عرصہ میں خوشبو اور زینت سے اجتناب کرے زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ میں ام المومنین ام حبیبہ کی خدمت میں اس وقت گئی کہ ان کے باپ ابوسفیان بن حرب مرگئے تھے پس حضرت ام حبیبہؓ نے ایک خوشبو منگائی جس میں زردی زعفران یا کسی اور چیز کی تھی ایک لونڈی وہ خوشبو لائی آپ نے اس کو اپنے گالوں پر ملا اور فرمایا کہ بخدا مجھ کو خوشبو کی حاجت نہ تھی مگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے۔ لا یحل لا مرءۃ تومن باللہ والیوم الاٰخر ان تحد علی میت اکثر من ثلثۃ ایام الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشرا ۲ اور آخر عدت تک اسی گھر میں رہنا لازم ہے یہ جائز نہیں کہ اپنے گھر چلی جاوے یا بدوں ضرورت اس گھر میں سے نکلے اور عورت کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ گھر کے جتنے کام ہوں اور اس سے ہو سکتے ہوں ان کو بجالاوے چنانچہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت زبیرؓ نے مجھ سے شادی کی اور ان کے پاس نہ کچھ مال تھا

ا ح جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو ایذا دیتی ہے تو اس کی زوجہ حور عین میں سے اس عورت کو کہتی ہیں کہ خدا تعالیٰ تجھ کو مارے اس کو مت ستا یہ تو تیرے پاس مسافر ہے عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آجاوے گا۔ ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت معاذ رضی اللہ عنہ

۲ ح نہیں حلال ہے کسی عورت کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ سوگ کرے کسی مرد پر تین دن سے زیادہ اپنے خاوند پر چار مہینے دس روز بخاری و مسلم بروایت ام حبیبہ و زینب بنت جحش ۱۲ ف اور بنا دیں ہم نے تم کو اس میں روزیاں تم تھوڑا شکر کرتے ہو۔

نہ کوئی غلام یا باندی بجز اس کے ایک گھوڑا اور پانی لانے کا ایک اونٹ تھا تو میں ہی ان کے گھوڑے کو دانہ گھاس دیتی ۔ اور میں ہی اونٹ کیلئے خرما کی گٹھلیاں کوٹتی اور اس کو چارہ دیتی اور پانی بھر کر لاتی اور ڈول سیتی اور آٹا گوندھتی اور گٹھلیاں اپنے سر پر دو کوس سے لاتی یہانتک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے میرے پاس ایک لونڈی بھیجدی جس نے گھوڑے کے ملنے وغیرہ سے بچا لیا تو گویا مجھ کو آزاد کر دیا اور ایک روز میں آنحضرت صلعم سے ملی کہ آپکے ساتھ اصحاب تھے اور میرے سر پر گٹھلیاں تھیں آپ نے اپنے ناقہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا کہ مجھ کو اپنے پیچھے سوار کریں مگر مجھ کو مردوں کے ساتھ چلنے سے شرم آئی اور اپنے شوہر کی غیرت یاد کی کہ وہ بہت غیرتناک آدمی تھے آنحضرت صلعم نے میرے حیا کرنیکو پہچان لیا اور تشریف لے گئے جب میں آئی تو حضرت زبیر رضؓ سے ماجرا کہا انہوں نے فرمایا کہ بخدا تیرا سر پر گٹھلیوں کا لادنا آپکے ہمراہ سوار ہونے کی نسبت کر مجھ پر نہایت سخت ہے باب آداب النکاح خدائے تعالیٰ کی عنایت سے ختم سے ہوا ۔ الحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً و صلی اللہ علی محمد عبدہ مصطفیٰ ۔

تیسرا باب حصول رزق اور کسب معاشرہ

رباعی

بہتر وہ معاش ہے جو ہو زاد معاد بدتر ہے وہ کسب جس سے ہو دین برباد
ہر پیشہ میں فکر نفع عقبیٰ پر کر ہے مزرعۃ الآخرۃ دنیا رکھ یاد

واضح ہو کہ رب الارباب اور مسبب الاسباب نے دارین کی تقسیم اس طرح فرمائی ہے کہ آخرت کو جزا اور سزا کا مقام ٹھہرایا ہے اور دنیا کو محنت اور اضطراب کے ساتھ مستعد ہو کر کمانے کا مکان قرار دیا ہے اور دنیا میں مستعد ہونا یہی نہیں کہ صرف معاد ہو اور معاش نہ ہو بلکہ معاش معاد کا ذریعہ اور اس کا مددگار ہے چنانچہ الدنیا مزرعۃ الاخرت قول مشہور ہے اور دنیا ہی سے بتدریج آخرت کی نوبت آتی ہے ۔ اب دنیا کے آدمی اس باب میں تین طرح کے ہیں ایک وہ کہ معاش میں ایسے مشغول ہیں کہ معاد سے غافل ہیں یہ فرقہ تو تباہ کاروں اور ہلاک شدوں کا ہے دوم وہ لوگ کہ معاد کے شغل میں معاش سے بے پرواہ ہیں یہ لوگ اعلیٰ رتبہ کے پہنچنے والے ہیں سوم وہ ہیں کہ اعتدال سے بہت قریب ہیں یعنی معاش کا شغل معاد ہی کے واسطے کرتے ہیں یہ لوگ یہ لوگ مقتصدین اور متوسطین سے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص معاش کی طلب میں راستی کی راہ اپنے اوپر لازم نہ کرے گا اس کو میانہ روی کا مرتبہ کبھی نہ ملے گا اور جب تک کہ طلب معاش میں آداب شرعیہ کا پابند نہ ہوگا اس کے حق میں دنیا وسیلہ آخرت کبھی نہ ہوگی اسی نظر سے ہم تجارتوں اور پیشوں کے آداب اور کسبوں کے اقسام اور طریقے پانچ فصلوں میں مشرح بیان کرتے ہیں ۔

پہلی فصل کسب معاش کی فضیلت اور اس کی ترغیب قرآن و حدیث سے

آیات اس باب میں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۔ اس کو احسان جتانے کی جگہ فرمایا وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۔ اس آیت میں معیشت کو نعمت فرمایا

ت ۱ ۔ اور بنایا دن کو روزگار کو

اور اس پر شکر کی طلب کی اور فرمایا۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ اور فرمایا آخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اور فرمایا فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اور حدیث یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ؎ من الذنوب لا یکفرھا الا الھم فی طلب المعیشۃ اور فرمایا ؎ التاجر الصدوق یحشر یوم القیامۃ مع الصدیقین والشھداء اور فرمایا ؎ من طلب الدنیا حلالا تعففا عن المسئلۃ وسعیا علی عیالہ وتعطفا علی جارہ لقی اللہ ووجھہ کالقمر لیلۃ البدر۔ اور ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اتنے میں اصحاب میں ایک جوان قوی اور چالاک کو دیکھا کہ علی الصباح کچھ کام کرنے لگا سبھوں نے کہا کہ کاش اس کی جوانی اور چالاکی راہ خدا میں صرف ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ یہ مت کہو اس لئے کہ یہ شخص اگر اپنے نفس کے لئے کام کرتا ہے اس غرض سے کہ اس کو سوال کرنے سے باز رکھے اور لوگوں سے بے پرواہ کر دے تو وہ راہ خدا میں ہے اور اگر اپنے ضعیف ماں باپ یا اور کمزور بچوں کے لئے کرتا ہے تاکہ وہ محتاج نہ ہوں تب بھی وہ راہ خدا میں مصروف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ البتہ اس بندہ کو پسند فرماتا ہے جو کوئی کار خدمت اس لئے کرے کہ اس کے باعث لوگوں سے بے پرواہ ہو جائے اور اس بندہ کو ناپسند فرماتا ہے کہ جو علم اس لئے سیکھے کہ اس سے خدمت لے اور ایک خبر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایماندار حرفت والے سے محبت رکھتا ہے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ؎ احل ما اکل الرجل من کسبہ وکل بیع مبرور اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے ؎ احل ما اکل العبد کسب ید الصانع اذا نصح اور فرمایا ؎ علیکم بالتجارۃ فان فیھا اعشار الرزق اور مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھ کر اس سے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے اس نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تیرے نفقہ کی کفالت کون کرتا ہے اس نے عرض کیا کہ میرا ایک بھائی کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیزیں مجھ کو ایسی معلوم ہوئیں کہ تم کو جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کریں وہ میں نے تم کو بدوں حکم کئے نہیں چھوڑیں

؎ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا ۱۲ ؎ کتنے اور پھرتے ہیں ملک میں ڈھونڈتے اللہ کا فضل۔ ؎ تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈتے پھرو فضل اللہ تعالیٰ کا ۱۲ ؎ بعض گناہ وہ ہیں کہ ان کو دور نہیں کرتی کوئی چیز سوائے فکر طلب معیشت ۱۲ ؎ سچا سوداگر قیامت میں اٹھایا جاوے گا۔ صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ۱۲ ترمذی دارمی دارقطنی بروایت ابی سعید بالدرک اختلاف ۱۲ ؎ جو شخص دنیا کو طلب کرے وجہ حلال سے سوال کی حاجت نہ پڑنے کے باعث اور اپنی اولاد پر سعی کرنے اور اپنے ہمسایہ پر شفقت کے لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اس حال میں کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کی مانند ہوگا ؎ سب سے زیادہ حلال جو آدمی کھاوے وہ اس کی کمائی ہے اور ہر ایک بیع مبرور جس میں کچھ خرابی نہ ہو ۱۲ ابوداؤد بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا احمد بروایت رفع بن خدیج ؎ سب سے زیادہ حلال جو بندہ کھاوے وہ کاریگر کے ہاتھ کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی کرے ۱۲ ؎ تم تجارت کیا کرو کہ اس میں رزق کے دس حصوں میں سے نو ہیں

اور جتنی باتیں ہیں ایسی جانتا تھا کہ تم کو جنت سے دو اور دوزخ سے قریب کریں ان سے بدوں منع کئے نہیں چھوڑا اور جبرئیل نے میرے دل میں پھونک دیا کہ کوئی شخص نہیں مریگا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ لے لے اگرچہ رزق مذکور اس کے پاس دیر کر آوے پس اللہ سے خوف کرو اور طلب رزق اچھی طرح کرو اس حدیث میں رزق کو اچھی طرح طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ طلب مت کرو پھر اس حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ کسی رزق کا دیر کر ملنا تم کو اس بات کا باعث نہ ہونا چاہئے کہ تم اس کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے طلب کرو اس لئے کہ جو چیز خدا تعالےٰ کے پاس ہے وہ اس کی نافرمانی سے نہیں ملتی اور ایک حدیث ہیں، ارشاد ہے کہ بازار اللہ تعالیٰ کے دستر خوان ہیں جو شخص ان میں آوے گا کچھ ان میں سے پاوے گا اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص رسی لے کر لکڑیاں اپنی پیٹھ پر لاد لاوے تو اس سے بہتر ہے کہ کسی شخص کے پاس جاوے جس کو خدائے تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اس سے سوال کرے وہ اس کو دے یا نہ دے اور فرمایا۔ مَنْ فَتَحَ عَلٰی نَفْسِهٖ[1] بَابًا مِنَ السَّوَالِ فتح اللہ عَلَیْهِ سَبْعِیْنَ بَابًا من الفقر اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا حلال کمائی سے مفلس دور کرنا کیونکہ جو فقیر ہو جاتا ہے اس کے اندر تین باتیں پیدا ہوتی ہیں اول دین کی نرمی دوسرے ضعف عقل تیسرے مروت کا جاتا رہنا اور ان تینوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ آدمی اس کو حقیر جانتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم کو نہ چاہیئے کہ طلب رزق میں تقاعد کرو اور یوں کہو کہ بار خدایا ہم کو رزق دے اسلئے کہ تم جانتے ہو کہ آسمان سے سونا اور چاندی نہیں برستا اور زید بن سلمہ اپنی زمین میں درخت لگا رہے تھے حضرت عمرؓ نے ان کو فرمایا کہ یہ تم خوب کرتے ہو آدمیوں سے بے پروا ہو جانا چاہئے کہ اس سے تمہارا دین زیادہ محفوظ رہے گا اور اسی صورت میں ان پر کرم زیادہ کر سکو گے جیسے کہ احیحہ شاعر نے کہا ہے۔ شعر۔

خدمت زورا[2] میں ہوں مصروف دائم اس لئے ۔۔۔ ہو نہیں سکتا کرم لوگوں پر گو ہووے نہ مال

اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو برا معلوم ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو بیکار دیکھوں نہ دنیا کا کام کرتا ہو نہ دین کا اور حضرت ابراہیم نخعی سے کسی نے سوال کیا کہ یہ فرمائیے کہ سچا سوداگر آپ کو زیادہ پسند ہے یا وہ شخص کہ عبادت کے لئے فارغ ہو رہا ہو آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سچا سوداگر زیادہ محبوب ہے اس لئے کہ وہ شخص جہاد میں مصروف ہے کہ شیطان کبھی اس کو ناپنے میں اور کبھی تولنے میں اور کبھی لینے اور دینے میں دھوکا دیتے جاتا ہے اور وہ اس سے لڑتا ہے اور وُہ اسکی اطاعت نہیں کرتا اور حضرت حسن بصریؒ نے اس باب میں ان کے خلاف بیان کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو اور کسی جگہ میں اپنا مرنا خوش نہیں آتا بجز اس جگہ کے کہ میں بازار جاتا ہوں اور اپنے گھر والوں کے لئے خرید و فروخت کرتا ہوں اور ہثیم[3] نے فرمایا ہے کہ بعض او

---

[1] جو شخص اپنے نفس پر سوال کا ایک دروازہ مفتوح کرے اللہ اس پر ستر دروازے مفلسی کے کھول دیتا ہے ۱۲۔ [2] زورا احیحہ باغ یا دوسرے مال کا نام ہے ۱۲ [3] ترمذی و ابن ماجہ بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

☆: چھوڑا اور جبرئیل نے میرے دل میں پھونک دیا کہ کوئی شخص نہیں مرے گا

میں سنتا ہوں کہ فلاں شخص مجھ کو برا کہتا ہے تو یاد کرتا ہوں کہ مجھ کو اسکی حاجت نہیں اس یاد سے اس کی بات مجھ پر آسان ہو جاتی ہے۔

اور ایوبؒ نے فرمایا ہے کہ کوئی پیشہ کرنا جس سے کچھ ملجاوے میرے نزدیک لوگوں سے مانگنے کی نسبت کراچھا ہے اور ایک بار سمندر میں طوفان آیا کشتی والوں نے حضرت ابراہیم ادہمؒ سے جو کشتی میں ان کے ساتھ تھے عرض کیا کہ دیکھئے کیسی شدت ہے آپ نے فرمایا کہ شدت اس کا نام نہیں شدت یہ ہے کہ لوگوں کا محتاج ہو اور ایوبؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو ابو قلابہؒ نے فرمایا ہے کہ بازار کا پیچھا مت چھوڑ کہ تو انگری ایک قسم کی سلامتی ہے کہ لوگوں سے سلامت رہتا ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور امام احمدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کے حق میں کیا فرماتے ہیں جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں کچھ کام نہ کروں گا یہاں تک کہ میری روزی میرے پاس آوے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص علم سے بے خبر ہے کیا اس نے یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزے کے سایہ میں نیچے بنایا ہے اور جس وقت اپنے پرندوں کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا تغدو اخماصا و تروح بطانا یعنی صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرلے جاتے ہیں غرض اس سے یہ ہے کہ رزق کی طلب میں پرند بھی صبح کو ادھر ادھر جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب خشکی اور تری کی تجارت کیا کرتے اور اپنے باغوں کی خدمت کرتے پس ان کا اقتدا کافی ہے اور ابو قلابہؒ نے ایک شخص کو کہا کہ میں تم کو اگر طلب معاش میں مصروف دیکھوں تو میرے نزدیک اس سے اچھا ہے کہ تم کو مسجد کے کونہ میں دیکھوں اور کہتے ہیں کہ اوزاعی حضرتؒ ابراہیم ادہم سے ملے اور دیکھا کہ ان کے سر پر لکڑیوں کا بوجھ ہے کہنے لگے کہ اے ابو اسحاق یہ مشقت کیوں کرتے ہو تمہاری خدمت کو تمہارے بھائی کافی ہیں حضرت نے جواب دیا کہ ابو عمرو مجھ سے اس باب میں تعرض مت کرو کہ میں نے سنا ہے کہ جو شخص حلال کی طلب میں ذلت کی جگہ کھڑا ہو گا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عبادت اس کا نام نہیں کہ اپنے پاؤں جوڑ رکھو اور دوسرا شخص تم کو کھانا کھلاوے بلکہ اول دو روٹیوں کی فکر کر لو تب عبادت کرو اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز ایک پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں کہ جن سے تمام روئے زمین میں خدا تعالیٰ بغض رکھتا تھا اس وقت مسجدوں کے سوال کرنے والے اٹھیں گے غرض کہ سوال کی مذمت اور دوسرے شخص کی خدمت پر بھروسہ کرنے کی برائی شرع کے نزدیک یہ تھی جو بیان ہوئی اور جس شخص کے پاس مال موروثی نہ ہو اس کو بجز کمانے اور تجارت کے کوئی چارہ نہیں اب اگر یوں کہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تو یوں ہے کہ مجھ کو یہ حکم الٰہی نہیں ہوا کہ مال اکٹھا کروں اور سوداگروں میں سے ہوں بلکہ یہ وحی مجھ پر ہوئی ہے کہ سبح بحمد ربک وکن من الساجدین

ت ۲ یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور ہو سجدہ کرنے والوں میں اور بندگی کر اپنی رب کی جہاں تک پہنچے تجھ کو یقین۔

واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین اور اسی طرح حضرت سلمان فارسی سے کسی نے کہا کہ آپ ہم کو وصیت فرمائیے آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کسی سے ہو سکے تو یہ کرے کہ حالت حج میں یا کفار سے لڑنے میں یا اپنے پروردگار کی مسجد بنانے؎ میں اس کی موت واقع ہو یا نہ ہو کہ سوداگری کرتے کرتے اور لوگوں سے چٹی کا روپیہ لیتے لیتے مرجاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کی تطبیق حالات کی تفصیل پر موقوف ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ تجارت ہر چیز سے مطلقاً افضل ہے بلکہ ہماری غرض یہ ہے کہ تجارت سے یا تو یہ مقصود ہے کہ بقدر کفالت مال حاصل ہو جاوے یا دولت اور زائد قدر حاجت منظور ہے اگر تجارت سے یہی مطلوب ہے کہ زائد از حاجت ملے تا کہ مال بہت سا ہو اور دفینہ جمع ہو جائے نہ اس لئے کہ خیرات اور صدقات میں دیا جاوے تو یہ تجارت بری ہے کیونکہ اس میں دنیا کی طرف بہمہ تن متوجہ ہونا پایا جاتا ہے جس کی چاہ تمام گناہوں کی اصل ہے اور اگر باوجود اس کے لوگوں سے باچھ وصول کرے گا تو ظلم اور فسق میں داخل ہے اور حضرت سلمانؓ نے اسی قسم کی تجارت مرادلی ہے جس میں طلب زیادتی کی ہو لیکن جس صورت میں تجارت سے آدمی اس بات کا طالب ہو کہ بقدر کفایت اپنے دم اور اپنی اولاد کے پیدا کرنے اور مانگنے سے بھی بقدر کفایت اس کو مل سکتا ہو تو ایسی صورت میں سوال سے بچنے کے لئے تجارت افضل ہے اور اگر اس کو سوال کی ضرورت نہ ہوتی اور بدوں مانگے لوگ اس کو دیتے ہوں تب بھی کچھ پیشہ کرنا افضل نہیں ہے کیونکہ لوگ اس کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی زبان حال سے سوال کرتا ہے اور لوگوں میں اپنی احتیاج کھلا کھلی کر رہا ہے بس یہیں جہت اس کو بچنا اور اپنا بھرم رکھنا بیکاری سے بہتر ہے بلکہ عبادت بدنی میں مشغول ہونے سے بھی افضل ہے اور پیشہ نہ کرنا چار شخصوں کے لئے افضل ہے اوّل جو شخص کہ عبادت بدنی کا عابد ہو دوم وہ شخص کہ اس کو باطن کی سیر اور علوم حالات و مکاشفات میں دل کا عمل حاصل ہو سوم وہ عالم کہ علم ظاہر میں سے ایسی باتوں میں مشغول ہو جو لوگوں کو دین کے باب میں کار آمد ہوں جیسے مفتی اور مفسر اور محدث ہیں چہارم وہ شخص کہ لوگوں کی بہتری میں مصروف ہو اور ان کے معاملات کا متکفل ہو جیسے بادشاہ اور قاضی اور گواہ تو ان چاروں قسموں کے لوگوں کو کسب میں مشغول ہونیکی نسبت کر اپنا دھندا کرنا افضل ہے بشرطیکہ بیت المال کے مال میں سے خواہ فقراء اور علماء پر وقفی اشیاء میں سے بقدر کفایت لیتے ہوں اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی ہوئی سبح بحمد ربک وکن من الساجدین اور یہ حکم نہ ہوا کہ کن من التاجرین اس لئے کہ آپ میں یہ چاروں وصف مع اور زیادہ اوصاف کے جو خارج از حیطہ بیان ہیں موجود تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو اصحاب نے ان کو تجارت ترک کرنے کا مشورہ دیا اس لئے کہ شغل تجارت میں مسلمانوں کو کام کی فرصت کم ہوتی ہے پس آپ نے یہ معمول کر لیا کہ بیت المال میں سے بقدر کفایت لے لیتے اور اسی کو بہتر سمجھا اور جب آپ کی موت قریب ہوئی تو وصیت کر دی کہ جس قدر میں

؎ بنانے الخ اصل میں عامر المسجد ہے سے مراد یہ کہ مسجد آباد کرتے ہیں۔ سید صدیق احمد عفی عنہ۔

نے بیت المال میں سے لیا ہے اسی قدر اس میں رکھ دینا الا ابتدا میں اس کا لینا ہی بہتر جانتا تھا اور ان چار شخصوں کے لئے دو حالتیں اور ہیں ایک یہ صورت ہے کہ جب وہ پیشہ کچھ نہ کریں تو ان کی کارروائی لوگوں کے ہاتھ سے اور مال زکوٰۃ خواہ صدقہ وخیرات سے ہوتی جاوے اور ان کو سوال کی حاجت نہ پڑے پس ایسی صورت میں پیشہ نہ کرنا اور اپنے کام میں مشغول رہنا بہتر ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کی خیرات پر مدد کرنا اور جو حق ان پر واجب ہے اس کا قبول کرنا خواہ ان کے زائد از حاجت مال کو خیرات میں صرف کرنا پایا جاتا ہے دوسری حالت یہ ہے کہ سوال کی حاجت پڑے اور تامل اس میں ہے کہ جتنی تشدیدات کہ سوال اور اس کی مذمت میں ہم نے بیان کی ہیں ان سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوال سے بچنا اولی ہے اور بدون احوال اور اشخاص کے لحاظ سے اس باب میں حکم مطلق دینا مشکل ہے بلکہ آدمی کے اجتہاد پر منحصر ہے کہ اپنے لئے جس بات میں بہتری جانے اس کو اختیار کرے یعنی میزان عقل کے ایک پلہ میں سوال کی ذلت اور مروت کا جاتا رہنا اور دوسرے کے سامنے کھڑا ہونا اور منت کرنی رکھے اور دوسرے پلہ میں علم وعمل میں مشغول ہونے سے جو فائدہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہوتا ہے اس کو رکھے اور دیکھے کہ اس میں کون سا بھاری ہوتا ہے کیونکہ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا فائدہ اور خلق کا نفع ان کے علم وعمل میں مشغول ہونے سے بہت ہوتا ہے اور قدر کفایت ان کی ادنیٰ اشارہ اور کنایہ سوال سے حاصل ہو جاتی ہے اور بعضوں کا معاملہ برعکس ہوتا ہے اور بعض اوقات مطلوب اور معذور چیز کا پلہ برابر پڑتا ہے اس وقت طالب کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیئے گو مفتی کچھ ہی حکم لگا دیں۔ اس لئے کہ فتویٰ میں سب صورتوں میں تفصیل اور اصول باریک بعض اوقات میں نہیں ہوا کرتے اور سلف میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے تین سو ساٹھ دوست تھے سال بھر میں ایک ایک روز ہر ایک کے یہاں رہا کرتے تھے اور بعضوں کے صرف تیس دوست تھے کہ مہینے میں ایک روز ہر ایک کے یہاں رہتے اور خود کوئی کام بجز عبادت پروردگار کے نکرتے اس لئے کہ جانتے تھے کہ جن لوگوں کے یہاں ہم رہتے ہیں اور وہ ہماری خدمت کرتے ہیں اور اس خدمت کو وہ اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور ہمارے قبول کے باعث اپنی گردنوں پر بار منت جانتے ہیں پس ان کی خیرات کا قبول کرنا ان اکابر کے حق میں علاوہ ان کی عبادت کے منجملہ خیرات ہوتا ہے غرضیکہ طالب کو ان امور میں نظر دقیق کرنا چاہیئے کیونکہ لینے والے کو ثواب اسی قدر ہوتا ہے جتنا دینے والے کو ہوتا ہے بشرطیکہ لینے والا اس مال سے اپنے امور دینی میں مدد لے اور دینے والا بطیب خاطر دیوے اور جو شخص کہ ان باتوں سے واقف ہو جاوے گا اس کو ممکن ہے کہ اپنا حال جان لے اور اپنی حالت اور مصلحت وقت کی نسبت کر جو بات اس کے حق میں افضل ہو اپنے دل میں اسکو واضح پاوے واللہ اعلم یہانتک پیشہ کرنے کی فضیلت بیان ہوئی اب چونکہ جن معاملات سے آدمی کچھ پیدا کرتا ہے ان میں چار باتیں ضروری ہونی چاہییں اول درستی معاملہ دوم عدل سوم احسان چہارم دین کا خوف پس ہم ان چاروں باتوں کو اگلی چار فصلوں میں بیان کریں گے اور دوسری فصل میں درستی

معاملہ کے اسباب شروع کرتے ہیں۔

دوسری فصل۔ تجارت، سود، مبادلہ، اجارہ اور شرکت و مضاربت کے لئے ضروری شرائط

واضح ہو کہ اس فصل کا مضمون جاننا ہر مسلمان صاحب کسب پر فرض ہے کیونکہ یہ جو حدیث میں وارد ہے طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم اس سے یہی غرض ہے کہ جس علم کی حاجت ہوتی ہے اس لئے اس کو سیکھنا اس علم کا واجب ہے کہ جب اس علم سے واقف ہوگا تو معاملہ کی فاسد کرنے والی باتوں کو معلوم کرلے گا اور معاملہ میں ان سے احتراز کرے گا اور اگر کوئی مسئلہ جزئی مشکل پیش ہوگا تو جب تک اس کو دریافت نہ کرے گا تب تک اس میں توقف کرے گا کیونکہ جب تک مجملاً اسباب فساد کو نہ جان لے گا تو اس کو کیسے معلوم ہوگا کہ توقف اور دریافت کرنا کس وقت اسکے ذمہ واجب ہے اور اگر اہل معاملہ یہ کہے کہ میں علم کو اول نہیں سیکھتا بلکہ اپنا کام کئے جاؤں گا جب تک کہ کوئی معاملہ سخت مجھ کو پیش آوے اس وقت اس کا مسئلہ پوچھ لوں گا اور فتویٰ دریافت کرلوں گا تو اس کو یوں جواب دیا جاوے گا کہ جس صورت میں تجھ کو مجمل علم معاملہ کی مفسد چیزوں کا نہیں تو تجھ کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ معاملہ قابل دریافت ہے کیونکہ تو معاملہ کئے جاوے گا اور اس کو صحیح اور مباح جانے گا حالانکہ حقیقت میں درست نہ ہو اس نظر سے علم تجارت میں اس قدر کا جاننا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ فلاں معاملہ مباح ہے اور فلاں ممنوع اور یہ معاملہ ظاہر ہے اور یہ مشکل ہے اور ہمیں وجہ حضرت عمر رضی سے مروی ہے کہ آپ بازار میں پھرا کرتے اور بعض سوداگراں کو درہ سے مارتے اور فرماتے کہ ہمارے بازاروں میں وہی خرید و فروخت کرے جو مسائل کا علم رکھتا ہو ورنہ سود کھا جاوے گا خواہ اسکی مرضی ہو یا نہ ہو اور علم معاملات کا بہت گراں ہے مگر ان چھوں عقد مذکورہ بالا کی اکثر پیشوں میں ضرورت رہتی ہے اس لئے ہم انہیں شرطوں کو چھ بیانوں میں علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

حلال تجارت کا رکن اول یہ یعنی معاملہ کرنے والا اس میں تاجر کو چاہئے کہ چار شخصوں سے بیع کا معاملہ نہ کرے ایک لڑکا دوم مجنون سوم غلام چہارم اندھا۔ اس لئے کہ لڑکا اور مجنون غیر مکلف ہیں تو لڑکا اگر خرید و فروخت کریگا گو اس کو ولی نے اجازت دے دی ہو اس کی بیع امام شافعی کے نزدیک درست نہ ہوگی اور لڑکے اور مجنون سے جو کوئی سودا کرے گا اور اس کے پاس سے ضائع ہوگا گو تو اس پر تاوان نہ آئے گا اور اگر اپنی چیز ان کے حوالہ کریگا۔ اور تلف ہو جاوے گی تو اسی کا مال جاوے گا ان کو کچھ نہ دینا پڑے گا اور غلام عاقل کی خرید و فروخت بدون اس کے آقا کی اجازت کے درست نہیں تو کنجڑے اور نانبائی اور قصائی وغیرہ کو چاہئے کہ غلاموں کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کریں جب تک کہ ان کے مالک ان کو خرید و فروخت کی اجازت نہ دیں اور مالک کی اجازت دو طرح سے معلوم ہو سکتی ہے

یا تو اس طرح کہ خود سوداگر مالک کے منہ سے سن لے یا شہر میں مشہور ہو جاوے کہ فلاں غلام اپنے آقا کی طرف سے خرید و فروخت کا مجاز ہے یا کوئی عادل شخص کہہ دے اس سے کہ یہ غلام مجاز ہے پس اگر بدون اجازت آقا کے اس سے معاملہ کرے گا تو یہ معاملہ باطل ٹھہرے گا اور جو کچھ غلام سے لے گا بشرط جاتے رہنے کے اس کا تاوان نہ اس پر ہوگا نہ آقا پر بلکہ جب غلام آزاد ہو جاوے گا اس وقت اس سے مطالبہ پہنچے گا اور اندھے کا معاملہ اس وجہ سے درست نہیں کہ بن دیکھی چیز کی خرید و فروخت کرے اس صورت میں وکالت درست ہوگی اور وکیل کی خرید و فروخت صحیح ہوگی لیکن اگر سوداگر خود اندھے سے معاملہ کرے گا تو فاسد ہوگا اور جو چیز اس سے لے گا اگر جاتی رہے گی تو قیمت ادا کرنے پڑے گی اور جو اندھے کو دے گا اور اس کے پاس سے جاتی رہی گی اس کا دام بھی نرخ بازار سے ملے گا اور کافر کے ساتھ معاملہ خرید و فروخت درست ہے مگر اس کے ہاتھ قرآن مجید اور مسلمان غلام نہ بیچنا چاہیئے اور جس صورت میں کہ وہ حربی ہو اس وقت اس کے ہاتھ ہتھیار بھی فروخت نہ کئے جاویں اور اگر یہ معاملات کئے جاویں گے تو مردود ہوں گے اور معاملہ کرنے والا خدا تعالیٰ کا گنہگار ہوگا اور ترکی سپاہی خواہ ترکمانی یا بدو یا کرد اور چور اور خائن اور سود خور اور ظالم یا اور شخص جس کا اکثر مال حرام کا ہو تو ان کی چیز کو اپنی ملک میں نہ لانا چاہیئے کیونکہ ان کا مال حرام ہے ہاں اگر کوئی خاص چیز ایسی معلوم ہو جاوے کہ بوجہ حلال ان کے پاس آئی ہے۔ تو اس کے لینے کا کوئی مضائقہ نہیں اور اس کی تفصیل باب حلال اور حرام میں آئے گی

رکن دوم یعنی جس چیز کا معاملہ کیا جاتا ہے یعنی جس مال کا ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس چلا جانا مقصود ہے خواہ وہ ثمن ہو یا بیع اس میں چھ شرطیں معتبر ہیں اول یہ کہ وہ مال اپنی ذات سے نجس نہ ہو اور اگر ہوگا تو بیع درست نہ ہوگی۔ مثلاً کتے اور سور اور گوبر اور پاخانہ اور ہاتھی دانت اور اس کے برتنوں کی بیع درست نہ ہوگی۔ ہاتھی دانت کے بیع درست نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ہڈی مرنے سے ناپاک ہو جاتی ہے اور ہاتھی ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا اور نہ اس کی ہڈی ذبح سے پاک ہو اور نیز شراب کی بیع اور جو جانور کہ کھائے نہیں جاتے ان کی چربی کی بیع درست نہیں گو چراغ میں جلانے اور کشتیوں میں ملنے سے فائدہ ہو سکتا ہے اور پاک تیل اگر نجاست گرنے سے خواہ وہ چوہے کے مر جانے سے نجس ہو جائے تو اس کی بیع درست ہے اس وجہ سے کہ کھانے کے سوا اور چیزوں میں کام آسکتا ہے اور اسکی ذات نجس نہیں نجاست بیرونی سے نجس ہو گیا ہے اسی طرح ریشم کے کیڑوں کے انڈے فروخت کرنے میں میرے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ وہ ایک جاندار کی اصل ہیں جو کارآمد ہوتا ہے اور ان کو بیضہ مرغ سے تشبیہ دینا کہ وہ بھی پرند کی اصل ہیں اس سے بہتر ہے کہ پیخال اور لید سے تشبیہ دیویں اور مشک کے نافع کی بیع درست ہے اور جس صورت میں کہ وہ ہرن سے زندگی کی حالت میں علیحدہ ہوا ہو تو اس کی طہارت کا حکم کرنا چاہیئے دوسری شرط یہ ہے وہ چیز کارآمد ہو اس سے یہ نکلا کہ حشرات الارض کی بیع اور

چوہے وسانپ کی بیع ناجائز ہے اور سانپ سے مداریوں کو نفع پہنچنا۔ سپیروں کا نفع کہ سانپ کو بانبی سے نکال کر لوگوں کو دکھلاتے ہیں قابل لحاظ نہیں یعنی اس وجہ سے اس کی بیع جائز نہ ہوگی اور بلی کی بیع اور شہد کی مکھی اور چیتے اور شیر کی اور ان جانوروں کی جو شکار کی لیاقت رکھتے ہیں یا جن کا چمڑا کارآمد ہے درست ہے اور بوجھ لادنے کے لئے ہاتھی کی بیع درست ہے اور طوطے اور مور اور خوش رنگ جانور کی بیع درست ہے گو وُہ کھانے میں نہ آویں درست ہے اس لئے کہ ان کی آواز سننی اور صورت سے دل بہلانا ایک مباح غرض ہے ہاں کتا اگرچہ خوبصورت بھی ہو اس کو نہ لینا چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسکی ممانعت فرمائی ہے اور بین و سارنگی اور چنگ و ستار کے باجوں اور کھیل کے باجوں کی بیع جائز نہیں اسلئے کہ ان میں شرعاً کوئی نفع نہیں اسی طرح مٹی کے کھلونے جو عیدوں اور میلوں میں لڑکوں کے لئے بکتے ہیں ان کا لینا جائز نہیں اس لئے کہ شرعاً ان کا توڑنا واجب ہے مگر درخت وغیرہ کی مورت کا کوئی مضائقہ نہیں اور کپڑوں اور کابیوں پر جو جانوروں کی صورتیں ہوتی ہیں ان کا بیچنا درست ہے اور یہی حال تصویر دار پردوں کا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ ان چیزوں کا استعمال رکھے ہوئے درست ہے اور اوپر ٹانگ کر درست نہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کو ارشاد فرمایا کہ اس کا بچھونا بنالو۔ پس چونکہ من وجہ ان سے نفع لینا درست ہے تو اسی وجہ کے باعث ان کی بیع درست ہے تیسری شرط یہ ہے کہ معقود علیہ عاقد کی ملک ہو یا مالک کی اجازت سے اس کا عقد ہوتا ہو پس اگر کوئی چیز غیر مالک سے مول لے اس توقع پر کہ مالک اجازت دے دیگا تو یہ عقد صحیح نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض مالک بعد کو راضی بھی ہو جائے تو از سر نو معاملہ کرنا واجب ہے اسی طرح اگر زوجہ سے شوہر کا مال مول لے یا شوہر سے زوجہ کا یا باپ سے بیٹے کا خواہ بیٹے سے باپ کا اس بھروسے پر کہ اگر مالک کو علم ہو جاوے گا تو راضی ہو جاوے گا تو یہ معاملہ صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ رضا مالک بیع سے مقدم ہونی چاہیئے اور وُہ ان صورتوں میں پائی نہیں گئی اور ایسے معاملے بازاروں میں ہوتے ہیں مگر بندہ دین دار کو چاہیئے کہ ان سے اعراض کرے چوتھی شرط یہ ہے کہ معقود علیہ ایسی چیز ہو جس کو شرعاً اور حساً حوالہ کر سکتا ہے جو چیز حساً حوالہ نہ کر سکے گا اس کی خرید و فروخت درست نہ ہوگی جیسے بھاگا ہوا غلام اور پانی کے اندر مچھلی اور پیٹ کے اندر بچہ اور نر کا مادہ پر ڈالنا اسی طرح جانور کے پشت پر کی اون کو بیع کرنا اور تھنوں کے اندر کا دودھ بیچنا درست نہیں اس لئے کہ اس کا مشتری کو دینا دشوار ہے اور غیر بیع اور بیع ملے جلے ہیں اور جن چیزوں کا مشتری کو دینا شرعاً متعذر ہے وُہ ایسی ہیں جیسی مرہون اور وقف کی چیز اور ام ولد تو ان کی بیع بھی درست نہیں اسی طرح ماں کا بیچنا بدون اس کے بچے کے جبکہ بچہ چھوٹا ہو خواہ بچے کو فروخت کرنا بدون اس کی والدہ کے جائز نہیں کیونکہ بیع کی صورت میں اگر بیع حوالہ مشتری کرے گا تو دونوں میں جدائی ہو جاوے گی اور بچہ کو اس کی ماں سے جدا کرنا حرام ہے پانچویں شرط یہ ہے کہ بیع کی تعیین اور مقدار

ؔ بخاری ومسلم بروایت ابو مسعود انصاریؒ

اور وصف معلوم ہو تعیین کے علم سے مراد یہ ہے کہ معین چیز کی طرف اشارہ کر دے اس سے یہ نکلا کہ اگر بائع یوں کہے کہ تیرے ہاتھ اس گلے میں سے میں نے ایک بکری بیچی جون سی چاہے یا ان تھانوں میں سے جو بھی تیرے سامنے ہیں ایک تھان بیچا یا اس کپڑے میں سے ایک گز فروخت کیا جدھر سے چاہے سے لینا یا اس زمین میں سے دس گز زمین بیچی جدھر سے ناپ لینا تو بیع باطل ہوگی اور یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ دین میں سستی برتنے والے ان کے عادی ہیں ہاں اگر یوں کہے کہ اس چیز کا آدھا یا چوتھائی یا دسواں حصّہ فروخت کرتا ہوں تو بیع جائز نہ ہوگی اور مقدار بیع کا علم ناپنے یا تولنے یا اس کے دیکھنے سے ہوتا ہے پس اگر بائع یوں کہے کہ اس کپڑے کو تیرے ہاتھ اس قدر پر بیچتا ہوں جتنے پر فلاں شخص نے اپنا کپڑا بیچا ہے حالانکہ دونوں کو اس کا حال معلوم نہیں تو یہ بیع باطل ہے اور اگر یوں کہے کہ اس پتھر کے وزن کے برابر فروخت کیا اور معلوم نہیں کہ وہ وزن مروج کی رُو سے کتنا ہے تو بیع باطل ہے اور اگر یوں کہے کہ تیرے ہاتھ یہ گیہوں کا ڈھیر فروخت کیا یا اس ہمیانی کے روپیہ کے عوض یا سونے کے اس ٹکڑے کے عوض بیع کیا اور مشتری ان چیزوں کو دیکھ رہا ہو تو بیع درست ہوگی اور مقدار پہچاننے میں صرف نظر کا اندازہ کافی ہوگا اور وصف کا علم چیزوں کے دیکھنے سے ہوا کرتا ہے تو غائب چیز کی بیع درست نہ ہوگی لیکن اگر چیز کو پہلے دیکھ لیا ہو اور دیکھے ہوئے اتنے دن گزرے ہوں کہ اس قدر عرصہ میں وُہ غالبًا بدلی نہ ہوگی تو بیع درست ہو گی مگر مذہب یہی ٹھیک ہے کہ وصف دیکھنے کے قائم مقام نہیں ہوتا ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ تو بنی ہوئی چیزوں میں توزی[1] کپڑوں کی بیع اس کے نقوش کے اعتبار پر درست نہیں جب تک کہ پیش نظر نہ ہو اور گیہوں کی بیع بالی کے اندر ناجائز ہے اور چاول کی بیع اس پوست کے اندر جس سمیت وُہ ذخیرہ لگایا جاتا ہے اور دھان کہلاتا ہے درست ہے اور ایسا ہی بادام اور ناریل کی بیع اندرونی چھلکے کے اندر درست ہے دونوں پوست سمیت جائز نہیں اور باقلا کی بیع دونوں پوستوں میں ضرورت کی وجہ سے درست ہے اور فقاع[2] کی بیع میں تسامح کیا جاتا ہے اس وجہ سے کہ سلف کے لوگ اس کی بیع کے عادی تھے درہم اس بیع کے بدلے کے عوض میں اباحت ٹھہراتے ہیں بس اگر اسلئے خریدے گا کہ اس کو فروخت کرے تو قیاس یہی ہے کہ بیع باطل ہو اسلئے کہ وُہ پیدائش کی رو سے پوشیدہ نہیں رہتا اور یہ بھی بعید نہیں کہ تسامح کی وجہ یہ بیان کی جاوے کہ باہر نکلنے سے وہ انار کی طرح بگڑ جاتا ہے اس لئے اس کو بدون نکالنے کی فروخت کرنے میں مضائقہ نہیں جیسے اور مستور الخلقت چیزیں ہیں۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ اگر بیع پر ملک معاوضہ کی جہت سے ہوئی ہو تو وہ قبضہ میں آجانی چاہئے اور یہ ایک شرط خاص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی چیز کی بیع سے منع فرمایا[3] ہے جس پر بائع نے قبضہ نہ کیا ہو اور

[1] توز ایک شہر ہے فارس میں توزی منسوب ہے اسکی طرف ۱۲ [2] بضم اوّل ایک قسم کی غذا ہے مثل آش جو کہ اور قاموس میں قسم نبات لکھا ہے کہ سوکھ کر سخت ہو جاتا ہے [3] ابو داؤد بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس باب میں زمین اور منقول چیز یکساں ہے تو جس چیز کی خرید و فروخت قبض سے پیشتر ہوگی اس کی بیع باطل ہوگی اور منقول چیز کا قبضہ اٹھا لے جانے سے ہے اور زمین کا قبضہ اس طرح ہے کہ دوسرے کی چیز اس میں کچھ نہ رہنے پاوے اور غیر کا تصرف اٹھ جاوے اور جس غلہ کو ناپنے کی شرط پر خریدا ہو اس کا قبضہ بدون ناپنے کے کامل نہ ہوگا۔ اور ترکہ کی بیع اور وصیت اور ودیعت کے مال کی اور ایسی چیزوں کی جن میں ملک بوجہ عوض دینے کے نہ ہوئی ہو قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

حلال تجارت کا رکن سوم ایجاب و قبول

اس میں ایجاب اور اس کے متصل ہی قبول کا ہونا ایسے لفظوں سے جن سے مقصود نکلتا ہو اور صراحتاً یا کنایتہً غرض سمجھ میں آتی ہو ضرور ہے مثلاً اگر یوں کہے کہ میں نے تجھ کو یہ چیز اتنے کے بدلے کے دی بجائے یوں کہنے کے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچی اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کی تو بیع درست ہوگی۔ بشرطیکہ دونوں کا مقصود ان الفاظ سے بیع ہو کیونکہ اگر یہ الفاظ دو کپڑوں یا گھوڑوں وغیرہ میں جاری ہوں گے تو بیع ہوگی اگر عورت کے بارے میں ہونگے تو ان الفاظ سے منگنی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے اور نیت کے باعث احتمال دور ہو جاتا ہے اور تصریح کر دینے سے کچھ خصومت ہی نہیں رہتی مگر کنایہ سے جس چیز میں بولوگے اس سے ملک اور حلال ہونے کا فائدہ ہوگا اور بیع میں ایسی شرط نہ لگانی چاہیئے۔ جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو مثلاً یہ شرط کرے کہ کسی قدر زیادہ دینا یا یہ کہ بیع کو ہمارے گھر پہنچا دینا یا لکڑیاں خریدیں اس شرط پر کہ گھر پر ڈلوا دینا تو یہ شرطیں فاسد ہیں ہاں اگر بیع کے پہنچانے کی اجرت بیع سے جداگانہ معین ہوگئی ہو تو مضائقہ نہیں اور جب کہ بائع اور مشتری میں صرف داد و ستد ہوئی ہو اور زبان سے کچھ نہ کہا ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس طرح کی بیع سرے سے نہیں ہوتی اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حقیر چیزوں میں ایسی بیع درست ہے مثلاً صراف کے ہاتھوں میں پیسہ حوالہ کیا اور ایک ڈھیر کوڑیوں کا اس نے مشتری کو دے دیا اور زبان سے کچھ نہ کہا تو درست ہے اس صورت میں حقیر چیزوں کا ضبط کرنا کہ کون کون سی ہیں مشکل ہے اگر اس امر کو عادت پر منحصر کیا جاوے تو لوگ حقیر چیزوں سے تجاوز کر کے نفیس میں بھی ایسا کرنے لگیں مثلاً دلال بزاز کے پاس آکر تھان دیبا دس روپیہ کا مشتری کے پاس لے جاتا ہے اور دوبارہ اس سے آکر کہتا ہے کہ مشتری دس روپیہ پر راضی ہے بائع کہتا ہے کہ اس سے دس لے اور وہ مشتری سے دس لے کر بزاز کو دیتا ہے اور وہ ان میں تصرف کرتا ہے ادھر مشتری تھان کو قطع کرتا ہے حالانکہ دونوں میں ایجاب و قبول ہرگز نہیں ہوا اسی طرح چند خریدار بائع کی دوکان پر جمع ہوتے ہیں اور وہ کوئی چیز مثلاً سو روپیہ کی نیلام کرتا ہے ایک اس کے نوے لگاتا ہے دوسرے پچانوے لگاتا ہے تیسرا سو کہتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ اچھا گن دو وہ سو روپیہ گن کر بائع کے حوالہ کرتا ہے اور چیز کو لے لیتا ہے بدون ایجاب و قبول کے تو یہ ہمیشہ کی عادت ہوگئی ہے اور ایسا روگ ہے جو علاج پذیر نہیں اس لئے ایسی صورت میں تین

احتمالات ہو سکتے ہیں اول یہ کہ بدون ایجاب وقبول کے داد وستد سے بیع مطلق درست ہو جاوے خواہ حقیر چیز کی ہو یا نفیس کی اور یہ محال ہے اس لئے کہ اس میں ایک کی ملک دوسرے کے پاس بدون ایسے لفظ کے جس سے نقل ملک معلوم ہو چلی جاوے گی اور خدائے تعالیٰ نے تو بیع کو حلال فرمایا ہے جو ایجاب وقبول کا نام ہے اور وہ صرف دینے اور لینے کے فعل پر لفظ بیع بولا نہیں گیا تو کیسے حکم کر دیا جاوے گا کہ ایک کی ملک دوسری کی ملک میں چلی گئی خصوص لونڈیوں اور غلاموں اور زمینوں اور عمدہ چوپایوں اور ان چیزوں میں جن میں اکثر نزاع ہوا کرتا ہے یہ کیسے ہو گا کیونکہ دینے والا کو اختیار ہے کہ پھر جاوے اور کہے کہ میں نادم ہوا، اور میں نے فروخت نہیں کیا مجھ سے صرف یہی فعل ہوا کہ چیز دے دی اور دے دینا بیع نہیں ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس قسم کی بیع کا باب بالکل مسدود کیا جاوے جیسے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ صرف داد وستد سے عقد باطل ہوتا ہے اور اس احتمال میں دو درجہ سے مشکل پڑتی ہے اوّل تو یہ کہ قریب بصواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا معاملہ حقیر چیزوں میں صحابہؓ کی عادت میں داخل تھا اور اگر بالفرض وہ لوگ کنجڑے اور نانبائی اور قصائی وغیرہم سے ادنیٰ ادنیٰ معاملوں میں ایجاب وقبول کیا کرتے تو ایک تو یہ فعل ان پر گراں گذرتا۔ علاوہ ازیں ان کا یہ فعل نقل متواتر سے نقل کیا جاتا اور کوئی نہ کوئی ایسا وقت مشہور ہوتا، کہ اس میں یہ عادت بالکل متروک ہوتی کیونکہ ایسی باتوں میں زمانے مختلف ہوا کرتے ہیں دوسری مشکل یہ ہے کہ آدمی اب اس عادت میں نہایت درجہ کو مبتلا ہیں جو شخص کوئی سی چیز کھانے یا پینے وغیرہ کی مول لیتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ بائع کی ملک اس پر معاطاۃ سے ہوئی ہے تو جس صورت میں یہ نوبت ہوئی ہے تو پھر الفاظ عقد بولنے سے کونسا فائدہ ہے تیسرا احتمال یہ ہے کہ حقیر اور نفیس چیزوں میں حکم جدا گانہ ہو جیسے کہ امام ابو حنیفہؒ ارشاد فرماتے ہیں اس صورت میں دو دلیلیں ہوں گی اوّل حقیر چیزوں کو ضبط کرنا دوم ملک کے بدلنے کا سبب بدون زبان سے کوئی لفظ نکلے کہ جس سے تبدیل ملک پائی جاوے اور ابن شریح نے امام شافعیؒ کے قول کو موافق ارشاد امام اعظمؒ کے نکالا ہے یعنی اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کے قول کے بموجب فتویٰ دیا ہے اور یہ قول واقع میں اعتدال کے قریب تر ہے اور چونکہ اس کی حاجت پڑتی ہے اور خلق میں بہت مروج ہو رہا ہے اور بظن غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صحابہؓ میں یہ امر معتاد تھا تو ان وجوہات کی نظر سے اگر ہم اس قول کی طرف رجوع کریں تو کیا مضائقہ ہے باقی رہا ان دونوں وقتوں کا جواب تو حقیر چیزوں کے ضبط کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ ہم پر ضروری نہیں کہ بتکلف ان کی مقدار معین کریں کیونکہ یہ امر غیر ممکن ہے بلکہ اس بات میں دو طرفیں کھلی کھلی ہیں اوّل تو یہ کہ اگر کوئی شخص ساگ اور تھوڑا سا میوہ اور روٹی اور گوشت اور دوسری حقیر چیزیں جن میں صرف داد وستد مروج ہے اور زبان سے ایجاب وقبول کی عادت نہیں مول لیوے تو یہ طرف حقارت کی ہے اس میں اگر مشتری طالب ایجاب وقبول ہوتا ہے تو لوگ اس کو خسیس جانتے ہیں اور اس کے تکلف کو برا اور بیجا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص ادنیٰ چیز کو تولتا ہے اور بال کی کھال نکالتا ہے

اور دوسری طرف جو نفاست کی ہے وہ سواری کے جانور اور غلام اور زمینیں اور نفیس کپڑے ہیں کہ ان میں ایجاب و قبول کے تکلف کو لوگ بعید نہیں جانتے اور ان دونوں طرفوں کے درمیان ہیں جو چیزیں رہیں وہیں مقام شک و شبہ میں رہیں پس دین دار کو چاہیئے کہ ان میں راہ احتیاط کی چلے اور شرع کے قواعد بھٹنے اس طرح کے ہیں کہ عادت سے معلوم ہوتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کی اطراف کھلی کھلے ہوتے ہیں اور درمیانی امور مشکل اور مشتبہ ہوا کرتے ہیں اور دوسری وقت جو ملک کے بدلنے کی وجہ تلاش کرتے کی ہے اس کی یہ تدبیر ہے کہ ہاتھ سے لینے اور دینے کو سبب ملک کے انتقال کا ٹھہرانا چاہیے اس اس لئے کہ لفظ بھی تو سبب بذات خود نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کی دلالت ہی سبب پڑتی ہے اور ہاتھ کے فعل سے بھی وہی مقصود بیع کا بلحاظ عادات دائمی کے پایا گیا اور اس پر حاجت کا ہونا اور پہلے لوگوں کا اس کو بر تنا ضمیمہ ہو گیا ہے علاوہ ازیں ہدیوں کا قبول کرنا بدون ایجاب و قبول سب کی عادت ہے حالانکہ ملک کی تبدیل ہدیہ میں بھی ہے اور کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کہ جب چیز کے عوض ملک بدلے تب ایجاب و قبول ضروری ہو اور جب بدون عوض بدلے تو ضرورت ایجاب و قبول کی نہ رہی ہاں یہی ہے کہ پہلے لوگوں کی عادت اسی طرح تھی کہ ہدیہ حقیر چیز کا ہو یا نفیس چیز کا اسکو بلا ایجاب و قبول منظور کرتے تھے بلکہ ہدیہ کسی طرح کا ہو اسمیں کی طلب کو برا سمجھتے تھے اور بیع میں سوا ادنیٰ چیزوں کے اور کسی میں ایجاب و قبول ہونے کو برا نہ سمجھتے تھے غرضیکہ ہمارے نزدیک یہ احتمال نہایت درجہ درست ہے اور معہذا متقی دین دار کو شایان ہے کہ ایجاب و قبول ترک نہ کرے تاکہ شبہ خلافت سے بری ہو جاوے یعنی جس صورت میں کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ بائع اس چیز کا مالک بدون ایجاب و قبول ترک نہ کرے تاکہ شبہ خلافت سے بری ہو جاوے یعنی جس صورت میں کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ بائع اس چیز کا مالک بدون ایجاب و قبول کے ہوا ہے تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اس وجہ سے خود ایجاب و قبول نہ کرے کیونکہ اصل حقیقت بائع کی ملک کی معلوم نہیں ہوا کرتی کیا عجب ہے کہ اس نے وہ چیز ایجاب و قبول ہی سے لی ہو ہاں اگر اس کے لینے کے وقت یہ شخص خود موجود ہو یا بائع اپنی زبان سے اقرار کرے کہ میں نے خود بدون ایجاب و قبول کے لی ہے تو اس صورت میں وہ چیز اس سے خرید نہ کرے کسی اور سے مول لے لے پس اگر مبیع حقیر چیز ہو اور مشتری کو اس کی بھی ضرورت بھی ہو تو زبان سے ایجاب و قبول کرے کیونکہ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ آگے کو بائع سے جھگڑا نہ ہو گا اس وجہ سے کہ لفظ صریح سے پھرنا ممکن نہیں اور فعل سے البتہ پھر جانا ممکن ہے اب اگر یہ کہو کہ یہ بات خرید نیکی چیز میں تو ہو سکتی ہے لیکن جس صورت میں کہ کسی ضیافت میں گیا ہو خواہ کسی کے یہاں مہمان ہو اور اس کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ بیع میں صرف داد و ستد پر اکتفا کرتے ہیں اور زبانی ایجاب و قبول نہیں کرتے یا ان سے اس امر کو سنا خواہ اپنی آنکھ سے ان کے معاملات دیکھے تو ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیے ان کے کھانے سے دست کش ہونا چاہیئے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ

چیز کے خریدنے سے تو بلاشک احتراز واجب ہے بشرطیکہ شے نفیس ہو اور حقیر نہ ہو مگر کھانے سے دست کش ہونا واجب نہیں اس لئے کہ ہم فعل کو اگر نقل ملک کی دلیل کرنے میں تردد کریں تو اباحت کی دلیل ٹھہرانے میں کیا تردد چاہیئے اباحت کا حال زیادہ گنجائش رکھتا ہے اور ملک کی تبدیل کے معاملہ میں اتنی گنجائش نہیں پس جو کھانے کی چیز کہ اس میں تعاطی سے بیع ہوئی ہو بائع کا اس کو دے ڈالنا اجازت کل میں داخل ہوگا۔ بقرینہ حالیہ جیسے حمامی کی اجازت حمام میں جانے کی قرینہ حالیہ سے سمجھی جاتی ہے اسی طرح تسلیم بائع سے اس امر کی بھی اجازت جانی جاوے گی کہ مشتری جس کو چاہے اس چیز کو کھلاوے یعنی بیع کو بائع کا حوالہ کر دینا اس جملہ کے قائمقام کر لیا جاوے گا کہ میں نے یہ چیز کھانے کی مشتری کو مباح کر دی چاہے خود کھاوے چاہے دوسروں کو کھلاوے تو اس صورت میں مشتری کا کھانا حلال ہوگا اور اگر بائع تصریح کر دیتا اور کہتا کہ اس کھانے کو کھالے اور کھانے کے بعد مجھ کو اس کا عوض دے دینا اور کھانے کے بعد اس کو تاوان دینا پڑتا یہ ہے حصہ کا قیاس میری دانست میں لیکن تعاطی کے کھاوے گا اور اس کو ضائع کرے گا تو مشتری پر تاوان چاہیئے اور نرخ بازار کے موافق دام اس کے ذمہ واجب الادا ہوئے اور جو دام کہ مشتری نے بائع کو دیئے ہیں اگر وہ بیع کی قیمت کے مثل ہیں تب تو بائع اپنا حق پا چکا اس کو اختیار ہے کہ ان میں تصرف مالکانہ کرے بشرطیکہ جس پر انکا مطالبہ ہے اس سے مطالبہ کرنے میں عاجز ہو اور اگر مطالبہ ان پر قادر ہے تو اس صورت میں جو دام پا چکا ہے اس میں تصرف مالکانہ کرے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مشتری ان داموں کو قرض میں دینے پر راضی نہ ہو تو ایسی صورت میں بائع کو چاہیئے کہ مشتری سے اپنے دام مانگے چونکہ تعاطی کی صورت میں رضائے طرفین بقرینہ حالیہ چیز کے دیئے کے وقت معلوم ہوتی ہے تو اس وجہ سے فعل کو دلیل رضا ٹھہرا کر اگر بائع مشتری کے دیئے ہوئے داموں سے اپنا حق لے لیوے تو کچھ بعید نہیں پھر بھی بہر حال بائع کی جانب زیادہ دقیق ہے کیونکہ جو کچھ اس نے مشتری سے پایا ہے اس میں کبھی تصرف کرنا چاہتا ہے اور تصرف اس کا ہو نہیں سکتا جب تک کہ مشتری کے ہاتھ میں اس کی چیز تلف نہ ہو لے پھر بعض اوقات اس کو یہ حاجت پڑتی ہے کہ قصد تملک از سر نو کرے اور بعض اوقات صرف رضامندی جو فعل سے مستفاد ہوتی ہے نہ قول سے اس کی جہت سے مالک ہو جاتا ہے اگر کھانے کی چیز مشتری کے پاس گئی اور اس کو اس سے اور کوئی غرض بجز کھا لینے کے نہیں تو اس کی جانب اتنا بکھیڑا نہیں کیونکہ اباحت جو فعل سے بقرینہ حال سمجھی جاتی ہے اسی سے کھانا مباح ہو جاتا ہے لیکن تقریر گذشتہ سے کبھی یہ لازم آتا ہے کہ مہمان جو چیز کھا کر تلف کر دے اس کا تاوان اس کے ذمہ پر ہوا اور یہ تاوان اسوقت اسکے ذمہ سے ساقط ہو جب کہ چیز کا بائع مشتری یعنی میزبان کی دی ہوئی چیز پر تملک کرے تو اس وقت میزبان اس کا قرض ادا کرے گا اور جو اس کے ذمہ تھا وہ اپنے ذمہ لے گا غرض کہ تعاطی کا قاعدہ نہایت دقیق ہے اس باب میں فتویٰ دینے کی بنا انہیں احتمالات

اور ظنون پر ہے جو ہم نے بیان کئے اور پرہیزگار آدمی کے لئے اتنا ہی چاہیے کہ وہ اپنے دل سے فتویٰ لیوے اور شبہوں کی جگہ سے احتراز کرے

بیان ۲ سود کے معاملات

اللہ نے سود کو حرام فرمایا ہے اور اس کے باب میں تشدد کیا تو جتنے صراف اور سونے چاندی کا معاملہ کرنے والے ہیں خواہ غلہ کی تجارت کرتے ہیں ان پر سود سے احتراز کرنا واجب ہے کیونکہ سود دو ہی چیزوں میں ہوتا ہے ایک نقد میں دوم غلہ میں صراف کو چاہیئے کہ ادھار اور زیادتی سے بچے ادھار سے بچنے کے یہ معنی ہیں کہ چاندی سونے کی جو چیز چاندی سونے کی کسی چیز کے بدلے میں بیچے تو چاہیئے کہ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے یعنی بائع ثمن پر اور مشتری مبیع پر اسی مجلس میں قبضہ کر لیں یہ نہ ہو کہ بائع کی چیز آج لے اور اپنی چیز مشتری کو کل دیوے یا کچھ عرصہ کے بعد حوالہ کرے غرضیکہ سونے چاندی کی بیع میں ادھار نہ ہونا چاہیئے اس سے یہ نکلا کہ صراف جو سونا خواہ چاندی ٹکسال میں دیویں اور ان کے عوض اشرفیاں خواہ روپیہ بعد کو لیویں تو ادھار ہونے کی جہت سے یہ بیع حرام ہو گئی اور اس وجہ سے بھی حرمت ہے کہ برابری بیع اور ثمن میں نہیں ہوتی کیونکہ ٹکسال میں سونے چاندی کا وزن بعد ٹھپہ لگنے کے اس قدر نہیں رہتا جتنا پیشتر تھا اور زیادتی سے بچنا یہ ہے کہ تین باتوں سے احتراز کرو اول سکہ کے ٹکڑے کو پورے سکہ سے بیچنے سے کہ دونوں کی بیع درست نہ ہو گی جب تک کہ دونوں ایک سے نہ ہونگے دوم کھوٹے سکہ کو کھرے کے بدلہ میں بشرطیکہ دونوں کی تول میں فرق ہو تو ایسا نہ چاہیئے کہ جس سکہ کا وزن کم ہو اور مال کھرا ہو اس کے ایسے سکہ سے بدلے جس کا مال کھوٹا ہو اور وزن میں زیادہ ہو اور یہ دو اس صورت میں ناجائز ہیں کہ چاندی چاندی کے عوض اور سونا سونے کے عوض بیچا جاوے لیکن اگر بیع اور ثمن مختلف جنسیں ہوں کہ ایک ایک طرف چاندی اور دوسری طرف سونا تو زیادتی کا مضائقہ نہیں تیسری صورت یہ ہے کہ جو چیز چاندی اور سونے سے مرکب ہو مثلاً اشرفیاں جن میں چاندی مخلوط ہو اگر سونے کی مقدار مجہول ہو گی تو اس کا معاملہ ہر گز درست نہ ہو گا۔ ہاں اگر وہ سکہ شہر میں رائج ہو گا تو ہم اس کے معاملہ کی صحت کا حکم کریں گے اس شرط پر کہ نقد کے عوض معاملہ نہ ہو اور یہی حال ہے ان روپیوں کا جن میں تانبا ملا ہو کہ اگر شہر میں چلتے نہ ہوں گے تو ان سے معاملہ صحیح نہ ہو گا اس واسطے کہ ان سے مقصود چاندی ہے اور وہ معلوم نہیں کہ کتنی ہے اور اگر شہر میں رائج ہوں گے تو ہم ان سے معاملہ کرنے کی اجازت دیں گے حاجت کی وجہ سے نیز اس باعث سے کہ اس صورت میں ان کی چاندی نکالنی مقصود نہیں مگر چاندی کے عوض میں ہر گز ان کی داد وستد نہ ہونی چاہیئے اور اسی طرح جو زیور کہ سونے اور چاندی سے مرکب ہو اس کا خریدنا سونے کے عوض درست نہیں اور نہ چاندی کے عوض بلکہ اور اسباب کے عوض خریدنا چاہیئے اگر سونے کی مقدار معلوم ہو لیکن جس صورت میں کہ زیور مذکور پر سونے کا ملمع ایسا ہو کہ آگ میں رکھنے سے جدا سونا نہ نکل سکے تو ایسے زیور

کی بیع اس کے ہموزن چاندی کے عوض خواہ سونا چاندی کے جس چیز کے عوض مشتری چاہے جائز ہے اور اسی طرح صراف کو سونے کے عوض میں ایسا ہار خرید نا نہ چاہیئے جس میں سونا اور پوٹ[1] دونوں ہوں اور نہ اس کو سونے کے عوض فروخت کرنا چاہیئے بلکہ چاندی کے عوض اس کی خرید و فروخت یڈا بید کر دے اگر اس میں چاندی نہ ہو اور جو کپڑا کہ سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہو اس طرح کہ جلانے سے اس کا سونا علیحدہ ہو سکتا ہے اس کے سونے کے عوض خرید نا جائز نہیں چاندی وغیرہ کے بدلہ میں درست ہے اور کھانے کی چیزوں کی سوداگری کرنے والوں کو چاہیئے کہ جنس طعام اگر مبیع اور ثمن ہوں تو خواہ ایک ہی ہو یا مختلف مجلس عقد میں ان کا تقابض کر لیا کریں جیسے گیہوں کو گیہوں کے بدلے فروخت کریں یا چنے کے عوض یا دونوں صورتوں میں اس ہاتھ دیں اس ہاتھ لیں اور اگر مبیع اور ثمن ایک ہی جنس ہوں تو اتنا لحاظ اور ضروری ہے کہ دونوں چیزیں برابر ہوں اور اس باب میں کئی ایک معاملہ لوگوں میں رائج ہو رہے ہیں حالانکہ وہ درست نہیں مثلاً قصائی کو بکری زندہ دیتے ہیں اور اس کے عوض میں اس سے نقد یا ادھار لیتے ہیں اور یہ حرام ہے یا نان بائی کو گیہوں دیکر ان کے عوض اس سے روٹی نقد یا ادھار لیتے ہیں یہ بھی حرام ہے یا تیلی کو ناریل اور تل اور زعفران اور سرسوں وغیرہ دیتے ہیں تاکہ ان چیزوں کے عوض اس سے ان کا تیل اسی وقت خواہ کچھ عرصہ کے بعد لیویں کہ یہ بھی حرام ہے اسی طرح گھوسی کو دودھ دیتے ہیں تاکہ ان چیزوں کے عوض اس سے پنیر اور گھی اور مکھن خواہ اور کوئی چیز دودھ کے لیویں وہ بھی حرام ہے غرضیکہ اشیاء خوردنی میں سے کوئی چیز دودھ اگر غیر جنس کے عوض بیچی جاوے تو اس میں ادھار نہ ہونا چاہیئے اور اگر اسی جنس کے عوض ہو تو اس میں برابری بھی ضروری ہے اور جو چیز کہ کسی خوردنی چیز سے بنتی ہے اس کی بیع عوض میں اس خوردنی کے درست نہیں خواہ دونوں برابر ہوں یا کم و بیش مثلاً آٹا اور روٹی اور ستو جس غلہ کا ہو ان کی بیع اس کے عوض نہ چاہیئے اور سرکہ اور شیرہ اور دوشاب جس میوہ کا ہو اس کی بیع میوہ کے عوض نہ چاہیئے اور گھی اور مکھن اور مٹھا اور پنیر اور کھویا جو دودھ سے بنتے ہیں ان کی بیع دودھ کے عوض چاہیئے۔

اور مبیع اور ثمن کی برابری اشیاء خوردنی میں جب ہی تک کار آمد ہے کہ وہ چیزیں ذخیرہ کرنے کی ہوں اور جب ایسی ہوں کہ قابل ذخیرہ کرنے کے نہ ہوں اور ایک حال پر نہ رہتی ہوں تو ان میں برابری مفید نہ ہو گی اسی بناء پر خرما، تر کی بیع خرما، تر کے عوض میں اور انگور کی انگور کے بدلے میں درست نہ ہو گی خواہ مبیع اور ثمن برابر ہوں یا کم و بیش پس یہ چند امور ہوئے جو بیع کی تعریف ہیں اور مقامات فساد پر تاجر کے واقف کرنے میں کافی ہیں کہ جب اس کو کچھ شک ہو یا کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو دریافت کرے اور اگر اس قدر باتیں بھی نہ جانتا ہو گا تو سوال کی جگہوں سے بھی ناواقف رہے گا اور نادانستہ سود اور حرام میں داخل ہو جاوے گا۔

بیع سلم کی شرائط عشرہ

اوّل یہ کہ راس المال جو پیشگی دیا جاوے وہ معلوم

[1] پوت اصل میں خرزہ ہے اور یہ لفظ ہر قسم کے جواہر پر بولا جاتا ہے چنانچہ خرزات الملک بادشاہ کے تاج کے جواہر ہے ۱۲ سید صدیق احمد عفی عنہ

مجہول نہ ہوتا کہ اگر طرف ثانی بدلی کے چیز نہ دے سکے تو مال والا اپنے مال کی قیمت اس سے واپس لے سکے پس اگر اوّل ایک بھر روپیہ اٹکل سے دے کہ ان کے عوض اتنے گیہوں لیں گے تو ایک روایت کے بموجب یہ بدلی درست نہ ہوگی دوم یہ کہ راس المال کو جدا ہونے سے پیشتر عین عقد کی مجلس میں حوالہ کر دینا چاہئے اگر دوسرا شخص راس المال پر قبضہ نہ کرے گا اور دونوں اس مجلس سے علیحدہ ہو جاویں گے تو بدلی درست نہ ہوگی۔ سوم یہ کہ مسلم فیہ یعنی جس چیز کی بدلی کی جاوے وہ ایسی شے ہو کہ اس کے اوصاف کو بتلا سکیں جیسے غلہ اور حیوانات اور کان کی چیزیں اور روئی اور اون اور ریشم اور دودھ اور گوشت اور گندھیوں کی چیزیں اور جو ان کے مثل ہو اور معجونوں اور مرکب چیزوں کی بدلی اور ایسی اشیاء کی جن کی افراد مختلف ہوتی ہو جیسے کمانیں اور تیر بنائے ہوئے اور موزے اور جوتے جن کی افراد اور دوخت مختلف ہوں اور حیوانات کے چمڑوں کی بدلی درست نہیں اور روٹی کی بدلی جائز ہے اور روٹی میں جو آب و نمک کم یا زیادہ پکانے سے مختلف ہو جاتا ہے وہ معاف ہے اور اس سے چشم پوشی کر لی جاتی ہے۔ چہارم یہ کہ جو چیزیں وصف کے قابل ہوں ان کے اوصاف کامل طور پر بیان کر دیے جائیں یہاں تک کہ کوئی وصف ایسا نہ رہنے پاوے جس کے سبب سے چیز کی قیمت میں اتنا فرق ہو جاوے کہ لوگ اس کو ناگوار جانیں اور اتنی گھٹی نہ اٹھاویں کیونکہ ایسے اوصاف بیان کرنے قائم مقام دیکھ لینے مبیع کے ہیں بیع میں پانچویں یہ کہ اگر بدلی مدت پر ٹھہرے تو مدت متعین ہو یوں نہ کہے کہ کھیت کٹنے یا پھل پکنے تک بدلی کرتے ہیں بلکہ مہینوں اور دنوں کے شمار سے مدت مقرر ہونی چاہئے اس لئے کہ کھیت کٹنا اور پھل کا پکنا آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے چھٹے یہ کہ مسلم فیہ ایسی چیز ہو کہ جس کو آدمی وعدے کے وقت دے سکے اور ظن غالب اس وقت اس کے معدوم ہونے سے مامون ہو تو یوں نہ چاہئے کہ ان کو اور دوسرے میووں کی بدلی ایسی مدت پر کرے جس میں وہ نہ پکیں لیکن اگر مدت ایسی مقرر کی تھی کہ غالبًا اس وقت مسلم فیہ موجود ہونے مگر وعدے پر کسی آفت کی وجہ سے نہ دے سکا تو مالک مال کو اختیار ہے کہ چاہے اس کو مسلم فیہ کو بہم ہو جانے تک مہلت دے یا معاملہ کو فسخ کر کے اپنا مال دیا ہوا واپس لے۔ ساتویں یہ کہ جس مکان میں مسلم فیہ کو دے گا اس کا ذکر کر دینا چاہیئے بشرطیکہ چیز میں مکان کے اختلاف سے اختلاف ہوتا ہو تا کہ اس کے باعث نزاع نہ پیدا ہو آٹھویں یہ کہ مسلم فیہ کو معین چیز سے متعلق نہ کرے مثلاً یوں نہ کہے کہ اس کھیت کے گیہوں یا اس باغ کا پھل لیں گے کیونکہ اس قید سے مسلم فیہ کا دین ہونا باطل ہو جاتا ہے ہاں اگر یوں کہے کہ فلاں شہر کا پھل یا فلاں قصبہ کلاں کا لیں گے تو کچھ ضرر نہیں اس شخص کو وہی دینا پڑے گا۔ نویں یہ کہ مسلم فیہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کا وجود کمیاب ہو مثلاً موتی کے ایسے اوصاف کہہ دے کہ اس طرح کا کم ملے یا خوبصورتی لونڈی کو مسلم فیہ قرار دیا اور کہہ دیا

کہ بچہ بھی اس کے ساتھ ہو یا اسی طرح کی چیز کہ اکثر مل نہ سکے دسویں یہ کہ جب راس المال اشیاء خوردنی میں سے ہو تو مسلم فیہ کھانے کی چیز نہ ہونے چاہیئے خواہ راس المال از قسم نقد ہو تو مسلم فیہ نقد نہ ہونا چاہیئے چنانچہ اس کا ذکر سود میں ہم کر چکے ہیں۔

اجارہ اور اس سے متعلقہ مسائل اول اجرت دوم منفعت معاملہ کرنے والہ اور الفاظ معاملہ اس میں ویسے ہی معتبر ہوں گے جو ہم بیع میں ذکر کر چکے ہیں اور اجرت اس معاملہ میں ایسی ہے جیسے ثمن ہے بیع میں اس لئے جو شرطیں ہم بیع میں ثمن کے لئے لکھ آئے ہیں انہیں چیزوں کے ساتھ اجرت کا معاملہ میں ان باتوں سے احتراز کرنا چاہیئے جنکی عادت لوگوں کو پڑ رہی ہے اور ان کی کچھ اصل نہیں مثلاً گھر کو کرایا دینا اس کی تعمیر کے عوض میں کہ اس میں مقدار تعمیر مجہول ہو اور اگر کرایہ کے روپیہ مقرر کئے اور کرایا دار سے شرط کر لی کہ ان کو تعمیر میں لگا دینا تو جائز نہ ہوگا اس لئے کہ تعمیر میں لگانے کا عمل مجہول ہے اور اگر جانور کی کھال کھچوائی اور اجرت میں کھال کو مقرر کر دیا خواہ مردار کو اٹھوایا اور اجرت میں اس کی کھال اٹھانے والے کو دے ڈالی یا آٹا پسوایا اور بھوسی کو اجرت ٹھہرایا خواہ کچھ آٹے میں سے دینا کہا تو یہ معاملے باطل ہیں اور یہی حال ہے ہر ایک اجرت کا جو مزدور اور کرایہ دار کے عمل سے حاصل ہو تو چاہیئے کہ ایسی چیز کو اجرت مقرر نہ کرے اور ایک صورت یہ ہے کہ مکانوں اور دکانوں کے کرایہ میں بہت سے دنوں کا کرایہ اکٹھا ٹھہرا دیویں پس اگر یہ کہہ دیں کہ ہر مہینے پیچھے ایک دینار اور مدت کرایہ کے مہینے نہ بیان کریں تو مدت مجہول رہے گی اور اجارہ منعقد نہ ہوگا دوسرا رکن اجارہ کا وہ منفعت ہے جو اجارہ سے مقصود ہو اور وہ صرف کام ہے اور جو کام کہ مباح اور معلوم ہو اور کرنے والے کو اس میں محنت پڑتی ہو اور ایک شخص دوسرے کی طرف سے اس کو سلوک کے طور پر کر دیتا ہو تو ایسے کام کے لئے اجارہ درست ہے اور اجارہ کے سب فروع اس فائدہ کلیہ میں درج ہیں مگر ہم ان کی تفصیل سے کلام کو طول نہیں دیتے اس لئے کہ فقہیات ہیں ہم اس کو مفصل لکھ چکے ہیں اس کتاب میں صرف ان چیزوں پر اشارہ کرتے جو اکثر کام آویں پس جس کام پر اجارہ یا ٹھیکہ ہو اس میں پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے اول یہ کہ اس کام کی کچھ قیمت ہو یعنی اس میں کچھ کلفت اور مشقت ہو اس سے یہ نکلا کہ اگر اشیاء خوردنی اس لئے کرایہ پر لیں کہ ان سے دوکان کو سجادے یا درخت اس لئے کرایہ لے کہ ان پر کپڑے سکھادے یا روپیہ اس غرض سے کرایہ لے کر ان سے دوکان کو زینت دے تو یہ معاملے درست نہ ہوں گے اس لئے کہ یہ منافع ایسے ہیں جیسے چیزوں میں تل اور گیہوں کا ایک دانہ ہو جس کی بیع درست نہیں اور اسی وجہ سے اگر کسی بیچنے والے کو مزدور مقرر کیا کہ ایسی بات کہے کہ جس سے مال کی ترویج ہو تو یہ اجرت درست نہ ہوگی اور یہ جو معمول ہو گیا ہے کہ بیچنے والے اپنی وجاہت اور حشمت کے عوض میں اور اس امر کے بدلے میں کہ مال کی فروخت میں

ہمارا قول مانا جاتا ہے یا مکان مال سے کچھ حیثیت سے زیادہ لیتے ہیں وہ حرام ہے کیونکہ ان کو بجز ایک بات کرنے کے اور کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی اور ایک بار زبان ہلا دینے کی کچھ قیمت نہیں ہاں یہ اجرت ان کو اس وقت درست ہوگی کہ معاملے کے کرنے میں آمد و رفت کرنے پڑے یا بولتے بولتے مغز ہل جاوے پھر بھی مستحق اجرت مثل کے ہوں گے کہ جتنی محنت کی ہو اسی قدر محنت کی جو مزدوری ہوتی ہو وہ پاویں اور انہوں نے جو باتفاق ہم دیگر ایک دستور باندھ لیا ہے وہ ظلم ہے اور بوجہ حلال نہیں لیتے دوسرے یہ کہ اجارہ میں یہ نہ ہو کہ کوئی شے مقصود کرایہ دار کی ملک میں آوے بجز نفع کے مثلاً اگر انگور کا ٹھیکہ لیا اس غرض سے کہ اس کی پیداوار ہم لیں گے یا دودھ کے جانور کو کرایہ پر لیا دودھ کے واسطے خواہ باغ کو کرایہ پر لیا پھلوں کے واسطے تو درست نہ ہو گا مگر دودھ پلانے والی کو اجرت پر مقرر کرنا درست ہے اس صورت میں دودھ تابع ہو جاوے گا اس وجہ سے کہ اس کو علیحدہ نہیں کر سکتے اور اسی طرح کاتب کی سیاہی اور درزی کے دھاگے کو تابع تصور کیا جاتا ہے کیونکہ یہ چیزیں علیحدہ مقصود نہیں تیسرے یہ کہ عمل ایسا ہو کہ اس کو مزدور ظاہر میں اور شریعت کی رُو سے مالک کو دے سکے تو اگر کسی کمزور آدمی کو ایسے کام کے لئے مزدور کیا جاوے گا جو اس سے نہ ہو سکے تو یہ اجارہ درست نہ ہوگا یا گونگے کو تعلیم وغیرہ کے لئے مزدور کرنا صحیح نہ ہوگا اور جن امور کا کرنا حرام ہے وہ شریعت کی رو سے مزدور نہیں دے سکتا مثلاً اس بات پر مزدور کرنا صحیح و سالم دانت کو اکھاڑ ڈالے یا کسی عضو کو کاٹ ڈالے جس کے کاٹنے کے لئے شریعت میں اجازت نہیں یا حائضہ عورت کو مسجد میں جھاڑو دینے کے لئے مزدور کرے یا متعلم کو جادو اور فحش سکھانے پر نوکر رکھے یا دوسرے کی بی بی کو بدون اس کے شوہر کی اجازت کے دودھ پلانے کے لئے کر رکھے یا مصور کو جانداروں کی تصویر بنانے کے لئے رکھے یا مصور کو جانداروں کی تصویر بنانے کے لئے اجرت دے یا سنار کو سونے اور چاندی کے برتن ڈھالنے کے لئے مزدوری دے تو یہ سب باطل ہیں۔ چوتھے یہ کہ وہ کام ایسا نہ ہو کہ مزدور پر اس کا کرنا واجب ہو اور نہ ایسا ہو کہ مالک کی طرف سے اس میں نیابت نہ چلے تو اب اگر جہاد کرنے پر اجرت لے گا تو جائز نہ ہوگا اسی طرح جن عبادات میں نیابت نہیں ہو سکتی ان پر بھی اجرت ناجائز ہے اسلئے کہ وہ مالک کی طرف سے نہ ہو گی بلکہ مزدور کی طرف سے ادا ہوں گی ہاں دوسرے کی طرف سے حج کرنے اور میت کو نہلانے اور قبر کھودنے اور مردوں کے دفن کرنے اور جنازہ اٹھانے پر مزدوری لینی درست ہے اور نماز تراویح کی امامت اور اذان دینے اور تعلیم اور قرآن پڑھانے کی اجرت لینے میں اختلاف ہے مگر کوئی خاص مسئلہ سکھا دینے یا کوئی معین صورت کسی خاص شخص کو سکھا دینے کی اجرت درست ہے۔ پانچواں یہ کہ عمل اور منفعت معلوم ہو مثلاً درزی کا کام کپڑے میں بتا دیا جاوے اور معلم کو سورہ کی تعلیم اور اس کی مقدار معلوم کرا دی جاوے اور جانوروں کی بار برداری میں بوجھ کی مقدار اور مسافت کا حال کہہ دیا جاوے غرضیکہ جو باتیں عادت میں خصومت کے

باعث ہوں ان کو گول نہ رکھنا چاہئے صاف صاف اوّل ذکر کر دینا چاہئے۔ اور ان کی تفصیل طویل ہے ہم نے اسی قدر پر اکتفا کی کہ اس سے احکام کھلے کھلے معلوم ہو جاویں اور مشکل موقعوں پر واقفیت ہو تا کہ عالم سے دریافت کیا جاوے علاوہ ازیں سب مسائل کو کما حقہ مفصل جاننا مفتی کا کام ہے نہ عوام کا

مضاربت اس معاملہ میں تین ارکان کا لحاظ رکھنا چاہیئے اوّل راس المال کا اس میں یہ شرط ہے کہ نقد اور معین ہو اور مضارب کو دیدیا جاوے نقد کی قید سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر راس المال پیسے یا اسباب ہوگا تو مضاربت درست نہ ہوگی کہ تجارت کا باب ان دونوں میں تنگ ہے اور معین سے نکلا کہ اگر راس المال میں ایک روپیوں کی تھیلی دیدے تو درست نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں نفع کی مقدار مجہول رہے گی اور مضاربت کے دینے سے یہ نکلا کہ اگر راس المال کو مالک اپنے قبضہ میں رکھنے کی شرط کرے گا تو مضاربت صحیح نہ ہوگی کہ اس صورت میں بھی راہ تجارت تنگ ہے دوسرا رکن مضاربت کا نفع ہے اس میں شرط یہ ہے کہ حصہ اور سہام سے مقرر ہووے مثلاً مضاربت کے لئے تہائی یا چوتھائی یا آدھا یا اور کوئی سہام مقرر کیا جاوے اور یہ نہ کہے کہ تجھ کو سو روپیہ دوں گا اور باقی میرا رہے گا کہ اس طرح مضاربت درست نہ ہوگی اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ نفع سو روپیہ سے زیادہ نہ ہو تو محنت مضاربت کی رائیگاں جاوے گی اسی لحاظ سے نفع کی مقدار شمار کی رو سے معین نہ ہونی چاہئے بلکہ سہام کے لحاظ سے معین کی جاوے تیسرا رکن مضارب کا کام ہے اس کی شرط یہ ہے کہ کام اس طرح کا ہو جس سے تجارت کا باب اس پر تنگ نہ ہو یعنی کسی مال معین اور وقت معین کی قید نہ لگائی جاوے مثلاً اگر یہ شرط کرے کہ راس المال کے بدلے میں مواشی خریدنا اور ان سے نسل لینا اس نسل کو آپس میں تقسیم کر لیں گے یا گیہوں خرید کر روٹی پکانا اور پھر جو نفع ہوگا اس کو آپس میں بانٹ لیں گے تو درست نہ ہوگی اس لئے کہ مضاربت کی اجازت تجارت میں ہے اور وہ بیع و شرا اور ان کے متعلق باتیں کرنے سے ہوتی ہے اور روٹی پکانا اور مواشی کی رکھوالی داخل تجارت نہیں بلکہ یہ حرفے ہیں اس لئے مضاربت درست نہ ہوگی اور اگر مضارب سے یہ شرط کرے کہ بجز فلاں شخص کے اور کسی سے مت خرید کرنا یا سرخ خز کے سوا اور کوئی تجارت نہ کرنا یا اور کوئی ایسی شرط لگاوے جس سے تجارت کی راہ اس پر تنگ ہو گئی ہو عقد مضاربت فاسد ہو جاوے گا اور جب کہ عقد مضاربت دو شخصوں میں ہو جاوے تو اب مضارب وکیل ہے راس المال میں تصرف وکیلوں کی طرح کرے اور مالک جس وقت چاہے مضاربت کے عقد کو فسخ کر سکتا ہے لیکن اگر ایسے وقت میں فسخ کریگا کہ مال مضاربت اسباب ہو اور اس میں کچھ نفع نہ ہو تو وہ مالک کو پھیر دیا جاوے گا اور مالک کو یہ اختیار نہیں کہ مضارب سے کہے کہ اس مال کو نقد کر کے دو کیونکہ عقد مضاربت تو فسخ ہوگا اس کے سوا اور کوئی چیز مضارب کے ذمہ پر لازم نہیں اور اگر مضارب کہے کہ میں اس کو بیچے دیتا ہوں اور مالک انکار

کرے تو مالک کی رائے مانی جاوے گی ہاں جس صورت میں کہ مضارب کو کوئی ایسا گاہک ملے جس کے باعث راس المال پر نفع ہوتا ہو تو اب مضارب کے قول پر عمل ہوگا اور اگر راس المال پر نفع بھی ہوا ہو اور سب اسباب ہو تو مضارب کو چاہیئے کہ راس المال کی قدر اس میں سے بدلے اس نقد کو جو راس المال میں لگا تھا فروخت کر ڈالے اور کسی نقد کے عوض نہ بیچے تاکہ بچا ہوا مال فائدہ متصور ہو اور اس میں دونوں شریک رہیں اور مضارب پر یہ ضروری نہیں کہ جو اسباب راس المال سے بڑھے اس کے عوض بیچ ڈالے اور جب شروع سال ہوا کرے تو مالک اور مضارب زکوٰۃ کے لئے مال کی قیمت کا اندازہ کیا کریں پس جس صورت میں کہ نفع کسی قدر ظاہر ہو تو قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ مضارب کے ذمہ ہے اور نفع ظاہر ہونے پر وہ نفع کا مالک ہو جاتا ہے اور مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ مالک کی اجازت کے بدون مال مضاربت کو سفر میں لے جائے اگر لے جائے گا تو اس کے تصرفات تو درست ہوں گے مگر در صورت تلف نقد اور چیز سب کا تاوان دینا پڑے گا کیونکہ باہر لے جانے سے اس کی تعدی ثابت ہوگی اور اگر اجازت سے سفر کرے گا تو درست ہے اس صورت میں خرچ باربرداری اور چوکیدار کا مال مضارب پر ہوگا جیسے کہ ناپ تول کی اور ایسے لادینے کی مزدوری جس کی عادت سوداگران کو نہ ہو راس المال پر ہوتی ہے لیکن تھان کا کھولنا اور تہ کرنا اور تھوڑے سے کام کا کرنا جو اکثر خود کر لیا کرتے ہیں انپر مزدوری خرچ کرنے کا اختیار مضارب کو نہیں اور جب تک کہ مضارب اسی شہر میں رہے جہاں مضاربت ہوئی ہے تو اس کا نفقہ اور مکان سکونت خود اس کے ذمہ رہے گا مگر دکان کا کرایہ اس کے ذمہ نہیں اور جس صورت میں کہ خاص مال مضاربت کے لیئے سفر کرے اس وقت اس کا نفقہ مال مضاربت پر ہوگا۔ اور جب سفر سے پھرے تو اس کو چاہیئے کہ سامان سفر کی جو چیزیں رہ گئی ہیں مثلاً لوٹا اور دسترخوان وغیرہ مال مضاربت میں شامل کر دے۔

شرکت کے معاملات اس کی چار قسمیں ہیں ان میں سے تین باطل ہیں اوّل شرکت مفاوضہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے مال جدا جدا ہیں اور وہ آپس میں کہیں کہ ہم نے شرکت مفاوضہ کی اس غرض سے کہ جتنا روپیہ ہم کو نفع یا نقصان ہو اس سب میں ہم شریک ہیں تو یہ صورت باطل ہے دوم شرکت ابدان وہ یہ ہے کہ دو شخص اپنے اپنے کام کی اجرت میں ایک دوسرے کی شرکت شرط کر لیں یہ بھی باطل ہے سوم شرکت وجوہ وہ اس طرح ہے کہ دو شخصوں میں سے ایک وجاہت رکھتا ہو اور اس کا قول لوگ مانتے ہوں وہ دوسرے کو اپنی وجاہت سے مال دلوا دے اور فروخت دوسرا شخص کرے اور نفع میں دونوں باہم شریک ہوں یہ شرکت بھی باطل ہے چہارم شرکت عنان ہے جو درست اور جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص اپنے اپنے

مال آپس میں ایسی طرح ملا دیں کہ بدون تقسیم ان میں تمیز دشوار ہو اور ہر شخص دوسرے کو تصرف کی اجازت دے دے پھر اس شرکت کا حکم یہ ہے کہ نفع و نقصان دونوں میں حصہ رسد موافق دونوں کے مالوں کے تقسیم ہو جاوے اور یہ درست نہیں کہ مالوں کی نسبت کے سوا کوئی اور شرط تقسیم کی ٹھہرا دیں مثلاً اگر ایک کا مال تہائی ہو تو اس کی شرکت نفع و نقصان میں تہائی رہے گی یہ نہ ہوگا کہ وہ آدھے کا شریک ہو جاوے پھر جب ایک شخص کو معزول کر دیا جاوے تو اس کا تصرف ممنوع ہوگا اور بانٹنے سے ایک دوسرے کی ملک علیحدہ ہو جاوے گی اور صحیح یہ ہے کہ شرکت عنان اسباب مشترک سے بھی جائز ہے اس میں نقد کی بھی ضرورت نہیں بخلاف مضاربت کے کہ اس میں راس المال کا نقد ہونا چاہیئے حاصل یہ کہ علم فقہ میں اس قدر کا سیکھنا ہر پیشہ ور کو ضروری ہے ورنہ ناوانستہ حرام میں مبتلا ہو جاوے گا اور قصائی اور نانبائی اور بقال کے معاملہ سے تاجر اور غیر تاجر کوئی خالی نہیں سب کو ضرورت پڑتی ہے اور اس معاملہ میں تین دقتیں پڑتی ہیں اوّل بیع کی شرطوں کو ترک کرنا دوم بدلی کی شرطوں کا لحاظ نہ رکھنا سوم تعاطی پر اکتفا کرنا کیونکہ عادت یوں ہو گئی ہے کہ جتنی ضرورت روزمرہ کی اشیاء کی پڑتی ہے اسی قدر چٹھی ان لوگوں کے پاس بھیج دی جاتی ہے پھر چند روز بعد حساب ہوتا ہے۔ اور ساری جنس کی قیمت ایسی لگائی جاتی ہے جس پر طرفین راضی ہو جاویں اور حاجت کے سبب سے ان پر مباح ہونے کا حکم ہے اور یہ مان لیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا روزمرہ چیز کا دے ڈالنا بتوقع عوض ملنے کے اس چیز کو کھانے کو مباح کر دیتا ہے مگر کھانے کے بعد ضمان چاہتے اور جس روز چیز کو کھایا اس روز کا دام اس کے ذمہ پر ہوا تو یہ دام روزمرہ کے ذمہ پر جمع ہو گئے اب جو کسی قدر مدت کے بعد تراضی ہوئی تو چاہئے کہ ان سے مطلق فارغ خطی کرائی جاوے تاکہ ایسا نہ ہو کہ روزمرہ کی قیمتوں کے تفاوت کو اس میں کچھ دخل ہو تو ایسے معاملوں میں اسی رواج پر قناعت کرنا چاہتے کیونکہ ثمن کا دینا ہر حاجت روزمرہ کے لئے ہر دم نہایت دقت ہے اسی طرح ہر گھڑی ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لئے ثمن مقرر کرنا اور ایجاب و قبول عمل میں آنا دشواری کی بات ہے پس جس صورت کہ اس قسم کے معاملہ کثرت سے ہوتے ہیں تو آسانی اسی میں ہے کہ ان کی قیمت یکجا لگا دی جاوے۔

تیسری فصل معاملات میں عدل کا اہتمام اور ظلم سے احتراز

واضح ہو کہ معاملہ کبھی ایسی طرح ہوتا ہے کہ مفتی اس کو صحیح و جائز بتاتا ہے مگر اس میں ظلم ایسا ہوتا ہے جس کے سبب سے معاملہ کرنے والا خدا تعالیٰ کے غصہ کا مستحق ہوتا ہے گو وہ معاملہ فی نفسہ فاسد نہ ہو اور ظلم سے ہماری غرض یہ ہے کہ جس سے دوسرے کو ضرر ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اس کا ضرر عام ہو دوسری وہ کہ اس کا ضرر خاص معاملہ کرنے والے کو ہو قسم اوّل کی

سی انواع ہیں جن میں سے ہم دو کو درج کتاب کرتے ہیں اول گرانی کی نیت سے غلہ کو روک رکھنا کہ غلہ کا بیچنے والا غلہ کو جمع کرتا ہے اور بھاؤ کے گران ہونے کا منتظر رہتا ہے اور یہ فعل ظلم عام ہے اور اس کا کرنے والا شرع میں مذموم ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں [۷۱] من احتکر الطعام اربعین یوما ثم تصدق بہ لم تکن صدقتہ کفارۃ لاحتکارہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا [۷۲] من احتکر الطعام اربعین یوما فقد برئ من اللہ وبرئ اللہ منہ اور بعض روایت میں فقد بری الخ کے عوض فکانما قتل نفسا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ایک یہ قول ہے کہ جو کوئی غلہ کو چالیس روز تک رکھے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور یہ بھی نقل ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک غلہ کے روکنے والے کا غلہ آگ سے پھونک دیا تھا اور غلہ کے نہ روکنے کے ثواب میں یہ حدیث مروی ہے کہ جو شخص باہر سے غلہ خرید کر لاوے اور اس روز کے نرخ سے اس کو بیچ دے تو گویا اس نے وہ غلہ خیرات کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ گویا اس نے ایک بردہ آزاد کیا اور بعضوں نے اس آیت کی تفسیر میں [۷۳] ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم فرمایا ہے کہ غلہ روکنا بھی ظلم ہے اور اس آیت کے وعید میں داخل ہے اور بعض اکابر سلف سے مروی ہے کہ وہ واسط میں تھے وہاں سے انہوں نے ایک کشتی گیہوں کی بصرہ کو بھیجی اور اپنے وکیل کو لکھ دیا کہ جس روز کشتی بصرہ میں داخل ہو اسی روز غلہ فروخت کر دینا توقف دوسرے روز تک نہ کرنا اتفاقاً جب کشتی پہنچی تو نرخ ارزاں تھا سوداگروں نے وکیل سے کہا کہ اگر ایک ہفتہ ٹھہرو تو تم کو کئی گنا فائدہ ملے گا وہ ایک ہفتہ ٹھہر گیا اور ان کے کہنے کے بموجب کئی گنا نفع ہوا اور اپنے مؤکل کو یہ خبر لکھ بھیجی مالک غلہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ میاں صاحب ہم نے تھوڑے سے نفع پر قناعت کی تھی کہ ہمارا دین بچا رہے تم نے ہمارے کہنے کے خلاف کیا ہم کو منظور نہیں کہ نفع کئی گنا ملے اور ہمارے دین میں سے اس کے عوض کچھ کم ہو جائے یہ تم نے بڑا قصور کیا اب اس کا تدارک یہ کرو کہ بمجرد میرے خط پہنچنے کے سب مال کو لے کر بصرہ کے فقیروں پر خیرات کر دو شاید اس تدبیر سے مجھ کو ثواب نہ ہو تو غلہ روکنے کے گناہ سے تو بچ جاؤں گا اب جاننا چاہئے کہ غلہ روکنے کی جو ممانعت ہے وہ مطلق ہے لیکن اس میں وقت اور جنس کا لحاظ چاہئے پس جنس کے اعتبار سے ممانعت جنس غذا میں عام ہے خواہ کوئی شے ہو کسی کا روکنا نہ چاہئے ہاں جو چیزیں کہ آدمی کی غذا یا غذا پر مددگار نہیں وہ اس ممانعت میں داخل نہیں گو کھائی جاتی ہوں جیسے دوا بوٹی زعفران وغیرہ میں اور جو چیزیں کہ غذا پر مددگار

۷۱ جو شخص غلہ کو چالیس روز بند رکھے پھر اس کو صدقہ کر دے تو اس کا صدقہ اس کے روک رکھنے کا کفارہ نہ ہوگا۔ ۷۲ جو شخص غلہ کو چالیس روز روک رکھے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہوا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہوا اھ یعنی پس گویا اس نے ایک نفس کو قتل کیا
۷۳ اور جو اس میں چاہے بڑی شرارت سے اسے ہم چکھاویں گے ایک دکھ کی مار۔

ہیں مثل گوشت اور میووں کے یا ایسی چیزیں کہ بعض اوقات ہیں غذا کے قائمقام ہو جاتی ہیں گو ہمیشہ ان کو غذا نہیں کہہ سکتے تو ان میں محل تامل اور اختلاف ہے بعض علماء نے ان اشیاء کو بھی ممانعت میں شامل کر رکھا ہے اور گھی اور شہد اور شیرہ اور پنیر اور زیتون کے تیل یا جو اس طرح کی چیزیں ہوں سب کے روکنے کو حرام فرمایا ہے اور بعض کے نزدیک ان چیزوں کے روکنے میں کچھ قباحت نہیں اور وقت کے لحاظ سے بھی ممانعت یا تو سب وقتوں میں عام ہے اور وہ حکایت جو بصرہ میں غلہ پہنچنے کا وقت نرخ ارزاں ہونے کے باب میں مذکور ہوئی اس سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ممانعت سب وقتوں میں نہ رہے بلکہ خاص ان وقتوں میں ہو جن میں غلہ کی کمی ہو اور لوگوں کو اس کی حاجت ہو یہاں تک کہ رک کر بیچنے میں لوگوں کا ضرر ہو اور جس صورت میں کہ غلہ کی افراط ہو اور لوگوں کی حاجت اس کی طرف نہ ہو اور اگر کسی کو خواہش بھی ہو تو تھوڑے دام لگا دیں ایسے وقت میں اگر غلہ والا صبر کرے اور قحط کا امیدوار نہ ہو تو اس میں کسی کا ضرر نہیں اور ایام قحط میں شہد اور گھی وغیرہ کے رکھ چھوڑنے سے ضرر ہوتا ہے تو چاہیئے کہ ان کا رکھ چھوڑنا حرام ہو اور مدار حرمت کے ہونے اور نہ ہونے کا ضرر پر کیا جاوے کہ طعام کی خصوصیت سے بھی سمجھا جاتا ہے اور جس صورت میں کہ ضرر نہ ہو اس صورت میں بھی غلہ کا روک رکھنا خالی کراہت سے نہیں اس لئے کہ اگرچہ غلہ والا متوقع ضرر کا نہیں مگر اس کے آغاز کا متوقع بہر صورت ہے یعنی بھاؤ کا گراں ہونا اس کو منتظر رہنا ہے اور جیسے خود ضرر رسانی ممنوع ہے اور اسی طرح جو چیز اس کی تمہید اور آغاز پڑے وہ بھی ممنوع ہے مگر اس کی برائی خود اسکی نسبت کر کم ہے اور ضرر رسانی کا منتظر رہنا خود ضرر رسانی کی نسبت کر کم ہے غرضکہ جس درجہ کی ضرر رسانی ہوگی اسی کے موافق کراہت اور حرمت کے درجات متفاوت ہوں گے حاصل یہ کہ غذا کی تجارت مستحب نہیں اس لئے کہ تجارت میں فائدہ مطلوب ہے اور غذائیں قوام انسانی کے لئے اصل ہیں اور چونکہ فائدہ اصل پر مزید ہوتا ہے تو چاہیئے کہ ایسی ہی چیزوں میں طلب کیا جاوے جو مخلوق کی اصل ضرورت میں داخل نہ ہوں اور خلق کو ان کی حاجت نہ ہو اور اسی وجہ سے کسی تابعی نے ایک شخص کو وصیت کی کہ اپنے لڑکے کو دو بیع میں مت سونپنا اور نہ دو پیشوں میں بیعوں سے اول بیع غلہ کی ہے دوم کفن کی بیع کیونکہ غلہ والا گرانی چاہتا ہے اور کفن کا بائع لوگوں کا مرنا چاہتا ہے اور دو پیشے یہ ہیں اول قصائی کا کہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے دوم زرگری کا کہ وہ دنیا کو سونے چاندی سے زینت دیتا ہے دوسری نوع ضرر عام کے نقد میں کھوٹے روپیوں کا دینا ہے اور یہ ظلم ہے کیونکہ اس سے اہل معاملہ کو ضرر ہوگا بشرطیکہ ناواقف ہو اور اگر واقف ہوگا تو دوسروں میں اس کو رائج کرے گا اسی طرح جس کے ہاتھ وہ پڑتا جاوے گا وہ دوسرے کو پڑتا جاوے گا وہ دوسرے کو دیتا جاوے گا اور سب کا وبال اور گناہ اول شخص پر ہوگا کہ اسی نے یہ طریقہ نکالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ح مَنْ سَنَّ سنۃً سیئۃً نعل بہا من بعدہٖ کان علیہ وزرہا ومثل وِزرِ من عمل بہا لا

ح جس شخص نے کوئی طریقہ بد نکالا اور اس کے بعد اس پر کسی نے عمل کیا تو اس باتی پر اس کا خود کا گناہ ہوگا اور جو کوئی اس کے بعد

ینقص من اوزارھم شیئاً اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ایک کھوٹے روپیہ کا رائج کرنا سو روپیوں کی چوری سے زیادہ سخت ہے اس لئے کہ چوری ایک نافرمانی ہے کہ ہوگئی اور موت کے بعد منقطع ہوئی اور کھوٹے روپیہ کا رائج کرنا ایک بدعت ہے جو رائج کنندہ دین میں ظاہر کرتا ہے اور ایک برا طریق ہے جس کو بعد والوں کے واسطے بنائے جاتا ہے تو اس کا گناہ موت کے بعد صدہا سال تک رہ سکتا ہے جب تک وہ روپیہ چلتا رہے گا اور اس کے باعث جو کچھ خرابی اور نقصان لوگوں کے مال میں ہوگا اس سب کا وبال اس کی گردن پر رہے گا اور خوش حال وہ شخص ہے کہ اس کے مرنے پر اس کے گناہ بھی مر جاویں اور نہایت خرابی اس کی ہے جو خود مر جاوے اور اس کے گناہ سو برس یا دو سو برس باقی رہیں اور ان کے سبب سے قبر میں اس پر عذاب ہوتا رہے اور جب تک اس کا انقطاع ہو تب تک کی بازپرس اسی سے رہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] ونکتب ما قدموا وآثارھم یعنی ہم ان کے وہ اعمال جو پیچھے چھوڑ جاویں گے وہ بھی لکھیں گے جیسے وہ لکھیں گے جن کو وہ اپنی زندگی میں کر گئے اور اسی طرح چیز یہ ارشاد ہے[ت۲] ینبؤا الانسان یومئذٍ بما قدم واخر کہ بما اخر سے وہی آثار یہ اعمال مراد ہیں جو برے طریقہ کی جڑ باندھ گیا ہے اور دوسرے اس کو کرتے ہیں اب جاننا چاہیئے کہ کھوٹے روپیہ کے متعلق پانچ باتیں ہیں اول یہ کہ جب ایسا روپیہ تاجر دین دار کے پاس آوے تو چاہیئے کہ اسکو کنوئیں میں ڈال دے کہ پھر کسی کے ہاتھ نہ لگے اور اس بات سے نہایت احتراز کرے کہ اس کو دوسرے معاملہ میں رائج کرے اور اگر اس کو توڑ ڈالے اس طرح کہ اس سے پھر معاملہ نہ ہو سکے تو یہ بھی جائز ہے دوسرے یہ کہ تاجر کو نقد کا پرکھنا سیکھ لینا چاہیئے نہ اس غرض سے کہ اپنے روپیوں کو اچھا کھرا دیکھ لے گا بلکہ اس نیت سے کہ کسی مسلمان کو کھوٹا روپیہ اس کے ہاتھ سے نادانستگی میں نہ دیا جاوے اور اس کے باعث سے گنہگار نہ ٹھہرے تو اگر اس علم کے سیکھنے میں قصور کریگا تو خطاوار ٹھہرے گا کیونکہ جس عمل کے لئے ایسا علم ہے جس سے مسلمانوں کی خیر خواہی پوری ہوتی ہے تو اس عمل میں اس علم کا سیکھنا واجب ہے اور اسی جیسی بات کے لئے اکابر سلف نقد کی علامتیں سیکھ لیا کرتے تھے کہ دیانت میں خلل نہ ہو دنیا کا ان کو کچھ لحاظ نہ تھا تیسرے یہ کہ اگر اہل معاملہ کو ایسا روپیہ دیگا اور اس سے یہ کہہ دے گا کہ کھوٹا ہے تب بھی دائرہ گناہ سے باہر نہ ہوگا کیونکہ دوسرا شخص جو اسکو لیتا ہے وہ اسیلیے لیتا ہے کہ کسی اور بیخبری میں دیدونگا اگر یہ نیت نہ ہوتی تو وہ اسکو ہرگز نہ لیتا ہاں اطلاع کرنے سے اتنا فائدہ ہوگا جو ضرر خاص اہل معاملہ کو ہوتا ہے اسی کے گناہ سے البتہ بچ جاویگا چوتھے یہ کہ روپیہ کو اس نیت سے لے گا کہ بموجب اس حدیث شریف کاربند ہو[۳ح] رحم اللہ سهل الشراء سهل البيع سهل القضاء سهل الاقتضاء تو وہ اس حدیث کی برکت دعا میں داخل ہوگا بشرطیکہ کھوٹا روپیہ لینے سے ارادہ مصمم ہو کہ اسکو کنوئیں میں ڈالدونگا اور گر یہ ارادہ رکھتا ہو گا کہ اسکو کسی جگہ اور چلا دونگا تو یہ برائی ہے کہ شیطان نے نیکی کی تلاش ہیں

ت ۱ اور ہم لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور ان کے پیچھے نشان رہے ۱۲۔ ت ۲ جتاویں گے انسان کو اس دن جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ۱۲

ح ۳ اللہ تعالیٰ رحم کرے فروخت میں نرمی اور آسانی برتنے والے خرید میں نرمی کرنے والے پر ۱۲ بخاری بروایت جابر باختلاف الفاظ ۱۲

(ح ۱ بقیہ) اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ کی قدر بھی اس پر ہوتا رہے گا اور اس کے گناہ سے کچھ کم نہ ہوگا مسلم بروایت جریر باندک اختلاف ۱۲

اس پر سو چھادی اس صورت میں ان لوگوں میں داخل نہ ہوگا جو دام لینے میں سہل گیری کرتے ہیں پانچویں یہ کہ کھوٹے روپیہ سے ہماری غرض وہ روپیہ ہے جس میں بالکل چاندی نہ ہو صرف ملمع کا ہو یا اشرفی ہو تو اس میں سونا نام کو نہ ہو بجز ملمع کے اور جس روپیہ میں چاندی اور دوسری چیزیں ملی ہوں اور شہر میں وہ مروج ہو تو اس سے معاملہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے ہماری رائے یہی ہے کہ اگر شہر میں اس کا رواج ہو تو اس سے معاملہ کرنا جائز ہے خواہ اس کی چاندی کی مقدار معلوم ہو یا نہ ہو اور اگر شہر میں وہ سکہ نہیں چلتا تو اس صورت میں اس سے معاملہ جب ہی درست ہوگا کہ اس میں کی چاندی کی مقدار معلوم ہو پس اگر داموں میں کوئی روپیہ ایسا ہو کہ شہر کے رائج روپیہ سے اس میں چاندی کم ہو تو تاجر کو چاہئے کہ جس کو وہ روپیہ دے اس کو اس کے نقصان کی اطلاع کر دے اور معاملہ ایسے لوگوں سے کرے جن کو جانے کہ یہ اس روپیہ کو برابر میں چلادیں گے اور دھوکہ دوسروں کو نہ دیں گے اور اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ شخص برابر میں چلا دے گا تو وہ روپیہ اس کے حوالہ کرنا خود بانی فساد ہونا ہے اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے انگور ایسے شخص کے ہاتھ بیچے کہ جس کو وہ جانتا ہو کہ وہ اس کی شراب بنا دے گا کہ یہ بیع ممنوع ہے اور برائی میں مدد کرنا اور اس کا شریک ہونا ہے اور ان جیسے امور کا تجارت میں خیال رکھنا نفل عبادت کی مواظبت سے زیادہ ہے اور اسی جہت سے بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ سچا تاجر خدا تعالیٰ کے نزدیک عابد سے افضل ہے۔ اور اکابر سلف معاملات میں ایسی باتوں سے بہت احتیاط کرتے تھے چنانچہ کسی غازی کا حال سنا ہے کہ اس نے اپنا قصہ بیان کیا میں نے ایک بار جہاد میں اپنے گھوڑے کو ایک کافر پر ڈپٹایا کہ اس کو قتل کروں مگر گھوڑے نے قصور کیا میں لوٹ آیا پھر وہ کافر میرے قریب آگیا میں نے دوبارہ حملہ کیا اس دفعہ بھی گھوڑے نے کوتاہی کی میں نے تیسری بار حملہ کیا اس دفعہ بھی گھوڑا بدک گیا اور کہیں کا کہیں گیا حالانکہ کبھی ایسا نہ ہوا تھا میں معرکہ سے واپس آیا اور مجھ کو نہایت رنج تھا ایک تو کافر ہاتھ سے نکل گیا دوسرے گھوڑے میں جو عادت کبھی نہ دیکھی تھی وہ ظاہر ہوئی غرضکہ اپنا سا منہ لیے خیمہ میں آیا اور اپنا سر خیمہ کی لکڑی پر رکھ کر گھوڑے کو کھڑا چھوڑ لیٹ گیا خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ گھوڑا مجھ سے کہتا ہے کہ میاں صاحب خدا کو یاد کرو تم نے تین بار یہ چاہا کہ کافر کو مجھ پر سوار ہو کر مارو حالانکہ کل جو تم نے میرا چارہ لیا تھا اس میں ایک درم کھوٹا تھا تو ایسا کبھی نہ ہوگا کہ تم مجھ کو ایسی خوراک کھلا کر پھر مجھ سے اطاعت چاہو اس کے بعد میں جاگا اور بہت خوف کھایا اور گھاس والے کے پاس جا کر اس درم کو بدلا پس یہ دو مثالیں ضرر عام کی لکھ دی گئیں ان پر قیاس کر لینا چاہیے دوسری قسم ظلم کی وہ ہے جس کا ضرر خاص اہل معاملہ کو ہو تو جتنی باتوں سے کہ اہل معاملہ کا نقصان ہوتا تو وہ ظلم میں داخل ہیں عدل اس کا نام ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو ضرر نہ پہنچا دے اور اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ دوسرے کے لیے وہی بات چاہیے جو اپنے لیے چاہتا ہو اور اسی کے قریب یہ مثل فارسی کی ہے ہرچہ بر خود ناپسندی بر دیگرے پسند تو جو بات ایسی ہو کہ اپنے ساتھ کوئی کرے تو بری معلوم ہو اور دل پر ناگوار گذرے مناسب ہے کہ وہ بات خود بھی دوسروں کے ساتھ نہ کرے بلکہ یوں چاہیے کہ اس کے نزدیک اپنا روپیہ اور غیر کا روپیہ مساوی ہو بعض اکابر نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کے ہاتھ ایک چیز ایک روپیہ میں بیچے اور اگر

اس کے ہاتھ کوئی وہ شے بیچتا تو اپنے آپ چودہ آنہ سے زیادہ نہ لگاتا تو وہ شخص اس خیر خواہی کا تارک ہوگا جس کا حکم معاملے میں بجالانے کا ہے اور ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگرے پسند پر کاربند نہ ہوگا یہ بیان اس امر کا مجمل ہوا اور اس کی تفصیل چار باتوں میں منحصر ہے اول یہ کہ جو بات متاع میں نہ ہو وہ اس کی صفت میں بیان نہ کرے دوسرے یہ کہ چیز میں جو عیب اور پوشیدہ صفات ہوں ان کو مطلق نہ چھپاوے تیسرے یہ کہ چیز کی مقدار اور وزن میں کچھ پوشیدہ نہ کرے چوتھے یہ کہ اس کے نرخ کو پوشیدہ نہ رکھے ایسی طرح کہ اگر طرف ثانی نرخ کو معلوم کرے تو پھر اس چیز کو خرید نہ کرے اب ہر ایک مفصل سنو اول بات یعنی چیز کی زیادہ تعریف نہ کرے اس لیے کہ بیع کی تعریف کرنی دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ باتیں اس میں بیان کرتا ہے جو واقع میں اس کے اندر نہیں تو اس صورت میں صریح جھوٹ ہے اور اگر مشتری اس کی باتوں کو مان لے گا جھوٹ کے سوا ظلم اور دغابازی بھی بائع کی گردن پر ہوگی اور اگر مشتری نہ مانے گا تو جھوٹ اور بے مروتی پھر بھی بائع کے ذمہ رہے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ چیز میں ایسی باتیں بتادیں جو اس میں موجود ہوں اس صورت میں اس کا کلام لغو اور بے فائدہ ہے اور اس کو سب کلموں کا حساب دینا ہے کہ فلانا کلمہ یوں کہا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت[1] مایلفظ من قولٍ الالدیہ رقیب عتید ہاں اگر چیز میں ایسی باتیں بیان کرے جو اسکے اندر ہوں اور بدوں ذکر کیے ہوتے مشتری کو ان پر واقفیت نہ ہو مثلاً لونڈی غلاموں اور جانوروں کے پوشیدہ اوصاف بیان کرے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ جس قدر موجود ہوں ان کو بے کم و کاست بدوں مبالغہ اور طوالت کے کہے اور اس بیان کرنے میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ بھائی مسلمان ان امور سے واقف ہو کر اس کی رغبت کرے اور اس سبب سے اس کا کام نکلے مگر ان امور کے بیان کرنے میں قسم قطعاً نہ کھاوے اس لیے اگر جھوٹ پر قسم کھاوے گا تب یمین غموس[1] کا مرتکب ہوگا جو ایسا بڑا گناہ ہے کہ شہر چوپٹ کر دیتا ہے اور اگر سچ پر قسم کھاوے گا تو اللہ تعالیٰ کو اپنی قسم کا نشانہ بناوے گا اور یہ کمال گستاخی ہے کیونکہ دنیا کمینی کا اتنا رتبہ کہاں کہ بلا ضرورت خدا تعالیٰ کے نام سے اس کی ترویج کا قصد کیا جاوے اور حدیث میں ہے کہ خرابی ہے سوداگر کی ان کلمات سے بلیٰ واللہ و لا واللہ اور خرابی ہے کاریگر کی کل اور پرسوں کے وعدہ کرنے سے اور ایک حدیث میں یوں وارد ہے ح[2] الیمین الکاذبۃ منفقۃ للسلعۃ ممحقۃ للکسب اور حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[3] ثلثۃ لا ینظر اللہ الیہم یوم القیمۃ عتل متکبر و منان بعطیۃ و منفق سلعۃ منفقۃ تو جس صورت میں کہ چیز کی تعریف کرنی باوجود راست ہونے کے اس لحاظ سے کہ وہ ایک کلمہ لغو ہے روزی اس سے زیادہ نہیں ہوتی تو قسم کے باب میں شدت کا ہونا اس سے صاف ظاہر ہے یونس بن عبید جو حریر بیچا کرتے تھے ان سے کسی نے حریر مول لینے کیلئے مانگا انکے غلام نے حریر کے طاقوں کی گٹھڑی نکالی

ت[1] نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس پاس ایک راہ دیکھتا تیار۔ ۱۲ [1] یمین غموس اس قسم کو کہتے ہیں کہ گذشتہ کام پر قسم کھاوے اور جانتا ہو کہ وہ کام اس طرح نہ تھا۔ ح[2] جھوٹی قسم متاع کو رواج دینے والی ہے اور کسب کو مٹانے والی بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ اسی کے قریب مروی ہے ۱۲ ح[3] تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نہ دیکھے گا اول درشت خو متکبر دوم اپنے دینے کا احسان جتانیوالا سوم اپنی متاع کو قسم سے رواج دینیوالا مسلم میں بروایت ابوذر مناں اور ازار کا لٹکانیوالا اور جھوٹی قسم سے متاع کا رواج دینیوالا مذکور ہے

آپ نے اس کو پھیلایا اور دیکھ کر کہا الٰہی ہم کو جنت نصیب کر یہ کہہ کر غلام سے کہا کہ اس کو اپنی جگہ پر رکھ دے اور خریدار کے ہاتھ اس میں سے کچھ نہ بیچا اس خوف سے کہ وہ دعا جو زبان سے نکل گئی تھی کہیں کنایۃً اپنی چیز کی تعریف میں متصور نہ ہو تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں تجارت کی اور معاملات میں اپنے دین کو تلف نہیں کیا بلکہ جان لیا کہ آخرت کا نفع طلب کرنا بہ نسبت دنیاوی نفع کے بہتر ہے دو امر ہیں چاہیے کہ بیع کے تمام عیب خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ سب ظاہر کرے ان میں سے کچھ نہ چھپاوے کہ امر واجب ہے اگر کوئی عیب چھپاوے گا تو ظالم دغاباز ہوگا اور دغا دینا حرام ہے اور نصیحت یعنی مسلمانوں کی خیر خواہی جو ضروری ہے اس کا تارک ہی ہو اور جس صورت میں کپڑے کا اچھا رخ ظاہر کرے اور دوسرے کو چھپا ہوا رکھے تو دغاباز ہوگا اس طرح اگر بیع کو اندھیرے میں مشتری کے سامنے کرے گا یا موزے اور جوتے وغیرہ کے جوڑے میں سے اچھی پواتی دکھاوے گا تو دغابازی ثابت ہوگی اور دغا اور فریب کی حرمت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت [ح۴] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص پر گذرے جو غلہ بیچ رہا تھا آپ کو وہ غلہ اچھا معلوم ہوا دست مبارک اس کے اندر ڈالا تو تری معلوم ہوتی ارشاد فرمایا کہ یہ کیا ہے اس نے عرض کیا کہ اس کو مینہ پہنچ گیا ہے آپ نے فرمایا کہ پھر تو نے بھیگے غلہ کو اوپر کیوں نہیں کر دیا تاکہ لوگ دیکھتے جو ہم کو دغا دے وہ ہم سے نہیں اور عیب کے کہہ دینے سے مسلمانوں کی خیر خواہی کا واجب ہونا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب جریر رضؓ سے بیعت اسلام لی تو وہ چلنے کے لیے اٹھے آپ نے ان کا کپڑا کھینچ کیا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی ان پر شرط کر دی جریر رضؓ کا دستور تھا کہ جب اسباب بیچنے کھڑے ہوتے تو اس کے عیب مشتری کو خوب دکھلا دیتے اور کہتے کہ اب تم کو اختیار ہے چاہو لو چاہو نہ لو لوگوں نے ان سے کہا کہ تم ایسا کرو گے تو تمہاری بیع کوئی نہ پوری ہوگی انہوں نے فرمایا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر عہد کیا ہے کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے یعنی اگر اس طرح بیع نہ کریں تو خلاف عہد ہوگا۔

اور واثلہ بن الاشقع رضؓ کھڑے تھے اور ایک آدمی اپنی اونٹنی بیچ رہا تھا مشتری نے اس کے دام تین سو درم بائع کو دیئے واثلہ کا خیال اور طرف تھا مشتری اونٹنی لے کر چلا گیا جب انہوں نے دیکھا کہ وہ چلا گیا اس کے پیچھے دوڑے اور پکار پوچھنے لگے کہ تو نے یہ اونٹنی گوشت کے لیے لی ہے یا سواری کے لیے اس نے کہا کہ سواری کے لیے خریدی آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کے پاؤں میں ایک شگاف دیکھا ہے اس سے برابر منزلیں طے نہ ہو سکیں گی وہ واپس آیا اور اونٹنی کو بائع کے حوالہ کیا بائع نے اس کے دام سو درم کم کر دیئے اور واثلہ رضؓ سے کہا خدا تم پر رحم کرے کہ تم نے میرا معاملہ بگاڑا آپ نے فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کر چکے ہیں کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے [ح۶] لا یحل لاحد یبیع بیعاً الا ان یبین ما فیہ ولا یحل لمن یعلم ذلک الا تبیینہ

---

۴ ح مسلم بروایت ابوہریرہ۔ ۵ ح بخاری و مسلم بروایت جریر ابن عبد اللہ ۱۲۔

ح نہیں حلال ہے کسی کو کہ کوئی بیع کرے گر مگر یہ کہ بیان کرے جو اس میں ہو اور نہیں حلال ہے اس شخص کو کہ اس امر سے واقف ہو یہ کہ بدوں بیان کے رہے ۱۲ حاکم بروایت واثلہ رضی اللہ عنہ۔

غرضنکہ اکابر سلف نے خیر خواہی سے یہی مضمون سمجھا تھا کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے چاہے اور مسلمان کی خیر خواہی میں اپنے اعتقاد میں نہیں جانتے تھے کہ زوائد اور فضائل میں سے ہے بلکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ مضمون اسلام کی شرطوں میں سے ہے اور بیعت کے اندر داخل ہے اور یہ بات اکثر خلق پر دشوار ہے۔ اس لیے اچھے محتاط لوگ ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے اور گوشہ گزینی اختیار کر کے عبادت محض کرتے ہیں کیونکہ لوگوں میں مل جل کر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بجا آوری ایک ایسا سخت اجتہاد ہے جس کو بجز صدیقوں کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اور آدمی پر یہ امر بدون دو چیزوں کے اعتقاد کیے آسان نہیں ہو سکتا اول یہ سمجھتا کہ عیبوں کو چھپا کر بیع کے بیچ دینے سے کچھ روزی نہ بڑھے گی بلکہ روزی کی برکت جاتی رہے گی اور یہ متفرق پاپ جمع ہو کر ایک روز یکایک سب سرمایا لے ڈوبے گا چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کے یہاں ایک گائے تھی وہ اسکے دودھ میں پانی ملا کر بیچڑالتا تھا ایک دفعہ ایک سیل آئی اور وہ گائے ڈوب گئی اس کے لڑکے نے کہا کہ وہی متفرق جو ہم نے دودھ میں ملاتے تھے دفعتاً جمع ہو گئے اور اس کو بہالے گئے اور کیسے نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے [۱۲] البیعان اذا صدقا فی بیعھما نصحا بورک لھما فی بیعھما واذا کتما کذبا نزعت برکۃ بیعھما اور ایک حدیث میں ہے [۳] ید اللہ علی الشریکین ما لم یتخادنا اذا تخاونا رفع یدہ عنھما غرض کہ مال خیانت سے بڑھتا نہیں جیسے خیرات سے کم نہیں ہوتا اور جو شخص کہ زیادتی اور کمی کو بجز تولنے کے اور دوسری طرح نہیں جانتا وہ اس بات کو باور نہ کرے گا لیکن جس کو معلوم ہے کہ کبھی ایک روپیہ میں برکت وہ ہوتی ہے کہ آدمی دین و دنیا کی سعادت کا سبب بن جاتا ہے اور کبھی اللہ تعالےٰ ہزاروں میں سے اس طرح برکت اڑا دیتا ہے کہ وہ مالک کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں یہاں تک کہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ یہ کاش ہزاروں میرے پاس نہ ہوتے ہوتے اور بعض اوقات میں ان باتوں کو مناسب جانتا ہے تو وہ شخص ہمارے قول کے معنی سمجھتا ہے کہ واقع میں خیانت سے مال بڑھتا نہیں اور صدقہ دینے سے کم نہیں ہوتا دوسری بات جس کا سمجھنا ضرور ہے اس امر کے لیے کہ مضمون خیر خواہی آدمی میں کامل اور سہل ہو جاوے یہ ہے کہ جان لے کہ آخرت کا نفع اور وہاں کی تونگری دنیا کے نفع سے بہتر ہے اور مال کے فوائد عمر کے پورا ہو جانے سے ہو چکتے ہیں اور بندوں کے حقوق و مال کا وبال گردن پر رہتا ہے اس صورت میں عاقل کیسے پسند کرے گا کہ جو چیز ادنیٰ ہے اس کو لیوے اور اعلیٰ چیز کے عوض میں دے اور دین کی سلامتی ظاہر ہے کہ سب چیزوں سے اعلیٰ اور بہتر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں [۱] کہ کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ ہمیشہ خلق پر سے اللہ تعالیٰ کا غضب دور کرتا رہتا ہے جب تک کہ لوگ دنیا کے معاملہ کو آخرت پر

---

[۲] ح بائع اور مشتری جب سچ بولیں اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں تو ان کو ان کی بیع میں برکت دی جاتی ہے اور جب چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی بیع کی برکت چھین لی جاتی ہے۔ بخاری و مسلم بروایت حکیم بن حزام ۱۲۔ [۳] ح اللہ تعالےٰ کا ہاتھ دو شریکوں پر ہے جب تک کہ ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں۔ اور جب وہ خیانت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ ان پر سے ہٹا لیتا ہے ۱۲ ابو داؤد و حاکم بروایت ابو ہریرہ۔

[۱] ح ابو   بروایت انس بسند ضعیف۔

ترجیح نہ دیں اور ایک روایت ؎۲ میں یوں ہے کہ جب تک کہ یہ پرواہ نہ کریں کہ دین کی سلامتی کے مقابل ان کی دنیا میں سے کیا جاتا رہا اور جب ایسا کرتے ہیں اور پھر لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جھوٹے ہو یہ قول تم اعتقاد سے نہیں کہتے ہو اور ایک اور حدیث ؎۳ میں ہے کہ جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اخلاص سے کہے وہ جنت میں داخل ہوگا کسی نے عرض کیا کہ اس کا اخلاص کیا ہے فرمایا کہ اخلاص یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہے اس سے اس کو بچاوے اور فرمایا ؎۴ ما امن بالقرآن من استحل محارمہ اور جو شخص یہ جان لے گا کہ یہ باتیں اس کے ایمان میں خلل ہیں اور تجارت اخروی کا راس المال اپنے لیے بلاشبہ ایمان ہے تو وہ شخص اپنی عمر جاوید کا سرمایا ایسے نفع کے سبب سے کیوں کھووے گا جس سے انتفاع صرف چند روزہ ہو اور بعض تابعین فرماتے ہیں کہ اگر میں مسجد جامع میں جاؤں اور وہ نمازیوں سے بھری ہو اور مجھ سے کوئی پوچھے کہ ان سب میں بہتر کون ہے تو یہی کہوں ؎۵ کہ جو سب سے زیادہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہو وہ سب سے اچھا ہے پھر اگر کوئی یہ کہدے کہ یہ سب سے زیادہ خیر خواہ ہے تو کہدوں گا کہ یہی سب سے اچھا ہے اور اگر کوئی یوں پوچھے کہ ان میں بدتر کون ہے تو کہوں کہ جو سب سے زیادہ لوگوں سے دغا کرتا ہے اور جب بتاوے کہ یہ شخص زیادہ دغاباز ہے تو کہدوں کہ یہی سب میں برا ہے اور دغا کرنی سب معاملات میں خواہ بیع ہو یا کاری گری حرام ہے تو کاری گر کو بھی نہ چاہیے کہ اپنے کام میں سستی کرے اس طرح کہ اگر خود وہی کام دوسرے کاریگر سے لے اور ویسا ہی کرے جیسا اس نے کیا تو پسند نہ کرے بلکہ چاہیے کہ اپنا کام خوبی اور پائداری سے کردے اور اگر اس میں کوئی برائی ہو تو اس کو بیان کردے اس طرح کرنے سے مواخذہ سے بچا رہیگا ایک شخص موچی نے ابن سالم سے پوچھا کہ اگر میں جوتیوں کی بدلی کردوں تو مجھ کو کیا کرنا چاہیے کہ فرمایا کہ دونوں رخ برابر بناتا اور دہنی پوائی کو بائیں سے اچھی مت کرنا اور بھرت کی چیز ایسی ڈالنا کہ پوری ہو ٹکڑے نہ ہوں اور سیون پاس پاس کرنا اور ایک پوائی کو دوسری پر مت رکھنا اور اس قسم کا سوال حضرت احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا تھا کہ کپڑے میں رفو ایسا ہے جو معلوم نہیں ہوتا اس کی بیع کیسی ہے فرمایا کہ بائع کو اس کا چھپانا درست نہیں ہاں اگر رفوساز یہ جانے کہ دوسرا شخص رفو دیکھنے کو مانگتا ہے اور خرید کرنا نہیں چاہتا تو اس کو درست ہے کہ رفو کا اظہار نہ کرے اب اگر یہ کہو کہ جب انسان پر بیع کے عیوب کا ذکر کرنا واجب ہوا تو کبھی معاملہ نہ بنے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاملہ بننے کی صورت یہ ہے کہ تاجر آدمی ایسی ہی چیز خریدے جو عیب دار نہ ہو اور اگر وہ فروخت نہ کرے تو اپنے لیے رکھ سکے پھر فروخت کے وقت تھوڑے سے نفع پر اکتفاء کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت بھی کرے گا اور دھوکا دینے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی وقت تو یہ ہے کہ لوگ تھوڑے نفع پر قناعت نہیں کرتے اور بہت بدون دغا کے ملتا نہیں پس جو شخص تجارت کا ڈھنگ موافق مذکورہ بالا ڈالے گا وہ عیب دار چیز کیوں خریدے

؎۲ حکیم ترمذی در نوادر بروایت انس بسند ضعیف ۱۲۔ ؎۳ طبرانی در کبیر و اوسط بروایت زید بن ارقم ان یاتون الخ یعنی ہزار نہ ہونے کا

؎۴ نہیں ایمان لایا قرآن پر جس نے اس کے محرمات کو حلال جانا ۱۲۔

؎۵ اصل میں یوں ہے تو یہی کہوں کہ ان لوگوں میں سب سے بڑھ کر ان کا خیر خواہ کون شخص ہے پھر اگر کوئی کہدے ۱۲۔

گا کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہو اور اگر اتفاق سے کوئی اس قسم کی چیز آجاوے تو اس کے عیب کو ذکر کر دینا چاہیے اور اس کا جو دام اٹھے اس پر قناعت کرنی چاہیے ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بکری فروخت کی اور مشتری سے کہا کہ اس میں ایک عیب ہے اسکو بھی سن لو وہ یہ ہے کہ چارہ کو پاؤں سے پلٹ دیتی ہے اور حسن بن صالح نے ایک لونڈی بیچی اور مشتری سے فرمایا کہ ایک بار اس کی ناک سے ہمارے یہاں خون آیا تھا پس اکابر سلف کی عادت معاملات میں یہ تھی کہ ادنیٰ بات ذکر کر دیتے تھے اب جس شخص سے پابندی ان باتوں سے نہ ہو سکے اس کو چاہیے کہ معاملہ کرنا چھوڑ دے ورنہ عذاب اخروی اپنے اوپر اٹھالے سوم یہ کہ مقدار کو نہ چھپاوے یہ امر ترازو کی برابری اور تولنے اور ناپنے میں احتیاط کرنے سے ہوتا ہے تو چاہیے کہ جس طرح خود دوسروں سے لے اسی طرح دوسروں کو دے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ت وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ اذا كتالو على الناس يستوفون وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ اور اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ دوسروں کو جھکتا دیوے اور آپ اترتا ہوا لیوے کیونکہ ٹھیک برابری بہت کم ہو سکتی ہے اس لیے زیادتی اور کمی میں بچاؤ کی صورت نکل آتی ہے علاوہ ازیں پورا حق لینے میں یہ احتمال بھی رہتا ہے۔ کہ شاید طرف ثانی کا زیادہ نہ آجاوے یا اسکو کم تر پہنچے اس لیے تدبیر مذکورہ سے یہ احتمال بھی نہیں رہتا بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں ایک رتی کے عوض میں اللہ تعالیٰ سے ویل یعنی خرابی کیوں مول لوں اسلیے جب اپنا حق لیتے تو آدھی رتی کم لیتے اور دینے کے وقت ایک رتی زیادہ دیتے اور فرمایا کرتے کہ خرابی ہے اس شخص کو جو ایک رتی کے عوض جنت بیچڈالے کہ جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور نہایت خسارہ اس آدمی کو ہے جو طوبیٰ بیچکر ویل مول لے اور ان جیسی چیزوں سے بچنے کے لیے جو سلف نے نہایت تاکید کی اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ چیزیں بندوں کے حق میں ہیں جن سے توبہ نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ کس کس کا حق رہ گیا کہ وہ اکھٹے ہو جاویں اور ان کو ان کے حق دیدئے جاویں اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کوئی چیز مول لی تو دام تولنے والے سے فرمایا کہ زن وارجح یعنی دام کو وزن کر اور جھکتی تول اور فضیل رحمتہ اللہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ ایک اشرفی کو دھو رہے ہیں منظور یہ تھا کہ اسکو بھناویں پس اس پر جو میل کچیل لگا تھا اس کو صاف کیا۔ تا کہ میل کے سبب سے اس کا وزن زیادہ نہ ہو فرمایا کہ بیٹا تمہارا یہ کام دو حجوں اور دس عمروں سے بڑھکر ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ مجھ کو تاجر اور بائع سے بڑا تعجب ہے کہ ان کی نجات کیسے ہوگی دن کو تولتے اور قسم کھاتے ہیں اور رات کو سو رہتے ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا کہ اے لخت جگر جیسے سانپ دو پتھروں کے بیچ میں گھس جاتا ہے ویسے خطا دو معاملہ کرنے والوں میں گھس جاتی ہے اور کسی نیک بخت نے ایک مخنث پر نماز پڑھی انسے کسی نے کہا کہ یہ تو بدکار تھا وہ چپ ہو رہے دوبارہ پھر وہی کہا تو انہوں نے فرمایا کہ شاید تمہاری غرض ہے کہ اس کے پاس دو ترازو یا دو باٹ تھے کہ ایک سے لیتا اور ایک سے دیتا تھا اس

ت! خرابی ہے گھٹانیوالوں کی وہ کہ جب ناپ لیں لوگوں سے پورا بھر لیں اور جب ناپ دیں یا تول دیں تو گھٹا کر دیں ۱۲

ح اصحاب سنن وحاکم بروایت سوید بن قیس ۱۲

جواب میں انہوں نے یہ اشارہ کیا کہ اس کی بدکاری صرف حق اللہ تھی اور داد و ستد میں فریب کرنا حق العباد کی کوتاہی ہے اس کا معاف ہونا البتہ دور از قیاس ہے حاصل یہ کہ میزان کا معاملہ بہت شدید ہے اس سے نجات کی صورت ایک آدھی رتی سے ہو سکتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے سورہ رحمن میں یوں پڑھا ہے ت۱ الا تطغوا فی المیزان واقیمو الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان یعنی زبانہ ترازو کو درست رکھو کہ کمی و بیشی اس کی ذرا سے ادھر ادھر ہو جانے سے ہو جاتی ہے بالجملہ جو شخص کہ اپنا حق غیر سے وصول کرتا ہے گو ایک کلمہ ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے کا حق اس طرح نہیں ادا کرتا جیسے اپنا وصول کیا تو وہ ان آیات کے مضمون میں داخل ہے ت۲ ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون الخ کیونکہ ہر چند آیتوں میں کیلی چیزوں میں نابرابری کو حرام فرمایا ہے مگر غرض اس سے یہی ہے کہ عدل و انصاف کا چھوڑنا حرام ہے اور ترک عدل ہر ایک کام میں ہو سکتا ہے اور میزان عدل ہر بالغ عاقل کے افعال و اقوال میں اور دل کے وسوسوں میں جاری ہے پس اگر کوئی شخص اپنے اقوال خواہ افعال وغیرہ میں عبث کام لے گا اس کے لیے ویل ضرور ہو گا اور یہ عدل اگر دشوار محال نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں کیوں فرماتا ت۳ وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اس میل سے خالی نہیں کسی میں استقامت حقیقی پائی نہیں جاتی مگر چونکہ میل کے درجوں میں بہت فرق ہوتا ہے اس لیے بندوں کا دوزخ میں ٹھہرنا اور اس سے نجات حاصل کرنا بھی مختلف ہو گا یہاں تک کہ بعض اس قدر ٹھہریں گے کہ صرف قسم سچی ہو جاوے اور کچھ بھی دیر نہ لگے اور بعضے ہزاروں برس پڑے رہیں گے ہم خداوند کریم سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو استقامت کے قریب کر دے کیونکہ ٹھیک صراط مستقیم پر استقامت نصیب ہونے کی تو طمع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ تو بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو جو شخص اس پر مستقیم رہتا وہ پل صراط سے گذر سکتا جو جہنم کی پشت پر بنا ہے اور اس کی صفت بھی یہی ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جو شخص دنیا میں جسقدر صراط مستقیم پر استقامت رکھتا ہو گا اسی قدر قیامت میں پل صراط پر جلد گزرے گا اور جو شخص غلہ میں مٹی وغیرہ ملا کر اس کو فروخت کرے گا تو وہ مطففین میں داخل ہو گا اور جو قصائی گوشت میں ایسی ہڈیاں تولدے گا کہ ویسی عادتاً تولی نہ جاتی ہوں تو اس کا بھی یہی حال ہے اسی طرح سے گز سے ناپنے وغیرہ کا خیال کر لینا چاہیے مثلاً بزاز جب ناپ کر کپڑا مول لیتا ہے تو کپڑے کو ڈھیلا رکھتا ہے اور اس کو خوب نہیں تانتا اور بیچنے کے وقت اس کو خوب کھینچ کر ناپتا ہے کہ کسی قدر بڑھ جاوے تو اس طرح کی سب باتیں آدمی کو ویل کا مستحق کرتی ہیں چہارم یہ کہ اس وقت کا نرخ سچ سچ کہدے اس میں سے کچھ نہ چھپا رکھے کہ آنحضرت صلعم نے تلقی رکبان سے منع فرمایا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب باہر سے کوئی قافلہ شہر میں کوئی چیز لاوے تو اس کے شہر میں آنے کے پیشتر ہی باہر

ت۱ مت زیادتی کر ترازو میں اور سیدھی ترازو تولو زبانہ سے اور مت گھٹاؤ ت۲۔ اس کا ترجمہ ابھی اوپر گزر چکا ۱۲۔
ت۳ اور کوئی نہیں تم میں جو نہیں پہنچے گا اسی پر ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر ۱۲۔

نقل کر ان کی چیز دیکھے اور شہر کا بھاؤ ان سے چھوٹا بیان کرے اسی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۱] ہے لاتتلقوا الرکبان ومن تلقھا فصاحب السلعۃ بالخیار بعد ان یقدم السوق[۱] اور باہر جاکر اگر مول لے گا تو بیع تو منعقد ہو جاوے گی مگر جس صورت میں کہ بائع کو معلوم ہو گا کہ مشتری نے بھاؤ سچ نہیں کہا تھا تو اس کو اختیار ہو گا چاہے بیع کو قائم رکھے یا مشتری سے اپنی چیز واپس کرے اور اگر بھاؤ وہی ہو جو مشتری نے بیان کیا تو اس صورت میں بائع کے لیے اختیار ثابت ہونے میں اختلاف ہے بعض علماء حدیث مذکورہ بالا کے الفاظ عام دیکھ کر فرماتے ہیں کہ خیار ہو گا اور بعضے اس نظر سے کہ اب کچھ فرق نہیں رہا کہتے ہیں کہ خیار نہ ہو گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر سے بھی نہی[۲] فرمائی ہے کہ کوئی شہری آدمی گاؤں والے کی طرف سے بیع کرے اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی باہر کا رہنے والا شہر میں غلہ لاوے اس لیے کہ جھٹ پٹ لوگ خرید لیں اور کوئی شہری اس سے کہے کہ اس غلہ کو میرے پاس چھوڑ دے کہ جب مہنگا ہو جاوے گا تو اس کو بیچدوں گا اور اس طرح کا کرنا غلہ میں تو حرام ہے اور دوسری چیزوں میں اختلاف ہے ظاہر یہ ہے کہ حرمت ہی ہو اس وجہ سے نہی عام ہے اس میں غلہ کی قید نہیں اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فی الجملہ لوگوں کے تنگ کرنے کو دیر کرتا ہے حالانکہ اس شہری تنگ کرنے والے کا کچھ فائدہ نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجس سے بھی[۳] ممانعت فرمائی ہے یعنی بدون قصد خریدنے کی چیز نرخ زیادہ کرنے سے منع فرمایا مثلاً ایک شخص برغبت ایک چیز مول لیا چاہتا ہے دوسرا بائع کے سامنے ہوا اور مشتری کی نسبت کو دام زیادہ کہدے بدون اس بات کے کہ خود خرید کرنا چاہتا ہوں بلکہ اس لیے کہ مشتری کی رغبت اور زیادہ ہو تو ایسی صورت اگر بائع کی سازش سے ہوتی تب تو یہ فعل حرام ہے گو بیع منعقد ہو جاتی ہے اور اگر بائع کی سازش سے نہ ہو تو ثبوت خیار میں اختلاف ہے بہتر یہی ہے کہ مشتری کو خیار ملے اس لیے کہ یہ فعل ایک طرح کا دھوکہ ہے جیسے کہ دودھ کے جانور کا دودھ کئی وقت نہ نکالا جاوے اور اس کے تھن پھول جاویں اور فروخت کر دیا جاوے جیسے تلقی رکبان کی صورت اوپر مذکور ہوتی پس ان باتوں سے منع فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت کے نرخ کو بائع اور مشتری سے خفیہ کرنا اور ایسی بات کو پنہاں رکھنا کہ اگر ان کو اطلاع ہو تو ہرگز معاملہ نہ کریں ناجائز اور داخل دغا اور حرام ہے اور جو خیر خواہی کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے اس کے مخالف ہے چنانچہ مروی ہے کہ کوئی تابعی بصرہ میں تھے اور ان کا غلام سوس میں رہا کرتا تھا اس کے پاس شکر خرید کر بھیج دیا کرتے تھے ایک بار غلام مذکور نے ان کو لکھا کہ اس برس گنے پر آفت پڑ گئی ہے تم شکر مول لے لینا انہوں نے بہت سی شکر مول لے لی اور فروخت کے وقت تیس ہزار درہم کا نفع ہوا جب گھر کو لوٹ کر آئے تو رات بھر سوچا کئے کہ میں نے تیس ہزار کماتے اور ایک مسلمان خیر خواہی کا خسارہ ہوا صبح اٹھ کر شکر کے بائع کے پاس جاکر تیس ہزار اس کے حوالہ کیے اور فرمایا یہ تمہارے ہیں خدا تعالیٰ تم کو ان میں برکت کرے اس نے سوال کیا یہ میرے کس طرح ہوئے فرمایا کہ میں نے تم سے اصل حال نہیں کہا تھا جس وقت

۱ح باہر کے سوداگروں سے آگے جاکر مت خرید داور جو کوئی اپنے سے خریدے گا۔ تو اسباب والے کو اختیار ہو گا کہ بازار میں آنے کے بعد بخاری بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۲ح بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۳ح بخاری و مسلم بروایت ابن عمر رضی و ابی ہریرہ عنہ رضی ۱۲

میں نے شکر خریدی تھی اس وقت نرخ گراں ہو گیا تھا اس نے کہا خیر اب تو آپ نے مجھ کو اطلاع کر دی میں نے آپکو یہ روپیہ حلال کیا اس وقت اس کو گھرلے آتے اور رات بھر بیداری اور فکر میں رہے کہ میں نے اس کی خیر خواہی نہیں کی شاید اس نے شرما کر مجھے دیدیئے ہوں صبح تڑکے سے بائع کے پاس گئے اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم سے درگذر کرے یہ اپنا مال مجھ سے لے لو میرے دل کی خوشی اس میں زیادہ ہے اس نے وہ مال واپس لے لیا غرضکہ ان مناہی اور اخبار سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو جائز نہیں کہ چیز والے کی غفلت پاکر بائع سے نرخ کے گراں ہونے کا حال اور مشتری سے نرخ کی ارزانی کا حال چھپا رکھے اور اگر ایسا کرے گے تو عدل اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا تارک ہو گا اور جب کسی چیز کو نفع پر بیچے تو چاہیئے کہ وہ چیز جتنے میں پڑی ہو سچ سچ بیان کر دے اور یہ بھی واجب ہے کہ عقد کے بعد جو کچھ اس میں عیب ہو گیا ہو اس کو بیان کر دے اسی طرح اگر چیز ادھار لی ہو تو اس کا بھی ذکر چاہیئے اور اگر اپنے دوست خواہ لڑکے سے خریدی اور ان کی مروت کی وجہ سے کچھ زیادہ دام دیے ہوں تو وہ مشتری سے کہدے کیونکہ مشتری کو یہی اعتماد ہے کہ اس نے جو چیز لی ہو گی خوب ٹھوک بجا کر لی ہو گی اور کوئی دقیقہ نہیں کہ چھوڑا ہو گا پس اگر کسی وجہ سے کوئی دقیقہ چھوٹ گیا ہو تو اس کی اطلاع مشتری کو کر دینی چاہیئے کہ وہ اسی کی ایمانداری پر اعتماد رکھتا ہے۔

چوتھی فصل۔ معاملات میں احسان کا برتاؤ کرنا

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عدل اور احسان دونوں کا حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے[1] ان اللہ یامُرُ بالعدل و الاحسان اور عدل صرف نجات کا سبب ہے اور اس کا حال ایسا ہے جیسے تجارت میں سرمایہ کا بچ رہنا اور احسان باعث سعادت اخروی کے حاصل ہونے کا ہے اسکو ایسا جاننا چاہیئے جیسے تجارت میں نفع ہوتا ہے تو جو شخص دنیا کے معاملوں میں صرف اصل قیمت پر اکتفا کرے اور نفع کا طالب نہ ہو وہ عاقل نہیں شمار ہوتا اسی طرح معاملات اخروی میں بھی صرف عدل پر اور ظلم کے ترک پر کفالت کر لی اور احسان سے سروکار نہ رکھنا دیانت کے مناسب نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] اَحْسِن کما احسن اللہ الیک اور فرمایا[3] اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰہِ قریب من المحسنین اور احسان سے ہماری غرض یہ ہے کہ آدمی وہ کام کرے جس سے اہل معاملہ کو نفع ہو اور وہ کام اس پر واجب نہ ہو بلکہ صرف اپنی طرف سے سلوک کے طور پر ہو کیونکہ جو باتیں کرنی واجب ہیں وہ عدل اور ترک ظلم میں داخل ہے جس کا بیان ہم لکھ چکے ہیں اور احسان کا رتبہ چھ باتوں میں سے ایک کے بجالانے میں حاصل ہوتا ہے اول یہ کہ دوسروں کو اتنا نقصان نہ دے جو عادتاً نہ دیا جاتا ہو اور کچھ نہ کچھ نقصان کی تو اجازت ہے اس لیے کہ بیع نفع کے لیے ہوتا ہے اور نفع بدون کسی قدر زیادہ لینے کے ممکن نہیں تو اس زیادہ لینے میں لحاظ رکھنا چاہیئے کہ عادت سے زیادہ نہ ہو جاوے کیونکہ مشتری جو عادت سے زیادہ نفع دے گا تو دو حال سے خالی نہیں یا اس کی طبیعت اس شے پر زیادہ

[1] اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل اور احسان کا [2] بھلائی کر جیسے بھلائی کی اللہ تعالیٰ نے تجھ سے [3] بیشک مہر اللہ کی نزدیک ہے نیکی والوں سے

راغب ہو گی یا فی الحال اسکی حاجت زیادہ رکھتا ہو گا اس صورت میں اگر بائع زیادہ نفع قبول کرنے سے باز رہے گا تو یہ امر اس کی طرف سے احسان ہو گا ورنہ اگر شاید دغا نہ ہو تو زیادہ نفع لے لینا ظلم نہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ قیمت کی تہائی سے زائد اگر نفع لے گا تو مشتری کو اختیار ہو گا کہ بعد معلوم ہونے کے چیز واپس کر دے مگر ہماری رائے یہ نہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں نفع کم کر کے لینا داخل احسان ہے کہتے ہیں کہ یونس بن عبید کے پاس مختلف قسم کے حلے تھے کوئی چار سو کا اور کوئی دو سو کا اور علی ہذا القیاس ہر قسم کے تھے وہ اٹھ کر نماز کو گئے اور اپنے بھتیجے کو دوکان پر چھوڑ گئے ایک اعرابی آیا اور اس نے ایک حلہ چار سو کا مانگا ان کے بھتیجے نے دو سو والے حلوں میں سے اس کو دکھلایا اس نے پسند کر کے بخوشی چار سو دے دیئے اور اس کو ہاتھ پر دھرے جاتا تھا راستہ میں یونس بن عبید ملے اور اپنا حلہ کو پہچان لیا اور اعرابی سے پوچھا کہ کتنے کو خرید اس نے کہا کہ چار سو کو فرمایا کہ دو سو سے زیادہ کا نہیں چلکر پھیر دے اس نے کہا کہ ہمارے شہر میں پانچسو کا مال ہے اور میں نے اپنی خوشی سے اس کو پسند کیا ہے چار سو دیے ہیں انہوں نے فرمایا کہ پھر چل دین میں خیر خواہی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے چنانچہ اسکو دوکان پر ہٹا لے گئے اور دو سو درم اس کو پھیر دیے اور اپنے بھتیجے سے لڑنے لگے اور فرمانے لگے تجھ کو شرم نہ آئی اور خدائے تعالیٰ سے خوف نہ کیا اتنا نفع لیتا ہے اور مسلمانوں کی خیر خواہی کو چھوڑتا ہے اس نے کہا یہ تو خود اتنے پر راضی ہو گیا تھا فرمایا کہ تو نے پھر اس کے لیے وہ امر کیوں نہ پسند کیا جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا اور یہی بات اگر بھاؤ کو چھپا کر دغا سے ہوتی تو وہ از قسم ظلم تھی کہ جس کا ذکر گزر چکا اور حدیث[۱] میں ہے کہ غبن المسترسل حرام یعنی جو شخص اپنے اوپر اعتماد رکھے اسکو دھوکا دینا حرام ہے اور زبیر بن عدی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اٹھارہ صحابی ایسے دیکھے ہیں کہ ان کو ایک درم کا گوشت بھی اچھی طرح خریدنا نہ آتا تھا تو ایسے بھولے لوگوں کو نقصان دینا اور ان کے ساتھ دھوکہ کرنا ظلم ہے۔ اور بدون دھوکہ دینے کے ترک احسان ہے اور زیادہ نفع لینے میں کسی قسم کا دھوکا یا وقت کے بھاؤ کا چھپانا اکثر ہوا کرتا ہے بلکہ احسان کی صورت یہ ہے کہ جو سری سقطیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک بورا باداموں کا ساٹھ دینار کو لیا اور اپنے روزنامچہ میں تین دینار اس کا نفع لکھ لیے یعنی دس دینار پر آدھا دینار نفع کا لگا لیا پھر باداموں کا بھاؤ چڑھ گیا اور ایک بورا نوے دینار کو بکنے لگا آپ کے پاس ایک دلال آیا اور بادام کا بورا طلب کیا فرمایا کہ لے لو اس نے پوچھا کہ کتنے کو آپ نے فرمایا کہ ترسٹھ دینار کو دلال بھی نیک بخت تھا اس نے کہا کہ بھاؤ اب نوے کا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے عہد کیا ہے اس سے زیادہ نہ لوں گا میں تو ترسٹھ ہی کو فروخت کروں گا دلال نے کہا میں نے بھی خدائے تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ کسی مسلمان کو نقصان نہ دوں گا نوے ہی کو لونگا راوی کہتا ہے کہ نہ سریؒ نے نوے کو بیچا اور نہ دلال نے ترسٹھ کو مول لیا تو یہ امر دونوں طرف سے احسان تھا کہ حقیقت حال جانتے تھے اور اور کہتے ہیں کہ محمد بن منکدر کے پاس چغے تھے کچھ پانچ روپے کے اور کچھ دس کے ان کے غلام نے انکی غیبت میں پانچ کا چغہ دس کو بیچ دیا جب انکو معلوم ہوا تو تمام دن مشتری کو ڈھونڈتے پھرے آخر اس سے ملاقات ہوئی

[۱] نقصان دینا اس شخص کو جو اپنے اوپر اعتماد کرے حرام ہے۔ طبرانی بروایت ابی امامہ بسند ضعیف اور بیہقی بروایت جابر بسند جید مگر اس میں حرام کی جگہ ربوا ہے ۱۲۔

فرمایا کہ غلام نے غلطی سے پانچ کی چیز دس کو بیچ ڈالی اس نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں میں راضی ہوں آپ نے فرمایا کہ تم راضی ہو مگر ہم تمہارے لیے وہی بات پسند کرتے ہیں جو اپنے لیے کرتے ہیں تم تین باتوں میں سے ایک کرو یا تو دس والا چغہ لے لو یا پانچ روپیہ واپس کر لو یا ہماری چیز ہم کو دیدو اور اپنے دام پھیر لو اس نے کہا کہ مجھ کو پانچ روپیہ پھیر دو آپ نے پانچ ہٹا دیئے وہ مشتری انکو لے کر چلا گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ کون شخص ہیں کسی نے کہا کہ محمد بن المنکدر ہیں اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ انہیں کی بدولت قحط سالی میں ہم پر بارش ہوتی ہے غرضکہ احسان اسی کا نام ہے کہ جس جگہ میں جس چیز پر جتنا نفع لینے کی عادت ہو مثلاً دس پر ایک روپیہ خواہ کم و بیش اس سے زیادہ نفع نہ لے اور جو شخص تھوڑے سے نفع پر قناعت کرتا ہے اس کے معاملات بہت ہوتے ہیں اور کثرت معاملات سے اس کو فائدہ بھی بہت ہوتا ہے اور اسی وجہ سے برکت معلوم ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کے بازار میں درہ لیے پھرا کرتے اور فرمایا کرتے کہ اے سوداگرو اپنا حق لو اور دوسروں کا حق دو اس سے تم بچے رہو گے اور تھوڑے نفع کو مت پھیرو ورنہ بہت سے محروم رہو گے اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی دولت بڑھنے کا کیا سبب ہے فرمایا کہ تین باتیں ہیں اول یہ کہ نفع کو میں نے کبھی نہیں پھیرا یعنی تھوڑا سا نفع بھی ملا تو چیز بیچ ڈالی دوم یہ کہ جب مجھ سے جانور کسی نے مانگا میں نے اس کے بیچنے میں تامل نہیں کیا سوم یہ کہ کبھی ادھار نہیں بیچا اور کہتے ہیں کہ آپ نے ایکبار ہزار اونٹنیاں بیچیں اور ان میں صرف ان کی رسیاں نفع میں بچ رہیں ہر ایک رسی کو ایک ایک درم پر بیچدیا تو ہزار درم فائدہ ہوا اور ہزار اس روز کی خوراک میں سے بچ رہے اس طرح دو ہزار مل گئے دوم اپنے آپ کسر اٹھانی یعنی اگر مشتری کسی ضعیف سے یا مفلس سے کوئی چیز خرید کرے تو اس کا مضائقہ نہیں کہ خود کچھ نقصان اٹھاوے اور تسامح کر جاوے کہ اس وجہ سے اس بیچارہ پر احسان ہوگا اور مشتری اس حدیث کے مضمون کے مصداق ہو جاوے گا رحم اللہ سھل البیع سھل الشراء ہاں جس صورت میں کہ کسی مالدار سے خرید کرے جو نفع اپنی حاجت سے زیادہ لیتا ہو تو اس کے ساتھ درگذر کرنا اچھا نہیں بلکہ مال کا کھونا ہے بدون ثواب کے اور بدون اس بات کے کہ کوئی اس کو اچھا کہے چنانچہ ایک حدیث شریف میں جو بطریق اہل بیت علیہم السلام مروی ہے وارد ہے [۲] المغبون فی الشراء لا محمود ولا ماجور اور ایاس بن معاویہ بن قرہ جو بصرہ کے قاضی اور تابعین میں سے بڑے ہوشیار تھے فرمایا کرتے تھے کہ نہ میں مکار ہوں اور نہ کوئی مکار مجھے گھٹی دے سکتا ہے اور ابن سیرین کو بھی کوئی جل نہیں دے سکتا مگر حسن بصری اور میرے باپ دموں میں آجاتے اور کسر کھا بیٹھتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ خود دوسرے کو گھٹی دے نہ دوسرے سے گھٹی کھاوے جیسے بعضوں نے حضرت عمرؓ کی تعریف میں لکھا ہے کہ آپ کا کرم اس بات کا مقتضی نہ تھا کہ دوسرے کو فریب دیں اور نہ عقل اسکی مقتضی کہ دوسرے سے فریب کھاویں اور حضرت حسنین علیہما السلام اور دوسرے سلف کے لوگ اچھا خرید نے کے وقت خوب مبالغہ کرتے

ا ح اسکا ترجمہ اور سند ابھی اوپر گذری فصل سوم میں ۱۲ ا ح ۲ جو شخص خرید میں گھٹی کھائے نہ اچھا ہے کہ تعریف کیا جاوے اسکو ثواب دیا جاتا ہے ترمذی حکیم در نوادر بروایت عبید اللہ بن الحسن عن ابیہ عن جدہ اور ابو یعلی نے بروایت امام حسین علیہ السلام مرفوعاً نقل کی ذہبی نے کہا کہ حدیث منکر ہے ۱۲

اور ذرا سی چیز کے لیے بہت سا جھگڑتے مگر دینے کے وقت بہت مال دے ڈالتے کسی نے انکی خدمت میں عرض کیا کہ یہ بات کیا ہے کہ خریدنے میں آپ اتنا مبالغہ ادنیٰ چیزوں میں کرتے ہیں اور دینے کے وقت بہت کچھ بیتا مل دے ڈالتے ہیں فرمایا کہ دینے والا اپنی فضیلت دیتا ہے جس قدر دے گا اسی قدر اس کی فضیلت معلوم ہوگی اور بیع میں گھٹی کھانے والا اپنی عقل کم کرتا ہے یعنی گھٹی کھانا عقل کا خلل اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں اپنی عقل اور بصیرت کو جل دیتا ہوں مگر یہ نہیں کرتا کہ دوسرا کوئی میری عقل کو گھٹی دیدے یعنی جب میں یہ کرتا ہوں تو خدائے تعالیٰ کے لیے دیتا ہوں اور اس[1] سے کچھ زیادہ نہیں درخواست کرتا سوم ثمن اور تمام قرضوں کے وصول کرنے میں احسان تین طرح سے ہو سکتا ہے اول کسی قدر چھوڑ دینے سے دوسرے کچھ مدت اور مہلت کے بعد وصول کرنے سے سوم کھرے داموں کے لینے میں سہولت برتنے سے اور یہ تینوں باتیں مستحب ہیں اور ان پر ترغیب شرعاً وارد ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[3] رحم اللہ سھل البیع سھل الشراء سھل القضا سھل الاقتضا تو آدمی کو چاہیے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا میں داخل ہونیکو غنیمت جانتے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[2] اسمح یسمح لک اور فرمایا من[2] انظر معسرا او ترک لہ حاسبہ اللہ حسابا یسیرا اور ایک روایت میں یہ ہے[3] اظلہ اللہ تحت ظل عرشہ یوم لاظل الا ظلہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[4] نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ گنہگار تھا اس کا حساب ہوا تو کوئی نیکی نہ پائی گئی اس سے پوچھا گیا کہ تونے کبھی کوئی نیکی کی ہے اس نے عرض کیا کہ کبھی نہیں لیکن ایک بات یہ ہے کہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکروں سے کہدیتا تھا کہ تونگروں سے چشم پوشی کرو اور مفلسوں کو مہلت دے دو ایک روایت میں یوں ہے کہ مفلسوں سے درگذر کرو اللہ تعالیٰ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ تیری نسبت کو ہم ان باتوں کے زیادہ لائق ہیں پس اس سے درگذر کی اور اس کو بخشدیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں[5] کہ جو شخص قرض دے کسی مدت تک تو اس کو اس میعاد تک ہر روز خیرات کا ثواب ہوگا اور جب میعاد گذر جاوے اور وہ شخص پھر مدیون کو مہلت دے تو اس کو ہر روز قرض کے برابر خیرات کرنیکا ثواب ہوگا اور بعض اکابر اسی حدیث کے مضمون کی جہت سے یہ بات اچھی نہ جانتے تھے کہ مدیون ان کا قرض ادا کر دے اس لیے کہ جب تک قرض ذمہ پر رہے گا تو دینے والے کو اتنا ہی روپیہ ہر روز خیرات کرنیکا ثواب ملتا رہے گا اور ایک حدیث شریف[6] میں ارشاد ہے کہ فرمایا ہے کہ میں نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا اس کی وجہ بعضوں نے یہ بیان کی کہ صدقہ محتاج اور غیر محتاج

ح ۳ فصل سوم میں گزری مع ترجمہ ع[1] اصل میں یہ ہے کہ میں اس دینے کو چاہے جسقدر سمجھو زیادہ اللہ تعالیٰ کیواسطے دینے میں زیادہ نہیں سمجھتا ہوں۔

ا ح درگذر کر کہ تیرے لیے درگذر کی جائیگی ۱۲ طبرانی بروایت ابن عباس رضی ۲ جو شخص کہ تنگدست کو مہلت دے یا اس کو قرض چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑا اور آسانی سے حساب کرے گا ح ۳ اس کو اللہ اپنے عرش کے سایہ تلے رکھے گا جس روز کہ اس کے سایہ کے سوا اور سایہ نہ ہوگا مسلم بروایت ۱۲ ح ۴ مسلم بروایت ابی مسعود انصاری اور بخاری و مسلم میں بروایت خدیفہ بھی اسی کے قریب ہے ۱۲

ح ۵ ابن ماجہ و احمد و حاکم بروایت بریدہ ۱۲۔ ح ۶ ابن ماجہ بروایت انس بسند ضعیف ۱۲۔

دونوں کے ہاتھ میں پڑتا ہے اور قرض مانگنے کی ذلت بجز محتاج کے اور کوئی برداشت کریگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم [ح7] نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے قرض کو دوسرے سے لینے کیلئے اسکے پیچھے پڑا ہے تو اپنے دست مبارک سے قرض خواہ کو اشارہ کیا کہ آدھا چھوڑ دے اس نے ویسا ہی کیا پھر آپ نے قرضدار کو فرمایا کہ اب جا اور ادا کر دے اس کو اور جو شخص کہ مشتری کے ہاتھ کوئی چیز بیچے اور اس کے دام اسوقت نہ لیوے اور نہ اس پر تقاضہ کرے تو وہ بھی ویسا ہی ہے جیسے قرضد ینے والا ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری نے ایک خچر چار سو درم کو بیچا جب مشتری کے ذمہ پر ثمن واجب ہوگیا تو اس نے عرض کیا کہ ابوسعید کچھ کچھ رعایت فرمایئے آپنے فرمایا کہ میں نے سو درم تجھ کو چھوڑ دیئے اس نے عرض کیا کہ آپ اب کچھ احسان کریں فرمایا کہ سو درم میں نے تجھ کو اور معاف کیئے غرضکہ دو سو درم باقی کے اس سے لے لیے کسی نے عرض کیا کہ یہ تو نصف ثمن رہ گیا فرمایا کہ احسان ہو تو اسی طرح ہونا چاہیے نہیں تو نہیں اور [ح8] ایک خبر میں یوں وارد ہے کہ اپنا حق پورا ہو یا نہ ہو عفت کے ساتھ لو کہ خدا تعالیٰ تم سے محاسبہ سہولت سے لیگا چہارم قرض کے ادا کرنے میں احسان کی صورت یہ ہے کہ حقدار کا حق اسکے پاس پہنچاوے یہ نہ ہو کہ اس کو تقاضا کیلئے تکلیف کرنی پڑے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں [ح9] خیرکم احسنکم قضاءً یعنی تم میں بہتر وہ ہے جو ادا اچھی طرح کرے اور جب قرض ادا کرنیکا مقدور ہو جاوے تو چاہیے کہ جلدی کرے گو وقت سے پیشتر اور جس طرح کا دینا شرط ہو اس سے بہت عمدہ دے اور اگر ادا کرنے سے عاجز ہو تو نیت یہی رہے کہ جب میرے پاس ہوگا اسی وقت ادا کروں گا [ح10] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ جو شخص قرض لے اور اسکی نیت میں یہ ہو کہ جس وقت پاؤں گا دیدوں گا تو اللہ تعالیٰ اس پر فرشتے مقرر کر دیتا ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور اس کے لیے دعا مانگیں تو یہاں تک کہ وہ قرض ادا کر چکے اور کچھ لوگ سلف بدون ضرورت بھی اس حدیث کے مضمون سے واقف ہو کر قرض لیا کرتے تھے اور جب کوئی حقدار گفتگو سخت کرے تو اسکو برداشت کرنا چاہیے اور اسکے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا ہے چنانچہ مروی [ح11] ہے کہ ایک بار ایک قرضخواہ میعاد گزرنے پر آپ کی خدمت میں آیا اور جب تک اس کے قرض کی ادا کی نوبت نہ پہنچی تھی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں الفاظ سخت کہنے شروع کئے اصحاب نے اس کو تنبیہ کرنا چاہا آپنے فرمایا کہ جانے دو حق والا کہا ہی کرتا ہے اور جب قرضخواہ اور قرضدار میں گفتگو آپڑے تو تیسرے شخص کو چاہیے کہ قرض خواہ کی طرف داری نہ کرے اسلیے کہ قرض دینے والا جو قرض دیتا ہے تو جو روپیہ اس کی حاجت سے زیادہ ہوتا ہے وہ دیتا ہے اور قرضدار اپنی حاجت کیلئے قرض لیتا ہے اسلیے حاجتمند کی رعایت مناسب ہے اسیطرح بائع و مشتری کے تصفیہ میں مشتری کے جانب زیادہ ملحوظ رہنا چاہیے کیونکہ بائع بیع سے بے غرض ہو کر اس کو فروخت کرتا ہے اور مشتری کو اس کی حاجت ہے ہاں جس صورت میں کہ قرضدار حد سے تجاوز کرے تو اس صورت

[ح7] بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ ۱۲ [ح8] ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہ رضؓ اور اس میں اخیر جملہ نہیں [ح9] بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ رضؓ ۱۲

[ح10] طبرانی در اوسط باختلاف الفاظ و احمد بروایت عائشہ رضؓ ۱۲ [ح11] بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ رضؓ

میں قرضدار حد سے تجاوز کرے تو اس صورت میں اس کی اعانت ایسی طرح کرنی چاہیے کہ وہ تعدی سے باز آوے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ۳؎ انصر اخاک ظالما او مظلوما یعنی مدد کر اپنے بھائی کی خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم کسی نے عرض کیا کہ ظالم ہونیکی صورت میں اسکی مدد کیسے کریں فرمایا کہ اسکو ظلم سے منع کرنا ہی اس کی مدد ہے پنجم یہ کہ جو شخص بیع کو پھیرنا چاہے تو اسکو منظور کرلے اسلیے کہ پھیریگا وہی شخص جو بیع سے نادم ہوگا اور اپنے حق میں اسکو مضر سمجھے گا تو آدمی کو نہ چاہیے کہ اپنے واسطے ایسی بات پسند کرے جو اپنے بھائی کے ضرر کا باعث ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ۴؎ ہیں من اقال نادما صفقة اقال اللہ عثرته یوم القیمة۔ یا اور لفظوں سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے ششم یہ کہ ادھار دے تو فقیروں کو دے اور معاملہ کرنے کے وقت یہ نیت کرلے کہ اگر ان کو دسترس نہ ہوگی تو ان سے مطالبہ نہ کرونگا چنانچہ سلف کے نیک بندوں تجارت پیشوں کے یہاں دو بہیاں رہتی تھی ایک کا عنوان کچھ نہ ہوتا تھا اور اس میں ایسے لوگوں کے نام لکھے رہتے تھے جو گمنام ضعیف اور فقیر ہوتے یعنی جس وقت کوئی فقیر ان کی دوکان پر آیا اور غلہ یا میوہ کو اس کا دل راغب ہوا اور اس نے کہا کہ مثلاً مجھ کو اڑھائی سیر کی اس میں سے ضرورت ہے مگر میرے پاس دام نہیں تو وہ بزرگ کہہ دیتے لے جاؤ اور جب تمہارے پاس ہو تب دام دے جانا اور اس کا نام اس بہی میں لکھ دیتے اور سلف میں ایسے تاجروں کو بھی نیک نہ جانتے تھے بلکہ نیک اسکا تصور کرتے تھے کہ فقیر کا نام ہی دفتر میں نہ لکھے اور نہ اس کے ذمہ دام قرض کرے بلکہ یوں کہے جتنا تجھے درکار ہے لیجا اگر تیرے پاس ہو جاوے تو دام دے دینا ورنہ یہ چیز تجھ کو حلال کردی غرضکہ اگلے لوگوں کی تجارت کے طریق یہ تھے وہ سب اب مٹ گئے جو اپر اس وقت میں قائم ہو گویا وہ اس طریق کو زندہ کرے گا بالجملہ تجارت مردوں کے حق میں ایک کسوٹی ہے کہ اس سے انکا دین اور تقویٰ آزمایا جاتا ہے اور اسی لیے کسی نے ایک قطعہ کہا ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ قطعہ

گو آدمی کے جامہ میں پیوند ہوئے گا — ماتھے پہ اس کے گھٹا ہو اور ساق پر ازار
ان باتوں سے فریب میں اس کے نہ آئیو — جب تک کہ مال سے نہ کرو اس کا اختبار۵؎

اور اسی لیے کہا کرتے ہیں کہ جب حالت اقامت میں آدمی کے ہمسایہ اسکی ثنا کریں اور سفر میں اسکے رفیق مدح خواں ہوں اور بازاروں میں اہل معاملہ اس سے راضی رہیں اور اچھا کہیں تو اسکی نیک بختی میں کچھ شک نہ کرنا چاہیے اور حضرت عمرؓ کے سامنے ایک گواہ آیا آپ نے اسکو ارشاد فرمایا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لا جو تجھ کو پہچانتا ہے وہ ایک شخص کو بلا لایا اس نے آکر اسکی تعریف کی آپنے اس سے سوال کیا کہ تو کیا اسکے قریب رہتا ہے اسکو آتے جاتے دیکھا ہے اس نے عرض کیا کہ یہ تو نہیں ہوا پھر پوچھا کہ تو کسی سفر میں اسکے ساتھ رہا ہے کہ سفر میں مکارم اخلاق معلوم ہو

۳؎ بخاری و مسلم بروایت انس رضی اللہ عنہ ۴؎ اے جو شخص نادم کے معاملہ کو پھیرے گا اللہ تعالےٰ اس کی لغزش قیامت کے روز معاف کرے گا۔ ابو داؤد و حاکم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ۵؎ بالکسر و حرف چہارم بائے موحدہ یعنی امتحان و آزمودن کذا فی الصراح۔

جایا کرتے ہیں اس نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہوا پھر آپ نے فرمایا کہ تو نے کبھی اس سے روپیہ اشرفی کا معاملہ کیا ہے جس سے آدمی کی پرہیزگاری معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں ہوا آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مسجد میں اسکو کھڑا دیکھا ہے کہ قرآن کو آواز بنا کہ پڑھتا ہوگا اور اپنا سر کبھی نیچے کرتا ہوگا کبھی اوپر اس نے عرض کیا کہ بیشک یوں ہی ہوا ہے آپؓ نے فرمایا کہ تو جا اس کو تو نہیں پہچانتا اور اس گواہ سے فرمایا تو جا کر دوسرے شخص کو لا جو تجھ کو پہچانتا ہو غرضیکہ پہچاننے کی صورتیں یہی تین باتیں ہوا کرتی ہیں۔

پانچویں فصل۔ تاجر حضرات کے لئے ضروری ہدایات

ان میں اس کو اپنے دین کا خوف کرنا چاہیے یعنی ہر ایک امر میں دین کا لحاظ رکھنا چاہیے تاجر کو چاہیے کہ معایش میں پڑ کر معاد سے غافل نہ ہو جاوے اور اپنی عمر اس وجہ سے برباد کرے اور تجارت میں گھٹی اٹھاوے اور یہ آخرت کی گھٹی ایسی نہیں کہ نفع دنیاوی سے پوری ہو سکے تو ایسے معاملات کرنے سے ان لوگوں میں سے ہو جاویگا کہ آخرت کو بیچ کر دنیا کی زندگی خریدیں بلکہ غافل آدمی کو چاہیے کہ اپنے نفس پر ترس کھاوے اور ترس کھانیکی صورت یہ ہے کہ راس المال بچاوے اور آدمی کا راس المال اسکا دین ہے جس کی تجارت کرتا ہے کسی بزرگ کا قول ہے کہ غافل کیلئے سب سے زیادہ شایاں وہ چیز ہے جس کی حاجت اسکو سر دست سب سے زیادہ ہو اور جس چیز کی حاجت سب سے زیادہ بالفعل ہے وہ یہ ہے کہ آگے کو اسکا انجام بہتر ہو اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا میں کوتی حصہ تیرا ضروری ہے مگر تجھ کو اپنی آخرت کے حصہ کی زیادہ حاجت ہے تو شروع اسی سے کر اور اول آخرت کا حصہ لے کر دنیا کا حصہ وصول ہی ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت[۱] ولا تنس نصیبک من الدنیا اس سے یہ غرض ہے کہ دنیا میں سے اپنی آخرت کے حصہ کو مت بھولنا کہ دنیا مزرعۂ آخرت ہے اور حسنات اسی سے حاصل ہوتے ہیں اب معلوم کرنا چاہیے کہ تاجر کو اپنے دین کا خیال رکھنا سات باتوں کی رعایت سے پورا کرتا ہے۔ **اول**۔ ابتداء تجارت میں نیت اور عقیدہ کو درست رکھنا کہ تجارت سے یہ نیت کرے کہ سوال کی ضرورت نہ پڑے اور لوگوں کا دست نگر نہ ہو بلکہ حلال کی کمائی سے ان سے غنی ہو جاوے اور اپنے مال سے اپنے دین پر مدد لے اور اہل وعیال کے حقوق ادا کرے تاکہ مال سے جہاد کرنے والوں کے زمرہ میں داخل ہو اور چاہیے کہ سب مسلمانوں کی خیرخواہی کی نیت کرے اور دوسروں کیلئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے چاہتا ہو اور یہ نیت کرے کہ اپنے معاملہ میں عدل اور احسان کے طریق کی پیروی کرونگا جس صورت سے کہ پیشتر ہم نے ذکر کیا اور یہ نیت کرے کہ بازار میں جو چیز دیکھوں گا اس میں اچھی بات کے حکم کرنے اور بری بات سے منع کرنے میں درگذر نہ کروں گا جب اس طرح کے عقائد اور نیتیں دل میں رکھے گا تو طریق آخرت کا عامل ہوگا اور اگر اس صورت میں کچھ مال مل جاوے گا تو نفع ہے اور اگر دنیا کا کچھ نقصان ہوگا تو آخرت میں فائدہ اٹھاویگا

ت[۱] - اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے۔۱۲۔

دوم - یہ کہ اپنی صنعت یا تجارت میں رہنے سے یہ قصد کرے کہ ایک فرض کفایہ ادا کرتا ہوں کیونکہ اگر صنعتیں یا تجارتیں بالکل چھوڑ دی جائیں تو معاش کے کارخانے جاتے رہیں اور اکثر لوگ تباہ ہو جائیں کہ سب کا انتظام سب کی معاونت سے ہو رہا ہے اور اس سے کہ ایک ایک فریق ایک ایک کام کا ذمہ والا ہے اگر سب کے سب ایک ہی صنعت کرنے لگیں تو اور صنعتیں چھوٹ جائیں اور سب کے سب ہلاک ہو جائیں اور بعض شخصوں نے حدیث شریف ح اختلاف امتی رحمۃ کو اسی بات پر حمل کیا ہے کہ اختلاف سے غرض جدا جدا صنعتوں اور حرفوں کے قصد کرنے سے ہے پھر صنعتوں میں بعض تو نہایت کارآمد ہیں اور بعض ضروری نہیں کہ انجام کو آرام طلبی اور زینت دنیاوی ان سے ہوتی ہے تو آدمی کو چاہیے کہ ایسی صنعت اختیار کرے جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو اور دین میں ضروری ہے اور جو پیشے کہ ظاہری زینت کے ہیں ان سے احتراز کرے مثلاً نقش و نگار کرنا اور سادہ کاری اور زرگری اور چونہ سے استرکاری وغیرہ اس قسم کی چیزوں کو دینداروں نے مکروہ سمجھا ہے اور لہو کی چیزیں اور آلات جن کا استعمال حرام ہے ان کے بنانے سے اجتناب کرنا ترک ظلم میں داخل ہے اور انہیں چیزوں میں یہ بھی ہے کہ ریشم کی قبا مردوں کے لیے سیوے یا سونار سونے کی انگوٹھی وغیرہ مردوں کیلیے بناوے کہ یہ سب گناہ ہیں اور ان پر مزدوری حرام ہے اور اسی وجہ سے ہم ایسے زیوروں پر زکوٰۃ واجب کہتے ہیں گو زیوروں پر ہمارے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ جب وہ مردوں کیلیے مقصود ہوتے تو حرام ٹھہرے اور جب تک عورتوں کے لیے ان کے بنانے کی نیت نہ ہوگی تب تک خالی اس وجہ سے کہ ایسے زیور عورتوں کے پہننے کے واسطے تیار موجود ہیں اور انہیں کے زیوروں کی قسم سے ہیں وہ مباح زیوروں میں شامل نہ ہوں گے غرضکہ زیوروں کا حکم نیت سے ہوتا ہے اگر مردوں کے لیے ہوں گے تو حرام اور موجب زکوٰۃ ہیں اور عورتوں کیلیے ہونے سے مباح ہوں گے اور یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ غلہ کا بیچنا اور کفن کا بیچنا مکروہ ہے اسلیے کہ کفن فروش لوگوں کو مرنیکی تاک رہتی ہے اور غلہ فروش کو نرخ کے گراں ہونے کی اور قصائی کا پیشہ مکروہ ہے اس نظر سے کہ دل کی سختی کا موجب ہے اور پچھنے لگانا اور پاخانہ کمانا مکروہ ہے کہ ان دونوں پیشوں میں نجاست کا اختلاط اکثر رہتا ہے اور یہی حال چمڑے پکانے کا ہے یا جو ایسا ہی کام ہو اور حضرت ابن سیرینؒ نے دلالی کو مکروہ فرمایا ہے اور قتادہؒ نے دلال کی اجرت کو مکروہ سمجھا ہے اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دلال جھوٹ بولنے اور اسباب کی تعریف میں مبالغہ کرنے کی پرواہ کم کیا کرتا ہے اس کو غرض مال کی نکاسی سے ہوتی ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس پیشہ میں کام معین نہیں ہوتا کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ اور اجرت میں کام کی مقدار پر لحاظ نہیں ہوتا بلکہ مال کی قیمت دیکھی جاتی ہے اور روپیہ کچھ اجرت قرار پاتی ہے عادت اسی طرح ہو رہی ہے حالانکہ یہ ظلم ہے اجرت اس طرح ہونی چاہیے کہ مقدار محنت دلال کے اعتبار سے ہو اور بعض لوگوں نے تجارت

ح میری امت کا اختلاف رحمت سے ہے اسکی سند باب العلم میں گزری ؎ اصل میں یوں ہے کہ ان دونوں پیشوں سے لوگوں کی موت اور گرانی سے ان کا انتظار رہتا ہے سید صدیق عفی عنہ ۱۲

کے لیے جاندار کے خرید کرنے کو مکروہ کہا ہے اس نظر سے کہ مشتری کو حکم الٰہی برا معلوم ہوتا ہے یعنی جانور کا مرجانا حکم خدا سے ہوتا ہے اسکو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ جاندار کو فروخت کرے اور بیجان کی چیز بن مول لے اور منجملہ مکروہ چیزوں کے صرافی ہے اسلیے کہ اس میں سود کے دقائق سے بچنا دشوار ہے اور نیز ان چیزوں میں دقیق صنعتیں تلاش کرنی پڑتی ہے جن کی ذات مقصود نہیں صرف رواج مقصود ہے علاوہ ازیں صراف کو نفع ایسی صورت میں ہوتا ہے کہ جان لیتا ہے کہ دوسرا شخص نقد دقائق سے واقف نہیں غرضکہ انہی باتوں کے لحاظ سے صراف گو احتیاط کرے مگر اسکا سلامت رہنا کم ہے اور صراف وغیرہ کو ثابت روپے اور اشرفیاں گلا ڈالنی مکروہ ہیں ہاں اگر ان کے کھرے ہونے میں شک ہو یا کوئی اور ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحابؓ سے اس[۱] باب میں ممانعت آگئی ہے اور میں بھی ثابت سکہ کو توڑنا مکروہ جانتا ہوں اور اگر گلانا ہی ہو تو چاہیے کہ سکہ کے عوض[ع] سونا یا چاندی خرید کر گلاوے اور کپڑے کی تجارت کو مستحب کہتے ہیں حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اگر کپڑے کی سوداگری میں قسمیں نہ ہوں تو میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی اور پسندیدہ نہیں اور مروی[۲] ہے کہ تمہاری تجارتوں میں سے بہتر کپڑا ہے اور پیشوں میں سے اچھا موزہ کا سینا ہے اور ایک اور حدیث[۳] میں ہے کہ اگر جنت والے تجارت کرتے اور دوزخ والے تجارت کرتے تو بیع صرف یعنی نقدین کی کرتے اور سلف کے نیک بختوں کے اکثر اعمال دس صنعتیں تھیں موزہ دوزی اور تجارت اور پلہ داری اور کپڑا سینا اور جوتا بنانا اور کپڑا دھونا اور آہنگری اور سوت کاتنا اور خشکی اور تری کا شکار کرنا اور کتابت اور عبدالوہاب کاتب کہتے ہیں کہ مجھ سے امام احمد نے پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو میں نے کہا کہ کتابت آپنے فرمایا کہ عمدہ پیشہ ہے اگر میں بھی اپنے ہاتھ سے کام کرتا تو تمہارا ہی پیشہ کیا کرتا پھر فرمایا کہ جب لکھو تو ایسا لکھو کہ نہ درآوردہ ہو اور نہ بہت واضح اور حاشیہ چھوڑ دیا کرو اور جزاکی پشت پر کچھ مت لکھا کرو اور چار پیشے ایسے ہیں کہ لوگوں میں کم عقل مشہور ہیں اول جولا ہے دوم دھنیے سوم کاتنے والے چہارم میاجی اور غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ ان پیشہ والوں کا میل عورتوں اور لڑکوں سے زیادہ رہتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ کم عقلوں کے اختلاط سے عقل ضعیف ہو جاتی ہے جیسے عقیلوں کے پاس بیٹھنے سے عقل بڑھ جاتی ہے اور اور حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت مریمؑ حضرت عیسٰی کو ڈھونڈنے جاتی تھیں ان کا گذر جولاہوں پر ہوا اور ان سے راستہ پوچھا انہوں نے جو راستہ نہ تھا وہ بتا دیا تو آپ نے انکو بددعا دی کہ الٰہی ان کے پیشے میں برکت دور کر اور ایسا کر کہ یہ مفلس مریں اور لوگوں کی آنکھوں میں انکو حقیر کر پس ان کی دعا قبول ہو گئی اور اکابر سلف نے ایسی چیزوں پر اجرت لینے کو منع فرمایا ہے جو قسم عبادت سے ہوں یا فرض کفایہ مثلاً مردوں کو نہلانا اور انکو دفن کرنا اور اذان اور نماز تراویح وغیرہ اگرچہ ان امور کے لیے نوکر رکھنا صحیح ہے اور یہی حال قرآن پڑھانے اور علم

---

[۱] ح ابو داود ترمذی وابن ماجہ وحاکم بروایت علقمہ بن عبداللہ عن ابیہ ۱۲ [۲] ح صاحب فردوس نے اسکو قول حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا لکھا ہے ۱۲ [۳] ح ابو منصور دیلمی در سند فردوس بروایت ابو سعید بسند ضعیف ۱۲۔ [ع] تو کہ سکہ کے عوض الخ اصل میں جس طرح ہے وہ سود سے بچاؤ کے لیے بہتر ہے یعنی اشرفیوں سے روپیہ لے کر اس کا سونا خرید لے اور گلا دے ۱۲ سید صدیق عفی عنہ ۱۲

شرع سکھانے کا ہے کہ یہ اعمال اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان سے آخرت کی تجارت کی جاوے اور اگر ان پر اجرت لی جاوے گی تو دنیا کے بدلے میں آخرت کا دیڈالنا ہوگا جو اچھی بات نہیں سوم یہ کہ دنیا کا بازار آدمی کو آخرت کے بازار کا مانع نہ ہو آخرت کے بازار اللہ تعالیٰ کی مسجدیں ہیں جن کے حق میں وہ خود فرماتا ہے ت ۱ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ تو یوں چاہیے کہ دن کے اول وقت بازار کے وقت ہونے تک اپنی آخرت کیلیے کر دے یعنی اسوقت مسجد میں بیٹھ کر وظائف کا ورد کرے حضرت عمرؓ تاجروں کو فرمایا کرتے تھے کہ دن کا شروع اپنی آخرت کیلیے کرو اور اسکے بعد کا وقت دنیا کیلیے رہنے دو اور سلف کے نیک بندے دنکا اول آخرت کیلیے رکھتے تھے اور بیع کا وقت سوداگری کیلیے چنانچہ صبح کو ہریسہ اور نہاری اور سریاں بکرے کی لڑکے اور ذمی بیچا کرتے تھے کیونکہ دوکاندار تو جب تک مسجد میں رہا کرتے تھے ت ۱ اور حدیث میں وارد ہے کہ فرشتے جس وقت بندہ کا نامہ اعمال لے کر اوپر جاتے ہیں اور اس میں اول و آخر روز میں ذکر اللہ اور نیکی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ بیچ کے وقت کی برائیاں دور فرماتا ہے اور ایک اور حدیث ۲۷ میں ہے کہ رات اور دن کے فرشتے فجر ہوتے اور عصر کے وقت حضور خداوندی میں جمع ہوتے ہیں اسوقت اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرماتا ہے حالانکہ اس کو بندوں کا سب کچھ حال معلوم ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ان کے پاس گئے تو نماز پڑھتے پایا پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمکو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے انکو بخش دیا پھر آدمی جس وقت درمیانی دن کے حصہ میں ظہر یا عصر کی اذان سنے تو چاہیے کہ کسی قسم کے کام کی رغبت نہ کرے اور اپنی جگہ سے مسجد کی طرف کو حرکت کرے اور جو کام کرتا ہو اس کو ترک کر دے کیونکہ اگر نا اولی جماعت کی امام کے ساتھ اول وقت میں نہ ملے گی تو دنیا و مافیہا سے بھی اسکا تدارک نہ ہوگا تکبیر کے سامنے یہ سب ہیچ ہیں اور اگر جماعت میں حاضر نہ ہوگا تو بعض علماء کے نزدیک گناہگار ٹھہرے گا اور اکابر سلف کا دستور یہ تھا کہ اذان ہوتے ہی مسجد کو دوڑتے تھے اور بازار میں صرف لڑکوں اور اہل ذمہ کو چھوڑ جاتے تھے اور انکو اوقات نماز میں دوکان کی حفاظت پر کچھ اجرت دیا کرتے تھے اسی سے انکی گذر تھی اور رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ کی تفسیر میں یوں آیا ہے کہ یہ لوگ لوہار اور پوت بیدھنے والے تھے ان میں سے اگر کوئی اذان سنتا تو اگر ہتھوڑا چوٹ کے لیے اٹھاتے ہوتا یا برما بیدھنے کیلیے ہوتا تو ویسے ہی بدون چوٹ اور سوراخ کے ہاتھ سے ڈالدیتا تھا اور نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا چہارم یہ کہ اسی پر کفالت نہ کرے بلکہ بازار میں ہر وقت اللہ پاک کی یاد کرے اور تہلیل اور تسبیح میں مشغول رہے اسلیے کہ اللہ کی یاد بازار میں غافلوں کے درمیان بہت فضیلت رکھتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ت ۱ - ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا انکو بلند کرنیکا اور وہاں اسکا نام پڑھنیکا یاد کرتے ہیں اسکی وہاں صبح اور شام وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کر نہیں تہ بیچنے اللہ کی یاد سے اور نماز کھڑی رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ۱۲ ح ابو یعلی بروایت انس بسند ضعیف بخاری ومسلم بروایت ابی ہریرہؓ باختلاف الفاظ ۱۲ - ع اصل میں یہ ہے کہ اگرچہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کی اجرت لینا اور دینا صحیح ہے احمد عفی عنہ -

فرماتے ہیں کہ غافلوں[ا] کے درمیان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا بھاگنے والوں کے بیچ میں جہاد کرنیوالا یا جیسا مردوں کے بیچ میں زندہ شخص اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ جیسے سبز درخت سوکھی گھاس میں اور فرمایا کہ جو شخص بازار میں جاوے اور کہے لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لایموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئی قدیر اس کیلیے بیس لاکھ نیکیوں کا ثواب لکھے گا اور حضرت ابن عمر اور سالم بن عبداللہ اور محمد بن واسع اور انکے سوا دوسرے حضرات بازاروں میں صرف اسی ذکر کی فضیلت کے حاصل کرنیکو تشریف لیجایا کرتے تھے اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر کرنے والا بازاروں میں قیامت کو ایسی روشنی سے آویگا جیسے چاند کی اور اسکی حجت آفتاب جیسی ہوگی اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے بازار میں مغفرت کی درخواست کرے گا اللہ تعالیٰ اسکے لیے بازاریوں کے شمار کے موافق مغفرت کریگا اور حضرت عمرؓ جب بازار میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے

[ع] اللھم انی اعوذبک من الکفر والفسوق ومن شر ما احاطت بہ السوق اللھم اعوذبک من یمین فاجرۃ وصفقۃ خاسرۃ

اور ابوجعفر فرغانی کہتے ہیں کہ ہم حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں تھے کہ ذکر ایسے لوگوں کا ہوا جو مسجدوں میں بیٹھ کر صوفیوں کے مشابہ بنتے ہیں اور مسجد میں بیٹھنے کے حق کو ادا کرنے میں قاصر ہیں اور بازار میں جانے والوں کو برا کہتے ہیں حضرت جنیدؒ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ بازار والے اکثر ایسے بھی ہیں کہ مسجد آکر بعض لوگ جو مسجد میں بیٹھے ہیں ان کا کان پکڑ کر باہر نکالدیں اور انکی جگہ خود بیٹھ جاویں میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ بازار میں جاتا ہے اور ہر روز تین سو رکعتیں اور تین ہزار بار سبحان اللہ کہنا اسکا معمول ہے ابوجعفر کہتے ہیں کہ آپ کے اس ارشاد سے مجھ کو یہ وہم ہوا کہ یہ حال آپ اپنا ہی فرماتے ہوں گے غرضنکہ جو لوگ کفالت طلب کیلیے تجارت کرتے تھے نہ دنیا کی آرام طلبی کے لیے تو انکی تجارت کا یہ طریق تھا کیونکہ جو شخص دنیا کا طالب اس غرض سے ہو کہ اس سے آخرت پر مدد لے تو اس سے یہ نہ ہوگا کہ آخرت کے نفع کو بیچڈالے اور اس بات میں بازار اور مسجد اور گھر سب کا حکم ایک ہے اور بچاؤ کی صورت صرف تقویٰ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اتق اللہ حیث ماکنت پس تقویٰ کا وظیفہ خالص دینداروں سے کبھی نہیں چھوٹتا ان پر کوئی حال نہ ہو اور اسی سے انکی زندگی اور عیش ہے کیونکہ وہ اپنی تجارت اور نفع اسی میں سمجھتے ہیں اور بعض وجہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے وہ عیش کرتا ہے اور جو دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ خفیف ہوتا ہے اور احمق آدمی صبح وشام بجز نکمی باتوں کے اور کچھ نہیں کرتا اور عاقل شخص اپنے نفس کے عیبوں کا جویاں رہتا ہے پنجم یہ کہ بازار اور تجارت پر زیادہ حریص نہ ہو کہ بازار میں سب سے پہلے جاوے اور سب کے بعد آوے یا تجارت میں سمندر کا سفر کرے کہ یہ دونوں باتیں مکروہ ہیں کہتے ہیں کہ جو شخص دریا کا سفر کرے تو وہ رزق کی طلب میں حد سے زیادتی کرتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ سمندر کا سفر بجز تین باتوں کے اور

[ا] ح رزین بروایت مالک بن از بلغہ ۱۲ ح اسکی سند مع ترجمہ باب الدعوات میں گزری ۱۲۔

[ع] الٰہی تیری پناہ مانگتا ہوں کفر اور فسق سے اور اس چیز کے کی برائی سے جسکو بازار محیط ہو الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں جھوٹی قسم اور گھٹی والے معاملہ سے ح اے اللہ سے ڈر جہاں کہیں تو ہو ترمذی بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ۔

دن کیلئے نہ کرنا چاہیے اول حج کرنا دوم عمرہ کرنا سوم جہاد کرنا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرمایا کرتے کہ بازار میں نہ اول گھسو نہ پیچھے نکلو کہ اس میں شیطان انڈے بچے دیتا ہے حضرت معاذ بن جبل اور ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ابلیس اپنے لڑکے ولبنور سے کہتا ہے کہ تو اپنے لشکر لے جا تو بازاروں پر حاکم ہو جا بازاریوں کے لیے جھوٹ اور قسم اور دغا اور مکر اور خیانت کو زینت دینا اور جو اول بازار میں آوے اور سب کے بعد اس میں سے نکلے اس کے ساتھ رہنا اور ایک حدیث میں[ا] ہے کہ جگہوں میں سے بدتر بازار ہیں اور بازاریوں سے برے وہ ہیں جو سب سے اول داخل ہوں اور سب کے بعد خارج ہوں اور یہ احتراز کامل اس صورت میں ہوگا کہ آدمی اپنی گذر اوقات کی مقدار معین کرے کہ جب اس قدر ملجاوے اسی وقت بازار سے چلا آوے اور آخرت کی تجارت میں مشغول ہو سلف کے نیک بندوں کا یہی دستور تھا چنانچہ بعض آدمی ایسے تھے کہ جب ان کو پون آنہ کے قریب مل جاتا تو بازار سے چلے آتے اور اسی قدر پر قناعت کرتے اور حماد بن سلمہ ریشمی کپڑوں کا بقچہ بیچنے کو سامنے رکھ لیتے اور جب قریب چھ آنے کے ہو جاتے تو اپنا بقچہ اٹھا ڈالتے اور گھر چلے آتے اور ابراہیم بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادھم کی خدمت میں عرض کیا کہ آج میں جاکر گارے کا کام کروں گا فرمایا کہ اے ابن بشار تو ایک چیز کا طالب ہے اور ایک چیز کا مطلوب تو ایسی چیز کو طلب کرتا ہے جو تجھ سے فوت نہ ہوگی اور تجھ کو وہ شخص طلب کرتا ہے جس سے تو بچ نہ رہے گا کیا تو نے حرص والے کو محروم اور کمزور کو رزق ملتے نہیں دیکھا پھر میں نے عرض کیا کہ میرا پون آنہ بقال کے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ یہ حرکت تمہاری اور بھی مجھ کو زیادہ گراں معلوم ہوتی کہ پون آنہ کے مالک ہو کر کام کی طلب کرتے ہو اور اگلے لوگوں میں بعض ایسے تھے کہ ظہر کے بعد پھرتے تھے اور بعض عصر کے بعد اور بعض اشخاص ہفتہ میں صرف ایک یا دو روز کام کرنے پر کفایت کیا کرتے تھے ششم یہ کہ صرف حرام سے بچنے ہی پر کفایت نہ کرے بلکہ شبہوں کی جگہ اور شک کے مقامات سے بھی احتراز کرے اور یہ نہ دیکھے کہ اس بات میں لوگ کیا فتویٰ دیتے ہیں بلکہ اپنے دل سے فتویٰ پوچھے جب اس میں کسی طرح کی خلش پاوے تو اس سے اجتناب کرے۔ اور جس وقت اس کے پاس کوئی اسباب آوے کہ اس میں اس کو شبہہ ہو تو اس کا حال لوگوں سے پوچھ کر دریافت کرے ورنہ شبہ کا مال کھاوے گا چنانچہ آنحضرت[۲] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دودھ لاتے تو آپ نے پوچھا کہ یہ دودھ تمہارے پاس کہاں سے آیا انہوں نے عرض کیا کہ بکری کے تھنوں سے آپ نے فرمایا کہ وہ بکری کہاں سے آئی انہوں نے عرض کیا کہ فلاں جگہ سے تب آپ نے دودھ پیا اور فرمایا[۳] کہ ہم انبیاء کے گروہ کو یہ حکم ہے کہ نہ کھاویں بجز عمدہ مال کے اور نہ کریں بدون نیک کام کے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو اسی بات کا حکم فرمایا ہے جس کا پیغمبروں کو حکم کیا

---

[۳] ابوداود بروایت عبداللہ بن عمرو اور کہتے ہیں کہ روایت منقطع ہے [ا] ابونعیم درکتاب حرمت المساجد بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ
[۲] طبرانی بروایت ام عبداللہ اخت شداد بن اوس ۱۲ [۳] مسلم بروایت ابی ہریرہ رض ۱۲

ہے چنانچہ فرمایا[ت ۱] یا ایہا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم اور رسولوں کو ارشاد فرمایا[ت ۲] یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دودھ کی اصل اور اصل کی اصل تک پوچھی اس سے زیادہ سوال نہیں فرمایا اس لیے کہ اس سے زیادہ میں وقت ہے اور ہم عنقریب باب حلال اور حرام میں لکھیں گے کہ اس سوال کا کرنا کس جگہ واجب ہوا کرتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک چیز میں جو انکی خدمت میں آتی یہ سوال نہیں کیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ اس کا دریافت کرنا ضروری نہیں تاجر پر اتنا ضروری ہے کہ جس سے معاملہ کرے اس کو دیکھ لے اگر وہ ظالم یا چور یا خائن یا سود خوار ہو تو اس سے معاملہ نہ کرے اسی طرح اگر لشکری ہو خواہ ان کا کوئی ساتھی یا مددگار ہو تو اس سے بھی معاملہ نہ کرے اس لیے کہ ایسے شخص سے معاملہ کرنے میں ظلم پر مدد کرنے والا ہو گا ایک بزرگ کا ذکر ہے کہ ان کو مسلمانوں کے کسی مورچہ کی دیوار بنانے کی خدمت ملی پھر ان کے دل میں اس نوکری سے کچھ تردد ہوا گو کہ یہ کام خیرات کا بلکہ اسلام کے فرائض میں سے تھا مگر چونکہ جس امیر نے نوکر رکھا تھا وہ ظالم تھا اس لیے ان کو تردد تھا چنانچہ انہوں نے سفیان ثوری سے اس کا حال دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ ظالموں کی مدد نہ تھوڑی کرنہ بہت انہوں نے کہا کہ یہ دیوار تو فی سبیل اللہ مسلمانوں کے لیے بنتی ہے سفیان نے فرمایا کہ درست ہے مگر اس میں ادنیٰ خرابی تمہارے لیے یہ ہے کہ تم یہ چاہو گے کہ کسی طرح حاکم جیتا رہے تو ہماری تنخواہ وصول ہو جاوے تو اپنے نفع کے لیے ایسے شخص کا باقی رہنا چاہو گے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور حدیث[ح ۱] میں آچکا ہے کہ جو شخص ظلم کے باقی رہنے کی دعا مانگتا ہے اس کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی نافرمانی کی جاوے اور ایک حدیث[ح ۲] میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غصہ ہوتا ہے جس وقت کوئی بدکار کی تعریف کرتا ہے اور ایک دوسری حدیث[ح ۳] میں ارشاد ہے کہ جس شخص نے بدکار کی تعریف کی اس نے اسلام کی تباہی پر اعانت کی اور ایک بار سفیان ثوریؒ خلیفہ مہدی کے پاس گئے اور ان کے ہاتھ میں سفید کاغذ تھا سفیانؒ سے کہا کہ مجھ کو دوات دے دیجیے کہ لکھوں آپ نے فرمایا کہ اول مجھ کو بتادو کہ کیا چیز لکھو گے اگر وہ حق ہو گا تو میں دوات دوں گا اسی طرح کسی حاکم

ت ۱ ۔ اے ایمان والو کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو روزی دی۔

ت ۲ ۔ اے رسولوں کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا ۱۲۔

ح ۱ ۔ یہ قول حسن بصریؒ کا ہے چنانچہ مصنف نے آفات زبان میں اسی طرح لکھا بھی ہے اس کی روایت مرفوعاً مجھ کو نہیں ملی ۱۲۔

ح ۲ ۔ ابو یعلی و بیہقی در شعب بروایت انس رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۔

ح ۳ ۔ ان لفظوں سے غریب ہے ، معروف الفاظ یہ ہیں من وقر صاحب بدعۃ یعنی جس نے تعظیم کی بدعت کی الخ ابن عدی بروایت عائشہ و طبرانی در اوسط بروایت عبداللہ بن زبیر بسند ضعیف و ابن جوزی نے کہا کہ موضوع ہے ۔ ۱۲

نے ایک عالم محبوس کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ ذرا سی مٹی گھول دو کہ میں خط پر مہر کر دوں انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو خط دے دو کہ پڑھ دیکھوں غرض کہ پہلے لوگ ظالموں کی اعانت سے اتنا احتراز کرتے تھے اور معاملہ کرنا تو سب سے زیادہ اعانت ہے اس لیے دین داروں کو چاہیے کہ حتی الوسع ظالموں سے معاملہ نہ کیا کریں حاصل یہ کہ زمانہ ایسا نازک ہے کہ تاجر کو چاہیے کہ ابنائے زمان کی دو قسمیں کریں کچھ لوگوں سے معاملہ کرے اور بعض سے معاملہ نہ کرے اور جن سے کرے وہ دوسرے فریق کی نسبت کم ہو دیں بعض اکابر فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ایک وہ زمانہ سچا تھا کہ اگر آدمی بازار میں جاکر پوچھتا کہ میں کسی سے معاملہ کروں تو یہی جواب پاتا تھا کہ جس سے جی چاہے معاملہ کرے پھر وہ وقت آیا کہ اس سے یوں کہنے لگے کہ جس سے چاہے معاملہ کر مگر فلاں اور فلاں شخص سے مت کرنا پھر اور زمانہ آنا تو یوں کہنے لگے کہ کسی سے معاملہ مت کرنا مگر فلاں اور فلاں سے کرنا اور اب مجھ کو یہ خوف ہے کہ آئندہ کو یہ بات بھی جاتی رہے اور جس بات سے وہ بزرگ ڈرا کرتے تھے وہ اب موجود ہے انا للہ وانا الیہ راجعون ہفتم یہ کہ اپنا معاملہ کے سب حالات کو ہر ایک اہل معاملہ کے ساتھ نگران رہے کہ اس کی بازپرس ہوگی قیامت کے روز اسی کا جواب سوچ رکھے کہ ہر بات اور ہر ایک کام پر پوچھا جاوے گا کہ کیونکہ اور کس واسطے کیا چنانچہ کہتے ہیں کہ قیامت کو سوداگر ہر شخص کے ساتھ کھڑا کیا جاوے گا جن سے اس نے معاملہ کیا ہوگا اور جتنے آدمیوں سے داد و ستد ہوگی اتنے ہی محاسبے دینے پڑیں گے بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سوداگر کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تجھ سے کیا سلوک کیا اس نے کہا کہ میرے سامنے پچاس ہزار نامہ اعمال کھول دیتے میں نے عرض کیا کہ یہ سب گناہ ہیں ارشاد ہوا کہ یہ تیرے معاملات ہیں جو لوگوں سے کیے ہیں جن لوگوں سے معاملہ کیا ہے ان میں سے ہر ایک کا نامہ جدا جدا ہے اور اس میں ابتدا سے آخر تک تیرا اور اس کا معاملہ لکھا ہوا ہے یہاں تک ان امور کا ذکر ہوا جو کسب کرنے والوں کا معاملہ کرنے میں ضروری ہیں یعنی عدل اور احسان میں اور اپنے دین پر دھیان رکھنے کا پس اگر تاجر جو صرف عدل پر اکتفا کرے گا تو نیک بختوں سے ہوگا اور اگر عدل کے ساتھ احسان بھی کرے گا تو مقرب بندوں میں داخل ہوگا اگر ان دونوں باتوں کے ساتھ میں دین کے وظائف کا بھی لحاظ رکھے گا جیسا ہم نے پانچویں فصل میں لکھا ہے تو وہ صدیقوں میں سے ہوگا واللہ اعلم تیسرا باب تمام ہوا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے والحمد للہ اولا و آخراً وظاہراً باطنا وصلی اللہ علے کل عبد مصطفیٰ۔

چوتھا باب حلال وحرام

رباعی

مقبول عبادت نہیں بے اکل حلال — ہے حکم خدا کہ کھاؤ تم طیب مال
کافی ہے فضیلت کو کہ اہل ایمان — اس حکم میں انبیاء کے ہیں شامل حال

واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم[1] اس کو حضرت ابن مسعود رضؓ نے روایت کیا ہے اس فرض کا سمجھنا عقلوں پر دوسرے فرضوں کی نسبت کر مشکل اور اس کا کرنا اعضاء پر نہایت ثقیل ہے اس وجہ سے اس کا علم اور عمل دونوں بالکل مٹ گئے اور اس کے علم کے دقیق ہونے کی جہت سے عمل اور بھی معدوم ہو گیا کیونکہ جاہلوں نے یہ گمان کر لیا کہ حلال دنیا سے مفقود ہے اور اس تک پہنچنے کی راہ مسدود اور مال پاک میں سے بجز نہروں کے پانی اور غیر مملوک زمین کی نباتات کے اور کوئی چیز نہیں رہی اور ان دونوں کے سوا جتنے مال ہیں ان میں معاملات کی خرابی سے خباثت آگئی اور چونکہ صرف پانی اور گھاس پر قناعت دشوار ہے تو بجز اس کے اور کیا کیا جاوے کہ محرمات میں خوب پاؤں پھیلاتے جاویں اس خیال سے انہوں نے اس فرض دین کو پس پشت ڈال دیا اور مالوں میں کچھ فرق دریافت نہیں کیا حالانکہ یہ بات نہیں بالکل حلال صاف کھلا ہے اور حرام بھی ظاہر وجدا ہے اور ان دونوں کے درمیان میں مشتبہ چیزیں ہیں اور جتنی حالتوں کے انقلاب ہوتے رہتے ہیں یہ تینوں باتیں ایک دوسرے سے ملی رہتی ہیں اور از آنجا کہ اس بدعت تازہ کا ضرر دین میں عام ہو گیا اور اس کی آگ سب خلق میں پھیل گئی لہذا ضرور ہوا کہ اس کے دور کرنے میں کوشش کی جاوے اور فرق حلال وحرام اور مشبہ میں مشرح اور محقق بتلا دیا جاوے کہ سب صورتوں کو شامل ہو سکے اور ہم اس مضمون کو سات فصلوں میں بیان کرتے ہیں وباللہ التوفیق۔

پہلی فصل، حلال کی فضیلت اور حرام کی مذمت اور انکے اقسام و درجات

حلال کی فضیلت اور حرام کی مذمت اللہ تعالے ارشاد فرماتا ہے[ت۲] کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً اس آیت میں عمل کرنے کے پیشتر مال پاکیزہ کھانے کا حکم فرمایا اور بعضوں نے فرمایا کہ اس سے مراد مال حلال ہے اور فرمایا [ت۳] ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل اور فرمایا[ت۴] الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونہم ناراً

[1] ح طلب کرنا حلال کا فرض ہے ہر مسلمان پر اس کی سند باب الزکوٰۃ میں گزری اور اس میں علی کل مسلم نہیں طبرانی نے اوسط من واجب علی کل مسلم بروایت انس رضؓ نقل کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ ت ۲ کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا ۱۲- ت ۳ اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق ت ۴ جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین پھر فرمایا[ت۲] وان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ[ت۳] پھر فرمایا وان تبتم فلکم رؤس اموالکم پھر فرمایا[ت۳] من عاد فاولئک اصحب النار[ت۴] اول میں سود کے کھانے کو خدا تعالیٰ سے لڑائی ٹھاننی فرمایا اور انجام کو باعث دخول دوزخ اور حلال اور حرام کے باب میں آیتیں بے شمار ہیں اب احادیث کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح۱] طلب الحلال فریضۃ علی کل مسلم اور دوسری حدیث میں[ح۲] طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم آیا ہے تو بعض علما نے فرمایا ہے کہ مراد علم سے حلال اور حرام کا علم ہے اور دونوں حدیثوں سے مقصود ایک ہی چیز ہے[ح۳] اور فرمایا کہ جو شخص اپنے عیال کو حلال مال کما کر کھلاوے وہ ایسا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور جو شخص کہ دنیا کو بوجہ حلال پارسائی کے ساتھ طلب کرے وہ شہیدوں کے درجہ میں ہوگا اور فرمایا[ح۴] من اکل الحلال اربعین یوما نور اللہ قلبہ واجری ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ اور ایک روایت میں زہدہ اللہ فی الدنیا ہے اور مروی ہے کہ حضرت سعدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجا کی آپؐ میرے لیے دعا فرمادیں کہ خدا تعالیٰ میری دعا قبول کر لیا کرے آپؐ نے فرمایا[ح۵] اطب طعمتک تستجب دعوتک یعنی اپنی غذا پاک وحلال کر تیری دعا قبول ہوگی اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا پر حرص کرنے والے کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد ارشاد فرمایا[ح۶] رب اشعث اغبر مشرد فی الاسفار مطعمہ حرام و ملبسہ حرام وغذی بالحرام یرفع یدیہ فیقول یارب یارب فانی یستجاب لذالک اور حضرت ابن عباس[ح۷] کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بیت المقدس پر ہر رات پکارتا ہے کہ جو شخص حرام کھاوے گا اس کا فرض و نفل کچھ قبول نہ ہوگا اور فرمایا[ح۸] کہ جو شخص ایک کپڑا دس درم کو مول لے اور اس کے ثمن میں ایک درم حرام ہو تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہ کرے گا اور فرمایا[ح۹] کل لحم نبت من حرام فالنار اولی بہ اور فرمایا[ح۱۰] جو شخص اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ کہاں سے مال کماتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہ کرے گا کہ کہاں سے اس کو دوزخ میں داخل کرے اور فرمایا[ح۱۱] عبادت دس جز ہیں نو ان میں سے طلب حلال ہے یہ روایت مرفوعاً بھی آئی ہے۔ اور موقوفاً بھی۔

۱۲.ت۵ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا سود اگر تم کو یقین ہے۔ ۱۲.ت۱ پھر اگر نہیں کرتے تو خبردار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے ۱۲ ت۷ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو پہنچتے ہیں تمہارے مال ت۸ اور جو پھر کرے وہی ہیں دوزخ کے لوگ وہ اسمیں رہ پڑیں گے ح ابھی اوپر گزری ہے۔ ۲ح علم کا طلب کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر اس کی سند باب العلم میں گزری ۱۲۔ ۳ح طبرانی در اوسط بروایت ابوہریرہ و ابو منظور در فردوس بالفاظ دیگر اور ان دونوں کی سند ضعیف ہے ۱۲ ۴ح جو شخص چالیس روز حلال کھاوے اللہ اسکے دل کو روشن کرتا ہے اور اسکے دل سے حکمت کے چشمے اسکی زبان پر جاری کر دیتا ابو نعیم و ابن عدی بروایت ابی موسیٰ اور کہا کہ حدیث منکر ہے ۱۲ اسے زاہد کر دیتا ہے اسکو اللہ تعالیٰ دنیا سے ۱۲۔ ح۵ طبرانی در اوسط بروایت ابن عباس ۱۲ ۶ح کثر ژولیدہ منہ غبار آلود سفروں میں پریشان اسکا کھانا اور پینا حرام اور حرام سے پرورش پائی ہے اپنے ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یارب یارب تو اسکی دعا کہاں مقبول ہوتی مسلم بروایت ابی ہریرہ بلفظ دیگر ۷ح اسکی اصل مجھ کو نہیں ملی ۸ح احمد بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲ ۹ح جو گوشت کہ حرام سے بڑھے اس کیلیے دوزخ زیادہ شایاں ہے ترمذی بروایت کعب بن عمرہ ۱۲ ۱۰ح ابو منصور در فردوس بروایت ابن عمرؓ اور ابن عربی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ۱۲۔ ۱۱ح ابو منصور مگر اسمیں یہ ہے کہ نو حصے خاموشی ہے اور دسواں کسب حلال اور بروایت

اور فرمایا[ح۱۲] کہ جو شخص شام کرے طلب حلال سے تھک کر وہ رات کرے گا اس حال میں کہ اس کے گناہ بخشے جاویں گے اور صبح کو اٹھے گا اس کیفیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گا اور فرمایا[ح۱۳] کہ جو شخص کہ گناہ سے مال پیدا کرے پھر اس سے صلہ رحم کرے یا صدقہ دے یا اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان سب خرچوں کو اکٹھا کرے گا پھر ان کو دوزخ میں ڈال دے گا اور فرمایا خیر دینکم الورع اور فرمایا[ح۱۴] جو شخص اللہ تعالیٰ سے حالت ورع میں ملے گا اللہ تعالیٰ اس کو ثواب تمام اسلام کا عنایت کرے گا اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ پرہیز گار ہیں ان کا حساب لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک درم سود کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانی کی حالت میں تیس زنا کی نسبت کر سخت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رض کی حدیث[۲] میں ہے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کی طرف پیاسی جاتی ہیں پس اگر معدہ اچھا ہوتا ہے تو رگیں بھی صحت کے ساتھ پانی پی کر لوٹتی ہیں اور اگر بیمار ہوتا ہے تو رگیں بیمار ہو کر پھرتی ہیں اور غذا کو دین سے وہ نسبت ہے جو بنیاد کو ہے عمارت سے تو اگر بنیاد مستحکم ہے اور سیدھی جمی ہوئی ہو گی تو عمارت سیدھی اور اونچی ہو گی اور جس صورت میں بنیاد ٹیڑھی اور کمزور ہو گی، تو عمارت گر پڑے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے افمن[ت۳] اسس بنیانہ علی تقوی من اللہ ورضوان خیر ام من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھار فانھار بہ فی نار جھنم

اور حدیث شریف میں وارد ہے[ح۱] جو شخص مال وجہ حرام سے پیدا کرے تو اگر اس کو صدقہ دے گا تو قبول نہ ہو گا اور اگر اپنے پیچھے چھوڑے گا تو اس کے لیے دوزخ کا توشہ ہو گا اور باب آداب الکسب میں ہم نے کچھ حدیثیں لکھی ہیں جن سے کسب حلال کی فضیلت واضح ہوتی ہے اور آثار اس باب میں ہیں کہ ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رض نے اپنے غلام کی کمائی کا دودھ پی لیا پھر جو اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایک قوم کے لیے کہانت کی تھی انہوں نے مجھ کو یہ دودھ دیا تھا آپ نے اپنے منہ میں انگلی ڈال کر قے کرنا شروع کیا یہاں تک کہ غلام کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید آپ کا دم نکل جاوے گا پھر آپ نے فرمایا کہ الٰہی میں تیرے سامنے عذر کرتا ہوں اس دودھ سے جو رگوں اور آنتوں میں رچ بچ گیا ہو اور بعض روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس قصہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوتی تو آپؐ نے ارشاد کیا کہ تم کو معلوم نہیں کہ صدیق اپنے پیٹ میں بجز مال طیب کے اور کچھ نہیں ڈالتا اسی طرح ایک بار حضرت عمر رض نے زکوٰۃ کی اونٹنی کا دودھ پی لیا تھا اور معلوم ہونے پر حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی[ح۵] اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تم افضل عبادت سے غافل ہو۔ جس کا نام حرام سے بچنا ہے اور حضرت ابن عمر رض فرماتے ہیں کہ اگر تم نماز پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح

انس رض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے اور یہ منکر ہے ۱۲ ح طبرانی در اوسط بروایت ابن عباس اور اس میں ضعف ہے ۱۳ ح دو مراسل بروایت ابو درداء قاسم بن مجزہ مرسلاً ۱۲ ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲۔

۱ح احمد دار بروایت عبداللہ بن حنظلہ اور اس میں تعداد چھتیس کے ہے بجائے بتیس کے ۱۲۔ ۲ح طبرانی در اوسط اور عقیل نے کہا یہ باطل ہے اس کی کچھ اصل نہیں ت ۳۔ بھلا جس نے بنیاد دھری اپنی عمارت کی پرہیز گاری پر اللہ سے اور رضامندی پر وہ بہتر یا جس نے بنا رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک گھاٹی کے کنا ہے پھر اس کو لیکر ڈھے پڑی دوزخ کی آگ میں ۴ح احمد بروایت ابن مسعود بسند ضعیف ۱۲ ۔ ۵ح اوپر کا قصہ بخاری نے بروایت عائشہ رض نقل کیا ہے اور یہ جملہ ابن ابی الدنیا نے کتاب الورع میں ۱۲

جھک جاؤ اور روزہ رکھتے رکھتے چلّہ کی طرح دبلے ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے یہ اعمال قبول نہ کرے گا۔ جب تک کہ حرام سے نہ بچو گے اور حضرت ابراہیم بن ادہم رح فرماتے ہیں کہ جس کو کچھ ملا ہے۔ تو اسی طرح ملا ہے کہ جو پیٹ میں ڈالا سمجھ کر ڈالا۔ اور فضیل رح فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے کھانے کی چیز کو سمجھ لیتا ہے تو اس کو اللہ تعالےٰ صدیق لکھتا ہے تو اے مسکین جب روزہ افطار کیا کرے تو دیکھ لیا کر کہ کس کے پاس افطار کرتا ہے اور حضرت ابراہیم بن ادہم رح سے کسی نے پوچھا کہ تم زمزم کا پانی کیوں نہیں پیتے فرمایا کہ اگر خود میرا ڈول ہوتا تو پیتا۔ اور سفیان ثوری رح فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی اطاعت میں مال حرام خرچ کرے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنا کپڑا پیشاب سے پاک کرے حالانکہ کپڑا بجز پاک پانی کے پاک نہیں ہوتا اسی طرح گناہوں کو سوائے مال حلال کے اور چیز دور نہیں کرتی۔ اور یحییٰ بن معاذ رح فرماتے ہیں کہ طاعت اللہ تعالیٰ کا ایک خزانہ ہے اور اس کی کنجی دعا ہے اور اس کنجی کے دندانے حلال لقمے ہیں اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام ہوتا ہے اور سہل تستری رح فرماتے ہیں کہ آدمی ایمان کی تہہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اس میں چار خصلتیں نہ ہوں اول فرائض کا ادا کرنا مع سنتوں کے دوم حلال کھانا ورع کے ساتھ سوم ظاہر و باطن کی ممنوعات سے بچنا چہارم ان باتوں پر موت تک جمار ہنا اور فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ صدیقوں کی علامتیں اس پر روشن ہو جاویں تو چاہیے کہ بجز حلال کے اور کچھ نہ کھاوے اور بجز سنت اور ضروری امور کے اور کوئی کام نہ کرے اور کہتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن تک مال مشتبہ کھاتا ہے اور اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی معنی ہیں اس آیت کے ت کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون اور ابن مبارک رح فرماتے ہیں کہ شبہ کے ایک درم کا پھیر دینا میرے نزدیک ایک لاکھ سے چھ لاکھ درم تک خیرات کرنے سے بہتر ہے اور بعض اکابر سلف فرماتے ہیں کہ آدمی ایک لقمہ کھاتا ہے اور اس سے اس کا دل چمڑے کی طرح بگڑ جاتا ہے اور پھر کبھی اپنی اصلی حالت میں نہیں آتا اور سہل تستری فرماتے ہیں کہ جو شخص مال حرام کھاتا ہے اس کے اعضاء خواہ مخواہ نافرمان ہو جاتے ہیں اس کو خبر ہو یا نہ ہو اور جس کو غذا حلال ہوتی ہے اس کے اعضاء اطاعت کرتے ہیں اور اس کو خیرات کی توفیق ہوتی ہے اور کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ آدمی غذا حلال کا جب اوّل لقمہ کھاتا ہے تو اس کے پہلے کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جو شخص حلال کی طلب میں ذلت کے مقام پر اپنے آپ کو کھڑا کرتا ہے اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں اور اکابر سلف کے آثار میں ہے کہ جو واعظ لوگوں میں وعظ کو بیٹھتا تو علماء فرماتے ہیں کہ اس میں تین باتیں دیکھو اگر بدعت کا معتقد ہو تو اس کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ شیطان کی زبان سے بولتا ہے اور اگر برا کھانا کھاتا ہو تو خواہش نفس سے کلام کرتا ہے اور اگر عقل کا پکا نہ ہو تو اس کے وعظ سے خرابی زیادہ ہو گی اور اصلاح کم اس کے پاس بھی مت بیٹھو اور حدیث مشہور میں بروایت حضرت علی مرتضیٰ رض و غیرہم کے آیا ہے لہ ان الدنیا حلالھا حساب وحرامھا عذاب اور دوسرے راویوں نے وشبھتہا عقاب بھی زیادہ کیا ہے اور کہتے ہیں کہ کسی سیاح نے کچھ کھانا کسی ابدال کو دیا انھوں نے نہ کھایا۔ سیاح نے اس کا سبب پوچھا انھوں نے فرمایا کہ ہم بجز حلال اور کچھ نہیں

ت کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ان کے دلوں پر وہ جو کچھ کماتے ہیں۔

لہ دنیا کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب اور شبہ میں ضرر ہے

کھاتے اور اسی وجہ سے ہمارے دل مستقیم رہتے ہیں اور حالت یکساں رہتی ہے اور عالم ملکوت کی سیر کرتے ہیں اور آخرت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اگر ہم تین دن وہ غذا کھاویں جو لوگ کھاتے ہیں تو نہ تو کچھ علم یقین ہم کو نصیب ہو اور نہ خوف اور مشاہدہ ہمارے دل میں باقی رہے اس سیاح نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں اور ہر مہینہ میں تیس قرآن ختم کرتا ہوں ابدال نے فرمایا کہ یہ چیز جو میں نے رات تیرے سامنے پی ہے میرے نزدیک تیرے تیس ختم سے جو تین سو رکعتوں میں ہوں بہتر ہے اور انہوں نے رات کو جنگلی ہرنی کا دودھ پیا تھا اور امام احمد بن حنبل کو یحییٰ بن معین سے بہت الفت تھی اور مدتوں تک ساتھ رہے ایک بار امام احمد نے سنا کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں کسی سے سوال نہیں کرتا لیکن اگر بادشاہ مجھے دے تو لے لوں گا۔ آپ نے یہ سن کر ان سے ملاقات چھوڑ دی یہاں تک کہ انہوں نے عذر کیا اور عرض کیا کہ میں تو ہنستا تھا۔ فرمایا کہ تم دین کی بات میں ہنستے ہو تم کو معلوم نہیں کہ غذا دین میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل نیک پر مقدم بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ[ت۳] کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً اور ایک روایت میں ہے کہ توریت میں مذکور ہے کہ جو شخص اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ میری غذا کہاں سے ہے خدا تعالیٰ اس بات کی پرواہ نہ کرے گا۔ کہ دوزخ کے کس دروازے سے اس میں داخل کرے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے اور دار الخلافت کے لٹ جانے کے بعد جو غذا کھائی تو اس پر اپنی مہر دیکھ لیتے تھے تاکہ شبہ سے محفوظ رہیں اور ایک بار فضیل بن عیاضؒ اور ابن عیینہؒ اور ابن مبارکؒ مکہ معظمہ میں وہیب بن الوردؒ کے پاس جمع ہوتے اور خرما کا ذکر کیا۔ وہیبؒ نے فرمایا کہ خرما مجھ کو نہایت محبوب ہے مگر میں اس کو کھاتا نہیں اس لیے کہ مکہ معظمہ کے خرما زبیدہ وغیرہ کے باغوں میں مل گئے ہیں اس پر عبداللہ بن مبارکؒ نے ان سے کہا کہ اگر آپ اس طرح کے دقائق کا لحاظ کریں گے تو روٹی کھانی دشوار ہو جاوے گی۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ کہا اصل زمینیں اطراف و جوانب کی زمینوں میں مل گئی یہ سنتے ہی وہیب کو غش آ گیا سفیان ثوری نے عبداللہ بن مبارکؒ سے فرمایا کہ تم نے اس شخص کو مار ڈالا انہوں نے کہا کہ میری غرض تو یہ تھی کہ یہ وقت چھوڑ دیں جب وہیبؒ کو ہوش آیا تو قسم کھائی کہ میں عمر بھر روٹی نہ کھاؤں گا بھوک کے وقت دودھ پی لیا کرتے۔ ایک بار ان کی ماں دودھ لائیں آپ نے پوچھا کہ یہ کہاں کا ہے انہوں نے جواب دیا کہ فلاں شخص کی بکری کا ہے آپ نے پوچھا کہ وہ بکری اس کے پاس کہاں سے آئی اور دام کہاں سے دیا انہوں نے بتا دیا جب برتن کو منہ کے پاس لے گئے تو فرمایا کہ ایک بات رہ گئی کہ یہ بکری کہاں چرا کرتی تھی ان کی ماں خاموش ہو گئی آپ نے وہ دودھ نہ پیا اس لیے کہ وہ ایسی جگہ چرتی تھی جس میں کچھ حق مسلمانوں کا تھا۔ ان کی مادر مشفقہ نے فرمایا کہ پی لو اللہ تم کو بخش دے گا انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی نافرمانی کر کے اس کی مغفرت کا خواہاں ہوں یعنی پینے سے اس کی نافرمانی یقینی ہو گی تو ایسی طرح اپنے اختیار سے نافرمانی کر کے جویائے مغفرت ہونا اچھا نہیں اور بشر حافیؒ بھی پرہیزگاروں میں سے تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں فرمایا جہاں سے تم کھاتے ہو مگر جو کھاوے اور روتا جاوے وہ اس جیسا نہیں جو کھاوے اور ہنستا جاوے اور میرا ہاتھ دوسروں کی نسبت کوتاہ ہے اور لقمہ بھی اوروں سے چھوٹا ہے یعنی۔

ت۳۔ کھاؤ ستھری چیزیں اور عمل کرو بھلا ۱۲۔

بقدر حاجت اور ضرورت پر اکتفا کرتا ہوں غرضکہ پہلے لوگ شبہات سے اس طرح بچا کرتے تھے۔

حلال و حرام کے اقسام

واضح ہو کہ حلال اور حرام کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مشرح ہوتی ہے اور اگر طالب حق اپنی غذا ایسی طرح معین کرے کہ فتویٰ کی رو سے حلال ہو اور اس کے سوا کسی اور جگہ سے نہ کھاوے تو اس کو اس بحث طویل کی ضرورت نہیں لیکن جو شخص اپنا کھانا چند وجوہ متفرق سے کھاوے تو اس کو اپنے لیے حرام اور حلال مفصل جاننے کی ضرورت پڑے گی اس کی تفصیل ہم نے فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے یہاں ہم مجملاً تقسیم کے طور پر اشارۃً مال حلال کی آمدنی کی وجہیں بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مال دو حال سے خالی نہیں یا تو خود اپنی ذات سے حرام ہوگا یا اس جہت سے کہ اس کے حاصل کرنے میں کوئی خلل ہوگیا ہو۔ قسم اول یعنی جس کی ذات میں کوئی صفت حرمت کی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جیسے شراب اور سور وغیرہ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو چیزیں زمین پر کھانے میں آتی ہیں وہ تین طرح کی ہوتی ہیں اول معدنیات جیسے نمک اور مٹی وغیرہ دوم نباتات اور سوم حیوانات۔ معدنیات وہ ہیں جو زمین کے اجزا اور کانوں سے نکلتی ہیں اور اسی وجہ سے حرام ہیں کہ کھانے میں مضر ہیں اور بعض بمنزلہ زہر کے ہیں اگر بالفرض روٹی کا کھانا مضر ہوتا تو وہ بھی حرام ہوتی اور جیسے مٹی کے کھانے کی عادت پڑ گئی ہو وہ بھی ضرر ہی کے لحاظ سے حرام ہوتی ہے اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اگر کوئی معدنیات میں سے شورہ یا اور کسی سائل غذا میں گر جاوے تو اس کے سبب سے حرام نہ ہوگا اور نباتات میں سے وہ چیزیں حرام ہیں جو عقل کو یا زندگی کو یا تندرستی کو زائل کریں عقل کی دور کرنے والی جیسے بھنگ اور شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں اور زندگی کی زائل کرنے والی جیسے بیش وغیرہ زہر ہیں اور تندرستی کی دور کرنے والی وہ دوائیں ہیں جن کا بے وقت استعمال کیا جاوے غرضکہ شراب اور نشہ کی چیزوں کے سوا سب میں حرمت کی علت ضرر ہے اور مسکرات میں یہ بات نہیں ان میں سے تھوڑی مقدار بھی حرام ہے گو نشہ نہ کرے ان میں علت ایک تو ذاتی نجاست ہے اور دوسری صفتی یعنی ایسی تیزی ہے جو سرور پیدا کرتی ہے اور زہر کی چیزوں میں سے اگر صفت ضرر جاتی رہے خواہ مقدار کی کمی یا دوسری چیز میں ملانے سے تو وہ حرام نہ ہوگی باقی رہے حیوانات ان کی دو نوع ہیں ایک ماکول اور دوسری غیر ماکول اور اس کی تفصیل باب الاطعمہ میں ہے اور ان کا مفصل بیان کرنا ایک بحث طویل ہے خصوص اقسام پرند اور حیوانات خشکی اور تری کا بیان۔ اور جن حیوانات کا گوشت کھایا جاتا ہے وہ بھی اس طرح پر ہے کہ شرعی طور پر ذبح ہوا ہو اور ذبح کرنے والے اور آلہ ذبح اور مقام ذبح کی شرطوں کا لحاظ کیا گیا ہو اور یہ باتیں باب الصید والذبائح میں مذکور ہیں اور جو جانور کہ شرعی طور پر ذبح نہ ہوا ہو یا مر گیا ہو تو وہ حرام ہے ان میں سے سوائے ٹڈی اور مچھلی کے اور کوئی حلال نہیں اور انہیں کے حکم میں وہ کیڑے ہیں جو غذا کے بن جاتے ہیں جیسے سیب اور گولر اور پنیر اور سرکہ کے ان سے احتراز کرنا غیر ممکن ہے ہاں اگر ان کو علیحدہ کر کے کھایا جاوے تو ان کا حکم مکھی اور گوبریلے اور بچھو وغیرہ جانوروں کا ہے جن میں خون رواں نہیں یعنی ان کی حرمت کی کوئی وجہ بجز کراہت طبعی کے نہیں اگر کراہت طبعی نہ ہوتی تو وہ مکروہ نہ ہوتے اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ ان چیزوں سے کراہت نہ کرے تو خاص اس کی طبیعت پر التفات نہ کیا جاوے گا بلکہ اکثر طبائع کے اعتبار سے ان چیزوں کا کھانا مکروہ ہوگا جیسے کوئی تھوک یا سنک کو جمع کر کے پی لیوے تو مکروہ ہے حالانکہ کراہت نجاست۔

کے سبب نہیں اس لیے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ چیزیں مرنے سے ناپاک نہیں ہوتیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ایک حکم فرمایا ح ہے کہ مکھی اگر کھانے میں گر جاوے تو اس کو غوطہ دے دو اور کھانا بعض وقت گرم ہوتا ہے کہ مکھی گرتے
ہی مر جاتی ہے اور اگر کوئی چیونٹی یا مکھی ہانڈی میں پک کر پاش پاش ہو جاوے تو اس کا گرا دینا ضرور نہیں اس لیے مکروہ
اس کا صرف جسم ہے وہ ناپاک نہیں ہے کہ ہانڈی کو ناپاک کر دے غرضکہ ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں
کی حرمت مکروہ جاننے کی جہت سے ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ اگر مردہ آدمی کا کوئی ٹکڑا ہانڈی میں پڑ جاوے تو
کوڑی بھر ہو تو سب کھانا حرام ہو جاوے گا نہ اس جہت سے کہ وہ نجس ہو گیا کیونکہ آدمی تو مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا
بلکہ اس وجہ سے کہ آدمی کا کھانا تعظیم کی وجہ سے حرام ہے نہ کہ کراہت طبعی کی وجہ سے اور جو جانور کہ کھاتے جاتے
ہیں شرائط شرع کے بموجب ذبح ہونے سے بھی ان کے سب اجزا کا کھانا حلال نہیں ہوتا بلکہ خون اور غلیظ اور جتنی
چیزیں اس میں نجس ہیں حرام ہیں اور نجاست کا کھانا مطلق حرام ہے لیکن نجس عین یا تو حیوانوں میں سے ہیں یا مسکرات ہیں
نباتات میں سے اور جو چیزیں کہ عقل کو دور کرتی ہیں اور نشہ نہیں لاتی وہ نجس عین نہیں جیسے بھنگ کیوں کہ نشہ آور چیز
کا پلید ہونا اس سے باز رکھنے کے لیے کیا گیا ہے کہ ویسی چیزوں کی طرف لوگوں کا دل چلتا ہے اور جب کہ بہنے والی نجاست
کا ایک قطرہ یا بستہ نجاست کا کوئی حصہ شوربا خواہ کھانے یا تیل میں گر جاوے تو ان سب کا کھانا حرام ہو جاوے گا مگر اور کام
میں لانا حرام نہ ہوگا مثلاً ناپاک تیل کا جلانا یا کشتیوں میں ملنا یا جانوروں وغیرہ پر لگانا درست ہے غرضکہ جو چیزیں ذات
میں کوئی حرمت کی صفت پائی جانے سے حرام ہوتی ہیں وہ اسی قدر تھیں اب دوسری قسم کو معلوم کرنا چاہیے یعنی جن
چیزوں کے حاصل کرنے میں کوئی خلل واقع ہو اور اس کی بحث وسیع ہے اور اس طرح کا مال کا لینا تو مالک کے اختیار سے
ہوگا یا بدوں اختیار کے دوم کی مثال ارث ہے کہ بدوں اختیار وارث کے اس کی ملک میں آجاتا ہے اور اختیار سے
مالک ہونا بھی دو طرح ہے یا تو کسی مالک کے پاس سے اس کی ملک میں آوے یا بدوں مالک کے جیسے کان کا
ملنا اور جو مالک کے پاس سے آیا ہو وہ اس سے زبردستی لے لیا یا رضامندی سے اور زبردستی کی صورت میں یا مالک
مال کی عصمت اس پر سے دور ہو گئی جیسے غنیمت ہے خواہ لینے کا استحقاق ثابت ہو گیا ہو جیسے زکوٰۃ اور واجب
نفقات کے نہ دینے والوں سے مال حاصل کرنا اور جو مال رضامندی سے لیا جاوے اس کے بھی دو طور ہیں یا عوض
میں لیا جاوے جیسے بیع اور مہر اور اجرت ہے یا بدون عوض ہو جیسے ہبہ اور وصیت پس اس تقسیم سے چھ قسمیں حاصل
ہوتی ہیں اوّل وہ جس کا کوئی مالک نہ ہو جیسے کان میں سے کچھ نکالنا یا افتادہ زمین کو آباد کرنا کسی ملک میں شکار کرنا۔
یا لکڑیاں لانا یا ندیوں میں سے پانی لے لینا گھاس کھود لانا تو یہ سب چیزیں حلال ہیں بشرطیکہ کسی آدمی کی ملک کا علاقہ
نہ ہو پس جس صورت میں کہ کسی کی ملک کی خصوصیت ان اشیاء میں نہ ہوگی تو لینے والا ان کا مالک ہو جاتے گا اور اس
کی تفصیل زمین لاوارث کے آباد کرنے کے باب میں ہوا کرتی ہے دوم وہ مال جو زبردستی لیا جاوے ایسے لوگوں
سے جن کی حرمت نہیں جیسے مال غنیمت جو لڑائی سے ملے یا مال فئی جو بدوں لڑائی کے کفار سے حاصل ہو یہ مال

ح لے بخاری بروایت ابی ہریرہ ۱۲ منہ

اس صورت میں حلال ہوتا ہے کہ مسلمان اس میں سے خمس نکال کر مستحقوں میں عدل کے ساتھ تقسیم کر دیں اور ایسے کافروں سے اس کو نہ لیا ہو جو حرمت رکھتے ہیں مثلاً ذمی اور امن اور عہد والے اور تفصیل ان شرطوں کی غنیمت اور جزیہ کے باب میں مذکور ہوتی ہے۔ سوم وہ مال جو زبردستی لیا جاوے ایسے لوگوں سے کہ حق واجب کو نہ ادا کریں اور بدون رضامندی کے لیے جانے کے مستحق ہوں یہ مال بھی حلال ہے جس صورت میں کہ استحقاق کا سبب پورا ہو جاوے اور مستحق میں وصف استحقاق کامل ہو اور مقدار واجب پر اکتفا کرے اور لینے والا قاضی یا بادشاہ یا مستحق ہو اور اس مال کی تفصیل تفریق صدقات اور کتاب الوقف اور نفقات کے بیان میں ہوتی ہے اس لیے کہ ان میں یہی بحث ہوتی ہے کہ مستحق زکوٰۃ کے اوصاف کیا ہیں اور وقف و نفقات وغیرہ کے مستحق کیسے لوگ ہوتے ہیں پس جب کہ یہ شروط پوری ہوں گی تو جو مال لیا جاوے گا وہ حلال ہوگا۔ چہارم وہ مال جو معاوضہ صورت میں مالک کی رضامندی سے لیا جاوے یہ اس صورت میں حلال ہے کہ عوض کی دونوں چیزوں کی شرطیں اور عاقدین اور ایجاب و قبول کی شروط ملحوظ رہیں اور معہذا جو شروط مفسدہ شارع نے مقرر فرما دی ہیں ان سے احتراز کیا جاتے ان امور کا بیان کتاب البیع اور سلم اور اجارہ اور حوالہ اور ضمان اور مضاربت اور شرکت اور مساقاۃ اور شفعہ اور صلح اور خلع اور کتابت اور مہر اور دوسرے معاوضات میں مشرح ہوتا ہے پنجم وہ مال جو مالک کی رضامندی سے بغیر عوض لیا جاوے یہ اس صورت میں حلال ہوتا ہے کہ معقود علیہ اور عاقدین اور عقد کی شرط کی جاوے اور کسی وارث وغیرہ کو ضرر نہ ہوتا ہو اور یہ ہبہ اور وصیتوں اور صدقات کے باب میں نکھار ہتا ہے ششم وہ مال کہ جو بے اختیار آدمی کو ملے جیسے ترکہ مورث کا یہ اس صورت میں حلال ہوتا ہے کہ مورث نے اس کو کسی وجہ حلال سے منجملہ وجوہ پنجگانہ مذکورہ بالا کے پیدا کیا ہو علاوہ ازیں ترکہ مذکور سے اول مورث کا قرض اور وصیتیں ادا ہو چکی ہوں اور وارثوں کے حصے عدل کے ساتھ ہوتے ہوں اور حقوق واجب مثل زکوٰۃ اور حج اور کفارہ ادا ہو گئے ہوں اسکی تفریح کتاب الوصایا اور فرائض میں ہوا کرتی ہے غرضکہ آمدنی کی کل صورتیں مجملاً یہی ہیں ہم نے بطور اجمال انکی طرف اشارہ کر دیا تاکہ طالب حق کو معلوم ہو جاتے کہ اگر اس کی غذا ایک وجہ معین سے نہ ہوگی بلکہ متفرق صدقوں سے حاصل ہوتی ہوگی تو اس کو بدون ان سب امور کے جانے چارہ نہیں اور جس جہت سے ان صورت میں اس کو غذا ملے چاہیے کہ اہل علم سے اس باب میں حکم پوچھ لے اور بدون جانے ہوتے اس پر جرأت نہ کرے اس لیے کہ جیسے عالم سے قیامت کو کہا جاوے گا کہ تو نے اپنے علم کے خلاف کیوں کیا ویسے ہی جاہل سے کہا جاوے گا کہ تو اپنی جہالت پر کیوں اڑا رہا سیکھ کیوں نہ لیا۔ تجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد معلوم ہو چکا تھا[۱] طلب العلم فریضة علی کل مسلم

حلال و حرام کے درجات

واضح ہو کہ حرام سب خبیث ہے لیکن بعض میں خباثت زیادہ ہے اور بعض میں کم اسی طرح حلال سب پاک و صاف ہے مگر بعض زیادہ ستھرا ہے اور بعض کم اس کی مثال ایسی سمجھو کہ طبیب کہتا ہے کہ سب مٹھائیاں گرم ہیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ بعض اول درجہ کی گرم ہیں جیسے شکر ہے اور

[۱] علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس کی سند اوپر گزر رہی ۱۲۔

بعض دوم درجہ کی جیسے گڑ اور بعض سوم درجہ کی جیسے دوشاب اور بعض چہارم درجہ کی جیسے شہد اسی طرح حرام کی خباثت کو جانو کہ بعض کی اول درجہ کی ہے اور بعض کی دوم و سوم و چہارم درجہ کی اور ایسا ہی کچھ حلال کی پاکی کا حال ہے اور ہم اس جگہ طبی اصطلاح کا اقتداء کر کے چار ہی درجے تخمیناً بیان کرتے ہیں گو حقیقت میں درجات کا حصر ہونا ممکن نہیں اس لیے کہ ایک درجہ سے لے کر دوسرے درجہ تک بھی بہت تفاوت ہو سکتا ہے مثلاً بعض شکر میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں کم اسی طرح اور چیزوں کا حال ہے غرضکہ اعتبار مذکورہ بالا سے حرام سے بچنے کے لیے چار درجے ہیں اول عادل شخصوں کا ورع ہے یہ اس حرام سے بچنے کو کہتے ہیں کہ اگر آدمی اس میں مبتلا ہو تو فاسق ہو جاوے اور اس کا عادل ہونا جاتا رہے اور موجب دخول النار ہو اور گنہگار کہلاتے یہ ورع اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ جتنی باتوں کو فقہا حرام کہیں ان سے اجتناب کرے۔ دوسرا ورع صالحین کا ہے یہ اس چیز سے بچنے کا کہتے ہیں جس میں حرمت کے شبہ کو دخل ہو گر مفتی ظاہر حال کی رو سے اس کی حلت کا فتویٰ دے غرضکہ شبہ کے موقعوں سے بچنے کا نام ہم ورع الصالحین کہتے اور یہ دوسرے درجہ میں ہے۔ تیسرا ورع متقین کا ہے وہ اس طرح ہے کہ کوئی چیز نہ فتویٰ کی رو سے حرام ہے اور نہ اس کی حلت میں شبہ ہے مگر اس سے یہ خوف ہے کہ نوبت حرام چیز کی طرف پہنچے یعنی جن چیزوں میں کچھ خوف نہیں ان کو خوف کی چیزوں کی خاطر چھوڑ دینا اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ح[۲] لایبلغ العبد درجۃ المتقین حتی یدع مالا باس بہ مخافۃ مما بہ باس چوتھا ورع صدیقین کا ہے کہ نہ چیز میں کچھ خوف ہو اور نہ اس بات کا خوف ہو کہ اس سے نوبت دوسری چیز خوف والی چیز کو پہنچے گی مگر اس کو خاص اللہ کے لیے لینے کی نوبت نہ ہو یا اس کی عبادت پر قوت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو یا جن اسباب سے کہ وہ حاصل ہوتی ان میں کسی طرح کی کراہت ہو تو ایسی چیز سے احتراز کرنا صدیقین کا ورع ہے پس یہ درجے حلال کے بالاجمال ہوتے اور جس حرام سے درجہ اول میں بچنے کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی جس کے بچنے سے عدالت بنی رہتی ہے اور فسق کا اطلاق نہیں ہوتا خباثت میں اس کے بھی کئی درجے ہو سکتے ہیں مثلاً جن چیزوں میں حرف وادوستد سے بیع حرام ہے اگر ان کو بدون ایجاب وقبول زبانی کے تعاطی سے لیا تو وہ حرام ہوں گی مگر ایسی حرام نہ ہو گی جیسے زبردستی کسی سے چیز چھین لینی حرام ہے بلکہ چھینی ہوئی چیز کی حرمت زیادہ ہے کہ اس میں دو باتیں ہوتیں ایک تو جو راہ شریعت نے چیز کے حاصل کرنے کے لیے مقرر کی تھی اس کو چھوڑ دیا دوسرے شخص کو ایذا دی تعاطی میں گو اول بات موجود ہے مگر دوسرے کو ایذا دینا نہیں پایا جاتا پھر طریق شرع کو ترک کرنا بھی تعاطی میں سہل ہے بہ نسبت سود سے مال حاصل کرنے کے اور اس طرح کا فرق یوں معلوم ہوتا ہے کہ جن ممنوعات میں شریعت نے تشدد اور وعید اور تاکید زیادہ کی ہے ان کا اختیار کرنا سخت گناہ ہے اور جن میں تشدد کم ہے ان کا کم چنانچہ ان کا بیان باب التوبہ میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ کے فرق کے ذکر میں آوے گا اسی طرح اگر کوئی چیز کسی فقیر یا نیک بخت یا یتیم سے زبردستی لے لی جاوے تو وہ اس شے کی نسبت کر زیادہ خبیث ہوگی

[۲] ح بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ بخوف ومضائقہ کی چیزوں کو خوف کی چیزوں سے ڈر سے نہ چھوڑ دے ابن ماجہ نے اس کو نقل کیا ہے اور پہلے ہو چکی ہے ۱۲۔

جو کسی قوی یا تونگر یا فاسق سے لی جاوے اس لیے کہ ایذا کے درجے بھی موافق حال ایذا رسیدہ شخصوں کے جدا جدا ہوتے ہیں پس خباثت کی تفصیل میں ان باتوں سے غافل نہ ہونا چاہیے اور ایک یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر گنہگاروں کے مختلف درجے نہ ہوتے تو دوزخ کے طبقے بھی جدا جدا نہ ہوتے اور نیز جب یہ جان چکے کہ خباثت منحصر شریعت کے تشدد پر ہے تو پھر اس کو تین یا چار درجوں میں حصر کرنا زبردستی ہے علاوہ ازیں درجات حرام کا اختلاف خباثت میں وہاں خوب معلوم ہوتا ہے جہاں ممنوع چیزوں میں تعارض پڑتا ہے اور پھر بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص بھوک سے مضطر ہو اور مردار اور مال غیر اور شکار حرام مل سکتا ہے تو خواہ مخواہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا پڑے گا چنانچہ اس کا بیان آگے آوے گا۔ اب ورع کے چار درجوں کی مثالوں اور شواہد کو معلوم کرنا چاہیے۔

ورع کے اول درجے یعنی عادل شخصوں کے ورع کے باب میں تو یہ جاننا چاہیے کہ جو چیزیں ایسی چیزیں ہیں کہ بمقتضائے فتویٰ حرام ہیں اور جو چھ طریق حرام کی آمد کے اوپر ذکر ہوئے ان میں داخل ہوں یعنی وجہ حلال شرائط کو ملحوظ نہ رکھنے سے وہی طریق حرام کا ہو جاتا ہے پس اوپر ذکر وجوہ حلال کی آمد کا ہوا ہے انہیں کو حرام کی آمد کا بھی کہہ سکتے ہیں اگر شرائط حلت مرعی نہ رہیں تو ایسی چیزیں حرام مطلق ہیں ان کا مرتکب فاسق و گنہگار ہے اور ہماری غرض حرام مطلق سے اسی طرح کے اشیاء ہیں ان میں کچھ حاجت مثالوں اور شواہد کی نہیں اور دوسرے درجہ کے ورع کی مثالیں اور شبہات ہیں جن میں سے بچنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے چنانچہ شبہات کے باب میں اس کا ذکر آوے گا کیونکہ بعض شبہات سے بچنا واجب ہوتا ہے تو اس طرح کے شبہات حرام میں داخل ہیں اور بعض شبہوں سے بچنا مکروہ ہوتا ہے اس سے احتراز کرنا وسوسہ والوں کا ورع ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص شکار مارنے سے احتیاط کرے اس خوف سے کہ شاید یہ شکار کسی آدمی سے چھوٹ کر نہ بھاگا ہو تو دوسرے کے ملک پر قبضہ کرنا پڑے گا تو اس طرح کی احتیاط وسوسہ ہے اور بعض شبہات سے اجتناب کرنا مستحب ہے واجب نہیں اور اسی طرح کے شبہ پر اس حدیث شریف کو محمول کیا جاتا ہے ح[۱] دع ما یریبک الی ما لا یریبک اور ہم اس کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں اور اسی طرح یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ح[۲] کل ما اصمیت ودع ما انمیت یعنی جس شکار پر تیر لگے اور آنکھ کے سامنے مر جاوے اس کو کھاوے اور جو زخمی ہو کر نظر سے غائب ہو جاوے اور پھر مردہ ملے اس کو مت کھا اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ گرنے یا اور کسی سبب سے مر گیا ہو تو ایسی صورت میں ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ یہ شکار حرام نہیں بلکہ نہ کھانا دوم درجہ کا ورع ہے اور ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصیغہ امر یعنی دع ما انمیت امر تنزیہی ہے اس لیے کہ بعض روایات ح[۳] میں وارد ہوا ہے کہ اس شکار میں سے کھا اگرچہ تیری نظر سے غائب ہو جائے بشرطیکہ سوا اپنے تیر کے اور کوئی علامت اس میں نہ پاوے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ح[۱] چھوڑ اس چیز کو جو تم کو شک میں ڈالے اور اختیار کر اس کو کہ تجھ کو شبہ میں نہ ڈالے نسائی و ترمذی حاکم بروایت امام حسن علیہ السلام السلام ۱۲ ح[۲] طبرانی در اوسط بروایت ابن عباس مرفوعاً بیہقی مرفوعاً علی بن عباس رضی۔

کا ارشاد عدی بن حاتم کو سگ معلم کے باب میں[۴] وان اکل فلا تاکل فانی اخاف ان یکون انما امسک علی نفسہ بطور نہی تنزیہی اور خوف کی وجہ سے تھا کیونکہ ابو ثعلبہ خشنی کو یوں ارشاد فرمایا کہ[۵] کل منہ فقال وان اکل قال وان اکل اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو ثعلبہ خشنی فقر پیشہ ور تھے ان سے یہ احتیاط نہ ہو سکتی تھی اور عدی بن حاتم رضؓ اس کو نباہ سکتے تھے حضرت ابن اسیرین رحؒ کی نقل ہے کہ انہوں نے اپنے شریک کو چار ہزار درہم چھوڑ دیتے تھے اس وجہ سے کہ اُن کے دل میں کچھ کھٹکا ہو گیا تھا باوجودیکہ علماء کا اتفاق تھا کہ ان میں کچھ مضائقہ نہیں تو اس درجہ کی مثالیں ہم شبہات کے درجات کے بیان میں ذکر کریں گے یہاں اتنا ہی کافی ہے کہ جو بات شبہ کی ہو اور اس سے احتراز کرنا واجب نہ ہو وہ مثال اس درجہ کی ہے اور درجہ سوم متقیوں کے ورع کا شاہد یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ آپ نے فرمایا[۱] لا یبلغ العبد درجۃ المتقین حتی یدع ما لا باس بہ مخافۃ ما بہ باس[۲] اور حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم حلال کے نویں دسویں حصہ کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں حرام میں مبتلا نہ ہو جائیں اور حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے قائم رہنے[۳] کی یہ صورت ہے کہ آدمی ذرہ بھر چیز میں بھی تقویٰ کرے یہاں تک کہ بعض چیزیں جن کو حلال جانتا ہو اس ڈر سے چھوڑ دے کہ کہیں حرام نہ ہوں تاکہ یہ چھوڑنا اس میں اور دوزخ کی آگ میں آڑے ہو جاوے اور اسی لیے کسی بزرگ کے سو درم ایک شخص پر آتے تھے جب وہ دینے کو لایا تو ننانوے لیے اور کل کے لینے سے ورع کیا کہ کہیں زیادہ نہ ہو جاویں اور بعض اکابر تجارت کرتے تھے جب اپنا دام لیتے تو ایک رتی کم لیتے اور دوسرے کو دیتے تو زیادہ دیتے تاکہ امر مانع دوزخ کی آگ کا ہو اور اسی درجہ میں ان چیزوں سے احتراز کرنا داخل ہے جن میں لوگ چشم پوشی کر جاتے ہیں ہر چند وہ فتویٰ کی رو سے حلال ہیں لیکن اگر ان کا باب مفتوح ہو تو نوبت اور چیزوں کی طرف پہنچتی ہے اور نفس کامل ہو کر ورع کو چھوڑ دیتا ہے چنانچہ اسی قسم کی یہ حکایت ہے کہ علی بن معبدؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا ایک بار میں نے ایک خط لکھا اور چاہا کہ دیوار کی مٹی لے کر اس کو خشک کروں پھر میں نے سوچا کہ دیوار میری ملک نہیں میرے نفس نے کہا کہ دیوار سے اتنی مٹی کی کیا حقیقت ہے پس میں نے مٹی لے کر اپنا کام کیا جب میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کھڑا یوں کہتا ہے کہ میاں صاحب کل کو حال معلوم ہو گا اس شخص کو جو کہتا ہے کہ دیوار کی اتنی مٹی کی کیا حقیقت ہے۔ اور شاید اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت میں اس کا درجہ کم ہو جاتے گا یعنی ورع متقین کا درجہ اس کو نہ ملے گا یہ غرض نہیں کہ اس فعل پر کوئی سزا تے عذاب ہے اور اسی قسم کی یہ حکایت کہ حضرت عمر رضؓ کے پاس بحرین سے

۱۲- ۴ح اور اگر کتا کھاوے تو شکار کو مت کھاؤ کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس نے شکار اپنے لیے نہ پکڑا ہو بخاری ومسلم بروایت عدی ابن حاتم ۱۲- ۵ ح ابو داؤد بروایت عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور اردو ترجمہ یہ ہے کہ کھاؤ اس شکار سے ابو ثعلبہ نے کہا کہ اگرچہ کتا کھاتے آپ نے فرمایا گو کھالے ۱۲- ۱ح اس کی سند معہ ترجمہ اوپر گزری ہے ۳ے اصل میں ہے کہ تقویٰ کے تمام ہونے میں سے یہ صورت الخ- ۲ ح بخاری بروایت ابو ہریرہ ۱۲- ۳ے تو کہ ان کی وفات الخ اصل میں اس طرح سے کہ ایک بزرگ کسی شخص کے پاس جو حالت نزع میں تھا موجود تھے وہ شخص رات میں مر گیا تو حضرت نے حکم مذکور فرمایا ۱۲ امیر علی عفی عنہ ۱۲

مشک آیا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو یوں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عورت اس کو تول دیتی تو اس کو مسلمانوں میں بانٹ دیتا۔
ان کی بی بی عاتکہ نے کہا کہ مجھ کو تولنا آتا ہے آپ نے کچھ جواب نہ دیا پھر یہی فرمایا کہ اس کو کوئی عورت تول
دیتی تو میں مسلمانوں میں تقسیم کرتا ان کی بی بی نے پھر وہی کہا آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ تو جب تول چکے
تو پلہ ترازو کے غبار کو اپنی گردن میں مل لے اور اس وجہ سے اور مسلمانوں کی نسبت کر مجھ کو زیادہ فائدہ مشک
سے پہنچے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے مشک مسلمانوں کے لیے تل رہا تھا آپ نے اپنی ناک بند
کر لی کہ خوشبو نہ آوے۔ لوگوں نے یہ امر بعید آپ سے جانا فرمایا کہ اس کا فائدہ تو صرف خوشبو ہی سے ہے
میں کس طرح اوروں سے زیادہ متمتع ہوں اور ایام طفلی میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے صدقہ کے چھواروں
میں سے ایک اٹھا لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ چھی چھی یعنی اس کو ڈال دو اور کسی بزرگ
سے روایت ہے کہ ان کی وفات شب کو ہوتی حالت نزع میں فرمایا کہ چراغ گل کر دو اس لیے کہ تیل میں وارثوں
کا حق متعلق ہو گیا اور سلیمان تیمی نعیمہ عطارہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی بی بی کو کچھ خوشبو مسلمانوں
کی خوشبو میں سے بیچنے کے لیے دے دیا کرتے تھے ایک بار انہوں نے میرے ہاتھ خوشبو بیچی اور بڑھانے عہ
گھٹانے میں کسی قدر ان کی انگلی میں لگ رہی انہوں نے اس کو اپنے دوپٹہ میں پونچھ لیا اتنے میں حضرت عمرؓ
تشریف لائے پوچھا کہ یہ خوشبو کیسی ہے انہوں نے ماجرا عرض کیا آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی خوشبو لیتی ہو پھر
سر پر سے دوپٹہ اتار لیا اور ایک ٹھلیا میں پانی لے کر دوپٹہ پر ڈالتے جاتے تھے اور زمین پر ملتے تھے پھر سونگھتے
تھے پھر زمین میں مل کر دھوتے تھے یہاں تک کہ اس میں خوشبو نہ رہی پھر جو میں ایک بار ان کی بی بی کے پاس آئی تو
خوشبو تولنے کے بعد جو انگلی میں لگی، انہوں نے انگلی منہ میں ڈال کر مٹی میں رگڑ دی پس یہ فعل حضرت عمرؓ کا ورع
تقویٰ تھا کہ کہیں زیادہ کی نوبت نہ پہنچے ورنہ دوپٹہ کے دھونے سے کچھ مسلمانوں کو نہ پہنچے گا مگر اسی لیے دھو
ڈالا کہ آگے کو ان کی جرأت نہ ہو اور خود کو زیادہ تمتع نہ حاصل ہو اور اسی طرح کی یہ حکایت ہے کہ حضرت امام
احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کے باب میں کیا فرماتے ہیں کہ وہ مسجد میں موجود ہے اور
کسی بادشاہ کی انگیٹھی میں عود سلگا کر مسجد کو بسایا جاتا ہے فرمایا کہ اس شخص کو مسجد میں سے نکل آنا چاہیے اس
لیے کہ عود سے نفع خوشبو ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ صورت کبھی حرام کے قریب ہو جاتی ہے اس لیے کہ
جتنی خوشبو میں اس کے کپڑے بس جائیں گے۔ کبھی ایسی ہو گی کہ مالک کی طرف سے مباح ہو اور کبھی زیادہ ہو
گی معلوم نہ ہو گا کہ مالک اس کو گوارا کرے یا نہ کرے اور یہ بھی امام احمد صاحب سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کے
پاس سے ایک پرچہ گر پڑا جس میں حدیثیں مکتوب ہیں تو پانے والے کو جائز ہے کہ اُن کو نقل کر کے مالک کو
واپس کرے آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اول اجازت پھر نقل کرے اور اس میں بھی شک رہتا ہے کہ مالک نقل پر
راضی ہو گا کہ نہیں حاصل یہ کہ جو چیز محل شک میں ہو اور اس کی اصل حرمت ہو تو وہ حرام ہی رہے گی اور اس کا چھوڑنا

عہ اصل میں ہے کہ بڑھا گھٹا کر وزن ٹھیک کرنے میں دانت سے کاٹتی جاتی تھیں جس سے انگلی میں خوشبو لگ گئی ۱۲ سید صدیق احمد عفی عنہ

پہلے درجہ کے ورع میں ہے اور اسی درجہ کے ورع میں زینت سے اجتناب کرنا ہے اس لیے کہ اس میں بھی خوف اس امر کا ہے کہ اس سے زیادہ کسی اور امر میں بتلا کر دے ورنہ زینت بذات خود مباح ہے اور حضرت امام احمدؒ سے کسی نے نوک دار جوتیوں کا حال پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں ان کو نہیں پہنتا لیکن اگر کیچ گارے کے لیے پہنی جاویں تو مضائقہ نہیں زینت کے لیے نہیں چاہئیں اور اسی قسم کی یہ حکایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو ایک بی بی سے آپ کو محبت تھی۔ آپ نے اس کو طلاق دے دی اس خوف سے کہیں کسی کی سفارش ناحق نہ کر دے اور میں اس کی خوشی کے لیے اس کا کہنا مان لوں اور یہ بے خطرہ کی چیز کو اس خوف سے ترک کرنا ہے کہ کہیں خطرناک امر کی نوبت نہ پہنچے اور اکثر مباح چیزیں ممنوع چیزوں کی طرف داعی ہوا کرتی ہیں یہاں تک کہ بہت کھانا اور مجرد آدمی کو خوشبو لگانا شہوت کا محرک ہے پھر شہوت فکر کا سبب پڑتی ہے اور فکر باعث نظر ہوتی ہے اور نظر سے اور خرافات ہوتی ہے اسی طرح توانگروں کے گھروں اور ان کے تجمل کو دیکھنا فی نفسہ مباح ہے اس سے حرص اٹھتی ہے اور ویسی ہی باتوں کی طلب پیدا ہوتی ہے اور حرام چیزوں کی تحصیل کا مرتکب ہونا پڑتا ہے اور سب مباحات کا یہی حال ہے اگر دو باتوں کا لحاظ نہ رہے تو اس کا انجام خطر سے کم خالی ہوگا۔ اول یہ کہ حاجت کے وقت بقدر ضرورت لے جاویں اور ان کی آفات کو جان لیا جاوے۔ دوم آفات سے ہمیشہ حذرناک رہیں۔ اور اسی طرح جو شخص کہ زیادتی حرص سے کوئی چیز لے گا۔ وہ بھی خطر سے کم خالی ہوگا۔ حضرت امام احمدؒ نے زینت کے لیے دیواروں کی استرکاری کو مکروہ فرمایا ہے اور فرماتے ہیں کہ زمین پر کیچ کرنے سے تو یہ فائدہ ہے کہ مٹی نہ اڑے دیواروں کی استرکاری سے بجز زینت کے اور کیا فائدہ ہے۔ یہاں تک کہ مسجد کی دیواروں کی استرکاری کو بھی برا فرماتے ہیں اور دلیل اس روایت کو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ح ا سے کسی نے پوچھا کہ مسجد کو دھونی کا روغن لگایا جاتے آپ نے فرمایا کہ عریش موسٰے کی عریش کے برابر نہیں یعنی صرف سایہ دار ہونا کافی ہے غرضکہ اس حدیث میں آپ نے روغن ملنے کی اجازت نہ دی اور اکابر سلف نے باریک کپڑے کو بھی مکروہ فرمایا ہے ان کا قول ہے جس شخص کا کپڑا پتلا ہوتا ہے اس کا دین بھی پتلا ہوتا ہے اور یہ سب باتیں اسی لیے ہیں کہ مباحات سے بڑھ کر اور شہوات میں نہ جا پڑیں کیونکہ مباح اور ممنوع دونوں کو نفس ایک ہی خواہش سے چاہتا ہے۔ اور جب خواہش میں چشم پوشی کا عادی ہو جاتا ہے تو پاؤں پھیلاتا ہے اسی لیے خوف مقتضی اس امر کا ہو کہ اس قسم کی سب مباح چیزوں سے اجتناب کیا جاوے اور جس مال حلال میں یہ خوف نہ ہو کہ کسی کی طرف لے جاوے گا تو وہ تیسرے درجہ کا پاک اور حلال ہے چوتھا درجہ صدیقین کے ورع کا باقی رہا ان کے نزدیک حلال مطلق وہ مال ہے جس کے حاصل ہونے میں کوئی معصیت نہ ہوتی ہو اور نہ اس سے معصیت پر مدد لے جاوے اور نہ حال اور مال میں اس سے قضائے حاجت مقصود ہو بلکہ صرف خدا کے لیے اور اس کی عبادت پر قوت حاصل کرنے کے لیے اور زندگی قائم رہنے کو لیا جائے ان لوگوں کے نزدیک جو چیز خدا کے واسطے نہ ہو وہ حرام ہے ان کا عمل اس آیت پر ہے ت ۲ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ اور یہ رتبہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالے کو ایک کہتے ہیں

ا ح دار قطنی اور افراد بروایت ابو درداء ت ۲ کہہ تو اللہ پھر چھوڑ دے ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں

اور اپنے نفس کے خطوں سے جدا ہو کر قصداً خاص خدا تعالیٰ کے لیے ہو رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص اس بات سے اجتناب کرے گا جو اس کے پاس کسی معصیت کو لاوے یا اس پر کسی معصیت کی استعانت کی جاوے تو وہ ایسے امور سے بھی احتراز کرے گا جن کے کرنے کے سبب سے کوئی معصیت یا کراہت مقترن ہو چنانچہ حضرت یحییٰ بن یحییٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے دوا پی ان کی بی بی نے کہا کہ اگر تم صحن میں کچھ ٹہل لو تو بہتر ہے کہ دوا اپنا اثر کرے آپ نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کا حساب تیس برس سے کر رہا ہوں یہ رفتار مجھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ کچھ دین سے متعلق ہو غرضکہ انہوں نے اس خیال سے کہ یہ رفتار متعلق بدین نہیں اس پر جرأت کرنا جائز نہ سمجھا اور سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار کسی پہاڑ میں میں نے گھانس دیکھی اور پانی پہاڑ میں رواں تھا میں نے وہ سبزہ کھایا اور پانی پیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں نے کسی روز حلال طیب کھایا ہوگا تو وہ یہی روز ہے پس مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ جس قوت سے تو یہاں تک پہنچا وہ کیسی تھی اور کہاں سے پیدا ہوتی تھی میں نے اس قول سے رجوع کیا اور نادم ہوا اور حضرت ذوالنون مصریؒ ایک بار بھوکے اور محبوس تھے ایک عورت نیک بخت نے ان کے لیے کھانا داروغہ مجلس کے ہاتھ بھجوایا آپ نے نہ کھایا پھر اس عورت نے عذر کیا کہ میرے پاس ظالم کے ہاتھ پر پہنچا تھا یعنی جس عورت نے مجھ کو کھانا پہنچایا وہ اچھی نہ تھی اس لیے میں نے نہ کھایا اور یہ نہایت درجہ کا تقویٰ ہے اور اسی قسم کی یہ حکایت ہے کہ بشر حافیؒ ان نہروں کا پانی نہیں پیا کرتے تھے جو امرا نے کھدوائی ہیں کیونکہ نہر پانی کے رواں ہونے اور ان تک پہنچنے کا سبب تھی اگرچہ پانی بذات خود مباح تھا مگر گویا کہ کھدی ہوئی نہروں سے فائدہ لینا پڑتا اور ان کے کھودنے کی اجرت مال حرام سے دی گئی تھی اور اسی وجہ سے بعض اکابر نے انگور[عہ] کھانے سے اجتناب کیا اور باغ والے سے کہا کہ تم نے ان کو خراب کر دیا کیونکہ ظالموں کی کھودی نہر کا پانی ان کو دیا اور یہ ورع پانی پینے سے بھی بڑھ کر ہوا کیونکہ اس پانی سے جو چیز بھی پیدا ہوئی اس سے بھی احتراز کیا اور بعض اکابر حج کے راستہ میں جو کنویں اور چشمے کہ ظالموں نے بناتے ہیں ان کا پانی نہ پیتے تھے۔ باوجودیکہ پانی مباح ہے مگر چونکہ ایسے چشمے میں محفوظ رہا۔ جو مال حرام سے بنایا گیا تھا اس لیے نہ پیتے تھے کہ گویا اس سے فائدہ لینا ہوگا اور ان سب سے بڑھ کر حضرت ذوالنون مصریؒ کا ورع ہے کہ داروغہ مجلس کے ہاتھ سے جو کھانا آیا نہ کھایا اس کو اس لیے کہ داروغہ کے ہاتھ کو نہیں کہہ سکتے کہ حرام ہے ہاں اگر غصب کی رکابی میں آتا تو کہہ سکتے تھے کہ مال حرام میں رکھا گیا مگر ان تک اس قوت سے پہنچا تھا جو غذا حرام سے پیدا ہوئی تھی اور اسی لیے حضرت صدیقؓ نے دودھ کو قے کر دیا اس خوف سے کہ کہیں قوت نہ پیدا کرے باوجودیکہ آپؓ نے نادانستگی میں پیا تھا اور اس کا نکالنا واجب نہ تھا لیکن پیٹ کا خالی ہونا خبیث مال سے صدیقوں کا ورع ہے اور اسی قبیل سے ہے احتیاط کرنی درزی کی کمائی سے جو مسجد میں بیٹھ کر سیتا ہو اگرچہ اس اس کا پیشہ حلال ہے مگر اس کا مسجد میں بیٹھ کر سینا مکروہ ہے۔ امام احمدؒ اس کو مکروہ فرماتے ہیں اور آپ سے کسی نے پوچھا کہ مینہ کے خوف سے اگر سوت کاتنے والا کسی مقبرہ میں بیٹھ جاوے تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا کہ مقبرے

عہ یعنی حلال باغ کے حلال انگور کھانے سے چنانچہ اصل احیاء میں تصریح ہے ۱۲ امیر علی ۱۲

صرف اسی لیے ہیں کہ کوئی آخرت کا کام کیا جاوے اس لیے ایسے شخص کو بیٹھنا مکروہ ہے اور بعض اکابر کا غلام چراغ ایسے لوگوں کے پاس جلا لایا جن کا مال مکروہ تھا آپ نے چراغ کو گل کر دیا۔ اور بعض بزرگ نے تنور میں مکروہ لکڑی کی چنگاری رہی ہوتی سے آگ نہیں جلائی۔ اور بعضوں نے بادشاہ کی مشعل کی روشنی میں اپنی جوتی کے تسمہ کو مضبوط باندھنے سے احتراز کیا غرضکہ یہ باریکیاں ورع کی راہ آخرت کے چلنے والوں کے نزدیک ہیں اور تحقیق اس میں یہ ہے کہ ورع میں ایک تو ابتدا ہے یعنی جس چیز کو فتوٰی حرام کہے اس سے اجتناب کرنے کو تو عابدوں کا ورع کہتے ہیں اور ایک اس کی انتہا ہے جو صدیقوں کا ورع ہے یعنی جتنی چیزیں کہ خدا تعالیٰ کے واسطے نہ ہوں اور شہوت کے طور پر لی گئی ہوں یا مکروہ طور سے پہنچی ہوں یا ان کے سبب سے کوئی کراہت ہوتی ہو ان سب سے اجتناب کرنا اور ان دونوں درجوں کے درمیان میں احتیاط کے بہت سے درجے ہیں تو جس قدر آدمی اپنے نفس پر احتیاط میں مبالغہ کرے گا۔ اسی قدر قیامت کے دن ہلکا ہوگا اور پل صراط سے جلد گزرے گا اور برائی کے پلے کے جھکنے سے دور رہے گا اور آخرت کے درجے اسی طرح مختلف ہوتے ہیں جس طرح ورع کے درجے دنیا میں ہوں گے جیسے ظالموں کے حق میں دوزخ کے طبقات جدا گانہ ہوں گے جتنا حرام اور خبیث مال میں ان کا تفاوت ہوگا جب اس تحقیق کو جان چکے تو اب تم کو اختیار ہے چاہے احتیاط بہت کرو یا تھوڑی اگر احتیاط کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور نہ کرو گے تو اپنے لیے نہ کرو گے

ع بر رسولاں بلاغ باشد و بس

دوسری فصل مشتبہات کے مراتب اور ان کے پیدا ہونے کے مقامات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ؎ الحلال بین والحرام بین وبینھما امور مشتبھات لا یعلمھا کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات فقد استبرا لعرضہ ودینہ ومن وقع فی الشبھات وقع الحرام کالراعی حول الحمی یوشک ان یقع فیہ اس حدیث میں تینوں قسموں کی نص صریح ہے اور مشکل ان میں سے درمیانی قسم ہے جس کو بہت لوگ نہیں جانتے یعنی شبہ اس لیے اس کا بیان کرنا اور اس کی حقیقت کا واضح کرنا ضروری ہے کیونکہ جس چیز کو اکثر لوگ نہیں جانتے اس کو کمتر لوگ جانتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ حلال مطلق تو وہ چیز ہے جس کی عین ذات سے تحریم کی صفات علیحدہ ہوں اور اس کے اسباب میں ان چیزوں کا گذر نہ ہو جن میں حرمت یا کراہت کو دخل ہو اس کی مثال یہ ہے کہ پانی جس وقت برسے اسی وقت آدمی اس کو اپنی زمین خواہ مباح زمین میں کھڑا ہو کر جمع کر لے اور حرام محض وہ ہے جس میں کوئی صفت حرام کرنے والی ہو اس کے پاتے جانے میں کچھ شک نہ ہو جیسے

؎ حلال کھلا ہے اور حرام کھلا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں امور مشتبہ ہیں جن کو بہت سے آدمی نہیں جانتے تو جو کوئی شبہات سے بچا اس نے اپنی آبرو اور دین کو صاف کر لیا اور جو کوئی شبہات میں پڑا وہ حرام میں مبتلا ہوا جیسے رمنے کے گرد کا چرانے والا کہ غالباً اسی میں جا پڑتا ہے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت نعمان بن بشیر ۱۲۔

تیزی سرور لانے والی شراب میں یا نجاست پیشاب میں یا یہ کہ وہ چیز کسی سبب قطعی ممنوع سے حاصل ہوئی ہو جیسے ظلم اور سود وغیرہ سے چیز حاصل ہو یہ دونوں طرفیں ظاہر ہیں کچھ شبہ کو ان میں دخل نہیں اور انہیں دونوں طرفوں میں وہ بھی داخل ہیں جن کا حال تو معلوم ہے کہ مثلاً حلال ہیں مگر یہ بھی احتمال ہے کہ غیر کی ہوں لیکن اس احتمال کے لیے کوئی سبب نہیں بجز فرض و وہم کے جیسے شکار خشکی اور تری کا کہ حلال ہے مگر جو کوئی مثلاً ہرن پکڑے تو احتمال یہ بھی ہے کہ اس کو کسی نے پہلے پکڑا ہو اور اس سے چھوٹ گیا ہو اسی طرح مچھلی اگر مارے تو احتمال ہے کہ کسی اور شخص نے پکڑی ہو اور اس سے پھسل کر پھر پانی میں جا رہی ہو ہر چند اس طرح کا احتمال بعینہ کے پانی میں نہیں ہو سکتا مگر چونکہ اس احتمال کا کوئی سبب نہیں اس لیے یہ شکار بھی حلال مطلق میں داخل ہے اور اس احتمال کو وسواس سمجھنا چاہیے اور ہم اس سے احتراز کرنے کو وہموں کا ورع کہیں گے کیونکہ اس احتمال کی کوئی دلیل بجز وہم کے نہیں ہاں جس صورت میں کہ احتمال کی کوئی دلیل قطعی ہو مثلاً مچھلی کے کان میں بالی پڑی دیکھے یا کوئی دلیل خشکی ہو ہرن کے زخم ایسا پایا کہ داغ کا بھی ہو سکتا ہے اور دوسری طرح بھی ویسا ہو سکتا ہے تو اس صورت میں البتہ ورع کرنا بجا ہے اور جب کہ کسی طرح کی دلالت نہ ہو نہ یقینی نہ شکی تو دلالت کا نہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا احتمال کا نہ ہونا اسی لیے اس کو وہم اور وسواس کہا جائے گا اور اسی طرح یہ صورت ہے کہ کسی شخص نے دوسرے سے گھر مانگ لیا اور مالک کہیں کو چلا گیا تو وہ مکان سے نکل جائے اور کہنے لگے کہ احتمال ہے کہ مالک مر گیا ہو اور اس کے وارثوں کا حق اس مکان سے متعلق ہو گیا ہو اس نظر سے میں نہیں رہتا ہوں تو یہ بھی وسواس ہے کیونکہ مالک کی موت پر کوئی سبب قطعی یا شکی نہیں پایا گیا اور شبہہ ممنوع وہی ہے جو شک سے پیدا ہوا اور شک اس کو کہتے ہیں کہ دو اعتقاد ایک دوسرے کے خلاف دو سببوں جداگانہ سے پیدا ہوں تو جس بات کا سبب ہی نہ ہوگا اس کا اعتقاد دل میں کیسے جمے گا کہ دوسرے اعتقاد کے مخالف ہو سکے اور شک بن جائے اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی کو شک ہوا کہ میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو وہ تین کو اختیار کرے کیونکہ چوتھی کی اصل معدوم ہے اور اگر کسی شخص سے سوال کیا جائے کہ تم نے ظہر کی نماز دس برس پیشتر فلاں روز تین پڑھی تھی یا چار تو اس کو یقیناً یاد نہ ہوگا کہ چار ہی پڑھی تھی اور جب یقین نہ ہوا تو وہم اس کا بھی کرے گا کہ شاید تین ہی ہوں مگر یہ وہم شک نہیں اس لیے اس کا کوئی سبب نہیں جس سے تین رکعتوں کا اعتقاد ہو غرضکہ شک اور وہم کی حقیقت کو خوب سمجھ لینا چاہیے وہ اشیاء جن میں صرف وہم اور تجویز پائی جائے اور کوئی وجہ حرمت کی نہ ہو وہ حلال مطلق میں داخل ہیں اسی طرح اگر حرمت قطعی ہو اور حلت کی وجہ وہم کے طور پر ہو اور اس کا کوئی سبب نہ ہو تو وہ حرام محض ہے مثلاً ایک شخص کے ہاتھ میں اس کی مورث کی چیز ہے اور اس کا دوسرا کوئی وارث نہیں اور وہ چلا جاوے اور شخص مذکور کہنے لگے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مر گیا ہو اور وہ چیز میری ملک میں آگئی ہو اور اسی وہم سے اس چیز میں تصرف کر ڈالے تو مرتکب حرام محض کا ہوگا کیونکہ اس کے وہم کا کوئی سبب نہیں پس ایسی طرح کی اشیاء کو شبہات میں نہ جاننا چاہیے بلکہ شبہ کی چیزیں وہی ہیں جن کا حال ہم پر مشتبہ ہو جاوے یعنی دو اعتقاد دو سببوں

سے پیدا ہوں اور کسی کو ترجیح نہ ہو تو اس صورت کو شبہ کہیں گے اب معلوم کرنا چاہیے کہ شبہ کے پیدا ہونے کے چار مقام ہیں۔

پہلا مقام حلت و حرمت میں شک اور یہ دو حال سے خالی نہیں یا دو احتمال برابر ہوں گے یا ایک غالب ہوگا۔ اگر دونوں برابر ہوں گے تو جو امر پہلے سے معلوم ہوگا وہی رہے گا شک سے کوئی دوسرا حکم نہ کیا جاوے گا اور یہ یعنی حکم سابق کو دیکھ کر حال پر ویسا ہی حکم رکھنا استصحاب کہلاتا ہے اور اگر کوئی احتمال غالب ہوگا اور اس کا غلبہ بھی دلالت معتبر سے ہوا ہوگا تو غالب پر حکم کیا جاوے گا اور یہ بات بدوں مثالوں اور دلائل کے واضح نہ ہوگی اس لیے ہم اس کو چار قسموں میں منقسم کرتے ہیں پہلی قسم یہ کہ حلال ہونا پیشتر سے معلوم نہ ہو پھر جس وجہ سے کہ چیز حلال ہوتی اس میں شک پڑ گیا تو ایسے شبہ سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس پر جرأت کرنی حرام ہے مثلاً ایک شخص نے شکار کے تیر مارا اور وہ زخمی ہو کر پانی میں گرا اور اس کو مردہ ملا اور یہ نہیں معلوم کہ ڈوب کر مرا یا زخم سے مرا تو یہ حرام ہوگا اس لیے کہ اصل میں حرام تھا بجز ایک خاص طرح مرنے کے اور اس طریق معین میں شک پڑ گیا تو یقینی بات شک سے نہ چھوڑی جاوے گی جیسے طہارتوں اور نجاستوں، اور نماز کی رکعات وغیرہ میں یہی صورت کرتے ہیں اور ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدی بن حاتم رضؓ کو اسی صورت پر محمول کیا جاوے گا۔ یعنی ح[1] اس شکار کو مت کھا شاید اس کو تیرے کتے کے سوا اور کسی نے قتل کیا ہو اور اسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب ح[2] کوئی چیز آتی اور اس کا حال آپؐ پر مشتبہ ہوتا کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ تو اس کو دریافت فرماتے یہاں تک کہ معلوم ہو جاتا کہ دونوں میں کون سا ہے اور مروی ح[3] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات جاگے آپؐ کے ازواج مطہرات میں سے کسی نے پوچھا کہ آپؐ جاگے آپؐ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ایک خرما پایا اور کھایا پس یہ خوف ہوا کہ کہیں صدقہ کا نہ ہو اور روایت میں یہ ہے کہ میں نے اس کو کھا لیا اور خوف کیا اور اسی قسم کی یہ حکایت ہے جو کسی صحابی ح[4] سے مروی ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے ہم کو بھوک لگی اور ایک منزل میں اترے جس میں گوہیں بہت تھیں ہم نے ان کو ذبح کر کے ہنڈیوں میں چڑھا دیا وہ پک رہی تھیں کہ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک امت بنی اسرائیل میں سے مسخ ہو گئی تھی مجھے ڈر ہے کہ یہ اسی میں کی نہ ہوں ہم نے ہانڈیوں کو اوندھا کر دیا پھر بعد کو خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا کہ ہم نے کسی مخلوق کو ایسی طرح مسخ نہیں کیا کہ اس کی نسل رہی ہو اور اول آپ کا رکنا اس وجہ سے تھا کہ اصل میں حلال نہ تھی مگر ذبح کی وجہ سے اور محل ذبح ہونے میں شک تھا دوسری قسم یہ ہے کہ چیز پیشتر حلال ہو اور وجہ حرمت میں شک ہو جاوے تو اس میں اصل حلت ہی کا حکم رہے گا اس کی مثال یہ ہے کہ دو شخصوں نے دو عورتوں سے نکاح کیا اور ایک پرند اڑتا ہوا دیکھ کر ایک نے کہا کہ اگر یہ کوّا ہو تو اس کی بی بی پر طلاق ہے دوسرے نے

---

[1] ح بخاری ومسلم بروایت عدی بن حاتم ۱۲۔ [2] ح بخاری بروایت ابی ہریرہ رضؓ۔ [3] ح احمد بروایت عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔ [4] ح ابوداود ونسائی وابن ماجہ بروایت صائب ابن یزید نحوہ مع اختلاف بن حبان وبیہقی بروایت عبدالرحمٰن بن حسنہ ۱۲۔

کہا کہ اگر کوّا نہ ہو تو اس کی زوجہ کو طلاق ہے اور اس پرند کا حال نہ کھلا کہ کوّا تھا یا نہیں تو کسی عورت کی حرمت کا حکم نہ لگے گا اور نہ ان مردوں کو ان سے اجتناب کرنا واجب ہو گا بلکہ ورع کی رو سے احتراز کرنا اور دونوں کو طلاق دے دینا مناسب ہو گا تاکہ اور شوہروں کو حلال ہو جاویں اور مکحول نے اس مسئلہ میں اجتناب کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں نے تنازع کیا اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ تو حاسد ہے اس نے جواب دیا کہ ہم میں سے جو زیادہ حاسد ہو اس کی جورو پر تین طلاق اور یہ معلوم ہونا مشکل پڑا کہ زیادہ حاسد کون ہے شعبی نے فرمایا کہ دونوں کو اپنی بی بی سے اجتناب چاہیے تو اگر شعبی اور مکحول کی غرض اجتناب سے وہی ہے کہ ورع کی رو سے احتراز چاہیے تب تو درست ہے اور اگر یہ غرض ہے کہ حرمت ثابت ہو گئی تو حرمت کی کوئی وجہ ثابت نہیں کیونکہ طہارت اور نجاست اور پانیوں اور نمازوں میں ثابت ہے کہ شک سے یقین کا ترک کرنا واجب نہیں تو یہ معاملہ بھی ویسا ہی ہے یہاں بھی یہی حکم ہو گا اب اگر یہ کہو کہ اس مسئلہ میں اور طہارت کے مسئلہ میں مناسبت کیا ہے جو اس کا اور اس کا ایک حکم کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ مناسبت کی ضرورت نہیں بعض صورتوں میں یہ حکم بدون مناسبت بھی لازم آجاتا ہے مثلاً جس صورت میں کہ آدمی کو پانی کے پاک ہونے کا یقین ہو پھر اس کو اس کی نجاست میں شک پڑ جاوے تو اس صورت میں اس پانی سے اس کو وضو کرنا جائز ہے علی ہذا القیاس پینا کیسے ناجائز ہو جائے گا وہ بھی درست ہو گا اور جب پینا درست ہوا تو ثابت ہوا کہ یقین شک سے دور نہیں ہوتا ہاں یہاں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ پانی کی نظیر جب درست ہوتی کہ آدمی اس بات میں شک کرتا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں تو اس وقت یوں جواب ہو سکتا ہے کہ اصل یہی ہے کہ طلاق نہیں دی مگر مسئلہ پرند کی نظیر اس پر منطبق نہیں ہوتی کہ یقین شک سے نہیں جاتا بلکہ اس کی نظیر یہ ہو سکتی ہے کہ دو برتنوں میں سے ایک یقینی نجس ہو اور یاد نہ رہے کہ کون سا ہے تو اب ان میں سے کسی کا استعمال درست نہیں جب تک اجتہاد اور اٹکل نہ کر لے اس لیے کہ اس میں طہارت ایک کی یقینی ہے اور نجاست دوسرے کی بھی یقینی تو دونوں یقینوں کے مقابل ہونے سے استعمال درست نہ ہو گا مگر یہ کہ ایک یقین کو اٹکل سے ترجیح دی جاوے یہی معاملہ مسئلہ پرند میں ہے کہ ایک بی بی پر طلاق یقینی پڑ گئی اور یہ نہیں معلوم کہ کون سی پر پڑی تو چاہیے تھا کہ اجتہاد سے ایک ہی حلال رہتی دوسری حرام ہو جاتی پس اس نکتہ کے باب میں ہم کہتے ہیں کہ دو برتنوں میں شافعیوں کے تین قول ہیں بعض تو فرماتے ہیں کہ بدون اجتہاد ایک سے وضو درست ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جب یقین نجاست طہارت کے یقین کے مقابل ہو تو دونوں سے اجتناب چاہیے اور اجتہاد کرنا اس میں مفید نہ پڑے گا اور کچھ بیچ کی راہ چلے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اجتہاد کر کے ایک کا استعمال جائز ہے اور یہی قول صحیح ہے مگر اس کی نظیر مسئلہ پرند اس صورت میں ہے کہ اس شخص کی دو بیبیاں ہوں اور پرند کو دیکھ کر کہے کہ اگر یہ کوّا ہو تو ہندہ کو طلاق ہے ورنہ خالدہ کو تو اس صورت میں البتہ اُس کو دونوں سے علیحدگی کرنا پڑے گی اور استصحاب کی وجہ سے دونوں سے صحبت کرنی ناجائز ہو گی اور اجتہاد نہ ہو گا کیوں کہ کوئی علامت نہیں ہے اور ہم اس پر دونوں کو

حرام کہتے ہیں اس لیے کہ اگر دونوں سے صحبت کرے گا تو قطعی حرام کا مرتکب ہوگا اور اگر ایک سے کرے گا اور کہے گا کہ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں تو ترجیح بلا مرجح زبردستی لازم آوے گی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر ند میں اگر ایک شخص ہو تو اس کا حکم جدا ہے اور دو ہوں تو حکم اور ہے کیونکہ ایک شخص میں تو حرمت یقینی ہے اور دو میں ہر ایک شخص ٭ اپنے اپنے برتن سے وضو کرے اس لیے کہ طہارت ہر ایک کی یقینی ہے اور نجاست میں شک ہو گیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں احتمال فقہی تو اسی طرح ہے مگر ظن غالب کی رو سے اس صورت میں یہ حکم ہے کہ کوئی شخص وضو ان دونوں برتنوں سے نہ کرے پانی کی صورت میں دو شخصوں اور ایک کا حکم یکساں ہے اس لیے وضو کا درست ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ پانی اس شخص کی ملک بھی ہو بلکہ اگر کوئی شخص غیر کے پانی سے وضو کرے گا۔ تب رفع حدث کے لیے ایسا ہی ہوگا کہ گویا پانی سے وضو کیا پس پانی کے باب میں ملک جداگانہ ہونا کچھ موثر نہ ہوا بخلاف دوسرے کی زوجہ سے صحبت کرنے کے کہ جائز ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نجاسات کے باب میں علامتوں کو دخل ہے اور اجتہاد اس میں ہو سکتا ہے اور طلاق میں یہ بات نہیں ہو سکتی اس لیے پانی میں استصحاب کی تقویت کسی علامت سے ضرور ہے تاکہ اس کی نجاست کے یقین کو جو طہارت کے یقین کے مقابل ہے دفع کر دیا جاوے اور یہ اقسام استصحابات اور ترجیحات کے فقہ کے دقائق میں سے ہیں ہم نے ان کو فقہ کی کتابوں میں مکمل لکھا ہے اس مقام پر اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں کہ اس کے فوائد پر تنبیہ کر دیں۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اصل میں حرمت ہو اس پر کوئی ایسی شے طاری ہوئی ہو جو ظن غالب کی رو سے موجب حلت ہو تو ایسی چیز مشکوک ہوتی ہے اور غالب یہی ہے کہ حلال ہو اس کا حکم یہ ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ غلبہ ظن کا سبب اگر شرعی وجہ اور معتبر ہے تو ایسی صورت میں مختار یہ ہے کہ وہ چیز حلال ہے اور اس سے اجتناب کرنا ورع میں داخل ہے مثلاً ایک شکار پر تیر مارا اور وہ نظر سے غائب ہو گیا بعد اس کے مردہ ملا اور بجز تیر کے اور کوئی نشان زخم وغیرہ کا نہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ گر کر مر گیا ہو یا کسی اور سبب سے مرا ہو اگر کسی دوسرے صدمہ یا زخم کا نشان بھی ہوگا تب تو اول قسم میں لاحق ہو جاوے گا مگر جب اور نشان نہ ہو امام شافعیؒ کا قول اس میں مختلف ہے اور مختار یہی ہے کہ حلال ہے اس لیے کہ تیر کا سبب ظاہر اور یقینی ہے اور اصل یہی ہے کہ اس پر اور کوئی امر مہلک طاری نہیں فقط شک ہے کہ طاری ہو گیا ہو تو یقین شک کے باعث سے دور نہ کیا جاوے گا اب اگر یہ کہا جاوے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے[ح] کہ کل ما اصمیت و دع ما انمیت اور حضرت عائشہ نے روایت[ح۲] کی ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک خرگوش لایا اور عرض کیا کہ یہ میرا شکار ہے میں نے اس میں اپنا تیر پہنچایا آپ نے فرمایا کہ یہ تیر لگتے ہی تیرے سامنے گر گیا تھا یا نظر سے غائب

٭ کو حرمت میں شک ہے اب اگر یہ کہو کہ جس صورت میں برتن دو شخصوں کے ہوں تو چاہیے کہ وہاں بھی اجتہاد مفید نہ پڑے اور ہر شخص ٭

ح اس کا ترجمہ اور سند اوپر گذری ۱۲ ح۲ یہ روایت حضرت عائشہ رضؓ سے نہیں بلکہ اس کو ابن ابی عائشہ نے ابو زرین سے روایت کیا ہے چنانچہ ابو داؤد نے مرسلاً نقل کیا ہے۔

ہو گیا تھا اس نے عرض کیا کہ نظر سے غائب ہو گیا تھا آپؐ نے فرمایا کہ رات اللہ تعالے کی مخلوق ہے اس کا اندازہ سوائے اس کے خالق کے اور کوئی نہیں کرتا شاید اس کے قتل پر کسی اور چیز نے مدد کی ہو اور اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدیؓ بن حاتمؓ[۳] کو ان کے کتے تعلیم یافتہ کے باب میں فرمایا کہ اگر وہ کھاوے تو مت کھاؤ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں اس نے اپنے ہی لیے شکار نہ پکڑا ہو حالانکہ غالب یہی ہے کہ کتا تربیت یافتہ اپنی عادت نہیں بھولتا اور مالک ہی کے لیے شکار پکڑتا ہے مگر باوجود اس کے ان کو ممانعت فرمائی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حلت جب ثابت ہوتی ہے کہ اس کا سبب کامل تحقیق ہو جاوے اور سبب کا پورا ہونا اس طرح ہے کہ بدوں دوسرے سبب کے طاری ہونے کے وہی موت کا باعث ہوا اور جب اس میں شک ہو گا تو سبب کے کامل ہونے میں شک پڑے گا تو یہاں تک کہ یہ امر مشتبہ ہو جاتے گا کہ اس کی موت حلت پر ہوئی یا حرمت پر غرضکہ یہ شکار اس طرح کا نہ ہو گا جس کا مرنا یقینی حلت پر اسی دم ہوا ہو پھر شک سبب کے طاری میں واقع ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کا منع فرمایا یا آنحضرتؐ کا منع فرمانا ورع پر اور نہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ بعض روایات میں یہ بھی تو وارد[۴] ہے کہ ایسے شکار میں سے کھاتے جو تجھ سے غائب ہو جاوے بشرطیکہ اپنے تیر کے سوا کوئی اور نشان مرنے کا نہ پاوے اور یہ روایت اسی علت کی تنبیہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے یعنی اگر دوسرا نشان پاوے گا تو سبب میں تعارض ہو جاوے گا اور اسی لیے گمان غالب میں تعارض ہو گا۔ اور اگر اپنے زخم کرنے کے سوا کوئی نشان نہ پاوے گا تو غلبہ ظن حاصل ہو جاتے گا اور اسی کے لحاظ سے حلت کا اور استصحاب کا حکم کیا جاوے گا جیسے خبر واحد اور قیاس ظنی وغیرہ کے بموجب عمل کرنے کا حکم ہوتا ہے باقی معترض نے جو کہا تھا کہ یقین متحقق نہیں ہوا کہ اس کی موت اسی دم حلت پر ہوئی تو سبب میں شک واقع ہو گیا پس یہ اس طرح نہیں ہے جیسا معترض نے خیال کیا بلکہ سبب تو یقینی ہو گیا کیونکہ زخم ہی موت کا باعث ہوا ہے ہاں دوسرے سبب کے طاری ہونے میں شک ہے اور ہمارے اس قول کی صحت پر اجماع دلالت کرتا ہے یعنی اگر کوئی شخص زخمی ہو کر غائب ہو جاتے اور پھر مردہ ملے تو اس بات پر اجماع ہے کہ اس کے زخمی کرنیوالے پر قصاص واجب ہے بلکہ اگر وہ غائب نہ ہو تب بھی معترض کے قول کے بموجب قصاص نہ ہونا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی موت اس کی باطن کی کسی خلط کے ہیجان سے ہوئی ہو جیسے آدمی اچانک مرجاتا ہے تو چاہیے کہ قصاص ایسی صورتوں میں نہ ہوا کرے بلکہ جب ایک شخص دوسرے کی گردن کاٹ ڈالے یا ایسا زخم کاری لگادے کہ فوراً ٹھنڈا کر دے۔ اسی صورت میں قصاص لازم آوے کیونکہ باطن کے اسباب جو مہلک ہیں ان سے بچاؤ کی صورت نہیں اور ان کے باعث سے تندرست آدمی دفعتاً مرجاتا ہے حالانکہ اس کا قائل کوئی نہیں باوجودیکہ قصاص شبہ کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے مگر یہاں کوئی قصاص کو ساقط نہیں کہتا اسی طرح ذبح کیے ہوئے جانور کے پیٹ میں سے جو بچہ نکلتا ہے وہ حلال ہوتا ہے حالانکہ ممکن ہے کہ وہ اپنی ماں کے ذبح ہونے کے پیشتر ہی مرگیا ہو اس کے ذبح ہونے سے نہ مرا ہو یا اس میں روح شروع ہی سے نہ پڑی ہو اسی طرح اگر حاملہ عورت کو کوئی شخص صدمہ پہنچادے اور اس کا بچہ مرا ہوا نکل پڑے تو اس شخص پر غلام آزاد کرنا واجب ہوتا ہے اگرچہ ممکن ہے

ح[۳] بخاری ومسلم بروایت عدی بن حاتم ۱۲۔ ح[۴] بخاری ومسلم بروایت عدی بن حاتم ۱۲

کہ بچہ میں پہلے ہی روح نہ پڑی ہو یا اس شخص کے صدمہ سے پہلے کسی اور سبب سے مر گیا ہو لیکن ان سب باتوں کی بناء ظاہری اسباب پر لی جاتی ہے اور دوسرے احتمال کا اگر کوئی سبب نہ پایا جاوے گا تو وہ وہم اور وسواس میں شامل ہے جیسا کہ پیشتر ہم نے ذکر کیا ہے تو اسی طرح اس مسئلہ کو سمجھنا چاہیئے اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ تعلیم یافتہ کتے نے اپنے لیے شکار نہ پکڑا ہو تو اس باب میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں اور ہمارے نزدیک ان میں سے مختار قول حرمت ہے اس لیے کہ یہاں سبب میں تعارض واقع ہوتا ہے کیونکہ تربیت یافتہ کتے کا حال مثل آلہ اور وکیل کے ہے اگر خود چھوٹ کر اپنے لیے پکڑ لیتا ہے تو حرام ہو جاتا ہے اور مالک کے واسطے پکڑتا ہے تو حلال ہوتا ہے پس جس صورت میں کہ مالک کے اشارے سے چھوٹے اور شکار کو پکڑ کر کھاوے تو شکار پر اشارہ سے جانا اس بات کو چاہتا ہے کہ مالک کی وکالت اور نیابت کرتا ہے اور بعد کو شکار میں سے کھانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے اپنے واسطے شکار پکڑا ہے نہ مالک کے لیے، تو اب دونوں سببوں میں حلت اور حرمت کے تعارض ہوا اسلیے احتمال میں بھی تعارض ہوا اور اصل حرمت تھی تو وہ قائم رہے گی اور شک سے زائل نہ ہو گی اور یہ ایسی صورت ہوئی کہ ایک شخص نے دوسرے کو وکیل کیا کہ میرے لیے ایک لونڈی خرید دے پھر وکیل نے ایک لونڈی خریدی اور ابھی یہ کہنے نہیں پایا تھا کہ اپنے لیے لی ہے یا مالک کے لیے کہ انتقال کر گیا تو مؤکل کو اس صورت میں اس لونڈی سے صحبت کرنی حلال نہ ہو گی کیونکہ وکیل کو اپنے لیے بھی خریدنے کی قوت تھی اور مؤکل کے لیے بھی اور ترجیح کی کوئی دلیل موجود نہیں اور اصل حرمت ہے تو اسی کا اعتبار ہو گا پس اس طرح کی صورت پہلی قسم میں ملحق ہے نہ تیسری میں، چوتھی قسم یہ کہ حلت معلوم ہو اور کوئی وجہ شرعی معتبر حرمت کی طاری ہو گئی ہو جس سے غلبۂ ظن حرمت کا ہو جاوے پس اس کی حلتِ سابقہ دور کی جاوے گی اور حرمت کا حکم دیا جاوے گا۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہو گیا کہ استصحاب کی وجہ ضعیف ہے اور غلبۂ ظن کے ساتھ میں اس کا حکم باقی نہ رہے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دو برتنوں میں سے ایک کی نجاست اجتہاد سے معلوم کرے یعنی کسی علامت معین پر اعتماد کر کے ظن غالب اس بات کا کرے کہ یہ برتن نجس ہے تو یہ غلبۂ ظن اس پانی کے پینے اور اس سے وضو کرنے کی حرمت کا موجب ہو گا یا یہ کہ یوں کہا کہ اگر زید عمرو کو مار ڈالے یا شکار کو قتل کرے اور اس کے مارنے میں تنہا وہی ہو تو میری بی بی کو طلاق ہو جاوے پھر زید نے عمرو خواہ شکار کو زخمی کیا اور مجروح غائب ہو گیا اور بعدہٗ مردہ ملا تو اس شخص کی بی بی اس پر حرام ہو جاوے گی اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ مقتول کو صرف زید ہی نے مارا جیسا کہ پیشتر بیان ہوا۔ اور امام شافعیؒ نے تصریح فرما دی ہے کہ اگر کوئی شخص چشموں میں پانی رنگ بدلا ہوا پاوے اور ہو سکتا ہے کہ زیادہ دنوں کے رہنے سے بگڑ گیا ہو یا کسی نجاست کے باعث سے متغیر ہوا ہو تو اس پانی کو استعمال کرے اور اگر کسی ہرنی کو اس میں پیشاب کرتے دیکھے پھر متغیر پاوے اور اب احتمال ہو کہ پیشاب سے متغیر ہوا ہے یا زیادہ ٹھہرنے سے تو اس صورت میں اس کا استعمال درست نہیں کیونکہ پیشاب کا دیکھنا غلبۂ احتمال نجاست پر دلیل موجود ہے اور یہی مثال ہے قسم چہارم کی اور یہ غلبۂ ظن اس صورت میں معتبر ہے کہ کسی علامت سے متعلق ہو جو اس شے میں موجود ہو اور جو غلبۂ ظن اس طرح کی علامت سے متعلق نہ ہو گا میں امام شافعیؒ کا قول مختلف ہے کہ آیا اصل حلت اس طرح کے غلبۂ ظن سے جاتی رہتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ مشرکوں اور الخمر آدمیوں کے برتنوں سے وضو کرنے میں اور کھدی ہوئی

قبروں میں نماز پڑھنے کے باب میں اور سڑکوں کی کیچڑ کے ساتھ نماز پڑھنے میں بشرطیکہ جس قدر سے احتراز دشوار ہے اس سے زائد لگ جاوے ان کا قول مختلف ہے اور اس مسئلہ کا نام اصحاب شافعیؒ نے یہ رکھا ہے کہ جب اصل اور غلبۂ ظن کا تعارض ہو تو کس کا اعتبار ہوتا ہے غرض کہ یہ غلبۂ ظن دائم الخمر اور مشرکوں کے برتنوں سے پانی پینے کی حلت میں جاری ہے کیونکہ نجس پانی کا پینا حلال نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ ماخذ نجاست اور حلت کا ایک ہی ہے اور اگر دونوں میں سے ایک میں تردد ہوگا تو دوسرے میں بھی تردد کا موجب ہوگا۔ اور جس بات کو میں نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اعتبار اصل کا ہے اور علامت اگر چیز کی ذات سے متعلق نہ ہوگی تو اصل کو دور کرنے کی موجب نہ ہوگی اور قریب ہے کہ اس کا بیان اور دلیل شبہ کے اُٹھنے کی دوسرے مقام میں مذکور کریں گے جس کو شبہ خلط کہتے ہیں۔ اوپر کی تقریر سے حکم اس حلال کا معلوم ہوگیا جس کے اندر حرمت کی وجہ طاری ہونے کا شک یا گمان غالب ہو اور اس حرام کا حکم معلوم ہوگیا جس میں حلت کی وجہ طاری ہونے کا شک یا ظن ہوا ہو اور یہ فرق بھی معلوم ہوگیا کہ اگر ظن کسی ایسی علامت سے متعلق ہو جو چیز کی ذات میں پائی جائے اور جو ایسی علامت سے متعلق نہ ہو تو وہ اور ہے اور ان چاروں قسموں میں جن چیزوں کو ہم نے حلال کہا ہے، وُہ اوّل درجہ کی حلال ہیں، احتیاط یہی ہے کہ ان سے اجتناب کیا جاوے اور جو کوئی ان پر اقدام کرے گا وہ متقیوں اور صالحوں سے نہ ہوگا بلکہ عادلوں کے زمرہ میں متصور ہوگا۔ یعنی شرع کے فتوے کے بموجب بدکار اور گنہگار اور مستوجب سزا نہ ٹھہرے گا۔ ہاں جن باتوں کو ہم وسواس کے مرتبہ میں شامل کر چکے ہیں ان سے احتراز کرنا ورع میں ہرگز داخل نہیں۔ چنانچہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔

دوسرا مقام شبہ کا پیدا ہونا یعنی حلال اور حرام آپس میں مل جاویں اور تمیز نہ رہے اور امر مشتبہ ہو جاوے۔ اب خلط کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں طرف عدد لا انتہا ہوں۔ دوم یہ کہ ایک ہی طرف ہوں، سوم یہ کہ دونوں طرف محصور اور معدود ہوں پھر اس تیسری صورت کی دو نوع ہیں ایک یہ کہ اختلاط امتزاج کے ساتھ ہو کر حلال اور حرام کی افراد کی طرف اشارہ جداگانہ نہ کر سکیں جیسے بہنے والی چیزیں آپس میں مل جاویں یا اختلاط ابہام کے ساتھ ہو مگر افراد کی طرف جداگانہ اشارہ کر سکتے ہوں، جیسے غلاموں اور مکانوں اور گھوڑوں وغیرہ کا مل جانا اور یہ دوسری چیز بھی دو حال سے خالی نہیں کہ جو چیزیں مختلط ہوئی ہیں یا ایسی ہیں کہ ان کی ذات مقصود ہو جیسے اسباب یا ایسی ہیں کہ ان کی ذات مقصود نہیں جیسے نقد تو اس تقسیم سے اس کی بہت سی قسمیں پیدا ہوتی ہیں۔

قسم اول: یہ کہ کوئی چیز محصور میں مل جاوے مثلاً ایک مردار بکری ذبح کی ہوئی ایک یا دس بکریوں میں مل جاوے یا ایک عورت دودھ کی بہن دس عورتوں میں مل جاوے یا دو بہنوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کیا پھر شبہ ہوگیا کہ کس کے ساتھ کیا تھا تو اس قسم کے شبہ سے بالاجماع احتراز کرنا واجب ہے کیونکہ علامتوں اور اجتہاد کو اس میں دخل نہیں اور چونکہ اختلاط عدد محصور میں ہوا ہے تو سب مل کر ایک چیز کی طرح ہو گئے اور اس میں یقین حلت اور یقین حرمت دونوں ایک دوسرے کے متعارض بلا ترجیح ہیں اور یہ اختلاط اگر ایسی طرح ہو کہ پہلے حلت ثابت ہو کر پھر حرمت کا اختلاط طاری ہو جاوے جیسے دو بیبیوں میں سے ایک پر طلاق پڑتی اور مسئلہ پر مدّ میں گذری یا اس طرح اختلاط ہو کہ حلت

سے پیشتر ہی حرمت کا اختلاط ہو گیا ہو۔ جیسے دودھ کی بہن اجنبی عورت کے ساتھ مشتبہ ہو جاوے اور ایک کا حلال کرنا چاہے تو دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں دونوں کا حکم حرمت ہی کا رہے گا۔ مگر حرمت کے طاری ہونے کی صورت میں کبھی مشکل ہوتی ہے مثلاً دو بیبیوں میں ایک کی طلاق میں کہ بموجب بیان گذشتہ استصحاب ہو سکتا ہے لیکن ہم نے مسئلہ پرند میں جواب کی وجہ بھی لکھدی ہے کہ یقین حرمت مقابل یقین حلت کے پڑا ہے اس وجہ سے استصحاب ضعیف ہے اور نظر شریعت میں خطر کی جانب غالب تر ہوتی ہے اس لیے ترجیح حرمت کو رہتی ہے اور یہ صورت اسی وقت ہے کہ حلال محصور حرام محصور میں مختلط ہو اور جس صورت میں کہ حلال تو محصور ہو اور حرام غیر محصور تو ظاہر ہے کہ اجتناب بطریق اولیٰ ہو گا۔

قسم دوم یہ کہ حرام محصور ہو اور حلال غیر محصور جیسے ایک دودھ کی شریک یا دس عورتیں دودھ کی شریک کسی بڑے شہر کی عورتوں میں مختلط ہو جاویں تو اس صورت میں سارے شہر کی عورتوں سے نکاح کرنے میں اجتناب کرنا لازم نہیں بلکہ جائز ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرلے اور اس قسم میں علت یہ ٹھہرائی کہ حلال کی کثرت کی صورت میں حلت کو ترجیح چاہیئے جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ لازم آوے گا کہ اگر ایک دودھ کی شریک دس اجنبی عورتوں میں مختلط ہو جاوے تو نکاح درست ہونا چاہیئے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں بلکہ حلت کثرت اور حاجت دونوں ہیں کیونکہ جس شخص کا دودھ کا شریک یا اور کوئی محرم یا سسرال کے رشتہ سے یا اور کسی سبب سے حرام شخص مختلط ہو جاوے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس پر باب نکاح بالکل بند کر دیا جاتے اور اسی طرح جس شخص کو معلوم ہو کہ دنیا میں قطعاً حرام ملا ہوا ہے تو اس پر ضرور نہیں کہ خریدنا اور کھانا چھوڑ دے کیونکہ اس میں دقت اور حرج ہے حالانکہ دین اسلام میں کچھ حرج نہیں اور اس امر کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک[۱] ڈھال چوری ہو گئی تھی اور کسی شخص نے براہ خیانت غنیمت کے مال میں سے عبا[۲] لے لی تھی تو دنیا میں کسی نے ڈھال اور عبا کے خریدنے سے امتناع نہیں کیا تھا اور یہی حال ہر چیز کا جو چوری ہو جاوے کہ دوسروں پر اس کی جنس کی بیع وشرا کا ترک کرنا لازم نہیں، اسی طرح یہ بھی لوگوں کو معلوم تھا کہ بعض لوگ روپیوں اشرفیوں پر سود دیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور دوسرے نیک بختوں نے روپیوں اشرفیوں کو بالکل چھوڑ نہیں دیا تھا سب کے کاروبار ان سے ہوتے تھے۔ حاصل یہ کہ دنیا حرام سے جب ہی بچتی ہے کہ جب تمام دنیا کے لوگ گناہ چھوڑ دیں اور یہ محال ہے پس جب اس طرح کا اجتناب دنیا میں شرط نہیں تو شہر میں بھی مشروط نہ ہونا چاہیے ہاں جس صورت میں کہ عدد محصور ہو تو مضائقہ نہیں اور عدد غیر محصور کی صورت میں اجتناب کرنا وسواسیوں کا ورع ہے کیونکہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے اور نہ کسی صحابی سے اور نہ کسی ملت اور کسی زمانہ میں اس طرح کے اجتناب کا نباہنا خیال میں آوے۔ اب اگر یہ کہو کہ خدائے تعالیٰ کے علم میں تو سب عدد محصور ہی ہیں پھر عدد محصور کی حد کیا ہے اگر آدمی چاہے کہ کسی شہر کے باشندوں کا شمار کرے تو ہو سکتا ہے بشرطیکہ

۱ح بخاری ومسلم بروایت ابن عمر ۱۲ ۲ح بخاری بروایت عبداللہ بن عمر اور خائن کا نام کرکرہ تھا ۱۲

کوئی اس کے شمار میں مزاحم نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان جیسے امور کی حد باندھنی ناممکن ہے مگر تقریباً حد کر دیا کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ عدد غیر محصور کی یہ حد ہے کہ اگر ایک میدان میں سب اکٹھے ہو جاویں تو دیکھنے والے کو بمجرد نگاہ کرنے کے ان کا شمار مشکل ہو جیسے ہزار اور دو ہزار کہ عدد غیر محصور ہیں اور اگر شمار کرنے میں دقت نہ ہو بلکہ آسانی سے گن لیے جاویں جیسے دس یا بیس ہیں تو وہ محصور ہیں اور ان دونوں حدوں کے درمیان کے عدد اوساط متشابہ ہیں۔ کہ گمان غالب کے ذریعہ سے کسی طرف میں ملا دیئے جاتے ہیں اور جس عدد میں شک واقع ہو اس میں فتویٰ دل سے لینا چاہیئے کہ گناہ دل پر کھٹکا کرتا ہے اور اسی جیسے مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وابصۃ کو ارشاد فرمایا استفت قلبک وان افتوک وافتوک[ح] اور اسی طرح جو چار قسمیں کہ ہم نے مقام اوّل میں بیان کی ہیں ان میں کچھ تو اطراف ایک دوسرے کے مقابل اور واضح ہوتی ہیں حلت یا حرمت کے باب میں اور کچھ اوساط متشابہ ہوتے ہیں اور مفتی ان میں ظن غالب سے فتویٰ دے دیتا ہے مگر سائل کو واجب ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ پوچھے اگر اس کے دل میں کچھ خلش رہے گی تو وہ اس امر کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کے معاملہ میں گناہ ہو گا۔ مفتی کا فتویٰ آخرت میں اس گناہ سے اس کو نجات نہ دے گا کیونکہ مفتی ظاہر کے لحاظ سے فتویٰ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ باطن کے حالات کا مالک ہے۔

قسم سوم یہ کہ حرام غیر محصور حلال غیر محصور سے مختلط ہو جاوے جیسے کہ اس زمانہ کے مال ہیں پس جو شخص کہ احکام کی صورتوں سے لیتے ہیں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ غیر محصور کو غیر محصور کے ساتھ وہ نسبت ہے جو محصور کو ہے محصور سے اور چونکہ محصور کے محصور میں اختلاط ہونے کی صورت میں ہم حرمت لکھ آئے ہیں تو چاہیے کہ یہاں بھی حکم حرمت کا دیں حالانکہ جو بات ہمارے نزدیک مختار ہے وہ اور ہے یعنی اس طرح کے اختلاط سے کوئی معین چیز حرام نہیں ہوتی جس میں احتمال حلت اور حرمت دونوں کا موجود ہو ہاں اگر اس چیز میں کوئی علامت ایسی ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ چیز حرام میں سے ہے تو مضائقہ نہیں لیکن جس صورت میں کہ کوئی علامت نہ ہو تو چیز کا ترک کرنا ورع ہے اور لینا حلال ہے اس کے کھانے سے آدمی فاسق نہ ہو گا اور علامتیں مال حرام ہونے کی آگے مذکور ہوں گی، ان سب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز بادشاہ ظالم کے ہاتھ سے پہنچے۔ اور یہ حکم جو ہم نے بیان کیا اس پر اثر اور قیاس دلالت کرتے ہیں۔ اثر تو اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعد آپ کے خلفائے راشدین کے زمانہ میں سود کے روپے اور شراب کے ثمن ذمیوں کے ہاتھ سے وصول ہو کر مالوں میں مل جاتے تھے اور غنیمت میں خیانت کا بھی یہی حال تھا اور جس وقت سے کہ آپ نے سود سے منع کیا تھا یعنی جب سے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا اول ربوا امنعه ربوا العباسؓ[ح] سب لوگوں نے ربوا کا لین دین ترک نہیں کیا تھا جیسے شراب کا بیچنا بالکل کسی نے ترک نہیں کیا تھا۔ اور علی ہذا القیاس اور گناہوں کے مرتکب بھی کچھ نہ کچھ ہوتے ہی تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ کسی صحابی نے شراب بیچی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ لعنت

ح اپنے دل سے فتویٰ پوچھ اگرچہ لوگ تجھ کو فتویٰ دیں اور حکم کریں اس کی سند پیشتر گذری ۱۲ ح اول سود جس کو میں چھوڑتا ہوں سود عباسؓ کا ہے مسلم بروایت جابرؓ ۱۲

کرے فلاں پر کہ اس نے اوّل شراب بیچنے کی رسم مقرر کی اور اس بیع کی وجہ یہ تھی کہ بعض لوگوں نے شراب کی حرمت سے یہ نہیں سمجھا کہ اس کا بیچنا اور ثمن حرام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[ح۱] نے فرمایا کہ فلاں شخص دوزخ میں اس عبا کو گھسیٹتا ہے جس کو براہِ خیانت لے لیا اور ایک شخص[ح۲] مارا گیا اس کے اسباب کو جو ڈھونڈا تو اس میں ایک مہرہ یہود کے مہروں میں سے کہ دو درہم کا بھی نہ تھا خیانت کا نکلا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ نے ظالم حاکموں کا عہد پایا مگر بازار کی خرید وفروخت سے دستکش نہیں ہوئے اس خیال سے کہ یہ چیز کہیں مدینہ منورہ کی لوٹ کی نہ ہو حالانکہ تین دن تک یزید کے لشکر نے مدینہ طیبہ کو لوٹا تھا اور اگر کوئی ایسے مال سے دست کش بھی تھا تو وہ ورع میں انگشت نما تھا لیکن اکثروں کا حال یہی تھا کہ باوجود کثرت مال لوٹ کے ظالموں کے عہد میں اس سے دست کش نہیں ہوئے اور اختلاط کو مانع نہیں سمجھا۔ اب اگر کوئی شخص اپنے ذمہ یہ وہ بات لازم کر لے جس کو سلف نے لازم نہیں کیا تھا اور یہ گمان کرے کہ میں نے شریعت میں سے وہ بات سمجھ لی جو اگلے لوگوں نے نہیں سمجھی تھی تو وہ شخص وہمی اور دیوانہ ہے اور اگر ان جیسی باتوں میں ان لوگوں سے بڑھ کر کوئی بات کی جاوے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن امور میں کوئی سند سوائے اجماعِ اکابر کے نہیں ان میں بھی ان کا خلاف درست ہو۔ مثلاً جیسے یہ مسئلہ کہ دادی مثل ماں کے ہے حرمت میں یا یہ کہ پوتا مثل بیٹے کے ہے اور سور کے بال اور چربی کا حکم مثل گوشت کے ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور سود چھ چیزوں کے سوا اوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ پس ان مسئلوں میں مخالفت کرنی سراسر باطل اور محال ہے اسی طرح ان سے زیادہ شریعت کا سمجھنا بھی محال ہے کہ وہ فہم شرعی اوروں کی نسبت کر زیادہ رکھتے تھے۔ اور قیاس اس طرح ہے کہ اگر دنیا کے اموال کا ترک کرنا شروع کیا جاوے تو سب تصرفات مسدود ہو جاویں اور عالم خراب ہو جاوے اس لیے کہ لوگوں میں بدکاری غالب ہے اور اسی کے باعث سے معاملات میں شرعی شرطوں کے ملحوظ رکھنے میں تساہل کرتے ہیں اور آخر کو اور آخر کو نوبت اختلاط کی اسی کے باعث سے پہنچی ہے۔

اب اگر یہ کہو کہ تم نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوسمار کے کھانے سے انکار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ جانور ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کو خدائے تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا حالانکہ یہ صورت غیر محصور اختلاط کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی ورع اور تنزیہ پر محمول ہے یا یوں کہیں گے کہ سوسمار کی شکل عجیب ہوتی ہے غالباً اس سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ مسخ کی ہوئی ہو تو اس صورت میں نفس چیز میں علامت حرمت موجود ہے۔ پھر اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحابؓ کے عہد مبارک میں سود اور چوری اور غارت گری اور غنیمت کی خیانت وغیرہ کے اموال بہ نسبت مال حلال کے بہت کم تھے وہاں حلت کے ہوتے کا مضائقہ نہ تھا مگر ہمارے زمانہ میں معاملات کی خرابی اور شروط کے لحاظ نہ رکھنے کے باعث سے اور سود کی کثرت اور ظالم بادشاہوں کی زیادتی سے اکثر مال لوگوں کے خراب اور حرام ہو رہے ہیں تو اگر ان مالوں میں سے کوئی مال کسی شخص کو ملے اور اس میں کوئی

ح۱ بخاری بروایت عبداللہ بن عمرؓ ۱۲ ح۲ ابو داؤد ونسائی وابن ماجہ بروایت ابی زید بن خالد جہنی ۱۲

علامت خاص نہ ہو تو اس کو تم حرام کہو گے یا حلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ مال مذکور حرام نہیں بلکہ اس کا نہ لینا ورع میں داخل ہے اور اس قسم کا ورع اس ورع سے نہایت مشکل ہے جو مال حرام کم ہونے کی صورت میں ہو اور ٹھیک جواب اس کا اس طرح ہے کہ یہ جو سائل کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر اموال حرام ہیں یہ مقدمہ غلط ہے اور اس کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ کثیر اور اکثر کے معنوں میں فرق نہیں کرتا اور سائل پہ کیا منحصر ہے۔ اکثر آدمی بلکہ اکثر فقہاء کو یہ گمان ہے کہ جو چیز کمیاب نہیں وہ اکثر ہے اور کمیاب اور اکثر کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں، ان کے گمان میں ان دونوں کے بیچ میں کوئی تیسرا مرتبہ نہیں حالانکہ واقع میں اشیاء کی تین قسمیں ہیں ایک قلیل جس کو نادر کہتے ہیں دوم کثیر، سوم اکثر، اب ان کی مثالیں معلوم کرنی چاہیئیں کہ خنثی خلق میں نادر ہے اور اس کی نسبت کہ اگر مریض کو دیکھو تو کثیر ہوں گے اور ایسے ہی مسافر بھی خنثی کی نسبت کہ کثیر ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مرض اور سفر عذر عام ہیں اور استحاضہ نادر عذر ہے، کہ مرض نہ تو نادر ہے اور نہ اکثر اور فقیہ سہلاً کہہ دیتے ہیں کہ مرض اور سفر عذر عام اور غالب ہے اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ نادر نہیں ہیں۔ اور اگر یہ مراد نہ ہو تو یہ قول غلط ہو گا کیونکہ اکثر تو تندرست اور مقیم ہوتے ہیں اور مسافر اور مریض کثیر ہیں اور استحاضہ والی اور خنثی نادر ہیں، جب یہ سمجھ چکے تو ہم کہتے ہیں کہ سائل کا یہ کہنا کہ مال حرام اکثر ہے باطل ہے اس لیے کہ حرمت کی وجہ یا ظالموں اور سپاہیوں کی کثرت کو کہے گا یا سود اور معاملات فاسد کی کثرت یا ملکوں کی کثرت کو جو شروع اسلام سے آج تک ان موجودہ مالوں کی اصلوں پر بدلتی رہی ہیں پہلی وجہ باطل ہے اس لیے کہ ظلم کثیر ہو سکتا ہے اکثر ناممکن ہے کیونکہ ظالم غالباً سپاہی ہی ہوتے ہیں کہ بدون دباؤ اور شوکت کے ظلم ہو نہیں سکتا اور سپاہیوں کو اگر تمام جہان کے لحاظ سے خیال کرو تو دسواں حصہ بھی نہ ہوں گے مثلاً جس بادشاہ کی فوج ایک لاکھ ہو گی تو اس کی ولایت میں کم سے کم دس لاکھ آدمی ہوں گے اور غالباً ایک ہی بڑے شہر کے آدمی اس کے تمام لشکر سے شمار میں زیادہ ہوں اور اگر بادشاہوں کا عدد رعایا کی گنتی سے زیادہ ہو تو سب ہلاک ہو جاویں کیونکہ اولیٰ یہ ہے کہ رعیت کی افراد میں سے ایک سلطان دس خدمتگار رکھے حالانکہ بادشاہوں کا گذر ہزار سے بھی نہیں ہوتا اور یہی حال چوروں کا ہے کہ وہ بھی بڑے شہروں میں تھوڑے ہی ہوتے ہیں اور دوسری وجہ بھی باطل ہے اس لیے کہ سود اور معاملات فاسدہ کثیر ہی ہیں اکثر نہیں کیونکہ اکثر اہل اسلام معاملے شریعت کی شرطوں کے موافق کرتے ہیں اور گنتی میں ان لوگوں کے شمار سے زیادہ ہیں جو سود وغیرہ کے معاملات کرتے ہیں علاوہ ازیں سود وغیرہ کے معاملات کرنے والے اور معاملات صحیح بھی کرتے ہیں اگر خود ان کے صحیح اور فاسد معاملوں کو شمار کرو تو غالباً صحیح زیادہ نکلیں گے۔ ہاں اگر شہر میں کوئی ایسا خبیث بددین چھانٹ لیا جائے جس کے معاملے فاسد زیادہ ہوں تو اس طرح کے آدمی کم ہوتے ہیں اور اگر کثیر بھی ہوں تو اکثر نہیں ہوتے جن کے معاملے فاسد ہوں کیونکہ خود ان کے معاملے بھی صحیح اس قدر ہوں گے کہ معاملات فاسد کے برابر یا ان سے زائد ہوں گے اور یہ بات تامل کرنے والے کے نزدیک یقینی ہے مگر چونکہ دلوں میں فساد کی برائی اور کثرت اور عظمت زیادہ بیٹھی ہوئی ہے اس لیے اگر فاسد کم بھی ہوتا ہے تو بہت معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک کہ کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ زانی اور شراب خوار اکثر ہوں گے حالانکہ یہ غلط ہے وہ لوگ کم ہیں گو کثرت کے ساتھ ہوں باقی رہی تیسری وجہ وہ البتہ قرین قیاس ہے اس طرح کہ یوں کہیں کہ مال تین طرح حاصل ہوتے ہیں یا کان سے یا حیوانات سے

یا نباتات سے حیوان اور نبات تو نسل لینے سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس اگر بکری کو مثلاً دیکھیں جو ایک برس میں بچہ دیتی ہے تو اس کے اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ہمارے زمانہ تک پانچسو کے قریب ہوں گے اور ضرور ہے کہ ان میں سے کسی اصل میں غصب یا معاملۂ فاسد ہوا ہی ہوگا تو کیسے فرض کیا جاوے کہ ان کے اصول میں ہمارے زمانہ تک کوئی تصرف باطل نہیں ہوا۔ اسی طرح غلہ اور میووں کی بھی پانسو یا ہزار اصلیں مثلاً ہوں گی تو وہ بھی جبھی حلال ہوں گی کہ ان کی سب اصلیں زمانہ نبوت تک حلال ہوں۔ اور کان کی چیزوں میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ ہر زمانہ میں از سر نو نکالی جاتی ہیں وہ تو کم ہیں مگر جن کا استعمال زیادہ ہے وہ روپے اور اشرفیاں ہیں جو ٹکسال میں بنتی ہیں اور ٹکسالیں سب ظالموں کے قبضہ میں ہیں بلکہ کانیں انہی کے قبضہ میں ہیں کہ لوگوں کو ان سے روکتے ہیں اور فقیروں پر زبردستی کر کے کان کھدواتے ہیں پھر ان سے چاندی سونا چھین لیتے ہیں، تو جب ان باتوں کا لحاظ کیا جائے تو کوئی روپیہ یا اشرفی ایسی کم ہوگی کہ نہ تو کان میں سے نکلتے وقت عقد فاسد یا ظلم ہوا ہو اور نہ ٹکسال میں بننے کے وقت اور نہ بعد کو معاملات صرف اور سود میں اس کے عقد میں کوئی خرابی ہوئی ہو پس جس صورت میں کہ تینوں قسموں کے مال کا یہ حال ہے تو اب بجز شکار بالاو لاوارثی زمین خواہ جنگل کی گھاس اور لکڑی کے اور کوئی چیز حلال نہ رہی پھر جو کوئی ان چیزوں کو پیدا کرے تو ضرور ہے کہ کھانے کے لیے غلہ وغیرہ ان کے عوض مول لے گا جو تناسل سے پیدا ہوتا ہے تو گویا مال حلال دے کر حرام خریدے گا، غرضکہ یہ وجہ حرمت کی پہلی دو وجہوں سے زیادہ مضبوط ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلبہ حرمت کا حرام کثیر کے حلال کثیر میں اختلاط سے نہیں پیدا ہوا تو جس قسم کا ہم بیان کر رہے ہیں اس میں سے خارج ہو گیا اور اس صورت میں مل گیا جس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں یعنی اصل اور سبب غالب کا تعارض، کیونکہ اصل ان اموال میں یہ ہے کہ تصرفات کو قبول کریں اور تراضی طرفین کی ان پر ہو جاوے اور اس اصل کے مخالف ایک احتمال غالب پڑا ہے جو اصل مذکور کو صلاحیت سابقہ پر نہیں چھوڑتا تو اس کی ایسی ہی صورت ہو گئی جیسے حکم نجاسات کے باب میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں اور ہمارے نزدیک صحیح یہی ہے کہ راستوں میں جب نجاست کا نشان معلوم نہ ہو تو نماز پڑھنی درست ہے کیونکہ راستوں کا کیچڑ پاک ہوتا ہے اور یہ بھی صحیح جانتے ہیں کہ مشرکوں کے برتنوں سے وضو کرنا جائز ہے اور کھدی ہوئی قبروں میں نماز پڑھنی درست ہے پس ان مسئلوں کو اول ثابت کر کے پھر اس مسئلہ مال کو ہم ان پر قیاس کریں گے، مسئلہ وضو کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کی ٹھلیا سے وضو کیا تھا۔ باوجودیکہ نصرانی شراب پیتے ہیں اور سور کھاتے ہیں اور جس چیز کو ہماری شریعت نے نجس کہا ہے اس سے احتراز نہیں کرتے تو ان کے برتن ان کے ہاتھوں سے کیسے صاف بچ رہتے ہوں گے۔ علاوہ ازیں ہم قطعاً جانتے ہیں کہ اکابر سلف پوستین دباغت دیا ہوا اور کپڑے رنگے ہوئے اور دھوئے ہوئے پہنا کرتے تھے اور جو شخص دباغت دینے والوں اور دھوبیوں اور رنگریزوں کے احوال کو تامل کرے تو جان لے کہ اکثر نجاست ہی ہوتی ہے اور ان کے یہاں کپڑوں کا طاہر رہنا محال یا متعذر ہے۔ اس کے سوا ہم کو یہ بھی قطعاً معلوم ہے کہ اکابر سلف گیہوں اور جو کی روٹی کھایا کرتے تھے اور ان کو دھوتے نہ تھے باوجودیکہ بیل وغیرہ جو خرمن کو روندتے ہیں اناج پر پیشاب، اور گوبر کرتے جاتے ہیں ایسا غلہ کم ہوگا جس پر یہ کیفیت نہ گذرے۔ اسی طرح گھوڑوں پر پسینے کی حالت میں سوار ہوا کرتے تھے اور ان کی پیٹھوں کو دھویا

نہ کرتے تھے۔ باوجودیکہ سواریاں اکثر نجاستوں میں لوٹا کرتی تھیں بلکہ جو چوپایہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے آلودۂ
نجاست ہوتا ہے اور وہ نجاست کبھی تو مینہ برسنے سے دُھل جاتی ہے اور کبھی نہیں دھلتی اور اس سے کوئی احتراز نہیں
کرتا اور یہ بھی دستور تھا کہ راستہ میں ننگے پاؤں اور جوتیوں کے ساتھ چلتے تھے اور ویسے ہی نماز پڑھ لیتے تھے اور
مٹی پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور بلا ضرورت گارے میں ہولیا کرتے تھے مگر پیشاب اور پاخانہ میں کو نہ چلتے تھے اور نہ
ان پر بیٹھتے تھے بلکہ ان سے کنارہ کرتے تھے حالانکہ راستوں کا نجاستوں سے صاف رہنا ممکن نہیں کہ کتے اور گھوڑے
وغیرہ پیشاب اور غلیظ کرتے رہتے ہیں اور یہ گمان کرنا نہ چاہیے کہ اس باب میں ہر ایک زمانہ کا حال جدا ہوگیا تاکہ یہ سمجھا جائے
کہ اگلے زمانہ میں راستے دھوئے جاتے ہوں گے یا جانوروں کے گند سے محفوظ رکھے جاتے ہوں گے کیونکہ یہ امر عادت کی
رو سے قطعاً محال ہے غرضکہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اسی نجاست سے احتراز کیا ہے جو ظاہر ہو یا اس کی کوئی علامت
ہو اور جو احتمال غالب کہ احوال پر وہم دوڑانے سے پیدا ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے
کہ ان کے نزدیک تھوڑا پانی بدون بدلنے اوصاف کے نجس نہیں ہوتا کیونکہ صحابہؓ ہمیشہ حماموں میں جاتے اور حوضوں میں وضو
کرتے حالانکہ ان میں پانی تھوڑا ہوتا تھا اور طرح طرح کے ہاتھ مدام پڑے رہتے تھے اور اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں،
پس جب نصرانی عورت کی ٹھلیا سے وضو جائز ہوا تو اس کا پینا بھی درست ہوا اور حلّت کا حکم طہارت کے حکم سے مل گیا
اب اگر یہ کہو کہ حلّت کا قیاس طہارت پر جائز نہیں اس لیے کہ اکابر سلف امور طہارت میں تو بہت مسامحت کرتے تھے
مگر شبہات حرام سے نہایت درجہ کو احتراز کیا کرتے تھے اس صورت میں ایک کا قیاس دوسرے پر کیسے ہو سکتا ہے تو اس
کا جواب یہ ہے کہ اگر طہارت کی مسامحت سے یہ غرض ہے کہ وہ لوگ نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرتے تھے حالانکہ
نماز رکن دین ہے اور نجاست کے ساتھ اس کا پڑھنا گناہ ہے تب تو ان کی طرف نہایت بدگمانی ہے بلکہ یوں اعتقاد کرنا
واجب ہے کہ جن نجاستوں سے اجتناب کرنا واجب ہے ان سب سے اکابر سلف نے اجتناب کیا ہے صرف تسامح
اس صورت میں کیا ہے جس سے اجتناب کرنا واجب نہیں اور وہی صورت ہے جس میں کہ اصل اور احتمال غالب کا تعارض
ہو پس اس سے صاف ظاہر ہوا کہ جس احتمال غالب کی کوئی علامت مشتبہ چیز میں نہ ہو اس کا اعتبار نہیں باقی رہا ان کا
ورع تو وہ تقویٰ کے طور پر تھا یعنی جس چیز میں کچھ خوف نہیں اس کو اس چیز کے ڈر سے ترک کر دینا جس میں خوف ہو اسلیے
کہ اموال کا حال خطرناک ہے اور اگر نفس کو ان سے نہ روکا جاتے تو ان کی طرف جھکتا ہے اور طہارت کا حال ایسا نہیں۔
اسی وجہ سے کچھ لوگوں نے محض حلال سے بھی دست کشی کی تھی کہ مبادا اوّل مشغول نہ ہو جاتے اور ایک شخص سے یہ بھی منقول
ہے کہ سمندر کے پانی سے بھی وضو کرنے سے احتراز کیا تھا حالانکہ طاہر محض ہے۔ پس اس باب میں اختلاف کا ہونا ہمارے
مطلب کا مخل نہیں، علاوہ ازیں ہم اس وجہ کا جواب اس طرح بھی دے سکتے ہیں جیسا پہلی دونوں وجہوں کا دیا ہے یعنی
ہم یہ نہیں مانتے کہ حرام مال اکثر ہے اس لیے کہ اموال کے اصول اگرچہ بہت ہوں لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ ان کے اصول
میں حرام بھی ہو، بلکہ جو مال اس زمانہ میں موجود ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے کہ جن کے اصول میں کچھ فساد آ گیا
ہو، سب ایسے نہیں ہو سکتے نہ اکثر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جیسے غصب اور چوری کا مال ان دنوں میں بہ نسبت اموال کے کم ہے

اسی طرح ہر زمانہ میں اس طرح کا مال اور اموال سے کم ہی تھا اور یہ معلوم نہیں کہ ہر ایک فرد معین کونسی قسم میں سے ہے اس لیے ہم کیسے کہہ دیں کہ احتمال غالب اس کی حرمت ہی کا ہے۔ کیونکہ جیسے غصب اور چوری کی چیز نسل سے بڑھتی ہے ویسے ہی غیر مغصوب اور غیر مسروق بھی نسل سے زیادہ ہوتی ہے تو اکثر کی نسل بھی ہر زمانہ میں اکثر ہی ہوگی بلکہ غلہ مغصوب غالبا کھانے کے لیے چھینا کرتے ہیں نہ بونے کے لیے۔ اسی طرح حیوانات غصب اور چوری کے اکثر کھالیے جاتے ہیں اور نسل ان سے نہیں لی جاتی تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حرام کی فروع اکثر ہیں جس صورت میں کہ حلال کے اصول ہر زمانہ میں حرام کے اصول سے زیادہ رہے ہوں، طالب علم کو چاہیے کہ اس تقریر سے معرفت اکثر کا طریق سمجھ لے کہ یہ قدم پھسلنے کی جگہ ہے اور اس میں اکثر علماء غلطی کر جاتے ہیں۔ عوام کا تو کیا ذکر ہے۔ یہ حال حیوانات اور غلوں کا ہے جو تناسل سے ہوتے ہیں اور کانوں کا یہ حال ہے کہ بلاد ترک وغیرہ میں چھوٹے رہتے ہیں جس کا دل چاہے ان میں سے لے لے مگر حکام اس میں سے کچھ لے لیا کرتے ہیں سو وہ اقل ہوتا ہے نہ اکثر۔ اور بادشاہ جو کسی کان پر حاوی ہو جاتے ہیں تو ان کا ظلم یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں مگر اور لوگ جو اس میں سے لیتے ہیں تو بادشاہ سے اجرت میں لیتے ہیں، ان کے مالک ہونے میں کچھ خرابی نہیں کیونکہ مباحات پر ملک ثابت ہونے اور ان کے ٹھیکہ لینے کے باب میں صحیح یہی ہے کہ نہایت درست ہے۔ مثلاً پانی لانے کا مستاجر جب پانی گھیر لیتا ہے تو جس کی طرف سے مستاجر ہوتا ہے پانی اس کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اور اجرت کا مستحق ہوتا ہے۔

اسی طرح اس مسئلہ میں سمجھنا چاہیے کہ بادشاہ کی طرف سے لوگ مستاجر ہیں پس اس تفریع سے یہ نکلتا ہے کہ سونے چاندی کی ذات میں کوئی حرمت نہیں ہاں بادشاہ کا ظلم یوں ہو سکتا ہے کہ کام کی اجرت کم کر دے اور یہ معاملہ اول تو کم ہوتا ہے دوسرے اس سے بھی ذات نقدین میں کچھ خرابی نہیں بلکہ اس نظر سے کہ اس کے ذمہ پر اجرت باقی رہ گئی ظالم ٹھہرے گا اور ٹکسال کا حال یہ ہے کہ جو سونا اس میں سے بن کر نکلتا ہے وہ خاص سلطان کا نہیں ہوتا جو غصب اور ظلم سے لیتا ہے۔ بلکہ سوداگر سونے کی ڈلیاں یا خراب سکے اس کو دے دیتے ہیں تاکہ نیا سکہ ان پر ہو جاوے اور اس کام کی اجرت سلطان کو مقرر کر دیتے ہیں اور جس قدر سونا دیتے ہیں اسی قدر تول لیتے ہیں صرف تھوڑا سا اجرت کی قدر چھوڑ دیتے ہیں اور یہ جائز ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ اشرفیاں خاص بادشاہ کے سونے کی بھی بنتی ہیں تب بھی سوداگروں کے مال کی نسبت کر بیشک کم ہوں گی۔ ہاں سلطان جو ٹکسال جاری کرتا ہے اور سکہ لگانے پر اجرت لیتا ہے یہ ایک طرح کا ظلم ہے کہ چند لوگوں کو تمام خلق سے اس کام کے لیے خاص کرتا ہے یہاں تک کہ سلطان کی حشمت کی وجہ سے ان کے ہاں مال زیادہ ہو جاتا ہے پس جو کچھ سلطان لیتا ہے وہ اپنی حشمت کا عوض لیتا ہے جو ظلم ہے لیکن یہ مقدار ان روپیوں اشرفیوں کی نسبت کر جو ٹکسال سے نکلتے ہیں بہت کم ہے یعنی ٹکسال والوں اور سلطان کو سو پیچھے ایک روپیہ بچتا ہے سو اس قدر اکثر کیسے ہو سکتا ہے۔ غرضکہ اس طرح کے مغالطے مال حرام کے اکثر ہونے کے دلوں پر چھا گئے ہیں اور کچھ لوگ دین کے ضعیف اس وہم میں اتنے پڑے ہیں کہ انہوں نے ورع کو بُرا جانا ہے اور ورع کا باب بالکل بند کر دیا ہے اور جو شخص ایک مال میں دوسرے مال سے فرق بتاتا ہے اس کو برا جانتے ہیں اور یہ عین بدعت اور گمراہی ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ

بالفرض اگر غلبہ مال حرام کو ہوا اور غیر محصور غیر محصور میں مختلط ہو تو جس صورت میں کہ کسی مال میں علامت خاص نہ ہو، اس کے باب میں تمہارا کیا قول ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مال کا ترک کرنا ورع ہے اور اس کا لینا حرام نہیں اس واسطے کہ اصل حلت ہے اور بدون علامت معین کے وہ دور نہیں ہوگی جیسے راستوں کی کیچڑ وغیرہ مسائل میں حکم ہے بلکہ ہم اور بڑھ کر کہتے ہیں کہ اگر بالفرض حرام دنیا کو ڈھانپ لے اس قدر کہ کہیں یقیناً نشان حلال کا نہ رہے تب بھی ایسی صورت میں ہم از سر نو اپنے زمانہ سے شروط حرمت کی تمہید کریں گے اور جو باتیں گذر چکی ہیں ان کو چھوڑ دیں گے یعنی ہمارا مدعا یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو معکوس ہو کر اپنی ضد میں داخل ہو جاتی ہے تو اس صورت میں جب سب چیزیں حرام ہو جاویں گی تو سب حلال ہو جاویں گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ معاملہ واقع ہو تو پانچ احتمال ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ سب آدمی کھانا چھوڑ دیں یہاں تک کہ مر جاویں دوم یہ کہ اشیاء میں سے سدِ رمق پر قناعت کر کے زندگی کاٹیں، سوم یہ کہ مقدار حاجت جس طرح مل سکے لے لیویں خواہ چوری سے یا غصب سے یا تراضی سے اور کسی مال میں اور کسی وجہ سے لینے میں کچھ فرق نہ ہو چہارم یہ کہ شرع کی شرطوں کا اتباع کر کے اسکے قواعد پر از سر نو عمل کریں اور قدر حاجت پر مکتفی نہ ہوں، پنجم یہ کہ باوجود شروط شرع پر اکتفا کرنے کے قدر حاجت پر بھی اکتفا کریں۔ اب ظاہر ہے کہ احتمال اول باطل ہے اور دوسرا بھی قطعاً باطل ہے اس لیے کہ جب آدمی سدرمق پر اکتفا کریں گے اور زندگی کے دن کمزوری پر کاٹیں گے تو بن موت مر جاویں گے کیونکہ کوئی کام اور پیشہ نہ ہو سکے گا اور دنیا بالکل خراب ہو جاوے گی اور دنیا کی خرابی میں دین کی خرابی ہے اس لیے کہ دنیا آخرت کا مزرعہ ہے۔ اور خلافت اور قضا اور سیاسیات کے احکام بلکہ اکثر فقہ کے احکام سے مقصود دنیا کی مصلحتیں ہیں اس نظر سے کہ ان سے دین پورا ہو جاوے تو ظاہر ہے کہ دنیا کی خرابی باعث دین کی خرابی کا ہے اور تیسرا احتمال یعنی قدر حاجت پر اکتفا کرنا اور اس سے زیادہ نہ لینا اور کسی مال اور جہت میں فرق نہ کرنا بلکہ غصب اور چوری اور تراضی یا کسی اور طرح سے حاصل ہونے کو برابر جاننا تو اس میں یہ خرابی ہے کہ باب شریعت مفسدوں کے لیے بالکل بند ہو جائے گا اور طرح طرح کے فساد کریں گے، غصب اور چوری اور انواع ظلم کی طرف ہاتھ بڑھیں گے اور ان کو زجر کرنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ وہ یہ جواب دیں گے کہ قابض کا استحقاق چیز کے لیے ہم سے زیادہ نہیں اس لیے کہ وہ چیز ہم پر اور اس پر دونوں پر حرام ہے۔ اس کو اس میں سے فقط مقدارِ حاجت مل سکتی ہے لیکن جیسی اس کو حاجت ہے ہم کو بھی حاجت ہے اور اگر بالفرض ہم نے اپنے حق سے زیادہ بھی لیا ہے تو ایسے شخص سے لیا ہے جس کے پاس اس روز کی حاجت سے زائد چیز تھی تو اب ایک روز کی حاجت کا ضبط کرنا چاہیئے تاکہ زیادتی اور کمی معلوم ہو غرضکہ اس احتمال کے جاری ہونے سے شرع کی سیاست بالکل باطل ہو جاوے گی اور فساد کرنے والے فساد کرنے پر اُبھر کھڑے ہوں گے اس صورت میں جبکہ تینوں احتمال نہیں ہو سکتے تو صرف چوتھا احتمال رہا۔ یعنی یہ کہا جاوے گا کہ جس کے قبضہ میں جو چیز ہے وُہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔ اس سے براہِ غصب اور دزدی لینا درست نہیں بلکہ تراضی سے لینا چاہیئے اور تراضی طریق شریعت ہے مگر مطلق تراضی کا بھی اعتبار نہیں بلکہ وہ تراضی جس سے مصلحتیں متعلق ہیں اور اس کا دستور شریعت میں مقرر ہے۔ اب باقی رہا پانچواں احتمال یعنی قبضہ والوں سے چیز کو بموجب شرع کے طریق کے حاصل کرنا اور مقدار حاجت پر اکتفا کرنا تو وہ یہ بات ہے

کہ سالک طریق آخرت کے لیے ہمارے عندیہ میں ورع کے مناسب ہے مگر عوام پر اس کے واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور نہ فتوائے عام میں اس کو داخل کر سکتے ہیں۔ ورنہ اس صورت میں لوگوں کے مالوں پر قدر حاجت سے زیادہ دیکھ کر ظالم دست درازی کریں گے اور چور بھی زائد از حاجت کے چرانے کا قصد کریں گے اور جو شخص غالب ہوگا وہ دوسرے مغلوب کا مال چھین لے گا اور جس شخص کو موقع ملے گا دوسرے کی چیز چرا لے گا اور کہے گا کہ مالک کا حق صرف قدر حاجت میں ہے اور میں محتاج ہوں زائد از حاجت کو میں نے لے لیا۔ اب سلطان پر یہ واجب ہوگا کہ قبضہ والوں کے پاس جو چیز زائد از حاجت پاوے اس کو ان سے لے کر سب اہل حاجت کو دیدے اور اس طرح سب کا وظیفہ یومیہ یا سالانہ مثلاً کیا کرے پس اس صورت میں بے انتہا تکلیف اور مالوں کا تلف کرنا ہے تکلیف تو خود ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اتنی قدرت کہاں کہ سب خلق میں اس صورت کو جاری کرے بلکہ جاری کرنا غیر ممکن ہے اول کا تلف کرنا اس طرح ہے کہ میوہ اور غلہ اور گوشت وغیرہ جو کچھ حاجت سے بچ رہے گا اس کو سمندر میں ڈالنا چاہیئے یا چھوڑ دیا جائے یہاں تک سڑ جائے کیونکہ میوہ اور غلہ خدائے تعالیٰ اتنا پیدا کرتا ہے کہ قدر حاجت کیا معنی اگر تمام خلق خوب وسعت کے ساتھ برتیں تب بھی بچ رہے علاوہ ازیں ایک خرابی اس میں یہ ہے کہ حج اور زکوٰۃ اور کفارہ مالی اور جتنی عبادتیں کہ توانگری سے متعلق ہیں سب لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاویں گی کیونکہ لوگوں کے پاس بجز قدر حاجت کے اور کچھ نہ رہے گا اور یہ بھی نہایت بڑی بات ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر فی المثل ایسے وقت میں کوئی نبی آوے تو اس پر واجب ہوگا کہ معاملہ از سر نو کرے اور ملکوں کے اسباب کی تفصیل خواہ تراضی سے ہوں یا اور طریقوں سے سب کی تمہید کرے اور وہی باتیں کرے جو تمام مال حلال ہونے کی صورت میں کرتا اس میں کچھ فرق نہ ہوگا اور یہ جو ہم نے کہا کہ اس پر واجب ہے اس سے مراد وہ صورت ہے کہ نبی موصوف ان لوگوں میں سے ہو جو مخلوق کے دین اور دنیا کی مصلحت کے لیے بھیجے جاتے ہیں، کیونکہ بہتری اس سے تو پوری نہ ہوگی کہ تمام خلق کو قدر ضرورت اور حاجت پر پابند کر دیا جائے تو ضرور ہے کہ اسباب ملک کی تفصیل از سر نو ہونی چاہیئے اور اگر نبی کی بعثت بہتری کے لیے نہ ہوگی تو اس پر امر مذکور واجب بھی نہ ہوگا اور گو ہمارے نزدیک یہ امر ممکن ہے کہ نبی کی بعثت بہتری کے لیے نہ ہو مثلاً خدائے تعالیٰ کوئی ایسا سبب مقرر فرمائے کہ اس سے تمام خلق ہلاک ہو جاوے تو دنیا بھی ان سے فوت ہو جاوے اور دین میں بھی گمراہ رہیں اس لیے کہ گمراہی اور ہدایت اور مارنا اور جلانا اس کے اختیار میں ہے مگر پھر بھی ہم اس امر کو خدائے تعالیٰ کی عادت جاری کے بموجب فرض کرتے ہیں کہ نبیوں کا بھیجنا دین اور دنیا کی بہتری کے لیے ہوتا ہے اور ہم کو اس کے فرض کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو امر ہم فرض کرتے ہیں وہ موجود ہی ہو گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں مبعوث فرمایا کہ نبیوں کا توڑا پڑ گیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گذرے قریب چھ سو برس کے ہو گئے تھے اور کچھ لوگ تو مثل یہودیوں اور بت پرستوں کے آپ کو نہ مانتے تھے مگر ان میں فسق پھیل گیا تھا جیسے ہمارے زمانے میں پھیل گیا اور فروع شریعت کا خطاب کفار کو بھی ہوتا ہے۔ اور مال ماننے والوں اور نہ ماننے والوں دونوں کے قبضہ میں تھے پس نہ ماننے والے تو معاملات خلاف شریعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کرتے تھے اور ماننے والے آپس کے معاملات میں تساہل برتتے تھے جیسے کہ مسلمان اب کرتے ہیں حالانکہ

زمانۂ نبوت کو گذرے بہت عرصہ نہیں ہوا۔ غرضکہ اس وقت کل اموال یا اکثر یا کثیر حرام تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امور گذشتہ کو معاف فرمایا اور ان کے باب میں کچھ تعرض نہ کیا اور مال قبضہ والوں کا ٹھہرا کر شرع کو تمہید کیا حالانکہ جس چیز کی حرمت شریعت میں ثابت ہوگئی ہو وہ نہ کسی رسول کے مبعوث ہونے سے حلال ہو اور نہ اس طرح حلال ہو کہ جس شخص کے قبضہ میں حرام ہے وہ اس کو دے ڈالے۔ چنانچہ جزیہ میں اہل ذمہ اگر ہم کو وہ مال دیں جس کو ہم جانتے ہوں کہ شراب کا دام ہے یا سود کا مال ہے تو اس خاص کو ہم نہ لیں گے۔ اور پہلے لوگوں کے مال بھی اس وقت میں ایسے ہی تھے جیسے اب ہمارے مال ہیں بلکہ عرب کا مال کچھ زیادہ ہی تھا کہ لوٹ کھسوٹ ان میں زیادہ تھے۔ پس اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ احتمال چہارم فتوے کے لیے معین ہے اور احتمال پنجم طریقہ ورع بلکہ ورع کامل یوں ہے کہ مباح میں بھی بقدر حاجت پر اکتفا کیا جائے اور دنیا میں توسیع کو بالکل ترک کیا جاوے اور یہ طریق آخرت کا ہے اور ہم اس وقت کرتے ہیں جو خلق کی بہتری سے متعلق ہے اور فتوٰی ظاہری کا رنگ ڈھنگ موافق مقتضائے مصلحتوں کے ہوا کرتا ہے اور دین کے طریق پر چلنا کسی ہی کسی سے ہو سکتا ہے اور اگر سب مخلوق آخرت میں مشغول ہو جاوے تو انتظام بیکار اور عالم خراب ہو جاوے کیونکہ طریق آخرت کا چلنا وہاں کی بڑی سلطنت کا طالب ہونا ہے اور اس کو دنیا کی سلطنت پر قیاس کر لینا چاہیے کہ اگر سب آدمی سلطنت کی جستجو میں مشغول ہو جاویں اور ادنیٰ حرفتوں اور خسیس صنعتوں کو چھوڑ دیں تو اول انتظام بگڑے گا پھر انجام کو سلطنت بھی باطل ہو جاوے گی تو جس طرح دنیا کے انتظام کے لیے اہل حرفہ مسخر ہیں اور اپنے پیشے اسی لیے کرتے ہیں کہ بادشاہوں کا انتظام بنا رہے اسی طرح دنیا پر متوجہ ہونے والے مسخر ہیں کہ طریق دینداروں کے لیے بنا رہے اور ملک آخرت کے طالبوں کا انتظام ابتر نہ ہونے پاوے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اہل دین کی سلامتی نہ ہوتی اس لیے کہ ان کے حق میں دین کے سلامت رہنے کی یہ شرط ہے کہ ایک کو ایسا بنایا اور دوسرے کو دوسری طرح کا اور اسی تقسیم کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[ت] نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا اب اگر یہ کہو کہ حرام کو ایسی طرح عام فرض کرنا کہ حلال باقی نہ رہے اس کی کچھ ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ امر واقع میں موجود نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے اور اس میں شک نہیں کہ بعض حرام موجود ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ وہ بعض کمتر ہیں یا اکثر اور تم نے جو کہا ہے کہ وہ بعض کل کے اختیار سے کمتر ہیں ایک امر صاف ہے مگر اس کے لیے کوئی دلیل قطعی چاہیے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ کل کی نسبت کہ حرام کمتر ہے اور تم نے جو تقسیمیں اس باب میں بیان کی ہیں وہ سب امور فرضی ہیں اور بعض علماء دلائل فرضیہ کو نہیں مانتے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی نظیر معین بیان کرو تاکہ اس پر قیاس کر لیا جائے اور دلیل سب کے نزدیک مقبول ٹھہرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یوں مان لیا جاوے کہ حرام کمتر ہے تب تو ہماری دلیل کے لیے عہد مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا کفایت کرتا ہے کہ اس میں بھی سود اور چوری اور خیانت اور لوٹ موجود تھی اور باوجود اس کے داد و ستد

ت ہم نے بانٹی ہے انہیں روزی ان کے دنیا کے جینے اور اونچے کیے درجے ایک کے ایک سے کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو کمتر ۱۲

اموال کی بند نہ تھی اور اگر فرض کیا جائے کہ زمانۂ حال میں حرام اکثر ہے تب بھی حرام لینا حلال ہو جائے گا اور اس کی دلیل تین باتیں ہیں **اوّل** وہ تقسیم جس کو ہم نے حصر کی صورت میں لکھا ہے اور چار قسمیں باطل کر کے پانچویں قسم کو قائم رکھا ہے کیونکہ جس صورت میں وہ تقسیم ایسی طرح میں جاری ہے کہ کل مال حرام ہو تو اگر حرام اکثر یا کمتر ہو گا تو اس میں بطریق اولیٰ جاری ہوگی اور یہ جو کہتے ہیں کہ وہ دلیل فرضی اور وہمی ہے تو یہ خیال خام ہے اس لیے کہ امر وہمی مظنون باتوں میں ہوا کرتا ہے اور یہاں امر مظنون نہیں بلکہ یقینی ہے کیونکہ ہم کو اس بات میں شک نہیں کہ شریعت کا مقصود دین و دنیا کی مصلحت ہے یہ امر بدیہۃً معلوم ہے ظنی بات نہیں اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اگر تمام لوگوں کو مقدار ضرورت خواہ حاجت پر منحصر کر دیا جاتے یا گھاس اور شکار ہی پر چھوڑ دیا جائے تو یہ امر اول تو دنیا کو خراب کرے گا اور دنیا کے ذریعہ سے پھر کر دین کی خرابی لاوے گا پس جس بات میں کچھ شک نہ ہو اس کے لیے کسی اصل شاہد کی حاجت نہیں، شاہد انہیں حالات کے لیے بیان ہوا کرتا ہے جو مظنون ہو اور جداگانہ فرد بشر سے متعلق ہوں۔ دوسری یہ کہ اس کی تعلیل میں ایک ایسا قیاس جزئی لکھا جائے جس کا مآل ایسی اصل پر ہو کہ جتنے فقہا جزئی قیاسوں سے مانوس ہیں سب اس پر متفق ہو جائیں ہر چند جزئیات ارباب تحصیل کے نزدیک بہ نسبت امور کلی کے حقیر متصور ہوتے ہیں۔ چنانچہ امر کلی ہم نے اوّل ذکر کیا ہے کہ اگر بالفرض حرام عام ہو جائے اور ضرورت کسی نبی کے بھیجنے کی پڑے تو وہ بھی اسی امر کلی کے موافق کار بند ہو گا حتی کہ اگر اس کے خلاف حکم کرے گا تو عالم خراب ہو جائے گا۔ یہاں قیاس جزئی یوں ہو سکتا ہے کہ اصل اور ظن غالب متعارض ہیں اور ان کا تعارض ایسی صورت میں ہوا ہے جو امور غیر محصور میں سے ہے اور اس میں کوئی علامت معین بھی موجود نہیں تو اس صورت میں حکم اصل پر کیا جائے گا نہ ظن غالب پر جیسے راستہ کی کیچڑ اور نصرانیہ کے گھڑے اور مشرکوں کے برتنوں میں اصل پر حکم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کو صحابہؓ کے فعل سے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں اور علامت معینہ کے نہ ہونے کی قید ہم نے اسلیے کی کہ اس سے وہ برتن نکل جاویں جن میں اجتہاد کو دخل ہے اور غیر محصور اسلیے کہا کہ مسئلہ مُردار اور مذبوح جانور کے مشتبہ ہو جانے اور دودھ کی بہن اور اجنبی کے مختلط ہونے کا نکل جاوے اب اگر یہ کہو کہ اس جواب میں یہ خدشہ رہا کہ پانی کا طاہر ہونا یقینی ہے اور اصل ہے لیکن یہ کون مانتا ہے کہ اموال میں اصل حلّت ہے بلکہ ان میں تو اصل حرمت ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ جو اموال ایسے ہیں کہ ان کی حرمت اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی ذات میں کوئی صفت خبیث ہو جیسے شراب اور سور کی ذات میں ہے تو وہ ایسی صفت پر مخلوق ہیں جس میں استعداد معاملات کے قبول کرنے کی تراضی سے ہو جاتی ہے جس طرح کہ پانی میں استعداد وضو کی مخلوق ہوئی ہے اور شبہ پڑا ہے وہ اسی استعداد میں ہے تو دونوں باتوں میں کچھ فرق نہ رہا کیونکہ اموال پر جب ظلم آجاتا ہے تو ان میں صفت معاملہ کے قبول کی نہیں رہتی جیسے نجاست کے آنے سے پانی میں استعداد وضو کے قبول کی نہیں رہتی تو اب دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قبضہ ایک دلیل ظاہر ملک کی ہے اور قائم مقام استصحاب کے اور اس سے قوی تر ہے اس وجہ سے کہ شریعت نے استصحاب کو قبضہ کے ساتھ لاحق کیا ہے چنانچہ اگر کسی پر دین کا دعوٰی کیا جاوے تو مدیون کا قول ہی معتبر ہو گا کیونکہ اصل تو یہی ہے کہ اس کے ذمہ کچھ نہ ہو تو یہ استصحاب ہوا کہ جو حکم پہلے تھا وہی اب باقی رہا اور جس شخص پر یہ دعوٰی ہو کہ جو چیز اس کے

قبضہ میں ہے وہ اس کی ملک ہے تو یہاں قابض کا قول معتبر ہے اس لیے کہ قبضہ قائم مقام استصحاب کے ہے کیونکہ جو چیز کسی آدمی کے قبضہ میں ہو تو اصل یہی ہے کہ اس کی ملک ہو گی جب تک کہ اس کے خلاف پر کوئی علامت معینہ دلالت نہ کرے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو چیز کسی جنس غیر محصور پر دلالت کیا کرتی ہے اور معین چیز پر دلالت نہیں کرتی اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا اگرچہ قطعی الدلالۃ ہو تو جس صورت میں کہ دلالت ظنی ہو گی اس کا اعتبار بطریق اولیٰ نہ ہونا چاہیئے مثلاً اگر کسی چیز کی نسبت معلوم ہو کہ یہ زید کی ملک ہے تو اس چیز کا حکم یہ ہے کہ بدون اجازت زید کے اس میں تصرف نہ کیا جاتے اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس کا مالک جہان میں کوئی شخص ہے مگر وہ یا اس کا وارث معلوم نہیں ہو سکتا تو ایسی ملکیت کا اعتبار نہ ہو گا اور وہ چیز مسلمانوں کی مصلحت کے لیے قرار پائے گی اور بحکم مصلحت اس میں تصرف کرنا درست ہو گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس چیز کا مالک دس یا بیس شخصوں میں ایک ہے تو اس صورت میں تصرف ممتنع ہو گا غرضکہ جس چیز کے مالک میں شک ہو کہ قابض مالک ہے یا نہیں اور جس چیز کے مالک کے باب میں یقین ہو کہ کوئی مالک ہے مگر اس کی تعیین معلوم نہ ہو تو ایسی دونوں چیزیں برابر ہیں اول کچھ دوسرے سے زائد نہ ہو گی تو ایسی چیزوں میں تصرف بمقتضائے مصلحت درست ہونا چاہیئے اور مصلحت وہ ہے جس کو ہم نے اقسام پنجگانہ میں ذکر کیا ہے پس اصل اس کی شاہد ہو گی اور کیسے نہ ہو حالانکہ ہر ایک مال لاوارث جس کا وارث نہ ملے اس کو بادشاہ مصلحتوں میں صرف کیا کرتا ہے اور مصلحتوں میں فقراء وغیرہم بھی ہیں تو جس فقیر کو بادشاہ وہ مال دے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کا تصرف اس میں نافذ ہو گا۔ اگر اس کے پاس سے کوئی چور چرا لے تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا تو دیکھو کہ غیر کی ملک میں کیسے اس کا تصرف نافذ ہوا اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ مصلحت اس بات کی مقتضی ہے کہ ملکیت اس کی طرف رجوع کرے اور وہ چیز اس کو حلال ہو جاوے اس لیے ہم نے مصلحت کے بموجب حکم کیا۔ اب اگر یہ کہو کہ صورت تو بادشاہ کے تصرف کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ کو غیر کی ملک میں بدون اس کی اجازت کے تصرف کیوں درست ہے اس کی وجہ بجز مصلحت کے اور کچھ نہیں اور مصلحت یہ ہے کہ اگر ترک کر دے تو ضائع ہو جاوے پس اگر دو صورتیں بادشاہ کو پیش ہوتی ہیں یا تو ضائع کر دے یا کسی امر ضروری میں صرف کرے اور امر ضروری میں صرف کرنا ضائع کرنے کی نسبت کہ بہتر ہے اس لیے صرف کرنے کو ترجیح دی گئی اور جس میں شک ہو اور اس کی حرمت معلوم نہ ہو اس میں مصلحت یہ ہے کہ قبضہ کی دلالت پر حکم کیا جاوے اور قبضہ والوں کی ملک میں چھوڑ دیا جائے اس لیے کہ شک کی وجہ سے ان کو ان کے ہاتھ سے نکالنا اور ان کو یہ تکلیف دینا کہ قدر حاجت پر اکتفا کریں اس سے وہ ضرور ہو گا جس کو ہم لکھ آئے ہیں اور مصلحت کی جہتیں مختلف ہیں اس لیے کہ بادشاہ کو کبھی تو اس میں مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ اس مال سے پل بنا وے۔ اور کبھی لشکر اسلام میں اس کا صرف کرنا اور کبھی فقراء کو دینا مصلحت سمجھتا ہے پس جیسی مصلحت ہوتی ہے ویسا ہی اس کا تصرف ہوتا ہے۔ اور اس طرح کے مال میں فتوے بھی مصلحت کے بموجب دائر ہے۔ اس بیان سے یہ نکلا کہ اشیاء مال میں خلق پر ان ظنوں کا مؤاخذہ نہیں جن کی سند کوئی خاص دلالت ان اشیاء میں نہ ہو جیسے کہ بادشاہ سے اور فقیروں سے، جو بادشاہ سے مال لے جاتے ہیں مواخذہ نہیں گو یہ جانتے ہیں کہ اس مال کا کوئی مالک ہے لیکن چونکہ مال معین مشار الیہ کا علم نہیں اس لیے ان

مؤاخذہ متعلق نہیں اور اس باب میں ذات مالک اور ذات املاک میں کچھ فرق نہیں یعنی اختلاط میں دونوں کا حکم یکساں ہوتا ہے۔ یہ تھا بیان شبۂ اختلاط کا اب صرف اس بات کی بحث باقی رہی کہ ماتعات اور دراہم اور اسباب ایک کے قبضہ میں اگر مل جاویں تو ان کا کیا حکم ہے اور اس کا بیان عنقریب اس فصل میں ہو گا جس میں مظالم سے بری ہونے کے طریق کی تفصیل مذکور ہے۔

تیسرا مقام شبہ پیدا ہونے کا اسباب یہ ہے کہ جس سبب سے چیز حلال ہوتی ہے اس میں کوئی معصیت مل جاوے اور یہ معصیت یا تو سبب کے قرائن یعنی ساتھ کی چیزوں میں ہوگی یا نتائج میں یا مقدمات میں یا عوض میں اور اس میں یہ شرط ہے کہ ایسی معصیت نہ ہو جو عقد کے فاسد ہونے یا سبب محلل کے باطل کرنے کا موجب ہو۔ اب ان چاروں معصیتوں کی مثالیں مذکور ہوتی ہیں۔ قرائن میں معصیت کی مثال یہ ہے کہ جمعہ کے روز اذان کے وقت بیع کرنا یا چھینی ہوئی چھری سے ذبح کرنا یا چھینی ہوئی کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹنی یا غیر کی بیع پر بیع کرنا یا دوسرے کی چکاتی چیز کو چکانا اسی طرح کی اور صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پس ایسے معاملات میں جو نہی وارد ہے اور اس سے عقد کا فساد معلوم نہیں ہوتا تو ان سے باز رہنا البتہ ورع میں داخل ہے۔ یہ نہیں کہ جو چیز اس طرح حاصل ہو اس پر حکم حرمت کا لگ جاوے اور اس قسم کا نام شبہ رکھنا بھی تسامح ہے اس لیے کہ شبہ اکثر ایسی ہی جگہ بولتے ہیں جہاں اشتباہ اور جہل ہو اور یہاں اشتباہ کچھ نہیں اس لیے کہ غیر کی چھری سے ذبح کرنے میں گناہ کا ہونا معلوم ہے اور یوں کہا جاوے ذبیحہ کا حلال ہونا بھی معلوم ہے تو اشتباہ اور جہالت نہیں کہ شبہ کہا جاوے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شبہ کو مشتق مشابہت سے کیا جاوے کہ چونکہ اس طریق سے حاصل کی ہوئی چیز مکروہ ہے مشابہ حرمت کے ہے اس لیے اس کو بھی شبہ قرار دیا گیا۔ اس صورت میں اس کو شبہ کہنا البتہ درست ہو گا ورنہ اس کا نام کراہت ہونا چاہیئے نہ شبہ۔ بہرحال جب معنی معلوم ہو گئے تو اب نام میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ فقہاء کی عادت ہے کہ الفاظ کے اطلاق میں تسامح کیا کرتے ہیں۔ پھر جاننا چاہیئے کہ اس کراہت کے تین درجے ہیں ان میں سے اوّل حرام کے قریب ہے اور اس سے ورع کرنا امر ضروری ہے اور درجۂ دوم کی انتہا ایک گونہ مبالغہ کی طرف ہے کہ گویا اس سے بچنا وسواسیوں کے ورع میں لاحق ہوتا ہے اور ان دونوں درجوں کے درمیان اور مدارج ہیں کہ وہ انہیں دونوں طرفوں کی طرف مائل ہیں۔ مثلاً اگر شکاری کتے کو چھین کر اس سے شکار کھیلے تو کراہت اس میں بہت زیادہ ہو گی بہ نسبت اس ذبیحہ کے جو غصب کی چھری سے ذبح ہوا ہو یا غصب کے تیر سے شکار ہوا ہو۔ کیونکہ کتا ذی اختیار چیز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ جو کچھ اس کتے سے شکار ملے گا وہ شکار کرنے والے کا ہو گا یا کتے کے مالک کا اور اسی کراہت کے قریب یہ ہے کہ تخم کو غصب کی زمین میں بووے ہرچند زراعت تخم والے کی ہو گی مگر اس میں شبہ ہے اور اگر مالک زمین کے لیے ہم زراعت میں حق جنس ٹھہراویں تو ثمن حرام کے مانند ہو گا مگر قیاس کے مطابق یہی ہے کہ حق زمین کے روکنے کا ثابت نہ کھا جاتے جیسے غصب کی چکی سے کوئی آٹا پیسے یا غصب کے جال سے شکار کرے کہ جال والے کا حق شکار میں کچھ نہیں اور اس کے قریب یہ ہے کہ غصب کی کلہاڑی سے لکڑیاں جمع کرے اور اس سے کمتر کراہت اس میں ہے کہ اپنی خاص ملک

کو غصب کی چھری سے ذبح کرے کیونکہ ذبیحہ کی حرمت کا تو کوئی قائل نہیں اور اسی کے قریب اذان جمعہ کے وقت بیع کرنا ہے اس لیے کہ مقصود عقد سے اس کو علاقہ ضعیف ہے مگر بعض شخص کہتے ہیں کہ عقد فاسد ہوجاتا ہے کیونکہ غایت مافی الباب یہ ہے کہ بائع اپنے ذمہ کے دوسرے واجب کو چھوڑ کر بیع میں مشغول ہو اور اگر اسی قدر سے بیع فاسد ہوجایا کرے تو چاہیئے کہ جس شخص کے ذمہ ایک درم زکوٰۃ کا ہو یا کوئی نماز قضا ہو جس کا وجوب فوراً ہو یا اس کے ذمہ کسی کا حق ایک پیسہ ہو تو اس کی بیع فاسد ہوجاوے اس لیے کہ بیع میں مشغول ہونا اس کے حق میں دوسرے واجبات کی بجاآوری سے مانع ہے اور جمعہ میں بھی اذان کے بعد صرف وجوب ہی ہوتا ہے تو جب اذان کے وقت کی بیع مانع جمعہ کے ادا کی ہوتی اور فاسد ٹھہری تو ایسی ہی اور واجبات کی بھی مانع ہونی چاہیئے اور آخر یہ ہوگا کہ ظالموں کی اولاد کا اور جن کے ذمہ ایک درم ہو ان کی اولاد کا نکاح درست نہ ہو اس لیے کہ وہ شخص نکاح کرنے میں مشغول ہوتے اور جو واجب ان کے ذمہ تھا اس کے تارک ہوتے ہاں مگر چونکہ جمعہ کے دن میں خاص کر نہی وارد ہوتی ہے اس لیے ذہن میں اس کی خصوصیت جلد آتی ہے۔ اور یہیں وجہ اس کی کراہت زیادہ ہے اور اس سے احتراز کرنے کا کچھ مضائقہ نہیں مگر کبھی نوبت وسواس کی تہ تک پہنچ جاتی ہے حتیٰ کہ جن لوگوں کے ذمہ اوروں کے حق ہوتے ہیں ان کی بیٹیوں کے نکاح اور تمام معاملات سے کنارہ کشی ہونے لگتی ہے چنانچہ کسی بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے ایک چیز مول لی پھر سُنا کہ اس نے یہ چیز جمعہ کے روز مول لی تھی تو وہ چیز اس کو پھیر دی اس خوف سے کہ کہیں اس نے اذان کے وقت نہ خریدی ہو اور یہ نہایت مبالغہ ہے کہ شک سے چیز کو پھیر دیا اگر منہیات اور مفسدات میں اس طرح کا وہم کیا جاوے تو جمعہ پر کیا منحصر ہے اور دنوں میں بھی مشکل پڑے گی اور ورع اچھی چیز ہے اور مبالغہ کرنا اس میں زیادہ اچھا ہے مگر ایک حد معین تک ہی خوب ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] ھلک المتنطعون یعنی ہوتے مبالغہ کرنے والے پس ان جیسے مبالغات سے احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ ہر چند مبالغہ کرنے والے کو تو ایسا مبالغہ مضر نہیں کرتا مگر غیر کو اس سے اکثر یہ وہم ہوجاتا ہے کہ ایسا مبالغہ ضروری ہے پھر اس سے کمتر بھی عاجز ہوجاتا ہے اور سرے سے ورع کو ترک کر دیتا ہے چنانچہ اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی یہی حالت ہوگئی ہے کہ اول اپنے اوپر راہ تنگ کی اور جب اس کی بجاآوری سے ناامید ہوتے تو اس کو چھوڑ دیا غرضکہ جیسے طہارت کے وسواسی کبھی طہارت سے عاجز ہو کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح جو لوگ حلال کے باب میں وسواس کرتے ہیں اور ان کے وہم میں جم گیا ہے کہ دنیا کا تمام مال حرام ہے انہوں نے بھی تمیز حلال وحرام کی اٹھا ڈالی ہے اور یہ عین گمراہی کی بات ہے اور نتائج میں معصیت کی مثال یہ ہے کہ جس تصرف کے کرنے سے آئندہ کو معصیت ہو وہ اس کی مثال ہو سکتا ہے ان میں سے زیادہ کراہت ان مسائل میں ہے کہ انگور کو شراب بنانے والے کے ہاتھ فروخت کرے یا غلام امرد کو ایسے کے ہاتھ بیع کرے جو اغلام میں مشہور ہو یا تلوار کو رہزنوں کے ہاتھ بیچے۔ اور علماء کو ان میں اختلاف ہے کہ یہ معاملات صحیح ہیں یا نہیں اور ان سے جو ثمن آتا ہے وہ حلال ہے یا نہیں اور قیاس کے بموجب یہ ہے کہ یہ عقود صحیح ہیں اور جو ثمن لیا جاتا ہے وہ حلال ہے۔ ہاں عاقد اہل عقد کے سبب سے گنہگار ہے جیسے غصب کی چھری سے ذبح کرنے

[1] مسلم بروایت ابن مسعودؓ

سے گنہگار ہوتا ہے اور ذبیحہ حلال ہوتا ہے اس لیے کہ عاقد کو گناہ اسی بات کا ہے اس نے معصیت پر دوسرے کی اعانت کی مگر یہ بات ذات عقد سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی اور جو ثمن اس وجہ سے لیا جاتا ہے وہ سخت مکروہ ہے اور اس کا نہ لینا ورع مہم میں متصور ہے مگر حرام نہیں اور اسی کے قریب کراہت اس میں ہے کہ انگور ایسے کے ہاتھ فروخت کرے جو شراب پیتا ہو اور بناتا نہ ہو یا تلوار ایسے شخص کے ہاتھ بیچے کہ وہ جہاد بھی کرتا ہو کیونکہ اس صورت میں ایک احتمال دوسرے سے متعارض ہے۔ اور اکابر سلف نے فتنہ کے وقت میں تلوار کو بیچنا مکروہ جانا ہے اس خوف سے کہ کہیں ظالم مول نہ لیوے تو یہ ورع پہلے کی نسبت کر زیادہ ہے اور اس میں کراہت کمتر ہے اور اس کے بعد درجۂ مبالغہ ہے کہ گویا وسواس میں مل جاتا ہے اور وہ یہ صورت ہے کہ بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ کاشتکاروں کے ساتھ معاملہ آلات زراعت کا جائز نہیں اس لیے کہ وہ ان آلات سے زراعت پر مدد لیتے ہیں اور غلہ کو ظالموں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں اس وجہ سے ان کے ہاتھ بیلوں اور ہلوں اور دوسرے آلات کا بیچنا نہ چاہیئے تو یہ ورع وسوسہ کا ہے کیونکہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ کاشتکار کے ہاتھ غلہ فروخت نہ کیا جائے کیونکہ اس سے بھی تو وہ زراعت پر تقویت پاوے گا اور نہ اس کو پانی دینا چاہیئے جو خاص کاشتکاروں ہی کے لیے ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ نوبت اسی مبالغہ کو پہنچ جاوے گی جس سے حدیث میں ممانعت ہوئی اور جو شخص کہ بقصد خیر کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر علم محقق اس کو نہیں روکتا تو وہ زیادتی ضرر کرتا ہے اور کیا عجب ہے کہ کسی ایسی بات پر اقدام کر بیٹھے جو دین میں بدعت ہو اور اس کے بعد لوگوں کو اس بدعت سے ضرر ہو اور وہ یہی خیال کرتا ہو کہ میں خیر میں مشغول ہوں اور یہیں وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ح۱ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنیٰ رجل من اصحابی والمتعظون ھم الذین یخشیٰ علیھم ان یکونوا ممن قیل فیھم الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھُم یحسبون انھم یحسنون صنعا ط حاصل یہ کہ آدمی کو نہ چاہیے کہ ورع کے دقائق کے بدون کسی عالم زبردست کے پوچھے مشغول ہو اس لیے کہ اگر بدون سنے اپنے ذہن سے کوئی بات تراشے گا اور جس قدر اس کے لیے مقرر ہے اس سے تجاوز کرے گا تو جس قدر اس کے فعل سے خرابی ہوگی وہ اصلاح کی نسبت کر زیادہ ہوگی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنا انگور کا باغ جلا دیا تھا اس خوف سے کہ کہیں اس کے انگور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ ہوں جو شراب بناتا ہو، اس کی وجہ ہم کو معلوم نہیں ہوتی شاید کوئی اور سبب خاص موجب جلانے کا آپ کو معلوم ہوا ہوگا ورنہ جو لوگ صحابہؓ میں آپ سے زیادہ رفیع القدر تھے انہوں نے ایسا نہیں کیا علاوہ ازیں اگر یہ بات درست ہو تو چاہیے کہ زمانہ کے خوف سے ذکر کا کاٹ ڈالنا اور جھوٹ کے ڈر سے زبان کو قلم کرنا اور اسی طرح اور اعضاء کا تلف کرنا درست ہو جاوے۔

اور مقدمات میں بھی معصیت کے آنے کے تین درجے ہیں سب میں بڑا درجہ جس میں سخت کراہت ہے یہ ہے کہ معصیت کا اثر لی ہوئی چیز میں باقی رہے۔ مثلاً جس بکری نے غصب کی گھاس کھائی ہو یا چراگاہ حرام میں چری ہو اس کو کھانا کہ غصب سے گھاس کھلانا معصیت ہے اور یہی اس کی بقا کا سبب ہے اور غالباً اس کا گوشت اور خون اور اجزا اسی گھاس ہی سے ہوں گے اور یہ ورع ضروری ہے گو واجب نہیں اور سلف کے بہت سے لوگوں سے ایسا

ح ۱ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت کسی ادنیٰ آدمی پر میرے اصحاب سے اور مبالغہ کرنیوالے وہی ہیں جن پر یہ خوف ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کی شان میں کہا گیا ہے وہ لوگ کہ ان کی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام اسکی سند باب العلم میں گذری ۱۲

ورع منقول ہے۔ چنانچہ ابو عبداللہ طوسی بروغندیؒ کے پاس ایک بکری تھی جس کا دودھ پیا کرتے تھے ہر روز اس کو گردن پر لاد کر جنگل میں چھوڑتے اور وہ چرتی رہتی اور خود نماز پڑھتے ایک روز ایک ساعت اس سے غفلت ہو گئی وہ بکری ایک باغ کے کنارے پر انگور کے پتے کھانے لگی اس کو باغ ہی میں چھوڑ کر چلے آئے اور پکڑ لانا حلال نہ سمجھا اب اگر یہ کہو کہ حضرت عمرؓ کے بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ نے کچھ اونٹ لے کر رمنہ میں چھوڑ دیتے وہ چر کر موٹے ہو گئے حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ تم نے ان کو رمنہ میں چرایا ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے ان سے نصف اونٹ لے لیے تو اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی رائے میں جو گوشت کہ گھاس سے پیدا ہوا وہ گھاس والے کا تھا پس اس صورت میں ایسا جانور حرام ہونا چاہیئے نہ مکروہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گوشت گھاس والے کا نہیں ہوتا اس لیے کہ گھاس کھانے سے جاتی رہتی ہے اور گوشت ایک نئی پیدائش ہے عین گھاس نہیں پس شرعاً گھاس والا اس میں شریک نہیں اور حضرت عمرؓ نے لڑکوں سے گھاس کی قیمت کا تاوان لیا اور گھاس کی قیمت آپ کی رائے میں نصف اونٹوں کے برابر تھی اس لیے تخمیناً اجتہاد سے نصف اونٹ لے لیے جیسے سعد بن ابی وقاصؓ جب کوفہ سے آئے تھے تو ان سے بھی نصف مال لے لیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے نصف لے لیا تھا کیونکہ آپ نے دیکھا کہ عامل سب کا مستحق نہیں بقدر اجرت عمل اس کو ملنا چاہیئے تو نصف مال کو ان کے عمل کے عوض میں کافی سمجھا اور یہ نصف بھی اجتہاد ہی سے ٹھہرایا تھا۔ درجۂ دوم وہ ہے جو بشیر بن حارثؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس پانی کو نہیں پیا جو ظالموں کی کھدوائی ہوئی نہر میں بہتا تھا اس لیے کہ نہر کے باعث وہ پانی ان تک پہنچا اور نہر کے کھودنے میں خدائے تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی تھی، اور کسی دوسرے بزرگ نے اس باغ کے انگور نہ کھائے جس کو ظالموں کی کھودی ہوئی نہر سے پانی دیا تھا یہ رتبہ اول کی نسبت کر بلند ہے اور ورع اس میں بہت زیادہ ہے اور ایک اور شخص اس پانی کے پینے سے باز رہا جو راستوں پر بادشاہی حوضوں میں رہتا ہے اور ان سب سے بڑھ کر ذوالنون مصریؒ کا ورع ہے کہ محبس میں حلال کھانا جو داروغۂ محبس کے ہاتھ ان کے پاس گیا تو نہ کھایا اور فرمایا کہ یہ کھانا ظالم کے ہاتھ سے میرے پاس آیا اور ان رتبوں کے درجے غیر منحصر ہیں۔ تیسرا رتبہ جو قریب وسواس اور مبالغہ کے ہے یہ ہے کہ ایسے حلال کھانے سے باز رہے جو کسی گناہ گار کے ہاتھوں پہنچے مثلاً کسی نے زنا کیا ہو یا گالی دی ہو تو ایسے شخص کے ہاتھوں اگر پہنچے تو اس کو بھی نہ کھاوے اور اس کا حال ایسا نہیں جیسا غذائے حرام کھانے والے کا ہے کیونکہ اس صورت میں پہنچانے والی چیز وہ قوت ہے جو غذائے حرام سے پیدا ہوئی اور زنا اور گالی ایسی چیز نہیں جن سے قوت چیز کے لے جانے کی پیدا ہو۔ غرضکہ حلال کھانا اگر کافر کے ہاتھ پہنچے تو اس سے باز رہنا بھی وسواس ہے بخلاف حرام کھانے کے کیونکہ کفر کھانا اُٹھانے سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا اور اگر اس طرح کی احتیاط کی جاوے تو انجام کو یہ نوبت پہنچے گی کہ جس شخص نے غیبت یا جھوٹ یا کوئی اور ایسا گناہ کیا ہو اس کے ہاتھ سے بھی کوئی چیز نہ لیجاوے اور یہ نہایت درجہ کا غلو اور اسراف ہے۔ غرضکہ ورع میں وہ بات لحاظ رکھنی چاہیئے جو ذوالنون مصریؒ اور بشیر بن حارثؒ کے ورع میں معلوم ہو چکی کہ جو سبب موصل میں معصیت سے ورع کیا تھا مثلاً نہر اور ہاتھ کا زور کہ غذا حرام سے حاصل ہوا تھا سبب موصل تھے۔ ان سے ورع کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اب اگر کوئی اس

پر قیاس کر کے آبخورے سے پانی نہ پیوے اس وجہ سے کہ جس کمہار نے یہ کوزہ بنایا تھا اس نے ایک روز خدا کی معصیت کی تھی کہ کسی آدمی کو مارا تھا یا گالی دی تھی تو یہ ورع وسواس ہوگا اسی طرح اگر اس بکری کا گوشت نہ کھاوے جس کو کوئی شخص حرام کھانے والا ہانک کر لایا ہو تو یہ بھی ویسی صورت نہیں جیسے داروغۂ محبس کے ہاتھوں کھانا گیا تھا اس لیے کہ کھانے کو داروغہ کی قوت پہنچاتی ہے اور بکری اپنے آپ چلی جاتی ہے ہانکنے والے کا صرف اتنا کام ہے کہ راستہ سے اور طرف نہیں جانے دیتا پس اس سے ورع کرنا بھی وسواس کے قریب ہے۔ اب دیکھو کہ یہ باتیں جن امور کے بیان کی مقتضی تھیں ان کو ہم نے کیسے درجہ وار بیان کر دیا اور اس کے بعد یہ جاننا چاہیئے کہ درجات علمائے ظاہر کے فتوے سے خارج ہیں فقیہ کا فتوٰی صرف درجہ اول پر خاص ہے جس کے لیے تمام خلق کو حکم شرعی ہو سکتا ہے اور اگر سب اس کی تعمیل کرنے لگیں تو دنیا ویران نہ ہو۔ لیکن ورع متقیوں اور صالحوں کا ایسا نہیں کہ علمائے ظاہر کا فتوٰی اس کے لیے ہو سکے بلکہ اس بات میں فتوٰی وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہؓ کو فرمایا[ع۱] استفت قلبك وان افتوك وافتوك[ع] اور واقع میں دل سے معلوم بھی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے[ع۲] الاثم حواز القلوب تو اگر مرید کے دل میں ان سببوں میں کوئی سا کھٹکے اور باوجود دل کھٹکنے کے اس پر اقدام کرے گا تو بیشک ضرر پاوے اور جتنا کھٹکا اس کو معلوم ہوتا ہوگا اسی قدر دل تاریک ہو جاتے گا بلکہ جو چیز خدا کے علم میں حرام ہے اور مرید اس کو حلال خیال کر کے بدوں کھٹکے اس پر اپنی دانست کے بموجب اقدام کرے گا تو یہ امر اس کے دل کی سختی میں مؤثر نہ ہوگا۔ اور اگر ایسی چیز پر اقدام کرے گا جو علمائے ظاہر کے فتوٰی کی رو سے حلال ہے مگر اس کے دل میں کھٹکتی ہے تو یہ اس کو مضر نہ ہوگی اور ہم نے جو غلو اور مبالغہ سے منع کیا ہے اس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ دل صاف اور معتدل ان جیسی باتوں میں کچھ خلش نہیں پاتا لیکن اگر کسی وسواسی کا دل اعتدال سے پھر جاتے اور اس میں خلش دل پاوے اور باوجود دل کی خلش کے اس پر جرأت کرے تو اس کو ضرر ہوگا کیونکہ جو معاملہ اس میں اور خدائے تعالیٰ میں ہے اس کے دل کا فتوٰی معتبر ہوگا اور اسی کے بموجب اس سے مؤاخذہ ہوگا اور یہی وجہ جس شخص کو طہارت میں یا نماز کی نیت میں وسواس ہوتا ہے اس پر تشدّد کیا گیا ہے یعنی جب اس کے دل پر امر غالب ہو کہ تین دفعہ کے بہانے میں تمام اجزاء پر پانی نہیں پہنچا اس لیے کہ وسوسہ غالب ہے تو اس پر واجب ہے کہ چوتھی بار پانی استعمال کرے اور یہ حکم خاص اسی شخص کے حق میں ہے اگر نفس الامر میں وہ اس بات میں خطاوار ہے۔ غرضکہ ان لوگوں نے خود تشدّد کیا تو خدائے تعالیٰ نے بھی ان پر تشدّد کیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب گائے کے باب میں بہت سوال کیے تو اس طرف سے بھی ویسا ہی تشدّد ہوتا گیا اگر اوّل ہی دفعہ کے حکم میں لفظ بقرہ پر کاربند ہوتے اور کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا۔ پس ان دقائق کو بھولنا نہ چاہیئے جن کو ہم نے نفیاً اور اثباتاً مکرر لکھا ہے کیونکہ جو شخص کلام کی ماہیّت پر مطلع اور اس کے مضامین پر واقف نہیں ہوتا وہ اس کے مقاصد کے دریافت کرنے میں عجب نہیں کہ لغزش کر جاتے اور عوض میں معصیت کے بھی کئی درجے ہیں سب سے بڑا درجہ جس میں کراہت بہت ہے یہ ہے کہ کوئی چیز

ع۱ اس کا ترجمہ اوپر گذرا اور سند پیشتر گزر چکی ۱۲ ع۲ گناہ دل میں کھٹکا کرتا ہے ۱۲ اسکی سند باب العلم میں گذری ۱۲

ادھار مول لے اور اس کا ثمن مال غصب یا حرام سے ادا کرے اب اس صورت میں دیکھا جائے گا اگر اس کو بائع نے قبض ثمن سے پیشتر مبیع کو اپنے دل کی خوشی سے حوالہ کیا ہوگا اور مشتری نے ثمن ادا کرنے سے پہلے اس کو کھالیا ہو تب تو وہ حلال ہوگا اور اس کا ترک کرنا بالاجماع واجب نہیں یعنی ادائے ثمن سے پیشتر کسی کے نزدیک یہ واجب نہیں کہ ایسی چیز نہ کھاوے اور نہ ورع مؤکد میں داخل ہے پھر اگر ثمن بعد کھانے کے مال حرام سے ادا کیا تو ایسا ہوگا کہ گویا ادا ہی نہیں کیا اور اگر بالفرض ادا ہی نہ کرتا تو حق بائع کا یعنی دین اس کے ذمہ رہتا مگر وہ مال حرام نہ ہو جاتا پھر حرام سے ثمن ادا کرنے پر اگر بائع اس کو بری کر دے اور جانتا بھی ہو کہ اس نے مجھ کو مال حرام دیا ہے تو مشتری بری الذمہ ہو جاوے گا اور اس پر صرف اتنا گناہ رہے گا کہ حرام کے روپیوں میں اس نے تصرف کیا اور بائع کے حوالہ کیے اور اگر بائع نے یہ سمجھ کر بری کیا کہ ثمن حلال ہے تو مشتری بری نہ ہوگا کیونکہ وہ تو یہ جان کر بری کرتا ہے کہ میں نے اپنا حق بھر پایا اور حرام کا روپیہ اس قابل نہیں کہ اس سے حق بھر پاوے اور اگر بائع نے اس کو بخوشی خاطر وہ چیز نہ دی تھی مگر مشتری نے لے لی تو اب مشتری کو اس کا کھانا حرام ہے خواہ ثمن مال حرام سے اول ادا کرے یا بعد کھانے کے کیونکہ اس باب میں فتوے جو ہم دیکھتے ہیں وہ یہی ہے کہ بائع کو مبیع کے روکنے کا حق اس وقت تک ثابت ہونا چاہیے جب تک کہ اس کی ملک ثمن میں متعین ہو جاوے جیسے مشتری کی ملک متعین ہوگئی ہے اور اس کے روکنے کا حق دو طرح سے ہو جاتا ہے یا مشتری کو معاف کر دے یا اس سے پورا حق بھر پاوے اور یہاں دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہوئی، تو اب مشتری جو اپنی ملک کھاتا ہے اور وہ اس کے کھانے سے گنہگار ہوتا ہے جیسے راہن غلہ گرو کرے اور بدون اذن مرتہن کے اس کو کھا جاوے تو وہ بھی گو اپنی ملک کھاتا ہے مگر گنہگار ہے اور اس طرح اپنی ملک کھانے میں اور غیر کا مال کھانے میں فرق ہے مگر اصل حرمت دونوں میں شامل ہے۔ یہ صورت اس وقت ہے کہ مبیع کو ثمن دینے سے پیشتر لیوے خواہ بائع کے دل کی خوشی سے خواہ بدون اس کے دل کی خوشی کے۔ لیکن جس صورت میں کہ ثمن مال حرام سے اولاً ادا کر دے پھر مبیع کو لیوے تو اگر بائع جانتا ہو کہ ثمن حرام ہے اور باوجود اس کے مبیع حوالے کر دے تو اس کا حق مبیع کے روکنے کا باطل ہو جاویگا اور اس کا دام مشتری کے ذمہ پر رہے گا کیونکہ جو کچھ بائع نے لیا ہے وہ ثمن نہیں اور ثمن کے باقی رہنے سے مشتری کو مبیع کا کھانا حرام نہ ہوگا اور اگر بائع کو معلوم نہیں کہ ثمن حرام ہے لیکن اگر ایسا ہے کہ اگر معلوم ہوتا تو وہ مبیع کو نہ دیتا اور نہ ثمن سے راضی ہوتا تو اس جہالت سے اس کا حق مبیع کے روکنے کا باطل نہ ہوگا۔ اس صورت میں مشتری کو مبیع کا کھانا حرام ہے جیسے مرہون چیز کو بدون اذن مرتہن کے کھانا حرام ہے۔ یہاں تک کہ بائع اس کو بری کر دے یا مشتری بائع کو مال حلال سے ثمن ادا کر دے یا خود بائع مال حرام سے راضی ہو کہ مشتری کو دام معاف کر دے تو معاف کرنا بائع کا درست ہوگا مگر حرام پر راضی ہو جانا صحیح نہ ہوگا۔ غرضکہ مقتضائے فقہ اور حکم کا اس درجہ میں یہ ہے جو اوپر بیان حلت اور حرمت کا کیا گیا اب ایسے درجہ سے احتراز کرنے کو معلوم کرنا چاہیئے کہ اس سے احتراز ورع ضروری ہے کیونکہ معصیت[ع۵] جب

ع۵ سبب موصل الخ اصل کا مقصود یہ ہے کہ جو سبب کسی چیز کو پہنچانے والا ہے اگر کراہت اس میں جم جاوے تو ایسے سبب سے جو چیز ملی ہے اس میں سخت کراہت ہوگی ۱۲ سید صدیق مسلم

سبب موصل سے شروع ہو کر چیز میں جم جاتی ہے تو اس میں کراہت بہت سخت ہو جاتی ہے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور موصل سببوں میں سب سے قوی ثمن ہے اگر بالفرض ثمن حرام نہ ہوتا تو بائع اپنی چیز کو مشتری کے حوالے کرنے پر کب راضی ہوتا لیکن ثمن سے بائع کا راضی ہونا مبیع کو سخت مکروہ ہونے سے خارج نہیں کرتا صرف اتنی سی بات ہے کہ عدالت اس سے نہیں جاتی مگر تقویٰ اور ورع کا درجہ اس سے جاتا ہے اور اگر بادشاہ کوئی تھان یا زمین اُدھار مول لے اور اس کو بائع کی خوشی سے ثمن ادا کرنے سے پہلے قبضہ کر کے کسی عالم وغیرہ کو انعام خواہ خلعت میں دے ڈالے اور اس کو شک ہو کہ اس کا دام نہ معلوم حلال سے ادا کرے گا یا حرام سے تو اس کی کراہت خفیف ہے بہ نسبت پہلے درجہ کے، اس لیے کہ یہاں اس بات میں شک ہے کہ ثمن میں معصیت داخل ہو گی یا نہیں، اور کراہت کا خفیف ہونا اسی حساب سے ہو گا جتنا اس بادشاہ کے مال میں حرام کی قلت یا کثرت ہو گی یا غلبہ ظن سے اس کا حال معلوم ہوتا ہو گا اور بعض صورت دوسری کی نسبت کہ سخت تر ہو گی اور اس میں اس بات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جو دل میں خلش کرے **درمیانی** درجہ یہ ہے کہ عوض نہ غصب ہو نہ حرام مگر کسی گناہ کا آمادہ کرنا ہو ثمن کے عوض انگور ایسے شخص کو دینے جو شراب پیتا ہو، یا تلوار راہزن کو دینی، تو ایسی طرح ثمن کے عوض دینے سے وہ مبیع جو ادھار لی تھی حرام نہیں ہو جاتی مگر اس پر حکم کراہت کا لگتا ہے اور یہ کراہت اس سے کم ہے جو غصب کے اندر تھی اور اس رتبہ کے درجات بھی اسی قدر متفاوت ہوتے ہیں جتنا ثمن کے لینے والے پر معصیت کا غلبۂ ظن یا احتمال کم ہوتا ہے، اور جس صورت میں کہ عوض عمل حرام ہو تو اس کا بدل حرام ہوتا ہے اور اگر اس کی حرمت متحمل ہو اور ظن سے مباح کیا جائے تو اس کا بدل مکروہ ہوتا ہے۔ اور میرے نزدیک کسب پچھنے لگانے والے کی کراہت اسی قاعدہ کے بموجب ہے اس لیے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند بار منع فرمایا[ح۱] پھر یہ اجازت دی کہ اس کو اپنے پانی بھرنے والے اونٹ کو کھلاوے اور بعض لوگ جو یہ وہم کرتے ہیں کہ اس کے کسب کی کراہت کا سبب نجاست اور غلاظت کی مباشرت ہے تو یہ وہم فاسد ہے اس لیے کہ مباشرت نجاست باعث کراہت کسب کا ہو، تو چاہیئے کہ دباغ اور جاروب کش کے کسب میں بھی کراہت ہو حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور اگر بالفرض ان کی اُجرت بھی کسی کے نزدیک مکروہ ہو تو قصائی کے باب میں یہ قاعدہ نہ چل سکیگا کیونکہ اس کا کسب تو گوشت کا بدل ہے اور گوشت بذاتہٖ مکروہ نہیں تو اس کا بدل کیسے مکروہ ہو گا حالانکہ مباشرت نجاست اور غلاظت کی قصائی میں پچھنے والے اور فصاد کی نسبت کہ زیادہ ہے کیونکہ پچھنے والا خون شاخ سے نکالتا ہے اور اس کو روئی میں پوچھتا ہے اور قصائی اکثر ہاتھ ہی سے غلاظت کو دور کرتا ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ پچھنے لگانے اور فصد کھولنے میں خون کا نکالنا ہوتا ہے جس سے آدمی کی حیات قائم ہے تو اصل اس میں حرمت ہے اور حلال صرف ضرورت کی جہت سے ہوتا ہے اور ضرورت کا معلوم ہونا گمان اور اجتہاد سے ہوتا ہے تو کیا عجب ہے کہ فصد کو مفید گمان کیا جاوے اور وہ مضر پڑے اور خدا کے نزدیک حرام ٹھہرے۔ مگر ظن اور تخمین کے اعتبار سے اس کی حلت کا حکم دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے فصاد کو لڑکے اور غلام اور بیہوش کی فصد کھولنی بدون اُن کے ولیوں کی اجازت اور طبیب کے کہنے کے درست نہیں اور اگر فصد کھولنا ظاہر میں حلال نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[ح۲] پچھنے لگانیوالے کو

ح۱ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ بروایت والصہ ۱۲ ح۲ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس منقول ہے کہ آپ نے اجرت عنایت فرمائی ۱۲

اجرت عطا نہ فرماتے اور اگر اس میں احتمال حرمت نہ ہوتا تو اس اجرت سے منع نہ فرماتے۔ اب ان دونوں صورتوں کا جمع کرنا بدون اس علت کے جو ہم نے بیان کی ممکن نہیں اور اس صورت کو چاہیے یوں تھا کہ ہم سبب کے قرائن مقرونہ میں لکھتے اس وجہ سے کہ یہ انہیں سے زیادہ قرب رکھتی ہے اور سب سے نیچے کا رتبہ وسواس کا درجہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص قسم کھاوے کہ اپنی ماں کا کاتا نہ پہنوں گا پھر اس کا سوت بیچ کر اس سے کپڑا مول لے کر پہنے تو اس میں کچھ کراہت نہیں اور اس سے احتراز وسواس ہے۔ اور حضرت مغیرہؓ سے مروی ہے کہ یہ حیلہ درست نہیں، اور انہوں نے اپنے قول کا شاہد یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کو لعنت کی[ح ۱] اس لیے کہ ان پر شراب حرام کی گئی تھی۔ انہوں نے اس کو بیچا اور اس کا دام کھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شے اپنے اوپر حرام ہو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے انتفاع بھی درست نہیں، اور یہ قیاس مغیرہؓ کا درست نہیں اسلیے کہ شراب کی بیع باطل ہے کیونکہ شریعت میں اس کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہا۔ اور بیع باطل کا ثمن حرام ہوا کرتا ہے اور یہ صورت سوت کے بیچنے کی شراب کے مانند نہیں بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی ایک لونڈی کا مالک ہے جو اس کے دودھ کی بہن ہو اور پھر اس کو ایک اور اجنبی لونڈی سے بدل لے تو اب اس اجنبی لونڈی سے ورع کرنا وسواس ہے اور اس طرح کا ورع نہایت غلو ہے اور ہم نے سب درجات کو اور ان کے درمیان میں بتدریج داخل ہونے کی کیفیت کو بیان کر دیا ہے اور ہر چند ان درجات کا تفاوت تین یا چار یا اور کسی عدد میں منحصر نہیں لیکن شمار سے مقصود تسہیل اور فہمائش ہے۔ اب اگر کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح ۲] جو کوئی ایک کپڑا دس درم کو مول لے جن میں ایک درم حرام کا ہو تو اللہ تعالےٰ اس کی نماز قبول نہ کرے گا جب تک اس کے بدن پر وہ کپڑا رہے گا، پھر حضرت ابن عمرؓ نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں دیں اور فرمایا کہ یہ دونوں بہرے ہو جاویں اگر میں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ سُنی ہو، تو اس کا جواب یہ ہے حدیث میں انہیں کا ذکر ہے جو معین روپیوں سے خریدے، ادھار خریدنے کا ذکر نہیں اور جس صورت میں کہ ادھار پر ہو تو ہم نے اکثر صورت میں حرمت کا حکم کیا ہے اس پر اس کو بھی محمول کرنا چاہیے۔ علاوہ اس کے بہت سی ملکیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر وعید نماز کے قبول نہ ہونے کا پایا جاتا ہے۔ کسی گناہ کے باعث سے جو اس ملک کے سبب میں آگیا ہے مگر باوجود اس کے فساد عقد نہیں پایا جاتا جیسے اذان جمعہ کے وقت خریدی چیز وغیرہ

چوتھا مقام شبہ رفع ہونے کے دلائل اور ان میں اختلاف

اس لیے کہ دلیلوں کا اختلاف ایسا ہے جیسے سبب میں اختلاف ہو کیونکہ سبب حلت اور حرمت کا سبب ہوتا ہے اور دلیل حلت اور حرمت کی معرفت کا سبب پڑتی ہے تو دلیل معرفت حق میں سبب ہوئی اور جب تک کہ دلیل بندہ کی معرفت میں ثابت نہ ہو گی تب تک اس سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ نفس الامر میں تو وہ ثابت ہی ہے اور دلیلوں کا اختلاف شریعت کی دلیلوں کے تعارض سے ہوتا ہے یا علامات دالہ

ح ۱ اس طرح مجھ کو نہیں ملی معروف یہ ہے کہ چربی ان پر حرام ہوئی تھی اسکو گلا کر اور بدل کر کھایا چنانچہ صحیحین میں بروایت جابرؓ منقول ہے ۱۲ ح ۲ اس باب کے شروع میں اس کی سند گزر گئی ۱۲

کے تعارض سے یا اشباہ و نظائر کے اختلاف سے۔
قسم اوّل یہ ہے کہ شریعت کی دلیلوں کا تعارض ہو مثلاً دو آیتیں عام قرآن مجید کی یا دو حدیثیں یا دو قیاس ایک دوسرے کے متعارض ہوں یا ایک قیاس اور ایک عام آیت یا حدیث متعارض ہو اور یہ سب قسمیں تعارض کی شک کے موجب ہوتی ہیں اور ان اصولوں میں اسی اصل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو پہلے سے معلوم ہو اگر کوئی ترجیح نہ ہو۔ پھر اگر حرمت کی جانب ترجیح ہوگی تو اس ترجیح کو اختیار کرنا واجب ہے اور اگر جانب حلت کو ترجیح ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے مگر اس سے ورع کرنا اچھا ہے اور ورع کے باب میں خلاف کی جگہوں سے بچنا مفتی اور مقلد دونوں کے حق میں ضروری ہے مگر مقلد کو جائز ہے۔ کہ جس مفتی کو سمجھے کہ یہ تمام شہر کے علماء سے افضل ہے اس کے قول اور فتویٰ پر عمل کرے اور مفتی کا افضل ہونا لوگوں کے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے طبیب کا شہر کے طبیبوں سے افضل ہونا سننے اور قرینوں سے پہچانا جاتا ہے گو طبیب اچھی طرح نہ جانتا ہو اور فتویٰ لینے والے کو یہ جائز نہیں کہ مذہبوں میں سے جس میں زیادہ گنجائش اور اپنے لیے سہولت دیکھے اس کو چھانٹ لے بلکہ اس کو چاہیے کہ تلاش کرتا رہے یہانتک کہ اس کو ظن غالب کسی کے افضل ہونے کا ہو جاوے پھر اس مذہب کا اتباع ایسی طرح کرے کہ ہرگز اس کی مخالفت نہ کرے۔ ہاں اگر اس کا امام کسی چیز کا فتویٰ دے اور اس میں کسی اور امام کا خلاف بھی پایا جاتا ہو تو ایسی طرح عمل کرنا کہ دونوں قولوں پر عمل ہو اور خلاف سے بچنا ورع مؤکد میں داخل ہے اسی طرح اگر مجتہد کے عندیہ میں دلیلیں متعارض ہوں اور ظن اور تخمین سے حلت کی جانب کو ترجیح معلوم ہوتی ہو تو اس کے حق میں ورع یہ ہے کہ اس چیز سے خود اجتناب کرے۔ چنانچہ سلف کے مفتی بہت چیزوں کی حلت کا فتویٰ دیا کرتے تھے مگر ورع کی جہت سے خود ان پر اقدام نہ کرتے تھے کہ شبہ سے محترز رہیں پس اس کو بھی ہم تین مرتبوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا مرتبہ وہ ہے کہ اس سے احتراز کرنے میں نہایت درجہ کا استحباب ہو اور یہ وہ صورت ہے جس میں مخالف کی دلیل قوی ہو اور دوسرے مذہب کی ترجیح کی وجہ دقیق ہو تو ایسی صورت میں مستحب مؤکد یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جاوے۔ مثلاً شکاری کتا تربیت یافتہ جو شکار پکڑ کر خود کھانے لگے تو اس شکار کے کھانے سے تو ورع ضروری ہے اگر مفتی فتویٰ دے کہ وہ حلال ہے اسلیے کہ اس باب میں ترجیح بہت باریک ہے اور ہم نے اختیار کر لیا ہے کہ وہ شکار حرام ہے اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے قیاس کے مطابق یہی ہے اور جس صورت میں کہ امام شافعیؒ کا کوئی نیا قول موافق مذہب امام ابوحنیفہؒ یا کسی اور امام کے پایا جاوے تو اس میں ورع کرنا ضروری ہوگا گو مفتی دوسرے قول کے بموجب فتویٰ دیوے۔ اور اسی قبیل سے ہے احتراز کرنا اس جانور سے جس کے ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اس باب میں قول امام شافعی کا مختلف نہ ہو۔ اس لیے کہ آیت میں بظاہر بسم اللہ کہنے کا وجوب ہے اور اخبار اس باب میں متواتر د ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جس کسی نے شکار کا حال دریافت کیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ جب تو اپنے کتے تعلیم یافتہ کو چھوڑ دے اور اس پر بسم اللہ کہے تو اس شکار کو کھا اور مکرر ایسا ہی ارشاد منقول ہے اور ذبح کرنا بسم اللہ ہی پر مشہور ہو رہا ہے اور یہ سب[۲ح]

ح بخاری و مسلم بروایت عدی بن حاتم وابی ثعلبۃ الخشنی ۱۲ ۲ح بخاری و مسلم بروایت رافع بن خدیج ۱۲

باتیں اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ بسم اللہ وقت ذبح مشروط ہے لیکن چونکہ یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی صحیح ہے[1] المومن یذبح علیٰ اسم اللہِ تعالیٰ سمّٰی او لم یسمّ اور یہ حدیث دو احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ عام ہو اور آیت واحادیث کو ان کے ظاہری معنوں سے بدل دیوے۔ اور ایک یہ کہ یہ حدیث بھولنے والے کے لیے خاص ہو۔ اور آیت اور احادیث اپنے معنی ظاہری پر رہیں اور ان میں کوئی تاویل نہ کی جائے۔ اس دوسرے احتمال کے ممکن ہونے کی یہ وجہ ہے کہ بھولنے والا بسم اللہ کے چھوڑنے میں معذور ہے اور احتمال اوّل کو رکھنا اور آیت کی تاویل کرنی زیادہ قریب الامکان تھی اس جہت سے ہم نے اسی کو ترجیح دی اور جو کوئی احتمال اس کے مقابل ہو اس کا انکار نہیں کیا جاتا غرضکہ ایسے جانور سے اجتناب کرنا ضروری ہے اور اوّل درجہ میں داخل ہے۔

دوسرا مرتبہ وسواس حدیث کے درجہ کے قریب ہے وہ یہ کہ آدمی اس بچے کے کھانے سے ورع کرے جو مذبوح جانور کے پیٹ سے نکلے یا ضبّ یعنی سوسمار کے کھانے سے احتراز کرے حالانکہ صحیح حدیث[2] میں آچکا ہے کہ بچہ کا ذبیح ہونا اس کی ماں کے ذبح ہونے سے ہوجاتا ہے اور اس حدیث کی صحت اس درجہ پر ہے کہ نہ تو کوئی احتمال اس کے متن میں ہے اور نہ کوئی ضعف اس کی سند میں اور اسی طرح صحیح ہوا ہے کہ ضبّ یعنی گوہ آنحضرت[3] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر کھائی گئی اور یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں منقول ہے پس امام ابوحنیفہ پر یہ گمان کرنا کہ ان کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اور اگر پہنچتی تو اس کے بموجب حکم دیتے کہ اگر کوئی منصف انصاف کرے یا نہ کرے ان کا خلاف کرنا اس باب میں ٹھیک نہیں اور نہ کسی طرح کے شبہ کا مورث ہے جیسے اس صورت میں کسی چیز کا حکم خبر واحد سے معلوم ہو اور کوئی اس کا مخالف نہ ہو۔

تیسرا مرتبہ جو عین وسواس ہے یہ ہے کہ مسئلہ میں ہرگز کوئی خلاف نہ ہو مگر علت خبر واحد سے معلوم ہوئی ہو تو اب کوئی یوں کہے کہ خبر واحد میں لوگوں کو اختلاف ہے اور بعض اس کو قبول نہیں کرتے اس لیے میں اس سے ورع کرتا ہوں کیونکہ حدیث کے راوی ہرچند عادل ہیں مگر غلطی ان سے ممکن ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہنے والے نے کچھ کہا ہو اور انہوں نے کچھ اور سنا ہو۔ اور اسی طرح ان کی سمجھ میں بھی وہم ہوسکتا ہے جیسے کہنے والے نے کچھ سمجھا اور انہوں نے کچھ اور سمجھا ہو تو اسی طرح کا ورع صحابہؓ سے منقول نہیں، وہ لوگ جو عادل شخص سے سنتے تھے ان کے نفوس کو اس پر اطمینان ہوجاتا تھا۔ ہاں جب راوی کے حق میں کسی خاص سبب دلالت معینہ سے تہمت کو دخل ہو تو البتہ توقف کی وجہ ظاہر ہے گو وہ راوی عادل ہو، مگر بلا وجہ اخبار احاد کا خلاف کرنا معتبر نہیں، جیسے نظّام اجماع کے باب میں مخالف ہے اور کہتا ہے کہ اجماع حجت شرعی نہیں اور اگر بالفرض اس کا ورع جائز ہووے تو چاہیئے کہ یہ بھی ورع میں شمار کیا جاوے کہ آدمی

---

[1] مومن اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتا ہے بسم اللہ کہے یا نہ کہے یہ الفاظ معروف نہیں صحیح ہونا تو درکنار مگر ابوداؤد مراسیل میں بروایت مہلب مرفوعاً یہ مضمون لکھا ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خدا تعالیٰ کا نام ذکر کرے یا نہ ذکر کرے ۱۲ [2] ابوداؤد، ترمذی وابن ماجہ بروایت ابی سعید و طبرانی در صغیر بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [3] بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲

اپنے دادا کی میراث نہ لے اور کہے کہ قرآن میں تو پوتے کا ذکر نہیں اس میں تو صرف بیٹوں کا ذکر ہے اور پوتے کو بیٹے کی جگہ قائم کرنا صحابہ کے اجماع سے ہوا ہے اور وہ لوگ معصوم نہ تھے غلطی ان سے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ نظام اس باب میں خلاف کرتا ہے تو یہ ایک خیال خام ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو امور قرآن مجید کے عام الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں وہ بھی چھوڑ دیے جاویں اس لیے کہ بعض متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ عمومات کے لیے کوئی لفظ نہیں بلکہ جو بات ان میں سے صحابہؓ نے قرائن اور علامت سے سمجھی ہے وہی حجت ہے اور جب صحابہؓ متہم ٹھہرے تو معانی عام آیتوں پر کیسے عمل ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ شبہ کی کوئی طرف ایسی نہیں جس میں غلو اور مبالغہ نہ ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اور جب کوئی ان امور میں سے مشکل ہو تو اس میں دل سے فتویٰ لینا چاہیئے اور مقتضائے ورع کے بموجب مشکوک چیز کو چھوڑ کر یقینی بات پر عمل کرنا چاہیئے اور جو امر دل میں گڑے اور سینے میں کھٹکے اس سے کنارہ کرنا چاہیئے اور یہ امر اشخاص اور وقائع کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ مگر آدمی کو چاہیئے کہ اپنے دل کو ایسی چیزوں سے بچاوے جو وسواس کے بموجب ہوں حتیٰ کہ جب حکم کرے تو حق بات ہی کا کرے اور وسواس کے مواضع میں ذرا خلش اس میں نہ آوے اور کراہت کے مواقع میں کھٹکے سے خالی نہ ہو اور ایسا دل نہایت کم یاب ہے اور یہی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر شخص کو دل کے فتوے پر راجع نہیں فرمایا بلکہ صرف وابصہ کو ارشاد فرمایا کہ ان کے دل کا حال آپ کو معلوم تھا۔ **دوسری قسم** تعارض ان علامات کا جو حل اور حرمت پر دلالت کریں مثلاً کوئی متاع کی قسم ایسی ہو کہ کسی وقت میں لٹ جاتی ہو اور بدون لوٹ کے اس کا ملنا کم ہوتا ہو پھر وہ چیز کسی نیکبخت شخص کے قبضہ میں پائی جاوے تو یہاں دونوں علامتیں موجود ہیں۔ قابض کی نیکبختی تو اس بات پر دلیل ہے کہ یہ حلال ہے اور اس شے کی قسم اور بدون لوٹ کے کم ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حرام ہے۔ تو یہاں دو باتیں ایک دوسرے کے متعارض ہیں، اسی طرح اگر ایک عادل کہہ دے کہ یہ چیز حرام ہے اور دوسرا کہے کہ حلال ہے یا دو فاسق شخصوں کی گواہی ایک دوسرے کے مخالف ہو یا لڑکے اور بالغ کے قول متعارض ہوں تو سب صورتوں میں امر مشتبہ ہے پھر اگر کسی جانب کو ترجیح معلوم ہو گی تو اس کا حکم اس پر لگے گا مگر ورع یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جاوے۔ اور اگر ترجیح ظاہر نہ ہو تو توقف واجب ہو گا اور اس کی تفصیل عنقریب تعرف اور بحث اور سوال کی فصل میں مذکور ہو گی۔ **تیسری قسم** یہ ہے کہ تعارض اشباہ کا ان صفات میں ہو جن سے احکام متعلق ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً کسی مال کی وصیت فقیہوں کے لیے کرے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص فقہ میں فاضل ہو وہ اس وصیت میں داخل ہے اور جس نے کہ ایک روز یا ایک مہینے سے فقہ شروع کیا ہے وہ داخل نہیں اور ان دونوں کے بیچ میں درجات بے شمار ہیں جن میں شک پڑتا ہے پس مفتی اپنے ظن کے موافق حکم کرتا ہے اور ورع کا حکم اجتناب ہے اور یہ قسم شبہ کے مقامات میں سے نہایت باریک ہے کیونکہ اس میں بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ مفتی کو ان میں حیرت لازم ہوتی ہے اور کچھ حیلہ اس کو نہیں سوجھتا یعنی جس صورت میں کہ موصوف ایسی صفت رکھتا ہو کہ وہ دو درجہ مقابل کے ٹھیک درمیان میں ہو تو اس صورت میں اس کو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرف کو میل کیا جاوے۔ بظاہر کوئی علامت کسی طرف میل کی

موجود نہیں یہی حال ان صدقات کا ہے جو محتاجوں میں صرف ہوتے ہیں اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جس کے پاس کچھ نہیں وہ قطعاً محتاج ہے اور جس کے پاس بہت سامال ہے وہ غنی ہے اور ان دونوں کے درمیان میں بہت سے مسائل باریک ہیں مثلاً ایک شخص کے پاس ایک مکان اور اثاث البیت اور کپڑے اور کتابیں ہیں اب اگر یہ چیزیں بقدر حاجت ہیں تو اس شخص کو صدقہ ملنے کی مانع نہیں اور اگر مقدار حاجت سے زائد ہیں تو مانع ہیں اور حاجت کی کچھ حد مقرر نہیں وہ تخمین سے معلوم ہوتی ہے اور اس میں یہ بحث آپڑتی ہے کہ مکان کی وسعت اور عمارت کتنی ہو اور بیچ شہر میں یا کنارہ پر ہوتے ہیں مقدار قیمت کیا ہو، اور ایک مکان سے کارروائی ہوتی ہے یا کمتر سے، اسی طرح اثاث البیت اور تانبے کے برتنوں میں نظر کرنی پڑے گی اور ان کے شمار اور قیمت میں گفتگو ہوگی پھر یہ کہ بعض چیزیں ہر روز کی حاجت کی ہیں اور بعض سال بھر میں کار آمد ہیں مثلاً لوازم سرمائی اور بعض ایسی ہیں کہ برسوں کے بعد ان کی حاجت ہوتی ہے اور ان میں سے کسی چیز کی کوئی حد مقرر نہیں اور اس صورت میں کار آمد وہی حدیث ہے کہ دَعْ مَا یُرِیبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیبُکَ[ل]۔ کیونکہ یہ سب چیزیں محل ریب میں ہیں اور اگر مفتی اس باب میں توقف کرے تو شایان ہے کہ بدون توقف کے اور کوئی صورت نہیں اور اگر ظن اور تخمین سے کچھ حکم کرے تو ورع کی رو سے توقف چاہیئے اور ورع کے مقامات میں سے یہ مقام نہایت ضروری الورع ہے اور یہی حال ان صورتوں میں ہے کہ اقرباء کا نفقہ اور بیبیوں کا لباس کس قدر واجب ہے اور فقہاء اور علماء کو بیت المال سے کس قدر ملنا کافی ہے اس لیے کہ یہاں بھی دو طرفین ہیں جن کا حال معلوم ہے کہ ایک کم ہے اور دوسری زائد ہے اور ان دونوں کے درمیان میں متشابہ امور ہیں کہ شخص اور حال کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہیں اور حاجات پر اطلاع رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہے آدمی کو اس کی حدود پر کچھ واقفیت نہیں مثلاً اتنا تو جانتے ہیں کہ ایک قوی الجثہ آدمی کے لیے آدھ سیر سے کمتر غذا شب و روز میں کم ہے اور ڈیڑھ سیر قدر کفایت سے زائد ہے ان کے درمیان کے اوزان کی کچھ حد نہیں پس اہل ورع کو چاہیئے کہ مشکوک چیز کو چھوڑے اور یقینی بات پر کاربند ہو جیسے حدیث مذکورہ بالا میں مندرج ہے اور یہ قاعدہ ان سب حکموں میں چلے گا جو متعلق بسبب ہیں اور ان کے سبب الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں اس لیے کہ عرب اور دوسری زبان والوں نے لغات کے معنی کی ایسی حدود مقرر نہیں کی ہیں کہ ان سے اطراف متقابل ایک دوسرے سے جدا ہو جاویں جیسے حسابیات میں ہوتی ہیں، مثلاً عدد چھ کا اپنے سے کمتر اور زائد دونوں کا احتمال نہیں رکھتا، اسی طرح سب حسابات کی باتیں مقرر ہیں مگر الفاظ لغوی کا یہ حال نہیں اس لیے کہ کوئی لفظ قرآن مجید اور حدیث شریف میں ایسا نہیں کہ ان میں رتبہ درمیانی کا شک داخل نہ ہو اور وہ اطراف متقابلہ کے بیچ میں واقع نہ ہو۔ یہیں وجہ وصایا اور اوقاف میں اس فن کی حاجت زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً اگر صوفیوں پر وقف کیا جائے تو درست ہوگا لیکن اس لفظ کے مصداق کے اندر بہت سی باریکیاں ہیں۔ اسی طرح اور الفاظ کو سمجھنا چاہیئے اور ہم خاص لفظ صوفیہ کے مقتضا پر اشارہ کریں گے تاکہ اس سے

ل اس کا ترجمہ مع سند اوپر گذرا ۱۲

الفاظ میں تصرف کرنے کا طریق معلوم ہو ورنہ سب لفظوں کا حال لکھنا تو غیر ممکن ہے۔ غرضکہ جو علامتیں متعارض ہوتی ہیں اور دو طرفوں متقابل کی طرف کھینچتے ہیں ان سے یہ اشتباہ پیدا ہوتے ہیں اور یہ سب شبہ ہیں جن سے اجتناب کرنا واجب ہے جس صورت میں حلت کی جانب سے غلبۂ ظن کی دلالت سے یا بموجب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دع ما یریبک الخ کے استصحاب کرنے یا کسی اور دلیل سے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے راجح نظر نہ آوے پس مقامات شبہ پیدا ہونے کے یہ تھے اور ان میں ایک دوسرے کی نسبت کر زیادہ سخت ہے اور جس صورت میں کہ ایک چیز پر مختلف شبہات جمع ہو جاویں تو معاملہ اور بھی دشوار ہوگا۔ مثلاً ایسا کھانا مول لے جو مختلف فیہ ہو اور بائع نے اس کو کسی شراب بنانے والے سے انگوروں کے عوض جمعہ کی اذان کے بعد لیا ہو اور بائع کے مال میں بھی حرام مخلوط ہو اگرچہ اکثر مال حرام نہیں مگر مشتبہ تو ہو گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس طرح کے شبہوں کے جمع ہونے سے یہ نوبت ہوتی ہے کہ اس امر پر اقدام کرنا بہت ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ پس ہم نے ان مراتب پر واقف ہونے کے طریقے بتلا دیئے ہیں اور آدمی کی قوت سے خارج ہے کہ ان سب کو حصر کرے تو اس شرح سے جو مرتبہ واضح ہو جاوے اس کو اخذ کرے اور جو گول مول رہے اس سے اجتناب کرے کہ گناہ وہی ہوتا ہے جو دل میں چبھے۔ اور جس جگہ کہ ہم نے حکم کیا ہے کہ دل سے فتویٰ لے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ جہاں مفتی مباح کہتا ہو اور جس صورت کو وہ حرام کہتا ہو اس سے باز رہنا واجب ہے پھر دل سے فتویٰ لینے میں بھی ہر ایک دل کا اعتبار نہیں کیونکہ بہت لوگ وسواسی ہوتے ہیں کہ ہر چیز سے بھاگتے ہیں اور بہت سے حریص تساہل والے ہر چیز پر اطمینان کرتے ہیں اور مباح سمجھتے ہیں تو ان دونوں دلوں کا اعتبار نہیں بلکہ عالم توفیق یافتہ کے دل کا اعتبار ہے جو احوال کی باریکیوں کا نگران رہے اور وہ کسوٹی ہوتی ہے جس سے پوشیدہ امر امتحان کیے جاتے ہیں مگر ایسا دل کہاں پایئے۔ پس جس شخص کو اپنے دل پر اعتبار نہ ہو اس کو چاہیے کہ اس صفت کے دل سے نور کا خواہاں ہو اور اپنے حال کو اس پر ظاہر کرے اور کہتے ہیں کہ زبور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل سے کہدو کہ میں تمہاری نماز اور روزہ کو نہیں دیکھتا بلکہ اس شخص کو دیکھتا ہوں جو کسی چیز میں شک کرے اور پھر اس کو میری خاطر ترک کر دے پس ایسے شخص کی تائید میں اپنی مدد سے کرتا ہوں اور اپنے فرشتوں پر اس کے سبب سے فخر کرتا ہوں۔

تیسری فصل جو مال ملے اس کی تحقیق وغیرہ ضروری ہے

واضح ہو کہ جب کبھی کوئی شخص تمہارے سامنے کوئی کھانا یا ہدیہ پیش کرے یا تم اس میں سے مول لینا یا ہبہ میں لینا چاہو تو تم کو یہ ضروری نہیں کہ اس کا حال تحقیق کرو اور یوں کہو کہ ہمارے نزدیک اس کی حلّت ثابت نہیں اس لیے نہیں لیتے اور اس کی تحقیق کرتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مطلق تفتیش نہ کرو اور جن چیزوں کی حرمت یقینی نہ ہو ان کو لے لیا کرو بلکہ سوال کرنا اور حال کا تحقیق کرنا بعض صورتوں میں واجب ہے اور بعض میں حرام اور کسی میں مستحب ہے اور کسی میں مکروہ اس لیے اس کی تفصیل ضروری ہے اور قول فیصل اس باب میں یہ ہے کہ مقام سوال شبہ کی جگہیں اور شبہ کے اٹھنے کی جگہ

یا تو ایسا امر ہوتا ہے جو مالک سے متعلق ہو یا ایسا کہ خود مال سے علاقہ رکھتا ہو اس لیے اس کو دو بیانوں میں تحریر کیا جاتا ہے۔

مالک کے حالات کی تحقیق

مالک کا حال تمہاری معرفت کے اعتبار سے تین طرح ہو سکتا ہے یا یہ کہ مجہول ہو یا مشکوک ہو یا کسی طرح کے ظن سے معلوم ہو جس پر کوئی دلالت ہے۔ پہلی حالت مجہول ہونے کی ہے یعنی مالک کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے اس کا فساد اور ظلم معلوم ہو جیسے سپاہیوں کا لباس یا تمغہ ہوتا ہے اور نہ کوئی علامت صلاح کی ہے جیسے تصوف والوں اور تاجروں اور اہلِ علم کا لباس ہوتا ہے اور نہ کسی اور طرح کی علامت ہے تو ایسی صورت میں وہ مجہول الحال ہوگا۔ جیسے تم اگر کسی گاؤں میں جاؤ جس کا حال تم کو معلوم نہیں اور اس میں کسی آدمی کو دیکھو جس کے حال کی تم کو کچھ اطلاع نہ ہو اور نہ اس میں کوئی ایسی علامت ہو جس سے وہ اہل صلاح یا اہل فساد کہا جا سکے تو وہ شخص مجہول الحال ہوگا اور جب کسی اجنبی شہر میں جاؤ اور وہاں کوئی نانبائی یا قصائی یا اور کوئی پیشہ ور پاؤ اور کچھ علامت نہ ہو جس سے اس کا فریبی یا خائن ہونا پایا جاوے اور نہ ایسی علامت ہو جس سے ثقہ ہونا ثابت ہو تو وہ مجہول الحال ہوگا اور اس کو مشکوک نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ شک اس کو کہتے ہیں کہ ایک امر میں دو اعتقاد ایک دوسرے کے متقابل ہوں اور ان دونوں کے سبب بھی ایک دوسرے کے متقابل ہوں اور اس صورت میں نہ کوئی اعتقاد ہے اور نہ سبب ہے اور اکثر فقہا کو مجہول اور مشکوک میں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں جدا جدا چیزیں ہیں، اور پہلے بیان سے تم نے جان لیا ہے کہ جس چیز کا حال معلوم نہ ہو اس میں ورع کا مقتضا ترک کرنا ہے۔ یوسف بن اسباطؒ کہتے ہیں کہ تیس برس سے میرا یہ حال ہے کہ جس چیز نے میرے دل میں خلش کی اس کو میں نے ترک کر دیا۔ اور کچھ لوگوں نے باہم تذکرہ کیا کہ سب اعمال میں مشکل تر کونسا ہے اور یہ تجویز کیا کہ مشکل تر ورع ہے۔ حسان بن ابی سنانؒ نے کہا کہ میرے نزدیک ورع سے آسان تر کوئی چیز میرے سینہ میں خلش کرتی ہے میں اس کو چھوڑ دیتا ہوں اور یہ صورت ورع کی ہے مگر ہم اس کا حکم ظاہری لکھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مجہول شخص اگر تمہارے سامنے کھانا پیش کرے یا تم کو ہدیہ بھیجے یا تم اس کی دکان سے کچھ خرید کرنا چاہو تو تم کو اس کا حال پوچھنا ضروری نہیں بلکہ اس کا چیز پر قابض ہونا اور مسلمان ہونا اس بات کو کافی ہے کہ وہ چیز تم لے لو اور تم کو یہ کہنا لازم نہیں کہ فساد اور ظلم لوگوں میں پھیل رہا ہے یہ مال بھی ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ یہ وسوسہ ہے اور اس سے اس مسلمان خاص کے ساتھ بدگمانی ہوتی ہے حالانکہ بعض ظن گناہ ہیں اور وہ مسلمان اپنے اسلام کی جہت سے تم پر یہ حق رکھتا ہو کہ تم اس کے ساتھ بدگمانی نہ کرو۔ پس اگر تم اس خاص شخص پر بدگمانی اس وجہ سے کرو گے کہ دوسروں کو معاملہ میں خراب پایا ہے تو تم اس کے قصوروار ٹھہرو گے اور اس بدگمانی کا گناہ تم کو سردست یقیناً بلاشبہ ہو جاوے گا اگر بالفرض اس سے مال لے لو تو اتنی ہی خرابی ہو کہ اس کی حرمت مشکوک ہے یقینی تو نہیں ہے اور گناہ بدگمانی کا یقینی ہے اور مجہول الحال لوگوں سے معاملہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ صحابہؓ غزوات اور سفروں میں گاؤں میں اترتے تھے اور ضیافتوں کو رد نہیں کرتے تھے اور شہروں میں جاتے تھے تو بازاروں سے احتراز نہ کرتے تھے حالانکہ مال حرام ان کے زمانہ میں بھی موجود تھا، ان سے کبھی نہیں سنا گیا کہ بدون شک کے کچھ تفتیش کی ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جو چیز سامنے

آتی تھی اس کا حال نہ پوچھتے تھے بلکہ ابتداء میں جو آپؐ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو البتہ جو کسی نے بھیجا اس کا حال دریافت[ح۱] فرمایا کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ کیونکہ قرینہ حالیہ اس وقت ایسا ہی تھا، اس لیے کہ مدینہ منورہ میں جو مہاجرین داخل ہوئے سب مفلس تھے اس لیے غالب ظن یہی تھا کہ جو کچھ ان کو بھیجا جاتا ہے وہ صدقہ ہی ہوگا۔ علاوہ ازیں دینے والے کا قبضہ اور مسلمان ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ چیز صدقہ نہیں اور آپ کی ضیافت اگر کوئی کرتا تھا تو مان[ح۲] لیتے تھے۔ اس میں یہ استفسار نہ فرماتے کہ صدقہ ہے یا نہیں، کیونکہ اس بات کی عادت نہیں کہ ضیافت صدقہ کی ہووے اور اسی وجہ سے آپ کی دعوت ام سلیم[ح۳] نے کی اور انسؓ کی روایت میں ہے کہ ایک درزی نے آپؐ کی دعوت کی اور آپؐ کے سامنے کھانا رکھا جس میں کدو تھا اور ایک فارسی نے آپ کی دعوت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں مع عائشہؓ منظور کرتا ہوں۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں صرف آپ ہی کی دعوت ہے آپؐ نے فرمایا کہ تو میں نہیں مانتا پھر وہ شخص راضی ہو گیا چنانچہ آپؐ مع عائشہؓ کے ایک دوسرے کے پیچھے تشریف لے گئے اس نے دونوں کے سامنے سالن چربی کا رکھا۔ اور ان دعوتوں میں سے کسی میں یہ منقول نہیں کہ آپ نے سوال کیا ہو۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے جو اپنے غلام سے اس کے کسب کا حال پوچھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اس کے معاملہ میں کچھ شک پڑ گیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو جس شخص نے زکوٰۃ کے اونٹوں کا دودھ پلا دیا تھا اس سے سوال کیا کہ کہاں سے آیا کیونکہ آپ کو اس وجہ سے شک پڑا کہ جیسا ہر شب پیا کرتے تھے اس مزے کا نہ تھا تو یہ وجہ شک کی تھی۔ ورنہ اگر کوئی شخص مجہول الحال کسی کی ضیافت کرے اور وہ دوسرا بدون تفتیش اس کی ضیافت مان لے تو گنہگار نہ ہو بلکہ اس کے گھر میں تجمل اور بہت سا سامان دیکھے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ حلال مال بہت کم ہے اس کے پاس اتنا بہت کہاں سے آیا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا وراثت میں ملا ہو، اس نے کمایا ہو بہر حال وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ حسن ظن کیا جائے اور اس سے بڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ اس سے سوال کرنا نہ چاہیے بلکہ اگر دوسرا شخص یہ چاہے کہ اپنے پیٹ میں کوئی چیز نہ ڈالے جب تک کہ معلوم نہ کرلے کہ وہ کہاں سے آئی تو یہ اچھی بات ہے پس سیدھی طرح اس کا کھانا نہ کھاوے سوال کی کیا ضرورت ہے اور اگر کھانا ہی ضرور ہو تو بدون سوال کھالیوے۔ کیونکہ سوال کرنا ایذا دینا اور پردہ دری اور وحشت دلانا ہے اور وہ بلاشبہ حرام ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ شاید وہ ایذا نہ پاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاید کے ڈر سے تو تم سوال کرتے ہو اگر شاید ہی پر اکتفا کرو تو شاید اس کا مال حلال ہو اور شاید اس کو ایذا بھی ہو۔ اور مسلمان کو ایذا دینے میں گناہ مال حرام اور شبہ کے کھانے سے کم نہیں اور اکثر لوگوں کا حال یہی ہے کہ تفتیش سے وحشت پاتے ہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس کا حال دوسرے کسی اور سے اس طرح پوچھا جاوے کہ اس کو خبر بھی ہو جاوے کیونکہ اس صورت میں اور زیادہ ایذا ہوتی ہے اور اگر ایسی طرح پوچھے کہ اس کو علم نہ ہو تو اس میں بدگمانی اور پردہ دری اور تجسس اور غیبت کی تمہید ہے اور یہ سب باتیں ایک ہی آیت میں ممنوع

ح۱ احمد و حاکم بروایت سلمانؓ ۱۲ ح۲ آپ کی یہ عادت مشہور و معروف ہے چنانچہ صحیحین میں بروایت ابو مسعود انصاری ہے کہ ابو شعیب نے آپ کی دعوت کی تھی ۱۲
ح۳ بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ ح۴ شیخان بروایت انسؓ ح۵ مسلم بروایت انسؓ ۱۲

ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔ اور بہت سے جاہل زاہد ایسے ہیں کہ تفتیش سے لوگوں کے دلوں کو متوحش کر دیتے ہیں، اور کلام سخت اور موذی کہا کرتے ہیں اور یہ امر شیطان ان کے دل میں اچھا کر دیتا ہے تا کہ حلال کے کھانے میں مشہور ہو جاویں اگر اس کا باعث صرف دیانت ہوتی تو مسلمان کے دل کے ایذا پانے کا خوف اس کو زیادہ ہوتا بہ نسبت اس خوف کے کہ پیٹ میں ایسی چیز نہ جاوے جس کا حال معلوم نہ ہو۔ علاوہ ازیں اگر ایسی چیز پیٹ میں جاوے گی بھی تو اس کا مؤاخذہ نہ ہو گا پھر معلوم کرنا چاہیئے کہ جس چیز کا حال مجہول ہو اور کوئی علامت موجب اجتناب نہ ہو تو طریق ورع اس کو ترک کرنا ہے اور نہ تجسس کرنا اور جب اس کا کھانا ہی ضرور ہو تو ورع یہی ہے کہ کھا لیوے اور حسن ظن مسلمان پر رکھے کیونکہ صحابہؓ کا طریق مالوف یہی ہے اور جو شخص کہ ورع میں ان سے زیادہ ہوا چاہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے ان کا پیرو نہیں کیونکہ حدیث صحیح[2] میں آ گیا ہے کہ اگر کوئی کوہ احد کے برابر سونا خرچ کرے گا تو صحابہؓ کی ایک مد کے برابر نہ ہو گا اور نہ اس کے نصف کو پہنچے گا۔ علاوہ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ کا کھانا بھیجا ہوا تناول فرمایا[3] لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کھانا اس کو صدقہ میں آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس کے لیے صدقہ تھا ہمارے لیے ہدیہ ہے اور یہ دریافت نہ فرمایا کہ اس کو صدقہ کس نے دیا تھا کیونکہ صدقہ دینے والا آپ کے نزدیک مجہول تھا اور اس کھانے سے دست کش بھی نہ ہوئے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ مالک مشکوک فیہ ہو یعنی کسی وجہ کی دلالت شک کی اس میں موجب ہو گئی ہو۔ اول ہم شک کی صورت لکھتے ہیں پھر اس کا ہم حکم بیان کریں گے۔ صورت شک یہ ہے کہ جو چیز مالک کے قبضہ میں ہے اسکی حرمت پر کوئی دلیل مالک کی خلقت یا لباس یا فعل اور قول سے پائی جاوے۔ خلقت میں اس طرح کہ مثلاً ترکوں یا جنگلیوں یا رہزنوں اور ظالموں کی خلقت پر مخلوق ہو اور مونچھیں بڑی رکھتا ہو سر کے بال ایسے پٹے ہوں جیسے فسادیوں کے ہوا کرتے ہیں اور لباس میں اس طرح کی قبا اور ٹوپی اور ظالم سپاہیوں وغیرہ کی وضع کا ہو۔ اور فعل اور قول میں اس طرح کہ اس کے کردار اور گفتار میں جرأت ایسی باتوں پہ پائی جاوے جو حلال نہیں تو اس سے بھی سمجھا جاوے گا کہ یہ شخص مال میں بھی تساہل کرتا ہو گا اور جو حلال نہ ہوتا ہو گا اس کو لے لیا کرتا ہو گا۔ غرضکہ شک کی صورتیں یہی ہوا کرتی ہیں۔ پس جب کوئی شخص اس جیسے آدمی سے کچھ مول لینا یا ہدیہ قبول کرنا یا اس کی ضیافت کو ماننا چاہے سوائے ان علامات کے اس کا حال اور کچھ نہ جانتا ہو تو ایسی صورت میں دو احتمال ہو سکتے ہیں، ایک تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ قبضہ ملک کی دلیل ہے۔ اور یہ علامتیں ضعیف ہیں تو چاہیے کہ اس چیز پر اقدام درست ہو اور اس کا ترک کرنا ورع میں متصور ہو۔ اور ایک احتمال یہ ہے کہ یوں کہیے کہ قبضہ ایک دلالت ضعیف ہے اور اس کے مقابل یہ علامات موجود ہیں جن سے شک پیدا ہو گیا ہو تو چاہیے کہ اس پر اکبارگی اقدام کرنا درست نہ ہو اور ہم اسی دوسرے احتمال کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں اس جہت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] اے ایمان والو بچتے رہو بہت تہمتوں سے اسلیے کہ بعض تہمت گناہ ہے اور نہ بھید ٹٹولو کسی کا اور نہ بدگو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو ۱۲

[2] بخاری و مسلم بروایت ابن ابی سعید خدریؓ ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲

فرماتے ہیں[ح۱] دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک کہ بظاہر اس حدیث میں امر وجوبی ہے مگر مستحب ہونے کا احتمال بھی پایا جاتا ہے اور یہ کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں[ح۲] الاثم حواز القلوب یعنی گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے۔ اور صورت مفروضہ میں دل پر وہ اثر ہے کہ اس کا انکار کوئی نہیں کرتا اور ایک وجہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ صدقہ ہے یا ہدیہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے غلام سے اس کی کمائی کا حال پوچھا اور حضرت عمرؓ نے دودھ کا حال دریافت کیا یہ سب تحقیقات شک کے مقام میں ہوئیں اور ہر چند ان کا ورع پر محمول کرنا بھی ممکن ہے مگر ورع پر محمول کرنا بدون قیاس حکمی کے نہیں ہو سکتا اور قیاس اس کی حلت کا شاہد نہیں، اس لیے کہ قبضہ اور اسلام کی دلالت ان دلالتوں کی مزاحم ہے اور جب دونوں ایک دوسرے کی متعارض ہوئیں تو حلت کی وجہ نہ رہی اور قبضہ کا اور اصل سابق کا حکم اس شک میں نہیں چھوڑا کرتے جس کے لیے کوئی علامت ہو۔ مثلاً پانی ہم کو متغیر ملے اور یہ احتمال ہو کہ زیادہ ٹھہرنے سے بدل گیا ہو۔ اب اگر کسی ہرنی کو ہم اس میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھیں اور پھر یہ احتمال ہو کہ شاید پیشاب سے بدل گیا ہو یا کسی اور طرح سے تو استصحاب یعنی حکم سابق ہے، ترک کر دیں گے اور صورت مفروض بھی اسی کے قریب ہے مگر ان دلالتوں کے درمیان فرق رہتا ہے مثلاً بخیل ہونا اور ظلم والوں کی وردی کا پہننا اور لشکریوں کی صورت بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ مال بھی ظلم سے لیتا ہوگا۔ اور جو فعل اور قول کہ شریعت کے مخالف ہو اگر وہ مال کے ظلم سے متعلق ہے تو وہ بھی ظاہر ہے کہ اسی بات کی دلیل ہے کہ مال ظلم سے لیا ہو۔ جیسے کسی کو سنا کہ وہ غصب کے لیے اجازت دیتا ہے یا ظلم کا امر کرتا ہے یا سود کا معاملہ کرتا ہے تو یہ باتیں مطلق بمال ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مال ایسا ہی کچھ ہوگا لیکن اگر کسی کو دیکھا کہ غصہ کی حالت میں کسی کو گالی دیتا ہے یا جو عورت اس کے پاس سے نکلی اس کو گھورتا ہے تو یہ حرکات مال کے باب میں ضعیف دلالتیں ہیں، اس لیے کہ بہت آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ طلب مال میں تنگی کھینچتے ہیں اور حلال کے سوا اور کچھ نہیں لیتے مگر غصہ کی حالت میں اپنے نفس کو نہیں روک سکتے، نہ شہوت میں نفس پر ان کو اختیار رہتا ہے تو اس قسم کے تفاوت کا ان کو لحاظ رکھنا چاہیئے اور ممکن نہیں کہ اس کی کوئی حد مقرر کی جاوے تو ایسی صورت میں آدمی کو چاہیئے کہ اپنے دل سے فتویٰ لے۔ اور ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ اگر ان چیزوں کو کسی مجہول آدمی سے سرزد ہوتے دیکھے تب تو ان کا اور حکم ہے اور اگر ایسے شخص سے دیکھے جو طہارت اور نماز اور قرأت قرآن میں ورع کرنے والا مشہور ہو کیونکہ مال کی نسبت کہ دونوں دلالتیں ایک دوسرے کی متعارض ہو کر ساقط ہو گئیں اور آدمی کا حال مجہول الحال کا سا ہو گیا اس لیے کہ دونوں دلالتوں میں سے خاص کہ مال کی مناسب کوئی نہیں اور بہت سے آدمی مال میں احتیاط کرتے ہیں اور چیزوں میں نہیں کرتے اور بہت سے ایسے ہیں کہ نماز اور قرأت اور وضو اچھی طرح کرتے ہیں اور مال میں احتیاط نہیں کرتے بلکہ جہاں پاتے ہیں کھا لیتے ہیں، اس نظر سے ان جگہوں میں حکم وہی ہے جس کی طرف دل کا میل ہو کیونکہ یہ معاملہ بندہ کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان ہے تو اس کا ربط بھی ایسے امر خفی سے مناسب ہے کہ بجز اس بندہ یا پروردگار کے اور کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو اور یہی ہے حکم دل پر کھٹکنے کا۔ پھر ایک اور دقیقہ

ح[۱] اس کا ترجمہ مع سند گزر چکا ۱۲ ح[۲] باب العلم میں گذری ۱۲

کو معلوم کر لینا چاہیئے یعنی اس دلالت کو ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ اس شخص کا اکثر مال حرام ہے مثلاً وہ شخص لشکری ہو یا بادشاہ کا عامل ہو یا نوحہ کرنے والی خواہ گانے والی عورت ہو اور اگر یہ معلوم ہو گا کہ اس کا مال حرام تھوڑا ہے تو سوال کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ ورع کی رُو سے البتہ داخل احتیاط ہوگا۔ تیسری حالت یہ ہے کہ مالک کا حال کسی طرح کے تجربہ وغیرہ سے ایسا معلوم ہو جس سے غلبۂ ظن مال کی حلت میں ہو جاوے مثلاً کسی شخص کی نیک بختی اور دیانت بظاہر معلوم کر لی جاوے اور ہو سکتا ہے کہ باطن ظاہر کے مخالف ہو اور ایسی صورت میں سوال اور تفتیش ضرور نہیں بلکہ ناجائز ہیں جیسے مجہول الحال میں بلکہ یہاں بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیئے اور مال کے لینے میں اقدام کرنا یہاں شبہ سے زیادہ بعید ہے بہ نسبت مجہول الحال کے مال کے اقدام کرنے کے واسطے کہ مجہول کے کھانے پر اقدام کرنا ورع سے بعید ہے گو حرام نہیں مگر نیک بختوں کا کھانا تناول کرنا انبیاء اور اولیاء کی عادت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] لا تاکل الا الطعام الاتقی ولا یاکل طعامك الاتقی لیکن جس صورت میں کہ تجربہ سے معلوم ہے کہ وہ شخص لشکری ہے یا گانے والا یا ربٰو خوار، اور تجربے کے سامنے حاجت وضع اور شکل اور لباس سے استدلال کی نہ رہی ہو تو یہاں تفتیش بالضرور واجب ہے جیسے شک کی صورت میں چاہیے بلکہ یہاں بطریق اولیٰ چاہیئے۔

خود مال کے متعلق تحقیق

اس کی صورت یہ ہے کہ مال حرام اور حلال مخلوط ہو جاوے جیسے کسی بازار میں کچھ گٹھے غصب کے محلہ کے آویں اور ان کو بازار والے خرید لیں تو جو شخص اس شہر میں اور اس بازار میں خریدے اس پر واجب نہیں کہ بیع کی تفتیش کر لے ہاں اگر یہ ظاہر ہو جاوے کہ بازاریوں کا اکثر مال حرام ہے تو اس صورت میں البتہ تفتیش واجب ہے، اور اگر ان کے پاس کا مال حرام اکثر نہ ہو تو تفتیش واجب نہیں بلکہ ورع میں داخل ہے اور منڈی کا حکم ایسا ہے جیسے شہر کا حکم ہے اور جس صورت میں کہ مال حرام اکثر نہ ہو تو تفتیش نہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ بازاروں کی خرید سے دست کش نہیں ہوتے تھے۔ حالانکہ ان میں سود کے درم اور غنیمت کی خیانت وغیرہ کا مال موجود تھا اور ہر ایک معاملہ میں تفتیش نہیں کیا کرتے تھے البتہ بعض صحابہؓ سے کسی حالت میں سوال بہت کم منقول ہے اور وہ مقام شک کا تھا ان اشخاص معین کے حق میں، اسی طرح کفار سے غنیمت لیا کرتے تھے، حالانکہ کفار ایسے بھی تھے کہ مسلمانوں سے لڑکر ان کا مال بعض اوقات لے جاتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ جو مال غنیمت کفار سے لیتے تھے اس میں ایسی چیز بھی ہو جو کفار نے مسلمانوں سے لی ہو اور ایسی چیز کا مفت لے لینا بالاتفاق ناجائز ہے بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ چیز بجنسہٖ مالک کو واپس ہونی چاہیے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا دام مالک کو ملنا چاہیئے۔ غرضکہ صحابہؓ سے اس حال کی تفتیش منقول نہیں اور حضرت عمرؓ نے جو آذربائیجان کو نامہ بھیجا اس میں یہ مضمون لکھا کہ تم ایسے شہروں میں ہو جہاں مرداروں کے چمڑے سو کھاتے جاتے ہیں تو ذبح کیے ہوئے اور مردار کو دیکھ بھال لیا کرو اس میں تفتیش کی اجازت اور حکم پایا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ حکم نہیں کیا کہ روپیوں اور نقد کی بھی تفتیش کر لیا کرو کہ مردار کا مول ہے یا مذبوح

ح مت کھا بجز پرہیزگار کے کھانے کے اور نہ کھاوے تیرا کھانا کوئی بجز پرہیزگار کے، اسکی سند باب زکوٰۃ میں گذری ۱۲

کا اس لیے کہ اکثر نقد اس طرح کے نہ تھے کہ چمڑوں ہی کا دام ہو گو چمڑے بھی بیع ہوتے تھے۔ لیکن چمڑے اکثر مرداروں ہی کے ہوتے تھے اس لیے ان کے تفتیش کے لیے امر فرمایا اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تم ایسے شہروں میں کہ وہاں کے اکثر قصاب مجوس ہیں تو مذبوح اور مردار کو دیکھ لیا کرو۔ اس میں بھی اکثریت کے لحاظ سے تفتیش کا امر فرمایا اور یہ مقصود بدون چند صورتوں کے اور کئی مسئلوں کے ذکر کرنے کے جو عادتاً اکثر واقع ہوتے ہیں اچھی طرح واضح نہ ہو گا لہٰذا ہم ان مسائل کو فرض کر کے لکھتے ہیں **مسئلہ** ایک شخص کے مال معین میں حرام مل گیا ہے مثلاً ایک غلہ فروش کی دکان پر غصب کا غلہ بھی ہو سکتا ہے یا کوئی قاضی خواہ رئیس یا عامل یا فقیہہ ہے کہ اس کا کچھ روزینہ ظالم بادشاہ کے یہاں سے بھی مقرر ہے اور کچھ مال موروثی یا کاشتکاری یا تجارت بھی ہے یا ایک سوداگر ہے کہ سب معاملات ٹھیک کرتا ہے مگر سود بھی لیتا ہے تو ایسی صورت میں اگر اس کا مال اکثر حرام ہے تو نہ اس کی ضیافت کھانی جائز ہے نہ ہدیہ خواہ صدقہ کا لینا درست ہے لیکن بعد تحقیقات کے اگر معلوم ہو کہ ضیافت وغیرہ وجہ حلال سے ہے۔ تب تو قبول کرے ورنہ ترک کرے اور اگر مال حرام کم ہو اور ہدیہ وغیرہ مشتبہ ہو تو اس کے حکم میں تامل ہے اس لیے کہ اس صورت کو دو صورتوں سے مناسبت ہے، ایک وہ جس میں ہم نے حکم کیا ہے کہ اگر ذبیحہ دس مردار میں مل جاوے تو سب سے اجتناب کرنا واجب ہے اور اس کے ساتھ مشابہت اس وجہ سے ہے کہ ایک شخص کا مال محصور چیز کے مانند ہے خصوصاً جبکہ مال اس کے پاس بہت نہ ہو اور ایک طرح سے اس صورت کے خلاف بھی ہے کیونکہ مردار کا وجود تو فی الحال یقیناً معلوم ہوتا ہے اور حرام جو آدمی کے مال میں مل گیا ہو اس میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید فی الحال اس کے پاس نہ ہو اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہو۔ پس اگر مال تھوڑا ہو اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ وہ فی الحال قطعاً موجود ہے تو یہ صورت اور مردار کے ذبیحہ میں ملنے کی صورت یکساں ہے اور اگر مال بہت ہو اور یہ احتمال ہو کہ حرام فی الحال اس کے پاس نہ رہا ہو گا تو یہ البتہ پہلی صورت کی نسبت کہ آسان ہے من وجہ اس صورت کے مشابہ ہے جس میں حرام کا ملنا غیر محصور چیز میں ہوتا ہے جیسے بازاروں اور شہروں میں حرام مل جاوے لیکن یہ صورت اختلاط غیر محصور کی نسبت کہ سخت تر ہے کیونکہ یہاں یہ معاملہ ایک ہی شخص کے ساتھ خاص ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس صورت پر اقدام کرنا ورع سے نہایت بعید ہے مگر بحث اس میں ہے کہ اس کا ارتکاب موجب فسق اور مخالفت کا عدل ہوتا ہے یا نہیں، یہ بحث معنی کے اعتبار سے باریک ہے کہ کوئی شکل کسی طرف کھینچتی ہے اور کوئی کسی طرف اور نقل کی جہت سے بھی باریک ہے اس وجہ سے کہ اس باب میں صحابہؓ سے جو ان جیسی صورتوں میں احتراز و امتناع مذکور ہے یا تابعین سے کچھ مروی ہے وہ ورع پر محمول ہو سکتا ہے اور حرمت کے باب میں کوئی تصریح نہیں پائی جاتی اور کھانے پر جو اقدام منقول ہے جیسے حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کا کھانا مثلاً کھایا ہے تو اگر فرض کر لیا جاوے کہ جو کچھ ان کے قبضہ میں تھا وہ اکثر حرام ہی تھا تب بھی یہ احتمال ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے تفتیش کے بعد اقدام کیا ہو۔ اور پہلے معلوم کر لیا کہ یہ کھانا خاص جو ئیں کھاؤں گا مباح وجہ کا ہے۔ غرضکہ افعال اس باب میں ضعیف الدلالت ہیں اور علماء متاخرین کا مذہب مختلف ہے حتیٰ کہ بعض فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ مجھ کو کچھ دیدے تو میں لے لوں جس صورت میں کہ مال حرام اکثر ہو اس

میں بھی انہوں نے اباحت کو عام رکھا ہے بشرطیکہ اس خاص چیز کا حلال ہونا معلوم نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ وجہ حلال ہے ہو اور ان کی دلیل اس باب میں یہ ہے کہ اکابر سلف نے سلاطین سے جائزے لیے ہیں چنانچہ اموال سلاطین کے بیان میں اس کا ذکر آوے گا پس جس صورت میں کہ حرام کمتر ہو اور یہ بھی احتمال ہو کہ فی الحال وہ مالک کے پاس موجود نہ ہوگا تو ایسی صورت میں کھانا حرام نہ ہوگا۔ لیکن اگر اس کا وجود فی الحال متحقق ہو جیسے ذبیحہ کا اشتباہ مرداروں میں ہو جاوے تو ایسے حال میں مجھ کو نہیں معلوم کہ کیا کہوں۔ یہ مسئلہ ان متشابہات میں سے ہے جن میں مفتی حیران رہ جاتا ہے اس لیے کہ یہ تردد ہے کہ اس صورت کو محصور چیزوں کی مشابہت ہے یا غیر محصور سے۔ اور دودھ کی بہن اگر کسی گاؤں میں مشتبہ ہو جاوے جس میں دس عورتیں ہوں تو اجتناب واجب ہوتا ہے اور اگر کسی شہر میں ہو جس میں دس ہزار عورتیں ہوں تو اجتناب سب سے کرنا واجب نہیں اور اب دس اور دس ہزار کے درمیان بہت سے اعداد ایسے ہیں کہ اگر ان کا حکم پوچھو تو میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں اور علماء نے چند مسائل میں توقف کیا ہے جو اس سے بھی واضح ترین ہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے شکار پر تیر مارا اور وہ شکار مذکور دوسرے کی ملک میں جا پڑا تو وہ تیر مارنے والے کا ہوگا یا زمین کے مالک کا؟ امام احمدؒ صاحب نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ کس کا ہوگا۔ ان سے کئی بار اس مسئلہ کو پوچھا گیا تو ہر بار یہی فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ اور اکثر مسائل اس قسم کے ہم نے بابُ العلم میں سلف سے نقل کیے ہیں اس صورت میں مفتی کو طمع نہ کرنی چاہیے کہ سب صورتوں کا حکم اس کو معلوم ہی ہو جایا کرتا ہے۔ اور ابن مبارک سے ان کے کسی بصری شاگرد نے پوچھا کہ جو لوگ سلاطین سے معاملہ کرتے ہیں ان سے معاملہ کروں یا نہ کروں آپ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ سوائے سلاطین کے اور کسی سے معاملہ نہ کرتے ہوں تو ان سے معاملہ نہ کرنا اور اگر سلطان اور غیر سلطان سب سے کرتے ہوں تو ان سے معاملہ کرنا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقل میں مسامحت کا مضائقہ نہیں بلکہ اکثر میں بھی مسامحت کا احتمال ہے حاصل یہ ہے کہ صحابہؓ سے یہ منقول ہے کہ اگر قصاب اور نانبائی نے اور تاجر نے ایک معاملہ فاسد کیا ہو یا ایک بار سلطان سے معاملہ کیا ہو تو انہوں نے بالکل اس سے معاملہ چھوڑ دیا ہو اور معاملوں کا اس باب میں مقرر کرنا بالکل بعید ہے اور مسئلہ بذاتِ خود مشکل ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ سلطان تم کو دے اس کو لے لو کہ وہ تم کو حلال ہی میں سے دیتا ہے اور جو کچھ حلال اس کو ملتا ہے وہ حرام کی نسبت کم زیادہ ہے اور حضرت ابن مسعودؓ سے ایک سائل نے پوچھا کہ میرا ایک ہمسایہ ہے کہ میں اس کو برا ہی جانتا ہوں اور وہ ہماری دعوت کرتا ہے اور ہم وقتِ حاجت اس سے قرض کر لیتے ہیں تو یہ امور کیسے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تمہاری دعوت کرے تو قبول کیا کرو اور جب حاجت ہوا کرے تو اس سے قرض لیا کرو کہ تمہارے لیے وہ مال اچھا ہے اس کا وبال اسی کے ذمہ رہے گا۔ اور سلمانؓ نے بھی ایسا ہی حکم دیا اور یہاں حضرت علیؓ نے تو کثرتِ مال حلال کو علت ٹھہرایا اور حضرت ابن مسعودؓ نے بطریق اشارہ ارشاد فرمایا کہ اسی پر وبال ہے یعنی اس لیے کہ اس مال کا حال معلوم ہے اور لینے والے کے لیے اچھا ہے کیونکہ اس کو حال معلوم نہیں۔ اسی طرح ابن مسعودؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میرا ایک ہمسایہ سود کھاتا ہے اور ہماری دعوت کرتا ہے

تو ہم اس کی دعوت میں جاویں یا نہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں جاؤ۔ اور یہ بات حضرت ابن مسعودؓ سے بہت سی مختلف روایتوں کے ساتھ مروی ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ اور مالک رحمہما اللہ نے خلیفوں اور سلطانوں کے جائزے لیے ہیں باوجودیکہ جانتے تھے کہ ان کے مال میں حرام مخلوط ہے تو اگر اس مال میں خرابی ہوتی تو یہ لوگ ایسا کیوں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد جو ذکر کیا ہے تو ان کا فعل اس ارشاد کے مخالف مشہور ہے اس لیے کہ وہ بیت المال کا مال نہیں لیا کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی تلوار بیچ ڈالا کرتے تھے اور آپ کے پاس ایک ہی قمیص رہا کرتا تھا نہانے کے وقت دوسرا نہ ہوتا تھا اور ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کا یہ فعل متحمل ورع کا نہیں یا آپ کے قول سے اجازت صریح نہیں پائی جاتی مگر یہ کہتے ہیں کہ آپ کا ارشاد اگر واقع میں درست ہے تو بادشاہ کے مال میں جس کا حکم دوسرا ہی ہے کیونکہ وہ کثرت کے سبب سے گویا ایسا ہے جیسے غیر محصور ہوتا ہے چنانچہ عنقریب اس کا بیان آوے گا اور اسیطرح امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا فعل سلطان کے مال سے متعلق ہے اور ہمارا کلام دوسرے لوگوں کے مال میں ہے جن کے مال قریب محصور ہونے کے ہیں، باقی رہا ابن مسعودؓ کا قول تو اس کا حال یہ ہے کہ اس کا راوی خوات تیمی ہے اور اس کا حافظہ ضعیف ہے اور مشہور قول حضرت ابن مسعودؓ کا وہ ہے کہ جس سے شبہات سے بچنا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم سے یہ کوئی نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یوں نہ ہو، اور توقع رکھتا ہوں کہ ایسا ہو اسلیے کہ حلال کھلا ہوا ہے اور حرام کھلا ہوا ہے اور ان دونوں کے درمیان میں کچھ باتیں مشتبہ ہیں پس شبہ ڈالنے والی بات کو جانے دو اور جس میں شبہ نہ پڑے وہ اختیار کرو۔ اور یہ بھی آپ کا قول ہے کہ خلش کی باتوں سے اجتناب کرو گناہ انہیں میں ہے جو دل میں کھٹکیں۔ اب اگر یہ کہو کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ جب حرام کی کثرت ہو تو چیز کا لینا درست نہیں باوجودیکہ اس چیز میں کوئی علامت ایسی نہیں جو خاص اس کی حرمت پر دلالت کرے اور قبضہ دلیل ملک موجود ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ایسے شخص کا مال چرالیوے کہ جس کے مال میں حرام زیادہ ہے تو چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور کثرت حرام سے بھی ایک وہمی ظن ہے جس کو چیز سے کچھ علاقہ نہیں تو چاہیے کہ جس صورت میں حرام زیادہ ہو ا جیسے غالب ظن راستوں کی کیچڑ میں ہوتا ہے یا غیر محصور میں اختلاط کی صورت میں ہوتا ہے اور اس صورت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد[1] دع ما یریبك الیٰ ما لا یریبك سے کرنا اور اس ارشاد کو عام نہیں ٹھہرانا چاہیے کیونکہ یہ ارشاد بالاتفاق بعض جگہوں میں مخصوص ہے یعنی ان صورتوں میں کہ عین ملک میں کوئی علامت شک کی موجود ہو کیونکہ اگر حرام قلیل غیر محصور میں مل جاوے تو باوجودیکہ موجب شک ہوتا ہے مگر اس پر بھی تم قطعاً کہتے ہو کہ وہ حرام نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ انہیں صورتوں کے لیے ہے جن میں عین ملک کے لیے شک ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبضہ ایک دلالت ضعیف ہے جیسے حکم اصل کا باقی رکھنا ضعیف ہے اور یہ قبضہ کی حجت اس وقت چلتی ہے جبکہ اس کے مقابل کوئی حجت قوی نہ ہو، تو جس صورت میں کہ ہم کو یقین ہے کہ حرام جو مل گیا ہے وہ فی الحال موجود ہے

---

[1] اس کی سند مع ترجمہ اوپر گذری ۱۲

اور مال مالک اس سے خالی نہیں اور یہ بھی یقین ہے کہ حرام زیادہ ہے اور یہ صورت ایک معین شخص کے باب میں ہے کہ جس کا مال گویا کہ محصور ہے تو اب قبضہ کی جہت سے اعراض کرنا ضروری ہوا۔ اور اگر اس صورت پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد بالا کو محمول نہ کیا جائے تو اس کے لیے کوئی محمل نہیں رہے گا کیونکہ اس کا محمل یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حرام قلیل غیر محصور حلال میں مختلط ہو اس لیے کہ ایسی صورت تو آپؐ کے زمانہ مبارک میں موجود تھی، حالانکہ آپ اس کو ترک نہیں کرتے تھے اور جس جگہ پر اس کا حل کیا جاوے تو وہ اسی کے معنوں میں ہو گی اور اگر اس ارشاد کو نہی تنزیہی پر حمل کرو تو ظاہر الفاظ میں بدون قیاس کے تبدیل اور تاویل کرنی پڑے گی اس لیے کہ اس صورت کی حرمت علامتوں اور استصحابوں کے قیاس سے کچھ بعید نہیں معلوم ہوتی علاوہ ازیں کثرت کو ظن کے برپا کر دینے میں دخل ہے اسی طرح حصر کو بھی اس میں دخل ہے، تو جس صورت میں حرام کی کثرت اور مال کا محصور ہونا ایک جا جمع ہوں گے تو کیسے ظن کی تقویت نہ ہو گی، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ برتنوں میں اجتہاد نہ کرو مگر جس صورت میں کہ پاک برتن زیادہ ہوں، تو آپ نے حکم اصل اور اجتہاد کے یکجا ہونے میں یہ شرط کر دی کہ علامت اور کثرت ہو اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جونسا برتن چاہے بلا اجتہاد لے لیوے فقط استصحاب کی جہت سے تو وہ اس کے پینے کو درست کہیں گے اور صرف علامت کے باعث سے جواز کے قائل ہوں گے اور ان کی یہ دلیل اس جگہ نہ چلے گی جہاں پیشاب سے پانی مشتبہ ہو گیا کیونکہ یہاں حکم اصل باقی نہیں رہ سکتا، اسی طرح اگر مردار مذبوحوں میں مل گیا تو وہ بھی دلیل جاری نہ ہو گی۔ کیونکہ مردار میں استصحاب نہیں اور قبضہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جانور مردار نہیں، اور مباح کھانے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مملوک ہے۔ غرضکہ ایسی صورتوں میں چار امور متعلق ہوتے ہیں اوّل حکم اصل کا باقی رہنا دوم مخلوط چیز کی کمی یا کثرت سوم جس مال میں خلط ہو اس کا محصور ہونا یا غیر محصور ہونا، چہارم کوئی علامت خاص کا چیز کے اندر ہونا جس سے کہ اجتہاد متعلق ہو۔ پس جو کوئی ان چاروں امور کے مجموعہ سے غفلت کرتا ہے وہ اکثر غلطی کر کے بعض مسائل کو ایسی صورتوں میں مشابہ کر دیتا ہے جیسے وہ واقع میں مشابہ نہیں ہوتے، ماحصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ جو مال ایک شخص کی ملک میں مختلط ہو جاوے اس میں یا حرام زیادہ ہو گا یا کم اور ان میں سے ہر ایک یقین سے جانا جائے گا یا ظن مع العلامت سے یا وہم سے یعنی ہر ایک کے جاننے کے تین طور ہیں تو سب چھ صورتیں ہوئیں ایک یہ کہ حرام کی زیادتی یقین سے معلوم ہو دوسرے یہ کہ حرام کی زیادتی ظن مع العلامات سے معلوم ہو، تیسرے یہ کہ حرام کی زیادتی وہم سے معلوم ہو، اسی طرح حرام کی کمی کے معلوم ہونے کی تین صورتیں ہیں، پس ان چھ صورتوں میں سے دو اوّل کی صورتوں میں یعنی جب کہ حرام کی زیادتی یقیناً ہو خواہ غلبہ ظن جیسے کسی ترک کی مجہول الحال کو دیکھا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا سب مال غنیمت کا ہو ان دونوں میں تفتیش واجب ہے۔ اور جس صورت میں کہ حرام کی کمی یقیناً معلوم ہو تو یہ صورت مقام توقف کا ہے اور اکابر سلف کی سیرت اور احوال کی ضرورت کا میلان اس طرف ہے کہ اس صورت میں حاجت تفتیش نہ ہو۔ باقی رہیں تین صورتیں یعنی حرام کی زیادتی وہم سے معلوم ہو یا اس کی کمی ظن سے معلوم ہو یا وہم سے دریافت ہو تو ان تینوں صورتوں میں ہرگز واجب نہیں۔ مسئلہ جب کسی شخص کے سامنے اس کا کھانا پیش ہو اور وہ جانتا ہو کہ میری ملک میں کسی بادشاہی روزینہ کے لینے میں یا کسی اور طرح سے بھی حرام آیا تھا

اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ مال حرام اس وقت تک باقی ہے یا نہیں تو اس کو وہ کھانا کھا لینا چاہیئے اور تفتیش اس کے ذمہ پر لازم نہیں بلکہ ورع کے لحاظ سے ہے اور اگر یہ تو جانتا ہو کہ اس میں سے کچھ باقی ہے مگر یہ نہ معلوم ہو کہ بقیہ کم ہے یا زیادہ تو اس کو جائز ہے کہ یہ سمجھ لے کہ وہ بقیہ کم تر ہے اور ابھی ہم لکھ آئے ہیں کہ جہاں حرام کی قلت معلوم یقیناً ہوتی ہے وہ موقع مشکل ہوتا ہے اور یہ مسئلہ بھی اسی کے قریب ہے **مسئلہ** جب خیرات یا اوقاف یا وصیتوں کے متولی کے پاس دو مال ہوں کہ ان میں سے ایک مال کا تو ایک شخص مستحق ہے اور دوسرے مال کا مستحق نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس میں وہ صفت نہیں جو اس مال کے مستحق میں ہونی چاہیئے تو اب اگر متولی اس شخص کو کچھ دیدے تو اس کو اس کا لینا درست ہے یا نہیں۔ اس میں یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ جس صفت سے وہ شخص مستحق ہے وہ اگر ظاہر ہے کہ متولی بھی جانتا ہے اور مع ہذا متولی بظاہر عادل معلوم ہوتا ہے تب اس شخص کو چاہیئے کہ بدون بحث کے لے لیوے کیونکہ متولی پر غلبہ ظن اسی بات کا ہے کہ اس کو اسی مال کا مصرف کرے گا جس کا وہ شخص مستحق ہے اور اگر وہ صفت پوشیدہ ہو یا متولی کا حال معروف ہو کہ یہ پرواہ نہیں کرتا اور غلط کو دیا کرتا ہے تو اس صورت میں لازم ہے کہ تفتیش کرے کیونکہ یہاں نہ تو قبضہ ہے اور نہ حکم اصل سابق پر جس کا اعتماد ہو اور یہ صورت ایسی ہی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا تھا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ کیونکہ آپ کو اس میں تردد ہو گیا تھا اس وجہ سے کہ قبضہ سے خصوصیت ہدیہ اور صدقہ کی کچھ نہیں تھی اور نہ کچھ استصحاب تھا۔ غرضکہ ایسی صورت میں بجز سوال کے اور کوئی مفر نہیں، کیونکہ سوال کا جو ہم نے مجہول الحال میں ساقط کیا ہے تو ایسی ہی جگہ ساقط کیا ہے جہاں قبضہ اور اسلام کی علامت ہو۔ حتیٰ کہ اگر کسی شخص کا حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہے اور کوئی شخص اس کے پاس سے گوشت اس کے ذبیحہ کا لیا چاہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ شخص شاید مجوسی ہو گا تو اس شخص کو گوشت کا لینا درست نہ ہو گا جب تک کہ یہ جان نہ لے کہ یہ مسلمان ہے کیونکہ قبضہ سے مردار کی تمیز نہیں ہو سکتی اور نہ صورت سے مسلمانی معلوم ہوتی ہے۔ ہاں اگر کسی شہر میں اکثر مسلمان ہوں تو ہو سکتا ہے کہ جس شخص پر کچھ نشان کفر نہ ہو اس کو مسلمان گمان کیا جائے گو اس گمان میں غلطی کا بھی امکان ہے حاصل یہ کہ ایسا نہ ہو کہ جن صورتوں میں قبضہ اور حال کی شہادت معتبر ہے وہ ان صورتوں میں ملاتی نہ چاہیئے جن میں شہادت معتبر نہیں۔ **مسئلہ** اگر کوئی شخص شہر میں مکان مول لینا چاہے اور اس کو معلوم ہو گیا ہو کہ اس شہر میں مکانات مغصوب بھی ہیں تو اس کو مول لینا درست ہے اس لیے کہ یہ صورت غیر محصور اختلاط کی ہے مگر پوچھ لینا احتیاط اور ورع کی بات ہے اور اگر کسی کوچہ میں مثلاً دس گھر ہوں جن میں سے ایک مغصوب ہو یا وقف ہو تو خریدنا درست ہے جب تک کہ وہ مکان متمیز نہ ہو جاوے اور ایسے موقع پر اس کا حال پوچھنا واجب ہے اور جو شخص کسی شہر میں گیا جس میں بہت رباطیں بنی ہوئی ہیں مگر ایک ایک رباط ایک ایک مذہب والے کے لیے خاص ہے مثلاً حنفیوں کی جدا ہے اور شافعیوں کی جدا تو اس شخص کو جائز نہیں کہ جونسی میں چاہے اس میں ٹھہر کر اس کے وقف میں سے کھاوے بلکہ جس مذہب کا خود ہو اس مذہب والوں کی رباط کو پوچھنا چاہیئے اور اسی میں ٹھہرنا چاہیئے۔ کیونکہ رباط اور مدرسے شہروں میں محصور ہی ہوتے ہیں تو محصور کے اختلاط کی صورت میں بدون تمیز کے اقدام درست نہیں۔

مسئلہ جن جگہوں میں کہ ہم نے سوال کو ورع ٹھہرایا تو وہاں یہ نہیں جائز ہے کہ خود چیز کے مالک سے سوال کرنے لگے کہ تمہارا مال یا کھانا کیسا ہے کیونکہ وہ اس صورت غصہ ہوگا بلکہ اگر وہ غصہ نہ ہو تو اس سے پوچھنے کا مضائقہ نہیں اور جب یقین ہو کہ اس کا اکثر مال حرام ہے تو اس وقت تفتیش کرنی واجب ہے اور پھر یہ پرواہ نہ کرنی چاہیئے کہ پوچھنے سے مالک خفا ہوگا اس لیے کہ ظالم کو تو اس سے زیادہ ایذا دینی ضرور ہے اور غالب یہ ہے کہ اس طرح کا آدمی سوال سے غصہ بھی کریگا ہاں اگر شبہ پڑے اور چیز اپنے وکیل خواہ غلام یا شاگرد یا کسی رشتہ دار یا نوکر چاکر کے ہاتھ سے پہنچے تو جائز ہے کہ ان سے تفتیش کرے کیونکہ وہ اس کے سوال سے غصہ نہ ہوں گے۔ علاوہ ازیں سوال اس سے چاہیئے کہ ان کو حلال کا طریقہ تعلیم کرے اور اسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے غلام کی کمائی کا حال پوچھا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس شخص سے تفتیش کی جس نے آپ کو زکوٰۃ کے اونٹوں کا دودھ پلایا تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ جب آپ کی خدمت میں بہت سا مال لے کر آئے تو ان سے پوچھا کہ بھلے مانس کیا یہ سب طیب ہے باین وجہ کہ آپ کو کثرت مال سے تعجب ہوا اور حضرت ابو ہریرہؓ آپ کی رعیت سے تھے اور سوال بھی کتنا نرمی سے کیا تھا اور یہیں وجہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک امام کے عدل اور نرمی کی نسبت کوئی زیادہ محبوب چیز نہیں اور نہ اس کے پاس جور و ستم سے زیادہ کوئی بری چیز۔ مسئلہ حارث محاسبیؒ کا یہ قول ہے کہ اگر آدمی کا کوئی دوست یا بھائی اس سے تفتیش کرنے سے خفا نہ ہو تب بھی ورع کی رو سے تفتیش کرنی چاہیئے کیونکہ کیا عجب ہے کہ جو چیز اس سے پوشیدہ تھی وہ اس پر ظاہر ہو جاوے تو گویا یہی شخص اس کی پردہ دری کا باعث ہوگا اور انجام کو دونوں میں بغض پڑ جاوے گا اور واقع میں انہوں نے خوب کہا اس لیے کہ تفتیش جس صورت میں کہ بمقتضائے احتیاط اور ورع کے ہے اور واجب نہیں ہے تو ان جیسی باتوں میں، اور ورع یہی ہے کہ پردہ دری سے اجتناب کیا جاوے اور بغض پیدا کرنے والی بات سے احتراز رہے۔ اور محاسبی نے اتنا اور کہا کہ اگر اس شخص کو کچھ شبہ بھی ہو تو تب بھی تفتیش نہ کرے اور اس پر یوں گمان رکھے کہ مجھ کو مال طیب ہی کھلاوے گا اور برا مال مجھ سے علیحدہ رکھے گا اور اگر اس کے دل کو تسکین نہ ہو تو کسی عمدہ بہانے سے نہ کھاوے مگر تفتیش سے اس کی پردہ دری نہ کرے اس لیے کہ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ اس نے ایسا کیا ہو تو یہ قول آپ کا باوجود ان کے زاہد ہونے کی شہرت کے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب مال میں تھوڑا سا حرام مل گیا ہو تو مسامحت کرنی چاہیئے مگر شرط یہ ہے کہ حرمت کا اختلاط وہم سے معلوم ہوا ہو چنانچہ ان کے قول میں لفظ شبہ اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر حرام کا تحقق یقینی ہے تو اس کا یہ حکم نہیں پس تفتیش کرنے والے کو ان دقائق کا لحاظ بھی چاہیئے۔ مسئلہ بعض لوگ کبھی کہنے لگتے ہیں کہ جس شخص کا کچھ مال حرام ہو اس سے استفسار کرنے میں کیا فائدہ ہے کہ جو شخص مال حرام کو حلال جانتا ہے وہ عجب نہیں کہ جھوٹ بھی بول دے اور اگر اس باب میں اس کو امین جاننا چاہیئے تو حلال مال کے باب میں بھی اس کی دیانت پر اعتماد کرنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شخص کے مال میں حرام مخلوط ہے اور اسکی ضیافت میں تمہارے جانے سے یا اس کا ہدیہ قبول کرنے سے کوئی اس کا مطلب نکلتا ہے تو اس صورت میں البتہ اس کے قول پر اعتماد نہ چاہیے اور اس سے استفسار کرنے

میں بلاشبہ کچھ فائدہ نہیں بلکہ چاہیے کہ اس کے سوا دوسرے شخص سے استفسار کرے۔ اگر اسی طرح وہ شخص کوئی چیز بیچتا ہو اور نفع لینے کے لیے اس کی بیع کا راغب ہو تو اس کے یہ کہدینے سے کہ یہ چیز حلال ہے اعتماد واثق نہ ہو گا اور اس سے استفسار کرنے سے کچھ فائدہ ہے بلکہ سوال دوسرے شخص سے کرنا چاہیے۔ غرضکہ قابض سے استفسار اسی صورت میں چاہیئے کہ اس کی کوئی غرض مطلق نہ ہو جیسے متولی وقف سے کوئی پوچھے کہ یہ جو تم دیتے ہو یہ کس قسم کا مال ہے یا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدیہ اور صدقہ کا مال پوچھا تھا کہ اس طرح کے سوال سے نہ قابض کو ایذا ہے اور نہ یہ کہدینے میں اس کی غرض ہے اسی طرح اگر دوسرے کو یوں کہے کہ تم کو طریقہ کسب حلال کا معلوم نہیں اور اس کے جواب میں وہ اپنا صحیح طریقہ بتلادے تو تہمت نہ کیا جاوے گا، ایسا ہی اگر اپنے غلام اور خادم سے استفسار کرے اس نظر سے کہ ان کے کمانے کا طریق معلوم نہ ہو تو ایسی جگہ استفسار مفید پڑے گا اور جس صورت میں کہ مال والے کی کچھ غرض ہو اور وہ متہم ہو تو اس کا حال دوسرے سے پوچھنا چاہیئے۔ اور جب ایک مرد عادل کچھ حال بتادے تو اس قول کو قبول کرے اور اگر فاسق کچھ حال کہے اور قرینہ حالیہ سے معلوم ہو کہ وہ جھوٹ نہیں کہتا اس لیے اس کو اس میں کچھ غرض نہیں تو فاسق کے قول کو قبول کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ معاملہ اس کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان ہے اور یہاں مطلوب نفس کا اطمینان ہے اور بعض اوقات فاسق کے قول سے اتنا وثوق حاصل ہوتا ہے کہ بعض حالتوں میں عادل کے قول سے بھی نہیں ہوتا اور یہ کلیہ نہیں کہ جو فاسق ہو وہ جھوٹ ہی بولا کرے اور نہ یہ ہے کہ جو بظاہر عادل معلوم ہوتا ہے وہ سچ ہی کہا کرے۔ ہاں گواہی کا مدار جو ظاہری عدالت ہے وہ حکم کی ضرورت سے ہے کیونکہ دلوں پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فاسق کی گواہی قبول فرمائی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص کو تم پہچانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہ مرتکب گناہوں کا ہوتا ہے لیکن وہ شخص جب کسی چیز کا حال تم سے کہتا ہے تو تم اس کا اعتبار کر لیتے ہو اس طرح تمیز دار لڑکا جس کا حال تم کو معلوم ہو کہ اس کے مزاج میں استقلال ہے تو اس کے کہنے سے بھی وثوق حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر اعتماد کرنا درست ہے لیکن اگر کوئی مجہول شخص جس کا کچھ حال معلوم نہ ہو خبر دے تو یہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کے قبضہ میں کی چیز کو ہم نے کھانا جائز لکھا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کا قبضہ بظاہر ملک کی دلیل ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مسلمان ہونا اس کی راست گوئی کی دلیل ظاہر ہے مگر تامل اسی صورت میں ہے اور اس کا قول تاثیر کچھ نہ کچھ نفس میں کرتا ہے یہاں تک کہ اگر ایسے ہی بہت سے آدمی ایک بات پر متفق ہوں تو ظن غالب ہو جاوے لیکن ایک کے قول کی تاثیر نہایت ضعیف ہے۔ پس اس کی تاثیر کی حد دیکھنی چاہیئے کہ دل میں کتنی ہے اس لیے کہ ایسی جگہوں میں دل ہی حکم کیا کرتا ہے اور دل کو خفیہ قرینے ایسے سوجھتے ہیں کہ ان کے بیان سے زبان قاصر ہے تو اس میں تامل کرنا ضروری ہوا اور اس کی طرف التفات کے واجب ہونے کی یہ دلیل ہے کہ عقبہ بن حارثؓ [۱] آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ بعد اس کے ایک لونڈی سیاہ فام آئی اور اس نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹی معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا اپنی منکوحہ کو چھوڑ دے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ لونڈی سیاہ فام ذلیل ہے آپ نے فرمایا

---

[۱] بخاری بروایت عقبہ بن حارث ۱۲

کہ آخر اس نے کہا تو کہ اسنے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تیرے لیے اس منکوحہ میں بہتری نہیں تو اسکو چھوڑ دے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کیسے نہ چھوڑیگا۔ اب یہ جو کہا گیا (یعنی ایک عورت کا دونوں کو دودھ پلانا زبان زد ہو گیا) اور جس صورت میں کہ مجہول شخص کا جھوٹ بولنا معلوم نہ ہو اور نہ کوئی ایسی علامت ظاہر ہو جس سے اس امر میں اسکی غرض کوئی پائی جاتی ہو تو اسکے کہنے کا اثر دل میں ضرور ہوتا ہے اور یہیں وجہ احتراز ایسی صورت میں موکّد ہے اور اگر اس کے قول کو دل پر اطمینان ہو جاوے تو احتراز واجب اور لازم آجاتا ہے مسئلہ جس صورت میں استفسار واجب ہے اگر اسمیں دو عادل شخصوں یا دو فاسقوں کے قول ایک دوسرے پر کی ضد پڑیں تو دونوں کا اعتبار کیا جاویگا۔ اور جائز ہے کہ اپنے دل میں ایک عادل کے قول کو ترجیح دے لے خواہ ایک فاسق کے قول کو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں طرفوں میں سے ایک کو کثرت کے باعث خواہ اسکی خصوصیت سے کہ اسکا تجربہ اور حالت سے واقفیت زیادہ ہے ترجیح دے لیوے اور اس مسئلہ کی صورتیں اکثر پیش آیا کرتی ہیں مسئلہ ایک خاص قسم کا اسباب لوٹا گیا اور اس قسم کے اسباب میں سے کوئی چیز ایک شخص کے پاس ہے اور دوسرا شخص اسکو اس سے مول لیا چاہتا ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ چیز لوٹ میں کی نہ ہو تو مشتری کو خریدنا درست ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے اگر بائع نیکبختی میں معروف ہے اور مشتری بھی اسکو صالح جانتا ہو خریدنا درست ہے اور چھوڑنا ورع ہے اور اگر بائع مجہول الحال ہو کہ اسکا کچھ حال معلوم نہ ہو تو اب خیال کرنا چاہیئے کہ اگر اس قسم کی چیز بدوں لٹی ہوئی بھی بہت ملتی ہو تب تو مشتری کو جائز ہے کہ خرید کرلے اور اگر اس جگہ میں وہ چیز کمیاب تھی مگر لوٹ سے بہت ہو گئی تو اس صورت میں حلت پر دلالت صرف قبضہ کی رہ گئی اور اسکے معارض ایک علامت خاص ہوئی یعنی شکل اس اسباب کی اور قسم تو اب اس کی خرید سے باز رہنا ورع مہم ہے مگر وجوب ورع میں تامل ہے کیونکہ علامت متعارض ہے اور کوئی حکم ہم نہیں کر سکتے بجز اسکے کہ مشتری کے دل پر حوالہ کر دیں تاکہ وہ اپنے جی میں قوی بات کو تامل کرے اگر اسکے دل میں اس بات کی قوت ہو کہ یہ چیز لوٹ کی ہے تو اسکو اسکا نہ لینا لازم ہے ورنہ خریدنا حلال ہے اور اس طرح کے واقعات اکثر مشتبہ ہو جاتے ہیں اور بہت لوگ ان کو نہیں پہچانتے پس جو کوئی ان سے محترز رہے گا وہ اپنی ابرو اور دین محفوظ رکھے گا اور جو کوئی ان میں گھسے گا وہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے گا مسئلہ اب اگر کوئی یوں کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دودھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس کا حال استفسار فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ بکری کا ہے، آپ نے بکری کو پوچھا کہ کہاں تھی جب اسکا حال بیان کر دیا گیا تو آپ خاموش ہو رہے، تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ مال کی اصل کا استفسار واجب ہے یا نہیں اور اگر واجب ہے تو ایک اصل کا یا دو کا یا تین کا اور اس باب میں قاعدہ کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اصل کا پوچھنے میں کوئی قاعدہ اور حد مقرر نہیں بلکہ جس شبہ کے باعث اس استفسار کی نوبت ہوئی ہو اسی کو دیکھنا پڑتا ہے کبھی تو سوال واجب ہوتا ہے اور کبھی ورع کے طور پر ہوتا ہے اور جس جگہ شبہ منقطع ہو جاتا ہے اسی جگہ استفسار موقوف ہو جاتا ہے اسکی کچھ حد نہیں اور یہ شبہ حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے مثلاً اگر اس بات میں شبہ ہو کہ مالک کے پاس یہ چیز بوجہ حلال پہنچی یا نہیں تو جسوقت یہ کہدے گا کہ میں نے اس کو مول لیا ہے تو ایک ہی سوال میں شبہ منقطع ہو جاوے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ یہ دودھ میری بکری کا ہے تو شک پڑا کہ بکری کہاں سے آئی ہو گی اس صورت میں اگر کہدے گا کہ میں نے مول لی ہے تو شبہ جاتا رہے گا اور اگر بدوں کا حال دیکھ کر کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ چھینا ہوا مال ہے اور اسکی نسل جاری رہتی ہے، شبہ پڑے گا تو یہ شبہ اتنا کہنے سے نہ جائیگا کہ دودھ میری بکری کا ہے یا میری بکری کی بچھیا کا ہے۔ ہاں اگر اس بکری کو کہے گا کہ مجھ کو وراثت میں باپ سے پہنچی ہے اور اس کا باپ مجہول الحال ہو گا تو البتہ استفسار منقطع ہو جاوے گا اور اگر یہ معلوم ہو گا کہ اس کے باپ کا تمام مال حرام تھا تو حرمت کھل جاوے گی اور اگر یہ معلوم ہو گا کہ اس کا مال حرام تھا تو تناسل کے ہونے اور مدت کے گزرنے اور وراثت کے جاری ہونے سے اس کا حکم متغیر نہ ہو گا۔ پس مال کی اصل کے استفسار میں ان باتوں سے تامل کرنا چاہیئے مسئلہ مجھ سے یہ سوال ہوا کہ کچھ لوگ صوفی ایک خانقاہ میں رہتے ہیں اور جو شخص کہ متولی خانقاہ ہے اس کے پاس ایک وقف تو ایسا ہے جو خانقاہ والوں کے لیے ہے اور دوسرا ایسا ہے جو اور لوگوں کے لیے ہے اور متولی مذکور دونوں وقفوں مال کو ملا کر ان خانقاہ کے لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے تو اس کا کھانا

صوفیوں کو حلال ہے یا حرام یا شبہ، میں نے یہ جواب دیا کہ اصل مسئلہ میں سات اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ **اصل اوّل** یہ کہ جو کھانا خادم خانقاہ ان صوفیوں کے سامنے رکھتا ہے غالباً اس کو داد و دستد سے خریدتا ہوگا۔ یعنی الفاظ بیع و شراء کے نہ بولے جاتے ہوں گے اور ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ بدون کہنے الفاظ بیع و شرا کے بیع درست ہو جاتی ہے خصوصاً کھانے کی چیزوں اور کم قیمت والی چیزوں اور کم قیمت والی چیزوں میں تو اس کا کھانے میں اصل اسکے بموجب بھی صرف شبہ خلاف ہے اور **دوسری اصل** یہ کہ دیکھنا چاہیئے کہ خادم اس کھانے کو مال حرام دے کر لیتا ہے یا ادھار خریدتا ہے اگر مال حرام کے بدلے میں لیتا ہے تو وہ کھانا حرام ہے اور اگر معلوم نہ ہو کہ کیسے خریدتا ہے تو غالب یہی ہے کہ ادھار لیتا ہو اور ظن غالب پر عمل کرنا درست ہے تو اس اصل کے بموجب بھی حرمت نہیں ثابت ہوتی بلکہ شبہ احتمال بعید کا پیدا ہوتا ہے یعنی خادم نے مال حرام دے کر لیا ہو۔ **تیسری اصل** یہ کہ خادم وہ کھانا کہاں سے مول لیتا ہے اگر ایسے شخص سے مول لیتا ہے جس کا اکثر مال حرام ہے تو درست نہیں اور اگر ایسے سے لیتا ہے جس کا کمتر مال حرام ہے تو اس میں تامل ہے جیسے ہم نے اوپر بیان کیا اور جبکہ معلوم نہ ہو کہ کیسے شخص سے لیا تو اس پر عمل کرنا درست ہے کہ اس نے ایسے ہی لیا ہے جس کا مال حلال یا جس کا حال مشتری کو یقیناً معلوم نہ ہو جیسے مجہول الحال ہوتا ہے۔ اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مجہول الحال سے خریدنا جائز ہے اس لیے غالب یہی ہے تو اس اصل سے بھی حرمت پیدا نہیں بلکہ شبہ احتمال ہوتا ہے **چوتھی اصل** یہ کہ کھانا اپنے لیے خریدتا ہے یا لوگوں کیلئے کیونکہ متولی اور خادم نائب کے ہوتے ہیں اور نائب کو اختیار ہے کہ چاہے اپنے لیے لے یا دوسروں کے لیے لیکن یہ امر نیت سے ہوتا ہے یا صریح الفاظ سے، اور جس صورت میں کہ خرید داد و دستد سے ہوئی ہے تو الفاظ کہاں بولے گئے ہوں گے اور غالباً متولی یا خادم داد و دستد کے وقت کچھ نیت نہ کرتا ہو، اور قصائی اور نانبائی اور دوسرے معاملہ کرنے والے اسی پر اعتماد کرتے ہوں گے اور اس کے ہی ہاتھ بیچتے ہوں گے، نہ ان لوگوں کے ہاتھ جو موجود نہیں تو یہ بیع بلاشبہ متولی کی طرف سے ہوگی اور بیع کی ملک میں داخل ہو گی، اس صورت میں نہ حرمت ہے اور نہ شبہ لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صوفی متولی کا ملک کھاتے ہیں **پانچویں اصل** یہ کہ خادم جو ان کے سامنے کھانا رکھتا ہے۔ اس کو ضیافت خواہ ہدیہ بدون عوض نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ متولی اس پر راضی نہ ہوگا بلکہ وہ اس لیے رکھتا ہے کہ اس کا عوض وقف میں سے ملنے کا اس کو اعتماد ہے تو واقع میں یہ معاوضہ ہوا مگر بیع اور قرض دینا نہیں کیونکہ اگر بالفرض ان سے ثمن مانگنے لگے تو بعید جانا جاوے گا اور قرینہ حال سے بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا تو اب اس صورت کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہدیہ بشرط عوض ہے یعنی ایسا ہدیہ ہے کہ جس میں ہدیہ کرنے والے نے کوئی لفظ نہیں کہا مگر قرینہ اس کے حال کا یہ چاہتا ہے کہ عوض کا طامع ہو اور ایسا ہدیہ صحیح ہے اور عوض بھی لازم ہے اور یہاں خادم کو کوئی اور عوض کی طمع نہیں بجز اس کے کہ کچھ جو ان لوگوں کا حق وقف میں ہو اس کو دیوے اور اس سے نانبائی اور قصائی اور بقال کا قرض ادا کرے تو اس اصل میں کچھ شبہ بھی نہیں کیونکہ بطمع عوض ہدیہ دینے اور کھانا سامنے رکھنے میں لفظوں کا کہنا مشروط نہیں اور جو لوگ طمع عوض کے ساتھ ہدیہ کو نادرست کہتے ہیں ان کے قول کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، **چھٹی اصل** یہ ہے کہ جو عوض ایسے

ہدیہ کا لازم آتا ہے وہ کتنا ہو اس میں اختلاف ہے۔ بعضوں کا یہ قول ہے کہ اتنا ہو کہ ادنیٰ درجہ کا مال کہہ سکیں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ بمقدار قیمت ہدیہ کے ہونا چاہیے اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ جس قدر سے ہدیہ دینے والا راضی ہو جاوے اس قدر چاہیے گو وہ چیز کی قیمت کا دوگنا یا تگنا ہو جاوے۔ اور قول صحیح یہی ہے کہ عوض واہب کے رضا کا تابع ہوتا ہے۔ اگر وہ راضی نہیں ہوتا تو مالک کو واپس کر دیتا ہے اور صورت مفروضہ میں خادم کو جو حق ساکنین خانقاہ کا وقف میں سے ملتا ہے اس پر راضی ہے۔ اب یہ تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو یہ کہ جتنا اس نے کھانے میں صرف کیا اسی قدر وقف میں سے ملا تو کچھ خدشہ نہیں یا یہ کہ اس مقدار سے کم ملا اور اس پر خادم راضی ہو گیا تو اس صورت میں بھی معاملہ ٹھیک ہوا یا یہ کہ خادم راضی نہ ہوتا لیکن بشرطیکہ اس کے قبضہ میں دوسرا وقف نہ ہوتا جس کو وہ انہیں ساکنین کی قوت سے تحصیل کرتا ہے تو اس صورت میں وہ ایسی عوض پر راضی ہوا جس میں کچھ حلال اور کچھ حرام، مگر حرام ان رہنے والوں کے ہاتھ نہیں آیا تو ایسی صورت ہوئی کہ گویا چیز کے ثمن میں خلل واقع ہوا جس کا حکم ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ کونسی صورت میں شبہ کا، اور یہ مقتضی حرمت کا نہیں۔ جیسی ہم نے اوپر تفصیل کی ہے اور نہ یہ ہے کہ جس ہدیہ کا سبب سے ہدیہ دینے والا حرام تک پہنچے وہ ہدیہ خود حرام ہو جاوے۔ ساتویں اصل یہ ہے کہ خادم نانبائی اور قصائی اور بقال کا قرض دونوں وقفوں کی پیداوار سے ادا کرتا ہے پس اگر جتنا کھانا صوفیوں نے کھایا ہے اسی قدر ان کے وقف میں سے ان لوگوں کے پاس پہنچا ہے تو معاملہ ٹھیک ہوا اور اگر اس قدر سے کم پہنچا ہے تو انجام کو راضی ہو گئے ہیں، خواہ ثمن حلال کا تھا یا حرام کا تو یہ صورت بھی کھانے کے ثمن میں خلل پڑنے کی ہوئی، اس میں اس بیان کو دیکھنا چاہیے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ادھار خریدے اور ثمن مال حرام سے ادا کرے اور یہ صورت اس وقت ہے کہ یقیناً معلوم ہو کہ مال حرام سے ثمن ادا کیا۔ اور اگر اس میں یہ بھی احتمال ہو کہ مال ہی سے ادا کیا ہے تو شبہ اور بھی کم ہو جاوے گا۔ ان سب اصولوں کے بیان کرنے سے یہ حکم نکلا کہ صوفیوں کو اس مال کا کھانا حرام نہیں بلکہ شبہ کے مال کا کھانا ہے جو ورع سے بعید ہے اس لیے کہ یہ اصول جب بہت ہوتیں اور ہر ایک میں کچھ احتمال نہ رہا تو نفس میں حرمت کا احتمال قوی ہو گیا جیسے خبر میں اسناد طویل ہوتی ہے تو کذب کا احتمال زیادہ ہوتا ہے، بہ نسبت اس صورت کے اسناد قریب ہو۔ غرضکہ اس واقعہ کا حکم یہ ہے اور یہ کثیر الوقوع ہے اور ہم نے اس کو اس لیے لکھا ہے تاکہ تم کو معلوم ہو کہ جو مسائل پیچیدہ اور مشتبہ ہوتے ہیں ان کا حکم کس طرح چاہیئے اور ان کے اصول کس طرح بنانے چاہئیں کیونکہ یہ بات اکثر مفتیوں کو نہیں آتی۔

چوتھی فصل توبہ کرنے والا مالی حقوق سے کس طرح بری الذمہ ہوگا؟

واضح ہو کہ جو شخص توبہ کرے اور اس کے قبضہ میں مال مختلط ہو تو اس پر دو باتیں لازم ہیں، اول جدا کرنا مال حرام کا اپنے مال میں سے، دوم اس کا صرف کرنا، اس لیے اس فصل کو دو بیانوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔

مال حرام کی تمیز اور اسے علیحدہ کرنا جاننا چاہیے کہ جو شخص توبہ کرے اور اس کے قبضہ میں کوئی چیز غصب یا ودیعت وغیرہ کی بوجہ حرام ہے تو اس کو اس کا علیحدہ کرنا سہل ہے اور اگر اس کا مال حرام اس میں ملا جلا ہو تو

اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ایسا مال ہے جو مثلی یعنی وزنی خواہ کیلی ہے جیسے غلہ، روپیہ، اشرفی اور تیل وغیرہ یا ایسا ہو جو مثلی نہیں جیسے غلام اور گھر اور کپڑے، تو اگر مال مثلی ہو اور مال حرام سب میں ملا جلا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے تجارت سے کچھ مال پیدا کیا اور جانتا ہے کہ میں نے بعض مال کو نفع پر بیچنے میں جھوٹ بولا ہے اور بعض میں سچ کہا ہے یا کسی شخص نے تیل غصب کر کے اپنے تیل میں ملا لیا ہے یا غلہ اور نقد روپیہ اور اشرفی میں ایسا ہی ہوا ہے تو اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو مال حرام کی مقدار اس کو معلوم ہے یا نہیں، اگر معلوم ہے یعنی جانتا ہے کہ مثلاً سب مال میں نصف ہی حرام ہے تو اس کو چاہیے کہ نصف مال علیحدہ کر دے اور اگر مقدار معلوم نہ ہو تو اس کے دو طریق ہیں اوّل یہ کہ یقین کو اختیار کرے۔ دوم یہ کہ غلبۂ ظن پر عمل کرے چنانچہ رکعات نماز کے مشتبہ ہونے کی صورت میں علماء کے دو قول ہیں اور ہم نماز کے باب میں یقین ہی کو اختیار کرتے ہیں اس لیے کہ اصل کو یہی ہے کہ رکعات مصلی کے ذمہ ہیں تو وہی حکم ہوگا۔ اور اس میں بدون علامت قوی کے کوئی تبدیلی نہ ہو گی اور رکعتوں کے شمار میں کوئی علامت ایسی نہیں کہ جس کا اعتبار کیا جاوے اور یہ صورت مال میں نہیں کیونکہ یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس قدر اس کے قبضہ میں ہے سب حرام ہے بلکہ مشتبہ ہے اسی لیے اس کو غلبۂ ظن پر اجتہاد سے عمل کرنا درست ہے مگر ورع یہ ہے کہ یقین کو اختیار کرے پس اگر ورع کا ارادہ کرے تو اس میں اجتہاد کا طریقہ یہ ہے کہ جس قدر میں حلال ہونے کا یقین ہو اسی کو رکھے اور کچھ نہ رکھے اور اگر غلبۂ ظن کو اختیار کرنا چاہے تو اس کا طریق یہ ہے کہ جو مال اس کے قبضہ میں ہو اس میں مثلاً نصف تو حلال ہے اور ثلث حرام ہے تو اس صورت میں ایک سدس مال مشکوک رہا اس میں غلبۂ ظن پر عمل کرے اور ہر حال میں اٹکل کا طریق یہی ہے کہ جتنی مقدار یعنی حرام ہو اس کو علیحدہ کر دے اور جس قدر یقینیاً حلال ہو اس کو علیحدہ رکھے اور جس قدر میں تردد ہو اس میں غلبۂ ظن حرمت کا ہو تو جدا کر دے اور اگر حلت غالب ہو تو اس کا رکھ لینا درست ہے اور ورع یہ ہے کہ اس کو بھی جدا کر دے اور اگر غلبۂ ظن کسی طرف نہ ہو بلکہ شک ہو تو اس کو رکھ لینا جائز ہے اور ورع کی رو سے اس کو نکالنا چاہیئے اور یہ ورع موکد تر ہے کیونکہ مال مشکوک ہے اور اس کا رکھ لینا صرف اس اعتماد پر تھا کہ وہ مالک کے قبضہ میں ہے اور اس سے ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ حلت کی وجہ غالب ہے مگر بوجہ اختلاط حرام کے بعد ضعیف ہو گئی اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اصل تو حرمت ہے تو ایسی ہی چیز لیوے جس میں غلبۂ ظن حلال ہونے کا ہو۔ اور یہاں دونوں طرفوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں، اور ہمارے نزدیک فی الحال کوئی ترجیح نہیں معلوم ہوتی تو یہ صورت مسائل مشکلہ سے ہو گئی، اب اگر یہ کہو کہ یہ تو مانا کہ اس نے یقینی بات کو اختیار کیا لیکن جس مال کو وہ نکالے گا اس کو کیا معلوم ہے کہ حرام وہی ہے شاید جو اس کے پاس بچے گا حرام وہی ہو تو ایسی صورت کا حرام کو علیحدہ کرنا بیکار ہوا اور اگر یہ صورت درست ہے تو یہ بھی درست ہونی چاہیئے کہ جب ایک مردار نو ذبیحوں میں مل جاوے تو دسواں حصہ کل کا ہوا، اس صورت میں وہ شخص جو کسی ایک کو چاہے حرام جان کر نکال ڈالے اور باقی کو رہنے دے اور ان کو حلال جانے لیکن تم اس میں یہ کہتے ہو کہ شاید حرام انہیں میں ہو جو اس نے رکھ لی ہیں بلکہ اگر وہ نو کو نکال ڈالے گا اور ایک رکھ لے گا تب بھی حرام کہتے ہو اسی احتمال سے کہ شاید مردار یہی ایک ہو تو یہاں مال باقی کو کیسے حلال بتاتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض جب ہی درست

ہوتا کہ مال اور مردار کا ایک سا حال ہوتا حالانکہ مال تو عوض نکالنے سے حلال ہو جاتا ہے اس لیے کہ معاوضہ مال پر جاری ہے اور مردار میں معاوضہ چل نہیں سکتا اس لیے دونوں کا حکم جدا جدا ہوا۔ اب اس اعتراض کے دفع کرنے کے لیے ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس دو درم جن میں سے ایک حرام ہے اور وہ معلوم نہیں کہ کونسا ہے۔ حضرت امام احمدؒ سے جو اس قسم کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ دونوں کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کو معلوم ہو جاوے۔ اور آپ نے ایک برتن کو گرو رکھا تھا جب قرض ادا کر دیا تو مرتہن آپ کے سامنے وہ برتن لے آیا اور کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ آپ کا برتن کونسا ہے آپ نے دونوں کو نہ لیا۔ مرتہن نے کہا کہ آپ کا برتن یہ ہے مجھ کو فقط آپ کا امتحان منظور تھا آپ نے اس کا قرض دے دیا اور برتن نہ لیا اور یہ آپ کا ورع تھا یہ بات واجب نہیں۔ مثلاً مسئلہ مذکور میں فرض کرو کہ اس درم ثانی کا مالک معین اس وقت موجود ہے تو جب قابض نے اس کو دونوں درموں سے ایک دے دیا تو وہ حقیقت حال جان کر راضی ہو گیا، تو قابض کو دوسرا درم حلال ہو گیا، اس لیے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ درم جو مالک کو ملا خدا تعالیٰ کے علم میں وہی ہے جو قابض نے اس سے لیا تھا، تب تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر وہ دوسرا درم ہے تو اس صورت میں دونوں شخصوں میں سے ہر ایک کا درم دوسرے کے پاس ہے تو احتیاط یہی چاہتی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے بلفظ بیع معاوضہ کر لیویں اور اگر نہ کریں تب بھی داد و ستد سے ایک کا حق دوسرے کے حق سے مجرا ہو جاوے گا، تو ایسی صورت ہوئی کہ غاصب کے پاس سے مالک کا درم جاتا رہا اور اس کا بعینہٖ ملنا دشوار ہو گیا تو تاوان کا مستحق ہوا۔ پس جو درم مالک کے پاس آیا وہ گویا تاوان اس کے درم کا دوسرے شخص سے ملا اور یہ صورت مالک کی جانب تو بنگئی اس لیے کہ جس کی خاطر ضمان لیا جاتا ہے وہ شخص ضمان کا مالک بطور قبضہ کرنے کے ہو جاتا ہے کچھ منہ سے کہنے کی ضرورت نہیں مگر قابض کی جانب یہ صورت نہیں بنتی کیونکہ اس کے پاس کا درم اگر خود اس کا نہیں تو اس کی ملک میں داخل نہیں ہوا مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر اس نے خاص اپنا درم مالک کو دیدیا تو اس کا بھی ایک درم اپنے ہاتھ سے جاتا رہا جس کا بعینہٖ ملنا ممکن نہیں تو وہ بھی ایسا جیسا کھو یا جاوے تو وہ درہم جو اس کے پاس رہا وہ خدا کے علم میں اسی کا عوض رہا جو اس کا کھو یا گیا اور اگر واقع میں ایسا ہی ہوا ہے یہ مبادلہ خدا تعالیٰ کے علم میں ہو جاوے گا جیسے دو آدمی ایک دوسرے کا ایک درم ضائع کر دیں تو بدلہ اور کسی سے تاوان نہ لیا جاوے گا بلکہ اگر اسی صورت مفروضہ میں دونوں شخص اپنے اپنے ہاتھ کا درم دریا میں ڈال دیں یا جلا دیں تو ایسا ہی ہے جیسے تلف کر دیا اور کسی پر تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک دوسرے کا حق مجرا ہو گیا تو ایسا ہی اس صورت میں حکم چاہیئے جبکہ تلف نہ ہوا ہو کیونکہ اس حکم کا قائل ہونا اس سے اچھا ہے کہ یوں کہا جاتے کہ جو کوئی ایک درم حرام لے کر دس لاکھ میں دوسرے کے ملا دے تو سارا مال دوسرے شخص پر ممنوع التصرف ہو جاتے گا۔ اس میں اس کو تصرف کرنا درست نہیں، تو دیکھو کہ اس مذہب میں کتنی دوری ہے اور جو حکم ہم نے بیان کیا ہے اس میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں کہ لفظ بیع کو ترک کر دیا ہے حالانکہ داد و ستد بھی بیع ہے اور جو کوئی اس کو بیع نہیں کہتا تو ایسی جگہ نہیں کہتا کہ اس میں احتمال کو دخل ہے۔ اس وجہ سے کہ فعل اس کی دلالت کو ضعیف کر دیتا ہے اور جس جگہ کہ منعقد ہو سکتا ہو اور یہاں اس کا دینا اور اپنا لینا قطعاً مبادلہ کے لیے ہے

اور بیع ہو نہیں سکتا اس لیے کہ بیع تو مشار الیہ ہے اور نہ بعینہٖ معلوم ہے۔ علاوہ ازیں بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بیع کو قبول نہیں کرتیں جیسے مثلاً ایک رطل آٹا دوسرے کے ہزار رطل آٹے میں ملا دے یا دو شاب خرما اور تر چھوہارے اسی طرح ملا دے۔ اور یہی حال ہر ایک چیز کا ہے جس کا ایک حصّہ دوسرے کے بدلے میں بیع نہیں کیا جاتا۔ اب اگر کوئی یوں کہے کہ تم نے اس جیسی صورت میں اپنے حق کے موافق لے لینے کو جائز رکھا ہے اور اس کو بیع قرار دیتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کو بیع قرار نہیں دیتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ چونکہ وہ چیز عوض ہے اس چیز کا جو دوسرے کے پاس سے جاتی رہی اس لیے کہ وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ جیسے کسی کے چھوہارے دوسرے شخص نے تلف کر دیئے اور مالک نے اسی قدر تلف کنندہ کے لے لیے تو وہ ان کا مالک ہو جائے گا اور یہ اس صورت میں ہے کہ مال والا بھی اس بات پر اس کا موافق ہو، اور اگر وہ موافق نہ ہو اور یوں کہے کہ میں تو ہرگز درم کوئی نہ لوں گا بلکہ جو خاص میرا تھا وہی لوں گا اگر وہ رل مل گیا ہے تو میں نہ چھوڑتا ہوں نہ معاف کرتا ہوں اور تجھ پر تیرا مال بیکار کیے دیتا ہوں کہ تو بھی تصرف نہ کرے۔ تو اس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ قاضی پر لازم ہے کہ اس شخص کی طرف سے نائب ہو کر اس کا حق دوسرے شخص کے پاس سے قبضہ کرے تاکہ باقی مال اس کو حلال ہو جاوے کیونکہ یہ حق والے کی ہٹ دھرمی اور تنگ گیری ہے اور شریعت میں کہیں ایسی تنگی وارد نہیں ہوئی، اور اگر قاضی بھی نہ ملے تو مالک مال کو چاہیئے کہ کسی شخص دیانتدار کو یہ کہدے کہ وہ حقدار کی طرف سے اس کا حق قبض کرے۔ اور اگر ایسا شخص بھی نہ ملے تو وہ شخص متولی قبض ہو کر اس کا حق اس نیت سے علیحدہ کر دے کہ یہ اس کو دے دوں گا۔ اس صورت میں یہ حق اس حقدار کے لیے متعین ہو جائے گا اور باقی مال اس کو حلال ہو جائے گا۔ اور یہ بات مائعات کے مختلف ہو جانے کی صورت میں ظاہر اور لازم تر ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ اس تقریر کے بموجب چاہیے کہ حقدار کا حق اس کے ذمہ ادھار ہو جاوے تو پھر اول جدا کرنے کی اور باقی میں تصرف کرنے کی کیا حاجت ہے پہلے ہی سے اس کو لے لینا حلال ہونا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جب تک مقدار حرام کی رہے تب تک اس کو اس میں سے لینا حلال ہے۔ مثلاً سو روپیوں میں اگر چار مل جاویں تو چھیانوے روپیہ تک لینا درست ہے اور کل کا لینا درست نہیں اور نہ کوئی اس کو جائز کہتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ جب تک مقدار حرام مال سے بہ سبب توبہ اور قصد ابدال کے جدا نہ ہو جاوے اس وقت تک اس کو لینا درست نہیں اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ دوسرے کو اس شخص سے لینا ہے مگر اس کو دینا نہ چاہیئے۔ اگر وہ اس مال کو تصرف کر کے کسی اور کو دے گا تو گناہ اس کے ذمہ ہوگا نہ لینے والے کے ذمہ۔ لیکن کل مال کا لینا کسی نے تجویز نہیں کیا اور یہ اس لیے کہ اگر مالک پیدا ہو تو وہ اس سب مال میں سے اپنا حق لے سکتا ہے کیونکہ وہ کہہ سکتا ہے کہ شاید جو مجھ کو ملے گا وہ بعینہٖ میرا حق ہے اور جب قابض قدر حرام کو معین کر دیگا اور غیر کا حق نکال کر علیحدہ کر دے گا تو یہ احتمال جاتا رہے گا پس اس احتمال کی جہت سے اس مال کو . . . . . دوسرے پر ترجیح دی جاوے گی اور جو چیز کہ اقرب الحق ہوتی ہے اس کو مقدم کیا کرتے ہیں جیسے مثل کو قیمت پر مقدم کرتے ہیں اور خود بعینہٖ چیز کو مثل پر مقدم کرتے ہیں اسی طرح جس میں رجوع بمثل کا احتمال ہو وہ اس پر مقدم ہوگی جس میں قیمت

کی طرف رجوع کا احتمال ہو اور جس میں رجوع بالعین کا احتمال ہو وہ اس سے مقدم ہو گی جس میں رجوع بالمثل کا احتمال ہو۔ اور اگر بالفرض قابض کے لیے یہ بات درست ہووے کہ دوسرے کا مال اپنے ذمہ ادھار کر کے اس کا حق صرف کر ڈالے تو دوسرے درم والے کو بھی درست ہونا چاہیے کہ دونوں درم لے کر تصرف کر ڈالے اور قابض سے کہے کہ تیرے حق کو ادا کرنا ہو گا۔ دوسری جگہ سے میرے ذمہ ہے کیونکہ اختلاط تو دونوں چیزوں کا ہے تو قابض کے لیے کونسی ترجیح ہے کہ دوسرے سے اس باب میں مقدم کیا جاوے یا دوسرے کے مال کو فائت قرار دیا جاوے۔ ہاں اگر کمتر بہت میں مل گیا ہو تو فرض کر سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت میں جاتا رہا یا جس نے ملایا اس کے اعتبار سے قرار دے سکتے ہیں کہ یہ اپنے فعل سے دوسرے کے حق کا تلف کرنے والا ہوا۔ اور یہ دونوں باتیں یہاں نہیں، اور یہ معاوضہ مثلی چیزوں میں واضح ہے اس لیے کہ مثلی چیزیں اتلافات میں بدون عقد کے بھی عوض ہو جاتی ہیں لیکن جس صورت میں کہ کوئی مکان اور مکانوں میں یا ایک غلام دوسرے غلاموں میں مشتبہ ہو جاوے تو اس میں سبیل بجز صلح اور تراضی کے اور کچھ نہیں، اور اگر وہ نہ مانے بدون اس بات کے خاص اپنا ہی لے اور قابض سے یہ نہ ہو سکتا ہو اور دوسرا یہ چاہے کہ قابض پر سب ملک اس کی بیکار اور ملتوی کر دے تو یہ مکانات ایک دوسرے کے مثل ہوں تب تو یہ طور ہے کہ قاضی سب مکانات کو بیچ کر حصہ رسد ان کی قیمت مالکوں کو دیدے۔ اور اگر مکانات قیمت میں مختلف ہوں تو قاضی بیع کے طالب سے سب سے نفیس گھر کے دام لے کر جو بیع نہیں چاہتا تھا اس کو ادنیٰ کی قیمت حوالہ کر دے جس قدر بچ رہے اس میں توقف کرے جب تک مدعی بیان کرے یا آپس میں دونوں صلح کر لیں، اس لیے کہ یہ صورت مشکل ہے اور اگر قاضی نہ ملے تو جو شخص کہ اپنے آپ کو حرام سے بچایا چاہتا ہے اور کل پر قابض ہے وہ خود اس امر کا کفیل ہو بہتری اسی میں ہے۔ اور اس کے سوا اور احتمالات ضعیف ہیں جن کو ہم پسند نہیں کرتے اور بیان سابق میں اس کی وجہ بھی پائی جاتی ہے اور اختلاط مثلیات میں تو یہ امر ظاہر ہے اور نقد میں اس سے کم ہے اور اسباب میں دقیق تر ہے اسلیے کہ وہ ایک دوسرے سے بدل واقع نہیں ہوتا اس میں بیع کی حاجت ہوتی۔ اب ہم کچھ مسائل لکھتے ہیں جن سے اصل کا بیان کامل ہو۔ **مسئلہ** ایک شخص کئی دوسرے شخصوں کے ساتھ مورث کا وارث ہے اور حاکم نے ان کے مورث کی کوئی زمین چھین لی تھی، اب حاکم مذکور نے وہی قطعہ اس شخص کو پھیر دیا تو وہ سب وارثوں کا ہو گا اور اگر اس قطعہ کا نصف پھیرا اور اس کا حق بھی ترکہ میں نصف ہی ہے تب بھی دوسرے وارث اس کے شریک ہی ہوں گے کیونکہ جو نصف اس کا ہے وہ علیحدہ نہیں ہے تا کہ یہ کہا جاوے کہ اس کا نصف پھرایا اور باقی ضبط رہا۔ اور بادشاہ کی نیت اور قصد سے بھی علیحدہ نہ ہو گا۔ اگر وہ نیت کرے کہ دوسروں کا حصہ بھی ضبط رکھوں گا **مسئلہ** جب ایک شخص کے پاس کسی ظالم بادشاہ سے لیا ہوا مال ہو اور وہ توبہ کرے اور مال مذکور زمین ہو جس سے کچھ پیداوار اس کو ملا کرتا تھا، تو چاہیے کہ جتنے دنوں اس کا پیداوار کھایا ہو اتنے دنوں کا کرایہ موافق معمول گردو پیش کے مالک کو دیوے اس طرح جس مال مغصوب میں سے نفع حاصل ہو سب کا حکم یہی ہے۔ یعنی اس کی توبہ جب ہی درست ہو گی کہ جو مغصوب میں سے حاصل ہوئی ہو اس کو مال میں سے علیحدہ نہ کر دے گا۔ اور غلاموں اور کپڑوں اور برتنوں اور ایسی ہی اور چیزوں کا کرایہ جن کے

کرایہ دینے کی عادت نہ ہو معلوم ہونا دشوار ہے اس کا اندازہ صرف اٹکل اور تخمینہ پر منحصر ہے اور قیمت لگانا بہرحال اجتہاد ہی سے ہوتا ہے تو ایسی صورتوں میں احتیاط یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اجرت لگا لیوے۔ اور مال مغصوب سے اگر نفع اس طرح حاصل ہوا ہو کہ چیزیں ادھار خریدیں اور ان کا دام اس مال میں سے ادا کیا تو وہ چیزیں اس کی ملک ہوں گی مگر جس صورت میں کہ ان کا ثمن حرام ہو گا تو ان میں شبہ ہو گا چنانچہ اس کا حکم پہلے مذکور ہوا اور اگر مال مغصوب ہی دیکر معاملات کیے تھے تو وہ معاملے بالکل فاسد تھے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر مالک مال اجازت دیدے تو وہ معاملات نافذ ہوں گے اس صورت میں وہ چیزیں مالک کی ہوں گی نہ غاصب کی اور قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ معاملات فسخ ہو کر ثمن پھیر اجاوے اور جس کی جو چیز ہو وہ اس کو حوالہ کی جاوے یا اس کا عوض دیا جاوے اور اگر کثرت معاملات کی جہت سے یہ بات نہ ہو سکے تو جتنا مال اس کے قبضہ میں ہے سب حرام ہے مالک اس کے راس المال کے موافق دے کر جتنا بچے اس کو نکالنا واجب ہے۔ تاکہ صدقہ کیا جاوے اور وہ نہ غاصب کو حلال ہے اور نہ مالک کو بلکہ اس کا حکم اور حرام مالوں کا سا ہے۔

مسئلہ جو شخص مال ارث میں پاوے اور یہ نہ جانے کہ اس کے مورث نے اس کو حلال وجہ سے حاصل کیا تھا یا بوجہ حرام اور کوئی علامت بھی نہیں جس سے حلت یا حرمت معلوم ہو، تو سب علماء متفق ہیں اس بات پر کہ وہ مال حلال ہے اور اگر اس کو یہ معلوم ہو یقیناً کہ اس میں حرام ہے اور مقدار حرام میں شک ہو تو اندازہ سے قدر حرام علیحدہ کردے اور اگر حرام ہونے کا علم نہ ہو مگر یہ جانتا ہو کہ مورث بادشاہوں کا عامل تھا اور احتمال ہو کہ اس نے اپنے عمل میں کچھ نہیں لیا یا لیا تھا مگر طول مدت کے باعث اس کے پاس کچھ نہیں بچا تو یہ صورت شبہ کی ہے اس سے ورع کرنا بہتر ہے، واجب نہیں اور اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ مورث کا کسی قدر مال ظلم کی وجہ سے تھا تو اس پر اس مقدار کا نکالنا لازم ہو گا اور بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اس پر نکالنا لازم نہیں اور گناہ مورث کے ذمہ ہے اور اپنے دلیل میں اس روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص سلطان کا عامل مر گیا تو ایک صحابی نے فرمایا کہ اب اس کا مال اس کے وارث کے حق میں طیب ہو گیا اور یہ روایت ضعیف ہے اس وجہ سے کہ صحابی کا نام نہیں بیان کیا شاید کسی ایسے شخص سے کہدیا جو تساہل کرتے ہوں کہ صحابہ میں بعض اشخاص ایسے بھی تھے جو تساہل کیا کرتے تھے اور صحبت کی تعظیم کے باعث ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب مال میں حرام یقیناً مختلط ہو تو قابض کی موت سے وہ مباح کیسے ہو جائے گا اور اس کا ماخذ کہاں سے ہو گا ہاں جس صورت میں کہ وارث کو معلوم نہ ہو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس بات کا علم اس کو نہیں اس کا مؤاخذہ اس سے نہ ہو گا اس صورت میں جس وارث کو یہ علم نہ ہو کہ اس مال میں یقیناً حرام ہے اس کے لیے وہ طیب ہو گا۔

مال حرام کا صرف کرنا

جبکہ مال حرام کو علیحدہ کرے تو اب تین حال سے خالی نہیں ایک یہ کہ اس مال کا کوئی مالک معین ہے اس صورت میں اس مال کو مالک خواہ وارث اس کے کو حوالہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ اس جگہ نہ ہو تو اس کے آنے کا انتظار کرنا چاہیئے یا جس جگہ ہو اس جگہ وہ مال اس کو پہنچا دے اور اگر اس مال میں کچھ زیادتی اور نفع ہو تو مالک کے آنے تک اس کو بھی جمع کر رکھے۔ دوسرے یہ کہ اس کا مالک معین شخص نہیں اور اس کی تعین سے یاس ہو جاوے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ مرنے کے بعد اس کا کوئی وارث بچا یا نہیں پس ایسی صورت میں اس مال کا پہنچنا ممکن نہیں

توجب تک حال خوب واضح نہ ہو اس مال کو رہنے دینا چاہیے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مالکوں کی کثرت کے باعث مال کا
ان کو واپس کرنا غیر ممکن ہوتا ہے جیسے مال غنیمت میں خیانت کے بعد غازیوں کے متفرق ہو جانے کو ان کو اکٹھا کیسے کرے
اور اگر جمع بھی کر پاوے تو ایک دینار کو مثلاً ایک دو ہزار شخصوں کو کس طرح تقسیم کرے تو ایسے مال کو صدقہ کر دینا چاہیئے
تیسرے یہ کہ وہ مال فئی کا یا بیت المال کا ہے جو سب مسلمانوں کے فائدے کے لیے ہوتا ہے تو اس کو پلوں اور مسجدوں
اور سرایوں اور مکہ معظمہ کی راہ کے چشموں وغیرہ امور کی تیاری میں صرف کرنا چاہیئے تاکہ جو مسلمان وہاں کو گذرے ان سے
فائدہ اٹھاوے اور مسلمانوں کے لیے عام ہو جاوے۔ اور قسم اول کے حکم میں کچھ شبہ نہیں، مگر دوسری قسم کا حکم جو صدقہ کرنا
اور تیسری میں پل وغیرہ بنانا یہ کام ایسے ہیں کہ ان کا کفیل قاضی کو ہونا چاہیئے تو اگر قاضی متدین ملے تو مال مذکور اس کو
حوالہ کرے اور اگر قاضی مال حرام کو حلال جانتا ہو تو ایسے کو مال حوالہ کرنے سے مال کا تاوان اس کے ذمہ رہے گا ایسی صورت
میں شہر والوں میں کسی عالم متدین کو یہ کام سپرد کر دے یا قاضی کے ساتھ اس کو شریک کر دے کہ ایک سے دو بہتر ہیں۔
اور اگر یہ صورت بھی نہ بن پڑے تو خود اپنے آپ ان امور کا کفیل ہو کیونکہ غرض تو صرف کرنے سے ہے اور معین صرف
کرنے والے کی ضرورت اس لیے ہے کہ عوام کے مصالح کے دقائق و مصارف کی باریکیوں سے ہر کوئی واقف نہیں ہوتا
تو جب ایسا شخص نہ ملے تو اصل صرف کر دینا چھوڑنا نہ چاہیے۔ ہاں اگر واقف کار اور دیانت دار میسر ہو تو اس کا ہونا
اولیٰ ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ حرام چیز کے صدقہ کرنے کے جواز کی دلیل کیا ہے اور جس چیز کا آدمی مالک نہیں اس کو صدقہ
کیسے کرے گا۔ علاوہ ازیں لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ مال حرام سے صدقہ دینا درست ہی نہیں، چنانچہ فضیل رح سے منقول ہے
کہ ان کے پاس دو درہم آگئے جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ بے وجہ کے ہیں تو ان کو پتھروں میں پھینک دیا اور فرمایا کہ میں صدقہ
بجز مال طیب کے اور کسی چیز کا نہ دوں گا اور دوسرے کے لیے وہ چیز نہیں پسند کرتا جس کو میں اپنے لیے ناپسند کروں تو اس
کا جواب یہ ہے کہ مال حرام کو صدقہ نہ کرنے کی وجہ اور احتمال ہے مگر ہم نے اس کا خلاف حدیث اور اثر اور قیاس کے
لحاظ سے اختیار کیا۔ حدیث ح یہ ہے کہ جو بکری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھنی ہوئی پیش ہوتی تھی اور آپ
سے بولی تھی کہ میں حرام ہوں تو آپ نے اس کے لیے تصدق کا اشارہ کیا تھا یعنی یہ فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلا دو اور
نیز جب یہ آیت اتری الٓمّٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون تو کفار
نے آپ کو جھٹلایا اور حضرت صدیق اکبر رض سے کہا کہ تم دیکھتے نہیں تمہارے یار کیا فرماتے ہیں یوں فرماتے ہیں کہ روم
عنقریب غالب ہوگی پس حضرت صدیق اکبر نے باجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سے شرط بدی اور جب
اللہ تعالیٰ نے ان کو سچا کیا تو حضرت صدیق رض جو کچھ شرط میں جیتے تھے کفار سے لے کر آپ کی خدمت میں لائے ......

ح احمد وابوداؤد بروایت بروایت مروی از انصار ۱۲ ت۲ دب گئے ہیں روم متصل روم ہیں اور وہ اس دبنے پیچھے اب غالب ہوں گے
کئی برس میں ح۲ بیہقی نے دلائل النبوت میں اس قصہ کو نقل کیا ہے بروایت ابن عباس رض لیکن اس میں یہ نہیں کہ آپ کی اجازت سے ایسا
ہوا اور حدیث ترمذی اور حاکم نے بھی اس کی نقل کی ہے مختصراً ۱۲

آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ یہ حرام ہے انھوں نے اس کو خیرات کر دیا[ع] اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی نصرت عطا فرمانے سے خوش ہوتے اور جوئے کی حرمت بعد میں اتری، یعنی آپ حضرت صدیق رضؓ کو کفار سے شرط بدنے کی اجازت دے چکے تھے اس کے بعد قمار کی حرمت نازل ہوئی۔ اور اثر اس باب میں یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک لونڈی خریدی مگر اس کا مالک پھر نہ ملا کہ اس کو ثمن حوالہ کرتے آپ نے اس کو بہت تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا، پھر آپ نے ثمن خیرات کر دیا۔ اور کہا کہ الٰہی یہ میں اس کے مالک کی طرف سے دیتا ہوں، اگر وہ راضی ہو تو خیر ورنہ اس کا ثواب مجھ کو ملے۔ اور حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے مال غنیمت میں خیانت کی اور بعد لشکر کے متفرق ہونے کے توبہ کی تو اس مال کو کیا کیا جاوے۔ فرمایا کہ خیرات کر دیا جاوے۔ اور روایت ہے کہ ایک شخص کے دل میں بدی آئی اس نے مالِ غنیمت سے سو دینار چرائے۔ پھر امیر لشکر کی خدمت میں ان کو لے گیا کہ یہ مجھ سے قصور ہوا تھا۔ اب ان کو لے لیجیے انھوں نے فرمایا کہ لشکر متفرق ہو گیا میں نہیں لوں گا۔ وہ شخص حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آیا انھوں نے بھی وہ دینار نہ لیے تب وہ ایک عابد کے پاس گیا اس نے کہا کہ اس مال کا پانچواں حصہ امیر معاویہ کے حوالہ کر اور باقی کو خیرات کر۔ امیر معاویہؓ نے جو اس کا قول سنا تو افسوس کیا کہ ہم کو یہ نہ سوجھی۔ احمد بن حنبلؒ اور حارث محاسبیؒ اور کچھ اہل ورع کا مذہب یہی ہے۔ اور قیاس اس باب میں یہی ہے کہ اس مال کا دو حال میں سے ایک حال ضرور ہونا چاہیئے یا تو تلف کیا جاوے یا کسی مصرف خیر میں صرف کیا جاوے اس لیے کہ اس کے مالک کے ملنے کی توقع نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سمندر میں ڈال دینے کی نسبت کار خیر میں صرف کرنا بہتر ہے، کیونکہ اگر بالفرض ہم نے اس کو دریا میں ڈال دیا تو اپنے آپ سے بھی کھویا اور مالک سے بھی اور اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور اگر کسی فقیر کو دیدیں گے تو وہ مالک کے لیے دعا کریگا پس مالک کو اس کی دعا کی برکت ملے گی اور فقیر کی حاجت روائی ہو گی اور صدقہ میں مالک کو بدون اس کے اختیار کے ثواب ملنے کا انکار نہیں چاہیے کیونکہ حدیث میں ہے کہ کاشت کار اور درخت لگانے والے کو اس کی کھیتی اور پھلوں میں سے جس قدر آدمی اور پرند کھاتے ہیں ثواب ملتا ہے اور یہ ان کی بدون اختیار ہی ہے اور جو یہ قول نقل کیا کہ صدقہ بجز مال طیب کے اور کا نہ دوں گا تو یہ اس صورت میں ہے کہ ہم اپنے لیے ثواب کے خواہاں ہوں اور یہاں تو صورت یہ ہے کہ ہم اس مظلمہ سے چھوٹنے کے طالب ہیں ثواب کے خواہاں نہیں اور مال کے تلف کر ڈالنے اور خیرات کر دینے میں متردد ہیں اور خیرات کی جانب کو ضائع کرنے کی جانب پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ جو کسی کا قول تھا کہ ہم غیر کے لیے وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں تو یہ ٹھیک ہے مگر مال مذکور ہم پر حرام ہے کہ ہم کو اس کی حاجت نہیں اور فقیر کے لیے حلال ہے کیونکہ دلیل شرعی نے اس کو حلال کیا ہے اور جب کہ مصلحت مقتضی حلت کی ہوئی تو حلال کہنا واجب ہے اور جس صورت میں کہ وہ مال فقیر کو حلال ہوا تو ہم اس کے لیے حلال ہی کو پسند کرتے ہیں اور کہتے

ع‍ خیرات کر دیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اس کو خیرات کر دے اس حدیث سے دلیل ملی کہ آپ نے اس کو خیرات کرنے کا حکم دیا اور مترجم نے ماضی کا صیغہ لیا تو اس سے دلیل ہی نہ رہی ۱۲

ہیں کہ اس کو یہ جائز ہے کہ اس مال کو اپنے نفس اور عیال پر تصدق کرے بشرطیکہ فقیر ہو، اہل وعیال پر تصدق تو اس لیے
کہ ان کے اہل وعیال میں ہونے سے اس کی فقیری جاتی نہیں رہتی بلکہ ان پر تصدق کرنا اوروں کی نسبت کرنا بہتر ہے
اور چونکہ وہ خود بھی فقیر ہے اس لیے کہ اس کو بھی اس میں سے بقدر حاجت لینا جائز ہے۔ اگر بالفرض اس مال کو کسی فقیر
کو دینا تو درست ہوتا تو جب وہ خود ہی فقیر ہے تب اپنے نفس پر بھی تصدق کرنا جائز ہونا چاہیئے۔ اب اس اصل کے
بیان میں بھی ہم چند مسئلے لکھتے ہیں **مسئلہ** جب کسی شخص کے ہاتھ میں بادشاہ کے پاس سے کوئی مال پہنچے تو بعض
یہ فرماتے ہیں کہ اس مال کو بادشاہ ہی کو واپس کر دے کیونکہ بادشاہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ کس کو دینا چاہیئے اور یہ واپس
کرنا اس مال کی خیرات کرنے سے بہتر ہے اور محاسبیؒ نے اس کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو خیرات کیسے کرے گا
شاید اس کا کوئی مالک معین ہو، اور اگر ایسے مال کو صدقہ دینا درست ہے تو یہ بھی درست ہونا چاہیے کہ بادشاہ کے
یہاں سے کوئی چیز چرا کر صدقہ کر دے اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ جانتے کہ بادشاہ وہ مال اس کے مالک کو نہ
دے گا تو اس صورت میں اس کو خیرات کر دے کیونکہ بادشاہ کو دینے میں ظلم پر اعانت اور اسباب ظلم کو زیادہ کرنا
ہوگا اور مالک کا حق برباد جاوے گا۔ اور بہتر یہ ہے کہ آدمی جب بادشاہ کی عادت جانتا ہو کہ وہ مالک کو واپس نہ کریگا
تب تو مالک کی طرف سے خیرات کر دے کیونکہ اگر اس کا کوئی مالک معین ہوگا تو اس کے حق میں بادشاہ کے واپس
کرنے کی بہ نسبت کہ یہی بہتر ہے اس لیے کہ بادشاہ کو دینا تو ضائع کرنا اور ظلم پر اعانت کرنا ہے۔ اور مالک کو جو فقیر
کی دعا کی ہوتی اس سے محروم کرنا اور اگر مالک معین نہ ہو بلکہ وہ مال حق مسلمانوں کا ہو تب بھی بادشاہ کو واپس کرنا
اس کا ضائع کرنا ہے اور اگر بادشاہ کے پاس کا مال اس کو میراث میں پہنچا ہو یا خود اس نے بادشاہ سے حاصل کرنے
میں تعدی نہ کی ہو تو اس کا حال پڑی چیز پانے کا سا ہے جس کا مالک نامعلوم ہو اس کا بھی مالک کی طرف سے تصدق
کر سکتا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ پڑی چیز کا مالک خود بھی ہو سکتا ہے گو تونگر ہو بایں لحاظ کہ اس کو مباح وجہ سے
حاصل کیا ہے یعنی پڑی ہوئی اٹھالی ہے اور صورت مفروضہ میں چونکہ مال وجہ مباح سے نہیں آیا اس لیے خود مالک
بننے سے منع کرنا اور تصدق کو جائز رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے **مسئلہ** جب کسی آدمی کے ہاتھ ایسا مال لگ
جاوے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور ہم نے اس صورت میں یہ جائز رکھا ہے کہ وہ شخص اپنی مفلسی کے باعث اس میں
سے حاجت کی مقدار لے لیوے تو اب مقدار حاجت میں بحث ہے جس کو ہم نے باب اسرار زکوٰۃ میں ذکر کیا ہے
یعنی بعض یوں فرماتے ہیں کہ اس میں سے اس قدر لے کہ برس روز تک اس کو اور اس کے عیال کو کافی ہو اور اگر یہ کر سکے
کہ اس سے کوئی زمین خرید لے یا کوئی تجارت کرے یا جس سے گذر عیال کی ہو سکے تو یہی کرے اور اس بات
کو محاسبیؒ نے پسند کیا ہے لیکن یہ فرمایا ہے کہ اگر اپنے نفس میں توکل کی طاقت دیکھے تو کل مال خیرات کر دے اور
خدائے تعالیٰ کے لطف کا امیدوار ہو کہ وہ اپنے فضل سے مال حلال عنایت فرماوے اور اگر توکل نہ ہو سکے تو اس
کو جائز ہے کہ اس مال سے کوئی زمین خرید کرے یا تجارت میں لگاوے جس سے بسر اوقات ممکن ہو اور جس روز
کہیں سے حلال کھانا ملے اس روز اس میں سے نہ کھاوے جب وہ حلال ہو چکے تب پھر اس میں سے کھاوے پھر

اگر مال حلال ہی گذر کے لیے معین ہو جاوے تو جتنا مال پہلے حرام میں سے کھا چکا اس قدر خیرات کر دے اور وہ اس کے ذمہ قرض رہے گا اور اس میں سے کھانے میں یہ دستور رکھے کہ اگر ہو سکے تو صرف روٹی کھاوے اور گوشت نہ کھاوے اور اگر نہ ہو سکے تو چٹنی کی طرح کھاوے نہ آسائش اور وسعت کے طور پر، یہ قول محاسبیؒ کا بہت خوب ہے اس کا کیا کہنا ہے۔ مگر یہ جو کہا کہ جس قدر کھا چکا ہو اس کو اپنے ذمہ قرض کرے اس میں کلام ہے اور واقع میں ورع اسی بات کا مقتضی ہے کہ اس کو قرض کھائے اور جب وجہ حلال کا مال ملے تو اس میں سے اتنا تصدق کر دے لیکن گفتگو وجوب میں ہے کہ جس فقیر کو خیرات دے رہا ہے اس پر تو قرض واجب نہیں ہوتا تو یہ شخص خود اگر مفلسی کے باعث کچھ لے گا تو اس کے ذمہ کیسے واجب ہو گا، مخصوص ایسی صورت میں کہ مال مذکور اس کو میراث میں ملا ہو اور اس نے خود کسی پر غصب اور تعدی نہ کی ہو تو اس پر ایسا سخت حکم کیونکر ہو گا۔ **مسئلہ** جب کسی شخص کی ملک میں مال حلال اور حرام شبہ کا ہو اور کل مال اس کی حاجت سے زیادہ نہ ہو تو اگر وہ شخص عیالدار ہو تو چاہیے کہ خاص اپنے اوپر مال حلال خرچ کرے کیونکہ آدمی سے خاص اپنے نفس کی باز پرس ہوگی، زیادہ ہے بہ نسبت غلاموں اور عیالدار اور چھوٹے بچوں کے اور بالغ اولاد کو حرام سے محفوظ رکھے بشرطیکہ نوبت اس سے بڑھ کر کسی خرابی کی نہ پہنچتی ہو تو بقدر حاجت ان کو کھلاوے۔ حاصل یہ کہ جو بات غیر کے حق میں ممنوع ہے وہ خود اس کے حق میں بھی ممنوع ہے اور ایک چیز زیادہ ہے یعنی یہ باوجود علم کے کھاتا ہے عیال کو تو عذر بھی ہے کہ ہم کو معلوم نہ تھا اور نہ ہمارے اختیار میں تھا اس لیے چاہیے کہ حلال کو پہلے اپنے اوپر صرف کرے پھر عیال پر۔ اور جب اپنے اخراجات ہی میں تردد ہو کہ کھانے اور کپڑے میں حلال کو مخصوص کرے یا اور کاموں میں مثلاً نائی اور دھوبی اور رنگریز کی اجرت اور تیلی ملنا اور مکان بنانا اور جانوروں کا گھاس دانہ خریدنا اور تنور گرم کرانا اور لکڑی کا دام اور جلانے کا تیل کا دام اور دوسرے خرچ اسی طرح کے اور سب میں حلال صرف کرنا چاہیے تو اس صورت میں اوّل غذا اور لباس میں سے پوچھا جاوے کہ کونسی حلال کا ہونا زیادہ اچھا ہے تو ایک احتمال یہ ہے کہ غذا کو کہیں اس وجہ سے کہ غذا گوشت اور خون میں ملتی ہے اور جو گوشت حرام سے بڑھتا ہے بموجب روایت حدیث[ح۱] کے آتش دوزخ اس کو زیادہ لائق ہے اور لباس سے اتنا فائدہ ہے کہ برہنگی کا چھپانا اور گرمی سردی کا دور کرنا اور ظاہر بدن لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا، مگر جزو بدن نہیں ہوتا اس لیے ہمارے نزدیک ظاہر تر یہ ہے کہ غذا میں حلال ہونا مقدم، اور حارث محاسبیؒ کا قول ہے کہ لباس میں صرف حلال مقدم چاہیئے اس لیے کہ وہ مدت تک رہتا ہے اور غذا جلد فضلہ ہو کر جاتی رہتی ہے اور حدیث[ح۲] میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز نہیں قبول کرتا جس کے بدن پر کپڑا دس کی خرید کا ہو اور اس میں ایک درم حرام ہو تو یہ بھی ایک احتمال ہے مگر اس طرح کہ وعید اس شخص کے باب میں ہے جس کے پیٹ میں حرام ہو اور اس کا گوشت حرام سے پیدا ہوا ہو۔ اس بات کا لحاظ رکھنا کہ گوشت اور ہڈی مال حلال سے پیدا ہو تو بہتر ہے اور اسی وجہ سے حضرت صدیق رضؓ

ح۱ اس کی سند اوپر گذری ۱۲ ح۲ اس کی سند اوپر گذری ۱۲

نے جو نادانستہ پی لیا تھا اس کو قے کر دیا تا کہ اس سے گوشت بن کر ثابت اور پائیدار نہ ہو جاوے۔ اب اگر لوگ کہو کہ سب طرح سے خرچ کرنے میں غرض اسی کی نکلتی ہے تو پھر اپنے اوپر اور غیر پر خرچ کرنے میں کیا فرق ہوا اور غذا میں اور دوسرے مصارف میں خرچ کرنا کیسے علیحدہ ہوا اور یہ فرق کیسے کہاں سے معلوم ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق اس روایت حدیث[ح] سے معلوم ہوا جب حضرت رافع بن خدیج رضہ کی وفات ہوئی تو انہوں نے اپنے ترکہ میں ایک غلام پچھنے لگانے والا اور ایک اونٹ پانی لانے والا چھوڑا لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حال کہا تو آپ نے اس غلام کی کمائی سے منع فرمایا کئی بار آپ سے سوال ہوا اس کی اجرت سے آپ نے ممانعت فرمائی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا متوفی کے یتیم اس کی کمائی کھائیں آپ نے فرمایا کہ اس کی کمائی اونٹ پانی لانے والے کو کھلا دو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ مال حرام کو خود کھانے، اپنے جانور کو کھلانے میں فرق ہے تو جب فرق کا طریق واضح ہو گیا تو جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے اس پر اس کو قیاس کر لو۔ **مسئلہ** جس شخص کے پاس مال حرام ہے اگر اس کو وہ فقیروں کو خیرات کرے تو جائز ہے کہ خوب فراخی کے ساتھ ان کو دیوے اور جب اپنے نفس پر خرچ کرے تو چاہیئے کہ جس قدر ہو سکے تنگی کرے اور اگر اپنے عیال پر خرچ کرے تو تنگی نہ برتے نہ فراخی بلکہ متوسط طور پر خرچ کرے اور اس صورت میں تین مرتبہ ایک خرچ کے ہو جاویں گے یعنی اگر کوئی مہمان اس کے یہاں آئے اور وہ مفلس ہو تو اس کو خوب کھلاوے اور اگر غنی ہو تو اس کو کچھ نہ کھلاوے۔ ہاں اگر جنگل ہو اور رات کو آوے اور کوئی چیز اس کو میسر نہ آوے تو کھانے کا مضائقہ نہیں اسلیے کہ اس وقت میں وہ فقیر ہے گو توانگر ہے تو کیا ہوا اور اگر جو مہمان آیا ہے وہ متقی ہے ایسا کہ اگر جان جاوے گا تو کھانے سے احتراز کرے گا تو اس سے حقیقت حال کہدے اور کھانا سامنے رکھدے تا حق مہمانی بھی ادا ہو اور دھوکا بھی نہ دیا جاوے کیونکہ جس کو اپنے آپ مکروہ جانتا ہے اس سے مسلمان بھائی کی تواضع نہ کرنی چاہیئے اور یہ بھروسہ نہ کرنا چاہیے کہ اس کو تو معلوم نہیں تو اس کو ضرر بھی نہ کرے گا اس لیے کہ حرام جب معدہ میں جگہ پکڑتا ہے تو سختی دل میں ضرور اثر کرتی ہے، اگرچہ کھانے والے کو معلوم نہ ہو اور یہی وجہ حضرت صدیق رضہ اور حضرت عمر رضہ نے جو کچھ پیا تھا اس کو قے کر ڈالا حالانکہ نادانستگی میں پیا تھا، اور اس مال کو اگرچہ ہم نے فتویٰ دیا تھا کہ فقیروں کے لیے حلال ہے مگر حاجت کے سبب اس کو حلال کہا ہے۔ تو اس کا حال مثل سور اور شراب کے جاننا چاہیئے کہ حالت اضطرار میں حلال کہا کرتے ہیں یہ نہیں کہ مال طیب میں ملجاویں۔ **مسئلہ** جس صورت میں کہ مال حرام یا شبہ کا کسی شخص کے والدین کے قبضہ میں ہو تو چاہیے کہ ان کے ساتھ کھانا چھوڑ دے اور اگر وہ ناراض ہوں تو حرام محض کی صورت میں ان کا کہنا نہ مانے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری نہ کرنی چاہیئے اور اگر مال شبہ کا ہو تو کھانا نہ کھانا ورع میں داخل ہے۔ اور

ح احمد وطبرانی بروایت عبادہ بن رفاعہ بن رافع بن خدیج مگر اس میں جو مصنف نے رافع کی وفات لکھی ہے صحیح نہیں کیونکہ وہ سنہ ۷۴ھ میں مرے ہیں تو شاید یہ ذکر خدیج کا، لیکن ان کا ذکر صحابہ میں نہیں دیکھا گیا۔ اور طبرانی کی ایک روایت میں ذکر وفات رافع کا ہے اور دوسری میں رفاعہ کا غرضکہ حدیث مضطرب ہے ۱۲

اس کے مقابل یہ ہے کہ ماں باپ کی رضامندی بھی ورع بلکہ واجب ہے اس صورت میں اگر احتراز کرے تو ایسی طرح کرے کہ ان کو ناگوار نہ گذرے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کھانے میں شریک ہو جاوے گو تھوڑا کھاوے اس طرح کہ چھوٹے چھوٹے لقمے دیر تک چباتا رہا اور بھائی بہن کا حق بھی موکد ہے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ چاہیئے۔ اسی طرح اگر مادرِ مشفقہ کوئی شبہ کا کپڑا اس کو پہنا دے اور واپس کرنے سے ناراض ہوتی ہو تو چاہیے کہ اس کو قبول کر کے اس کو پہن لے سامنے اس کے، پیٹھ پیچھے نکال ڈالے اور اس باب میں کوشش کرے کہ اس کپڑے سے نماز نہ پڑھے اور اگر والدہ کے سامنے پڑھے تو مجبورانہ پڑھے اور جب ورع کے اسباب ایک دوسرے کے معارض ہوں تو ان دقائق کی تلاش ضرور ہے اور بشر حافیؒ کا حال کہتے ہیں کہ ان کی ماں نے ان کو ایک ترچھوہارا دیا اور کہا کہ تجھے میرے حقوق کی قسم اس کو کھالے اور وہ اس کو اچھا نہ سمجھتے تھے انہوں نے کھا کر بالاخانہ کا قصد کیا اور ان کی ماں بھی پیچھے گئی اور وہاں چڑھ کے دیکھا تو قے کر رہے ہیں۔ غرضکہ انہوں نے چاہا کہ ماں بھی راضی رہے اور معدہ بھی بچا رہے۔ چنانچہ امام احمدؒ سے کسی نے کہا کہ بشر حافیؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ شبہ کے مال میں والدین کی اطاعت ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ سخت جواب ہے۔ پھر ان سے سائل نے کہا کہ محمد بن مقاتل عبادانی سے جو یہ مسئلہ پوچھا تھا انہوں نے یہ فرمایا کہ والدین کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب دو شخصوں کے قول سن چکے تو مجھے معاف رکھو پھر فرمایا کہ بہت بہتر ہو جو دونوں باتوں کی مدارات کرو یعنی شبہ سے بھی احتراز کرو اور والدین کی بھی اطاعت ہو جاوے۔

مسئلہ جس شخص کے پاس مال حرام ہو تو اس پر نہ حج واجب ہے اور نہ کفارہ مالی اس کو دینا چاہیئے اس لیے کہ مفلس ہے اور مفلس پر نہ حج ہے نہ مالی کفارہ، اسی طرح زکوٰۃ بھی اس پر واجب نہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کے یہ معنی ہیں کہ مثلاً مال کا چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے کہ خواہ اس کے مالک کو پہنچاوے اگر جانتا ہو اور اگر مالک کو نہ جانتا ہو تو فقیروں کو دے ڈالے لیکن جس صورت میں کہ آدمی کے پاس شبہ کا مال کہ حلال ہونے کا احتمال بھی رکھتا ہو تو اس مال کو اگر اپنے پاس رکھے گا تو اس کی حلت کے احتمال سے حج اس پر واجب ہو جاوے گا اور بدون مفلسی کے ساقط نہ ہوگا اور اس صورت میں اس کی مفلسی ثابت نہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا[1] اور چونکہ جس صورت میں مال کی حرمت ظن غالب سے معلوم ہوتی ہے اس میں حاجت سے زاید مال کو تصدق کرنا واجب ہوتا ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کا وجوب اس پر بطریق اولیٰ ہونا چاہیئے اور اگر کسی کفارہ کا دینا اس کو لازم آوے تو بردہ بھی آزاد کر دے اور روزہ بھی رکھے تاکہ یقیناً کفارہ ادا ہو جاوے اور کچھ لوگوں نے دونوں باتیں کرنے کو اس پر واجب کہا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کو روزے رکھنے لازم ہیں کھانا کھلانا یا بردہ آزاد کرنا لازم نہیں اس لیے کہ جیسی تونگری چاہیے وہ اس کو حاصل نہیں۔ اور محاسبیؒ کہتے ہیں کہ کھانا کھلانا بھی کافی ہے اور ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ جس شبہ میں ہم نے حکم دیا ہے کہ اس سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس کو اپنے قبضہ سے باہر کرنا لازم، بایں وجہ کہ احتمال حرمت اس پر غالب ہے تو

ت ۱ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا ہے گھر کا جو کوئی پاوے اس کی طرف زادِ راہ ۱۲

ایسے شبہ میں تو روزوں اور کھانا کھلانے میں جمع کرے۔ روزے تو اس لیے کہ وہ شخص مفلس کے حکم میں ہے اور کھانا کھلانا اس وجہ سے کہ اس پر سب کا تصدق کرنا واجب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مال اس کا ہو تو کفارہ لازم ہونا چاہیئے **مسئلہ** جس شخص کے پاس مال حرام ہو اور اس کو اپنی حاجت کے لیے روک رکھا ہو وہ اگر نفل حج کرنا چاہے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر وہ پیادہ پا جاتا ہے تب تو کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ وہ اس مال کو بے عبادت بھی کھاتا ہے تو عبادت میں کھانا اولیٰ ہے اور اگر پیادہ نہیں چل سکتا سواری کا محتاج ہے تو ایسی حاجت کے لیے اس مال میں سے لینا جائز نہیں، جیسے کوئی شخص شہر میں رہ کر اگر مہماتِ عیال اور حقوق مالیہ کی بجا آوری میں تنگدست ہو تو اس کو سواری کا خریدنا جائز نہیں اور اگر اس شخص کو یہ توقع ہو کہ اگر چندے قیام کروں گا تو مال حلال میسر ہو جائے گا حتیٰ کہ بقیہ پھر حرام کی حاجت نہ رہے گی تو مال حرام لے کر پیادہ حج کو جانے سے بہتر ہے کہ حلال کی توقع میں ٹھہرا رہے **مسئلہ** جو شخص حج واجب کے لیے ایسا مال لے کر جاوے جس میں شبہ ہو تو یہ کوشش کرے کہ غذا مال طیب سے کھاوے اور اگر تمام راستہ میں نہ ہو سکے تو جب سے احرام باندھے اس وقت سے حلال ہونے تک غذائے طیب کی فکر کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اتنا ہی کرے کہ عرفہ کے روز خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا اور دعا مانگنی ایسی طرح نہ ہو کہ غذا بھی حرام ہو اور لباس بھی حرام بلکہ یہ کوشش کرے کہ اس دن نہ اُس کے معدہ میں حرام ہو اور نہ بدن پر۔ اس لیے کہ اگرچہ ہم نے مال مشتبہ کو حاجت کے لیے جائز بتایا ہے تاہم وہ جواز ضرورت کے لیے ہے اس سے یہ غرض نہیں کہ مال مذکور طیب ہوا۔ اور اگر یہ بھی نہ بن سکے تو اپنے دل میں خوف اور غم اس بات کا رکھے کہ جو مال طیب نہیں اس کو میں اضطرار اور مجبوری سے کھاتا ہوں شاید اس خوف و غم سے اللہ تعالیٰ نظرِ عنایت فرماوے اور خطا کو معاف کر دے **مسئلہ** حضرت امام احمدؒ سے ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ میرا باپ مر گیا اور اس نے مال چھوڑا ہے اور وہ ایسے لوگوں سے معاملات کرتا تھا جن سے معاملہ کرنا مکروہ ہے تو اب میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ جس قدر اس کو نفع ہوا ہو اس کو چھوڑ دے اور باقی رہنے دے اس نے عرض کیا کہ اس کا کچھ قرض اوروں کے ذمہ ہے اور کچھ دوسروں کا اس کے ذمہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس قدر ذمہ کا ادا کرے اور اس کا لینا وصول کرے۔ اس نے پوچھا کہ آپ اس کو جائز جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تو اس کی مرضی یہ ہے کہ وہ اپنے قرضہ میں پھنسا رہے اور یہ جواب امام صاحبؒ کا درست ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اٹکل سے مقدار حرام کو نکال ڈالنا ان کے نزدیک درست ہے کیونکہ یہ فرمایا کہ مقدار نفع کو نکال ڈال اور یہ کہ راس المال کی چیزیں آپ کے نزدیک ملک مالک ہو گئیں، اس طرح کہ فاسد معاملات میں جو اس نے ان کا عوض دیا اور تصرف بہت سے ہوئے اور واپس کرنا اصل مالکوں کو دشوار پڑا تو تقابل اور مجراتی کے طور پر وہ اس شخص کی ملک میں آ گئیں کہ اوروں کے پاس اس کی چیز گئی اور اس کے پاس اوروں کی آ گئی اور قرض ادا کرنے میں انہوں نے اس بات پر اعتماد کیا کہ قرض یقینی ہے شبہ کے سبب سے اس کو ترک کرنا نہیں چاہیئے۔

✣

پانچویں فصل شاہی انعامات اور وظائف میں حلال و حرام کی تفصیل

واضح ہو کہ جو شخص بادشاہ سے کوئی مال لے اس کو دو باتیں دیکھنی ضرور ہیں، اوّل یہ کہ وہ مال بادشاہ کے پاس کس آمدنی کی مد سے آیا، دوسرے اپنی صفت کہ جس سے کہ مستحق مال کے لینے کا ہو اور یہ کہ جو مقدار لیتا ہے اگر اس کو بلحاظ اپنے حال اور دوسرے اپنے جیسے مستحقوں کے حال کے دیکھا جاوے تو اسی مقدار کا خود مستحق ہے یا نہیں اسلیے اس فصل کو دو بیانوں میں لکھتے ہیں؛

شاہی آمدنی کی مدات زمین لاوارث کو قابلِ زراعت کرنے کے سوا جو مال کہ بادشاہ کو حلال ہے اور رعیت اس میں شریک ہے وہ دو قسم پر ہے **اول قسم** وہ ہے جو کفار سے لیا جاوے جیسے غنیمت جو لڑائی جیتنے سے ہاتھ لگے اور فئے جو بدون لڑائی ہاتھ لگے اور جزیہ اور صلح کے اموال جو شرائط کے بموجب لیے جاتے ہیں۔ **دوسری قسم** وہ ہے جو مسلمانوں سے بادشاہ کے ہاتھ لگے اس قسم کی آمدنی سے صرف دو طرح کے مال اس کو حلال ہیں اوّل وہ میراث یا مال جس کا کوئی وارث نہ ٹھہرے، دوم وقف کا مال جس کا کوئی متولّی نہ ہو اور صدقات تو اس زمانہ میں لیے نہیں جاتے کہ ان کا حال لکھا جاوے اور ان مدّوں کے سوا جتنے خرچ یا ڈانڈ کہ مسلمانوں سے لیے جاتے ہیں اور مال رشوت سب کے سب حرام ہیں، پس اگر بادشاہ کسی فقیہ وغیرہ کے لیے کوئی جاگیر یا انعام یا خلعت لکھے تو آٹھ حال سے خالی نہیں یا تو جزیہ کی آمدنی پر لکھے گا یا لاوارثی میراث پر یا اوقاف پر یا اپنی ملک پر جس کو قابلِ زراعت کیا ہے یا اپنی زرخرید ملک پر یا اس عامل پر جو مسلمانوں سے خراج لیتا ہے یا کسی سوداگر پر یا خزانہ خاص پر، اب ہر ایک کا حال سننا چاہیے **اوّل جزیہ** ہے جس کے چار خمس مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے ہیں اور ایک خمس مصارف معینہ کے واسطے تو اگر بادشاہ ان مصارف کے خمس پر لکھے گا یا ان چار خمسوں پر لکھے گا بایں لحاظ کہ اس میں مسلمانوں کی بہتری ہے اور مقدار انعام میں بھی احتیاط ملحوظ ہو گی تو وہ مال حلال ہے اس شرط سے کہ جزیہ بوجہ شرعی مقرر کیا ہو یعنی فی کس ایک دینار یا چار دینار سالانہ سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ مقدار جزیہ میں اختلاف ہے اور بادشاہ کو جائز ہے کہ اختلافی صورت میں جس قول پر چاہے عمل کرے اور ایک شرط یہ ہے کہ جس ذمی سے جزیہ لیا جاتا ہے وہ ایسا پیشہ اپنی کمائی کا نہ رکھتا ہو جس کی حرمت یقینی ہو۔ مثلاً بادشاہ ظالم کا عامل نہ ہو اور نہ شراب بیچتا ہو اور ایک یہ کہ لڑکا اور عورت نہ ہو اس لیے کہ ان دونوں پر جزیہ نہیں ہے تو جزیہ کے مقرر ہوتے اور مقدار جزیہ میں اور جس کو وہ دیا جاوے اس کی صفت میں اور جس قدر کہ دیا جاوے اسی مقدار میں ان باتوں کا لحاظ ہونا چاہیئے اس لیے ان سب باتوں کی بحث واجب ہے **دوسرے** میراث اور اموال لاوارث ہیں وہ بھی مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہیں ان پر لکھے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ جس شخص نے وہ مال چھوڑا ہے اس کا سب مال حرام تھا یا کمتر اور ان کا حکم پہلے لکھ چکے ہیں اور اگر حرام نہ تھا تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ جس شخص کو دیا جاتا ہے اس کے دینے میں کوئی بہتری ہے یا نہیں اور کس قدر بہتری ہے **تیسرے** وقف کا مال ہے جو باتیں میراثوں کے قابل دیکھنے کے تھیں وہ مال وقف میں بھی

ملحوظ رہیں اور ایک بات اس میں اور زیادہ ہے کہ وقف کرنے والے کی شرط کو بھی دیکھنا چاہیے تاکہ جو چیز بادشاہ دیتا ہے وہ بموجب وقف کی شرائط کے ہو سر موفرق نہ رکھتی ہو **چوتھے** وہ زمین کہ بادشاہ نے اس کو قابل زراعت کیا ہو اور اس میں کوئی شرط معتبر نہیں اس لیے کہ بادشاہ کو اختیار ہے کہ اپنے ملک میں جس کو چاہے جس قدر حوالہ کردے۔ ہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ غالباً بادشاہ نے جو اس زمین کو اٹھایا ہے تو مزدوروں کو زبردستی پکڑ لیا ہوگا یا ان کی مزدوری مال حرام سے دی ہوگی کیونکہ زمین کو قابل زراعت کرنا خود بادشاہ کا تو کام نہیں بلکہ کاریزوں اور نہروں کا کھودنا اور احاطہ کا بنانا اور زمین کا برابر کرنا یہ سب باتیں مزدوروں کے متعلق ہیں پس اگر ان سے زبردستی بنوائی ہوگی، تو بادشاہ اس زمین کا مالک نہیں ہوا اور وہ حرام ہے اور اگر مزدوروں کو اجرت دی اور مال حرام سے ادا کی ہو تو اس صورت میں شبہ ہے جس پر ہم پہلے اشارہ کر آتے ہیں کہ عوض میں کراہت کے ہو جانے سے مال مشتبہ ہو جاتا ہے **پانچویں** مال زرخرید سلطانی یعنی زمین خواہ خلعت کے پارچے اور گھوڑا وغیرہ تو یہ بادشاہ کی ملک ہیں اور اس کو تصرف کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر ان کے دام مال حرام سے ادا کرے گا یا مشتبہ سے تو ایک صورت میں حرام ہوں گے اور ایک مشتبہ اور ان کی تفصیل پہلے گذر چکی **چھٹے** یہ صورت ہے کہ مسلمانوں سے جو خراج لینے پر عامل ہو یا جو مال غنیمت اور ڈانڈ کو جمع کرتا ہو اس کے نام لکھ دے تو یہ مال حرام محض ہے کچھ شبہ اس میں نہیں اور اکثر جاگیریں اس زمانہ میں ایسی ہی ہیں مگر عراق کی زمینیں ایسی نہیں البتہ کہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمانوں کی بہتری ہی کے لیے وقف ہیں **ساتویں** یہ کہ ایسے سوداگر کے نام لکھے جو خود بادشاہ سے معاملہ کرتا ہے وہ کسی دوسرے سے معاملہ نہ کرتا ہو تب اس کا مال ایسا ہے جیسے خزانۂ بادشاہی کا مال ہے اور اگر دوسروں سے معاملہ زیادہ کرتا ہے تو جو کچھ بادشاہ کے لکھنے کے بموجب دیگا وہ بادشاہ پر ادھار ہوگا اور اس کا عوض حرام سے وصول کرے گا تو اس صورت میں عوض کے اندر خلل پاوے گا اور ہم ثمن حرام کا حکم پہلے لکھ چکے ہیں **آٹھویں** یہ کہ خزانہ خاص پر لکھے یا ایسے عامل پر جس کے پاس حلال اور حرام جمع ہوتا ہو پس اگر بادشاہ کی آمدنی بجز حرام کے اور کچھ نہ ہو تو قطعی حرام ہوگا اور اگر یقیناً معلوم ہو کہ خزانۂ شاہی میں حلال اور حرام دونوں ہیں اور احتمال قریب یہ ہو کہ جو کچھ عامل مذکور کو دیتا ہے وہ بعینہٖ حلال ہے اور دل میں بھی یہ احتمال جمتا ہو اور احتمال یہ بھی ہو کہ مال حرام ہو کیونکہ ان دونوں میں تو اموال سلاطین اکثر حرام ہی ہیں اور مال حلال ان کے پاس نایاب یا کمیاب ہے تو اس صورت میں لوگوں کو اختلاف ہے بعض کا قول تو یہ ہے کہ جس چیز پر مجھ کو یقین نہ ہو کہ یہ حرام ہے تو میں اس کو لے سکتا ہوں اور کچھ یہ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ چیز مذکور حلال ہے تب تک اس کا لینا نہ چاہیے اس لیے کہ شبہ کبھی حلال نہیں ہوتا اور یہ دونوں قول حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں اور قول معتدل اس میں وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے کہ اگر اغلب حرام ہے تو حرام ہے اور اگر حلال غالب ہے اور حرام ہونے کا بھی یقین ہے تو محل توقف ہے جیسا کہ پیشتر گذر چکا اور جو لوگ اموال السلاطین کا لینا جائز کہتے ہیں اس صورت میں کہ ان کے مال میں حلال اور حرام دونوں ہیں اور جو چیز لی جاتی ہے خود اس کی حرمت بعینہٖ ثابت نہ ہو تو وہ اپنے قول کی دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ میں سے بہت ایسے ہیں جنہوں نے زمانہ ظالموں کا دیکھا اور

ان سے مال لیے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ اور زید بن ثابتؓ اور ابوایوب انصاریؓ اور جریرؓ بن عبداللہ اور جابرؓ اور انس بن مالک اور مسور بن مخرمہ اور ابن عمر اور ابن عباسؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ نے مروان بن حاکم اور یزید بن عبدالملک سے مال لیا ہے اور حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ نے حجاج بن یوسف سے لیا ہے اور بہت سے تابعین نے لیا ہے جیسے شعبی اور ابراہیم اور حسن بصری اور ابن ابی لیلی ہیں۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے ہارون رشید سے ایک دفعہ میں ہزار دینار لیے تھے اور امام مالکؒ نے خلفاء سے بہت سے اموال لیے ہیں اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جو بادشاہ تجھ کو دے اس کو قبول کر کہ وہ تجھ کو حلال ہی سے دیتا ہے اور جو کچھ اس کو حلال سے ملتا ہے وہی زیادہ ہوتا ہے اور جن لوگوں نے عطائے شاہی سے انکار کیا ہے تو ان کا ترک براہ ورع تھا اور اس کو اس خوف سے کہ کہیں ایسی چیز نہ آجاوے جو حلال نہ ہو اور باعث خرابی دین ہو۔ دیکھو حضرت ابوذر غفاریؓ نے احنف بن قیس کو فرمایا کہ عطا اس وقت تک لو کہ بہ طیب خاطر ہو اور جب تمہارے دین کا مول ہو جاوے تو ترک کر دو اور حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ جب ہم کو کوئی عطا دیتا ہے تو قبول کر لیتے ہیں۔ اور نہیں دیتا تو سوال نہیں کرتے۔ اور حضرت سعید بن مسیبؓ حضرت ابوہریرہؓ سے ناقل ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہؓ ان کو کچھ دیتے تھے تو خاموش رہتے تھے اور اگر نہیں دیتے تھے تو ان کو کچھ کہا نہ کرتے تھے اور شعبیؒ حضرت مسروقؒ سے ناقل ہیں کہ جب عطا لینے والے ہمیشہ عطا لیں گے یہاں تک کہ ان کو دوزخ میں داخل کرے یعنی ہوتے ہوتے حرام لینے لگیں گے نہ یہ عطا فی نفسہ حرام ہے۔ اور نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مختار ان کے پاس مال بھیجا کرتا تھا آپ اس کو قبول کر لیتے تھے پھر فرماتے تھے کہ میں کسی سے سوال نہیں کرتا اور جو چیز مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دی اس کو پھیرتا نہیں اور اس نے ایک بار آپ کو ایک سانڈھنی بھیجی تھی اس کو آپ نے لے لیا اور وہ مختار کی سانڈنی کے نام سے مشہور تھی۔ اور اس روایت کی معارض وہ روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے کسی کا ہدیہ واپس نہیں کیا بجز مختار کے ہدیہ کے اور روایت واپس کرنے کی زیادہ ثابت ہے بہ نسبت قبول ہدیہ کے۔ اور نافع سے یہ بھی مروی ہے کہ ابن معمر نے حضرت ابن عمرؓ کے پاس ساٹھ ہزار درہم بھیجے آپ نے ان کو اسی وقت تقسیم کر دیا پھر جو ایک سائل آیا تو آپ نے جو لوگوں کو دیا تھا کسی سے قرض لے کر اس سائل کو دیا۔ اور جب حضرت امام حسنؓ امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لائے تو امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ میں آپ کو پیش کش کرتا ہوں کہ آپ سے پیشتر میں نے نہ کوئی عرب کو دیا اور نہ آگے کو کسی کو دوں، پھر چار لاکھ درم پیش کش کیے آپ نے ان کو لے لیا۔ اور حبیب بن ابی ثابت سے مروی ہے کہ میں نے مختار کا جائزہ حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے واسطے دیکھا ہے دونوں صاحبوں نے اس کو قبول کر لیا لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا تھا، انہوں نے کہا کہ مال نقد اور کپڑا تھا۔ اور زبیر بن عدی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت سلمان فارسی کا ارشاد ہے کہ جب تیرا کوئی دوست عامل یا تاجر ہو کہ مرتکب ربوٰ کا ہو اور وہ تجھ کو کھانے وغیرہ کی دعوت کرے یا کوئی چیز دیوے تو قبول کر لے کہ جائز ہے اور طیب ہے اور گناہ اور وبال اس کے ذمہ ہے اور جب سود لینے والے کے باب میں قبول ثابت ہوا تو ظالم کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ دونوں

کا حال ایک ہی سا ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق اپنے باپ سے راوی ہیں کہ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام امیر معاویہؓ کے جائزے قبول کر لیا کرتے تھے اور حکیم بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیرؓ کے پاس گئے جب وہ فرات کے اسفل جانب کے عاشر مقرر ہوتے تھے آپ نے عشر لینے والوں کے پاس آدمی بھیجا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی لاؤ کھلاؤ۔ انہوں نے کھانا بھیج دیا آپ نے اس کو کھایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا۔ اور علاء بن زہیر ازدی کہتے ہیں کہ میرا باپ حلوان میں عامل تھا اس وقت ابراہیم نخعی ان کے پاس آئے انہوں نے کچھ پیش کش کی آپ نے قبول کر لیا۔ اور حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ عاملوں کے جائزہ لینے کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ محنت کر کے کھاتے ہیں اور سان کے بیت المال میں خبیث اور طیب سب طرح کا مال ہوتا ہے تو جو کچھ تم کو دیں گے وہ اپنے طیب مال میں سے دیں گے۔ تو دیکھو کہ ان سب لوگوں نے ظالم بادشاہوں کے جائزے لیے۔ حالانکہ جو کوئی سلاطین کی اطاعت خدائے تعالیٰ کی معیت میں کرتا تھا یہ سب اس کو برا کہتے تھے اور سلف میں سے جس نے بادشاہی عطایا کو نہیں لیا ان کا نہ لینا حرمت پر دلیل نہیں بلکہ ورع کی راہ سے نہیں لیا۔ جیسے خلفائے راشدینؓ اور ابوذرؓ غفاری اور دوسرے زاہد کہ وہ اپنے زہد کے باعث حلال مطلق بھی نہیں لیتے تھے اور جس حلال سے کسی ممنوع کی طرف نوبت پہنچانے کا خوف ہوتا تھا اس کو ورع اور تقویٰ کی جہت سے نہ لیتے تھے پس ان لوگوں کے لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال سلاطین کا لینا جائز ہے اور حضرت سعید بن مسیبؓ سے جو منقول ہے کہ انہوں نے اپنی عطا بیت المال میں چھوڑ دی یہاں تک کہ کئی اوپر تیس ہزار جمع ہو گئے اور حضرت حسن بصریؒ سے جو ان کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں صراف کے پانی سے وضو نہیں کرتا تھا گو نماز کا وقت تنگ ہو جاوے کیونکہ مجھ کو اصل مال کی خبر نہیں تو یہ سب ورع کے اقوال ہیں اور ہم اس کے منکر نہیں ایسا کرنا واقع میں بہت خوب ہے بہ نسبت نہ کرنے کے لیکن کلام اس میں یہ ہے کہ اگر کوئی ان کا اتباع ورع میں نہ کرے اور مال سلطانی لیوے تو حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ یہ تقریر ہے ان لوگوں کی جو ظالم بادشاہ سے مال لینا درست کہتے ہیں اور اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں سے لینا منقول ہے وہ بہت کم ہے بہ نسبت ان روایات کے جو ان کے انکار اور واپس کرنے میں مروی ہیں اور اگر نہ لینے میں صرف احتمال ورع کا ہے تو لینے والوں کو لینے میں تین احتمال مختلف درجوں کے آسکتے ہیں بسبب ورع کے تفاوت کے کیونکہ سلاطین کے حق میں ورع کے چار درجے ہیں **درجہ اوّل** یہ ہے کہ ان کے مال میں سے کچھ نہ لے جیسا سلف کے ورع والوں نے کیا ہے اور جیسا کہ خلفاء راشدین کیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو کچھ بیت المال میں سے لیا تھا اس سب کا حساب کر کے جمع کر دیا تو چھ ہزار درم ہوئے وہ چھ ہزار آپ نے بیت المال میں دلوا دیئے۔ اور ایک بار حضرت عمر فاروقؓ بیت المال کا مال تقسیم کر رہے تھے کہ ان کی ایک لڑکی آئی اور مال میں سے ایک درم اٹھا لیا آپ اس کے پکڑنے کو ایسی طرح اٹھے کہ چادر آپ کے ایک شانہ پر سے اتر گئی اور وہ لڑکی روتی ہوئی گھر میں چلی گئی اور درم کو اپنے منہ میں رکھ لیا آپ نے انگلی اس کے منہ میں ڈال کر وہ درم نکال لیا اور لا کر خراج میں ڈال دیا اور فرمایا کہ لوگو عمر کو اور اس کی اولاد کو اسی قدر اس میں سے ہے جو اور دور اور نزدیک کے مسلمانوں کو ہے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال میں جھاڑو دی اور

اور ایک درم ان کو ملا آپ نے وہ درم حضرت عمرؓ کے چھوٹے لڑکے کو دے دیا جو وہاں پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جو وہ درم اس کے ہاتھ میں دیکھا تو دریافت کیا کہ کہاں سے آیا۔ اس نے عرض کیا کہ ابوموسیٰ نے مجھ کو دیا ہے۔ آپ نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ کیا تمام مدینہ والوں میں کوئی گھر تمہاری دانست میں عمر کے گھر سے زیادہ ذلیل نہ تھا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ایسا نہ رہے جو حق اپنا ہم سے طلب نہ کرے۔ یہ کہکر وہ درم بیت المال میں ہٹا دیا باوجودیکہ وہ مال حلال تھا مگر آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ہمارے حق میں اس قدر نہ پہنچے۔ غرضکہ اپنے دین اور آبرو کو بچانے کے لیے اپنے حق سے کم پر کفایت کرتے تھے بموجب حدیث شریف[ح۱] دع ما یریبك الی مالا یریبك اور بموجب اس ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے[ح۲] ومن ترکہا فقد استبرأ بعرضہ ولدینہ اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اموال سلطانی کے باب میں تشدیدات سُنی تھیں چنانچہ جب حضرت عبادہ بن صامتؓ کو آپ نے صدقہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ کے لینے کو بھیجا تو ارشاد[ح۳] فرمایا کہ اے ابوالولید خدائے تعالیٰ سے ڈرنا ایسا نہ ہو کر قیامت میں تو ایک اونٹنی کو گردن پر لاد کر لاوے جو بلبلاتا ہو یا گائے کو جو رانبھتی ہو یا بکری کو جو ممیاتی ہو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ایسا ہی ہوگا آپ نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے مجھ کو اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایسا ہی ہوگا مگر جس پر خدائے تعالیٰ رحم کرے۔ انہوں نے عرض کیا قسم ہے مجھ کو اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں کسی چیز پر کبھی عامل نہ ہوں گا اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح۴] انی لا اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف علیکم ان تنافسوا اور خوف آپ کو صرف مال کے حریص ہو جانے کا تھا اور اسی لیے ایک بڑی حدیث میں حضرت عمرؓ نے مال بیت المال کے باب میں یہ فرمایا کہ میں اپنے آپ کو اس مال کے باب میں ایسا پاتا ہوں جیسے یتیم کے مال کا ولی ہوتا ہے اگر مجھ کو حاجت نہیں ہوتی تو میں اس سے دور رہتا ہوں اور اگر حاجت ہوتی ہے تو بطور شائستہ اس میں سے کھاتا ہوں، اور روایت ہے کہ طاؤسؒ کے ایک لڑکے نے ان کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دیا آپ نے تین سو اشرفیاں اس کو دیدیں۔ طاؤسؒ کو جو حال معلوم ہوا اپنی ایک زمین بیچ کر آپ کے پاس تین سو اشرفیاں بھیج دیں حالانکہ سلطان حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے تو یہ درجہ ورع کے درجوں میں نہایت عمدہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مال یوں لے لیکن اس وقت کہ معلوم ہو جاوے کہ جو کچھ میں لیتا ہوں بوجہ حلال ہے اب اگر سلطان کی ملک میں کوئی دوسرا حرام ہوگا تو اس شخص کو ضرر نہ کرے گا اور اکثر . . . . . . اکابر صحابہؓ جو اہل ورع تھے ان سب کا لینا اسی درجہ پر محمول ہے۔ مثلاً حضرت ابن عمرؓ ورع میں نہایت مبالغہ کرتے تھے وہ کیسے مال سلطان کو بے سمجھے بوجھے لیتے وہ تو سلاطین پر سب سے زیادہ انکار کرتے تھے اور ان کے اموال کی برائی سب سے زیادہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار لوگ

ح۱ فصل اول میں گذری ۱۲۔

ح۲ جس نے مشتبہ چیزوں کو ترک کیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو ستھرا کیا بخاری ومسلم بروایت نعمان بن بشیر ۱۲ ح۳ شافعی در مسند بروایت طاؤس مرسلاً ابویعلی بروایت ابن عمرؓ مختصراً ۱۲ ح۴ میں ملہم یہ خوف نہیں کرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ یہ ڈرتا ہوں کہ ایک دوسرے کی حرص کرو گے بخاری ومسلم بروایت عقبہ بن عامر ۱۲

ابن عامر کے پاس جمع تھے جس وقت کہ وہ بیدار تھے وہ اپنے عامل ہونے اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک ماخوذ ہونے سے ڈرتے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ ہم کو توقع ہے کہ تمہارے حق میں بہتر ہو اس لیے کہ تم نے کنوئیں کھدوائے اور حاجیوں کے قافلوں کو پانی پلوایا اور ایسا کیا اور ویسا کیا۔ حضرت ابن عمرؓ چپکے سنا کیے۔ ابن عامر نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ باتیں اس وقت ہیں کہ کمائی اچھی ہو اور خرچ بھی اچھی طرح کیا ہو اور اب تم جاکر بھگت ہی لوگے اور دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کہ خبیث چیز گناہوں کا عوض نہیں ہوسکتی اور تم بصرہ کے حاکم رہے ہو۔ میرے گمان میں تم نے اس میں سے بُرائی ہی کمائی ہے ابن عامر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرے لیے دُعا کیجیے آپ نے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے لا یقبل اللہ صلوٰۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول اور تم بصرہ کی حکومت رکھتے تھے۔ غرض یہ کہ حضرت ابن عمر کا قول یہ اس مال میں تھا کہ جس کو ابن عامر نے خیرات میں صرف کیا تھا۔ اور یہ بھی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حجاج بن یوسف کے وقت میں آپ نے فرمایا کہ جب سے دار الخلافہ لٹا ہے میں نے آج تک شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے مروی ہے کہ آپ کے پاس ایک برتن سربمہر میں کچھ ستو تھے جن میں سے آپ پی لیا کرتے تھے کسی نے آپ سے کہا کہ آپ اس کو عراق میں ہو کر سربمہر رکھتے ہیں یہاں تو کھانا بہت ہے یعنی کوئی اس کو کیوں لے گا آپ نے فرمایا کہ میں اس پر مہر اسلیے نہیں لگاتا کہ اس سے دوسروں کے ساتھ بخل منظور ہو مگر مجھ کو یہ بُرا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی چیز ملادی جائے جو اس میں کوئی نہ ہو۔ اور یہ بھی بُرا جانتا ہوں کہ میرے پیٹ میں غیر طیب چیز داخل ہو۔ غرض ان اکابر سے یہ اقوال وعادات مشہور ہیں اور حضرت ابن عمرؓ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی چیز آپ کو اچھی معلوم ہوتی اس کو ملک سے خارج کر دیتے۔ مثلاً ابن عامر نے آپ کے غلام نافعؒ کو تیس ہزار کے عوض مانگا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ کہیں ابن عامر کے دراہم مجھ کو فتنہ میں نہ ڈال دیں یہ کہہ کر نافع کو آزاد کر دیا اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایسا کوئی نہیں جس کو دنیا نے مائل نہ کر دیا بجز ابن عمرؓ کے کہ انکو میل دنیا نہ ہوا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ پر یا جو کوئی ان کے مثل منصب رکھتا ہو اس پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے کوئی مال بدون اس کے حلال جانتے ہوئے لے لیا ہو گا تیسرا درجہ یہ ہے کہ بادشاہ سے جو کچھ لیوے اس کو فقیروں اور مستحقوں پر تقسیم کر دے بایں لحاظ کہ جس مال کا مالک معین نہ ہو حکم شریعت اس میں یہی ہے تو جس صورت میں کہ بادشاہ ایسا ہو کہ اگر اس سے نہ لیا جاوے تو وہ خود تقسیم نہ کرے بلکہ اس مال سے ظلم پر استعانت کرے تو اس حال میں ہم یہی کہتے ہیں کہ مال کو اس سے لے کر بانٹ دینا اس سے اچھا ہے کہ اس کے ہاتھ میں رہنے دیا جاوے بعض علماء کی یہی رائے ہے اور اس کی وجہ آگے مذکور ہوگی اور اکثر سلف کا لینا اسی پر محمول ہے اور اسی وجہ سے حضرت ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ جو لوگ بادشاہی عطاؤں کو آج لیتے ہیں اور اپنی حجت حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو ٹھہراتے ہیں وہ ان دونوں کا اقتداء نہیں کرتے اس لیے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جو کچھ لیا اس کو بانٹ دیا حتیٰ کہ ساٹھ ہزار دے کر دوسرے سائل کے لیے اس مجلس میں قرض لیا اور حضرت عائشہؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور جابر بن زید نے قبول کر کے خیرات کر دیا اور فرمایا کہ ان سے لے کر بانٹ دینا مجھ کو اس سے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے

ح اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا بدون طہارت کے اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ قبول کرتا ہے۔ مسلم بروایت ابن عمرؓ

قبضہ میں رہنے دوں اور حضرت امام شافعیؒ نے جو ہارون رشید سے لیا تھا اس کو بھی چند ہی روز میں خیرات کر دیا تھا یہاں تک کہ اپنے لیے ایک حبہ تک نہیں رکھا تھا۔ **چوتھا درجہ** یہ ہے کہ نہ تو یہ ثابت ہو کہ وہ مال حلال ہے اور نہ تقسیم کے لیے لیتا ہے بلکہ رکھنے کے لیے لیتا ہے مگر ایسے سلطان سے لیتا ہے جس کا اکثر مال حلال ہے۔ اور چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد بھی زمانہ صحابہؓ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلفاء اسی طرح کے تھے اور ان کا اکثر مال حرام نہ تھا اور اس کی دلیل حضرت علی رضؓ کا ارشاد ہے، فرمایا کہ بادشاہ کو جو مال ملتا ہے وہ بوجہ حلال اکثر ہے اور اس امر کو علماء کی ایک جماعت نے اکثر پر اعتماد کرنے سے جائز رکھا ہے اور ہم نے صرف اور ایسی صورت میں عام لوگوں کے مال میں توقف کیا ہے جن کے مال بمنزلہ محصور کے ... اور چونکہ مال سلطان حد حصر سے خارج سا معلوم ہوتا ہے تو عجب نہیں کہ کسی مجتہد کا اجتہاد اسی طرف پہنچے کہ جس چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو اس کا لینا جائز ہے بسبب غلبۂ مال حلال کے۔ اور ہم نے منع اس صورت میں کیا ہے کہ حرام زیادہ ہو پس جب تم نے ان درجات کو سمجھ لیا تو معلوم کر لیا ہوگا کہ جاگیریں اور روزینے ظالم بادشاہوں کے اس زمانہ میں ویسے نہیں جیسے پہلے تھے اور ان میں اور دو وجہوں قطعی سے فرق ہے۔ وجہ اول وہی کہ اس زمانہ میں سلاطین کے اموال بالکل خواہ اکثر حرام ہیں اس لیے کہ حلال صرف صدقات اور فئ اور غنیمت کی مدیں تھیں۔ ان میں سے کوئی بادشاہ کو نہیں آتی کہ ان کا وجود ہی نہیں رہا تو اب ان کا جزیہ باقی رہا اور وہ ایسے ظلم سے لیا جاتا ہے کہ اس ظلم کے ساتھ میں ان کا لینا حلال نہیں اس لیے کہ سلاطین نہ تو مقدار جزیہ میں حدود شرع کا لحاظ رکھتے ہیں اور نہ ذمیوں کے باب میں اور نہ ان کی شرطوں کو پورا کرتے ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ جو آمدنی ان کی مسلمانوں کے خراج اور ڈانڈ اور رشوتوں سے ہوتی ہے اس کی نسبت کہ جزیہ سواں حصہ بھی نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ کہ پہلے زمانہ کے ظالم چونکہ خلفائے راشدین کے زمانہ کے قریب تھے اپنے ظلم کو جانتے تھے اور صحابہ اور تابعین کی دلداری کا شوق رکھتے تھے اور اس بات کے حریص تھے کہ وہ لوگ ہماری عطا اور جائزے قبول کر لیں اور بدون ان کے مانگے اور ذلیل کرنے کے ان کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے اور ان کے قبول کرنے سے احسان مند ہو کر خوش ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ سلاطین سے لے کر تقسیم کر دیا کرتے تھے اور سلاطین کی غرضوں کی اطاعت نہ کرتے تھے نہ ان کی مجلسوں میں جاتے نہ ان کی بھیڑ بڑھاتے نہ ان کا باقی رہنا پسند کرتے بلکہ باقی کے لیے دعا بد کرتے اور ان کے حق میں برا بھلا کہتے ان کی برائیوں کو برا جانتا رہے تو ان پر یہ خوف نہ تھا کہ جس قدر ان کو سلاطین سے دنیا ملے گی اس قدر ان کے دین میں نقصان پڑے گا اور ان کو بھی سلاطین کا کچھ خوف نہ تھا اور اب تو یہ حال ہے کہ سلاطین کا دل اسی شخص کے دینے کو چاہتا ہے جس سے توقع ہو ہمارا کچھ کار خدمت کرے گا اور ہماری جماعت بڑھا دے گا اور ہماری مدد کرے گا اور ہماری مجلسوں میں شریک ہو کر باعث زینت ہوگا اور ہمارے حق میں دعا اور ثنا مدام کرتا رہے گا اور سامنے اور غیبت میں ہماری تعریف میں مبالغہ کرتا رہے گا۔ پس اگر لینے والا ان سات ذلتوں کو اپنے اوپر نہ لے یعنی اول ندامت سوال، دوم خدمت میں دوڑنا، تیسرے دعا اور ثنا کہنی، چوتھے استعانت کے وقت ان کے مقاصد میں مدد کرنی، پانچویں مجلس اور سواری کے وقت ان کی جمعیت زیادہ کرنی، چھٹے ان کی محبت اور ان کے دشمنوں پر ان کی شرکت

کا ظاہر کرنا، ساتویں ان کے ظلموں اور بُرے کاموں کو چھپانا، تو یقین ہے کہ سلاطین ان کو ایک درم بھی نہ دیویں اور اگرچہ وہ اپنے وقت کا امام مثلاً امام شافعیؒ ہی ہو لیس ان وجوہات کی نظر سے اس زمانہ کے سلاطین سے مال حلال بھی ہوتا تو لینا درست نہ تھا تو جس صورت میں کہ معلوم ہے کہ مال ان کا حرام یا مشکوک ہے تب بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا اب جو کوئی ان کے مال پر جرأت کرے اور اپنے نفس کو صحابہ اور تابعین سے تشبیہ دیوے تو وہ فرشتوں پر لوہاروں کو قیاس کرتا ہے اور ان سے مال لینے میں ان سے ملنے کی حاجت ہوتی ہے اور ان کی پاسداری کرنی پڑتی ہے اور ان کو عاملوں کی خدمت اور ان کے سامنے ذلت اٹھانی پڑتی ہے اور ان کی تعریف کرنی اور ڈیوڑھی پر حاضر باشی کرنی پڑتی ہے اور یہ سب باتیں گناہ ہیں۔ چنانچہ چھٹی فصل میں مذکور کریں گے۔ اور جبکہ بیان گذشتہ سے مدات سلاطین کی آمدنی معلوم ہوگئی کہ فلاں حلال ہے اور فلاں حرام، اب اگر فرض کیا جاوے کہ کسی شخص کو مد حلال میں سے بقدر اس کے استحقاق کے گھر بیٹھے مل جایا کرے اور کسی عامل کی خوشامد اور خدمت کی ضرورت نہ پڑے نہ سلاطین کی تعریف اور تزکیہ کی نوبت آوے نہ ان کے مطالب میں موافقت ہو تو ایسی صورت میں مال کا لینا حرام تو نہ ہوگا مگر کئی وجہوں سے مکروہ ہوگا جن کا بیان چھٹی فصل میں کیا جاوے گا۔

مقدار وصفت

چونکہ بعض اموال ایسے ہیں کہ ان کے مستحق معین ہوتے ہیں جیسے مال وقف یا زکوٰۃ یا خمس فئے یا خمس غنیمت اور بعض اموال ملک سلطان کے ہیں جیسے وہ زمین جس کو قابل زراعت کرے یا جو چیز اس کی زر خرید ہو کہ ان میں بادشاہ کو اختیار ہے جس کو چاہے اور جس قدر چاہے دیدے اسی لیے ہم ان اموال میں بحث کرتے ہیں جو مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے ہوں جیسے چار خمس فئے کے اور میراثیں لاوارثی ہیں، تو ان اموال کا دینا انہیں لوگوں کو چاہیے جن کے دینے میں عوام کی بہتری ہو یا جو شخص اس کا محتاج اور کمانے سے عاجز ہے اور جو شخص تو انگر ہو اور اس کے دینے میں کسی طرح کی بہتری نہ ہو تو بیت المال کا مال اس کو نہ دینا چاہیئے، ہر چند اس میں علماء کو اختلاف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نہ دینا چاہیئے۔ اور حضرت عمرؓ کے کلام سے ایسا پایا جاتا ہے کہ بیت المال کے مال میں ہر مسلمان کا حق ہے بوجہ مسلمان ہونے اور جماعت اسلام کے زیادہ کرنے کے مگر باوجود اس کے حضرت عمرؓ نے سب مسلمانوں کو مال تقسیم نہیں کیا کرتے تھے بلکہ انہیں کو دیتے تھے جن میں خاص صفتیں ہوا کرتی تھیں۔ جب یہ ثابت ہوا تو معلوم ہوا کہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے کہ اس کا نفع مسلمانوں کو ہو، اور اگر وہ اس کام کو چھوڑ کر کمائی کی فکر میں پڑے تو وہ کام نہ ہو سکے تو ایسے شخص کا حق بقدر کفایت بیت المال میں ہوگا۔ اس قاعدہ کی رو سے تمام علماء کا حق بیت المال میں ہے کہ بقدر کفایت ان کو ملے مگر علوم سے ہماری غرض وہ علوم ہیں جن سے زیادہ دنیا و دین کی بہتری ہو جیسے فقہ و حدیث اور تفسیر اور قرأت میں یہاں تک کہ پڑھانے والے اور اذان دینے والے بھی اسی میں ہیں اور ان علوم کے طالب علم بھی داخل ہیں، کیونکہ اگر ان کو بقدر کفایت نہ ملے گا تو تحصیل نہ کر سکیں گے اور اسی میں وہ عامل بھی داخل ہیں جن کے عمل سے مصالح دنیاوی وابستہ ہیں جیسے فوج کے آدمی جو ملک کو تلوار کے زور سے باغیوں اور ڈنڈ ڈالنے والوں اور اہل اسلام کے دشمنوں سے بچاتے ہیں اور اسی میں حساب دان اور کاتب اور متصدی اور جن لوگوں کی ضرورت دفتر خراج میں پڑتی ہے

داخل ہیں بشرطیکہ دفتر اموال حلال کا ہو۔ غرضکہ یہ مال مصلحتوں کے واسطے ہوتا ہے اور مصلحت یا متعلق بدین ہے یا متعلق بدنیا ہے۔ پس علماء سے دین کی حراست ہے اور لشکریوں سے دنیا کی حفاظت، اور دین اور ملک وقوم میں ایسا نہیں کہ ایک دوسرے کی حاجت نہ ہو اور طب کے علم سے ہر چند کوئی امر دینی متعلق نہیں مگر چونکہ اس پر صحت جسم کی منحصر ہے اور دین صحت کے بعد ہے تو اس علم والے کے لیے خواہ اور علم جو ایسا ہی ہو کہ اس کی حاجت مصلحت بدن میں مصلحت بلادین ہوتی ہے اس کے لیے روزینہ بیت المال میں سے ہونا چاہیئے تاکہ جو شخص بدون اجرت ان سے علاج کرانا چاہے کر سکیں اور ان لوگوں میں حاجت کا ہونا شرط نہیں بلکہ تونگری کے ہوتے ہوتے بھی ان کو دینا درست ہے۔ چنانچہ خلفائے راشدین مہاجرین اور انصار کو دیا کرتے تھے حالانکہ حاجت سب کو نہ تھی اور روزینہ کی بھی کوئی مقدار معین نہیں بلکہ امام کی رائے پر منحصر ہے اس کو اختیار ہے کہ چاہے اتنا دے کہ غنی کر دے چاہے بقدر کفایت پر ہی اکتفا کرے جیسی مصلحت وقت اور مال میں گنجائش ہو کر سکتا ہے چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے امیر معاویہؓ سے ایک دفعہ میں چار لاکھ درم لیے تھے اور حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کو بارہ ہزار درم سالانہ دیا کرتے تھے اور حضرت عائشہؓ کو اسی فہرست میں لکھ رکھا تھا اور کچھ لوگوں کو دس ہزار اور کچھ کو چھ ہزار اور اسی طرح ہر ایک کے لیے مختلف مقرر تھا۔ حاصل یہ کہ بیت المال ان لوگوں کا حق ہے ان پر تقسیم کیا جائے یہاں تک کہ کچھ نہ رہے۔ اور اگر کسی شخص کو مال بہت دیا جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرح بادشاہ کو اختیار ہے کہ اس مال میں سے خصوصیت والوں کو خلعت اور انعام کے ساتھ مخصوص کرے کہ یہ امر پہلے بھی ہوتا تھا مگر اس میں لحاظ مصلحت کا ضرور رہنا چاہیئے اور جب کبھی کوئی عالم شجاع انعام کے ساتھ مخصوص ہوگا تو دوسرے شخصوں کو اس سے ترغیب ہوگی اور یہ شوق پیدا ہوگا کہ ہم بھی انہی کی طرح کام کریں تو معلوم ہوا کہ خلعت اور انعام سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اچھی بات کی ترقی ہو اور یہ سب باتیں سلطان کے اجتہاد سے وابستہ ہیں اور ظالم سلطانوں کے باب میں دو باتوں پر نظر چاہیئے اوّل یہ کہ ظالم سلطان حکومت سے برطرف کرنے کے قابل ہے تو وہ یا معزول ہے یا واجب العزل۔ پھر جب وہ حقیقت میں سلطان ہی نہیں تو اس کے پاس سے مال لینا کب درست ہوگا۔ دوسرے یہ کہ سلطان ظالم اپنا مال سب مستحقوں کو دیتا نہیں تو پھر ایک دو کو اس سے لینا کیسے درست ہوگا اور پھر اس میں کلام ہے کہ ایک دو کو بقدر اپنے حصّہ کے لینا درست ہے یا بالکل نہ لینا چاہیئے یا جس کو کچھ ملے اس کو لے لینا درست ہے۔ پہلی صورت میں ہماری رائے ہے کہ وہ شخص اپنے حق لینے سے منع نہ کیا جاوے اس لیے کہ سلطان جس صورت میں کہ صاحب شوکت ہوتا ہے اس کا برطرف کرنا دشوار ہوتا ہے اور دوسرے کو ایسی جگہ مقرر کرنے سے ایسا فساد برپا ہوتا ہے جس کی تاب نہ ہو تو اسی سلطان کو رہنے دینا اور اس کی فرمانبرداری کرنی واجب ہوا کرتی ہے جیسے کہ امراء کی اطاعت واجب ہے اور امیروں کی طاعت کرنی واجب اور ان کی مساعدت سے باز رہنے کی ترک میں بہت سے اُمراء در وعید[ح] وارد ہیں پس ہماری رائے یہی ہے کہ جس خلافت کا

ح بخاری نے بروایت انس اور مسلم بروایت ابی ہریرۃ اور ابی ذر اطاعت امراء نقل کیا ہے اور دونوں نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ ان کی مساعدت سے کشکش نہ ہونا چاہیے ۱۲

متکفل کوئی شخص حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے ہے وہ منعقد ہے اور جن سلطانوں نے خلیفہ سے عہد کر لیا ہے اطراف بلاد میں ان کی حکومت نافذ ہے اور اس باب میں جو مصلحت ہے اس کو ہم نے اپنی کتاب مستظہری میں بیان کیا ہے اور مختصر یہ ہے کہ ہم سلاطین میں صفات وشروط کا لحاظ اس لیے کرتے ہیں کہ اس میں توقع زیادتی مصلحت کی ہے اور اگر ہم حکومتوں کو باطل کہدیں تو سرے سے مصالح باطل ہوتے جاتے ہیں تو نفع کے غضب میں ہم راس المال کو کیسے کھو بیٹھیں بلکہ اب تو حکومت شوکت کی تابع ہے شوکت والے جس سے بیعت کر لیں وہی خلیفہ ہے اور جس کی شوکت مستقل ہو اور وہ خطبہ اور سکہ میں خلیفہ کا مطیع ہو تو وہی سلطان نافذ الحکم ہے اور اطراف زمین میں قاضی والی اور نافذ الحکم ہیں اور اس کی تحقیق ہم نے رسالہ اقتصاد فی الاعتقاد میں احکام اقامت کے ذکر میں لکھی ہے - اب یہاں لکھ کر طول کلام نہیں کرتے باقی رہی دوسری بات کہ بادشاہ کی عطا چونکہ ہر مستحق کو عام نہیں تو ایک شخص کو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں تو اس میں علماء کے چار قول مختلف ہیں بعض نے نہایت مبالغہ کر کے یہ کہا ہے کہ جو کچھ لے گا سب مسلمان اس میں شریک ہوں گے اور از انجا کہ یہ معلوم نہیں کہ حصہ اس کا اس قدر میں سے ایک خرمہرہ ہے یا زائد ہے یا کم، اس لیے کل کو ترک کرنا چاہیئے اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو اس روز کی غذا کی مقدار لینا درست ہے اس لیے کہ حاجت کی صورت میں مسلمانوں پر اسی قدر کا استحقاق اس کو حاصل ہے اور بعض نے یہ فرمایا ہے کہ اس کو سال بھر کی غذا کا لینا جائز ہے کیونکہ ہر روز کی مقدار کفایت کا لینا مشکل ہے اور اس مال میں اس کا حق لینا ثابت ہے تو اپنا حق کیسے چھوڑ دے - اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ جسقدر اس کو ملے اتنا لے لے ظلم رہے گا تو باقیوں پر رہے گا اور یہی قیاس ہے اس لیے کہ یہ مال مسلمانوں میں مشترک تو ہے نہیں جیسے غنیمت لڑنے والوں میں ہوتی ہے اور نہ یہ میراث ہے کہ ورثہ کی ملک ہو گئی ہے کہ اگر بالفرض وہ مر جاویں اور ان پر تقسیم نہ ہو تو ان کے وارثوں پر ارث کے بموجب بانٹنا واجب ہو بلکہ یہ حقوق مالی غیر معین ہے اور اس کا تعین قبضہ سے ہے یا اس کو صدقات کا سا مال کہو کہ جب صدقہ میں سے فقیروں کو ان کا حصہ دیا جاتا ہے تب ان کی ملک ہو جاتا ہے اور اگر مالک مال ظلم کرے اور صدقات میں سے مساکین اور مسافروں اور قرضداروں وغیرہ کو نہ دے صرف ایک جنس یعنی فقیروں کو دیدے تو یہ نہ ہوگا کہ فقیر مالک کے سبب سے اس صدقہ کے مالک نہ ہوں یہ اس صورت میں ہے کہ بادشاہ اس کو کل مال حوالہ نہیں کرتا بلکہ اس قدر دیتا ہے کہ اگر اوروں کو بھی دیتا اور ان کی نسبت کر اس کو زیادہ دیتا تو اس کو لینا درست ہوتا کیونکہ عطا میں کمی بیشی درست ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سب کو برابر دیا[ع] اور حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا کہ ان کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت ہے اور دینا بقدر کفایت ہی ہے اور جب خود خلیفہ ہوئے تو کمی بیشی کی حضرت عائشہؓ کے لیے بارہ ہزار اور حضرت زینبؓ کے لیے دس ہزار اور حضرت جویریہؓ کے لیے چھ ہزار اور اتنے ہی حضرت صفیہ کے لیے مقرر فرمائے اور ایک جاگیر حضرت علی مرتضیٰؓ کے لیے جدا کر دی اور حضرت عثمانؓ نے بھی پانچ باغ

ع اور حضرت عمرؓ الخ اصل میں یہ ہے کہ برابر کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں ان سے عرض کیا یعنی اہل فضیلت کو زیادہ دیجیئے تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو فضیلت ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہیں اور دنیا تو فقط قبر تک پہنچ جانے کی متاع ضروری ہے ۱۲ سید صدیق احمد سلمہ

اپنے لیے خاص کیے تھے۔ پھر اپنے نفس پر حضرت علیؓ کو ترجیح دی کہ آپ لے لیویں اور آپ نے منظور کر لیے اور انکار نہ فرمایا اور اختلافات ہیں یہ سب باتیں مجتہد کی جانب سے درست ہیں اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں ہم کہتے ہیں کہ ہر مجتہد صواب ہی کرتا ہے یعنی ایسے مسائل جن میں بعینہا کوئی نص نہیں اور نہ ان کے قریب اور مثل پر نص ہے کہ وہ بھی قیاس جلی کے اعتبار سے اس کے حکم میں ہو جاتا ہے جیسے یہ مسئلہ ہے اور مسئلہ سزائے شراب نوشی بھی ایسا ہی ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے اس میں چالیس کوڑے بھی لگائے اور اسّی بھی اور دونوں سنت اور حق ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ فاروق دونوں صواب پر ہیں اس جہت سے کہ صحابہ دونوں کے فعل پر متفق تھے جس شخص کو حضرت صدیق کے زمانہ میں زیادہ ملا تھا اور فاروق کے زمانہ میں کم ملا اس نے اپنی پہلی بیشی واپس نہ کی اور نہ ان لوگوں نے جن کو زمانہ حضرت فاروقؓ میں زیادہ ملا زیادتی کے ملنے سے انکار کیا اور اس باب میں سب صحابہؓ مشترک تھے سبھوں نے پہلے اعتقاد کیا کہ یہ دونوں رائیں حق ہیں تو جن اختلافات میں مجتہد کی رائے صواب پر ہوا کرتی ہے ان میں اسی قسم کا دستور کر لینا چاہیے لیکن جس مسئلہ میں نص موجود تھی یا قیاس جلی ہے اور مجتہد نے غفلت سے یا سوءِ تدبیر سے اس میں خلاف قیاس کہدیا یا نص کو چھوڑ دیا تو ایسے مسئلہ میں ہم یہ نہ کہیں گے کہ ہر مجتہد صواب پر ہے بلکہ صواب پر وہی ہے جو ٹھیک نص کو پہنچا یا معنی نص کو اور ان سب باتوں کے مجموعے سے یہ حاصل ہوا کہ جو شخص ایسی صفت سے موصوف ہو کہ اس سے دین یا دنیا کی مصلحت متعلق ہو اور سلطان سے کوئی خلعت یا روزینہ لے لیوے میراث یا جزیہ کے مال پر تو صرف لینے ہی سے فاسق نہ ہو جاویگا بلکہ فسق کی حرکات ہیں کہ سلاطین کی خدمت اور اعانت کرے اور ان کے دربار میں جاوے اور تعریف میں مبالغہ وغیرہ امور کو بدون ان کے مال غالباً نہیں ملتا بجالاوے چنانچہ فصل ذیل میں ہم اس کو بیان کریں گے۔

چھٹی فصل ظالموں حکمرانوں سے میل جول کے درجات اور ان کی تعظیم

واضح ہو کہ ظالم حاکموں اور عاملوں کے ساتھ میں تین حالتیں ہو سکتی ہیں ایک جو سب میں بُری ہے یہ ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ، دوسری جو اس سے کم ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ تمہارے پاس آویں اور تیسری جو بُرائی سے محفوظ ہے یہ ہے کہ تم ان سے الگ رہو نہ وہ تم کو دیکھیں اور نہ تم ان کو۔ اب ان کو جدا جدا سنو۔

سلاطین کے پاس جانا اور احادیث و آثار ہیں اس کے اوپر تشدیدات وارد ہیں ہم ان کو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو کہ شریعت نے کیا کچھ بُرا کہا ہے اور بعد کو لکھیں گے کہ بمقتضائے فتویٰ علم ظاہری کونسا جانا حرام ہے اور کونسا مکروہ اور مباح اور احادیث اس باب میں یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ظالم امراء کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا فمن نابذھم نجا ومن اعتزلھم سلم اوکاد ان یسلم ومن وقع معھم فی دنیاھم فھو منھم اور اس سے

حا جو ان سے مقابلہ کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو ان سے کنارہ پکڑے گا وہ سلامت رہے گا یا قریب ہے کہ بچ جاویگا اور جو شخص ان کے ساتھ ان کی دنیا میں پڑے گا تو وہ انہیں میں سے ہوگا۔ طبرانی بروایت ابن عباس سند ضعیف ۱۲

یہ غرض ہے کہ جو کوئی ان سے علیحدہ رہے گا وہ ان کے گناہ سے محفوظ رہے گا لیکن اگر ان پر عذاب نازل ہوگا تو اس سے نہیں بچے گا اس وجہ سے کہ ان کے ساتھ نزاع نہ کیا اور امر بالمعروف کا تارک ہوا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ح] کہ میرے بعد امیر ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے اور ظلم کریں گے تو جو کوئی ان کو جھوٹ پر سچا کہے گا اور ان کی اعانت ظلم پر کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے اور وہ میرے پاس حوض پر وارد نہ ہوگا اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح] ابغض القراء الی اللہ تعالیٰ یزوروون الامراء اور ایک حدیث[ح] میں ہے کہ امیروں سے بہتر وہ ہیں جو علماء کے پاس آتے ہیں اور علماء میں سے بدتر وہ ہیں جو اُمراء کے پاس جاتے ہیں اور حضرت انسؓ سے یہ حدیث[ح] مروی ہے العلماء امناء الرسل علیٰ عباد اللہ ما لم یخالطوا السلطان فاذا فعلوا ذٰلک وقد خانوا الرسل فاحذروھم واعتزلوھم اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ فتنوں کی جگہ سے دُور رہو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہیں فرمایا امیروں کے دروازے ہیں جب کوئی تم میں سے امیر کے پاس جاتا ہے تو جھوٹ بات پر اس کو سچا کہتا ہے اور جو بات اس میں نہیں ہوتی اس کو اس میں بتلاتا ہے اور حضرت ابوذرؓ نے سلمہ کو نصیحت کی کہ اے سلمہ سلطانوں کے دروازوں پر نہ جانا کہ تجھ کو ان کی دنیا میں جسقدر ملے گا اس سے افضل وہ تیرے دین میں سے لے لیں گے۔ اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ دوزخ میں ایک وادی ہے جس میں وہی قاری رہیں گے جو بادشاہوں کے یہاں جاتے ہیں۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عالم سے بُرا کوئی نہیں جو کسی عامل کے پاس جاوے۔ اور سمنونؒ فرماتے ہیں کہ عالم کے حق میں کتنا بُرا ہے کہ جب اس کی مجلس میں کوئی آوے اور اس کو نہ پاوے اور پوچھے کہ کہاں ہیں تو یہ جواب ملے کہ وہ امیر کے یہاں ہیں، اور میں یہ قول سُنا کرتا تھا کہ تم جب عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبت رکھتا ہے تو اس کو اپنے دین پر متہم کرو۔ اب اس قول کو میں نے خود امتحان کر لیا یعنی میں جب کبھی اس سلطان کے پاس گیا اور دربار سے نکلنے کے بعد اپنے نفس کا حساب لیا تو اس پر میل پایا باوجودیکہ میں ان سے سختی کے ساتھ بولتا ہوں اور ان کی خواہشوں کے مخالف کہتا ہوں، اور حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ قاری عابد اگر امیروں سے دوستی کرے تو یہ نفاق ہے اور اگر تونگروں سے محبت کرے تو یہ ریا ہے اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی بھیڑ کو زیادہ کرے تو وہ انہیں میں شمار ہوتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ظالموں کی جماعت بڑھانے سے ظالم ہی کہلائے گا اور حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ آدمی جب بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو اس کا دین اس کے پاس ہوتا ہے اور وہاں سے پھر کر آتا ہے تو دین رخصت ہو جاتا ہے لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ وہ شخص بادشاہ کو ایسی باتوں سے خوش کرتا ہے جن سے خدائے تعالیٰ ناخوش ہو۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو عامل کیا۔ پھر سُنا کہ وہ حجاج بن یوسف کا عامل رہا ہے آپ نے اس کو معزول کر دیا، اس نے عرض کیا کہ میں نے تو

ح نسائی وترمذی وحاکم بروایت کعب بن عجرہ ۱۲ ح خدائے تعالیٰ کے نزدیک قاریوں میں سے زیادہ بُرے وہ ہیں جو امیروں سے جا کر ملتے ہیں اس کی سند باب العلم میں گذری ۱۲ ح پیشتر گذری ۱۲ ح عالم اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رسولوں کے امین ہیں جب تک سلطان سے اختلاط نہ کریں اور جب ایسا کریں تو انہوں نے رسولوں کی خیانت کی ان سے احتراز وکنارہ کرو باب العلم میں گذری ۱۲

اس کے عہد میں تھوڑے دن کام کیا تھا آپ نے فرمایا کہ اس کی صحبت ایک روز خواہ چند پاس ہی کی ہو نحوست و شرارت کے لیے کافی ہے۔ اور فضیل فرماتے ہیں کہ جسقدر آدمی سلطنت والے کا مقرب ہو جاتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔ اور حضرت سعید بن مسیبؓ تیل کی تجارت کیا کرتے اور فرماتے کہ اس کی وجہ سے ان سلاطینوں سے کچھ حاجت نہیں رہتی اور وہبؒ فرماتے ہیں کہ لوگ بادشاہوں کے یہاں جاتے ہیں وہ امت کے حق میں جواریوں سے بھی زیادہ مضر ہیں۔ اور محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ جو قاری ان سلطانوں کے دروازہ پر ہو اس کی نسبت کہ پاخانہ کے اوپر کی مکھی بہتر ہے اور جب زہری نے سلطان سے اختلاط کیا تو ان کے ایک برادر دینی نے ان کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ خدائے تعالیٰ ہم کو اور اے ابوبکر تم کو فتنوں سے بچاوے کہ تمہارا یہ حال ہو گیا ہے کہ جو کوئی تم سے شناسائی رکھتا ہے اس کے شایاں ہے کہ خدائے تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ تم پر رحم کرے تم بڑے بوڑھے ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں نے تم کو بھاری کر دیا ہے کہ اپنی کتاب کی سمجھ تم کو عنایت کی اور طریق اپنے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلیم فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے علماء سے عہد لیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا[1] واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ، یہ جان رکھو کہ جس بات کے مرتکب تم ہوئے ہو اس کی ادنیٰ خرابی یہ ہے کہ تم نے ظالم کی وحشت کو دور کیا اور اپنے قرب پر اس شخص پر گمراہی کا طریق آسان کر دیا جس نے نہ کوئی حق ادا کیا اور نہ کوئی باطل ترک کیا تمکو ان لوگوں نے اپنا مقرب بنا کر مرکز اپنے ظلم کا ٹھہرا لیا کہ ان کے ظلم کی چکی تمہارے گرد گھومے اور تم ان کے لیے پل بن گئے ہو کہ اپنی مصیبت میں تم پر عبور کریں، تم راہ زینہ ہو کہ تمہاری بدولت گمراہی کے مدارج طے کریں۔ تمہارے سبب سے علماء پر شک ڈالیں گے اور جاہلوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچیں گے تو جتنا انہوں نے تمہارا بگاڑ کیا اس کے مقابل تمہارا فائدہ ہیچ ہے، تم کو کیا یہ خوف نہیں کہ مصداق اس آیت کے ہو جاؤ[2] فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ الآیۃ اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم کو معاملہ ایسے شخص سے ہے جو تمہارے حال سے نادان نہیں، اور تمہارے افعال کے وہ لوگ محافظ ہیں جو غافل نہیں تو اب تم اپنے دین کا علاج کرو کہ اس میں روگ آگیا ہے اور اپنے توشہ کی تیاری کرو کہ سفر دور دراز موجود ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز زمین و آسمان میں پوشیدہ نہیں، والسلام! ان اخبار اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین کے اختلاط میں کس طرح کے فتنہ اور فساد ہیں مگر ہم ان کی تفصیل فقہ کے طور پر کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ اس اختلاط میں سے حرام کونسا ہے اور مکروہ اور مباح کونسا ہے اسلیے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ کے پاس جاتا ہے وہ اپنے خدائے تعالیٰ کی معصیت کا متعرض ہوتا ہے خواہ اپنے فعل سے خواہ ساکت رہنے سے خواہ قول سے خواہ اعتقاد سے ان چاروں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہوتی ہے۔ فعل کی معصیت اس طرح ہے کہ بادشاہوں کے پاس جانا اغلب احوال میں چھینے ہوئے مکانات میں ہوتا ہے اور مکانوں میں راستہ چلنا اور بدون اجازت مالکوں کے ان میں داخل ہونا حرام ہے اگر یہ کہو کہ یہ امر خفیف ہے لوگ اس میں درگذر کیا کرتے ہیں جیسے ایک خرما یا ایک روٹی کا ٹکڑا اٹھا لینے میں تعرض نہیں کرتے۔ تو اس تقریر سے تم دھوکا مت کھانا کیونکہ درگذر کرنا غیر مغصوب چیز میں ہوتا ہے غصب کی چیز میں نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ادنیٰ بیٹھنے سے زمین کا نقصان نہیں ہوتا پس قابل درگذر کرنے کے ہے

---

[1] اور جب اقرار لیا اللہ تعالیٰ نے کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں کے پاس اور تم اس کو نہ چھپاؤ گے ۱۲ [2] پھر ان کی جگہ آئے ناخلف گنوائی نماز اور پیچھے پڑے مزوں کے سو آگے پڑے گی گمراہی ۱۲

اسی طرح زمین کو گذر جانے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا ہر ایک گذرنے والے کے لیے یہی کہا جائے گا۔ پس سب کا حکم
ایک ہی ہو اور غضب سب کے فعل سے پورا ہوا ہے اور در گذر وہاں کیا جاتا ہے کہ در گذر کرنیوالا اکیلا ہو کیونکہ
بعض اوقات مالک کو ایسے شخص کا گذر جانا بُرا نہیں معلوم ہوتا لیکن جب کہ اس کی ملک سب کا راستہ کر لیا جاوے
تو حرمت سب کے اوپر آجاوے گی اور کسی کا گذرنا جائز نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ اس اعتماد پر کہ ہر ایک چلنے والے
کے ایک بار گذرنے سے ملک میں نقصان نہیں آتا کسی کی ملک کو راستہ بنا لینا درست نہیں کیونکہ سب کا گذرنا تو
ملک کا تباہ کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ ضربِ خفیف تعلیم میں مباح ہے مگر اسی شرط پر کہ تنہا ہو۔ اب اگر بہت
سے آدمی مل کر ایک شخص کے ضربِ خفیف ہی لگاویں جس سے وہ مرجاوے تو سب پر قصاص ہوگا۔ حالانکہ اگر اتنی
ضرب تنہا ایک طرف سے ہوتی تو موجب قصاص نہ ہوتی۔ اب اگر یہ فرض کرو کہ ظالم مغصوب جگہ میں نہیں بلکہ خود
ایسی زمین میں ہے جو اس کی ملک میں ہے گو اگر خیمہ وغیرہ میں ہوگا تب بھی اس کے پاس جانا حرام ہے اس لیے کہ خیمہ
اسی کے مال حرام سے بنا ہے اور حرام کے خیمہ وغیرہ سے فائدہ لینا اور سایہ میں بیٹھنا حرام ہے اور اگر فرض کیا جاوے
کہ یہ سب چیزیں مال حلال سے ہیں تو اس صورت میں صرف روبرو جانے اور السلام علیکم کہنے سے گنہگار نہ ہوگا لیکن
اگر سجدہ کرے گا جھکے گا یا سلام یا مجرے کے لیے کھڑا رہے گا تو ظالم کی تعظیم اس کی حکومت کی جہت سے کریگا
اور حکومت اس کے ظلم کا سامان ہے اور ظالم کے سامنے گردن جھکانی گناہ ہے بلکہ اگر کسی ایسے غنی کے سامنے گردن
جھکا دے جو ظالم نہ ہو اور وجہ اس تعظیم کی سوائے تونگری کے اور کوئی بات نہ ہو تو دین کے دو ثلث کم ہوجاتے ہیں
تو جس صورت میں کہ ظالم کے سامنے یہ نوبت ہو، قیاس کرنا چاہیے کہ دین کی خرابی کس قدر ہوگی۔ غرضکہ سوائے لفظ
سلام کے اور کوئی حرکت تعظیمی مباح نہیں اور ہاتھوں کو بوسہ دینا اور سلام کے لیے معصیت نہیں مگر خوف کے سبب سے
یا امام عادل کے لیے یا کسی عالم کے لیے یا اور کسی کے لیے جو امر دینی کی وجہ سے بوسہ کا مستحق ہو تو مضائقہ نہیں چنانچہ
ابو عبیدہ بن جراح نے جب حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شام میں ملاقات کی تو آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور
حضرت فاروقؓ نے ان کو منع فرمایا۔ اور بعض علماء نے اس باب میں ایسا مبالغہ کیا ہے کہ سلاطین کے سلام کا جواب
دینا بھی منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کو حقیر جان کر ان کی طرف سے منہ پھیر لینا عمدہ ثواب کی بات ہے مگر ہم کہتے
ہیں کہ سلام کے جواب نہ دینے میں کلام ہے کیونکہ جواب سلام واجب اس کے ظلم کی جہت سے واجب کیسے دوسرے
شخص کے ذمہ سے ساقط ہوجاوے گا۔ پھر اگر جانیوالا ان باتوں میں سے کوئی نہ کرے صرف سلام پر اکتفا کرے
تو یہ ضرور ہوگا کہ ان کے فرش پر بیٹھے اور چونکہ ان کا سب مال حرام ہے تو ان کے فرش پر بیٹھنا بھی درست نہیں یہ امور
بلحاظ فعل کے ہوتے۔ اب سکوت کو سننا چاہیے کہ جانے والا ان کے دربار میں حریر کے فرش پر اور چاندی کے برتن اور
ان کا اور ان کے غلاموں کا حریری لباس یا زیور وغیرہ جو حرام ہیں دیکھے گا اور جو شخص کہ گناہ کی چیز دیکھ کر خاموش
ہو رہے وہ اس بُرائی میں شریک ہوتا ہے اس کے سوا ان کی گفتگو میں فحش اور جھوٹ اور گالی اور ایذا کے کلمات اور
غیبت سُنے گا اور ان سب کو سُن کر چپ رہنا حرام ہے۔ خود ان کو لباس پہنے اور کھاتے دیکھے گا اور جو کچھ ان کے

پاس ہے وہ سب حرام ہے تو اس پر بھی سکوت کرنا جائز نہیں پس اس کو امر بالمعروف ونہی منکر اپنی زبان سے
واجب ہے اگر فعل سے نہ کر سکے۔ اور اگر یہ کہو کہ وہ ڈر کے مارے کچھ نہیں بولتا اس لیے یہ سکوت عذر سے ہے تو
اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو وہاں جانے کی ضرورت کیا تھی۔ غیر مباح چیز کے ارتکاب کی ضرورت صرف عذر شرعی
سے ہو سکتی ہے تو اگر یہ نہ جاتا اور ان حالات کو نہ دیکھتا تو اس کو شرعاً حکم بھی ہوتا کہ امر بالمعروف بجالاوے وہ تو
اپنے آپ باعث ارتکاب کا ہوا اس لیے اس کا عذر بھی مسموع نہیں، اور اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جانے کہ فلاں
جگہ میں فساد کی بات ہے اور مجھ سے اس کا دور کرنا ممکن نہیں تو اس کو وہاں جانا جائز نہیں تاکہ جا کر اپنے سامنے وہ خرابی
دیکھے اور چپ ہو رہے بلکہ یہ چاہیئے کہ اس کے دیکھنے سے محترز رہے اور ایک قول یہ ہے کہ سلطان ظالم کے لیے دعا
اور ثنا کہے یا جو کوئی صریح باطل اس کی زبان سے نکلے تو کہدے کہ حضور بجا فرماتے ہیں یا سر سے اشارہ کردے کہ
درست ہے یا چہرہ پر بشاشت ظاہر کرے یا اس کی محبت اور طرفداری کا اظہار کرے اور شوق ملازمت اور
اس کی عمر دراز ہوتے اور باقی رہنے کی حرص بیان کرے کیونکہ غالب یہی ہے کہ دربار میں جا کر صرف سلام کر کے کھڑا نہ
رہے گا کچھ نہ کچھ بولے گا تو وہاں کا کلام انہیں اقسام میں سے کوئی نہ کوئی ہوگا۔ دعا میں سے ظالم کے لیے یہ الفاظ
حلال ہیں خدائے تعالیٰ آپ کو نیکی دے یا اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق خیر عنایت فرماوے یا ایزد پاک اپنی اطاعت میں
آپ کی زندگی زیادہ کرے یا جو اس قسم کے الفاظ ہوں لیکن اس کو مولیٰ کہکر طول بقا اور حراست اور اتمام نعمت کی
دعا مانگنی جائز نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ح من دعا لظالم بالبقاء فقد احب ان
یعصی اللہ فی ارضہ اگر دعا میں مبالغہ کر کے اس کی ثنا کرے گا عجب نہیں کہ وہ صفات ذکر کرے کہ جو اس میں نہ ہوں
تو اس سے جھوٹا اور منافق اور ظالم کا اکرام کرنے والا ہوگا اور یہ تین گناہ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ غصہ کرتا ہے جس وقت کہ فاسق کی تعریف کی جاتی ہے ح اور ایک اور حدیث میں ہے من اکرم فاسقا
فقد اعان علی ھدم الاسلام ح اور اگر ثنا سے گزر کر اس کے قول کو اچھا کہے گا یا اس کے افعال کو اچھا بتاوے گا تو
گنہگار ہوگا اس لیے کہ معصیت کو اچھا بتانا اس پر ثنا کرنی گویا اس معصیت پر مدد کرنا ہے اور اس کی رغبت پر جنبش
دینا جیسے کہ برا کہنا اور جھوٹا ٹھہرانا کسی کام کے زجر اور اس کے لوازم کے ضعیف کرنے میں مفید ہوتا ہے اور معصیت پر اعانت
کرنا بھی معصیت ہے اگرچہ ایک لفظ کے آدھی ہی سے ہو۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ ایک ظالم
جنگل میں مرا جاتا ہے اس کو پانی پلانا چاہیے یا نہیں، آپ فرمایا کہ نہیں اس کو مرنے دینا چاہیے۔ کیونکہ پانی پلانا اس کی
اعانت ہے اور دوسرے لوگوں کا اس مسئلہ میں یہ قول ہے کہ اس کو پانی اتنا پلاوے کہ اس کے دم میں دم آجاوے اور
اگر ثنا سے تجاوز کر کے اور شوق ملازمت کا ذکر کرے گا تو اگر جھوٹا ہوگا تو جھوٹ اور نفاق کی معصیت میں مبتلا ہوگا

ح جو شخص کہ ظالم کے لیے دعا کرے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی اس کی زمین میں کی جاوے اس کی سند پہلے گزری ۱۲ ح اسکی سند اوپر گزری ۱۲ ح جس نے فاسق کی تعظیم کی اس کے اسلام کے ڈھانے پر اعانت کی اس کی سند پیشتر گزری ۱۲

اور اگر سچا ہوگا تو ظالم کی محبت اور دیر پائی چاہنے کے باعث گنہگار ہوگا کیونکہ وہ مستحق اس بات کا ہے کہ اس سے بغض فی اللہ کیا جاوے اور بغض فی اللہ واجب ہے اور معصیت سے محبت رکھنے اور راضی ہونے والا گنہگار ہے اور جو شخص کہ ظالم سے محبت کرے گا وہ اگر ظلم کے باعث کرے گا تب تو اس کی محبت کے سبب سے گنہگار ہوگا اور اگر کسی اور وجہ سے محبت کرے گا تب ترک واجب کے سبب سے عاصی ہوگا کہ واجب یہ تھا کہ اس سے بغض رکھے اور اس نے بغض نہ کیا الٹی محبت کی اور اگر ایک شخص میں دو باتیں خیر و شر کی جمع ہوں تو چاہیئے کہ خیر کی وجہ سے اس سے محبت کی جاتے اور شر کی وجہ سے اس کو برا مانا جاوے اور باب پنجم میں ہم بیان کریں گے کہ بغض اور محبت جمع کس طرح ہو سکتی ہے۔ اب اگر ان سب باتوں سے محفوظ رہا ہے گو محفوظ رہنا تو اپنے دل میں خرابی آنے سے قطعی نہ بچے گا یعنی یہ دیکھے گا کہ ظالم اتنی بڑی آسائش میں ہے اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کم ہے اور اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا مرتکب ہوگا کہ آپ نے فرمایا ہے[ح۱] یا معشر المھاجرین لا تدخلوا علیٰ اھل الدنیا فانھا مسخطۃ للرزق اس کے سوا اتنی خرابیاں اس کے جانے میں اور ہوں گی کہ دوسرے آدمی اس کا اقتداء کریں گے اور خود ان میں شریک ہو کر ان کی جماعت کو اور زیادہ کرے گا اور اگر یہ شخص باعث ان کے تجمل کا ہوگا تو ان کے جانے سے ان کے تجمل کو بڑھاوے گا اور یہ سب باتیں یا مکروہ ہیں یا ممنوع۔ منقول ہے کہ حضرت سعید بن مسیب سے کہا گیا کہ ولید اور سلیمان جو عبد الملک کے بیٹے تھے، ان دونوں کی بیعت کرو تو آپ نے فرمایا کہ جب تک رات دن بدلتے ہیں دو کی بیعت نہ کروں گا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بیعتوں سے منع فرمایا ہے[ح۲] لوگوں نے فرمایا کہ تو ایک دروازے سے گھس کر دوسرے سے نکل آیئے آپ نے فرمایا کہ بخدا کبھی نہ کروں گا اس لیے کہ کوئی میرا اقتدا نہ کرے، آپ کے سو کوڑے لگائے گئے اور ٹاٹ پہنایا گیا مگر وہاں جانا منظور نہ کیا۔ غرضکہ سلاطین کے پاس جانا بدون دو عذروں کے جائز نہیں اول یہ کہ ان کی طرف سے امر الزامی حاضری کا ہو نہ پیام اکرامی، اور یہ معلوم ہو کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو مجھ کو ستاویں گے یا رعیت کی طاقت فاسد ہو جاوے گی اور انتظام درہم برہم ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اس لیے ان کے پاس جاوے کہ کسی مسلمان بھائی پر سے ظلم کو دور کرے یا بنیت یہ ہو کہ خود اپنے اوپر ظلم نہ ہو خواہ اس کو سمجھانے سے یا فریاد و واویلا کرنے سے، تو اس طرح جانے کی اجازت ہے اس شرط سے کہ جھوٹ نہ بولے اور نہ تعریف کرے اور جس نصیحت کے قبول ہونے کی توقع اس کو بدون بیان کیے نہ رہے یہ حکم بادشاہوں کے پاس جانے کا ہے۔

بادشاہ کا خود کسی کے پاس آنا اگر خود سلطان ظالم تمہاری ملاقات کو آ دے تو اس صورت میں جواب سلام دینا تو ضروری ہے باقی رہا اسکی تعظیم کرنی اور کھڑا ہونا تو یہ بھی حرام نہیں اسلیے کہ اس نے جو علم اور دین کی تعظیم

ح۱ اے گروہ مہاجرین تم دنیا داروں کے پاس مت جاؤ کہ دنیا روزی کو خفا کر دیتی ہے، حاکم بروایت عبد اللہ بن الشخیر بالفاظ دیگر ۱۲

ح۲ ابو نعیم در حلیہ بسند صحیح ۱۲

کی تو اس وجہ سے قابل تعظیم ہو گیا جیسے ظلم کے باعث مستحق دوری کا تھا تو تعظیم کے بدلہ میں تعظیم اور سلام کے بدلہ میں جواب دینا چاہیے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر وہ خلوت میں آوے تو اس کیلئے کھڑا نہ ہو تا کہ اس باعث سے اس کو دین کی عزت ظاہر ہو اور ظلم اس کی نظر میں حقیر معلوم ہو اور جانے کہ یہ دین کے لیے خفا ہوتے ہیں اور جس سے خدائے تعالیٰ روگردانی کرتا ہے اسی سے اس کے خاص بندے اعراض کرتے ہیں اور اگر مجمع میں ملاقات کو آوے تو ارباب حکومت کی حشمت کا پاس کرنا ان کی رعایا کے سامنے ضروری ہے پس اس نیت سے کھڑا ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اگر جانے کہ نہ کھڑا ہونے سے رعیت میں کچھ فساد نہ ہوگا اور اس کے غصّہ سے مجھ کو کچھ ایذا نہ پہنچے گی تو کھڑا ہونے کو ترک کرنا بہتر ہے۔ پھر ملاقات کے بعد واجب ہے کہ سلطان کو نصیحت کرے۔ اور اگر وہ ایسی چیز کا مرتکب ہو جس کی حرمت نہ جانتا ہو اور توقع یہ ہے کہ حرمت جان جاوے گا تو چھوڑ دے گا تو اس کو اس چیز کی حرمت تبلا دینی واجب ہے اور جن چیزوں کی حرمت اس کو خود معلوم ہو مثلاً شراب پینا اور ظلم کرنا تو ان کے ذکر کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ جن گناہوں کا وُہ مرتکب ہے اگر یہ گمان ہو کہ ڈرانا کچھ اثر کرے گا تو ان گناہوں سے ڈرا دینا چاہیے اور ایک یہ واجب ہے کہ سلطان کو راہ مصلحت بتا دے یعنی اگر ظالم کی مطلب برآری کا کوئی طریق موافق شرع کے خود جانتا ہو تو اس کو راہ بتا دے تا کہ اس کا مطلب بھی ہو اور ظلم سے بچا بھی رہے۔ غرضکہ اگر اپنی بات کو یہ جانے کہ سلطان میں تاثیر کرے گی تو تین باتیں اس پر واجب ہیں اول جو بات سلطان کو معلوم نہ ہو اس کا بتانا، دوسرے جن باتوں کو وہ جان بوجھ کر کرتا ہے ان سے دھمکانا، سوم جس چیز سے وہ غافل ہو اس کی طرف راہنمائی کرنی اور یہ تینوں باتیں اس شخص کو جب ہی لازم ہیں کہ جب یہ توقع ہو کہ میرے کلام کا اثر سلطان پر ہوگا۔ اور یہ بات ہر ایسے شخص پر بھی لازم ہے جس کو خود بادشاہ کے پاس جانے کا اتفاق عذر سے خواہ بلا عذر ہو۔ محمد بن صالح کہتے ہیں کہ میں حماد بن سلمہ کے پاس تھا۔ دیکھا تو ان کے گھر میں چار چیزوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ایک ان کے بیٹھنے کا بوریا، دوم تلاوت کا قرآن سوم کتابوں کا بستہ چہارم وضو کا لوٹا۔ ایک روز میں ان کے پاس ہی تھا کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی معلوم ہوا کہ محمد بن سلیمان ہے۔ آپ نے اس کو اجازت دی وہ اندر آ کر سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ جب میں تم کو دیکھتا ہوں تو رعب مجھ پر چھاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عالم جب اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جب علم سے خزانہ کا جمع کرنا چاہتا ہے تو ہر چیز سے خود ڈرتا ہے۔ پھر محمد بن سلیمان نے چالیس ہزار درم آپ کو نذر کیے اور عرض کیا کہ ان کو اپنے حوائج میں صرف فرمائیے آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں پر تم نے ظلم کر کے یہ حاصل کیے ہیں ان کو واپس کر دو اس نے عرض کیا کہ میں نے بخدا آپ کی نذر وہ مال کیا ہے جو مجھ کو وراثت میں ملا ہے میں نے براہ ظلم کسی سے نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس مال کی ضرورت نہیں اس نے عرض کیا کہ آپ ان کو لے کر لوگوں میں تقسیم کر دیجیے آپ نے فرمایا کہ میں قسمت کرنے

ح[1] یہ حدیث مفصل ہے اور ابن جوزی نے کتاب صفوۃ الصفوۃ میں اس کو وصل کیا ہے ۱۲

میں شاید عدل کروں تو مجھے یہ ڈر ہے کہ جس کو اس میں سے کچھ نہ ملے وہ یوں کہے کہ اس شخص نے قسمت میں عدل نہیں
کیا اور میری جہت سے اس کو گناہ ہو پس ان کو مجھ سے علیحدہ ہی رکھو۔

بادشاہوں سے علیحدگی

نہ خود ان کو دیکھے نہ وہ اس کو دیکھیں اور یہ امر واجب ہیں اس لیے کہ اس باب میں سلامتی
اسی صورت میں ہے۔ پس آدمی پر واجب ہے کہ سلاطین کے ظلم کی وجہ سے دل میں ان کی
عداوت رکھے اور ان کی دیرپائی نہ چاہے اور نہ ان کی تعریف کرے نہ ان کے حالات کا جویا رہے اور نہ جو لوگ ان سے
متصل رہتے ہیں ان کے نزدیک جاوے اور ان سے جدا رہنے کے باعث اگر کوئی چیز اپنے آپ کو نہ ملے تو اس پر افسوس
نہ کرے اور یہ اس صورت میں ہے کہ دل میں اس کا دھیان گذرے اور اگر بالکل ہی ان سے غافل ہی ہو جاتے تو اور
بھی اچھا ہے۔ اور جب دل میں یہ بات گزرے کہ ان کے پاس مال اور سامان عشرت بہت ہے تو یہ قول حاتم اثم کا یاد
کرے کہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ میں اور بادشاہوں میں ایک ہی روز کا فرق ہے اس لیے کہ کل گذشتہ کی لذت تو ان کو میسّر
نہیں اور آئندہ کل میں مجھ کو اور ان دونوں کو خوف ہے پس صرف آج کا دن باقی رہا ایک روز سے کیا ہو سکتا ہے۔ یا حضرت
ابو دردا رضی کے قول کو یاد کرے کہ وہ فرماتے تھے کہ مالدار کھانے پینے اور لباس میں ہمارے شریک ہیں وہ بھی کھاتے پینے
اور پہنتے ہیں اور ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور ان کے پاس فضول مال ہوتا ہے جس کو وہ دیکھا کرتے ہیں اور ہم بھی
ان کے ساتھ دیکھ لیتے ہیں۔ فرق اتنا کہ اس کا حساب ان کو دینا پڑے گا اور ہم اس باز پرس سے بری ہیں اور جو
شخص کسی ظالم کے ظلم یا عاصی کی معصیت پر واقف ہو چاہیے کہ اس کا واقف ہونا اس ظلم کا مرتبہ اس کے دل میں گھٹا
دے کہ یہ ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص حرکت مکروہ کا مرتکب ہوتا ہے بالضرور دل سے اتر جاتا ہے۔ اور معصیت کا مکروہ
جاننا ضروری ہے کیونکہ تین حال سے خالی نہیں یا تو اس کو بھول جاوے یا راضی ہو یا مکروہ جانے تو باوجود جاننے کے
بھول تو نہیں سکتا اور معصیت پر راضی ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو ضرور ہوا کہ اس کو برا ہی جانا جاوے تو یوں چاہیئے کہ
جو شخص خدائے تعالیٰ کے حق میں قصور کرے اس کو ایسا برا جانو جیسا اپنے حق میں قصور کرنے سے جانتے ہو۔ اب
اگر یہ کہو کہ دل سے برا جاننا تو اختیاری بات نہیں تو واجب کیسے ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز محبوب کے نزدیک
بری ہوتی ہے عاشق اپنی طبیعت سے اس کو برا جانتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں رکھتا وہ اس کو پہچانتا نہیں
حالانکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت واجب ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا تو بالضرور جس چیز کو خدائے تعالیٰ
برا جانتا ہے اس کو وہ بھی برا جانے گا اور جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو وہ دوست رکھے گا۔ اور اس کی تحقیق باب
محبت و رضا میں مذکور ہو گی۔ اب اگر یہ کہو کہ سلف کے علماء تو سلاطین کے پاس جایا کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے
کہ ان سلف کے لوگوں سے اوّل جانے کا طور سیکھ لو تو تب جانے میں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ ہشام بن عبدالملک
بادشاہ حج کے لیے آیا جب مکہ معظمہ میں داخل ہوا تو کہا کہ کسی شخص کو صحابہؓ میں سے میرے پاس لاؤ لوگوں نے کہا کہ وہ تو
انتقال کر گئے اس نے کہا کہ کسی تابعی کو لاؤ۔ تو حضرت طاؤس یمینی کو لوگ بلا لائے جب آپ ہشام کے سامنے گئے تو جوتا
فرش کے کنارے پر اتارا اور امیر المومنین کہہ کر سلام نہ کیا بلکہ یوں کہا کہ اے ہشام سلام علیک اور نہ اس کی کنیت ذکر کی

اور بعد سلام کے اس کے مقابل بیٹھ گئے اور پوچھا کہ اے ہشام تم کیسے ہو سلطان ان کی حرکات سے برافروختہ ہوا یہاں تک کہ قصد مار ڈالنے کا کیا مگر لوگوں نے کہا کہ تو حرم خدا اور حرم رسول میں ہے یہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا تو نے یہ حرکت کیوں کی آپ نے فرمایا کہ میں نے کیا کیا اس کو اور بھی غصہ زیادہ ہوا اور کہا کہ تم نے میرے سامنے جوتا اتارا اور میرے ہاتھ کو بوسہ نہ دیا اور مجھ کو امیر المومنین کہہ کر سلام نہ کیا اور میری کنیت نہ بیان کی اور میرے مقابل بدون اجازت بیٹھ گئے اور پوچھا کہ ہشام تم کیسے ہو آپ نے جواب دیا کہ جوتا اتارنے کا حال یہ ہے کہ رب العزت کے سامنے ہر روز پانچ بار اتارتا ہوں وہ مجھ پر نہ خفا ہوتا ہے نہ سزا دیتا ہے اور بوسہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ مرد کے لیے حلال نہیں کہ کسی کے ہاتھ کو بوسہ دے بجز اپنی بی بی کے براہ شہوت اور اپنی اولاد کے بطور رحمت اور یہ جو کہتے ہو کہ مجھ کو امیر المومنین کہکر سلام نہ کیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ سب آدمی تمہاری حکومت سے راضی نہیں اس لیے مجھ کو اچھا نہ معلوم ہوا کہ جھوٹ بولوں اور کنیت بیان نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے تو نام لیے ہیں اور فرمایا کہ یا داؤد یا یحییٰ یا عیسیٰ اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے ذکر فرمایا ہے جیسے تبت[ت ۱] یدا ابی لہب اور یہ جو کہتے ہو کہ میرے سامنے بیٹھ گئے اس کا باعث یہ ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ دوزخ میں پہاڑوں کی چوٹیوں کی مانند سانپ ہیں اور بچھو ہیں جو خچروں کی مانند ہیں وہ ان امیروں کو کاٹیں گے جو اپنی رعیت میں عدل نہیں کرتے۔ پھر آپ وہاں سے اٹھ کر جلدی سے چل دیئے۔ اور حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ وہ منیٰ میں ابو جعفر منصور کے پاس تشریف لے گئے اس نے جا کر عرض کیا کہ آپ اپنی حاجت بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ سے خوف کر کہ تو نے اپنے ظلم و تعدی سے زمین کو بھر دیا ہے منصور نے گردن جھکالی پھر سر اٹھا کر کہا کہ آپ اپنی حاجت مجھ سے بیان کریں فرمایا کہ تو جو اس مرتبہ کو پہنچا ہے تو صرف مہاجرین اور انصاروں کی تلواروں سے پہنچا ہے۔ اب ان کے بچے بھوکوں مرتے ہیں خدا کا خوف کر اور ان کا حق ان کے حوالہ کر پھر سر نیچے کر لیا اور آخر کو سر اٹھا کر کہا کہ اپنی حاجت پیش فرمائیے۔ فرمایا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب حج کیا تھا تو اپنے خزانچی سے پوچھا تھا کہ میں نے کتنا خرچ کیا اس نے عرض کیا کہ کچھ اوپر دس درم اور تیرے ساتھ اتنا مال دیکھتا ہوں کہ جن کو اونٹ بھی نہیں اٹھا سکتے یہ کہکر آپ چلے آئے۔ تو اکابر سلف اگر بزور تکلف جاتے بھی تھے تو اس طرح جایا کرتے تھے اور سلاطین کے ظلم سے خدا واسطے کا انتقام لینے کے لیے اپنی جان لڑا دیتے تھے۔ اور ابن ابی نملہ عبد الملک بن مروان کے پاس تشریف لے گئے اس نے عرض کیا کہ کچھ فرمائیے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن قیامت کے عقوبوں اور تلخیوں سے اور وہاں کی تباہی دیکھنے سے وہی لوگ بے چین ہوں گے جنہوں نے اپنے نفس کو ناراض کر کے خدائے تعالیٰ کو راضی کیا ہو گا۔ عبد الملک رو پڑا کہ جب تک میں زندہ رہوں گا اس جملہ کو اپنی آنکھ کے سامنے رکھوں گا۔ اور جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوتے تو تمام اصحاب آپ کی خدمت میں آئے مگر حضرت ابوذر غفاریؓ جو آپ کے دوست

ت ۱ ٹوٹ گئے ہاتھ ابو لہب کے ۱۲ ۔ اس کی سند مجھ کو معلوم نہیں ہوئی ۱۲

تھے انہوں نے تاخیر کی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی تاخیر پر عتاب فرمایا انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ آدمی جب کسی حکومت کا والی کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے دور ہو جاتا ہے اور حضرت مالک بن دینار بصرہ کے حاکم کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ سلطان سے زیادہ بیوقوف کوئی نہیں اور جو شخص میری نافرمانی کرے اس سے بڑھ کر نادان کوئی نہیں اور جو شخص کہ مجھ پر گھمنڈ کرے اس سے زیادہ دھوکہ دینے والا کوئی نہیں۔ اے خراب چرانے والے میں نے تجھ کو موٹی تندرست بھیڑ بکریاں دیں تو نے ان کا گوشت کھایا اور اون پہنی اور ان کو ہلتا ہوا ڈھانچ کر دیا حاکم بصرہ نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ ہم پر دلیر اور ہم سے سیر کیوں ہیں آپ نے فرمایا کہ نہیں، اس نے کہا اس کی یہ وجہ ہے کہ آپ ہم سے طمع کم رکھتے ہیں اور مال کو رکھ نہیں چھوڑتے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سلیمان بن عبدالملک کے ساتھ کھڑے تھے اتنے میں سلیمان رعد کی آواز سن کر ڈر گیا اور اپنی چھاتی چار جامہ کے اگلے حصہ پر رکھ دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تھی جب اس کے عذاب کی آواز سنو گے تب کیا صورت ہوگی۔ پھر سلیمان نے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ کتنے زیادہ آدمی ہیں آپ نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین یہ سب آپ کے مدعی ہیں اس نے کہا کہ خدائے تعالیٰ تم کو ان سے حوالہ ڈالے۔ اور کہتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک بقصد مکہ معظمہ مدینہ منورہ میں آیا اور حضرت ابوحازم کو بلایا اور کہا کہ کیا بات ہے کہ ہم موت کو برا جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنی آخرت خراب کی اور دنیا کو آباد کیا اس لیے آبادی سے ویرانے میں جانے کو برا جانتے ہو، میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا کیسا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ نیک بندے تو اس طرح جاویں گے جس طرح باہر رہتا ہوا آدمی اپنے گھر آوے اور گنہگار ایسے آویں گے جیسے بھاگا ہوا غلام آقا کے سامنے لایا جاوے۔ سلیمان رویا اور کہنے لگا کہ کاش ہم کو معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ کے یہاں ہم کیسے ہوں گے۔ ابوحازم نے فرمایا کہ اپنے حال کو قرآن مجید کے مطابق کر لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم۔ سلیمان نے کہا کہ پھر خدائے تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے آپ نے فرمایا[۲] ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔ سلیمان نے پوچھا کہ اللہ کے بندوں میں سے بزرگ کون زیادہ ہے فرمایا کہ مروت اور تقویٰ والے۔ پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کون ہے فرمایا کہ فرائض ادا کرنا حرام چیزوں سے اجتناب کے ساتھ۔ پوچھا کہ کلام میں سے کونسا زیادہ سننے کے قابل ہے فرمایا کہ سچ کہنا ایسے شخص کے سامنے جس سے بیم و رجا ہو۔ پوچھا کہ ایمان والوں میں سے زیادہ کونسا دانا ہے فرمایا کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر عمل کرے اور لوگوں کو اسی طرف بلاوے۔ پوچھا کہ اہل ایمان میں سے زیادہ خسارہ میں کون ہے فرمایا جو شخص کہ اپنے بھائی ظالم کی خواہش میں چلے اور اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے عوض فروخت کرے پھر سلیمان نے پوچھا کہ ہم جس حال میں اب ہیں اس میں تم کیا کہتے ہو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو سزا دو گے اس نے کہا کہ نہیں بلکہ نصیحت فرمایئے۔ فرمایا کہ اے امیرالمومنین تمہارے

ت۱ بیشک نیکوکار آرام میں ہیں اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں ۱۲ ت ۲ بیشک مہر اللہ کی نزدیک ہے نیکی والوں سے۔ ۱۲

باپ دادوں نے لوگوں پر تلوار کا دباؤ ڈال کر یہ ملک زبردستی لیا ہے نہ تو مسلمانوں سے مشورہ کیا اور نہ ان کی خوشی سے لیا یہاں تک کہ بڑا کشت و خون کر کے چلدیئے۔ تو کاش تم اب جان لو کہ انہوں نے کیا کیا اور لوگوں نے ان کو کیا کہا۔ ایک شخص نے سلیمان کے جلیسوں میں سے کہا کہ اے ابوحازم تم نے یہ بُرا کلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے عہد لیا ہے کہ لوگوں میں امر حق کو بیان کریں اور پوشیدہ نہ رکھیں سلیمان نے عرض کیا کہ ہم کیسے اس خرابی کو دور کریں۔ آپ نے فرمایا کہ وجہ حلال سے تحصیل کرو اور اس کے موقع میں صرف کرو اس نے کہا کہ یہ بات کس سے ہو سکتی ہے اس نے عرض کیا کہ آپ میرے حق میں دعا فرمایئے آپ نے فرمایا کہ الٰہی اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اس کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی آسان کر دے اور دشمن ہے تو اس کو زبردستی اپنے محبوب اور پسند چیز کی طرف پہنچا دے پھر سلیمان نے عرض کیا کہ مجھ کو وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ میں مختصر سی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے رب کی عظمت اور پاکی اس درجہ تصور کر کہ جس کام سے اس نے تجھ کو منع کیا ہے اس کام تک تجھ کو نہ دیکھے اور جس کام کا امر کیا ہے اس میں قاصر نہ پاوے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوحازم سے فرمایا کہ مجھ کو نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ لیٹ کر یہ تصور کرو کہ موت سر پر موجود ہے اور یہ وقت واپسیں ہے۔ پھر یہ دھیان کرو کہ ایسے وقت میں تم کونسی صفت کو اپنے آپ میں ہونا پسند کرتے ہو اور کونسی ہونا پسند نہیں کرتے جس صفت کا ہونا پسند کرو اس کو اسی وقت اختیار کر لو اور جس کا ہونا پسند نہیں کرتے اس کو اسی وقت ترک کر دو کیونکہ شاید وقت آخرت قریب ہی آلگا ہو۔ اور ایک اعرابی سلیمان بن عبدالملک کے پاس آیا اس سے سلیمان نے کہا کہ کچھ فرمایئے۔ اس نے کہا اے امیر المومنین میں آپ سے کچھ کہتا ہوں اس کو برداشت کرنا اور اگر برا مانو گے تو پچھتاؤ گے کہ ہم نے برداشت کیوں نہ کیا۔ سلیمان نے کہا ہمارا حلم تو اتنا وسیع ہے کہ جس شخص سے نصیحت کی توقع نہیں ہوتی اور احتمال دغا کا ہوتا ہے اس کے ساتھ حلم کرتے ہیں تو جو شخص ہماری نصیحت کو کہے گا اور ہم سے کچھ فریب نہ کرے گا اس کے ساتھ حلم کیسے نہ برتیں گے۔ اعرابی نے کہا اے امیر المومنین آپ کے گرد و پیش ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے اپنی جانوں کے لیے برائی اختیار کی اور دین کو بیچ کر دنیا مول لی اور تمہاری رضامندی خدائے تعالیٰ کی خفگی کے عوض اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے باب میں تو تمہارا خوف کیا اور تمہارے باب میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ کیا۔ آخرت کے ساتھ لڑائی اور دنیا کے ساتھ صلح پسند کی تو جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے تم کو امین کیا ہے تم اس پر ان لوگوں کو امین مت کرو کہ انہوں نے امانت کے ضائع کرنے اور امت کے ذلیل و خوار کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور تم سے ان کے اعمال کی بازپرس ہوگی اور ان سے تمہارے اعمال کا سوال نہ ہوگا اور تم اپنی آخرت بگاڑ کر ان کی دنیا کو درست مت کرو کیونکہ لوگوں میں زیادہ تر خسارہ اس کو ہے جو دوسرے کی دنیا کے بدلے میں اپنی آخرت کھو بیٹھے۔ سلیمان نے کہا اے اعرابی تو نے اپنی تیغ زبان سے خوب پھول کترے اتنا کاٹ تو تیری تلوار میں بھی نہ ہوتا اعرابی نے کہا کہ بجا ہے مگر یہ باتیں آپ کے فائدہ کی ہیں نہ ضرر کی۔ اور حکایت ہے کہ ابوبکرہ معاویہ کے پاس گئے اور فرمایا کہ اے معاویہ خدائے تعالیٰ سے خوف کرو اور جان لو کہ جو دن گذرتا جاتا ہے اور رات تمہارے پاس آتی ہے اتنا ہی تم دنیا سے دور اور آخرت سے نزدیک ہوتے جاتے ہو اور تمہارے پیچھے طالب ایسا ہے کہ اس سے بچ نہیں سکتے اور

ایک حد تمہارے لیے مقرر ہے جس سے آگے نہیں نکل سکتے اب تم بہت جلد اس حد تک پہنچا چاہتے ہو اور عنقریب وہ طالب تم کو آپکڑتا ہے اور ہم اور ہمارے آلات سب فانی ہیں اور جس کی طرف ہم جائیں گے وہ باقی ہے اور ہمارے اعمال اچھے ہوں گے تو جزا اچھی ہوگی اور اگر بُرے ہوں گے تو جزا بُری ہوگی۔ غرضکہ علماء آخرت کا جانا سلاطین کے پاس اس طرح پر تھا مگر علماء دنیا اس طرح جاتے ہیں کہ ان کے دلوں میں تقرب حاصل کریں ان کو طرح طرح کی اجازتیں دیتے ہیں اور باریک حیلے اور گنجائش کے راستے جو ان کے مطلب کے موافق پڑیں سوجھاتے ہیں۔ اور اگر جس قسم کی باتیں ہم نے لکھیں ہیں وعظ کے ضمن میں کہتے بھی ہیں تو ان سے غرض اصلاح نہیں ہوتی بلکہ جاہ اور قبول سلاطین کی نظروں میں حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس امر میں دو دھوکے ہیں جن میں احمق مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ ظاہر یہ کریں کہ ہمارا مقصود سلاطین کے پاس جانے سے یہ ہے کہ وعظ سے ان کی اصلاح کریں اور غالباً جی میں یہ بات نہیں ہوتی۔ مگر خود ان کو بھی باعث اصلی اس کا معلوم نہیں ہوتا وہ باعث خفیہ شہرت کی ہوتی ہے اور یہ کہ سلاطین ان کو پہچان جاوے اور غرض اصلاح کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص عالم اس وعظ کا متکفل ہو اور اس کا وعظ مقبول ہو کر اصلاح کا اثر ظاہر ہونے لگے تو چاہیے کہ اس سے خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ جس مہم میں در پے تھا اس کو اللہ تعالےٰ نے دوسرے کے ہاتھ سے سرانجام کرا دیا اور میری تکالیف کو بچا دیا۔ جیسے کسی شخص پر واجب ہو کر ایک مریض از کار رفتہ کا علاج کرے اس صورت میں اگر دوسرا طبیب کوئی اس خدمت کو اپنے ذمہ لیوے تو پہلے طبیب کو نہایت خوشی ہوگی۔ پس اگر اپنے دل میں اپنے وعظ کو دوسرے کے وعظ پر ترجیح جانتا ہوگا کہ اس کو دھوکا ہوا۔ غرض اصلی اصلاح سلاطین نہیں کچھ اور ہی مطلب ہے دوم یہ کہ یوں بیان کرے کہ میں اس لیے جاتا ہوں کہ کسی مسلمان پر سے ظلم دفع کراؤں تو یہ بھی دھوکے کا مقام ہے اور اس کی کسوٹی بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور جبکہ سلاطین کے پاس جانیکا طریق ظاہر ہو گیا تو اب ہم چند مسائل لکھتے ہیں جن سے مخالطت سلاطین اور ان کے مال کے لینے میں جو حالات عارض ہوتے ہیں ان کی کیفیت معلوم ہوگی **مسئلہ** جب سلطان تم کو کوئی مال فقیروں کے دینے کے لیے بھیجے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس مال کا کوئی مالک معین ہوگا، اس صورت میں تو اس کا لینا تم کو حلال نہیں یا کوئی مالک معین نہ ہوگا بلکہ اس مال کا حکم یہ ہو کہ اس کا صدقہ کر دینا مساکین پر بموجب بیان گذشتہ واجب ہو تو تم کو جائز ہے کہ اس کو لے کر بانٹنے کے کفیل ہو جاؤ اور خود لے کر گنہگار مت ہو لیکن بعض علماء لینے ہی سے انکار کرتے ہیں تو اب بہتر صورت کو دیکھنا چاہیئے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر تم تین خطروں سے مامون ہو تو لے لینا تمہارے حق میں بہتر ہے۔ **اوّل خطرہ** یہ ہے کہ بادشاہ تمہارے لینے سے یہ سمجھ لے کہ ہمارا مال طیب ہے اگر طیب نہ ہوتا تو تم اس کے لیے ہاتھ نہ بڑھاتے اور اپنی تحویل میں نہ کرتے پس اگر ایسی ہی صورت ہو تو مال مت لو کہ خطرناک ہے کیونکہ جتنی بہتری تمہارے اس مال کے تقسیم کرنے سے ہوگی وہ اس بُرائی سے کم ہوگی جو سلطان کو مال حرام کمانے پر جرأت ہوگی۔ **دوم** یہ کہ دوسرے عالم خواہ جاہل تم کو دیکھ کر تمہارا اقتداء کریں اور لینے کو جائز سمجھیں اور مساکین کو نہ دیویں تو یہ خرابی پہلی خرابی سے زیادہ ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ لینے کے جائز ہونے پر حضرت امام شافعیؒ کی سند لاتے ہیں اور ان کے تقسیم کر دینے کو نہیں دیکھتے کہ فقیروں کو

دینے کی نیت سے لیا کرتے تھے تو وہ جو شخص مقتدا ہو اس کو اس امر سے نہایت بچنا چاہیئے کیونکہ اس کا فعل بہت مخلوق کی گمراہی کا سبب ہو جاتا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے سامنے ایک شخص پکڑا آیا اور لوگوں کے سامنے سلطان نے اس کو زبردستی سور کا گوشت کھلانا چاہا اس نے نہ کھایا پھر اس کے سامنے بکری کا گوشت رکھا گیا اور تلوار سے دھمکایا گیا اس نے وہ بھی نہ کھایا لوگوں نے اس سے وجہ پوچھی اس نے کہا کہ آدمیوں کو یہ یقین ہو چکا کہ مجھ کو سور کا گوشت کھلانا تجویز ہوا ہے اب اگر میں زندہ باہر نکلتا اور کچھ کھا جاتا تو لوگ نہ جانتے کہ میں نے کیا کھایا ہے اور گمراہ ہو جاتے۔ اور وہب بن منبہ اور طاؤس حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کے پاس گئے وہ لڑکا ہی ساتھا اور جاڑے کے دن میں کھلی مجلس میں بیٹھا تھا یہ دونوں بھی کرسی پر بیٹھ گئے محمد بن یوسف نے اپنے غلام سے کہا کہ ایک چادر لا کر طاؤس کو اڑھا دے اس نے حکم کی تعمیل کی آپ نے اپنے شانے ہلانے شروع کیے یہاں تک کہ چادر گر پڑی محمد بن یوسف[ع] غصہ ہوا اور کہا کہ یہ مانا کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن اگر آپ اس کو لے کر صدقہ کر دیتے تو کیا ہوتا آپ نے فرمایا کہ درست ہے کہ اگر مجھ کو یہ ڈر نہ ہوتا کہ بعد کو لوگ کہیں گے کہ طاؤس نے لیا تھا اور جو میں کرتا وہ نہ کریں گے تو میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ سوم یہ کہ اس وجہ سے کہ بادشاہ نے تم کو خاص کیا اور مال تمہارے ہی پاس بھیجا دوسرے کے پاس ارسال نہ کیا تھا۔ تمہارے دل میں اس کی محبت جنبش کر جائے اگر یہ معاملہ ہو تو ہرگز مال قبول مت کرو کہ زہر قاتل ہے اور ظالموں کی محبت درد لاعلاج ہے اس لیے کہ جس کو آدمی دوست رکھتا ہے اس کے باب میں مداہنت کیا کرتا ہے اور محسن سے محبت بلاشبہ ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نفوس کی سرشت میں رکھا گیا ہے کہ جو ان کے ساتھ سلوک کرے اس سے محبت کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] اللھم لا تجعل الفاجر عندی یدا فیحبہ قلبی اس ارشاد میں آپ نے بیان فرمایا کہ قلب محبت سے غالباً خالی نہیں رہتا اور کہتے ہیں کہ کسی حاکم نے حضرت مالک بن دینارؒ کے پاس دس ہزار درہم بھیجے آپ نے ان سب کو تقسیم کر دیا ان کے پاس محمد بن واسع آئے اور پوچھا کہ جو کچھ تم کو اس امیر نے بھیجا تھا اس کو کیا کیا آپ نے فرمایا کہ ساتھیوں سے دریافت کر لو۔ سب نے کہا بالکل تقسیم کر دیا محمد بن واسع نے کہا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کہ تمہارے دل میں اس امیر کی محبت اب زیادہ ہے یا مال بھیجنے سے پہلے زیادہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اب زیادہ ہے انہوں نے کہا کہ مجھ کو اسی کا خوف تھا اور واقع میں درست کہا کیونکہ جب اس سے محبت رکھے گا تو اس کی بقا چاہے گا اور معزول ہونے کو برا جانے گا اور اس کے مرنے اور ادبار کو اچھا نہ سمجھے گا اور یہ پسند کرے گا کہ اس کی حکومت اب پھیلے اور مال زیادہ ہو اور یہ سب باتیں اسباب ظلم کی اور محبت کی ہیں اور وہ مذموم ہے۔ حضرت

ح؎ الٰہی تو کسی بدکار کا احسان مجھ پر مت کر کہ اس سبب سے میرا دل اس سے محبت کرے ابن مردویہ اور تفسیر ابو منصور در فردوس بروایت معاذ بسند ضعیف

ع؎ وطہ ہوا الخ اصل میں اس طرح ہے کہ محمد بن یوسف غصہ میں بھر گیا تو وہب بن منبہ نے طاؤس سے کہا کہ اگر آپ چادر کو لے کر صدقہ کر دیتے تو اس کو غصہ دلانے کی ضرورت نہ رہتی، طاؤس نے فرمایا ۱۲ امیر علی عفی عنہ ۱۲

سلمان فارسی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کام سے راضی ہوا اگرچہ وہ غیر حاضر ہو مگر ایسا ہوگا کہ گویا اس کے کرنے میں شریک تھا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [1] ولا ترکنوا الی الذین ظلموا اس کے معنی بعض مفسرین نے یہی فرماتے ہیں کہ ظالموں کے اعمال پر راضی مت ہو پس اگر تم کو اس قدر قوت ہو کہ مال لینے سے سلاطین کی محبت زیادہ نہ ہو تو لینے میں کچھ بھی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ کسی بصرہ کے عابد کا حال کہتے ہیں کہ وہ مال لے کر تقسیم کر دیا کرتا تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ تم کو یہ ڈر نہیں کہ سلاطین کی محبت کرنے لگو۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص میرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرے گا اور پھر خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو باوجود اتنے سلوک کے پھر بھی میرا دل اس سے محبت نہ کریگا کیونکہ جس شخص کو اس نے میرے ہاتھ پکڑنے کے لیے مسخر کیا ہے اس کی خاطر سے میں اس سے بغض رکھتا ہوں۔

تقریر گذشتہ سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں سلاطین سے مال لینا گو دو وجہ سے حلال ہی سے ہو ممنوع اور مذموم ہے اس لیے کہ ان خرابیوں مذکورہ بالا سے خالی نہیں ہوتا۔ **مسئلہ** اگر کوئی یہ کہے کہ مال کا لینا اور مساکین کا دینا تو درست ہے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہیں سلطان کا مال چرا کر یا اس کی ودیعت چھپا کر خواہ منکر لوگوں کو بانٹ دیا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر جائز نہیں اس لیے کہ کیا معلوم ہے شاید اس مال کا کوئی مالک معین ہو اور سلطان کی نیت میں ہو کہ اس کو واپس کر دوں گا اور یہ مال ویسا نہیں ہو سکتا جیسا وہ خود تمہارے پاس بھیجدے کیونکہ عاقل سلطان پر یہ گمان نہیں کرتا کہ جس مال کا مالک اس کو معلوم ہو اس کو خیرات کر دے تو اس کا دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو مالک کا حال معلوم نہیں پس اگر بادشاہ ایسا ہو کہ اس قسم کے حالات اس پر مشتبہ رہتے ہوں تو اس مال کو قبول کرنا نہ چاہیئے جب تک کہ خوب دریافت نہ کرے۔ پھر چوری کیسے ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مال مسروقہ سلطان کی ملک ہو اس نے ادھار خریدا ہو کہ بظاہر اس کا قبضہ ملک کی دلیل موجود ہے۔ بلکہ اگر کوئی گری ہوئی چیز پاوے اور ظاہر ہو کہ اس کا مالک کوئی لشکری ہے اور یہ احتمال ہے کہ اس نے وہ چیز ادھار لی ہوگی یا اور کسی طور سے اس کی ملک میں آئی ہوگی تو اس چیز کا اس کو واپس کرنا واجب ہے تو معلوم ہوا کہ سلاطین کا مال چرانا واجب نہیں نہ خود ان کے پاس سے اور نہ اس کے پاس سے کہ انہوں نے ودیعت رکھا ہو اور ان کی ودیعت کا انکار کرنا بھی جائز نہیں اور جو کوئی ان کا مال چراوے اس پر چوری کی سزا ہوتی واجب ہے لیکن اگر چور دعویٰ کرے کہ یہ مال ان کی ملک نہیں تو دعویٰ سے حد ساقط ہو جاوے گی **مسئلہ** سلاطین کے ساتھ معاملہ کرنا حرام ہے اس لیے کہ ان کے اکثر اموال حرام ہیں تو جو کچھ عوض میں آوے گا وہ حرام ہی ہوگا ہاں اگر وہ چیز کا مول ایسی جگہ سے دیویں جس کی حلت قطعاً معلوم نہیں تو اب اس چیز میں کلام ہے جو ان کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ بیع کو لے کر وہ خدائے تعالیٰ کی معصیت کریں گے مثلاً ریشمی کپڑا بیع ہے اور بائع کو معلوم ہے کہ سلطان اس کو پہنے گا تو یہ بیع حرام ہے جیسے انگور کا بیچنا شراب پینے والے کے ہاتھ۔ اور خلاف اس صورت میں ہے

[1] اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں ۱۲

کہ بیع درست ہو، اور اگر یہ احتمال ہو کہ بادشاہ خود پہنے گا، اور یہ بھی ہو کہ مستورات کو پہنا دے گا تو یہ معاملہ شبہتہً مکروہ ہوگا۔ یہ ان اشیاء کا حال ہے جن سے خود سے معصیت ہوتی ہے اور یہی حال ہے ان سے گھوڑا بیچنے کا، خصوص جبکہ مسلمانوں سے لڑنے کو یا ان سے خراج لینے کو سوار ہوتے ہیں کیونکہ اس سے بھی ان کی اعانت ہوتی ہے اور اعانت بھی ممنوع ہے۔ باقی رہیں وہ چیزیں جن سے خود معصیت نہیں ہوتی بلکہ وہ ذریعہ معصیت ہیں جیسے دراہم و دنانیر کا بیچنا یا جو ایسی ہی چیز ہو تو یہ بیع مکروہ ہے اس وجہ سے کہ ظلم پر اعانت ہے کیونکہ وہ ظلم کرنے میں مال اور گھوڑوں اور اسباب ہی سے اعانت کر لیتے ہیں اور یہ کراہت ان کو کسی چیز کے تحفہ بھیجنے اور ان کا کام بلا اجرت کر دینے میں بھی جاری ہے یہاں تک کہ ان کی تعظیم اور ان کی اولاد کو رسم خط و کتابت اور حساب سکھاتے ہیں۔ ہاں البتہ قرآن کا سکھلانا مکروہ نہیں اس میں اگر کراہت ہے تو بلحاظ اجرت کے لینے کے ہے کہ وہ مال حرام سے ملتی ہے اس کی حلت اگر قطعی معلوم ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر سلاطین کسی کو اپنا وکیل کر دیں کہ بازاروں میں سے ان کے واسطے خرید و فروخت بدون اجرت کیا کرے تو بوجہ اعانت یہ وکالت مکروہ ہے۔ اور اگر ایسی چیز خریدے گا جس سے جانتا ہے کہ وہ معصیت کا قصد کریں گے جیسے غلام اور ریشمی کپڑا مثلاً ہمبستری اور لباس کے لیے اور ظلم اور قتل اور ظلم کے وقت گھوڑا سواری کے لیے تو یہ حرام ہوگا۔ غرضکہ بیع سے قصد معصیت اگر ظاہر ہوگا تو حرمت حاصل ہوگی اور اگر ظاہر نہ ہوگا اور بمقتضائے دلالت حال پایا جاتا ہوگا تو کراہت ہوگی۔ **مسئلہ** جو بازار کہ سلاطین نے حرام سے بناتے ہیں ان میں تجارت حرام ہے اور ان میں سکونت کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی سوداگر ان میں رہ کر شرعی طریق سے کچھ پیدا کرے گا تو اس کا مال حرام نہ ہوگا مگر اپنی سکونت کے باعث سے گنہگار ہوگا اور لوگوں کو ان تاجروں سے خریدنا درست ہے لیکن اگر دوسرا بازار میسر ہو تو بہتر یہ ہے اس میں سے خریدیں کیونکہ ان تاجروں سے خریدنے میں ان کو سکونت پر اعانت اور دوکانوں کے کرایہ کا زیادہ کرنا ہے۔ اسی طرح جس منڈی پر سلاطین نے خراج نہیں مقرر کیا اس میں معاملات کرنے اچھے ہیں بہ نسبت ان منڈیوں کے جن پر خراج ہے اور بعض لوگوں نے اتنا مبالغہ کیا ہے کہ جن اراضی پر سلاطین نے خراج مقرر کیا ہے ان کے زمینداروں سے بھی معاملہ جائز نہیں کہتے اس واسطے کہ بعض اوقات جو مال ان کو ملتا ہے اس کو خراج میں ادا کر دیتے ہیں تو اعانت ظلم کی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دین میں غلو کرنا اور مسلمانوں پر تنگی ڈالنا ہے اس لیے کہ خراج سب زمینوں پر ہو گیا ہے اور بدون زمین پیداوار کے لوگ رہ نہیں سکتے اور اس کے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اگر وجہ اعانت ہی ہو تو چاہیئے کہ مالک کو زمین کی کاشتکاری کرنی بھی حرام ہوتی کہ خراج ہی مانگا جاوے اور اسی طرح طول ہوتے ہوتے باب معاش بالکل منقطع اور مسدود ہو جاوے۔ **مسئلہ** سلاطین کے قاضیوں کے اور عاملوں اور خادموں سے معاملہ کرنا بھی حرام ہے جیسا خود ان سے حرام ہے بلکہ قاضیوں وغیرہ سے حرمت زیادہ ہے، قاضیوں سے تو اس وجہ سے کہ وہ ان کا صریح مال حرام لیتے ہیں ان کی جماعت کو زیادہ کرتے ہیں اور وہ لوگوں کو اپنے لباس سے دھوکا دیتے ہیں کیونکہ وہ عالموں کا لباس پہن کر سلاطین سے اختلاط کر لیتے ہیں اور ان کے مال لیتے ہیں اور طبیعتوں کی سرشت میں ہے کہ جاہ و حشمت والوں کی مشابہت اور

اقتدا کرتے ہیں تو باعث مخلوق کے ان کی طرف کھینچنے کا قاضی ہی ہوتے ہیں اور خادموں اور حشم سے اس لیے معاملہ حرام ہے کہ ان کا اکثر مال صریح غصب کا ہوتا ہے ان کے ہاتھ مال مصلحت اور میراث اور جزیہ درجہ حلال کا نہیں لگتا کہ یہ کہا جاوے کہ ان کے مال میں مال حلال مل جانے سے شبہ ضعیف ہو گیا۔ طاؤس فرماتے ہیں سلاطین کے قاضیوں کے پاس گواہی نہیں دیتا ہوں گو مجھ کو یقیناً معلوم ہو اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ لوگ ان پر تعدی نہ کریں جن پر میں گواہی دوں۔ حاصل یہ کہ رعیت کی خرابی بادشاہوں کی خرابی سے ہوئی اور بادشاہوں کی خرابی علماء کی خرابی سے ہوئی اگر قاضی اور علماء خراب نہ ہوتے تو بادشاہ کم بگڑتے اس خوف سے کہ مبادا یہ لوگ کہیں ہم کو بُرا نہ جانیں اور ہمارا حکم نہ مانیں اور اسی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا[ح] لا تزال ھذہ الامۃ تحت ید اللہ و کنفہ ما لم تمال قراءھا امراءھا اس ارشاد میں قراء کو اس لیے ذکر فرمایا کہ وہی اس زمانہ میں عالم تھے اور ان کا علم صرف قرآن مجید تھا اور اس کے معانی جو حدیث سے سمجھے جاتے تھے اور اس کے سوا اور علوم ان کے بعد میں پیدا ہوئے اور حضرت سفیان ثوری رح نے فرمایا ہے کہ نہ سلطان سے میل کرو اور نہ اس سے کہ جو سلطان سے ملے اور فرمایا کہ قلم بردار دوات والا اور کاغذ اور صوف والا سب ایک دوسرے کے شریک ہیں اور یہ آپ نے درست فرمایا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے باب میں دس شخصوں کو لعنت[ح] کی کہ ان میں نچوڑنے والا اور نچوڑلانے والا بھی ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سود کھانے والا اور کھلانے والا اور ان دونوں کا گواہ اور کاتب سود سب ملعون ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے۔ اور اسی طرح حضرت جابرؓ[ح] اور حضرت فاروقؓ نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ سلطان کا خط کہیں مت لیجاؤ جب تک کہ یہ نہ جان لو کہ اس میں کوئی مضمون ظلم نہیں۔ اور حضرت سفیانؒ نے خلیفۂ وقت کو اپنے سامنے سے دوات اُٹھا کر دینے سے انکار کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب تک یہ نہ جان لوں کہ تم کیا لکھو گے تب تک نہ دوں گا۔ غرضکہ سلاطین کے گرد و پیش جتنے خادم اور توابعین ہوتے ہیں سب ظالم ہیں ان سے بغض فی اللہ رکھنا واجب ہے۔ عثمان بن زائدہ کے حال میں لکھتے ہیں کہ ان سے کسی سپاہی نے راستہ پوچھا وہ خاموش ہو رہے اور اونچا سننا ظاہر کیا اس خوف سے کہ مبادا یہ ظلم کو جاتا ہو تو راستہ بتلانے سے ظلم پر اعانت ہو گی اور یہ مبالغہ جو سلاطین کے باب میں ہے سلف سے فاسق تاجروں اور جولاہوں اور پچھنے لگانے والوں اور حامیوں اور سادہ کاروں اور رنگ ریزوں اور دوسرے ہُنر والوں کے ساتھ منقول نہیں باوجودیکہ جھوٹ اور فسق ان لوگوں پر غالب ہے بلکہ ذمی کافروں کے ساتھ بھی اتنا تشدد منقول نہیں یہ تو خاص ظالموں کے ساتھ میں ہے جو یتیموں اور مسکینوں کا مال کھاتے ہیں اور مسلمانوں کو مدام ستاتے ہیں اور شریعت کے آثار و علامات کے مٹانے

ح[۱] یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور پناہ میں رہے گی جب تک کہ اسکے قاری امراء کی اعانت اور موافقت نہ کریں گے ابو عمر کتاب فتن بروایت حسن مرسلاً و ابو منصور در فردوس بروایت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بالفاظ دیگر اور سند دونوں کی ضعیف ہے ۱۲ ح[۲] ترمذی و ابن ماجہ بروایت انس اور ترمذی نے کہا کہ غریب ہے ۱۲ ح[۳] ابوداؤد و ترمذی بلفظ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آکل الربو و موکلہ الحدیث ۱۲ ح[۴] مسلم نے بروایت جابر اور ترمذی نے بروایت عمر نقل کیا ہے ۱۲

پر آمادہ ہیں اور اس تشدد کی وجہ ان کے ساتھ یہ ہے کہ معصیت دو قسم کی ہے ایک لازمی اور ایک متعدی فسق اور فجور قصور لازم ہیں یعنی ان کا مرتکب اللہ تعالیٰ کا گنہگار رہے اور کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا اور اس کا حساب خدائے تعالیٰ پر ہے اور حکام کی معصیت ظلم سے ہے اور وہ متعدی ہے اس وجہ سے ان کے باب میں تشدد زیادہ ہے اور جس قدر ان کا ظلم زیادہ اور عام ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ خفگی کے مستحق ہوں گے اسی لیے ان سے بہت اجتناب کرنا اور ان کی داد و ستد سے بشدت محترز رہنا واجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[1] یقال للشوطی دع سوطك وادخل النار اور فرمایا[2] من اشراط الساعة رجال معهم سياط كاذناب البقر پس یہ ہے ان کا حکم جو شخص ان میں سے معروف ہے وہ تو معروف ہی ہے اور جو معروف نہیں اس کی علامت قبا پہننا اور اور مونچھوں کا زیادہ ہونا اور تمام ہیئتیں مشہورہ ہیں تو کوئی اس ہیئت پر نظر آوے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور یہ امر بدگمانی میں داخل نہیں اس لیے کہ اس نے تو خود خطا کی کہ ظالموں کا لباس پہنا۔ لباس کی برابری سے دل کی مساوات معلوم ہوتی ہے اور دیوانہ وہی بنتا ہے جو مجنون ہو اور فاسقوں کی صورت وہی بناوے گا جو فاسق ہو ہاں فاسق کبھی نیک بختوں کی صورت بنا لیا کرتا ہے مگر نیک بخت کو نہیں چاہیے کہ فسادیوں کی صورت بناوے کیونکہ اس حرکت سے ان کی جماعت کو زیادہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد[3] ان الذين توفهم الملائكة ظالمي انفسهم انہیں لوگوں میں تو نازل ہوا ہے جو مسلمان تھے اور مشرکوں سے مل کر ان کی جماعت کو بڑھایا کرتے تھے اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو وحی بھیجی کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار اچھے بندے اور ساٹھ ہزار برے تباہ کروں گا انہوں نے عرض کیا کہ نیکوں کی تباہی کا کیا باعث ہے ارشاد ہوا کہ وہ میرے غصہ کے ساتھ بروں پر غصہ نہ ہوئے اور ان کے کھانے پینے میں شریک رہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں سے بغض رکھنا اور خدا کے واسطے ان پر غصہ کرنا واجب ہے اور حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی ہیں[4] کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے بنی اسرائیل کو لعنت کی اس لیے کہ انہوں نے معاش کے باب میں ظالموں کے ساتھ اختلاط کیا۔

مسئلہ جو مقامات کہ ظالموں کے بنائے ہوتے ہوں مثلاً پل اور سرائیں اور مسجدیں اور باولیاں تو ان میں بھی احتیاط کرنی چاہیئے یعنی پلوں کے اوپر سے اترنا حاجت کے وقت درست ہے اور حتی الوسع اس سے احتراز کرنا ورع ہے اور اگر کوئی کشتی مل جاوے تو ورع موکد ہو جاتا ہے اور باوجود کشتی بہم پہنچنے کے جو ہم نے پلوں پر اترنا جائز کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پلوں کی چیزوں کا کوئی مالک معین معلوم نہیں تو ان کا حکم یہی ہے کہ خیرات میں صرف کی جاویں اور اترنا بھی ایک امر خیر ہے لیکن اگر معلوم ہو کہ اینٹیں اور پتھر فلاں مکان یا مقبرہ سے خواہ مسجد سے اکھاڑ کر لگے ہیں تو

---

[1] سرہنگ سے کہا جائے گا کہ اپنا کوڑا رکھدے اور دوزخ میں چلا جا۔ ابو یعلیٰ بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ [2] قیامت کی علامات میں سے ہے ان کا ہونا جو گائے کے دم کے مانند کوڑا اپنے ساتھ رکھتے ہوں احمد و حاکم بروایت ابو امامہ اور مسلم میں بروایت ابی ہریرہ یہی مضمون اور طرح پر منقول ہے ۱۲ [3] جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا ۱۲ [4] ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ ۱۲

اس پل سے اترنا جائز نہیں ہاں اگر ایسا اضطرار ہو جس کے ہوتے ہوئے غیر کا مال حلال ہو جاتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں اس پر سے اتر کر چیز کے مالک سے معاف کرائے بشرطیکہ خود جانتا ہو اور مسجد کا حال یہ ہے کہ اگر زمین مغصوب میں بنی ہو یا کسی اور مسجد میں کی لکڑی یا کسی ملک معین کی غصب کر کے لگائی ہو تو اس کے اندر جانا ہرگز جائز نہیں نہ جماعت کیلیے اور نہ جمعہ کے واسطے بلکہ اگر امام اس مسجد کے اندر کھڑا ہو تو چاہیے کہ خود اس کے پیچھے مسجد کے باہر کھڑا ہو، اس لیے کہ غصب کی زمین میں نماز ادا کرنی اگرچہ فرض کو ساقط کر دیتی ہے اور اقتداء کے حکم میں بھی منعقد ہے مگر اس کے اندر کھڑا ہونے سے گنہگار ہوتا ہے۔ اور اگر ایسے مال سے بنی ہو جس کا مالک معلوم نہ ہو تو اگر دوسری مسجد بہم پہنچے تب تو ورع یہ ہے کہ دوسری میں چلا جاوے۔ اور اگر دوسری نہ ہو تو جمعہ اور جماعت اس میں ترک نہ کرے اس وجہ سے کہ یہ بھی تو احتمال ہے کہ شاید بنانے والے نے اپنی ملک سے بنائی ہو، گو احتمال یہ ان ظالموں کے حالات کے لحاظ سے بعید ہے۔ اور اگر اس کا مالک معین نہیں تب وہ مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہے اس میں پڑھنے کا مضائقہ نہیں اور جس صورت میں کہ بڑی مسجد میں کسی ظالم سلطان کی عمارت ہو تو باوجود مسجد میں گنجائش ہونے کے جو کوئی اس عمارت میں نماز پڑھے گا اس کا عذر ورع میں مسموع نہ ہو گا۔ امام احمدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ جو جماعت کی نماز کے لیے نہیں نکلتے اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ ہم لشکر میں موجود ہیں آپ نے فرمایا کہ میری محبت یہ ہے کہ حسن بصری اور ابراہیم تیمی کو یہ خوف تھا کہ حجاج ان کو فتنہ میں نہ ڈالے اسلیے شریک جماعت نہ ہوتے تھے میں بھی ڈرتا ہوں کہ فتنہ میں مبتلا ہوں اس لیے نہیں نکلتا اور مسجد کی رنگت اور گچکاری اس بات کی مانع نہیں کہ اس میں داخل ہو کیونکہ یہ چیزیں فائدہ لینے کی نہیں صرف زینت کی ہیں اور بہتر ... یہ ہے کہ نماز کو جاوے تو ان کی طرف نگاہ نہ کرے اور چٹائیاں جو مسجد میں ڈالتے ہیں اگر ان کا کوئی ..... مالک معین ہو تو ان پر بیٹھنا حرام ہے ورنہ چونکہ مصلحت عام کے لیے ہوتی ہیں تو ان کا بچھانا جائز ہے مگر حتی الوسع ان کو ترک کرنا اور دوسری مسجد میں جہاں فرش ظالموں کا ڈالا ہوا نہ ہو جانا مقتضائے ورع ہے اس لیے کہ ان کی چٹائیاں شبہ کا مقام ہے اور باولیوں کا حکم بھی وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ ورع کی رو سے ان میں وضو کرنا اور پانی پینا اور ان کے اندر جانا درست نہیں لیکن اگر نماز کے قضا ہو جانے کا خوف ہو تو وضو کرلے اور یہی حال مکہ معظمہ کی راہ کے چشموں کا ہے اور سرائیں اور مدرسوں کی زمین اگر مغصوب ہو یا اینٹیں کسی جگہ معین سے اٹھوا کر لگی ہوں اور ان کے مستحق کو واپس کرنا ان کا ممکن ہو تو اس صورت میں اس کے اندر جانے کی اجازت نہیں، اور اگر مالک کا حال مشتبہ ہو تو وہ ایک امر خیر میں لگی ہیں ان میں جانے کا مضائقہ نہیں مگر احتیاط ان میں اجتناب کرنے میں ہے مگر ان کے اندر جانے سے فسق لازم آوے گا۔ اور یہ عمارتیں اگر سلاطین کے خادموں نے بنائی ہیں تو ان کا معاملہ نہایت دشوار ہے اس لیے کہ لاوارثی مالوں کو مصالح میں خرچ کرنے کا ان کو اختیار نہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ ان کے مال غالباً حرام ہوتے ہیں کیونکہ مال مصالح ان کو لے لینا درست نہیں یہ کام والیان ملک اور ارباب حکومت کا ہے مسئلہ زمین مغصوب اگر شارع عام کو دی جائے تو اس پر راستہ چلنا جائز نہیں اور اگر اس کا کوئی مالک متعین نہ ہو تو راہ چلنا جائز ہے مگر ورع یہ ہے کہ حتی الوسع نہ چلے پس اگر شارع عام مباح ہو اور اس پر

چھپا پڑا ہو تو راہ سے گذر جانا اور اس چھتے کے نیچے بیٹھ جانا جیسے کھلے میدان میں کسی ضرورت کو بیٹھتے ہیں جائز ہے مگر دھوپ یا مینہ کے بچاؤ کے لیے اس کے تلے بیٹھنا حرام ہے اس لیے کہ چھتا انہی غرضوں کے لیے بناتے ہیں اور جب وہ حرام کا ہوا تو اس سے نفع لینا حرام ہے۔ اور ایسا ہی حکم ہے اس شخص کا جو مسجد یا زمین مباح میں جاوے جس کی چھت یا چہار دیواری غصب کی ہو یعنی صرف اس پر گذرنے سے منتفع نہیں ہوگا۔ مگر خاص چھت یا دیوار سے گرمی یا سردی یا آنکھ سے آڑ منظور ہو گی تو حرام ہو گی اس لیے کہ حرام سے انتفاع ہوا۔ اور جیسے کہ زمین غصب پر سکون اور استقرار سے انتفاع ہوتا ہے ویسا ہی چھت سے سایہ لینے میں انتفاع ہے تو دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

ساتویں فصل پیش آمدہ ضروری مسائل

مسئلہ یہ پوچھا گیا کہ صوفیوں کا خادم بازار میں جا کر کھانا جمع کرتا ہے یا نقد لے کر اس کا کھانا مول لیتا ہے تو اس کھانے میں کسی کو کھانا حلال ہے اور صوفیوں کے لیے مخصوص ہے یا نہیں، ہم نے اس کا جواب یہ دیا کہ صوفیوں کے حق میں اس کے کھا لینے کے حلال ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں لیکن غیر شخص اگر خادم کی رضامندی سے کھالیں گے تو ان کو بھی حلال ہے مگر شبہ سے خالی نہیں حلت کی وجہ تو یہ ہے کہ صوفیوں کے خادم کو جو کوئی کچھ دیتا ہے وہ صوفیوں کے سبب سے دیتا ہے مگر لینے والا وہ خود ہے صوفی نہیں ہوتا۔ وہ ایسا ہوا جیسا عیالدار آدمی عیال کے باعث سے لوگوں سے کچھ اس وجہ سے پاوے کہ وہ ان کا کفیل ہے اور جو کچھ وہ لیتا ہے وہ اس کی ملک ہو جاتی ہے عیال کی ملک نہیں ہوتی اور اس کو جائز ہے کہ عیال کے سوا دوسرے شخص کو کھلاوے اور یہ کہنا بعید ہے کہ خادم کو جو کچھ ملا ہے وہ دینے والے کی ملک سے باہر نہیں ہوا اور خادم اس سے کوئی چیز مول لینے اور سیر کرنے پر مسلط نہیں اس لیے کہ اس قول کا انجام یہ ہے کہ تعاطی کافی نہیں حالانکہ یہ بات ضعیف ہے قوی یہی ہے کہ تعاطی ہے خصوصاً صدقات اور ہدایا میں کوئی ایسا نہیں کہ تعاطی کو کافی نہ کہتا ہو اور یہ بھی کہنا بعید ہے کہ خادم کو جو کچھ ملا وہ ان صوفیوں کی ملک میں آگیا جو اس کے سوال کے وقت خانقاہ میں موجود ہیں اس لیے کہ باتفاق خادم مذکور کو جائز ہے کہ جو شخص ان کے بعد آوے اس کو اس کھانے میں سے کھلاوے اور اگر بالفرض موجودہ اشخاص یا ان میں سے ایک مر جاوے تو واجب نہیں کہ اس کا حصہ اس کے وارث ہی پر صرف کرے اور یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ خادم کو دیا جانا جنس اہل تصوف کے لیے ہے اور اس کا مستحق کوئی شخص نہیں اس لیے کہ ملک کا دور کرنا جنس کی طرف اس بات کا موجب نہیں کہ چند افراد اس کے تصرف پر تسلط کروائے جائیں کیونکہ اس میں تو بے شمار داخل ہیں بلکہ قیامت تک جو اس جنس کا پیدا ہوگا وہ بھی داخل ہے اور ایسے اموال میں حکام تصرف کیا کرتے ہیں خادم ساری جنس کا نائب نہیں ہو سکتا پس اب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کھانا خادم کی ملک ہے اور وہ صوفیوں کی شرط تصوف اور مروت کے پورا کرنے کو کھلاتا ہے اگر وہ ان کے کھانے سے منع کر دے تو وہ بھی اس کو روک دیں کہ ہماری کفالت کے نام سے سوال مت کر وپھر لوگ اس پر سلوک کچھ نہ کریں جیسے عیالدار کے ساتھ عیال کے باعث سلوک کرتے ہیں اگر عیال

نہ رہیں تو سلوک سے ہاتھ روک لیں۔ مسئلہ یہ پوچھا گیا کہ ایک مال صوفیوں کے لیے وصیت کیا گیا اس کا صرف کرنا کسی شخص پر جائز ہے میں نے جواب دیا کہ تصوف امر باطن ہے اس پر واقفیت نہیں ہوا کرتی اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ حقیقت تصوف کو قطعاً منضبط کریں بلکہ چند امور ظاہری بیان کر سکتے ہیں جن پر اعتماد کر کے عرف والے آدمی کو صوفی کہا کرتے ہیں اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص ایسی صفت کا ہو کہ اگر صوفیوں کی خانقاہ میں اترے تو اس کا وہاں رہنا اور ان لوگوں میں ملنا جلنا ان کے نزدیک بُرا نہ ہو ایسا شخص صوفیوں کے جرگہ میں داخل ہوگا اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس میں پانچ صفتیں دیکھنی چاہئیں، اوّل یہ کہ نیک بختی، دوم فقیری، سوم لباس صوفیوں کا، چہارم کسی حرفہ میں مشغول نہ ہونا، پنجم خانقاہ میں بطور ایک ساتھ رہنے کے ان سے ملا جلا رہنا، پھر ان صفات میں سے بعض ایسی ہیں کہ اگر آدمی میں نہ ہوں تو صوفی کا لفظ بھی اس پر نہ بولا جائیگا اور بعض ایسی ہیں کہ گو وہ نہ ہوں دوسری صفات سے ان کا جبر نقصان ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس شخص میں نیک بختی نہ ہو بلکہ فسق ہو تو وہ اس کا مستحق نہ ہوگا اس لیے کہ صوفی نیک بخت آدمی کو کہتے ہیں جو صفت مخصوص کے ساتھ موصوف ہو تو جس شخص کا فسق ظاہر ہوگا وہ لباس صوفیوں کا رکھتا ہوگا مستحق اس مال کا نہیں جو صوفیوں کے لیے وصیت ہوا ہو، اور صغیرہ گناہوں کا ہم اعتبار نہیں کرتے فسق سے غرض ارتکاب کبیرہ ہے اور حرفہ کرنا اور مال پیدا کرنے میں مشغول ہونا بھی مانع استحقاق ہے تو کسان اور عامل اور تاجر اور پیشہ ور دوکان میں خواہ گھر پر اور مزدور جو اجرت پر خدمت کرے یہ سب اس مال کے مستحق نہیں جو صوفیوں کے لیے وصیت ہوا، اور لباس سے اور صوفیوں میں ملے جلے رہنے سے اس کا جبر نقصان نہیں ہوتا ہاں کتابت اور سینا یا کوئی ایسا ہی کام جو صوفیوں سے ہو سکے کرنا مانع استحقاق نہیں بشرطیکہ ان کاموں کو دوکان پر نہ کرے اور نہ پیشہ اور حرفہ کے طور پر اور اس کا جبر نقصان ان کے ساتھ رہنے اور دوسری صفات کے پائے جانے سے ہو جائے گا اور حرفوں پر قادر ہونا بدون ان کے کرنے کے مانع استحقاق نہیں اور وعظ کہنا اور درس دینا منافی لفظ صوفی کے نہیں بشرطیکہ لباس اور ساتھ رہنا صوفیوں کے اور فقیری موجود ہو کیونکہ اس میں کچھ تناقض نہیں کہ صوفی کے ساتھ میں قاری یا واعظ یا عالم خواہ مدرس کہا جاوے بلکہ اس کے ساتھ میں کسان خواہ سوداگر خواہ عامل کہنا نازیبا اور منافی ہے اور فقیری کا حال یہ ہے کہ اگر آدمی کے پاس اتنا مال ہو جاوے کہ جس سے لوگ بظاہر امیر کہنے لگیں تو اتنے مال کے ہوتے ہوئے صوفیوں کی وصیت کا لینا اس کو درست نہیں اور اگر مال ہو اور آمدنی خرچ کو کفایت نہ کرتی ہو تو اس سے اس کا حق باطل نہ ہوگا اور یہی حال ہے اگر مال اتنا ہو کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے سے کم ہو گو اس کا خرچ کچھ نہیں ہوتا اور یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کی دلیل بجز عادتوں کے اور کچھ نہیں اور ان سے ملا جلا رہنا اور خانقاہ کی سکونت میں شریک ہونے کو بھی کچھ اثر ہے لیکن جو شخص کہ ان کے ساتھ میں نہ رہتا ہو بلکہ وہ اپنے مکان یا مسجد میں انہیں کے لباس اور اخلاق میں رہتا ہو تو وہ ان کے حصہ میں شریک ہوگا اور ترک مخالطت کا جبر لباس کی مداومت سے ہو جاوے گا اور لباس بھی اگر ویسا نہ ہوگا صرف باقی صفات پائی جاویں گی تو مستحق نہ ہوگا ہاں اگر اس صورت میں خانقاہ میں اس کے ساتھ رہتا ہوگا تو اس پر بھی ان کی تبعیت سے انہیں کا حکم لگ جاوے گا

غرضکہ لباس اور اختلاط ایک دوسرے کے عوض ہو سکتے ہیں اور جو فقیہ کہ لباس صوفیانہ نہیں رکھتا اور اگر وہ خانقاہ میں
نہیں رہتا تو صوفی شمار نہ ہوگا اور اگر صوفیوں کے ساتھ رہتا ہے اور باقی صفتوں سے موصوف ہے تو بعید نہیں کہ
ان کی تبعیت میں اس پر بھی ان کا حکم کھنچ آوے اور صوفی کے لیے استحقاق مال مذکور میں یہ شرط نہیں کہ کسی مشائخ کے
ہاتھ سے اس نے خرقہ بھی پہنا ہو اور یہاں تک کہ اگر اور شرائط پائی جاویں اور خرقہ کا پہننا نہ پایا جاوے تو اس سے کچھ
ضرر نہیں، اور جو صوفی کہ بیوی رکھتا ہو اور اس وجہ سے کبھی گھر پر اور کبھی خانقاہ میں رہتا ہو تو وہ ان کے زمرہ
سے خارج نہ ہوگا مسئلہ جو مال کہ خانقاہ اور اس کے رہنے والوں کے لیے وقف ہو تو وصیت کی بہ نسبت اس
میں گنجائش زیادہ ہے اسلیے کہ وقف کے معنی ہیں کہ صوفیوں کی مصلحتوں میں صرف ہو تو جو صوفی نہ ہو وہ ان کی
رضامندی سے ان کے دسترخوان پر ایک یا دو بار کھالے تو درست ہے کیونکہ کھانے کی چیزوں کی بنا تسامح پر ہے
یہاں تک کہ مشترک غنیمت میں سے ان کو تنہا ایک شخص کا لینا درست ہے اور صوفیوں کے ساتھ میں اس کا مال وقف
سے قوال بھی کھا سکتا ہے کہ وہ ان کے مصالح میں سے شمار ہوتا ہے مگر جو مال کہ صوفیوں پر وصیت ہوا ہو اس کا قوال کو
دینا درست نہیں۔ اسی طرح جو لوگ کہ صوفیوں کے پاس آویں یعنی عامل اور تاجر اور قاضی اور عالم اور دوسرے لوگ
جن کو صوفیوں کی توجہ منظور ہو تو ان کو بھی مال وقف میں سے ان کی رضا کے ساتھ کھا لینا حلال ہے اس لیے کہ وقف
کرنے والا اسی نیت سے وقف کرتا ہے کہ صوفیوں کی جو عادت ہے اسی صورت سے اس کو صرف کریں گے تو اس
میں عرف ملحوظ ہوگا لیکن یہ حال دوامی نہیں یعنی جو شخص صوفی نہیں ان کو اس کے ساتھ رہنا اور کھانا علی الدوام جائز
نہیں گو صوفی راضی ہوں کیونکہ ان کے اختیار میں یہ تو نہیں کہ وقف کرنے والے کی شرط کو بدل دیں اور اپنے ساتھ
غیر جنس کو ملالیں اور عالم اگر ان کا سا لباس اور اخلاق رکھتا ہو تو اس کو ان کے پاس اترنا درست ہے اور عالم ہونا
منافی صوفی ہونے کے نہیں اور نہ تصوف میں جاہل ہونا شرط ہے ان لوگوں کے نزدیک جو تصوف سے واقف ہیں
اور بعض احمق جو یہ بکتے ہیں کہ علم حجاب اکبر ہے اور جہل حجاب خاص ہے تو ان کے قول پر التفات کرنا نہ چاہیے
اور ہم نے اس جملہ کے معنی باب العلم میں بیان کیے اور یہ کہ حجاب علم مذموم ہوتا ہے نہ علم محمود اور دونوں علموں کی
تفصیل بھی اسی جگہ بیان کی ہے اور جس صورت میں کہ فقیہ ان کے لباس اور اخلاق سے متصف نہ ہو تو صوفیوں کو پہنچتا ہے
کہ اس کو اپنے پاس نہ اترنے دیں اور اگر اس کے اترنے سے راضی بھی ہو جاویں تو اس کے ساتھ بطور تبعیت کے کھانا
حلال ہوگا اور ترک لباس کا جبر نقصان کے ساتھ رہنے سے اور لباس والوں کی رضامندی سے ہو جاوے گا اور یہ وہ
باتیں ہیں کہ عادت ان کے شاہد ہیں اور ان میں بعض امور متقابل ہیں جن کی اطراف کا حکم نفی اور اثبات میں مخفی نہیں
اور اوساط متشابہ ہوتے ہیں تو جو کوئی اشتباہ کی جگہوں سے محترز رہے گا وہ اپنے دین کو پاک وصاف رکھے گا چنانچہ
شبہات کے بیان میں ہم نے اس کو لکھ دیا ہے۔ مسئلہ یہ پوچھا گیا کہ رشوت اور ہدیہ میں کیا فرق ہے رضامندی
سے دونوں دیتے جاتے ہیں اور غرض بھی دونوں میں ہوتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ رشوت حرام ہوئی اور ہدیہ حرام نہ
ہوا۔ میں نے یہ جواب دیا کہ مال کا خرچ کرنے والا کبھی مال بدون غرض کے خرچ نہیں کرتا لیکن غرض یا اخروی ہوتی ہے

جیسے ثواب، یا دنیاوی ہوتی ہے اور غرض دنیاوی یا مال ہے یا فعل یا کوئی مقصودِ معین یا تقرب یا دوسرے کے دل میں بطلب محبت محض محبت کے ذریعہ سے کسی اور غرض کا نکالنا تو یہ پانچ قسمیں ہوئیں اوّل وہ دینا جس سے ثوابِ آخرت مقصود ہو اور یہ اس وجہ سے کہ جس کو دینا منظور ہے وہ محتاج ہے یا شریف النسب ہے یا عالم ہے یا فی نفسہ صالح اور متدین ہے پس اگر محتاج جان کر دیا جاتا ہے اور واقع میں محتاج نہیں تو لینے والے کو اس کا لینا حلال نہیں اور اور اگر عالم کی جہت سے دیا جاتا ہے تو لینا اس وقت حلال ہوگا کہ علم میں اسی قدر ہو جتنا دینے والے کو اعتقاد ہے اور اگر ایسی صورت ہو کہ وہ تو اپنے دل میں اس کو کامل سمجھ کر دیتا ہے کہ ثواب زیادہ ہو اور یہ کامل نہیں تو لینا حلال نہ ہوگا اور اگر دینداری اور صلاح کی وجہ سے دیا جاتا ہے تو یہ باطن میں فاسق ہے۔ اس درجہ کو اگر دینے والا جان لے تو نہ دے تو اس صورت میں بھی لینا حلال نہ ہوگا اور نیک بخت ایسے کم ہوتے ہیں کہ اگر ان کے باطن کا حال ظاہر ہو جاوے تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ستر جمیل ہی ایک مخلوق کو دوسرے کا محبوب کر دیتا ہے اور اگلے ورع والے خرید میں ایسے شخص کو اپنا وکیل کیا کرتے ہیں جس کو آدمی نہ جانیں کہ یہ شخص ان کا وکیل ہے اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اہل معاملہ ہم کو خریدار سمجھ کر کچھ دام کم لیں گے اور اجنبی خریدار سے نرخ بازار لیں گے تو یہ خوف تھا کہ ان کا در گذر کرنا کہیں ہماری دیانت کا عوض نہ ہو اور ہم دین کے بدلے میں کھانے والے نہ ٹھہریں کیونکہ دین کا معاملہ نازک اور تقویٰ اس باب میں پوشیدہ ہے علم اور نسب اور فقیری کا سا تو حال نہیں چاہیے کہ دین کی وجہ سے جو چیز ملے اس کے لینے سے تحاوسع اجتناب کیا جائے۔ دوم وہ دینا جس سے سر دست کوئی غرض معین منظور ہے جیسے فقیر کسی دولت ور کو بطمع خلعت ہدیہ دیوے تو یہ ہدیہ بشرط عوض ہے اس کا حکم ظاہر ہے یہ اس وقت لینا حلال ہوتا ہے کہ جس عوض کی طمع ہو وہ ملجاوے اور معاملہ کی شرطیں بھی سب پائی جاویں۔ سوم وہ دینا جس سے کوئی فعل معین سے اعانت مراد ہو۔ مثلاً ایک شخص کو بادشاہ سے حاجت ہے اور وکیل سلطانی یا اور کسی اور ذی مرتبہ خواہ خواص کو ہدیہ دے تو ظاہر ہے کہ یہ ہدیہ بشرط عوض ہے کہ قرینہ حال سے جانا جاتا ہے تو جو عمل کہ اس ہدیہ کا عوض ہے اس کو دیکھنا چاہیے اگر وہ حرام ہے، مثلاً سعی کرنا اس باب میں کہ روزینہ حرام جاری ہو جاوے یا کسی آدمی کو ستایا جاوے یا اور کوئی فعل اس طرح کا ہو تو اس ہدیہ کا لینا حرام ہے اور اگر وہ عمل واجب ہے مثلاً دفع کرنا ظلم خاص کا کہ جو شخص اس کو دفع کر سکے اس پر واجب ہے یا شہادت متعین کا ادا کرنا کہ یہ بھی واقف کار پر واجب ہے تو ان جیسے امور پر لینا حرام ہے اور مال رشوت یہی ہے جس کی حرمت میں کچھ شک نہیں اور اگر وہ عمل نہ تو حرام ہو اور نہ واجب بلکہ مباح ہو اور اس میں اتنی مشقت بھی ہو کہ اس پر اجرت عرفاً لیا کرتے ہیں تو ایسے عمل کے عوض میں ہدیہ لینا حلال ہوگا بشرطیکہ لینے والا اس کی غرض پوری کر دے اور یہ ہدیہ قائم مقام اجرت کے ہے جیسے یوں کہنا کہ اگر یہ عرضی بادشاہ تک پہنچا دو تو تم کو ایک دینار دیں اور پہنچانے میں کچھ مشقت اور عمل قیمت والے کی ضرورت پڑتی ہو، یا یوں کہے کہ فلاں شخص سے یہ درخواست کرو کہ فلاں غرض میں میرا مددگار ہو یا مجھ کو فلاں چیز انعام میں دیدے اور وہ شخص اس کی غرض کے پورا کرنے میں بہت سی باتیں طویل کرے تو ہدیہ اس کے حق میں ان باتوں کی اجرت ہوگی جیسے قاضی کے سامنے جھگڑے کے وکیل کی گفتگو پر اجرت ملتی ہے تو وہ

م اور اگر شرف نسب کی وجہ سے دیا جاتا ہے اور جانتا ہے کہ میں اپنے دعوی نسب میں جھوٹا ہوں تو اسکو لینا حلال نہیں م

بشرطیکہ حرام میں سعی نہ کرے اور اگر اس کا مقصود ایسے کلمہ سے حاصل ہوتا ہے جس میں کچھ مشقت نہ ہو لیکن اس کلمہ کا نکلنا ذی عزت کی زبان سے یا فعل کا صادر ہونا کسی جاہ وحشم والے سے مفید پڑتا ہو۔ مثلاً امیر یا وزیر کا دربان سے یہ کہہ دینا کہ جب یہ شخص آوے تو روک نا مت یا عرضی کو فقط بادشاہ کے سامنے رکھدینا تو اس کے عوض میں کچھ لینا حرام ہے کیونکہ جاہ کے عوض میں کچھ لینے کا جواز شریعت میں ثابت نہیں بلکہ اس سے نہی وارد ہے۔ چنانچہ بادشاہوں کو ہدایا دینے کے باب میں بیان ہوگا اور جس صورت میں کہ بعض غرضوں کا عوض باوجود مقصود ہونے کے لینا جائز نہیں مثلاً شفعہ سے دست بردار ہونے کا عوض اور مبیع کو عیب کے سبب سے پھیر دینے کا اور درخت کی شاخیں عہ ہوا میں پھیلتی ہیں اور ہوا ملک بادشاہ ہے ان کا عوض ناجائز ہے تو صرف جاہ کا عوض کیسے درست ہوگا اور اسی کے قریب یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی دوا معلوم ہو کہ اس کو دوسرا نہ جانتا ہو اس کے بتلانے پر عوض لینا مثلاً ایک ایسی بوٹی جانتا ہے جس سے بواسیر یا کوئی اور مرض دور ہو جاتا ہے اور بدون اجرت کے اس کو نہیں بتاتا تو یہ اجرت جائز نہیں کہ ذرا زبان ہلا دینی کوئی قیمتی چیز نہیں جس کی اجرت ہو جیسے ایک تل کا دانہ کہ اس کی قیمت کچھ نہیں ہوتی اور نہ اس کے بتلانے پر اجرت چاہیے اس لیے کہ اس کے بتلانے سے اس کا علم تو کم ہوتا ہی نہیں دوسرے کو ویسا ہی علم ہو جاتا ہے اور وہ بھی بدستور ویسا ہی عالم رہتا ہے۔ اور اس سے کم اس ماہر کی اجرت ہے جو کسی فن کو خوب جانتا ہے اور ادنیٰ عمل سے کام کرتا ہے اور اجرت بہت لیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص صیقل گر ہے کہ اپنے فن میں اتنی مہارت اور خوبی رکھتا ہے کہ تلوار اور آئینہ کا میل ایک دفعہ کے ہاتھ مارنے میں نکال دیتا ہے لیکن اس طرح کی اجرت میں ہمارے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ اول تو اس کی صنعت سے تلوار اور آئینہ کی قیمت بعض اوقات بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسی صفتوں کے سیکھنے میں آدمی بہت مشقتیں اسی لیے اٹھایا کرتا ہے کہ اس سے روزی پیدا کرے اور اپنے نفس پر کثرت عمل کو ہلکا کرے **چہارم** وہ دینا جس سے محبت دوسرے شخص کی مراد ہو یعنی جس کو دے اس کے دل کی محبت کا حاصل کرنا مقصود ہو اور اس محبت سے کوئی غرض معین نہ ہو بلکہ صرف انس اور تاکید محبت اور دلوں کا ایک دوسرے کو چاہنا منظور ہو تو یہ دینا عقلاء کا مقصود اور شریعت میں مستحب اور مطلوب ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں عہ تہادوا وتحابوا۔ حاصل یہ کہ ہر چند انسان کی غرض غالباً غیر کی محبت سے خود محبت ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی محبت کسی فائدہ کے لیے ہوتی ہے لیکن جس صورت میں کہ فائدہ متعین نہ ہو اور اس کے نفس میں کوئی ایسی غرض معین نہ جم جاوے جو حال میں یا آئندہ کو اس فائدہ کا باعث ہو تو اس کو ہدیہ کہتے ہیں اور اس کا لینا حلال ہے۔ **پنجم** وہ دینا کہ جس سے دوسرے

عہ قولہ ہوا میں پھیلتی ہیں الخ ہوا سے مراد خالی مقام ہے اور اصل احیاء العلوم کا مطلب تو یہ ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر مثل زید کے درخت کی شاخیں بکر کے احاطہ کی ہوا میں پھیلیں اس نے منع کیا کہ چاہے شاخیں اپنی حد میں باندھ لے یا کاٹ لے یعنی بکر کی حد میں نہ پھیلنے دے زید نے بکر کو کچھ مال دینا چاہا کہ شاخیں اپنی ہوا میں پھیلنے دے تو اجازت جائز اور مال لینا جائز نہیں ۱۲ امیر علی عفی عنہ۔

عہ آپس میں ہدیہ دو اور دوست بنو۔ بیہقی بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عدی نے اسکو ضعیف کہا ہے ۱۲

شخص کے دل میں تقرب اور محبت مطلوب ہو مگر نہ صرف محبت اور انس کی وجہ سے بلکہ اس جہت سے کہ اس کے جاہ کی بدولت اپنی غرضیں نکلیں اور ان اغراض کی جنس منحصر ہو گو جدا جدا معین نہ ہو۔ ایسی صورت ہیں کہ اگر اس شخص کو جاہ وحشمت نہ ہوتی تو ہدیہ نہ دیتا۔ پس اگر اس کو جاہ علم خواہ نسب کا ہو تو معاملہ خفیف ہے اور ہدیہ کا لینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں رشوت کی مشابہت ہے لیکن ظاہر میں ہدیہ ہے اور اگر جاہ حکومت ہو مثلاً قاضی ہو یا عامل یا زکوٰۃ وغیرہ کا محصل یا خراج وغیرہ کا تحصیل کرنے والا یا کوئی اور سلطانی کام رکھتا ہو یہاں تک کہ اوقاف کا متولی ہو مثلاً اور اگر بالفرض اس حکومت پر نہ ہوتا تو کوئی اس کو ہدیہ نہ دیتا تو یہ رشوت ہے ہدیہ کی صورت میں پیشکش ہوئی ہے کیونکہ دینے والے کا مقصود فی الحال طلب تقرب اور اکتساب محبت ہے مگر ایک غرض کے لیے جس کی جنس منحصر ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حکومت سے بہت کچھ مطالب نکل سکتے ہیں اور اس کو محبت محض نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسی وقت اگر دوسرا حاکم ہو جاوے تو ہدیہ مذکور حاکم مذکور کو نہ دے گا بلکہ نئے حاکم کو دے گا تو اس طرح کے ہدیہ میں یا تفاق سخت کراہت اور اس کے حرام ہونے میں اختلاف ہے اور علت متعارض ہے یعنی محض ہدیہ کہیں یا وہ رشوت کہیں جو صرف جاہ کے مقابل کسی غرض معین میں دیتے ہیں۔ اور جب مشابہت قیاسی ایک دوسرے کے متعارض ہوتی ہے اور اخبار اور آثار ان میں سے ایک کی تقویت کر دیتے ہیں تو اسی کی طرف میل کرنا متعین ہو جاتا ہے۔ اب اس باب میں جو اخبار کو دیکھتے ہیں تو تشدد پاتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ لوگوں پر ایک زمانہ آوے گا جس میں ہدیہ کے نام سے حلال کو حرام سمجھا جاوے گا اور عبرت کے لیے قتل حلال کیے جائیں گے بے گناہ مارا جائے گا تاکہ عام لوگوں کو عبرت ہو۔ اور ابن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا کہ سحت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ آدمی کسی کا کام کر دے پھر اس کے پاس ہدیہ آوے۔ غالباً آپ کی غرض کام کر دینے سے یہ ہے کہ ذرا سے کہدینے میں جس میں مشقت نہ ہو کام کر دیا یا یہ کہ تبرعاً بدون اجرت کی نیت کے کیا ہو تو اب اگر کوئی چیز عوض کے طور پر بعد کو آوے اس کا لینا درست نہ ہوگا۔ اور حضرت مسروقؒ نے ایک شخص کی سفارش کی اس نے آپ کی خدمت میں ایک لونڈی ہدیہ بھیجی آپ غصہ ہوئے اور اس کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ تیرے دل میں یہ ہے تو ہرگز تیری حاجت میں نہ بولتا اور جسقدر رہ گئی ہے اس میں کچھ نہ کہوں گا۔ اور طاؤس سے بادشاہ کے ہدایا کا حال پوچھا گیا فرمایا کہ حرام ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنے دو بیٹوں سے اس مال کا نفع لے لیا جو انہوں نے بیت المال میں سے مضاربت کے طور پر لیا تھا اور فرمایا کہ تم کو جو لوگوں نے دیا تو اسی وجہ سے دیا کہ میرا رشتہ دار سمجھا یعنی بوجہ جاہ حکومت نفع ہوا اس لیے اس کو لے کر بیت المال میں شامل کر دیا اور حضرت ابو عبیدہ جراح کی بی بی نے خاتون ملکہ روم کے پاس خوشبو ہدیہ بھیجی ملکہ نے ان کے پاس ایک جواہر بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جواہر ان سے لے لیا اور اس کو بیچ کر خوشبو کا دام ان کے حوالہ کیا اور باقی بیت المال میں ملا دیا۔ اور حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بادشاہوں کے لیے ہدایا

ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی، بخاری بروایت عائشہ رضؓ

کا حال پوچھا گیا، فرمایا کہ مال خیانت ہے اور جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ہدیہ کو واپس کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ آپ کے لیے وہ ہدیہ تھا اور ہمارے حق میں رشوت ہے یعنی آپ کو جو لوگ دیتے تھے تو نبوت کی وجہ سے دیتے تھے نہ حکومت کے باعث سے اور ہم کو حکومت ہی کی وجہ سے ملتا ہے اور ان سب آثار اور اخبار سے بڑھ کر وہ حدیث ہے جس کو ابو حمیدؓ ساعدی نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازد کے صدقات پر ایک والی بھیجا وہ آپ کی خدمت میں آیا تو بعض چیزیں اپنے ساتھ کی روک لیں اور کہا کہ یہ مجھ کو ہدیہ ملی ہیں اور یہ باقی تمہارے لیے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو اگر تو سچا ہے تو اپنے باپ اور ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا کہ تجھ کو ہدیہ آتا پھر آپ نے ارشاد فرمایاؐ

مالی استعمل الرجل منکم فیقول ھٰذا لکم وھٰذا لی ھدیۃ الا جلس فی بیت امہ لیھدی لہ والذی نفسی بیدہ لا یاخذ منکم احد شیئا بغیر حقہ الا اتی اللہ یحملہ فلا یاتین احدکم یوم القیامۃ ببعیر لہ رغاء او بقرۃ لہ خوار او شاۃ تیعر۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے سفیدی آپ کی بغلوں کی دیکھی پھر ارشاد فرمایا کہ الٰہی میں نے پہنچایا کہ نہیں۔ غرضکہ جب اخبار و آثار سے یہ تشدد ثابت ہوا تو قاضیوں اور والی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو خانہ نشین فرض کرے پھر جو چیز کہ حالت معزولی اور خانہ نشینی میں اس کو ملتی ہو وہ حکومت کے وقت میں تو اس کا لینا درست ہے اور جس چیز کو جانے کہ یہ خاص حکومت کے سبب سے ملتی ہے اس کا لینا حرام ہے اور اگر بعض دوستوں کے ہدیہ میں اشتباہ پڑے کہ نہیں معلوم حالت معزولی میں دیتے یا نہیں تو وہ مال شبہ ہے اس لیے اجتناب کرنا چاہیے۔

باب حلال وحرام خدائے تعالیٰ کے فضل اور انعام سے تمام ہوا

*

الحمد للہ اولا و آخرا و ظاہرا و باطنا و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ کل عبد مصطفےٰ

ح بخاری ومسلم ۱۲

ع کیا بات ہے کہ میں تم میں سے کسی کو عامل کرتا ہوں تو وہ کہتا ہے کہ یہ چیز مسلمانوں کے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے۔ وہ اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا کہ اس کو ہدیہ دیتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص ناحق لے گا اس کو لادے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے آوے گا تو نہ چاہیے کہ قیامت میں تم میں سے کوئی اونٹ لاوے جو بلبلاتا ہو یا گائے کہ بلبلاتی ہو یا بکری کہ ممیاتی ہو ۱۲

پانچواں باب مصاحبت و تعلق کی قسمیں آداب اور لوگوں سے تعلق کے طریقے

رباعی

الفت کے سبب بپا ہے دنیا کا نظام — بے الفتی ہرگز نہیں ایمان کا کام
المومن الف ہے معروف حدیث، — ہو خلق حسن کا سے پابند مدام

واضح ہو کہ ایک دوسرے سے محبت فی اللہ کرنی اور دین میں بھائی بننا افضل تربات ہے اور جو طاقتیں کہ عادات میں سے نکلتی ہیں ان سب میں یہ زیادہ لطیف ہے لیکن اس کی کچھ شرطیں ہیں جن کے باعث سے آدمی دوست فی اللہ کے زمرے میں گنے جاتے ہیں اور چند حقوق ہیں ان کے لحاظ سے یہ دوستی آمیزش کدورت اور وساوس شیطانی سے خالی ہو جاتی ہے جو اس کے حقوق کی بجا آوری سے قرب خدا اور ادائے شروط سے درجات علیٰ حاصل ہوتے ہیں اس لیے ہم اس کی تفصیل تین فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

فصل ۱ الفت و دوستی کے فضائل و فوائد نیز اس کی شرائط و مدارج

فضائل واضح ہو کہ الفت خوش خلقی کا نتیجہ ہے اور جدا رہنا بد خلقی کا ثمرہ۔ پس خوش خلقی آپس کی دوستی اور الفت و موافقت کا موجب ہوتی ہے اور بد خلقی بغض اور حسد اور جدائی کا پھل لاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اصل اچھی ہوتی ہے تو پھل بھی اچھا ہوتا ہے اور دین کے اندر خوش خلقی کی فضیلت عیاں ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس سے خداوند پاک نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی اور فرمایا وانک لعلی خلق عظیم[۱]۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۲] اکثر ما یدخل الناس الجنۃ تقوی اللہ وحسن الخلق اور حضرت اسامہ ابن شریک کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو چیزیں انسان کو ملی ہیں ان میں سے بہتر کونسی ہیں آپ نے فرمایا کہ حسن خلق[۳] اور فرمایا[۴] بعثت لاتمم محاسن الاخلاق اور فرمایا[۵] اثقل ما یوضع فی المیزان خلق حسن اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کی پیدائش اور خلق[۶] اچھا نہیں بنایا کہ پھر اس کو آگ کھاوے یعنی جس کی صورت اور سیرت دونوں اچھی ہوں وہ مستحق آتش نہیں اور حضرت ابوہریرہؓ کو ارشاد فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ حسن خلق کو اپنے اوپر

ت ۱ اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ۱۲ ح جو چیز لوگوں کو جنت میں بہت داخل کرے گی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور خوش خلقی ہے ۱۲ ترمذی و حاکم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۱۲ ح میں اسلیے بھیجا گیا کہ محاسن اخلاق کو پورا کروں احمد و بیہقی و حاکم بروایت ابی ہریرہؓ بلفظ مکارم بجائے محاسن ۱۲ ح سب سے بھاری نیکی جو میزان میں رکھی جاتے گی خوش خلقی ہو گی ابو داؤد و ترمذی بروایت ابی درداء ۱۲ ح ابن عدی و طبرانی و بیہقی در شعب بروایت ابی ہریرہؓ۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ اس میں کچھ منکر ہے ۱۲ ح بیہقی در شعب بروایت حسن ابی ہریرہؓ لیکن حسن کا سماع ابوہریرہؓ سے ثابت نہیں ۱۲

لازم کرے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن خلق کیا ہے فرمایا کہ تو ملے اس سے تو تجھ سے جدا ہو اور معاف کرے اس کو جو تجھ پر ظلم کرے اور دیوے اس کو جو تجھ کو محروم کرے۔ اور یہ بھی مخفی نہیں کہ حسن خلق کا ثمرہ الفت اور انقطاع شہوت ہو، تو جب حسن خلق اچھا ٹھہرا تو اس کا ثمرہ بھی اچھا ہوگا۔ علاوہ اس کے خالی الفت کی تعریف میں اتنی آیتیں اور اخبار و آثار وارد ہیں کہ اس کی فضیلت کو کافی ہیں، خصوص جس صورت میں کہ رابطۂ الفت تقویٰ اور دیانت اور اللہ کی محبت ہو۔ اللہ تعالیٰ الفت کی نعمت کا مخلوق پر احسان عظیم جتا کر فرماتا ہے[ت۱] لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم۔ پھر پھوٹ کی برائی اور اس سے زجر کے لیے ارشاد فرمایا [ت۲] واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذالک یبین اللہ لکم اٰیتہ لعلکم تھتدون۔ اس آیت میں نعمت سے مراد الفت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح۳] ان اقربکم منی مجلسا احاسنکم اخلاقا الموطؤن اکنافا الذین یالفون ویولفون اور فرمایا[ح۴] المومن الف مالوف ولا خیر فیمن لا یالف ولا یولف اور دینی برادری کی تعریف میں ارشاد فرمایا کہ[ح۵] جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری چاہتا ہے اس کو دوست نیک بخت عنایت فرماتا ہے کہ اگر وہ بھولے تو یاد دلا دے اور اگر یاد کرے تو اس کی مدد کرے اور فرمایا کہ[ح۶] جب دین کے دو بھائی ملتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو ہاتھ کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے اور دو ایماندار جب کبھی ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے بہتری کا کچھ فائدہ دلا ہی دیتا ہے اور اخوت فی اللہ کی ترغیب کے باب میں فرمایا کہ[ح۷] جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے اخوت فی اللہ کرے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو ایسے عالی درجہ پر پہنچاوے کہ اس کو کسی عمل سے اس کا ملنا نصیب نہ ہو۔ اور ابو ادریس خولانی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو آپ سے محبت فی اللہ ہے، فرمایا کہ تم کو مژدہ ہو پھر مژدہ ہو کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے[ح۸]

ت۱۔ اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تاہم نہ الفت دے سکتا ان کے دل میں لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت ڈالی ان میں ۱۲ ت۲ اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے خلاص کیا اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر نشانیاں اپنی شاید تم راہ پاؤ ح۳ تم میں سے زیادہ قریب مجھ سے نشست میں وہ لوگ ہیں کہ جو خلق میں اچھے ہیں اور جن کے پہلو دوسروں کے لیے نرم ہیں اور وہ اوروں سے الفت کرتے ہیں اور دوسرے ان سے الفت کرتے ہیں۔ طبرانی در مکارم اخلاق بروایت جابر بسند ضعیف ح۴ ایماندار الفت کرنے والا اور الفت کیا گیا ہوتا ہے اور اس شخص میں خیر نہیں جو الفت نہ کرے اور نہ اس سے کوئی الفت کرے۔ طبرانی و احمد بروایت سہیل بن سعد و حاکم بروایت ابی ہریرہ ۱۲ ح۵ ان الفاظ سے غریب ہے معروف یہ ہے کہ امیر کے باب میں یہ جملے فرمائے ہیں چنانچہ ابو داؤد نے بروایت عائشہ رض نقل کیا اذا اراد اللہ بالامیر خیر الحدیث ۱۲ ح۶ ابو عبدالرحمن سلمی در آداب صحبت و ابو منصور در فردوس بروایت انس اور اس سند میں احمد بن محمد باہلی کذاب ہے اور یہ قول سلمان فارسی کا ہے ۱۲
ح۷ ابن ابی الدنیا در کتاب الاخوان بروایت انس بسند ضعیف ح۸ احمد و حاکم از حدیث طویل ۱۲

سنا کہ قیامت کے روز کچھ لوگوں کے لیے عرش کے گرد کرسیاں بچھیں گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہونگے لوگ گھبراویں گے اور ڈریں گے اور وہ نہ گھبراویں گے اور نہ خوف کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں کہ نہ ان پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کریں گے۔ لوگوں نے عرض کیا وہ کون ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ وہ محبت فی اللہ رکھنے والے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو روایت کیا ہے اس میں یوں فرمایا ہے کہ عرش کے گرد نور کے منبر ہوں گے ان پر ایک قوم ہوگی جن کے لباس اور چہرہ نور کے ہوں گے اور وہ لوگ نہ نبی ہوں گے نہ شہید مگر نبی اور شہید ان پر غبطہ کرینگے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کا وصف ہم سے بیان فرمایئے آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ آپس میں محبت فی اللہ رکھنے والے ہیں اور آپس میں فی اللہ نشست رکھنے والے ہیں اور باہم فی اللہ علیحدہ ہونے والے[ع] اور فرمایا کہ[ح۲] جو دو شخص فی اللہ محبت کرتے ہیں ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ محبوب زیادہ ہوتا ہے جو دوسرے سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ دو شخص جو فی اللہ برادر ہیں اگر ان میں سے ایک کا مقام اعلیٰ نہ ہوگا تو دوسرا بھی اسی مقام پر اس کے ساتھ بلند کیا جاوے گا اور وہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا جاوے گا جیسے اولاد ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ساتھ لاحق کیے جاویں گے کیونکہ جب برادری فی اللہ حاصل ہوگی تو رشتہ داری قرابت سے کم نہ ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] الحقنا بھم ذریتھم وما التنٰھم من عملھم من شیئ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو میری خاطر ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے واسطے واجب ہے جو میرے واسطے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو میرے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو ایک دوسرے کی مدد میری خاطر کرتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[ح] ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیامۃ این المتحابون بجلالی الیوم اظلھم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی اور فرمایا[ح] سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ امام عادل وشاب نشأ فی عبادۃ اللہ ورجل قلبہ متعلق بالمسجد اذا خرج منہ حتی یعود الیہ و رجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیٰ ذالک وتفرقا علیہ ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت لہ عیناہ ورجل دعتہ امراۃ

ح نسائی در کبیر ۱۲ ح ابن حبان و حاکم بروایت انس ۱۲ ت ۳ پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ان سے ان کا کیا کچھ ۱۲ ح احمد بروایت عمرو بن حدیبہ و عبادہ بن صامت و حاکم نیز ح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے جلال کی خاطر دوستی کرنے والے آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا کہ اس دن میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن کہ کوئی سایہ بجز اس کے سایہ کے نہیں ہوگا اول امام عادل دوم جوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بڑھا ہو، سوم وہ شخص کہ اس کا دل مسجد سے باہر آتے پر مسجد ہی میں لگا رہے جب تک کہ پھر اس میں جاوے۔ چہارم وہ دو آدمی جنہوں نے فی اللہ محبت کی اس پر جمع ہوتے اور اسی پر جدا ہوئے پنجم جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور رو دیا ششم وہ شخص کہ جس کو کسی عورت خاندانی جمال والی نے بلایا تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں ہفتم وہ شخص کہ دے اور اس کو اتنا چھپاوے کہ اس کا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنا ہاتھ کیا دیتا ہے۔ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲

ذات حسب وجمال فقال انی اخاف اللہ تعالیٰ ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ اور فرمایا[ح۱] جب کوئی شخص دوسرے شخص سے فی اللہ ملتا ہے اس کی زیارت کے شوق اور دیدار کی رغبت میں، تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے سے اس کو یوں کہتا ہے کہ تو پاک ہو اور تیرا چلنا ستھرا ہو اور تجھ کو جنت ستھری ہوئی اور فرمایا[ح۲] کہ ایک شخص اپنے کسی برادر فی اللہ کے ملنے کو چلا اللہ تعالیٰ نے راہ میں اس کے لیے فرشتہ بٹھلا دیا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا قصد کہاں کو ہے اس نے کہا کہ اپنے فلاں بھائی کے سامنے کو جاتا ہوں کہا اس سے کچھ مطلب نہیں کہا کہ نہیں پوچھا کہ تم سے اور اس سے کچھ قرابت ہے جواب دیا کہ نہیں پوچھا کہ اس نے تمہارے ساتھ کچھ سلوک کیا کہا نہیں۔ فرشتہ نے پوچھا پھر کس وجہ سے اس نے جواب دیا کہ میں فی اللہ اس سے محبت رکھتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تیرے پاس بھیجا ہے کہ تجھ کو اطلاع کر دوں اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت رکھتا ہے اس وجہ سے کہ تو اس اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے اور تیرے لیے جنت واجب کر دی اور فرمایا[ح۳] کہ ایمان کی رسیوں میں زیادہ مضبوط محبت فی اللہ ہے اور اسی حدیث کے باعث واجب ہے کہ آدمی کے کچھ دشمن ہوں جن سے بغض فی اللہ رکھتا ہو اور کچھ دوست ہوں جن سے محبت فی اللہ رکھتا ہو۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ تو نے جو دنیا میں زہد کیا تو اس سے تجھ کو سر دست راحت ملی اور ٹوٹ کر میری طرف ہو رہا تو اس سے تجھ کو عزت ہوئی یہ بتاؤ کہ میرے باب میں کسی دشمن سے عداوت . . . . یا کسی دوست سے محبت کی ہے یا نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الٰہی کسی بدکار کا مجھ پر احسان مت کرنا کہ اس وجہ سے میری[ع۵] محبت ان کو نصیب ہو۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اگر تم میری عبادت تمام آسمانوں اور زمین کے باشندوں کی سی کرو اور محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ تم میں نہ ہو تو وہ عبادت تمہارے کچھ کام نہ آوے گی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اہل معصیت سے دشمنی کر کے خدائے تعالیٰ کی محبت پیدا کرو اور ان سے دور رہنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اور ان کو ناراض کر کے خدائے تعالیٰ کی رضا کے طالب ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا روح اللہ پھر ہم کس کے پاس بیٹھیں فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس بیٹھو جن کے دیکھنے سے خدا یاد آوے اور جن کی تقریر تمہارا علم بڑھاوے اور جن کا عمل تم کو شوق آخرت دلاوے۔ اور اخبار گذشتہ میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے پسر عمران ہوشیار رہو اور اپنے لیے یار غار طلب کر اور جو دوست کہ میری خوشی پر تیرا موافق نہ ہو وہ تیرا دشمن ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے داؤد یہ کیا بات ہے کہ تم الگ کونے میں تنہا رہتے ہو۔ عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیری خاطر خلق کو برا جانا ارشاد ہوا کہ اے داؤد ہوشیار ہو اور اپنے لیے دوست طلب کر اور جو دوست کہ میری مسرت پر تیرا موافق نہ ہو اس کے

ح۱ ابن عباس بروایت انس مختصراً و ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہ بالفاظ دیگر ۱۲ ح۲ مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ع۵ قولہ علیحدہ ہونے والے الخ احیاء میں والمتزاورون فی اللہ باہم ایک دوسرے کی زیارت کو آنے والے ۱۲ (سید صدیق عفی عنہ) ح۳ احمد بروایت براء بن عاذب اور اسکی سند میں لیس بن سلم مختلف فیہ ہے ح طبرانی در اوسط و صغیر بروایت ابی ہریرہ بسند ضعیف ۱۲ ح۴ ابن حبان در کتاب العظمت بروایت معاذ بن جبل و عرباض بن ساریہ بسند ضعیف ۱۲ ع۵ میری محبت الخ قول اصل حدیث سے مطلب کہ میری جانب سے اسکو محبت نصیب ہو مراد یہ کہ میں کچھ محبت اس سے کروں بوجہ احسان کے اسکی اسناد

ساتھ مت رہنا کہ وہ تیرا دشمن ہے تیرے دل کو سخت کر دیگا اور تجھ کو مجھ سے دُور کر دیگا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ آپ نے جناب احدیت میں عرض کیا کہ الٰہی یہ بات کس طرح سے ہو کر سب لوگ مجھ سے محبت کریں اور جو معاملہ کہ میرے اور تیرے درمیان ہے اس میں مَیں سلامت بھی رہوں، حکم ہوا کہ لوگوں سے ان کے اخلاق کے موافق سلوک کر اور جو معاملہ مجھ میں اور تجھ میں ہے اس میں احسان کر اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دنیا والوں سے ان کے اخلاق سے اختلاط کر اور آخرت والوں سے ان کے اخلاق سے اختلاط کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ تم میں سے خدائے تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہیں جو زیادہ الفت کرتے ہیں اور الفت کیے جاتے ہیں اور زیادہ مبغوض وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور بھائیوں میں بغض ڈالتے ہیں اور فرمایا[ح] کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا بدن نصف آگ کا اور نصف برف کا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ الٰہی جیسی تو نے برف اور آگ میں الفت کی ویسی اپنے نیک بندوں کے دلوں میں الفت کر، اور فرمایا[ح] کہ جب کوئی بندہ نیا دوست فی اللہ پیدا کرتا ہے تب ہی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک نیا درجہ مقرر کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ دوست فی اللہ قیامت میں سرخ یاقوت کے عمود پر ہوں گے اور اس عمود کے سرے پر ستر ہزار کھڑکیاں ہوں گی۔ وہ لوگ جنت والوں کو جھانکیں گے ان کا حسن جنت والوں پر ایسا چمکے گا جیسا سورج دنیا والوں کے اوپر چمکتا ہے تو جنت والے کہیں گے کہ چلو فی اللہ دوستوں کو دیکھیں پس ان کا حسن جنت والوں پر ایسا سورج کی جوت کی طرح چمکے گا ان کا لباس سبز دیبا کا سا ہوگا اور ان کی پیشانیوں پر لفظ المتحابون اللہ لکھا ہوگا۔ اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ دوستوں کو ضرور پیدا کرو کہ وہ دنیا میں بھی کام آتے ہیں اور آخرت میں بھی، دیکھو دوزخ والے اس روز یہ کہیں گے[ت۲] فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم۔ اور حضرت ابن عمر رضہ فرماتے ہیں کہ بخدا اگر میں اتنے روزہ رکھوں کہ افطار نہ کروں اور رات بھر عبادت کیا کروں کہ نہ سوؤں اور اپنا مال نفیس نفیس خدائے تعالیٰ کی راہ میں دیدوں لیکن جس روز میں مروں میرے دل میں خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کی محبت اور اس کے عاصیوں کا بغض نہ ہو تو یہ سب باتیں میرے کچھ کام نہ آویں گی۔ اور ابن سماک[رح] نے اپنی موت کے وقت عرض کیا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ میں ہر چند تیری نافرمانی کرتا تھا مگر جو شخص تیرا مطیع ہوتا تھا اس سے محبت رکھتا تھا الٰہی میری اس عادت کو میرے لیے اپنے قرب کا باعث کر۔ اور حضرت حسن بصری[رح] وہ مضمون فرماتے ہیں جو اس کی ضد ہے یعنی اے ابن آدم اس قول سے دھوکہ میں مت آنا المرء مع من احب کیونکہ تجھ کو ابرار کا درجہ بدون ان کے اعمال کے ہرگز نہ ملے گا۔ یہود اور نصاریٰ بھی تو اپنے انبیاء سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ نہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ صرف محبت بدون موافقت بعض اعمال یا کل اعمال کے مفید نہیں۔ اور حضرت فضیل[رح] نے اپنے کسی وعظ میں فرمایا ایں تو فردوس بریں میں رہنا چاہتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہمسائیگی اس کے مکان میں انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ ڈھونڈتا ہے۔ کس برتے پر تتا

ح حکیم ترمذی در نوادر بروایت ابن مسعودؓ بسند ضعیف ۱۲ ت۲ پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا ۱۲
ز اور آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھے ۱۲

پانی۔ کونسی شہوت کو تو نے ترک کیا، کون سے غصّہ کو پیا، کون سے قاطع رحم سے تو ملا کون سے اپنے بھائی کے قصور کو معاف کیا کون سے قریب سے تو فی اللہ دور ہوا کون سے بعید سے تو فی اللہ قریب ہوا۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تو نے کبھی میرے لیے کوئی کام کیا۔ عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیرے لیے نماز پڑھی، روزہ رکھا، صدقہ دیا، زکوٰۃ دی۔ حکم ہوا کہ نماز تیرے لیے برہان ہے اور روزہ سپر ہے اور صدقہ سایہ ہے، اور زکوٰۃ نور ہے۔ میرے لیے کونسا عمل کیا حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے بتا دے کہ تیرے لیے کونسا عمل ہے ارشاد ہوا تو نے کبھی میرے لیے کسی دوست سے دوستی یا کسی دشمن سے دشمنی کی ہے یا نہیں تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جانا کہ عداوت فی اللہ اور محبت فی اللہ افضل اعمال ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رکن اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر ستر برس عبادت کرے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کا حشر اسی کے ساتھ کرے گا جس سے اس کو محبت ہوگی اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فاسق سے بغض فی اللہ رکھنا موجب تقرب الی اللہ ہے۔ اور ایک شخص نے محمد بن واسعؒ سے کہا کہ میں آپ سے محبت فی اللہ رکھتا ہوں انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کی خاطر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو وہ تم سے محبت کرے پھر اپنا منہ پھیر کر کہا کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ لوگ مجھ کو تیری خاطر سے محبوب جانیں اور تو مجھ سے بغض رکھے۔ اور ایک شخص داؤد طائی کے پاس گیا آپ نے فرمایا تمہارا کیا مطلب ہے اس نے کہا صرف آپ کی زیارت۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے تو اچھا کام کیا کہ زیارت کی مگر میں اپنے حال کو سوچتا ہوں کہ اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ تو کون ہے کہ زیارت کیا جاتا ہے کیا زاہد ہے یا عابد ہے یا نیک بخت ہے تو اس وقت کیا ہوگا۔ میں تو ان میں سے ایک بھی بخدا نہیں پھر اپنے نفس کو توبیخ پر متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ جوانی میں تو فاسق تھا اب بڑھاپے میں ریاکار ہو گیا۔ بخدا ریاکار کا فاسق سے بہت بڑا درجہ ہے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی بھائی کو دوست پاوے تو اس کو مضبوط پکڑ لے کہ ایسے آدمی کم ملا کرتے ہیں۔ اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب فی اللہ محبت کرنے والے آپس میں مل کر ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو ان کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے جاڑے میں درخت کے پتے سوکھ کر گرتے ہیں۔ اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ آدمی کو اپنے بھائی کے چہرے پر نظر مودت اور رحمت سے دیکھنا عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی اور دنیوی مقاصد کے لئے دوستی کی تفصیل

جاننا چاہیے کہ محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ دقیق دقیق باتیں ہیں ان کا حال تقریر آئندہ سے منکشف ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ صحبت دو طرح کی ہے ایک یہ کہ اتفاقی ہو جائے جیسے ہمسایہ میں رہنے سے یا مکتب خواہ مدرسہ میں ساتھ رہنے سے یا بازار میں یکجائی ہونے سے یا ایک جگہ نوکر ہو جانے سے یا سفر میں رفیق ہونے سے۔ دوسرے وہ کہ بقصد و اختیار پیدا کی جاوے اور ہم کو بیان اسی کا منظور ہے۔ کیونکہ اخوت فی الدین یقیناً اسی قسم میں واقع ہے اس لیے کہ ثواب اور ترغیب انہیں افعال میں ہوتی ہے جو اختیاری ہوں اور صحبت کے معنی ہیں پاس بیٹھنا اور ملنا جلنا، اور یہ باتیں انسان دوسرے سے جب ہی کرتا ہے جب اس کو محبوب جانتا ہے کیونکہ غیر محبوب سے تو اجتناب اور دوری کیا کرتا ہے اور اس سے اختلاط نہیں چاہتا اور جس

محبت رکھتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا صرف اس کی ذات سے محبت ہے کوئی اور مقصود اور محبوب چیز نہیں جس کے ذریعہ سے اس کی محبت کو کیا جائے یا اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دوسرا مقصود حاصل ہو۔ پھر یہ مقصود تین صورت سے خالی نہیں یا صرف متعلق منافع دنیاوی سے ہو یا آخرت سے متعلق ہو یا متعلق باللہ تعالیٰ ہو یہ چار قسم کی محبت ہوئی، اب ان چاروں کو جدا جدا لکھا جاتا ہے۔ قسم اول یہ کہ انسان دوسرے شخص سے محبت صرف اس کی ذات کے لیے کرے اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے نزدیک فی ذاتہٖ محبوب ہو یعنی جب وہ اس کو دیکھے اور پہچانے اور اس کے اخلاق کا مشاہدہ کرے تو اس کو لذت حاصل ہو اس وجہ سے وہ اس کو اچھا جانتا ہے کیونکہ اہل جمال اس شخص کے حق میں لذیذ ہوتا ہے جو اس کے جمال کو معلوم کرے اور ہر لذیذ محبوب ہوتا ہے اور لذت اچھا جاننے کے بعد ہوتی ہے اور اچھا جاننا سرشتی مناسبت اور موافقت کا تابع ہوتا ہے پھر وہ مستحسن یا تو ظاہر کی خوبصورتی ہو یعنی اعضاء ظاہری کا اچھا ہونا یا صورت باطنی ہو یعنی عقل کا کامل ہونا اور اخلاق کا اچھا ہونا اور اخلاق کے اچھے ہونے سے افعال اچھے ہوتے ہیں اور کمال عقل کی تابع اور علم کی کثرت ہے اور یہ سب باتیں طبع سلیم اور عقل مستقیم کے نزدیک مستحسن ہے اور ہر مستحسن چیز قابل لذت اور محبوب ہوتی ہے بلکہ دلوں کی الفت کے باب میں ایک اور بات اس سے باریک ہوتی ہے۔ یعنی دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات دو شخصوں میں دوستی اور مودّت مضبوط ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس کا باعث نہ ظاہر کی ملاحت ہوتی ہے نہ خوبی عادت بلکہ وجہ اسکی مناسبت باطنی اور مشابہت معنوی ہوتی ہے جو ان دونوں الفت اور موافقت کا موجب ہوتی ہے کیونکہ چیز کا مشابہ اپنی سرشت سے اس کی طرف کھینچتا ہے اور اسی مضمون کا شعر کسی نے کہا ہے۔ شعر:

جانب مثل و لامثل کو ہوتی ہے کشش   جیسے ہر عضو میں جاتی ہے غذا اس جیسی

اور باطل مشابہتیں پوشیدہ ہیں اور ان کے اسباب پوشیدہ ہیں آدمی کی طاقت نہیں کہ ان پر واقف ہو اور اسی رمز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا[ح۱] الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف کہ جان پہچان کا نہ ہونا نتیجہ جدا رہنے کا ہے اور الفت نتیجہ مناسبت کا ہے جس کو تعارف سے تعبیر فرمایا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے[ح۲] ان الارواح جنود مجندۃ تلتقی فتتشام فی الہوا اور بعض علما نے اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کر کے ان میں سے بعض کے دو ٹکڑے کیے اور ان کو اپنے عرش کے گرد طواف کرایا۔ دو ٹکڑوں میں سے جن کے دو دو میں تعارف وہاں ہو گیا وہ دنیا میں بھی ملے رہے اور ایک حدیث[ح۳] میں ارشاد فرمایا کہ دو مومنوں کی روحیں ایک مہینہ کے فاصلے سے ملتی ہیں حالانکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور مروی ہے کہ ایک عورت مکہ معظمہ میں عورتوں کو ہنسایا کرتی تھی اور دوسری ایسی ہی مدینہ منورہ

ح۱ روحیں لشکر کے لشکر مجتمع ہیں پس جو ان میں سے باہم شناسا ازل میں ہو جاتی ہیں وہ دنیا میں الفت کرتی ہیں اور جو اجنبی رہتی ہیں وہ جدا رہتی ہیں۔ مسلم بروایت ابو ہریرہ و بخاری تعلیقاً بروایت عائشہ ۱۲ ح۲ بیشک روحیں لشکر مجتمع میں ملتی ہیں اور ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہیں ہوا میں، طبرانی در اوسط بروایت علی مرتضیٰ بسند ضعیف ح۳ احمد بروایت عبداللہ بن عمر بادنیٰ اختلاف اور اس سند میں ابن لہیعہ ہے ۱۲

میں تھی وہ مکیہ اتفاقاً مدینہ منورہ میں گئی اور اس مدنی عورت کے پاس اتر کر حضرت عائشہؓ کے پاس گئی اور آپ کو ہنسایا آپ نے پوچھا کہ تو کہاں اتری ہے اس نے کہا فلاں عورت کے پاس آپ نے فرمایا کہ سچ کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے میں نے سُنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ فرماتے تھے[ح] الارواح جنود مجندة الخ اور واقعی یہ ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ شاہد ہے کہ تناسب کے وقت الفت باہمی ہوتی ہے اور طبیعتوں اور اخلاق باطنی اور ظاہری میں تناسب کا ہونا سمجھ میں آتا ہے اور جن اسباب سے کہ یہ مناسبت ہوتی ہے انکا دریافت کرنا قوت بشری سے خارج ہے۔ غایت یہ ہے کہ منجم ہذیان سرائی کرے اور جب ایک کا زائچہ دوسرے کے زائچہ کی تسدیس کرے یا تثلیث پر ہوتا ہے تو یہ صورت موافقت اور مودت کی ہے اور مقتضی تناسب اور میل کی اور جب مقابلہ یا تربیع پر ہوتا ہے تو مقتضی دوری اور عداوت کا ہوتا ہے تو یہ قول اگر سچا بھی ہو یعنی خدائے تعالیٰ نے جو عادت آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں مقرر کر لی ہے اس کے مطابق ایسا ہی ہوا کرتا ہے جتنا اشکال اصل تناسب کے معلوم ہونے میں تھا اس سے زیادہ اس میں ہوگا پس ایسی بات میں خوض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس کا راز بشر کے لیے واضح نہیں کیا گیا کیونکہ انسان کو تو علم میں تھوڑا ہی سا عنایت ہوا ہے اور اس کی تصدیق کے لیے تجربے اور مشاہدے ہم کو کافی ہیں اور حدیث شریف میں آچکا ہے کہ اگر ایک مومن اس مجلس میں جاوے جس میں سو منافق ہوں اور ایک ایماندار ہو تو وہ اسی ایماندار کے پاس آکر بیٹھے گا اور اگر ایک منافق ایسی مجلس میں جاوے جس میں سو ایماندار اور ایک منافق ہو تو وہ اسی منافق کے پاس آکر ہم نشست ہوگا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل کو اپنی مثل کی طرف کشش ہوتی ہے اگرچہ اس کو علم نہ ہو۔ اور حضرت مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے کہ دس آدمیوں میں سے دو کا اتفاق جب ہی ہوگا کہ ایک میں دوسرے کا کوئی وصف پایا جاوے اور لوگوں کی شکلیں ایسی ہیں جیسے پرندوں کی جنسیں کہ اڑنے میں دو قسم کے پرند کبھی متفق نہیں ہوتے اور بدون مناسبت ان کا پرواز ایک ساتھ نہیں ہوتا چنانچہ مشہور ہے ؎

کبوتر با کبوتر باز با باز کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

ایک روز انہوں نے کوّے کو کبوتر کے ساتھ اڑتا دیکھ کر تعجب کیا کہ یہ کیسے ساتھ ہوئے یہ تو ایک شکل کے نہیں پھر جو ان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں لنگڑے تھے تب فرمایا کہ اسی وجہ سے ان میں اتفاق ہوا۔ اور اسی وجہ سے بعض حکماء نے کہا ہے کہ ہر انسان اپنے ہم شکل سے انس کیا کرتا ہے جیسے ہر پرند اپنے ہمجنس کے ساتھ اڑتا ہے اور جب دو شخص چندے ساتھ رہیں اور حالت میں ہم شکل نہ ہوویں تو ضرور ہے کہ جدا ہو جاویں گے اور یہ بات ایسی ظاہر ہوگئی ہے کہ شاعر بھی اس کو جان گئے ہیں چنانچہ کسی نے اس مضمون کو باندھا ہے۔ شعر:

وجہ فرقت جو پوچھی تو یہ میں نے ان سے کہا میری صورت کا نہ تھا اس لیے ہوں اس سے جدا

ح حسن بن سفیان واحمد ۱۲ ح صاحب الفردوس بروایت معاذ بن جبلؓ بیہقی در شعب موقوفاً علی ابن مسعودؓ ۱۲ ع ساتھ اڑتا الخ اصل میں ہے کہ دونوں کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر تعجب کیا تھا پھر دونوں چلے واڑے تو ظاہر ہے کہ دونوں لنگڑے ہیں الخ ۱۲ میر علی ع اصل کے موافق خلاصہ مطلب ہے پوچھنے والے نے تجھ سے پوچھا ہوئے تم دونوں بھلا کیسے جدا۔ میں نے یہ نکتہ سنایا اس کو کر موافق ہی سے ہوتی ہے وفا ۱۲ سید صدیق احمد سلمہ

غرض کہ انسان کو محبت ایک دوسرے سے کبھی لذاتہ ہوتی ہے نہ کسی فائدہ کے سبب سے کہ اس کو حال میں یا قال میں حاصل ہو بلکہ صرف اس مجانست اور مناسبت کی وجہ سے جو باطن کی سرشتوں اور پوشیدہ اخلاق میں ہوتا ہے اور اسی قسم میں خوبصورتی کی محبت بھی داخل ہے بشرطیکہ اس سے شہوت رانی مقصود نہ ہو کیونکہ اچھی صورتیں بذات خود لذت بخش ہوتی ہیں گو وہاں اصل شہوت ہی نہ ہو۔ میووں اور کلیوں اور پھولوں اور سرخی آمیز سیبوں اور آب رواں اور سبزی کے دیکھنے سے آنکھ کو لذت ہوتی ہے اور سوائے ان کی ذات کے اور کوئی غرض بد درمیان نہیں ہوتی اور یہ محبت چونکہ سرشتی اور خواہش نفس سے ہے اور ملحدوں کو بھی ہوتی ہے اس لیے خدا کے واسطے کی محبت اس میں داخل نہیں لیکن اگر اس محبت میں کوئی غرض بدل جاوے گی تو بری ہو جاوے۔ مثلاً محبت کسی اچھی صورت کی شہوت رانی کے لیے جہاں کہ اس کی تعمیل حلال نہ ہو اور اگر کوئی غرض نہ ملے تو یہ محبت مباح ہے کہ نہ اس کو محمود کہیں گے نہ مذموم کیونکہ محبت تین ہی طرح کی ہوتی ہے یا قابل حمد یا قابل مذمت یا مباح کہ نہ قابل حمد ہو نہ قابل مذمت۔ دوسری قسم یہ ہے کہ انسان محبت دوسرے سے اس نظر سے کرے کہ اس کی ذات سے اس کا مقصود حاصل ہو تو یہ محبت دوسری چیز کا وسیلہ ہوتی ہے اور محبوب چیز کا وسیلہ بھی محبوب ہوتا ہے اور جو چیز کہ غیر چیز کی خاطر محبت کی جاتی ہے تو حقیقت میں محبوب وہ غیر ہی ہوتی ہے مگر پہلی چیز چونکہ ذریعہ محبوب ہے اس لیے محبوب ہے اور اسی وجہ سے لوگ سونے اور چاندی کو محبوب سمجھتے ہیں حالانکہ ان دونوں کی ذات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کیونکہ نہ کھائی جاتی ہیں نہ پہنی جاتی ہیں مگر چونکہ وہ ذریعہ دوسری محبوب چیزوں کی ہیں اس لیے محبوب ہیں تو یہی حال بعض لوگوں کا ہے کہ ان سے لوگ اسی طرح سے محبت کرتے ہیں جیسے چاندی اور سونے سے اس لحاظ سے وہ ذریعہ مقصود ہوتے ہیں یعنی ان کی جہت سے جاہ یا مال یا علم حاصل ہوتا ہے مثلاً آدمی جو بادشاہ سے محبت کرتا ہے تو اسی وجہ سے کہ اس کے مال یا جاہ سے نفع ہوتا ہے اور اس کے خواص سے جو محبت کرتا ہے تو اس غرض سے کہ وہ لوگ بادشاہ کے سامنے اس کا حال اچھی طرح پیش کریں اور اس کے دل میں اس کی جگہ کر دیں اور جس مقصود کے لیے شخص محبوب کو ذریعہ کیا جاتا ہے اگر اس کا فائدہ صرف دنیاوی ہی ہو تو ذریعہ کی محبت فی اللہ محبت نہ ہوگی اور اگر دنیاوی فائدہ پر انحصار تو نہیں مگر محبت کرنے والے کی غرض اس سے دنیا کا ہی فائدہ ہے تب بھی وہ محبت للہ متصور نہ ہوگی جیسے شاگرد محبت استاد سے تحصیل کے لیے کرے تو ہر چند علم کے فوائد منحصر بدنیا نہیں مگر شاگرد کی غرض اس سے اگر تحصیل دنیا اور قبول مخلوق میں ہوگی تو اس کی محبت للہ نہ ہوگی کیونکہ مقصود اس کا اس صورت حال میں جاہ و مال ہو گیا۔ جس کے حصول کا ذریعہ علم ہے اور علم کے حاصل ہونے کا وسیلہ استاد ہے تو یہ محبت فی اللہ کچھ بھی نہ ہوئی ہاں اگر علم کو تقرب الی اللہ کی نظر سے تحصیل کرتا تو البتہ محبت فی اللہ ہوتی ورنہ اس طرح محبت استاد کی تو کافر سے بھی سرزد ہوتی ہے۔ پھر اس محبت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک مذموم دوسری مباح، یعنی علم کو اگر مقاصد مذمومہ کا ذریعہ کرنے کی نیت ہے مثلاً ہمسروں کا زیر کرنا اور یتیموں کا مال جمع کرنا اور قاضی بن کر رعیت کا ستانا وغیرہ تو محبت بھی مذموم ہوگی اور اگر مباح مقاصد کی نیت ہوگی تو محبت بھی مباح ہوگی غرضکہ ذریعہ چونکہ بذات خود مستقل نہیں ہوتا اور مقصود کا تابع ہوتا ہے اس لیے حکم اور صفت ذریعہ پر وہی ہوتی ہے جو مقصود پر ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ محبت

لذاتہ نہ ہو غیر کے لیے ہو اور وُہ غیر بھی حظوظ دنیاوی میں سے نہ ہو بلکہ حظوظ آخرت میں سے ہو اور یہ محبت ظاہر ہے کہ محبت فی اللہ میں متصور ہو گی مثلاً کوئی شخص اپنے استاد اور مرشد سے بدیں وجہ محبت کرے کہ ان کے ذریعہ سے علم کی تحصیل اور عمل کی درستی ہو گی اور علم و عمل سے اس کا مقصد آخرت کی بہتری ہو تو اس کی محبت فی اللہ محبت میں شمار ہو گی، اسی طرح جو استاد اپنے شاگرد سے محبت کرے اور مقصود دنیاوی نہ ہو صرف یہ لحاظ ہو کہ یہ مجھ سے علم سیکھتا ہے اس کی بدولت مجھے رتبہ تعلیم ملے گا اور اس عالم ملکوت میں درجہ تعظیم پر ترقی کروں گا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص جانتے اور عمل کرے اور لوگوں کو سکھاوے وہ آسمان کے ملکوت میں عظیم پایا جاتا ہے[ع] - اور ظاہر ہے کہ تعلیم بدون متعلم کے نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں استاد کو اس کمال کے حاصل ہونے کا سبب شاگرد ہی ہوا پس اگر استاد اس سے محبت بدیں لحاظ کرے کہ وہ میرے لیے ذریعہ حصول سعادت اخروی ہے کہ اسی کے باعث سے درجہ تعظیم آسمان کے ملکوت میں ملے گا وہ محب فی اللہ ہو گا - اسی طرح جو شخص اپنا مال خیرات کرتا ہو اور مہمانوں کو اکٹھا کر کے ان کے لیے عمدہ اور عجیب کھانے مزیدار خدائے تعالیٰ کے تقرب کے لیے پکواتا ہو وُہ اگر کسی باورچی اپنے فن کے طاق سے محبت کریگا تو وہ بھی محبین فی اللہ میں سے ہو گا۔ ایسا ہی اگر ایسے شخص سے محبت کرے گا جو اس کے صدقات کو مستحقوں تک پہنچا دیا کرے تو وہ بھی محبت فی اللہ رکھنے والا ہو گا بلکہ اس سے بڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس آدمی سے محبت کرے جو اس کی خدمت خود کرتا ہو یعنی اس کے کپڑے دھونے اور گھر میں جھاڑو دیتے اور کھانا پکاتا اپنے ذمہ کرلے تا کہ اس کو علم و عمل کے لیے فراغت ملے اور اس کا مقصود ان کاموں . . . . سے عبادت کے لیے فارغ ہونا ہو تو وہ بھی محب فی اللہ ہو گا اور اس سے زیادہ اہم اور کہتے ہیں کہ جب ایک شخص دوسرے کے سب اغراض دنیاوی کا کفیل ہو جاوے یعنی کھانا اور لباس اور مسکن وغیرہ ضروریات اپنے پاس سے دے تا کہ اسکو علم و عمل کے لیے فراغت ہو جاوے اور دوسرا شخص بہمیں لحاظ اس سے محبت رکھے اور اپنے علم و عمل سے اللہ تعالیٰ سے تقرب چاہتا ہو تو وہ بھی محبت فی اللہ ہے چنانچہ اگلے لوگوں میں کچھ صلحاء ایسے تھے کہ ان کے مقاصد دنیاوی کی کفالت بعض اہل ثروت نے کرلی تھی اور یہ دونوں شخص محبین فی اللہ میں سے تھے اور اس سے زیادہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص ایک نیک بخت عورت سے نکاح کرے اس غرض سے کہ اس کے سبب سے شیطانی وسوسہ سے بچے اور اپنے دین کو بچاوے یا اس نیت سے کہ اس سے کوئی فرزند نیک بخت ہو جو میرے لیے دعائے خیر کرے اور وہ شخص اپنی بی بی کو ذریعہ مقاصد دینی سمجھ کر محبوب جانتے تو وُہ بھی محب فی اللہ ہو گا اور اسی وجہ سے احادیث میں عیال پر نفقہ کرنے کا بہت اجر اور ثواب وارد ہے[ح۲] - حتیٰ کہ اگر لقمہ کھانے کا اپنی بی بی کے منہ میں دیوے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا اور دیدار اُخروی کی محبت میں مشہور ہو تو وہ شخص اگر کسی غیر سے محبت کرے گا تو محب فی اللہ ہو گا اس لیے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی ایسی چیز سے محبت کرے جس میں اس کے محبوب کی مناسبت نہ ہو تو جس چیز سے محبت

ع اصل میں کہلاتا ہے ۱۲ ح۲ پیشتر اس باب میں حدیث مع سند گذر چکی ۱۲

کرے گا رضائے مولیٰ جو اس کا محبوب اور مطلوب ہے اوّل مدِ نظر رکھے گا بلکہ ہم اس سے زیادہ کہتے ہیں کہ جب ایک شخص میں دو باتیں جمع ہوں کہ ایک ذریعہ تقرب الی اللہ ہو اور دوسرا ذریعہ حصول دنیا۔ اور کوئی دوسرا شخص جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور دنیا کی محبت اکٹھی ہو اس سے بہیں وجہ محبت کرے کہ اس کو دونوں باتوں کی سہولت رہے تو وہ بھی محبین فی اللہ سے ہوگا۔ جیسے کوئی استاد اپنے شاگرد کو دین سکھاوے اور مال دے کہ دنیا کی ضروریات سے بچاوے اور شاگرد جس کی طبیعت میں طلب راحت دنیا اور سعادت آخرت دونوں ہوں اس کو دونوں امر کا ذریعہ سمجھ کر استاد سے محبت کرے تو یہ محبت فی اللہ ہوگی کیونکہ محبت فی اللہ میں یہ شرط نہیں کہ حظ دنیا کی محبت بالکل نہ ہو اس لیے کہ جس دعا کا حکم انبیاء علیہم السلام کو ہوا ہے اس میں دنیا و آخرت دونوں کو جمع کیا ہے چنانچہ ایک دعا یہ ہے[1] ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا الٰہی مت ہنسا مجھ پر میرے دشمن کو اور مت برائی پہنچا میرے سبب سے میرے دوست کو اور مت کر مصیبت میرے دین میں اور مت کر دنیا کو سب سے بڑا مقصد میرا۔ تو اس دعا میں دشمنوں کی ہنسی کو ٹالنا حظوظ دنیاوی میں سے ہے اور یہ نہیں کہا کہ دنیا کو میرا مقصد ہرگز مت کر بلکہ یوں دعا مانگی کہ دنیا کو میرا بڑا مقصد مت کر اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں یہ فرمایا[2] اللھم انی اسئلک رحمۃ انال بھا شرف کرامتک فی الدنیا والاٰخرۃ اور فرمایا[3] اللھم عافنی من بلاء الدنیا وعذاب الاٰخرۃ حاصل یہ ہے کہ جس صورت میں سعادت اخروی کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے منافی نہیں تو دنیا میں صحت اور سلامتی اور کفایت اور کرامت کی محبت کیسے محبت الٰہی کے منافی ہوگی کیونکہ دنیا اور آخرت دو حالتیں ایک دوسرے کے قریب ہیں ایک حال میں ہے اور ایک مآل میں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے کل کے حظوظ کو تو محبوب سمجھے اور آج ان سے محبت نہ کرے اور کل میں جو ان سے محبت کرتا ہے تو اسی وجہ سے کہ کل میں حالت دائمی ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ حالت دائمی بھی مطلوب ہے اور وہ آج کی محبت سے حاصل ہوتی ہے ہاں حظوظ دنیاوی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ حظوظ اخروی کے مخالف ہوں اور ان سے روک دیں۔ یہ وہ امور ہیں جن سے انبیاء اور اولیاء نے خود احتراز کیا ہے اور دوسروں کو ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور دوسرے وہ کہ ان کی مخالف نہیں یہ وہ باتیں ہیں کہ انبیاء و اولیاء نے ان سے دست کشی نہیں کی جیسے نکاح کرنا اور حلال کھانا وغیرہ پس جو چیزیں آخرت کے حظوظ کے مخالف ہوں تو شایاں عاقل یہ ہے کہ ان سے نفرت کرے نہ محبت یعنی ان سے نفرت عقلی کرے نہ طبعی، مثلاً اگر کسی بادشاہ کا کھانا لذیذ موجود ہو اور آدمی جانتا ہو کہ اگر اس کو کھاؤں گا تو میرا ہاتھ کاٹا جائے اور گردن اڑا دی جائیگی

---

[1] اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی ۱۲ [2] الٰہی میں تجھ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جس سے تیری کرامت کے شرف کو دنیا و آخرت میں حاصل کروں، ترمذی بروایت ابن عباسؓ در ضمن حدیث طویل ۱۲ [3] الٰہی مجھ کو دنیا و آخرت کی بلا سے عافیت عنایت کر احمد بروایت بسر بن ارطاط نحوہ ۱۲ ع۔ ۵ مت کر الخ اصل میں اس کے بعد یہی آیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کو ذریعہ فرمایا ہے۔ اقول، پہ ترمذی وغیرہ وبعض جامع سنن کی دعا میں یہ امور مذکور ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۲ امیر علی۔

تو جیسی نفرت اس کھانے سے ہوتی ہے ویسی ہی حظوظ دنیاوی سے چاہیئے یہ مقصود نہیں کہ لذیذ کھانے کو طبیعت نہ چاہے اور اگر کھالے تو لذیذ معلوم نہ ہو کیونکہ یہ امر تو محال ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ عقل اس کے کھانے سے مانع ہو اور نفرت کی وجہ وہی ضرر ہو جو ہاتھ کٹنے اور گردن مارے جانے سے متصور ہو اور مقصود اس سے یہ ہے کہ اگر شاگرد اپنے استاد سے محبت بدیں وجہ کرے کہ اس کو دین سکھاتا ہے کہ دنیاوی مہمات کا خبر گیر رہے یا استاد شاگرد سے بایں لحاظ محبت کرے کہ علم دین سیکھتا ہے اور دنیا کی ضرورتوں میں کام آتا ہے یعنی محبت کی علت ایک دنیاوی حظ ہوا اور ایک اخروی تو وہ محبین فی اللہ میں متصور ہوگا۔ اور اس میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ استاد مثلاً شاگرد کو علم پڑھانا موقوف کر دے یا شاگرد کو استاد سے تحصیل کرنا بن نہ آوے تو محبت اس وجہ سے کم ہو جاوے تو اس شرط کے نہ پائے جانے سے جس قدر محبت کم ہوگی اسی قدر محبت خدا کے واسطے ہوگی اور اسی قدر پر فی اللہ محبت کا ثواب بھی ملے گا اور یہ کچھ محال نہیں کہ جس آدمی سے تمہاری بہت سی غرضیں وابستہ ہوں اس سے تم زیادہ محبت کرو اور اگر وہ کچھ غرضوں کے پورا کرنے سے باز رہے تو تمہاری محبت بھی کم ہو جائے اور زیادہ مطلب برآری ہو تو محبت بھی اور زیادہ ہو جاوے۔ چنانچہ سونا اور چاندی اگر مقدار میں برابر ہوں تو جتنی محبت سونے کی تم کو ہوگی اتنی چاندی کی نہ ہوگی اس لیے کہ جتنی غرضیں سونے سے نکلتی ہیں وہ چاندی کی نسبت کر زیادہ ہوتی ہیں، تو جب محبت کی زیادتی غرض کی زیادتی سے ہو سکتی ہے اور اجتماع اغراض دنیاوی اور اخروی کا محال نہیں اور جس وقت محبت میں دونوں غرضیں ہوں گی وہ منجملہ محبت فی اللہ ہوگی اور محبت فی اللہ کی تعریف یہ ہے کہ جو محبت ایسی ہو کہ اگر خدائے تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ ہوتا تو وہ محبت بھی نہ ہوتی، تو وہ محبت فی اللہ ہوگی۔ اسی طرح جو زیادت محبت کہ خدائے تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان نہ ہونے سے موجود نہ ہو وہ بھی فی اللہ محبت میں سے ہوگی یہ ہر چند رقیق ہے مگر کمیاب ہے۔ جریری نے کہا ہے کہ لوگوں نے قرن اول میں دین کا آتنا برتاؤ کیا کہ دین پتلا ہو گیا پھر دوسری قرن میں وفا کا معاملہ کیا یہاں تک کہ وفا جاتی رہی اور تیسری میں مروت کا تعامل کیا کہ وہ بھی جاتی رہی، اب بجز خوف اور خواہش کے اور کچھ نہیں باقی رہا۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ آدمی دوسرے سے للہ فی اللہ محبت کرے یعنی نہ اس غرض سے کہ اس سے کوئی غرض علمی یا عملی حاصل ہو یا سوائے ذات الہٰی کے اور کوئی مقصود ہو یہ قسم محبت کی سب سے اعلیٰ اور سب سے دقیق اور مخفی ہے مگر تاہم ممکن الوجود ہے اس لیے کہ غلبۂ محبت کی تاثیر یہ ہے کہ محبوب سے محبت متجاوز ہو کر ان لوگوں اور چیزوں پر پہنچتی ہے جو محبوب سے متعلق ہوں گے۔ دور کا علاقہ ہو۔ مثلاً اگر کسی کو دوسرے شخص سے محبت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ محبوب کے محبوب اور خادم اور ثنا خوان سے اور اس شخص سے جس کی تعریف محبوب کرے محبت کیا کرتا ہے اور اس سے بھی محبت کرتا ہے جو محبوب کی رضا میں پیش قدم ہو یہاں تک کہ بقیہ بن ولید کہتے ہیں کہ ایماندار جب دوسرے ایماندار سے محبت کرتا ہے تو اس کے کتے سے بھی محبت کرتا ہے اور واقع میں ان کا قول درست ہے اور تجربہ عشاق کے حالات کا اس کا شاہد ہے اور شعراء کے اشعار سے یہی مضمون ٹپکتا ہے اور بہمیں وجہ محبوب کا کپڑا یا دوسرا نشان رکھ چھوڑتے ہیں اور اس کی یادگار سمجھتے ہیں اور اس کے گھر اور محلہ اور ہمسایوں سے محبت کرتے ہیں چنانچہ مجنون بن عامر نے اس مضمون کا قطعہ کہا ہے۔

میرا گذر دیار میں لیلے کے جب ہوا　　بوسہ پہ بوسہ میں نے در و دیوار کو دیا
تڑپا نہیں دیار کی الفت سے میرا دل　　پر ساکن دیار کی الفت میں مر مٹا

غرضکہ مشاہدہ اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت محبوب کی ذات سے بڑھ کر ان چیزوں پر بھی پہنچتی ہے جو اس کو محیط ہوں یا اس کے اسباب سے متعلق ہوں یا کوئی دُور ہی کی مناسبت اس سے رکھتی ہوں، مگر یہ خاصیت غلبہ محبت کی ہے اصل محبت اس میں کافی نہیں اور جس قدر غلبہ محبت کو قوت ہوتی ہے اسی قدر ذات محبوب سے اس کے گرد کی چیزوں اور اسباب متعلقہ میں زیادہ پھیلتی جاتی ہیں اسی طرح حب اللہ پاک کی محبت غالب ہوتی اور دلوں پر زور سے چھا جاتی ہے اور نوبت شیفتگی تک پہنچتی ہے تو جو چیز اس کے سوا موجود ہے اس کی طرف بھی پھیلتی ہے اس سبب سے کہ ماسوائے کا وجود اس کی قدرت کا نشان ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے اور وہ اس کی صنعت اور کتابت اور تمام افعال سے محبت کرتا ہے۔ اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کوئی نیا پھل آپ کے پاس لاتا تو آپ اس کو اپنی آنکھ سے لگاتے اور اس کی تعظیم کرتے اور فرماتے کہ یہ میرے رب نے ابھی موجود فرمایا ہے (یعنی بہت سے خطاوار ہاتھوں میں نہیں ملا گیا نہ پاؤں میں روندا گیا نہ زمین پر پڑا رہا بلکہ عالم الغیب سے حکم پاکر عالم شہادت میں تازہ وارد ہوا ہے اس کو وہ عالم چھوٹے تھوڑا زمانہ گذرا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کبھی اس لحاظ سے ہوتی ہے کہ آئندہ کو اس کے وعدوں کی توقع اور دولت اخروی کے ملنے کی امید ہوتی ہے اور کبھی اس لحاظ سے کہ اس نے زمانہ سلف میں طرح طرح کی نعمتیں اور احسان عطا فرمائے ہیں اور کبھی صرف لذاتہ ہوتی ہے کوئی اور بات اگلی یا پچھلی نہیں ہوتی اور اقسام محبت میں یہ سب سے دقیق اور اعلیٰ ہے اور اس کا بیان جلد چہارم کے باب المحبت میں مذکور ہوگا۔ بہر حال محبت الٰہی کسی طرح پر ہو جب وہ قوت پکڑتی ہے تو جو چیزیں کسی وجہ کا بھی تعلق اس سے رکھتی ہیں ان میں پھیلتی ہے یہاں تک کہ جو چیزیں فی نفسہ عدد دہندہ اور مکروہ ہوتی ہیں وہ نظر میں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور بر فرط محبت سے ان کا درد نہیں معلوم ہوتا اور یہ درد اس خوشی میں چھپ جاتا ہے کہ یہ کام ہمارے محبوب کا ہے اور اس نے ہماری درد رسانی کا قصد کیا ہے اس کی مثال ایسی جانو جیسے کوئی محبوب اپنے عاشق کو بوجہ عتاب کوئی ضرب لگا دے یا چٹکی لے کہ اس صورت میں فرط محبت سے وہ خوشی ہوتی ہے کہ اس میں درد نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس کو خوش قسمتی اور راحت سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں بعض لوگوں کی یہ نوبت ہو گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مصیبت اور نعمت میں ہم کچھ فرق نہیں کرتے کیونکہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ع

آنچہ از دوست میرسد نیکو ست

اور ہم خوش اس چیز سے ہوتے ہیں جس میں اس کی رضا ہو یہاں تک کہ بعض اس میں سے یہ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی معصیت کرکے اگر مغفرت بھی ملے تو میں اس کو نہیں چاہتا اور سمنونؒ نے اس مضمون کا ایک شعر کہا ہے ؎

ح طبرانی در صغیر بروایت ابن عباس رضؓ و بیہقی در دعوت بروایت ابی ہریرہؓ باندک اختلاف ۱۲

تجھ بن نہیں اے خدا مجھے چین جس طرح سے چاہے آزما لے

اور اس کی تحقیق باب المحبت میں انشاء اللہ آوے گی اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت جب قوی ہوتی ہے تو اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ جو شخص اس کی عبادت کا حق ادا کرے یا اس کی صفت اس کے نزدیک پسند ہو یعنی خوش خلق ہو یا شریعت کے آداب سے متصف ہو اس کے ساتھ بھی محبت کی جاوے۔ اور جو ایماندار کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کا محب ہے اس کے سامنے جب دو آدمیوں کا ذکر کیا جاوے گا کہ ایک عالم اور عابد اور دوسرا فاسق و جاہل ہے تو وہ اپنے دل میں اوّل شخص کی طرف میل پاوے گا پھر میل جس قدر ایمان میں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں ضعف ہو گا اسی قدر ضعیف ہو گا اور جس قدر ان دونوں باتوں میں قوت ہو گی اسی قدر قوی ہو گا اور یہ میل ضرور حاصل ہو گا کہ وہ دونوں شخص غائب ہوں اور اس کو یقین ہو کہ مجھ کو ان دونوں سے دین میں اور دنیا میں کسی قسم کی بہتری یا برائی نہ پہنچے گی تو اس میل کا نام محبت للہ فی اللہ ہے بدون کسی مطلب کے کیونکہ اس سے محبت کرنے کی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہ پسندیدہ ہے اور خدائے تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس کی عبادت میں مشغول ہے اور اگر یہ میل ضعیف ہوتا ہے تو اس کی کچھ تاثیر ظاہر نہیں ہوتی اور نہ اس کا کچھ ثواب اور اجر ظاہر ہو گا مگر جس صورت میں کہ قوی ہوتا ہے تو اس بات کا موجب ہوتا ہے کہ محبوب کا طرف دار ہو جیسے اور جان و مال سے اور زبان سے اس کی مدد کیجیے اور اس باب میں لوگ اس قدر متفاوت ہوتے ہیں جس قدر کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں تفاوت کرتے ہیں اور بالفرض محبت اسی باب پر منحصر ہوتی کہ محبوب سے کوئی حظ حال میں یا مآل میں حاصل ہو تو جو نیک بخت عالم اور عابد اور صحابہؓ و تابعین وفات پا چکے ہیں ان سے محبت ہو ہی نہ سکتی بلکہ انبیاء علیہم السلام سے بھی محبت ممکن نہ تھی حالانکہ ان سب کی محبت ہر مسلمان دیندار کے دل میں مرکوز ہے اور اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے کہ کوئی دشمن اگر ان میں سے کسی کو برا کہتا ہے تو ایماندار کو غصہ آتا ہے اور اگر کوئی ان کی مدح و ثنا بیان کرتا ہے اور ان کی خوبیوں میں رطب اللسان ہوتا ہے تو اس کو خوشی ہوتی ہے اور ان سب کی محبت اللہ کی محبت میں داخل ہے اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بندگانِ خاص ہیں اور یوں دستور ہے کہ جو کوئی بادشاہ سے یا کسی خوبصورت سے محبت کرتا ہے تو اس کے خواص اور خادموں سے اور اس کے محبوب شخصوں سے بھی محبت رکھتا ہے مگر محبت کا امتحان حظوظ نفس کے مقابلہ سے کیا جاتا ہے اور کبھی محبت ایسی غالب ہوتی ہے کہ اپنے نفس میں کوئی خواہش بجز خواہش محبوب کے نہیں ہوتی چنانچہ اسی مضمون کو کسی نے اس شعر میں باندھا ہے ؎

مجھ کو منظور ہے وصل اس کو منظور ہے فراق اس کی مرضی کے لیے اپنی خوشی کو چھوڑا

اور کسی دوسرے نے کہا ہے ؎

جس زخم میں رضا ہو تمہاری نہیں الم جوتا ہماری کھال کا پہنو نہیں ہے غم

؎ ابن حبان و بیہقی اور ضعفا اور دہاتی نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ۱۲

اور کبھی محبت اس طرح ہوتی ہے کہ اس کے باعث بعض حظوظ چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور بعض نہیں چھوڑے جاتے۔ مثلاً نفس یہ گوارا کرتا ہے کہ محبوب کو نصف مال دے دیجیئے یا تہائی یا دسواں حصہ تو چونکہ مال بھی محبوب ہے اس لیے مال کی مقداریں میزان محبت ہوتی ہیں یعنی درجہ محبت کا جب ہی پہچانا جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسرا محبوب ترک کیا جائے پس جس شخص کے سب دل کو محبت گھیر لیتی ہے اس کے دل میں سوائے محبوب کے اور کوئی چیز نہیں رہتی وہ اپنے لیے کچھ مال باقی نہیں رکھتا جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے کہ نہ اپنے لیے اہل رکھا نہ مال، یعنی اپنی لخت جگر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کیا اور تمام مال بھی آپ پر صرف کیا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور آپ کی خدمت میں حضرت ابوبکرؓ ایک کمبل پہنے حاضر تھے جس کے دونوں پلوں کو اپنی چھاتی پر ایک لکڑی یا کانٹے سے ٹانک رکھا تھا کہ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور سلام عزیز علام کی طرف سے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے کہ ابوبکرؓ کو میں دیکھتا ہوں کہ کمبل پہنے ہیں اور اس کے پلوں کو اپنی چھاتی پر خلال سے ٹانک رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا مال فتح مکہ سے پیشتر مجھ پر خرچ کر دیا۔ حضرت جبریل نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کہیے اور یہ فرمائیے کہ تمہارا رب تم سے فرماتا ہے کہ تم اپنی اس فقیری میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوبکرؓ یہ جبریل علیہ السلام ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اپنی فقیری میں اللہ تعالیٰ سے راضی ہو یا ناراض، حضرت ابوبکرؓ روئے اور عرض کیا کہ بھلا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں، اس تقریر سے یہ حاصل ہوا کہ جو شخص کسی عالم یا عابد یا کسی ایسے شخص سے جو علم خواہ عبادت یا خیرات کی رغبت رکھتا ہو محبت رکھے تو اس کی محبت للہ فی اللہ ہوگی اور جس قدر محبت قوی ہوگی اسی قدر اس کو ثواب ہوگا۔ یہ ہے شرح محبت فی اللہ اور اس کے درجات کی اگرچہ اس کے ضمن میں بغض فی اللہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے مگر ہم اس کو جداگانہ لکھتے ہیں۔

بغض فی اللہ کی حقیقت

مخفی نہ رہے کہ جن شخصوں پر فی اللہ محبت کرنی واجب ہے انہیں پر فی اللہ بغض کرنا ضروری ہے مثلاً اگر تم کسی شخص سے بایں وجہ محبت کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور اس کے نزدیک محبوب ہے تو اگر وہ شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو تم کو لازم ہے کہ اس سے بغض رکھو اس لیے کہ وہ خدائے تعالیٰ کا نافرمان اور اس کے نزدیک مستحق خفگی ہوا۔ غرضکہ محبت اگر کسی سبب سے ہوتی ہے تو اس کی ضد سے بغض ہوا کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں لازم اور ملزوم ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتی اور یہ قاعدہ محبت اور بغض فی العادت میں عام ہے مگر ہر ایک ان میں سے دل میں گڑی رہتی ہے اور غلبہ کے وقت ظاہر ہوتی ہے اور اسی کے بموجب افعال مترشح ہوتے ہیں یعنی بااقتضائے محبت قرب اور موافقت ظاہر ہوتی ہے۔ اور بغض کی صورت میں بُعد اور مخالفت مترشح ہوتی ہے اور فعل میں ظاہر ہونے کے بعد اول صورت میں موالات بولی جاتی ہے اور دوسری میں معادات اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ تو نے میرے باب میں کسی سے موالات یا معادات کی ہے کہ نہیں جیسے ہم

نے پہلے ذکر کیا اور یہ دونوں مفرد ہونیکی صورت میں تو ظاہر ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کی طاعت ہی تم کو معلوم ہو تو تم اس بات پر قادر ہو کہ اس کے ساتھ محبت کر دیا کسی کا فسق و فجور ہی تم کو معلوم ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم اس سے بغض رکھو لیکن مشکل اس صورت میں ہے کہ طاعت اور معاصی ملے ہوں کہ تم یہ کہو گے کہ محبت اور بغض تو ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ دونوں کیسے جمع کروں، اسی طرح ان کے نتائج مختلف ہیں یعنی موافقت اور مخالفت اور موالات اور معادات کہ دونوں ایک ساتھ کیسے کیے جا دیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے حق میں ان دونوں باتوں سے تناقض نہیں جیسے کہ خطوط انسانی میں بھی تناقض نہیں کیونکہ ایک شخص میں چند خصلتیں جمع ہوں کہ کچھ ان میں محبوب ہوں اور کچھ مکروہ تو تم کو اس شخص کے ساتھ بعض وجوہ سے محبت ہو گی اور بعض سے بغض مثلاً کسی کی بی بی نہایت خوبصورت ہے مگر بد ذات ہے یا لڑکا ذکی خدمتگار ہے مگر بدکار ہے تو اب ظاہر ہے کہ اس کو ان دونوں سے من وجہ محبت ہو گی اور ایک وجہ سے بغض ہو گا تو اس کا حال ان کے ساتھ دو حالتوں کے درمیان میں ہو گا نہ محض محبت ہو گی نہ صرف بغض اسی طرح اگر ایک شخص کے بالفرض تین لڑکے ہوں ایک ذکی اور خدمتگار ہو اور دوسرا غبی اور نافرمان اور تیسرا غبی اور خدمتگزار یا ذکی اور نافرمان ہو تو وہ اپنے جی میں ان تینوں کے ساتھ تین حالتیں متفاوت رکھے گا جیسے ان تینوں کی خصلتیں متفاوت ہیں اسی طرح تمہارا حال بھی لوگوں کے ساتھ متفاوت ہونا چاہیے جس شخص پر غلبۂ فجور ہو اس کے ساتھ بغض اور اعراض . . . . . اور جس پر غلبۂ اطاعت ہو اس کے ساتھ محبت اور التفات اور صحبت ہو اور جس میں دونوں چیزیں جمع ہوں اس کے ساتھ کچھ محبت کی باتیں اور کچھ بغض کی ہوں۔ اب اگر یہ کہو کہ ہر ایک مسلمان کے حق میں اسلام طاعت ہے تو باوجود اسلام کے اس سے بغض کیسے کیا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اس سے محبت کرو اور معصیت کی وجہ سے بغض کرو اور ایسی صورت اس کے ساتھ رکھو کہ اگر مثلاً اس کو کافر کی یا بدکار کی حالت پر قیاس کرو تو دونوں میں کچھ فرق معلوم ہو گا۔ یہی فرق اسلام کی وجہ سے محبت ہے اور اسی سے حق اس کا ادا ہو جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کے حق میں طاعت اور قصور کو ایسا سمجھو جیسے اپنے حق کی طاعت اور قصور کو جانتے ہو۔ مثلاً جو شخص ایک غرض میں تمہاری مساعدت کرے اور دوسری میں مخالفت تو اس کے ساتھ ایک درمیانی حالت میں رہو کہ نہ راضی رہو نہ ناراض اور نہ التفات ہو اور نہ اعراض اور نہ محبت ہو نہ نفرت اور نہ اتنا مبالغہ اس کی تعظیم میں کرو جتنا اس شخص کے لیے کرتے ہو جو تمام غرضوں میں تمہارا موافق ہو اور نہ اتنی زیادتی اس کی اہانت میں کرو جتنی اس شخص کے لیے کرو جو سب غرضوں میں تمہارا مخالف ہو پھر اس حالت درمیانی کا میل کبھی تو اہانت کی طرف ہو جاتا ہے جبکہ قصور کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی تعظیم کی طرف جس صورت میں کہ غلبۂ موافقت ہوتا ہے تو اسی طرح تمہارا حال اس شخص کے ساتھ میں ہونا چاہیئے جو کبھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور کبھی معصیت اور بعضے اوقات اس کی رضا کا متعرض ہو اور کبھی اس کی خفگی کا۔ اب اگر یہ پوچھو کہ بغض کا اظہار کونسی بات سے ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قول سے بھی ممکن ہے اور فعل سے بھی، قول سے اس طرح کہ کبھی تو اس سے گفتگو کرنی ترک کر دے اور کبھی سخت و سست کہے اور خفیف کرے اور فعل سے اس طرح کہ کبھی تو اس کی اعانت میں سعی نہ کرے اور کبھی اس کی برائی اور کام بگاڑنے میں

کوشش کرے اور ان باتوں میں بغض بہ نسبت باقی کے زیادہ سخت ہے مگر فسق و معصیت جو اس شخص سے سرزد ہوں ان کے مطابق ہونی چاہیے جیسی خطا کرے اسی قسم کا بغض کیا جاوے لیکن جو لغزش اس طرح کی اس سے سرزد ہو کہ معلوم ہو کہ وہ خود اس پر نادم ہے اور آگے کو اصرار نہ کرے گا تو بہتر یہ ہے کہ اس سے چشم پوشی اور درگذر کی جاوے اور اگر کسی صغیرہ یا کبیرہ پر اصرار کرے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ تم میں اور اس شخص میں اگر پہلے سے پکا یارانہ اور صحبت اور الفت ہے تو اس کا حکم اور ہے جس کو ہم آگے بیان کریں گے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے لیکن اگر الفت اور صحبت موکدہ نہ ہو تو بغض کے آثار کا ظاہر کرنا ضروری ہے یا تو اس طرح کہ اس سے اعراض کرکے علیحدگی اختیار کرے اور توجہ کم کردے یا اس کو زبان سے سخت و سست کہہ کر خفیف کرے یہ صورت اعراض کی نسبت کہ سخت ہے تو خفیف معصیتوں میں اعراض کا استعمال کرنا چاہیے اور سخت معصیتوں میں برا بھلا کہنا، اسی طرح فعل سے بغض ظاہر کرنے کے بھی دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ اس کی اعانت اور رفاقت اور مساعدت ترک کی جائے یہ ادنیٰ مرتبہ ہے اور دوسرا یہ کہ اس کا کام بگاڑ اور کوئی غرض اس کی پوری نہ ہونے دے جیسے دشمن ایک دوسرے کے مطالب کے مانع ہوتے ہیں مگر یہ صورت انہی مطالب میں برتنی چاہیے جن سے طریق معصیت خراب ہو جاوے اور وہ معصیت نہ کرنے پاوے اور جن مطالب کی تاثیر معصیت کے ترک کرنے میں نہ ہو ان کا بگاڑنا نہیں چاہیے۔ مثلاً ایک شخص نے شراب خواری سے خدائے تعالیٰ کی معصیت کی اور اب وہ ایک عورت سے نسبت چاہتا ہے کہ اگر بالفرض اس سے نکاح ہو جاوے تو لوگ اس کے مال اور جمال اور جاہ پر رشک کریں لیکن اس کا نکاح نہ تو مانع اس کی شراب خوری کا ہے اور نہ باعث ترغیب مے نوشی ہے۔ اب اگر تم کو یہ قدرت ہو تو چاہو تو اس کی اعانت کرکے اس کا نکاح کرادو اور چاہو کوئی رخنہ ڈال کر نکاح نہ ہونے دو تو اس صورت میں تم کو یہ ضرور نہیں کہ خواہی نخواہی اس کے مطلب کے فوت میں کوشش کرو۔ ہاں اگر اعانت اپنے غصّہ کے ظاہر کرنے کو نہ کرو تو کچھ مضائقہ نہیں مگر اعانت کا ترک کرنا واجب نہیں کیونکہ کیا عجب ہے کہ تمہاری نیت اعانت سے یہ ہو کہ ہماری وجہ سے اس کا کام اگر نکل جائے گا تو یہ ہماری دوستی کا معتقد ہو کر جو کچھ ہم کہیں گے اس کو وہ مان لے گا تو ایسی نیت پر اعانت کرنی بہتر ہے اور اگر یہ نیت نہ ہو تب بھی برعایت ادائے حقِ اسلام اس کی اعانت ممنوع نہیں بلکہ اگر اس نے کوئی قصور خاص تمہارے کسی متعلق کا کیا ہو تو اس وقت اس کے انجاح مرام میں اعانت کرنی بہت بہتر ہے۔ اور اسی باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے[1] ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ مسطح بن اثاثہ نے حضرت عائشہ رضؓ کے بہتان میں شرکت کی تھی اور حضرت ابوبکر رضؓ ان کو کچھ مال پہلے دیا کرتے تھے اس واقعہ کے بعد آپ نے قسم کھائی کہ اس کو کچھ نہ دوں گا۔ تب یہ آیت اتری تو باوجودیکہ مسطح کی خطا ایسی بڑی تھی کہ اس سے زیادہ

---

[1] اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں اور کشائش والے اس سے کہ دیویں ناتے والوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرے تم کو ۱۲ ح [2] بخاری و مسلم براویت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲

اور کوئی نہیں یعنی حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت گستاخی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی بی بی پر زبان درازی کی مگر چونکہ اس حادثہ میں گویا قصور حضرت ابوبکر صدیق کا کیا تھا اور صدیقوں کی عادت یہ ہے کہ جو شخص ان پر ظلم کرے اس کو معاف کریں اور جو ان کے ساتھ برائی کرے اس پر احسان کریں لہٰذا یہ آیت اتری اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مسطح کا دینا موقوف کر دیا تھا اس کو جاری کر دیا اور اس مضمون پر کاربند ہوئے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا　　اگر مردی اَحْسِنْ اِلیٰ مَنْ اَسَا

اور احسان اسی پر اچھا ہوتا ہے جو اپنے اوپر ظلم کرے لیکن جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کرے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو اس پر احسان کرنا اچھا نہیں اس لیے کہ ظالم پر احسان کرنا مظلوم کے ساتھ برائی کرنی ہے حالانکہ مظلوم کے حق کا لحاظ کرنا اور ظالم سے اعراض کر کے اس کے دل کو قوی کرنا خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس سے اچھا ہے کہ ظالم کے دل کو تقویت ہو لیکن جس صورت میں کہ تم خود مظلوم ہو تو تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ معاف کر دو اور درگذر کرو۔ اور سلف کے طریق اہل معاصی پر بغض ظاہر کرنے کے باب میں مختلف ہیں مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ ظالموں اور بدعتیوں اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کی معصیت ایسی کریں جس کا ضرر دوسروں کو پہنچے، بغض کا اظہار چاہیے اور جن لوگوں نے کہ معصیت خود اپنے حق میں کی تو اس باب میں سلف کے طریق مختلف ہوئے کسی نے تمام اہل معصیت پر رحم کی نگاہ کی اور بعض نے بہت مبالغہ انکار میں کیا اور ان سے ملنا چھوڑ دیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ادنیٰ بات میں اکابر کا ملنا ترک کر دیتے یہاں تک کہ یحییٰ بن معین کے اس قول پر کہ میں کسی سے نہیں مانگتا اور اگر بادشاہ مجھ کو کچھ بھیج دے گا تو میں لے لوں گا۔ ان سے ملنا چھوڑ دیا۔ اسی طرح حارث محاسبی رحمہ اللہ سے ملاقات ترک کر دی کہ انہوں نے ایک کتاب فرقہ معتزلہ کے رد میں لکھی تھی اور فرمایا کہ تم پہلے ان کا اعتراض نقل کرتے ہو تب جواب دیتے ہو تو لوگوں کو ان شبہات میں خود ڈالتے ہو۔ اور ابو ثور سے اس وجہ سے ملنا چھوڑ دیا کہ انہوں نے اس حدیث کی تاویل کی تھی[ح] ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ اور درگذر کرنا ایک امر ہے جو نیت کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور اختلاف حال کے باعث نیت مختلف ہوتی ہے پس اگر دل پر یہ گمان غالب ہو کہ مخلوق مضطر اور عاجز ہیں جو ان کی تقدیر میں لکھا گیا ہے اس کے مسخر ہیں تب تو عداوت اور بغض میں تساہل کا موجب ہوگا اور اس کی بھی ایک وجہ ہے لیکن کبھی اس طرح کی حالت مداہنت میں سے مشتبہ ہو جاتی ہے کہ اکثر معاصی سے چشم پوشی کی وجہ مداہنت ہوتی اور لوگوں کی دلداری اور یہ خوف کہ کہیں لوگ مجھ سے وحشت اور نفرت نہ کرنے لگیں اور شیطان اس بات کو جاہل احمق کے خیال میں یوں ڈالتا ہے کہ میں لوگوں کو بہ نظر رحم دیکھتا ہوں کہ یہ حرکت ان سے بوجہ اضطرار اور مجبور ہونے کے سرزد ہوئی ہے اور اس کے سرزد ہونے کی کسوٹی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا کوئی قصور کرے اور اس وقت بھی مجرم کو یہ شخص بہ نظر رحم دیکھے اور کہے کہ شدنی یہی تھی کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی یہ حرام تو اس پر لکھا ہوا تھا اس کا مرتکب کیسے نہ ہوتا تب تو خدائے تعالیٰ کے حق میں قصور پر اغماض کرنا صحیح ہوگا اور اگر اپنے قصور پر تو جل مریں اور خدائے تعالیٰ کے قصور پر اغماض کریں تو یہ صورت مداہنت اور لوگوں کی رعایت اور شیطان کے دھوکے کی ہے اس سے آگاہ رہنا چاہیے اب اگر یہ کہو کہ ادنیٰ درجہ بغض کے اظہار کا ترک ملاقات اور اعراض کرنا اور رفاقت اور اعانت کا قطع کر ڈالنا ہے تو

ح اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر مسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

کیا یہ باتیں واجب ہیں کہ اگر بندہ ایسا نہ کرے تو گنہگار ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم ظاہر میں یہ باتیں تکلیف کے اندر داخل نہیں اور نہ ان کے واجب ہونے کا حکم پایا جاتا ہے اس لیے کہ قطعاً ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کرام کے زمانہ میں شراب پی اور برائیاں کیں وہ ملاقات میں بالکل چھوڑے نہ جاتے تھے بلکہ یوں ہوتا تھا کہ بعض لوگ تو ان کو سخت و سست کہتے تھے اور اظہار بغض کرتے تھے اور بعض ان سے اعراض کرتے تھے اور ان سے کسی طرح مزاحمت نہ کرتے تھے اور بعض ان کو بہ نظر رحمت دیکھتے تھے اور ان سے بیر کرنا اور دور رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ غرضکہ دینی دقائق میں طریق آخرت کے چلنے والوں کی راہیں ان میں مختلف ہیں ہر ایک کا عمل اسی طرح کا ہوتا ہے جس کو اس کا حال مقتضی ہو اور مقتضائے احوال ان امور میں یا کراہت ہے یا استحباب تو بھی ان باتوں کا ذکر کرنا فضائل کے رتبہ میں ہوگا، حرمت یا واجب ہونے کی حد کو نہ پہنچے گا اس لیے کہ تکلیف شرعی میں تو اصل معرفت اللہ تعالیٰ کی اور صرف محبت داخل ہے اور یہ محبت کبھی محبوب سے متعدی ہو کر اس کے غیر پر پہنچتی ہے اور متعدی وہی محبت ہے جو درجہ افراط اور استیلاء کو پہنچے تو اس درجہ کی محبت عوام خلق کے حق میں فتویٰ کی رو سے ہرگز تکلیف شرعی میں داخل نہیں۔

بغض فی اللہ کے مراتب

اب اگر یہ کہو کہ فعل سے بغض و عداوت کا ظاہر کرنا گو واجب نہیں مگر اس کے مستحب ہونے میں تو شک نہیں اور عاصی اور فاسق مراتب مختلف پر ہیں تو ان سے معاملہ کرنے میں فضل کیسے حاصل ہو اور سب کے ساتھ ایک طرح چلنا چاہیے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مخالف حکم خدائے تعالیٰ کا دو قسم ہے ایک مخالف العقیدہ دوم مخالف در عمل، اور مخالف فی العقیدہ تین طرح پر ہو سکتا ہے یا کافر یا بدعتی اور بدعتی دو حال سے خالی نہیں یا دوسروں کا اپنی بدعت کی طرف طالب ہے یا اپنے عجز اور اختیار سے خاموش ہے۔ اب تینوں کو جدا جدا سنو۔ اول کافر کا حکم دریافت کرو کہ اگر حربی ہو تو مستحق قتل اور غلام بنانے کا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بڑھ کر کوئی اہانت نہیں اور اگر ذمی ہو تو اس کو ایذا دینا جائز نہیں بجز اس کے کہ اس سے اعراض کیا جاوے اور راستوں میں دب کر نکلے اور سلام کی ابتداء اپنی طرف سے نہ ہو اور اگر وہ السلام علیک کہے تو جواب میں وعلیک کہہ دیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس سے گفتگو اور معاملہ اور ساتھ کھانا نہ کیا جائے لیکن انبساط اور اختلاط جیسا دوستوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ تو سخت مکروہ ہے گویا کہ اختلاط کوئی حرمت کی حد کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم الایۃ اور فرمایا[ت۲] یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۳] المسلم و المشرک لا تتراءی ناراھما۔ دوم وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف دوسروں کا طالب ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر

ت۱ تو نہ دیکھے گا کوئی لوگ جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر پھر دوستی کریں وہ ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا بیٹے ہوں ت۲ اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست ۱۲ ح۳ مسلمان اور مشرک اتنی دور ہیں کہ ان میں سے ایک کی آگ دوسرے کے نظر نہ آوے۔ ابوداؤد و ترمذی بروایت جریر و نسائی مرسلاً اور بقول بخاری مرسل واضح ہے ۱۲

بدعت ایسی ہو کہ اس سے کافر ہو جاتا ہو تو اس کا معاملہ ذمی سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ وہ نہ اقرار جزیہ کا کرے اور نہ عقد ذمہ کے لیے مانع۔ اور اگر ایسی بدعت ہو کہ اس سے کافر نہ ہوتا ہو، تو اس کا معاملہ جو اس میں اور اللہ تعالیٰ میں ہے کافر کی نسبت کہ خفیف ہے مگر اہل اسلام کو اس پر انکار کرنا کافر کی نسبت کہ زیادہ چاہیئے اس لیے کہ کافر کی بُرائی مسلمانوں پر متعدی نہیں کہ وہ اس کے کفر کے معتقد ہیں اور یہی وجہ اس کے قول پر التفات نہیں کرتے اور نہ وہ دعویٰ اپنے مسلمان ہونے اور اعتقادِ حق کا کرتا ہے بخلاف بدعتی کے کہ جو طالب اپنی بدعت کی طرف ہو وہ یہی کہتا ہے کہ جس چیز کی طرف میں بلاتا ہوں وہی حق ہے پس وہ خلق کی گمراہی کا باعث ہے اور اس کی بُرائی دوسروں کو لگتی ہے تو اس پر بغض کرنا ظاہر ہے اور اس سے عداوت رکھنی اور ترکِ ملاقات کرنی اور اس کی بدعت کی وجہ سے اس کی حقارت کرنی اور اس کو بُرا کہنا اور لوگوں کو اس کے پاس نہ آنے دینا نہایت درجہ کو مستحب ہے اور اگر وہ تنہائی میں سلام کرے تو جواب دینے میں کچھ مضائقہ نہیں، اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس سے اعراض کرنا اور جواب کا نہ دینا اس کے دل میں بدعت کو بُرا کر دے گا اور اس کی زجر و توبیخ میں اثر کرے گا تو اس صورت میں جواب کا نہ دینا بہتر ہے اس لیے کہ جواب سلام اگرچہ واجب ہے مگر ادنیٰ اغراض مصلحت آمیز کے باعث ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً آدمی اگر حمام میں ہو یا قضائے حاجت کرتا ہو تو جواب اس پر سے ساقط ہے اور بدعتی کا زجر کرنا ان غرضوں کے نسبت کہ زیادہ ضروری ہے۔ اگر سلام مجمع میں کرے تو جواب کا ترک کرنا بہتر ہے کہ لوگ اس سے نفرت کریں اور اس کی بدعت کو بُرا سمجھیں اور اسی طرح اس پر سلوک نہ کرنا اور اس کی مدد نہ کرنی خصوصاً ان امور میں جو لوگوں پر ظاہر ہوں بہتر بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] جو شخص بدعت والے کو جھڑکے اور اس کے قول و فعل کو نہ مانے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا اور جو شخص بدعت کی اہانت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن امن دے گا اور جو شخص اس سے نرمی کرے گا یا اس کی تعظیم کرے گا یا بکشادہ پیشانی اس سے ملے گا تو وہ اس بات کو خفیف جانے گا جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔ سوم عامی بدعتی جو دوسروں کو اپنے عقیدہ کی طرف نہ بلاوے اور نہ اس کی اقتدا کا خوف ہو تو اس کا معاملہ آسان ہے اس کے ساتھ یوں کرنا چاہیئے کہ ابتدا ہی سے سخت کہنا اور اہانت نہ چاہیئے بلکہ نرمی سے اس کو نصیحت کرنی چاہیئے کیونکہ عوام کے دل جلد بدل جاتے ہیں۔ اور اگر نصیحت مفید نہ ہو اور اعراض کرنے سے بدعت اس کی نظروں میں بُری ہوتی ہو تو اعراض زیادہ مستحب ہو جاوے گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ خواہ کچھ کرو وہ کاٹھ کا اُلو ہی رہے گا کہ دل میں جو بات جم گئی وہ نہ نکلے گی اور طبیعت کند ہے تو اس صورت میں بھی اعراض اولیٰ ہے کیونکہ بدعت کے قبیح کر دینے میں اگر مبالغہ نہیں کیا جاتا تو پھیل جاتی ہے اور اس کا فساد عام ہو جاتا ہے۔ اب اس کا حال سنو جو عمل اور فعل سے معصیت کرے اور عقیدہ میں مخالف نہ ہو۔ پس اس کی معصیت یا تو ایسی ہو گی کہ اس سے دوسروں کو ایذا ہو جیسے ظلم اور غصب اور جھوٹی گواہی اور غیبت اور لوگوں کو بھڑا دینا اور چغلی وغیرہ کھانا اور یا ایسی ہو گی کہ اس سے دوسروں کو ایذا نہ ہو، اور یہ بھی دو حال سے خالی نہیں، ایک یہ کہ دوسروں کو شر اور فساد کی طرف لاوے جیسے وہ شخص کہ شراب پیتا ہے یا زنا کرتا ہے پھر یہ بھی دو قسم ہے یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے یا صغیرہ کا اور دونوں صورتوں میں

ح۱ ابونعیم در حلیہ بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲

اصرار کرتا ہے یا نہیں تو ان سب قسموں میں سے تین قسمیں حاصل ہوتی ہیں اور ہر ایک قسم کے لیے ایک مرتبہ ہے کہ کسی میں شدت زیادہ ہے کسی میں کم اور سب کے ساتھ ایک چال نہیں چلا جاتا **پہلی قسم** معصیت کی جو سب میں شدید ہے وہ ہے جس سے لوگوں کو ضرر ہو مثلاً ظلم اور غصب اور جھوٹی گواہی اور غیبت اور چغلی تو جو لوگ ان حرکات کے مرتکب ہوں گے بہتر ہے کہ ان سے اعراض کیا جاوے اور ان کے معاملہ سے کشیدگی ظاہر کی جاوے اس لیے کہ جس معصیت سے خلق کو ایذا ہو وہ سخت ہوتی ہے۔ پھر اس قسم کی معصیت بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً جو شخص خون کا ظلم کرتا ہے اور دوسرا مال کا تیسرا آبرو کا اور ایک دوسرے سے سخت ہیں تو ان کی اہانت کرنی اور ان سے اعراض کرنا نہایت موکد ہے اور جس صورت میں کہ اہانت سے یہ توقع ہے کہ ان کو یا غیروں کو توبیخ ہوگی تو اس صورت میں حکم اور زیادہ موکد اور سخت ہوگا۔ **دوسری قسم** کا عاصی خراباتی ہے جو اسباب فساد کو آمادہ کرتا ہے اور خلق پر طریق فساد کو آسان کرتا ہے تو یہ ہر چند مخلوق کو دنیا میں ایذا نہیں دیتا مگر اپنے فعل سے ان کا دین چھینتا ہے گو ان کی مرضی سے ہو تو یہ بھی اول قسم کے قریب ہے گو اس سے ہلکا ہے کیونکہ جو گناہ بندہ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے ہر چند عفو کے قریب ہے مگر اس جہت سے کہ وہ فی الجملہ دوسروں کی طرف متعدی ہوتا ہے سخت یقیناً ہے تو ایسے شخص کا حکم بھی یہ ہے کہ اس کی اہانت کی جائے اور اعراض اور علیحدگی اور سلام کا جواب نہ دینا عمل میں آوے بشرطیکہ یہ گمان ہو کہ اس سے اس کو خواہ غیروں کو کسی قسم کا زجر ہوگا۔ **سوم قسم** وہ گنہ گار جو خود شراب خواری یا کسی واجب کے ترک کرتے یا امر ذاتی ممنوع کے مرتکب ہونے سے فاسق ہوتا ہے تو اس کا معاملہ خفیف ہے لیکن اس گناہ کے ارتکاب کے وقت اگر دیکھ لیا جائے تو ایسی طرح اس کا روکنا واجب ہے جس سے وہ باز رہے گو مار نے سے ہو یا خفیف کرنے سے اس لیے کہ بری بات سے منع کرنا واجب ہے اور اگر وہ گناہ سے فارغ ہو چکا اور معلوم ہے کہ یہ فلاں گناہ کا عادی ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے تو اگر یہ ثابت ہو کہ نصیحت کرنے سے دوبارہ نہ کرے گا تو دوبارہ نصیحت کرنا واجب ہے اور اگر یقینی معلوم نہیں کہ باز آوے مگر ظن غالب ہے تو افضل ہے کہ نصیحت اور زجر نرمی سے کیا جائے یا اگر سختی سے مفید پڑے تو سختی سے زجر کیا جاوے اور جس صورت میں کہ معلوم ہو کہ وہ اصرار کرتا ہے اور نصیحت اس کو کارگر نہیں تو اس کے سلام کے جواب نہ دینے اور اس کے اختلاط سے باز رہنے میں کلام ہے اور علماء کا اس باب میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کا مدار آدمی کی نیت پر ہے کہ مدار اعمال نیتوں پر ہوا کرتا ہے کیونکہ نرمی کرنے اور خلق کو نظر رحمت سے دیکھنے میں ایک طرح کی تواضع و انکسار ہے اور درشتی اور اعراض میں ایک گونہ زجر ہے تو آدمی اس کا حکم دل سے پوچھے اور جس بات کو اپنی خواہش نفس اور مقتضائے طبع کے پاوے اس کا الٹا کرے کیونکہ اس کا خفیف کرنا اور اس پر درشتی برتنی کبھی تکبر اور شیخی سے ہوتی ہے اور اپنی برتری کا اظہار اور نیک بختی پر گھمنڈ ہوتا ہے اسی طرح ملائمت بعض اوقات مداہنت کے سبب سے اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے سے ہوتی ہے کہ اس سے کوئی اپنا مطلب نکلنا مقصود ہوتا ہے۔ یا بظن قریب خواہ بعید یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں لوگوں کی وحشت اور نفرت ہمارے جاہ یا مال میں تاثیر نہ کر جائے اور یہ سب باتیں اشارات شیطانی کے بموجب چلنے کی ہیں اہل آخرت کے اعمال سے بعید ہیں غرضکہ جو شخص کہ اعمال دین کا راغب ہے وہ اپنے نفس کے ساتھ ان دقائق کے

کر بیدنے اور ان حالات کی نگرانی میں اجتہاد کرتا ہے اور اس باب میں دل مفتی ہوتا ہے اور کبھی تو اپنے اجتہاد میں حق کو پہنچتا ہے اور کبھی چوک جاتا ہے اور کبھی جان بوجھ کر اپنی خواہش نفس کی اتباع کر بیٹھتا ہے اور کبھی اس دھوکہ میں اقدام کرتا ہے کہ اس کو یہی گمان ہوتا ہے کہ میں خدائے تعالیٰ کے لیے عمل کرتا ہوں اور راہ آخرت پر چلتا ہوں اور ان دقائق کا بیان تیسری جلد کے باب الغرور میں . . . آوے گا اور جو فسق اس طرح کا ہے کہ اس کا گناہ بندہ اور خدائے تعالےٰ کے درمیان ہے اور اس کا ضرر خاص عاصی ہی پر ہے دوسرے پر نہیں۔ اس کے معاملہ کے ہلکا ہونے کی دلیل یہ روایت[1] ہے کہ ایک شراب پینے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئی بار پیٹا گیا پھر وہ دوبارہ وہی حرکت کرتا تھا اور پکڑ آتا تھا ایک نے اصحاب سے کہا کہ خدا اس پر لعنت کرے بہت ہی شراب پیتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی پر شیطان کا مددگار نہ ہو یا اور کوئی لفظ فرمایا جس کا مضمون یہ تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ملائمت کرنی بہ نسبت درشتی اور سختی کے بہتر ہے۔

مصاحبت کے لئے صفات

واضح ہو کہ ایک انسان اس بات کی لیاقت نہیں رکھتا کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ آدمی اپنے خلیل کے طریق پر ہوتا ہے تو تم میں سے کوئی جس کسی کو خلیل بناوے اس کو دیکھ بھال لیوے پس ضرور ہے کہ آدمی کچھ خصلتوں اور صفتوں سے متمیز ہوں، جن کے سبب سے اس کی صحبت کی رغبت ہو اور جو فوائد کہ صحبت سے مطلوب ہیں ان کے لحاظ سے ان خصلتوں کا ہونا شرط ہونا چاہیئے اس لیے کہ شرط اسی کو کہتے ہیں جس کا پایا جانا مقصود تک پہنچنے کے لیے ضروری ہو تو معلوم ہوا کہ شرطوں کا ظہور بلحاظ مقصود کے ہوتا ہے۔ اب صحبت سے فوائد دنیاوی اور دینی دونوں مطلوب ہوتے ہیں۔ دنیاوی فوائد جیسے مال سے یا جاہ سے نفع لینا یا صرف دیدار اور ہم نشینی سے دل کا بہلانا وغیرہ اور ہم کو ان کا بیان کرنا منظور نہیں۔ اور فوائد دینی میں بھی بہت سی غرضیں مجتمع ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ علم و عمل کا استفادہ منظور ہو، دوم جاہ سے استفادہ بایں لحاظ کہ جو لوگ دل کو پریشان کریں اور عبادت سے مانع ہوں ان کی ایذا سے محفوظ رہے۔ سوم استفادہ مال سے تاکہ غذا کی طلب میں اوقات ضائع نہ ہوں اور عبادت میں اس سبب سے بے فکری نہ ہو جائے۔ چہارم ضروریات میں مدد لینا تاکہ مصیبت اور حوادث میں کام آوے پنجم صرف دعا کی برکت حاصل کرنی ششم آخرت میں اس کی شفاعت کی توقع کرنی۔ چنانچہ بعض اکابر سلف نے فرمایا ہے کہ دوست بہت سے پیدا کرو کہ ہر ایماندار شفاعت کرے گا، تو کیا عجب ہے کہ تم کسی اپنے دوست کی شفاعت میں داخل ہو جاؤ اور ایک غریب تفسیر میں[3] ویستجیب الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات ویزیدھم من فضلہ کے معنی یوں مذکور ہیں کہ ایمانداروں کی شفاعت دوستوں کے باب میں قبول فرما کر دوستوں کو ان کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ بندہ کی جب مغفرت ہو جاوے گی تو وہ اپنے دوستوں کے لیے سفارش کرے گا اور اسی لیے

---

[1] بخاری بروایت ابوہریرہؓ [2] ابو داؤد و ترمذی و حاکم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲

[3] اور وہ سنتا ہے ایمان والوں کی جو بھلے کام کرتے ہیں اور بڑھتی دیتا ہے ان کو اپنے فضل سے ۱۲

سلف کے کچھ لوگوں نے صحبت اور الفت اور اختلاط کی ترغیب دی ہے اور تنہائی اور جدا رہنے کو برا سمجھا ہے۔ پس یہ فوائد دینی ہیں کہ ہر ایک فائدہ ان میں سے کچھ شرطیں چاہتا ہے کہ بدون ان کے حاصل نہ ہوگا اور ان کی تفصیل طویل ہے مگر مجملاً یہ ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کی جائے اس میں پانچ باتیں ہونی چاہئیں اول عقل، دوم خوش خلقی، سوم یہ کہ بدکار نہ ہو، چہارم یہ کہ بدعتی نہ ہو، پنجم یہ کہ دنیا کا حریص نہ ہو، عقل کا ہونا اسلیے چاہیئے کہ راس المال دراصل یہی ہے، احمق کی صحبت میں کچھ خیر نہیں اور اس کا انجام وحشت اور جدائی ہے کہ کتنی ہی مدت کی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ؎

مان میرے قول کو تو جاہلوں سے کر گریز — دوستی جاہل کی کر دیتی ہے عاقل کو بباد
صحبت ناجنس کا انجام ہے ہوتا یہی — لفظ جاہل سے تجھے بیشک کرے گی خلق یاد
دل کو دل سے راہ ہے اور چیز کا شے پر قیاس — ہے اثر صحبت کو پیارے کر لے اسکو دل نہاد

اور سعدی شیرازی نے پند نامہ میں گویا یہی مضمون کہا ہے ؎

ز جاہل حذر کردن اولیٰ بود — کز و ننگ دنیا و عقبیٰ بود

کیونکہ ممکن ہے کہ احمق آدمی قصد دوست کے نفع اور اعانت کا کرے اور اس کے حق میں موجب ضرر ہو اور اس احمق کو خبر بھی نہ ہو۔ اور اس لیے کسی شاعر نے یہ قطعہ کہا ہے (قطعہ)

گر عدو ہوئے خردمند نہیں مجھ کو ڈر — دوست سے ڈرتا ہو جو ہووے گرفتار جنون
فن واحد ہے خرد اس کا طریقہ معلوم — تاک سکتا ہوں اسے لیک جنوں کے ہیں فنون

اور اسی لیے کہتے ہیں کہ احمق سے جدا رہنا اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنا ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ احمق کے چہرہ کو دیکھنا خطاء مکتوب ہے اور ہماری غرض عاقل سے یہ ہے کہ جو باتوں کو ایسی طرح سمجھے جس طرح نفس الامر میں ہیں اگر خود سمجھے فبہا ورنہ سمجھانے اور سکھانے کے بعد اصل اور تہ کو معلوم کرلے اور خوش خلقی کی ضرورت اس لیے ہے کہ اکثر عاقل چیزوں کو مطابق نفس الامر کے سمجھتے ہیں مگر جب ان پر غصہ یا شہوت کا غلبہ ہوتا ہے یا بخل یا نامردی کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ اپنی خواہش کی اطاعت کر جاتے ہیں اور جو بات ان کو اچھی معلوم ہوتی ہے اس کے خلاف کرتے ہیں اس لیے کہ اپنی صفات کے زیر کرنے اور اخلاق کے درست کرنے سے عاجز ہوتے ہیں تو ایسوں کی صحبت سے کچھ نفع نہیں اور فاسق سے نہ ملنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ جو فاسق اپنے فسق پر اصرار کرے اس کی صحبت میں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہے وہ کبیرہ پر اصرار نہیں کرتا اور جو شخص خدائے تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس کے فساد سے مامون رہنا اور اس کی دوستی پر اعتماد نہ کرنا چاہیے، وہ تو غرضوں کے متغیر ہونے سے بدلتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه اور فرمایا[ت۲] فلا يصدنك عنها من لا يؤمن بها واتبع هواه

ت ۱ اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے لگا ہے اپنے چاؤ کے ۱۲

ت ۲ اور کہیں تجھ کو نہ روک دیں اس سے وہ جو یقین نہیں رکھتا اس کا اور پیچھے پڑا ہے وہ اپنے مزوں کے ۱۲

اور فرمایا[ت۱] فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوٰۃ الدنیا اور فرمایا[ت۲] واتبع سبیل من اناب الیّ اور اس کے مفہوم سے فاسق سے زجر پایا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے فسق اور فاسقوں کے دیکھنے اور ملنے سے معصیت کا معاملہ دل پر آسان ہو جاتا ہے دل کو اس سے نفرت نہیں۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ ظالموں کی طرف مت دیکھو ورنہ تمہارے اچھے اعمال حبط ہو جائیں گے بلکہ ان لوگوں کے اختلاط میں سلامتی نہیں، سلامتی ان سے علیحدہ رہنے میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلامًا لفظ سلامًا میں الف عوض تنؔ کے ہے یعنی سلامۃ کہتے ہیں یعنی مراد یہ ہے کہ ہم تمہارے گناہ سے سلامت رہے اور بدعتی سے احتراز کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ اس کی صحبت میں یہ خوف ہے کہ کہیں اس کی بدعت اپنے آپ میں اثر نہ کرے اور اس کی نحوست دوسرے میں متعدی نہ ہو اور بدعتی تو قابل ترک ملاقات اور جدا رہنے کی ہے تو اس کی صحبت کیسے اختیار کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوست متدین کی طلب کی ترغیب میں ارشاد فرماتے ہیں بموجب روایت سعید بن مسیبؒ کے کہ یاران صادق کو لازم پکڑو اور ان کی حمایت میں زندگی کرو کیونکہ وہ عیش کے وقت زینت ہیں اور مصیبت کے وقت سامان اس کے دفع کا اور اپنے دوست کے حال کو اچھی صورت پر محمول کیا کرو یہاں تک کہ ایسی بات اس کی تم کو معلوم ہو جس سے تم کو ظن غالب ہو اور اپنے دشمن سے کنارہ کرو ورنہ اس کی بدکاری سیکھ جاؤ گے اور اس کو اپنے راز کی اطلاع مت کرو اور معاملہ میں مشورہ ان لوگوں سے لو جو خدائے تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور دنیا پر حریص نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ایسے شخص کی صحبت زہر قاتل ہے اس لیے کہ آدمی کی سرشت میں ہے کہ دوسرے کی مشابہت اور اقتداء کیا کرتا ہے بلکہ ایک کی طبیعت اپنے ہم نشین کی طبیعت میں سے کچھ باتیں چرا لیتی ہے اور صاحب طبیعت کو خبر بھی نہیں ہوتی پس اگر دنیا کے حریص کی مجالست ہو گی تو اس سے حرص دنیا ہی میں جنبش آوے گی اور زاہد کی مجالست سے زہد کو تحریک ہو گی۔ اسی وجہ سے دنیا کے طالبوں کی صحبت مکروہ ہے اور راغبین آخرت کی صحبت مستحب۔ اب جاننا چاہیے کہ حسن خلق کو اوپر مجملاً بیان کر دیا ہے۔ اس کو مفصل علقمہ عطاردی نے اپنی وصیت میں مرنے کے وقت اپنے بیٹے سے بیان کیا چنانچہ یوں کہا کہ بیٹا اگر تجھ کو لوگوں کی صحبت کی ضرورت پڑے تو ایسے شخص کے ساتھ رہنا کہ جب تو اس کی خدمت کرے تو تیری حفاظت کرے اور جب تو اس کے پاس بیٹھے تو تجھ کو زینت دے اور تجھ کو کوئی مشقت پیش ہو تو وہ برداشت کرے اگر تو اپنا ہاتھ خیر کے لیے پھیلانا چاہے تو وہ پھیلا دے اور اگر تجھ سے کوئی خوبی دیکھے تو اس کو شمار کرے اور اگر برائی دیکھے تو اس کو روک دے جس وقت تو اس سے سوال کرے تو دیوے اور اگر تو خاموش رہے تو ابتداء کرے اور اگر تجھ پر کوئی بلا نازل ہو تو تو تیری غمخواری کرے جب تو کوئی بات کہے تو تیرے قول کی تصدیق کرے اور اگر تو کسی کام کا قصد کرے تو اچھا مشورہ دے اور اگر تم دونوں میں اختلاف ہو تو تجھ کو اپنے نفس پر ترجیح دے تو یہ وصیت

ت۱ تو تو خیال نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا ۱۲ ت۲ اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف
ت۳ اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں صاحب سلامت ۱۲

جمیع حقوق صحبت کی جامع ہے اور سب کی بجا آوری کو مشروط کر دیا ہے۔ یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون نے ان باتوں کو دیکھ کر کہا کہ ایسا شخص کہاں ہے کسی نے خلیفہ سے کہا کہ آپ سمجھے کہ یہ وصیت کیوں کی ہے خلیفہ نے کہا کہ نہیں اس نے کہا کہ علقمہ کی غرض یہ تھی کہ کسی کی صحبت اختیار نہ کرے اس لیے اتنی شرطیں لگا دیں اور بعض اُدباء نے فرمایا ہے کہ آدمیوں میں اس کی صحبت کرے جو تیرے راز کو چھپاوے اور عیب کو ظاہر نہ کرے اور مصیبتوں میں ساتھ دے اور نفیس چیزوں میں تجھ کو اپنے اوپر مقدم رکھے اور تیری خوبیوں کو پھیلاوے اور بُرائیوں کو تہ کر رکھے اور اگر ایسا شخص نہ ملے تو پھر اپنے ہی نفس کی صحبت اختیار کر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس مضمون کا قطعہ ارشاد فرمایا ہے قطعہ:

وہ تیرا سچا دوست ہے جو تیرے ساتھ ہو — تیرے بھلے کے واسطے اپنا ضرر کرے

دنیا کے حادثوں سے جو ابتر ہو تیرا حال — آرام اپنا دُور کرے تجھ کو چین دے

اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صرف دو آدمیوں سے صحبت اختیار کرنی چاہیئے ایک وہ کہ تم اس سے کچھ امر دین سیکھو اور تمہارے کام آدے اور دوسرے وہ کہ تم اس کو کچھ دین کی بات بتاؤ تو مان لے اور تیسرے شخص کے پاس نہ پھٹکو اور بعض فرماتے ہیں آدمی چار قسم کے ہیں ایک بالکل شیریں کہ اس سے سیری نہ ہو اور دوسرا بالکل تلخ کہ اسے کھایا نہ جاوے تیسرا جو کھٹ مٹھا ہو تو اس سے کچھ حاصل کر پیشتر اس سے کہ وہ تجھ سے حاصل کرے اور چوتھا وہ جو نمکین ہو تو اس کو فقط حاجت کے وقت اختیار کرنا چاہیے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پانچ آدمیوں کا ساتھ مت اختیار کر۔ اول جھوٹا کہ تجھ کو اس سے دھوکا ہوگا۔ اس کا حال مثل سراب کے ہے بعید کو تجھ سے قریب کرے گا اور قریب کو بعید۔ دوم احمق کہ اس سے تجھ کو کچھ نہ ملے گا۔ وہ تجھ کو نفع پہنچانا چاہے گا اور اپنی بیوقوفی سے تجھ کو ضرر پہنچاوے گا سوم بخیل کہ جب تجھ کو اس کی طرف حد سے زیادہ حاجت ہوگی اس وقت میں تجھ سے یاری توڑ دے گا۔ چہارم نامرد کہ شدت کے وقت تجھ کو چھوڑ کر آپ رفو چکر ہوگا۔ پنجم فاسق کہ ایک لقمہ یا اس سے کمتر کے عوض میں تجھ کو بیع کرلے گا۔ کسی نے پوچھا کہ لقمہ سے کمتر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ لقمہ کی طمع کرنی پھر اس کا نہ ملنا اور حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ میرے پاس آکر فاسق خوش خلق آکر بیٹھے تو اس سے بہتر ہے کہ میری صحبت میں قاری بد خلق رہے اور ابن الحواریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے استاد ابوسلیمان نے فرمایا کہ اے احمد دو آدمیوں کے سوا اور کسی کے پاس مت بیٹھنا ایک وہ شخص کہ اس سے اپنی دنیاوی معاملہ میں مستفید ہو اور ایک وہ کہ اس کے ساتھ ہو کر امر آخرت سے منتفع ہو اور ان دو کے سوا اور سے مشغول ہونا بڑی بیوقوفی ہے اور سہیل تستری فرماتے ہیں کہ اصناف مردم میں تین آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیئے اول جابر غافلوں سے دوم علماء مداہنوں سے سوم صوفیوں جاہلوں سے۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اکثر ان کلمات کے صحبت کے تمام مقاصد کو محیط نہیں اور احاطہ مقاصد اسی طور سے ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ مقاصد کو دیکھ کر انہیں کے اعتبار سے شرائط ملحوظ ہوں۔ کیونکہ شرطیں جو صحبت کی مقاصد دنیاوی کے لیے ہیں وہ مقاصد آخرت اور اخوت دینی کی صحبت میں مشروط نہیں۔ چنانچہ بشرؒ فرماتے ہیں

کہ بھائی تین ہوتے ہیں ایک آخرت کے لیے ایک دنیا کے لیے اور ایک دل بہلانے کے لیے اور یہ سب باتیں ایک شخص میں کم مجتمع ہوتی ہیں بلکہ چند شخصوں میں متفرق ہوتی ہیں تو ضرور ہے کہ شرطیں بھی ان میں متفرق ہوں۔ اور مامون فرماتے ہیں کہ بھائی تین طرح کے ہیں ایک تو مثل غذا کے ہے کہ اس سے مفر نہیں دوسرا دوا کے مثل ہے کہ کبھی اس کی ضرورت ہو اور کبھی نہ ہو۔ تیسرا روگ کے مثل ہے کہ اس کی کبھی ضرورت نہ پڑے مگر امتحاناً بندہ کو کبھی اس سے کام پڑ جاتا ہے یہ شخص ہے کہ جس سے نہ انس ہو نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ سب آدمیوں کی مثال ایسی ہے جیسے درخت اور سبزہ کی کہ ان میں بعض سایہ دار ہوتے ہیں اور ثمر دار نہیں ہوتے تو وہ ایسے لوگ ہیں جس سے دنیا میں فائدہ ہو نہ آخرت میں اس لیے کہ دنیا کا نفع ڈھلتے سایہ کی طرح سریع الزوال ہوتا ہے اور بعض درخت ایسے ہیں کہ پھل رکھتے ہیں سایہ نہیں رکھتے تو ان کی مثل وہ لوگ ہیں جو آخرت کے کام کے ہیں نہ دنیا کے اور بعض درخت ایسے ہیں جن میں پھل اور سایہ دونوں ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن میں دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں جیسے ببول کا درخت کپڑے پھاڑنے کا ہے نہ کھانے کا نہ پہننے کا۔ اور حیوانات میں اس جیسے چوہا اور بچھو ہیں اور آدمیوں میں وہ ہیں جن سے نہ نفع دین نہ دنیا بلکہ مردم آزار ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یدعو لمن ضرہ اقرب من نفعہ لبئس المولیٰ ولبئس العشیر ایک شاعر نے یہ مضمون باندھا ہے ؎

ہر ایک فرد بشر کا مزا نرالا ہے　　جو غور کیجئے یکساں نہیں ہر رنگ شجر
کسی کے پھل میں حلاوت ہے اور شیرینی　　کسی میں ذائقہ کوئی نہیں نہ کوئی ثمر

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو ایسا رفیق نہ ملے جس سے اخوت کرے اور ان مقاصد میں سے کوئی اس سے حاصل کرے تو اس کے لیے تنہائی بہتر ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ زندہ کرو تم طاعات کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے جن سے لوگ حیا کریں اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو بلا میں ایسے ہی لوگوں کی صحبت نے ڈالا جن سے میں حیا نہیں کرتا تھا۔ اور عثمان نے فرمایا کہ بیٹا علماء کے پاس بیٹھ اور ان کے زانو سے اپنے زانو بھڑا کر دل حکمت سے ایسا زندہ ہوتا ہے جیسے زمین مردہ موسلا دھار پانی پڑنے سے یہاں تک کہ بیان اخوت کے معانی اور شرائط اور فوائد کا جتنا ہم کو لکھنا منظور تھا ہو گیا۔ اب ہم اس کے حقوق اور لوازم اور حقوق کی بجا آوری کے طریقے لکھتے ہیں۔

ف اس بیان میں مضامین مقدم اور مؤخر بہت تھے مترجم نے سب کو بطور خود مسلسل اور مرتب کر دیا ہے تاکہ مخل مطلب فہمی نہ ہو۔

دوسری فصل مصاحبت اور دوستی کے حقوق

واضح ہو کہ عقد اخوت دو شخصوں میں ایک علاقہ ہے جیسے نکاح خاوند اور بی بی میں ایک علاقہ ہوتا ہے اور جس طرح

ت ۱ پکارے جاتا ہے البتہ جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے بے شک برا دوست اور برا رفیق ہے ۱۲

کہ نکاح چند حقوق کا مقتضی ہے جن کا پورا کرنا حق نکاح کے ادا کرنے کے لیے واجب ہے چنانچہ ان کا ذکر باب آداب النکاح میں بیان ہو چکا اسی طرح عقد اخوت میں کچھ حقوق کی بجا آوری ضروری ہے۔ مثلاً جس سے بھائی چارہ کرو تو اس کا حق تم پر مال میں اور نفس میں اور زبان میں اور دل پر ہوگا اور سب حقوق کا مجموعہ آٹھ ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔ اول حق مال میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کے مثل ہے کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔ دو ہاتھوں کی مثال فرمائی اور ایک ہاتھ اور ایک پیر کی نہ فرمائی اس لیے کہ دونوں ہاتھ ایک ہی غرض پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اسی طرح دونوں بھائیوں کی اخوت کامل اس وقت ہوتی ہے کہ دونوں ایک مقصد میں ایک دوسرے کی رفاقت کریں تو وہ گویا من وجہ ایک شخص ہیں اور یہ امر اس بات کا مقتضی ہے کہ نفع اور نقصان میں دونوں کو ایک دوسرے کے پیہم اور مال حال میں باہم شریک ہوں اور خصوصیت مرتفع ہو جائے اور یاروں کے ساتھ مال سے سلوک کرنا تین مراتب رکھتا ہے سب سے کمتر یہ ہے کہ یار کو بمنزلہ اپنے خادم وغیرہ کے جانو اور جو کچھ کہ تمہارے مال میں پس انداز ہو اس سے اس کی خبر گیری کرو اور جس وقت اس کو ضرورت داعی ہو اور تمہارے پاس پس انداز مال میں سے موجود ہو تو تم اس کو بدون مانگنے کے حوالہ کر دو اور اگر اس کو حاجت مانگنے کی تم سے ہوئی تو حق اخوت میں نہایت کوتاہی ہوگی۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کو قائمقام اپنے نفس کے جانو اور اس کی شرکت اپنے مال میں پسند کرو یہاں تک کہ اپنا مال اس سے نصفا نصف بانٹنے کو گوارہ کرو۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ سلف کے دوستوں کا یہ دستور تھا کہ ایک چادر کے ٹکڑے کر کے آدھی آپ رکھتے اور آدھی دوست کو دیتے اور تیسرا مرتبہ جو سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ ہے کہ دوست کو اپنے نفس پر ترجیح دو اور اس کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم جانو اور یہ مرتبہ صدیقین کا، اور انتہا رتبہ دوستان فی اللہ ہے اور اس رتبہ کا کمال یہ ہے نفس میں دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے۔ چنانچہ مروی ہے کہ چند صوفیوں کی چغلی کسی خلیفہ کے سامنے ہوئی جس میں ابوالحسین نوریؒ بھی تھے اس نے سب کو گردن مارنے کا حکم دیا۔ ابوالحسین نوریؒ سب سے پیشتر جلاد کے سامنے گئے اور فرمایا کہ اول مجھ کو قتل کرواؤ اس سے اس بات کی وجہ پوچھی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس لحظہ میں اپنے بھائیوں کی زندگی کو اپنی زندگی پر مقدم کروں اسی قول کے سبب سب کی رہائی ہو گئی۔ پس اگر ان تینوں مرتبوں میں سے تم کو کوئی مرتبہ اپنے بھائی کے ساتھ میسر نہ ہو تو جان لو کہ عقد اخوت تمہارے باطن میں ابھی تک منعقد نہیں.... ہوئی بلکہ رسم اختلاط حسب معمول و رواج جاری ہے جس کا اعتبار عقل اور دین میں کچھ نہیں۔ اور میمون بن مہران کہتے ہیں کہ جو شخص کہ یاروں سے اس بات پر راضی ہو کہ اس کو زیادہ نہ سمجھیں تو اس کو چاہیے کہ اہل قبول سے بھائی چارہ کرے اور دینداروں کے نزدیک تو درجہ کمتر بھی مروی نہیں چنانچہ مروی ہے کہ عتبہ ایک غلام اپنے یار کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھ کو تیرے مال میں سے چار ہزار کی حاجت ہے اس نے کہا کہ دو ہزار لے لو انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ تو نے دنیا کو خدائے تعالیٰ پر ترجیح دی تجھ کو شرم نہیں آتی کہ فی اللہ محبت کا دعوے کر کے یہ کہتا ہے اور جو شخص کہ اخوت کے مراتب

ح اس کی سند فصل اول میں گذری ۱۲

میں سب سے کمتر رکھتا ہو چاہیئے کہ اس سے تم دنیا کا معاملہ مت کرو۔ ابو حازم فرماتے ہیں کہ جب کوئی تمہارا بھائی فی اللہ ہو تو اس سے دنیاوی معاملات نہ کرو اس سے ان کی غرض یہی ہے کہ جو مرتبہ ادنیٰ اخوت رکھتا ہو اور سب سے اعلیٰ مرتبہ وہ ہے کہ جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کی تعریف اس آیت میں فرماتا ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یعنی ان کے مال ملے جلے تھے کوئی اپنے اسباب کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہ رکھتا تھا اور بعض اکابر ایسے تھے کہ اگر کوئی یوں کہتا تھا کہ میری جوتی تو اس کا ساتھ چھوڑ دیتے تھے کہ اس کو اپنے نفس کی طرف نسبت کیوں کیا۔ اور فتح موصلی اپنے ایک یار کے یہاں تشریف لائے وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ آپ نے ان کی بی بی کو حکم کیا وہ ان کے صندوق لائیں آپ نے اپنی حاجت کی چیز اس میں سے لی اور تشریف لے گئے۔ جب صاحب خانہ تشریف لائے تو ان کی لونڈی نے ان سے یہ حال کہا انہوں نے خوش ہو کر فرمایا کہ اگر تو سچ ہے تو خدائے تعالیٰ کے واسطے آزاد ہے اور ایک شخص حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ سے اخوت فی اللہ کروں آپ نے فرمایا کہ تو اخوت کا حق بھی جانتا ہے اس نے عرض کیا کہ مجھ کو بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس اخوت کے بعد اپنے دینار و درہم کا مستحق مجھ سے زیادہ نہ رہے گا۔ اس نے کہا کہ میں ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا آپ نے فرمایا کہ اچھا میرے پاس سے رخصت ہو۔ اور امام زین العابدینؒ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی آستین یا تھیلی میں ہاتھ ڈال کر جو چاہتا ہے بدون اس کی اجازت کے لے لیتا ہے یا نہیں اس نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ بھائی نہیں ہو اور کچھ لوگ حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ نے نماز پڑھ لی آپ نے فرمایا کہ ہاں انہوں نے کہا کہ بازار والوں نے تو ابھی نہیں پڑھی۔ آپ نے فرمایا کہ بازار والوں سے دین کا طریق کون سیکھے میں نے یہ بھی تو سنا ہے کہ ان میں سے ایک اپنے بھائی کو درم نہیں دیتا یہ بات آپنے براہ تعجب فرمائی۔ اور ایک شخص حضرت ابراہیم ادہم کی خدمت میں آیا اور آپ کا ارادہ بیت المقدس کا تھا اس نے عرض کیا کہ میں آپ کا رفیق ہوا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس شرط پر کہ جو تیری چیز ہو اس پر تجھ سے زیادہ میرا اختیار ہو اس نے کہا کہ یہ مجھ کو منظور نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تیرا سچ کہنا اچھا معلوم ہوا راوی کہتا ہے کہ آپ کی رفاقت میں جب کوئی شخص ہوا کرتا تھا تو آپ کی خلاف مرضی نہ کرتا تھا اور آپ ساتھ بھی اسی کو لیتے تھے جو آپ کا موافق ہوتا تھا۔ ایک بار آپ کے ساتھ ایک شراک بنانے والا ہوا کسی منزل میں ایک شخص نے آپ کے لیے ایک پیالہ ثرید کا ہدیہ بھیجا۔ آپ نے اپنے رفیق کی گٹھڑی کھول کر ایک مٹھا شراکوں کا نکال کر پیالہ میں بھرا اور ہدیہ والے کے پاس بھیج دیا جب رفیق آیا تب اس نے پوچھا کہ شراک کہاں ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ ثرید کس چیز کا کھایا اس کے عوض میں گئے اس نے عرض کیا کہ آپ دو یا تین عطا فرما دیتے یہ تو بہت تھے آپ نے فرمایا درگذر کر خدائے تعالیٰ تجھ سے درگذر فرمائے گا۔ ایک بار اپنے رفیق کا گدھا بدون اس کی اجازت کے ایک اور شخص کو پیادہ پا دیکھ کر دیدیا جب رفیق آیا تو خاموش ہو رہا اور برا نہیں مانا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس اصحاب میں سے بکری کی سری ہدیہ میں آئی انہوں نے سوچا کہ میرے فلاں بھائی کو میری نسبت کہ حاجت ہے اس کی وہ سری ان کے پاس بھیجدی انہوں نے تیسرے کے پاس بھیجدی اور تیسرے نے چوتھے کے پاس، یہاں تک کہ سات ہاتھوں میں پڑ کر پھر اول شخص کے

پاس آگئی اور مروی ہے کہ حضرت مسروقؒ نے بہت بھاری قرض لیا اور ان کے یار خیثمہ کے ذمہ قرض تھا آپ نے جا کر وہ قرض ادا کر دیا اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور خیثمہؒ نے حضرت مسروقؓ کا قرض ان کی ناواقفگی میں ادا کر دیا اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع میں بھائی چارہ مقرر فرما دیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ان کو اپنے نفس اور مال کا اختیار دے دیا کہ یہ تمہارا ہے جو چاہو کرو۔ حضرت سعد نے کہا کہ خدائے تعالیٰ تم کو ان دونوں میں برکت دے اور ان کو قبول کر کے پھر وہی کیا جو انہوں نے کیا تھا یعنی دونوں کا اختیار ان کو دے دیا تو حضرت سعد کا فعل تو مساوات ہے اور حضرت عبدالرحمن کا فعل جو ابتداءً تھا وہ ایثار ہے اور ایثار مساوات سے افضل ہے اور حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض ساری دنیا میرے ساتھ ہو اور میں اس کو اپنے ایک فی اللہ دوست کے منہ میں رکھ دوں تو اس کے حق میں اس بات کو بھی کمتر جانوں۔ اور یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے کہ میں لقمہ تو اپنے کسی دوست کو کھلاتا ہوں اور اس کا مزہ اپنے گلے میں پاتا ہوں اور چونکہ دوستوں پر خرچ کرنا فقیروں پر خیرات کرنے سے افضل ہے اسی لیے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بیس درم جن کو میں کسی اپنے دوست فی اللہ کو دوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہیں کہ سو درم مساکین پر خیرات کروں اور یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ اگر میں ایک صاع کھانا تیار کر کے اس پر اپنے فی اللہ دوستوں کو جمع کروں تو میرے نزدیک اس سے اچھا ہے کہ ایک بردہ آزاد کروں۔ اور ایثار کے باب میں سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں کہ آپ کا دستور مبارک یہی تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ اپنے کسی صحابی کے ساتھ ایک جنگل میں تشریف لے گئے اور اس میں سے دو مسواکیں چنیں ایک ٹیڑھی اور ایک سیدھی، جو سیدھی تھی وہ ساتھ والے کو عنایت فرمائی اس نے عرض کیا کہ میری نسبت کہ آپ اس کے لیے زیادہ مستحق ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص دوسرے کے ساتھ رہتا ہے گو دن میں سے ایک ساعت ہی کو ہو اس سے صحبت کی باز پرس ہو گی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کو بجا لایا تھا یا ضائع کیا تھا اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ صحبت میں ایثار کرنا اللہ تعالیٰ کے حق کو بجا لانا ہے اور ایک روز آپ ایک کنوئیں پر غسل کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان نے ایک چادر کی آڑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کر لی۔ یہاں تک کہ آپ غسل فرما چکے پھر حضرت حذیفہؓ غسل کرنے بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا لیا اور کھڑے ہوئے کہ ان کو لوگوں سے آڑ میں کر دیں حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ فدا ہوں آپ پر میرے والدین آپ ایسا نہ کریں آپ نے نہ مانا اور آڑ کیے رہے جب تک کہ وہ غسل سے فارغ ہوئے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب دو آدمی ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے کہ جو اپنے ساتھی کے ساتھ زیادہ ملائم ہو۔ اور مروی ہے کہ مالک بن دینار اور محمد بن واسع حضرت حسن بصری کے گھر میں ایسے وقت گئے کہ وہ گھر پر نہ تھے محمد بن واسع نے ان کی چارپائی کے نیچے سے ایک پیالہ نکالا جس میں کچھ کھانا تھا اور اس کو کھانے لگے۔ مالک بن دینار نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ روک لو جب تک کہ مکین تشریف لاویں محمد بن واسع نے ان کا کہنا نہ سنا اور کھانے پر متوجہ رہے اور ان کی نسبت کہ زیادہ بے تکلف اور خوش خلق تھے اتنے میں حضرت حسن بصری تشریف لائے اور

ح معروف یہ ہے کہ سعد بن ربیع نے اول نصف مال واسباب اور ایک زوجہ کو حضرت عبدالرحمن بن عوف کے سامنے پیش کیا تھا چنانچہ بخاری نے بروایت انس (باقی اگلے صفحہ

فرمایا کہ میاں مالک ہم لوگوں کا پہلے یہی حال تھا کہ ایک دوسرے سے تکلف نہ کرتے تھے کہ تم اور تمہارے ہمعصر پیدا ہوتے اس میں یہ اشارہ ہوا کہ دوستوں کے گھر میں بے تکلفی کرنی صفاء اخوت میں سے ہے اور کیسے نہ ہو کہ اللہ تعالی خود فرماتا ہے اوما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم[۱] اور سلف میں اول یہ دستور تھا کہ آدمی اپنے گھر کی کنجی اپنے دوست کو سپرد کر دیتا تھا اور ہر طرح کے تصرف کا اس کو اختیار دے دیتا تھا مگر وہ شخص بباعث تقوٰی کے اس کا مال نہ کھاتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی اور دوستوں کے مال میں انبساط اور بے تکلفی کی اجازت دی ۔ دوسرا حق دوست کا یہ ہے کہ اپنے نفس سے اس کی اعانت کرے یعنی حاجتوں کے پورا کرنے اور قبل سوال کے ان کے بجالانے اور اپنی خاص حاجتوں پر ان کے مقدم کرنے میں مدد کرے اور جیسے مالی رعایت کے کئی درجے ہوتے ہوں ویسے ہی اس کی اعانت کے بھی کئی مرتبے ہیں، ان میں سے ادنٰی یہ ہے کہ سوال کے وقت اس کی حاجت پوری کرے مگر بکشادہ پیشانی اور اظہار فرحت اور قبول منت ہو۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے کسی دوست سے کوئی حاجت چاہو اور وہ اس کو پورا نہ کرے تو اس کو دوبارہ یاد دلادو کہ شاید بھول گیا ہو اگر پھر بھی وہ پورا نہ کرے تو اللہ اکبر اس پر کہہ کر اس آیت کو پڑھو[۲] والموتٰی یبعثہم اللہ الآیۃ یعنی وہ اور مردہ اس صورت میں برابر ہیں ۔ اور ابن شبرمہ نے اپنے کسی دوست کا بڑا کام کر دیا وہ ان کے پاس کچھ ہدیہ لایا ۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیسا ہے کہا اس وجہ سے ہے کہ آپ نے میرے ساتھ بڑا سلوک کیا ۔ انہوں نے کہا خدائے تعالیٰ تم کو عافیت دے اپنا مال اپنے پاس رکھو ۔ جب تم اپنے کسی دوست سے حاجت چاہو اور وہ اس کو پورا کرنے میں بہمہ تن کوشش نہ کرے تو وضو کر کے اس پر نماز جنازہ پڑھو اور اس کو مردہ تصور کر لو ۔ اور حضرت جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں، اپنے دشمنوں کی حاجات پورا کرنے میں مبادرت کرتا ہوں اس خوف سے کہ مبادا ان کو واپس کر دوں تو مجھ سے بے پرواہ نہ ہو جاویں جب دشمنوں سے یہ حال ہو تو دوستوں سے کیسے نہ ہوگا اور سلف میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ اپنے دوست کے عیال کی خبر گیری اس کے مرنے کے بعد چالیس برس تک کرتے تھے کہ ان کی حاجتیں پوری کرتے اور ہر روز ان کے پاس جاتے اور اپنا مال صرف کرتے ۔ غرضکہ متوفی کے بال بچے صرف اپنے باپ کو آنکھ سے نہ دیکھتے تھے اور اس کی شفقت اور عنایت سب موجود پاتے تھے ۔ اور کسی کا یہ دستور تھا کہ اپنے بھائی کے دروازے پر جاتے اور پوچھتے کہ تمہارے یہاں تیل ہے کہ نہیں، نمک ہے کہ نہیں، کوئی اور کسی طرح کی حاجت ہے یا نہیں جو ضرورت دیکھتے اس کو بدون اطلاع صاحب خانہ موجود کر دیتے اور انہیں باتوں سے شفقت ظاہر ہوتی ہے اور اخوت میں اگر نتیجہ ایسی شفقت کا نہ ہو جیسے خود اپنے نفس پر ہوتی ہے تو اس اخوت میں کچھ خیر نہیں، میمون بن مہران کہتے ہیں کہ جس شخص کی دوستی سے تم کو فائدہ نہ ہو اس کی دشمنی بھی تم کو ضرر نہ کرے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۳] کہ آگاہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں

اسکو نقل کیا ہے ۱۲ ح ابو نعیم در کتاب الصحبت والاخاء بروایت عمر فاروقؓ بسند ضعیف ۱۲ محمد بن جریر طبری در تفسیر ۱۲ ح ابن ابی عاصم بروایت حذیفہ در ضمن حدیث طویل در کتاب صیام ۱۲ ح فصل اول میں گذری یا نذک اختلاف نفظ ۱ یعنی نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ اس کے گھر سے جس کی کنجیوں کے مالک ہوئے ہو اپنے دوست کے

گھر سے ۲ ت اور مردوں کو اللہ اٹھائے گا ۱۲ ح طبرانی بروایت ابی عتبہ خولانی تلفظ انتہا واز قہا بجائے اصقہا واصلیہا کے ۱۲

اس کے کچھ برتن ہیں اور وہ دل ہیں تو سب برتنوں میں محبوب تر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ صاف اور سخت تر اور نرم تر ہوں، زیادہ صاف گناہوں میں اور زیادہ سخت دین میں اور زیادہ ترم بھائیوں پر۔ حاصل یہ کہ یوں ہونا چاہیے کہ تمہارے نزدیک اپنے بھائی کی ضرورت اپنی ضرورت کے مانند ہو جائے بلکہ اس سے بھی اہم اور یہ کہ اس کی حاجت کے جویا رہو اور ان کے احوال سے غافل نہ ہو جیسے اپنے احوال سے غافل نہیں رہتے اور اس کی مدد کرنے میں اس کے سوال اور اس کے اظہار حاجت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی ضرورت کو ایسی طرح ادا کرو کہ تم کو گویا یہ علم ہی نہ ہو کہ ہم نے ادا کی اور نہ اس کے ادا کرنے سے اس پر کچھ اپنا حق سمجھو بلکہ اپنے باب میں جو اس نے تمہاری سعی منظور کی اس کے ممنون ہو اور صرف تقاضائے حاجت ہی پر کفایت نہ کرو بلکہ کوشش کرو کہ زیادت اکرام اور ایثار میں ابتداء تمہاری جانب سے ہو اور اقارب اور اولاد میں اس کو مقدم سمجھو۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے کہ ہمارے دوست ہم کو ہمارے گھر والوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اس لیے کہ گھر والے تو ہم کو دنیا کی یاد دلاتے ہیں، اور دوست آخرت کی۔ اور یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے دوست فی اللہ کی مشایعت کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن چند فرشتے اپنے عرش کے نیچے سے بھیجے گا جو اس کی ہمراہی جنت تک کریں گے اور ایک حدیث[۱] میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی دوست فی اللہ کی زیارت اس کی ملاقات کے شوق سے کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے سے آواز دیتا ہے کہ تو اچھا ہوا اور تیرے لیے جنت خوب ہوئی۔ اور عطاءؒ فرماتے ہیں کہ تین صورتوں میں اپنے یاروں کی خبر لو۔ اگر مریض ہوں ان کی عیادت کرو اور اگر کام میں پھنسے ہوں ان کی اعانت کرو اور اگر بھول گئے ہوں تو ان کو یاد دلاؤ۔ اور مروی[۲] کہ حضرت ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں داہنے بائیں تاکتے تھے آپؐ نے استفسار فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھ کو ایک شخص سے محبت ہے اس کو دیکھتا ہوں وہ معلوم نہیں ہوتا آپؐ نے فرمایا کہ جب تم کسی سے محبت کرو تو اس کا نام اور اس کے باپ کا نام اور اس کا مکان پوچھ لیا کرو۔ پھر اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اگر کام میں ہو تو اعانت کرو اور ایک روایت میں کہ اس کے دادے کا نام اور قوم بھی دریافت کر لیا کرو۔ اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کے پاس بیٹھتا ہو اور پھر کہے کہ میں اس کی صورت پہچانتا ہوں اور نام نہیں جانتا تو یہ شناسائی بے وقوفوں کی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب کون ہے آپ نے فرمایا میرا جلیس۔ اور فرمایا کہ جو شخص میری مجلس میں تین بار آتا ہے اور اس کو کوئی کام مجھ سے نہیں ہوتا تو میں جان لیتا ہوں کہ اس کا تدارک دنیا سے نہ ہوگا اور سعید بن العاصؓ فرماتے ہیں: کہ میرے جلیس کے حق مجھ پر تین ہیں جب میرے قریب ہو تو مرحبا کہوں اور جب بات کرے تب اس کی طرف متوجہ ہوں اور اگر بیٹھے تو اس کو اچھی طرح جگہ دوں اور اللہ تعالیٰ نے جو رحماء بینھم[۳] فرمایا ہے اس میں بھی شفقت

---

[۱] اس کی سند پہلی فصل میں گذری ۱۲ [۲] بروایت یزید بن نوامہ اور کہا کہ غریب ہے یزید بن نوامہ کا سماع آنحضرتؐ سے کہا ہم کو ثابت نہیں ہوا [۳] نرم دل ہیں آپس میں ۱۲

اور اکرام کی طرف اشارہ کیا ہے اور تتمہ شفقت یہ ہے کہ کوئی لذیذ کھانا تنہا نہ کھاوے اور نہ کسی خوشی میں بدون اس کے جاوے بلکہ اس کے فراق میں مکدر اور وحشت زدہ رہے۔ تیسرا حق دوست کا زبان پر ہے کہ چند مواضعات میں سکوت کرے اول یہ کہ نہ اس کے عیب اس کے سامنے ذکر کرے نہ پیٹھ پیچھے بلکہ عیبوں سے تجاہل کرے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ کلام کرے تو اس کی رد نہ کرے اور نہ اس کی بات کاٹے اور نہ جھگڑا کرے۔ تیسرے یہ کہ اس کے احوال کو تجسس نہ کرے اور جب اس کو راہ میں یا کسی کام میں دیکھے اور وہ خود اپنا مطلب ابتداءً بیان نہ کرے کہ کہاں سے آتا ہوں اور کہاں جاتا ہوں تو اس سے سوال کرنے میں سکوت کرے کیونکہ عجب نہیں کہ بعض اوقات اس کو بیان کرنا دشوار ہو یا تکلف جھوٹ بولنا پڑے۔ چوتھے یہ کہ جو اسرار اس نے کہے ہوں اس کے افشاء سے خاموش رہے اس کے سوا دوسرے سے ہرگز نہ کہے یہاں تک کہ اپنے یا اس کے خاص دوستوں سے بھی ذکر نہ کرے بعد یاری جاتے رہنے کے بھی ایسا نہ کرے کہ راز فاش کرنا خبث باطن کا نشان ہے۔ پانچویں یہ کہ اس کے احبا اور اقارب اور اہل فرزند کی طعن سے سکوت کرے چھٹے یہ کہ اگر کسی نے اس کو برا کہا تو اس کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے کیونکہ گالی گویا وہی دیتا ہے جو اس کی نقل اس کے سامنے کرتا ہے اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں[ح۱] کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یواجہ احد الشیئ یکرھہ اور ایذا اول کلام کے نقل کرنے والے سے ہوتی ہے پھر اصل کہنے والے سے چنانچہ سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔ ؎

یکے تیر انگندہ و در رہ افتاد   وجود نیازرد در نجم نہ داد
تو برداشتی و آمدی سوئے من   ہمی در سپوزی بر پہلوئے من

ہاں جو کچھ کوئی اس کی تعریف کرے اس کو چھپانا نہیں چاہیئے کیونکہ اول سرور نقل کرنے والے سے ہوتا ہے اور پھر اصل کہنے والے سے اور اس کا چھپانا داخل حسد ہے غرضکہ خاموشی ان باتوں سے چاہیئے جو اس کو بری لگیں جس صورت میں اس کے برا ماننے کی پرواہ نہ کرے اس لیے کہ یہ بولنا حقیقت میں اس کے ساتھ سلوک کرنا ہے گو اس کے گمان میں یہی ہے کہ میرے ساتھ بظاہر بدی کرتے ہیں مگر اس کی برائیاں اور عیب اور اس کے گھر والوں کے عیب بیان کرتے ہیں غیبت داخل ہے جو ہر مسلمان کے حق میں حرام ہیں اور تم اگر دو باتوں کو سوچو تو پھر اس کو برا کہنے پر زبان نہ کھولوگے اول یہ کہ اپنے احوال پر غور کرو اور اگر ان میں کوئی برائی پاؤ تو جو بات اپنی بھائی میں دیکھا کرو اپنے نفس پر ناگوار مت جانو اور یہ سمجھو کہ جیسے میں ایک برائی کے کرنے میں معذور ہوں اور اس کے ترک سے عاجز ویسے ہی یہ شخص بھی اس ایک خصلت میں اپنے نفس کو نہیں دبا سکتا اور ایسا آدمی کہاں ہے جو برائی سے خالی ہو اور بات کہ تم حق اللہ میں ترک کرتے ہو اس کی توقع اپنے دوست سے نہ کرو کہ خاص تمہارے حق میں وہ اس کو بجا لاوے گا کیونکہ جتنا حق خدائے تعالیٰ کا تم پر ہے اس سے زیادہ تمہارا حق اس پر نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم کو یہی منظور ہو کہ مصاحب ہر عیب سے پاک ہو تو خلق سے

ح۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے سامنے وہ بات نہ کرتے جو اس کو بری لگتی ہو۔ ابوداؤد و ترمذی در شمائل ۱۲

عزلت اختیار کرو اور کسی سے صحبت اختیار مت رکھو کیونکہ دنیا میں جتنے آدمی ہیں ان میں برائیاں بھی ہیں اور بھلائیاں بھی اگر کسی کی خوبیاں ہی زیادہ ہوں تو اسی کو غنیمت جاننا چاہیے۔ غرضکہ کریم ایماندار ہمیشہ اپنے نفس سے اپنے دوست کی خوبیاں موجود رکھتے ہیں تاکہ دل سے دوستی اور توقیر اور حرمت ابھرے اور منافق لئیم ہمیشہ برائیاں اور عیب تاکتا رہتا ہے چنانچہ مشہور ہے ؎

چشم بد اندیش بر کندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر
ور ہنرے داری و ہفتاد عیب　　دوست نہ بیند بجز آں یک ہنر

حضرت ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ایماندار معذرت کا جویار رہتا ہے اور منافق لغزشوں کا طالب، اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ بھائیوں کے قصوروں کو معاف کرنا جوانمردی ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۱] استعیذوا باللہ من جار السوء الذی ان رای خیرا سترہ وان رای شرا اظہرہ اور کوئی آدمی ایسا نہیں جس کی چند خصلتوں کے سبب سے اس کو اچھا کہنا ممکن نہ ہو اسی طرح اس کو برا بھی کہہ سکتے ہیں چنانچہ مروی ہے[ح۲] کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ایک شخص کی تعریف کی جب دوسرا روز ہوا تو اس کی برائی کی آپ نے فرمایا کہ کل تو اس کی تعریف کرتا تھا اور آج مذمت کرتا ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے کل بھی اس پر سچ بولا تھا اور آج بھی جھوٹ نہیں کہتا اس نے کل مجھ کو راضی رکھا تھا اس لیے جو باتیں میں بہتر جانتا تھا ان کو ذکر کیا اور آج جو اس نے مجھ کو ناراض کیا تو جو بری سے بری بات اس کی مجھ کو معلوم تھی اس کو بیان کیا آپ نے فرمایا[ع] ان من البیان لسحرا گویا کہ اس امر کو آپ نے برا سمجھ کر اس کو سحر سے تشبیہ دی ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا[ح۳] البذاء والبیان شعبتان من النفاق اور ایک حدیث میں ہے[ح۴] ان اللہ یکرہ لکم البیان کل البیان، اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی طاعات ہی کرے اور معصیت نہ کرے اور نہ ایسا ہے کہ معصیت ہی کرے طاعت نہ کرے تو جس شخص کی طاعت معصیت سے غالب ہو وہی عدل ہے تو جب حق اللہ میں ایسا شخص عادل ٹھہرتا ہے تو تم اگر ایسے کو اپنے حق میں اور مقتضائے اخوت میں عدل سمجھو تو مناسب تر ہے اور جس طرح کہ تم کو اپنے یار کی برائیاں بیان کرنے سے خاموشی واجب ہے اسی طرح دل سے سکوت کرنا بھی واجب ہے یعنی اس کے ساتھ بدگمانی مت کرو کیونکہ بدگمانی دل سے غیبت کرنی ہے اور اس سے بھی ممانعت شرعی پائی جاتی ہے اور اس کی غایت یہ ہے کہ جب تک دوست کے فعل کے لیے اچھا محمل مل سکے خراب موقع پر اس کو حمل نہ کرنا چاہیئے مگر جو بات کہ یقین اور مشاہدے سے منکشف ہو جاوے تو ہو سکتا ہے کہ

ح۱ پناہ مانگو اللہ کی اس ہمسایہ بد سے کہ اگر نیکی دیکھے تو اس کو چھپاوے اور اگر برائی دیکھے تو اس کو ظاہر کرے

ح۲ طبرانی در اوسط و حاکم در مستدرک بروایت ابی بکرہ مگر اس میں ایک مجلس میں مدح وذم ہے دونوں میں ہے ۱۲

ح۳ فحش اور زیادہ گوئی نفاق کی دو شاخیں ہیں۔ حاکم بروایت ابی امامہ ۱۲　ع بعض بیان جادو ہیں ۱۲

ح۴ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تقریر فضول نہایت درجہ کی پسند نہیں کرتا، ابن السنی در ریاضۃ المسلمین بروایت ابی امامہ بسند ضعیف ۱۲

تم اس کو آگاہ کر دو لیکن اس کا عمل کرنا سہو اور نسیان پر حتی الوسع ضروری ہے اور اس ظن کی دو قسمیں ہیں ایک تو تفرس ہے جس کی کوئی علامت ہو کہ علامت کے موجود ہونے سے ظن کو جنبش ضروری ہوتی ہے جس کو آدمی دور نہیں کر سکتا اور دوسرا وہ ہے جس کا منشا تمہاری بد اعتقادی ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی کام اس نے کیا جو دو وجہوں پر محتمل ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ تمہارا اعتقاد اس کی طرف اچھا نہیں تو تم اس فعل کو خراب ہی وجہ پر محمول کرتے ہو حالانکہ کوئی علامت ایسی نہیں جس سے وہ فعل اسی وجہ سے خاص ہو جائے تو ایسا ظن باطن کا قصور ہے دوست پر منحصر نہیں ہر مسلمان کے ساتھ اس طرح کا ظن حرام ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح ا] ان اللہ قد حرام علی المومن دمہ ومالہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السّوء اور فرمایا[ح ۲] ایاکم الظن فان الظن اکذب الحدیث اور بد گمانی کا مقتضا یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے احوال خفیہ دریافت کرے اور خود چوری سے اس کی حرکات کا نگران ہو۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح ۳] ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تقاطعوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ یہاں تجسس سے مراد اخبار کا معلوم کرنا ہے اور تحسس سے غرض خود اپنے آپ دوسروں کو تاکتے رہنا اس سے معلوم ہوا کہ عیبوں کا چھپانا اور ان سے تجاہل اور تغافل کرنا دینداروں کی خصلت ہے اور برائی کے چھپانے اور اچھی بات کے ظاہر کرنے کی فضیلت اتنی ہی کافی ہے کہ دعائے ماثورہ میں اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے متصف کیا ہے[ع ۵] یا من اظہر الجمیل وستر القبیح اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک پسند یہی ہے کہ جو اخلاق اس کے ہے انہیں کو آدمی اپنی عادت ٹھہرا دے تو جب وہ عیبوں کو چھپاتا ہے اور گناہوں کو بخشتا ہے اور اپنے بندوں سے در گذر فرماتا ہے تو تم کیسے ایسے شخص سے در گذر نہ کرو گے جو تمہارے برابر ہے یا زیادہ ہے اور کسی حال میں تمہارا غلام یا پیدا کیا ہوا نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے کسی بھائی کو سوتا ہوا دیکھتے ہو اور ہوا سے اس کا کپڑا اڑ گیا ہو تو کیا کرتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس کو ڈھانپ دیتے ہیں اور کپڑا اڑھا دیتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اس کا ستر کھول دیتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ سبحان اللہ ایسا کون کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کے باب میں کوئی بات سنتا ہے تو اس پر زیادہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ میں ایک دوسری بات اول سے بڑھ کر ملا دیتا ہے۔ اور واضح ہو کہ آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور درجات اخوت میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ اپنے بھائی سے ایسا معاملہ کرے جیسا کہ خود چاہتا ہو کہ دوسرا مجھ سے کرے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آدمی دوسرے سے

ح[۱] اللہ تعالیٰ نے مومن پر مومن کا خون اور مال اور آبرو اور اس پر بد گمانی کرنی حرام کی، حاکم در تاریخ بروایت ابن عباس اور اس میں وعرضہ نہیں و ابن ماجہ نحوہ بروایت ابن عمر ۱۲ ح[۲] دور رہو بد گمانی سے کہ بد گمانی کاذب تر بات ہے الحدیث بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ ۱۲ ح[۳] ایک دوسرے کا بھید مت ٹٹولو ایک دوسرے کو تاکتے مت رہو باہم کٹم کٹا مت ہو آپس میں منقطع مت ہو اور اللہ کے بندے باہم بھائی بنجاؤ بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ اور یہ پہلی حدیث کا ٹکڑا ہے ۱۲

ع[۵] اے وہ شخص کہ بھلائی کو ظاہر کرتا ہے اور برائی کو چھپاتا ہے ۱۲

یہی توقع کیا کرتا ہے کہ ہمارے عیبوں سے چشم پوشی کرے اور اگر اپنی توقع کے خلاف اس سے ظاہر ہوتا ہے تو اس پر نہایت تاؤ کھاتا ہے تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ خود توقع چشم پوشی رکھے اور اس کے عیبوں میں چشم پوشی نہ کرے ایسے بے انصاف کے لیے قرآن میں خرابی موجود ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ویل للمطففین الذین اذا کتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون، اور جو شخص انصاف اس مقدار سے زیادہ چاہے جتنا اس کا دل دوسرے کے لیے گوارا کرتا ہے تو اس آیت کے مضمون میں داخل ہے اور عیب پوشی میں کوتاہی کرتی اور اس کے ظاہر کرنے میں علت ایک روگ ہے جو باطن کے اندر گڑا رہتا ہے۔ حقد اور حسد کہ یہ دونوں چیزیں جس کے اندر ہوتی ہیں اس کے باطن کو خباثت سے پُر کر دیتی ہیں مگر اس کے باطن میں یہ چیزیں دبی ہوئی اور مقید رہتی ہیں جب تک کہ موقع نہیں ہوتا اور جب اس طرح کا موقع ملتا ہے تو بیڑی ٹوٹ جاتی ہے اور پردہ حیا اُٹھ جاتا ہے اور وہی خباثت درونی ٹپکنے لگتی ہے تو جس صورت میں کہ حقد اور حسد باطن میں ہو اس صورت میں کسی سے اخوت نہ کرنی چاہیے بلکہ علیحدگی بہتر ہے۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ بھائیوں پر ظاہر کا عتاب بہ نسبت باطنی کینہ کے اچھا ہے اور کینہ ور کا لطف بجز اس سے وحشت کرنے کے اور کچھ نہیں بڑھاتا اور جس شخص کے دل میں کسی مسلمان کا کینہ ہوتا ہے تو اس کا ایمان ضعیف ہے اور اس کا معاملہ خطرناک ہے اس کا دل صلاحیت دیدار الٰہی کی نہیں رکھتا۔ چنانچہ عبدالرحمن بن جبیر اپنے باپ سے راوی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں یمن میں تھا اور میرا ہمسایہ ایک یہودی تھا کہ توریت کی خبریں مجھ سے کہا کرتا تھا جب وہ سفر سے آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا جس نے ہم کو مسلمان ہونے کو فرمایا ہے ہم مسلمان ہو گئے اور ہمارے لیے ایک کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی جو توراۃ کی تصدیق کرتی ہے۔ اس یہودی نے کہا کہ تم درست کہتے ہو مگر جو حکم تمہارے پیغمبر لائے ہیں ان کو تم نہ کر سکو گے۔ ہم ان کی اور ان کی امت کی پہچان توریت میں اس طرح پاتے ہیں کہ کسی آدمی کو اپنے دروازے کی چوکھٹ سے باہر پاؤں رکھنا نہیں اس حال میں کہ اس کے دل میں کسی مسلمان پر کینہ ہو اور حقوق ربانی میں سے یہ بھی ہے کہ جس راز کو اس نے ودیعت اپنے پاس رکھا ہو اس کا افشا نہ کیجیے اور اگر ضرورت ہو تو اس کا انکار بھی درست ہے کہ اس نے مجھ سے کوئی راز نہیں کہا۔ گو یا جھوٹ ہوگا مگر ایسے موقع پر سچ واجب نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ جیسے آدمی کو اپنے عیبوں اور اسرار کا چھپانا جائز ہے گو جھوٹ بولنا پڑے اسی طرح یہ باپ اپنے بھائی کے حق میں کرنی درست ہے کیونکہ وہ بھی قائم مقام اپنے نفس کے ہے گویا ایک جان دو قالب ہیں۔ یہ حقیقت اخوت کی ہے اسی لیے جو عمل کہ ایسے دوست کے سامنے آدمی کرے تو ریا کار نہ ہوگا اور نہ عمل باطنی سے نکل کر عمل ظاہری میں داخل ہوگا کیونکہ بھائی کے عمل کو جاننا ایسا ہے جیسا خود اپنے آپ کو جاننا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] من ستر عورۃ اخیہ سترہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرۃ اور دوسری روایت

ت اخرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ جب کہ ناپ لیں لوگوں سے پورا بھر لیں اور جب ناپ دیں ان کو یا تول دیں تو گھٹا دیں ۱۲

ح ۲ جو شخص اپنے بھائی کا عیب چھپائے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ مسلم بروایت ابی ہریرہ بلفظ من ستر مسلماً اور الفاظ حیاسے ابن ماجہ بروایت ابن عباس نقل کیا ہے اسمیں یوم القیامت کہا ہے بجائے فی الدنیا والآخرہ کے ۱۲

میں یوں ہے من ستر عورۃ اخیہ فکانما احیا مؤودۃ[ح۱] اور فرمایا اذا حدث الرجل بحدیث ثم التفت فہو امانۃ[ح۲] اور فرمایا کہ مجالس امانت کے ساتھ ہیں مگر تین مجلسیں ایک وہ جس میں ناحق خون کیا جاوے۔ دوسری وہ جس میں زنا حلال سمجھا جاوے تیسری وہ جس میں مال بوجہ ناجائز حلال کیا جاوے۔ اور فرمایا[ح۳] کہ آپس کے بیٹھنے والے امانت کے ساتھ بیٹھتے ہیں ان میں سے ایک کو حلال نہیں کہ ایک کی بات ظاہر کرے جو اس کو بُری لگے۔ کسی ادیب سے سوال کیا گیا کہ تم راز کی حفاظت کیسے کرتے ہو کہا میں راز کے حق میں قبر بن جاتا ہوں اور یہ مثل بھی مشہور ہے بھلے مانسوں کے صدر دروازوں کے قبور ہیں اور کہتے ہیں کہ احمق کا دِل منہ میں ہوتا ہے اور عاقل کی زبان دِل میں ہوتی ہے یعنی احمق اپنے دل کی بات چھپا نہیں سکتا اور ایسی طرح ظاہر کر دیتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور یہی وجہ احمقوں سے ترک ملاقات اور ان کی صحبت بلکہ ان کی صورت دیکھنے سے احتراز واجب ہے اور کسی دوسرے سے پوچھا گیا کہ تم راز کو کس طرح چھپاتے ہو کہا کہ کہنے والے سے انکار کرتا ہوں اور پوچھنے والے سے قسم کھاتا ہوں اور کسی اور کا قول ہے کہ میں راز کو چھپاتا ہوں اور اس امر کو بھی پوشیدہ رکھتا ہوں کہ راز کو چھپاتا ہوں، اور ابن المعتز نے راز کے چھپانے کے باب میں یوں کہا ہے۔ شعر:

راز کو مجھ سے کہا جس نے چھپانے کے لیے ۔۔۔ رکھ کے میں نے اس کو سینہ میں وہیں دفنا دیا

اور ایک شخص نے اس سے بڑھ چڑھ کر قطعہ کہا ہے۔ قطعہ:

ہے نہیں راز میرے سینہ کی مُردہ کی طرح ۔۔۔ کیونکہ مردہ کو توقع ہے اٹھے روز جزا

بلکہ میں بھولتا ہوں راز کو اس صورت سے ۔۔۔ گویا اس سے کبھی اکدم کو بھی آگاہ نہ تھا

ہوتا سینہ سے اگر راز چھپانا ممکن ۔۔۔ راز کا راز مرے دل سے بھی مخفی رہتا

اور ایک شخص نے اپنا راز کسی اپنے دوست سے کہا پھر اس سے کہا کہ تم نے یاد کر لیا اس نے جواب دیا میں تو بھول گیا۔ اور ابوسعید ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کو کسی شخص سے بھائی چارہ منظور ہو تو اوّل اس کو خفا کر دو پھر ایک آدمی معین کر دو کہ اس سے تمہارا حال اور تمہارے راز دریافت کرے اور اگر وہ تمہارے حق میں بہتر کہے اور تمہارے راز افشا نہ کرے تب اس کی صحبت اختیار کرو اور ابو یزیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ تم کس صفت کے آدمی سے صحبت رکھتے ہو فرمایا کہ جو میرے وہ مخفی حال جانتا ہے جو خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں اور پھر ان کو ایسا ہی چھپاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ پردہ پوشی کرتا ہے۔ اور ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو یہ بات پسند نہ ہو کہ تجھ کو گناہوں سے معصوم دیکھے اس کے ساتھ رہنے میں کچھ بہتری نہیں اور جو آدمی غصہ کی حالت میں راز افشا کرے وہ پاجی ہے۔ رضا کے وقت تو راز داری ہر ایک

ح۱ جس شخص نے اپنے بھائی کا عیب چھپایا گویا اس نے زندہ در گور کو جلایا، ابوداؤد و نسائی و حاکم بروایت عقبہ بن عامر ح۲ جب آدمی کوئی بات کہے دوسری طرف رخ کرے تو وہ بات امانت ہے، ابوداؤد و ترمذی بروایت جابر ۱۲ ح۳ ابوداؤد بروایت جابر ۱۲ ح۴ ابوبکر بن بلال در مکارم اخلاق بروایت ابن مسعودؓ بسند ضعیف ۱۲ ۔ ح۵ اس کی سند باب العلم میں گذری ۱۲ نٹ ابو یزید ۱۲

طبیعت سلیم کا مقتضا ہے۔ اور کسی حکیم کا قول ہے کہ جو شخص چار باتوں میں بدل جاوے اس کی صحبت اختیار مت کر یعنی غصہ میں اور ہوا اور رضا میں اور طمع میں جدا ہوا اور بے طمعی میں جدا۔ بلکہ چاہیے کہ ان سب صورتوں میں صادق الاخوۃ ہو اور اسی لیے کسی نے یہ قطعہ کہا ہے۔ قطعہ:

جدائی میں بھی یہ دستور ہے کریموں کا چھپائیں زشتی کو احسان کو کریں ظاہر
ولے لئیم اگر دوستی کو ترک کریں چھپائیں خوبی کو بہتان کو کریں ظاہر

اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادہ ابن عباسؓ کو ارشاد فرمایا کہ چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ امیرالمؤمنین عمرؓ تم کو بوڑھوں پر مقدم کرتے ہیں اس لیے میں پانچ باتیں کہتا ہوں ان کو یاد کر لو اوّل یہ کہ ان کا راز فاش مت کرنا دوسرے یہ کہ ان کے پاس کسی کی غیبت مت کرنا تیسرے یہ کہ ان کے سامنے کوئی جھوٹ مت بولنا۔ چوتھے یہ کہ ان کے کسی حکم کی نافرمانی مت کرنا پانچویں یہ کہ ایسی بات مت کرنا کہ ان کو تمہاری خیانت ثابت ہو۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بات سے بہتر ہے۔ اور حقوق ربانی میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اپنا دوست کہے اس کو نہ کاٹے اور نہ اس کا مزاحم ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نہ کسی بیوقوف کی بات کاٹو کہ وہ تم کو ایذا دیوے اور نہ کسی عقلمند کی بات کاٹو کہ وہ تم سے بغض کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خود باطل ہو کر بات کاٹنا ترک کرے اس کے لیے جنت کے ایک کنارے گھر بنے گا اور جو کوئی حق پر ہو کر بات کاٹنے کو ترک کرے گا اس کے لیے سب سے اوپر کی جنت میں مکان بنایا جائے گا۔ یہ ثواب بات کاٹنے کے چھوڑنے کا ہے۔ حالانکہ باطل پر ہو کر ترک کرنا واجب ہے اور حق پر ہو کر ساکت رہنا نفل ہے مگر نفل پر ثواب اس لیے زیادہ ہوا کہ حق پر ہو کر خاموش ہونا نفس پر نہایت شاق ہے بہ نسبت باطل پر ہو کر سکوت کرنے کے اور ثواب بقدر مشقت کے ہوا کرتا ہے۔ اور آتش حقد دو بھائیوں میں بھڑک اٹھنے کا سبب قوی یہی بات کاٹنا اور مناقشہ ہے اس لیے خلاف اوّل رایوں میں ہوتا ہے پھر اقوال میں پھر بدنوں میں تو گویا عین تقاطع اور تخالف بھی بات کاٹنا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیںؒ کہ نہ ایک دوسرے سے تقاطع کرو نہ آپس میں بغض رکھو نہ حسد کرو نہ باہم جدائی رکھو اور اللہ کے بندے بھائی ہو جاؤ اور فرمایا[ح] المسلم اخ المسلم لا یظلمہ ولا یحرمہ ولا یخذلہ بحسب المرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم اور سب سے زیادہ حقیر سمجھنا بات کاٹنا ہے کیونکہ جو شخص دوسرے کی گفتگو کو رد کرتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو اس کو جہل حماقت کی طرف نسبت کرتا ہے یا حقیقت اشیاء کے فہم سے اس کی غفلت اور سہو ثابت کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں موجب حقارت اور باعث کینہ اور وحشت ہیں۔ اور ابوامامہ باہلیؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت میں کہ ہم ایک دوسرے کی بات کاٹ رہے تھے تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا

ح اس کی سند بھی اوپر گذری ۱۲ ح مسلمان بھائی ہے مسلمان کا نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو محروم کرتا ہے اور نہ رسوا کرتا ہے آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی حقارت کرے مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح طبرانی در کبیر بروایت ابی امامہ وابی درداء اول جملہ، اور ابو منصور نے بروایت ابوامامہ آخر کا جملہ اور روایت دونوں کی ضعیف ہے ۱۲

کہ بات کاٹنے کو چھوڑ دو کہ اس میں بہتری کم ہے اور اس کو جانے دو کہ اس میں فائدہ تھوڑا ہے اور بھائیوں میں عداوت پیدا کرتا ہے اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ جو شخص بھائیوں سے ہشت ہشت کرے اور ان کی بات کاٹے اس کی مروت کم ہو جاتی ہے اور بزرگی جاتی رہتی ہے اور عبداللہ بن حسنؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی بات کاٹنے سے دور بھاگو ورنہ تم پر کسی عاقل کا داؤں چل جاتے گا یا کوئی جاہل گلچپ ہو جائیگا اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ لوگوں میں سب سے عاجز وہ ہے جو یاروں کی طلب میں کوتاہی کرے اور اس سے بھی عاجز وہ ہے جو یار حاصل کر کے تلف کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ کثرت مناقشہ باعث تلف کرنے اور جدائی اور عداوت کا ہوتی ہے اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ہزار شخصوں کی دوستی کے عوض ایک آدمی کی عداوت مت مول لو حاصل یہ کہ مناقشہ کا باعث صرف یہی ہے کہ اپنی تمیز اور عقل اور فضل کو زیادہ ظاہر کرنا، اور دوسرے کو جاہل ٹھہرانا اور اس میں تکبر اور حقیر سمجھنا اور ایذا دینا اور احمق و جہالت کی گالی دینا سب کچھ پایا جاتا ہے اور دشمنی بجز ان باتوں کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ پس اخوت اور دوستی میں یہ باتیں کیسے شامل ہوں گی، کہ حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا[1] کہ اپنے بھائی کی بات مت کاٹو اور اس سے مزاح مت کرو اور نہ کوئی وعدہ ایسا کر جسکا تو خلاف کرے۔ اور ایک حدیث[2] میں یہ ارشاد ہے کہ تم لوگوں[3] کو اپنے مال دیتے ہو لیکن ان کو تم سے کشادگی پیشانی اور خوش خلقی ملنی چاہیئے۔ اور بات کاٹنا خوش خلقی کے خلاف ہے اور سلف[4] کے لوگ بات کاٹنے سے اتنا ڈرتے تھے کہ دوست کی بات پر تکرار نہ کرتے، ان کا مذہب یہ تھا کہ اگر کوئی اپنے بھائی سے یہ کہے کہ اُٹھ اور وہ پوچھے کہ کہاں تو اس کا ساتھ چھوڑ دے بلکہ یوں چاہیئے کہ اس کے کہتے کے ساتھ ہی کھڑا ہو جائے اور کچھ نہ پوچھے اور ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میرا ایک دوست عراق میں تھا حوادث کے وقت میں اس کے پاس جا کر کہتا کہ اپنے مال میں سے کچھ مجھ کو دو وہ ایک تھیلی میرے سامنے رکھ دیتا میں اس میں سے بقدر حاجت لے لیتا ایک روز جو میں اس کے پاس گیا اور کہا کہ مجھ کو کچھ ضرورت ہے تو اس نے کہا کہ کسقدر چاہتے ہو اس کے سنتے ہی اس کی دوستی کی حلاوت میرے دل میں سے جاتی رہی۔ اور کسی دوسرے کا قول ہے کہ جب تم اپنے بھائی سے کچھ مانگو اور وہ پوچھے کہ کیا کرو گے تو اس نے حق اخوت کو ترک کر دیا اور یہ بھی یاد رہے کہ اخوت کا قائم ہونا کلام الٰہی کی موافقت اور فعل کی مطابقت اور شفقت سے ہوتا ہے۔ ابو عثمان حیریؒ کہتے ہیں کہ دوستوں کے ساتھ یک سخن ہونا ان پر شفقت کرنے کی نسبت بہتر ہے اور واقع میں بھی ایسا ہی ہے جیسا انہوں نے کہا۔ چوتھا حق اخوت کا زبان پر بولنے میں ہے کیونکہ اخوت جیسا اس بات کی مقتضی ہے کہ اس کے سامنے بُری باتوں سے سکوت کیا جاوے ایسا ہی اس بات کو چاہتی ہے کہ جو باتیں یار کو پسند ہوں

---

[1] ترمذی بروایت ابن ابی سلیم اور کہا کہ غریب ہے ۱۲ [2] حاکم و بیہقی در شعب بروایت ابی ہریرہ ۱۲ [3] قولہ تم لوگوں کو الخ اصل میں ہے کہ تجارتی مالوں میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب کو پہنچ جاویں لیکن تجارتی کشادہ پیشانی اور خوش خلقی میں سب کی سمائی ہے ۱۲ امیر علی [4] قولہ سلف کے لوگ الخ اصل میں ہے کہ سلف کے لوگ بات کو دیکھنے سے یہاں تک پرہیز کرتے کہ دوست کی بات پر پوچھنے کو بھی جائز نہ رکھتے اور کہتے کہ اگر تم دوست سے کہو کہ اٹھو اور وہ کہے کہ کہاں چلنا ہو گا تو اس کا ساتھ چھوڑ دو۔ یعنی دوستی کے لائق نہیں ۱۲ سید صدیق احمد سلمہ اللہ تعالیٰ ۱۲

وہ اس کے سامنے بیان کی جاویں بلکہ یہ امر اخوت ہی سے خاص ہے ورنہ جو شخص سکوت ہی پر قانع ہے وہ گویا مردوں کا ساتھی ہے۔ یاروں کی تلاش اس لیے ہوتی ہے کہ ان سے کچھ فائدہ ہو نہ یہ کہ ان کی ایذا سے بچے رہیں اور خاموشی کے معنی یہی ہیں کہ دوسرے کو زبان سے ستایا نہ جاوے پس آدمی کو چاہیے کہ اپنے یار سے بولے بات کرے اور جن باتوں کا پوچھنا واجب ہو ان کو پوچھے مثلاً اگر کوئی مانع پیش آجاوے جس سے دل کو اضطرار ہو یا اس کی تندرستی معلوم ہوئے مدت ہوگئی ہو یا کوئی اور حالت جو اس کو بُری معلوم ہوتی ہو، طاری ہو تو چاہیئے کہ اس کو زبان سے کہے کہ ہم کو بھی اس سے رنج ہے اور جن حالتوں سے کہ وہ خوش ہوتا ہو ان میں اپنا شریک ہونا زبان سے بیان کرے کیونکہ اخوت کے معنی یہی ہیں کہ درد و راحت میں شریک ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] اذا احب احدکم اخاہ فلیخبرہ اس حدیث میں خبر دینے کے لیے ارشاد فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ مثلاً اگر تم کسی سے محبت کرو اور اسکو معلوم نہ ہو کہ تم کو اس سے محبت ہے تو محبت کی ترقی نہ ہوگی لیکن اگر وہ جان جاوے گا کہ تم کو محبت ہے تو بالطبع تم سے محبت کرے گا اور جب تم کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے تو بالضرور تم کو محبت اس کے ساتھ زیادہ ہوگی اسی طرح دونوں طرفوں سے محبت دم بدم بڑھتی جائے گی اور شریعت میں ایمانداروں کا باہم محبت کرنا مطلوب ہے اور دین میں بھی یہ امر محبوب ہے اور اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے اس کا طریق سکھایا اور ارشاد فرمایا تھادوا وتحابوا[ح۲] اور ایک حق زبان سے بولنے کا یہ ہے کہ جس نام سے دوست کو پکارا جانا پسند ہو وہی نام لے کر پکارے اور سامنے اور پیچھے اس کا نام وہی لے جو اس کو محبوب ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان کو بھائی کے ساتھ برتو تو اس کی دوستی تمہارے ساتھ خالص ہو جاوے گی اول یہ کہ جب اس سے ملو اوّل سلام کرو دوم یہ کہ اچھی طرح اس کو بٹھلاؤ سوم یہ کہ اس کو جونسا نام اپنا اچھا معلوم ہوتا ہو اس کو لے کر پکارو۔ اور ایک حق یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے دوست کو اپنی تعریف پسند ہو اس کے سامنے جو خوبیاں تم کو معلوم ہوں ان کو ذکر کرو کہ یہ امر کشش محبت کا بڑا سبب ہے اور اسی طرح اس کی اولاد اور اہل خانہ اور کردار کی تعریف کرنی بلکہ اس کی عقل اور صورت اور نوشت اور اشعار اور تصنیف خواہ اور چیزوں کی خوبی بیان کرنی جنسے وہ خوش ہو مگر اس تعریف میں جھوٹ اور مبالغہ نہ ہو بلکہ جو بات قابل تحسین ہو اس کی خوبی بیان کی جاوے اور اس سے زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ اگر غیر شخص اس کی تعریف کرتا ہو تو اظہار فرحت کے ساتھ دوست سے اس کا قول نقل کرے کہ اس کا خفیہ کرنا محض حسد ہے اور ایک حق یہ ہے کہ اگر دوست نے کوئی سلوک تمہارے ساتھ کیا ہو تو اس کا شکر ادا کرو بلکہ اگر اس نے نیت سلوک کی کی ہو اور وہ پورا نہ ہو تب بھی شکر کرنا ہوگا اور سب سے زیادہ تاثیر محبت کے کھینچنے کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کو بیٹھ پیچھے بُرا کہے یعنی صراحتہً یا کنایۃً اس کی عزت کے درپے ہو تو خود دوست کی طرفداری اور حمایت کے لیے مستعد ہو اور اس بدگو کو چپکا کرے اور للکارے اس سے خاموشی

ح۱ جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو دوست رکھے تو چاہیئے کہ اسکو اطلاع کر دے۔ ابوداؤد و ترمذی و حاکم بروایت ابن معدیکرب ۱۲

ح۲۔ آپس میں ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔ بیہقی بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

کرنی موجبِ کینہ اور نفرتِ دل ہے اور حق اخوت کے ادا کرنے میں کوتاہی کا باعث ہے۔ اور آنحضرت[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دو دوستوں کو دو ہاتھوں سے تشبیہ دی ہے کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہو تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک دوست دوسرے کی مدد کرے اور قائم مقام بنے اور ایک حدیث میں ارشاد ہے[2] المسلم اخ المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یسلمہ اور اس کی بُرائی سننی عین رسوا کرنا اور اس کو اعداء کے حوالے کرنا ہے اس لیے کہ اس کی حرمت کو ٹکڑے ہونے دینا ایسا ہی ہے جیسے اس کے گوشت کو پارہ پارہ ہونے دینا اس کو ایسا سمجھو کہ کتے تم کو چیرے ڈالتے ہوں اور تمہاری بوٹیاں اڑاتے ہوں اور کوئی تمہارا بھائی تم کو چپکا کھڑا دیکھے اور تم پر ترس نہ کھاوے تو تم کو کیسا بُرا معلوم ہوگا حالانکہ حرمت کا ہتک ہونا دلوں پر گوشت کے پارہ پارہ ہونے سے زیادہ ناگوار ہوتا ہے اور یہیں وجہ غیبت کو خدائے تعالیٰ نے مردار کے گوشت کھانے سے مشابہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے[3] ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ اور روحیں جو خواب میں لوحِ محفوظ کو دیکھتی ہیں تو فرشتہ ان کے دیکھے ہوئے معاملات کو محسوسات کی شکل میں بنا کر دکھلاتا ہے اور غیبت کو مردار گوشت کھانے کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ گوشت مردار کھاتا ہے تو اس کی تعبیر یہی ہے کہ لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس لیے کہ وہ فرشتہ جو کسی بات کی صورت بناتا ہے تو صرف ظاہر کا نہیں کرتا بلکہ اس چیز اور صورت مثالیہ میں مشارکت اور مناسبت معنوی کا لحاظ رکھتا ہے جو مثال بمنزلہ روح کے ہے اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ حق اخوت کی رعایت کرنی اور دشمنوں کی بُرائی وقت اس کی حمایت کرنی اور بدگویوں کی بدگوئی سے اس کو رہائی دینی آدمی پر واجب ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دوست کو اس کی غیبت میں اس طرح ذکر کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ تمہاری غیبت میں کوئی تمہارا ذکر کرے تو اس صورت میں تمہارے لیے دو باتیں سمجھنی کار آمد ہیں۔

اول یہ کہ فرض کرو کہ جو بات دوست کو کسی نے کہی وہ تم کو کہتا اور دوست مذکور وہاں موجود ہوتا تو تمہارا دل اس وقت کیا چاہتا کہ تمہارا دوست تمہارے باب میں کیا کہے تو جو تقریر دوست کی اس وقت میں تم کو پسند ہوتی وہی تم کو اس پر طعنہ کرنے والے کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ فرض کر لو کہ تمہارا دوست دیوار کے پیچھے موجود ہے اور تمہاری تقریر سنتا ہے اور اس کے گمان میں یہ ہے کہ تم اس کا موجود ہونا نہیں جانتے تو اس وقت میں اس کی طرفداری جتائی اور اس کے سنائے کو جو کچھ تمہارے دل میں جنبش ہو وہی اس کے پیٹھ پیچھے بھی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جب میرے کسی بھائی کا ذکر اس کی غیبت میں ہوتا ہے تو میں خیال کر لیتا ہوں کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور پھر وہ باتیں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض وہ ہوتا اور سنتا تو اس کو اچھی معلوم ہوتیں۔ اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ جب میرے کسی بھائی کا مذکور ہوتا ہے تو اپنے آپ کو اس کی صورت میں سمجھ لیتا ہوں اور اس کے باب میں وہ بات کہتا ہوں کہ جس کو اپنے حق میں کہا جانا بہتر سمجھتا ہوں۔ اور یہ امر سچی مسلمانی میں سے ہے کہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات مناسب معلوم کرے جو اپنے حق میں

---

[1] اس کی سند پہلی فصل میں گذری ۱۲ [2] مسلمان بھائی ہے مسلمان کا اس پر ظلم نہیں کرتا نہ اس کو رسوا کرے نہ تنہا بے مددگار چھوڑے۔ اسکی سند اوپر گذری ۱۲

[3] بھلا خوش لگتا ہے تم کو میں کسی کو کہ کھاوے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہے سو گھن آئے تم کو اس سے ۱۲

بہتر سمجھتا ہے۔ اور حضرت ابودرداءؓ نے ایک ہل میں دو بیل جوتتے ہوئے دیکھے کہ قلبہ رانی کر رہے ہیں اتنے میں ایک
کھڑا ہو کر اپنا بدن کھجلانے لگا۔ دوسرا بھی کھڑا ہو رہا۔ آپ یہ دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا کہ یہی حال فی اللہ دوستوں کا ہے کہ
دونوں اللہ تعالیٰ کے واسطے کام میں لگے ہوتے ہیں اور ایک کھڑا ہو جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کا موافق ہوتا ہے اور پورا
اخلاص موافقت ہی سے ہوتا ہے اور جو شخص محبت میں اخلاص نہ رکھتا ہو وہ منافق ہے اور اخلاص یہ ہے کہ آگے اور
پیچھے اور زبان اور دل اور ظاہر و باطن اور تنہائی اور جماعت میں یکساں ہووے۔ ان دونوں چیزوں میں سے اگر کسی میں اختلاف
اور فرق ہوگا وہی دوستی کا بگاڑ اور دین کا خلل اور اہل ایمان کے طریق کا رخنہ ہے اور جو شخص اپنے نفس پر اس بات کا
قادر نہ ہو کہ ہر حال میں یکساں رکھ سکے تو اس کو چاہیے کہ صحبت اور دوستی کا نام نہ لے تنہائی اختیار کرے کیونکہ دوستی کا
حق نباہنا مشکل ہے۔ اس کی تاب اسی کو ہوتی ہے جو محقق ہو اس کے ثواب جزیل کا شایاں وہی ہے جو موفق ہو اور اسی لیے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ح کہ جو شخص تیرے ہمسایہ میں ہو اس کی ہمسائیگی اچھی طرح کر تو مسلمان ہو جائے گا۔
اور جو شخص تیری صحبت میں ہو اس کی مصاحبت اچھی طرح کر کر تو ایماندار ہو جائے گا۔ تو دیکھو اس حدیث میں ایمان تو صحبت
اور حق ہمسائیگی کی بجا آوری کی مشقت میں ہے اس لیے کہ صحبت کے لیے بہت سے حقوق قریبہ متوالیہ بلکہ علی الدوام درکار
ہیں اور ہمسائیگی کے لیے حقوق قریبہ ہوتے ہیں مگر کبھی کبھی ہوتے ہیں ان کے لیے دوام کی قید نہیں اور منجملہ حقوق زبانی کے
ایک تعلیم اور نصیحت ہے کیونکہ علم کی حاجت اپنے دوست کو مال کی ضرورت سے کم نہیں۔ جب مال میں اس کو اپنا شریک
کرنا حق الفت ٹھہرا تو علم میں بھی بطریق اولیٰ شریک کرنا چاہیے یعنی اگر تم کو سب علوم سے بہرہ دانی ہے تو چاہیے کہ جو امور
دین میں خواہ دنیا میں دوست کے کار آمد اور مفید ہو اس کو تعلیم کرو اور تمہاری تعلیم کے بعد اگر وہ علم کے موجب کاربند نہ ہو
تو تم کو لازم ہے کہ اس کو نصیحت کرو۔ اس طرح کہ افعال بد کی برائیاں اور ان کے ترک کے فوائد اس کے سامنے ذکر کرو اور جو
بات کہ اس کو دنیا اور آخرت میں بری معلوم ہوتی ہو اس سے ڈراؤ تاکہ وہ ان حرکات سے باز آوے اور اس کے عیوب
پر اس کو خبردار کرو اور بری بات کی قباحت اور اچھی بات کی خوبی اس کے دل میں جما دو مگر چاہیے کہ یہ امور خفیہ تنہائی میں
اس سے کہو تاکہ کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو اس لیے کہ مجمع میں کہنا توبیخ اور فضیحت میں داخل ہے اور تنہائی میں کہنا شفقت اور
نصیحت شمار کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ح۲ المومن مرآۃ المومن اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے
باعث سے وہ بات معلوم کر لیتا ہے جو اپنے آپ نہیں سوجھتی۔ یعنی ایک ایماندار اپنے دوسرے بھائی کی وجہ سے اپنے عیبوں
پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اگر تنہا ہوتا تو یہ بات حاصل نہ ہوتی۔ جیسے آئینہ سے اپنی ظاہری صورت کے عیب پر واقف ہو جاتا
ہے اور بدون آئینہ کے نہیں معلوم کر سکتا۔ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے بھائی کو خفیہ سمجھا دے وہ اس کو
نصیحت کرتا ہے اور زینت دیتا ہے اور جو اس کو فہمائش کرے تو فضیحت کرتا ہے اور عیب لگاتا ہے اور مسعر سے پوچھا
گیا کہ جو شخص تم کو تمہارے عیوب بتا دے اس سے تم محبت کرتے ہو کہ نہیں کہا کہ اگر وہ مجھ کو خود تنہا لے کر نصیحت

ح قضاعی در مسند شہاب بروایت ابی ہریرہ رضؓ ح ۲ ایماندار آئینہ ہے ایماندار کا۔ ابوداؤد بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

کرے تو البتہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور مجمع میں مجھ کو نصیحت کرتا ہے تو محبت نہیں کرتا ہے، تو محبت نہیں کرتا ہوں اور واقع میں درست کہا اس لیے کہ مجمع میں نصیحت کرنا فضیحت ہی ہے۔ دیکھو خدائے تعالیٰ قیامت کے دن اپنے دوستوں پر جو عتاب فرماوے گا تو ان کو اپنی پناہ کے اندر اور ستارے کے سایہ میں علیحدہ گناہوں پر خفیہ مطلع کرے گا اور اس کا نامہ اعمال مہر لگا ہوا ان فرشتوں کو دے گا جو اس کے ساتھ جنت تک جائیں گے جب دروازۂ جنت کے قریب پہنچیں گے اس وقت وہ نوشتہ سربند اس کے حوالہ کریں گے کہ اس کو پڑھ لے۔ اور جو لوگ مستحق خفگی کے ہیں وہ برسر مجمع پکارے جائیں گے اور ان کے گناہوں کے لیے ان کے اعضا بولیں گے جس سے زیادہ تر رسوائی اور فضیحت ہوگی خدائے تعالیٰ اس روز کی فضیحت سے ہم کو پناہ میں رکھے۔ غرضکہ فضیحت اور نصیحت میں فرق یہی ہے کہ نصیحت تنہائی میں ہوتی ہے اور نصیحت مجمع میں جیسے مدارات اور مداہنت کہ دونوں میں چشم پوشی ہوتی ہے لیکن اگر چشم پوشی اس لیے ہو کہ تمہارا دین سلامت رہے اور بھائی کی اصلاح ہو تب تو مدارات ہے اور اگر اس لیے ہے کہ اپنے نفس کا حظ اور شہوتیں حاصل ہوں اور جاہ بنا رہے تو اس کا نام مداہنت ہے۔ اور ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ سے صحبت موافقت کے ساتھ اختیار کرو اور خلق سے نصیحت ہی کے ساتھ اور نفس سے مخالفت ہی کے ساتھ اور شیطان سے عداوت ہی کے ساتھ۔ اب اگر یہ کہو کہ جس صورت میں نصیحت کے اندر عیوب کا ذکر ہوگا تو اس سے تو دل کا نفرت دلانا ہوا یہ امر حق اخوت میں سے کیسے ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ متنفر کرنا دل کا اس عیب کے ذکر سے ہوتا ہے جس کو دوسرا شخص اپنے آپ میں خود جانتا ہے اور جس عیب کو وہ اپنے نفس میں نہیں جانتا اس پر اس کا آگاہ کرنا عین شفقت اور اس کے دل کو اپنی طرف مائل کرنا ہے بشرطیکہ عاقل ہو۔ اور بیوقوفوں سے ہم کو بحث نہیں کیونکہ اگر کوئی حرکت مذموم تم سے ہوگئی یا کوئی بری صفت تم میں ہے اور دوسرا شخص تم کو اس فعل یا صفت سے آگاہ کر دے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے تمہارے کپڑوں میں بچھو یا سانپ ہو اور وہ قصد تمہارے ہلاک کرنے کا رکھتا ہو اور دوسرا شخص تم کو آگاہ کر دے تو اب اگر تم اس شخص کی نصیحت کو برا جانو تو تم سے زیادہ بیوقوف اور کون ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ بری صفتیں بھی بچھو اور سانپ ہیں اور آخرت میں ہلاک کرنے والی ہیں کیونکہ وہ دلوں اور روحوں کو کاٹتی ہیں اور ان کا درد بہ نسبت دنیا کے سانپ بچھوؤں کے جو ظاہر بدن کو کاٹتے ہیں زیادہ ہیں، اور وہ آگ سے پیدا ہوتے ہیں جو دلوں کو جھانکتی ہے۔ اور حضرت عمرؓ عیوب پر آگاہی کرنے کو ہدیہ فرمایا کرتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جو اپنے بھائی کے پاس اس کے عیبوں کا ہدیہ لے جاوے۔ اور یہی وجہ جب تک حضرت سلمان آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اپنے نزدیک میری بری بات جو تم نے سنی ہو بیان کرو انہوں نے کہا کہ اس سے مجھ کو معاف فرمایئے آپ نے اصرار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس دو لباس ہیں ایک دن کو پہنتے ہیں اور ایک رات کو اور میں نے سنا ہے کہ آپ نے ایک دسترخوان پر دو سالن جمع کیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی فکر مت کرو، ان دو باتوں کے سوا اور کچھ سنا ہے انہوں نے کہا نہیں۔ اور حذیفہ مرعشی نے یوسف بن اسباط کو لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنا دین دو پیسے کے عوض بیچ دیا کہ دودھ والا جو تمہارا آشنا تھا اس سے تم نے دودھ کو پوچھا کہ کتنے کا ہے اس نے کہا کہ چھ پیسے کا تم نے کہا کہ نہیں چار پیسے کا اس نے کہا کہ لیجاؤ تم

اپنے سر پر سے غافلوں کا پلہ اتار دو اور خواب غفلت سے جاگو اور جان لو کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے سبب سے غنی نہیں ہوتا اور دنیا کو اختیار کرتا ہے مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ خدائے تعالیٰ کی آیتوں سے ٹھٹھول کرنے والا نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں کا وصف فرمایا ہے کہ اپنے ناصحوں سے بغض رکھتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے[1] ولکن لا تحبون الناصحین اور یہ صورت اسی عیب میں ہے جس سے آدمی غافل ہو لیکن اگر تم کو معلوم ہے کہ وہ اپنی خطا کو جانتا ہے مگر اپنی طبیعت سے مجبور ہے تو اگر وہ اس گناہ کو چھپاتا ہو تو اس کی پردہ دری نہیں چاہیے اور اگر ظاہر کر کے مرتکب ہوتا ہو تب البتہ نصیحت میں نرمی کرنی چاہیے اور کبھی تصریح سے ایسی طرح سمجھانا چاہیئے کہ اس کو وحشت نہ ہو اور اگر جانو کہ نصیحت اس میں اثر نہ کرے گی اور وہ اپنی طبیعت سے مضطر ہے اور بہمیں وجہ گناہ پر مصر تو اس سے سکوت کرنا بہتر ہے اور یہ سب باتیں ان امور میں ہیں جو دوست کے مقاصد دینی اور دنیوی سے متعلق ہوں اور اس طرح کے ہوں کہ تمہارے حق میں کوتاہی کرنے سے علاقہ رکھتے ہوں تو اس میں تحمل کرنا اور درگذر اور معاف کرنا واجب ہے۔ ان سے دانستہ چشم پوشی کرنی چاہیے ان کے لیے اس سے مزاحمت کرنی نصیحت کی بات نہیں ہاں اگر وہ امور ایسے ہوں کہ ان سے نوبت ترک ملاقات کی پہنچ جائے گی تو تنہائی میں اس پر عتاب کر لینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے یاری ترک کی جاوے اور عتاب بھی کنایۃً کہنا صریحۃً کہنے سے بہتر ہے اور لکھ کر اس کو دے دینا زبانی کہنے سے اچھا ہے اور تحمل کرنا سب اچھا ہے اس لیے کہ دوستی سے تمہاری یہ غرض ہونی چاہیے کہ تم اس کا لحاظ کرو اور اس کا حق ادا کرو اور اس کے قصور پر تحمل کرو، یہ نیت نہ ہونی چاہیئے کہ اس سے اپنے کاموں میں مدد لو اور وہ تمہارے ساتھ نرمی کرے۔ غرضکہ نیت اپنے نفس کی اصلاح کی ہونی چاہیئے۔ ابو بکر کتانی کہتے ہیں کہ ایک شخص میری صحبت میں رہنے لگا اور میرے دل پر گراں تھا میں نے ایک روز اس کو ایک چیز دے ڈالی تاکہ جو بات میرے دل میں ہے وہ جاتی رہے مگر وہ بات نہ گئی۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور حجرہ میں لے جا کر اس سے کہا کہ اپنا پاؤں میرے گال پر رکھ اس نے انکار کیا میں نے کہا کہ ضرور رکھنا پڑے گا۔ اس نے ویسا ہی کیا تب وہ بات میرے دل سے ٹلی۔ اور ابو علی رباطی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ رازی کے ساتھ ہونا چاہا، وہ جنگل میں جایا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ پہلے یہ ٹھہرا لو کہ حاکم تم ہو گے یا میں، میں نے کہا کہ حاکم آپ ہی ہوں گے۔ فرمایا کہ پھر تم کو کہا ماننا ہو گا۔ میں نے کہا کہ بہتر۔ آپ نے پھر ایک تھیلا لے کر اس میں سامان سفر رکھا اور اس کو اپنی پیٹھ پر لاد لیا جب میں آپ سے کہتا کہ یہ بوجھ مجھ کو دیدیجیئے تو آپ فرماتے کہ میں حاکم ہوں کہ نہیں تم کو میرا کہنا ماننا چاہیئے۔ ایک رات ہم کو مینہ نے آلیا آپ کے پاس ایک چادر تھی مجھ کو بٹھلا دیا اور صبح تک مجھ پر اس چادر کو تانے کھڑے رہے کہ مجھ پر پانی نہ پڑے۔ میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ کاش میں مر جاتا اور یہ نہ کہتا کہ حاکم تم ہو۔ پانچواں حق اخوت کا یہ ہے کہ دوست کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کرو۔ اور قصور جس کا دوست مرتکب ہو دو حال سے خالی نہیں یا تو کسی معصیت کے ارتکاب سے اپنے دین میں کوتاہی کرتا ہے یا خاص تمہارے حق میں کمی کرتا ہے تو جو قصور دین میں گناہ کے مرتکب ہوتے یا اس پر اصرار کرنے سے ہو تو اس کے لیے تم کو نصیحت میں نرمی برتنی چاہیئے جس سے اس کی کجی مبدل براستی اور ابتری مبدل بجمعیت ہو جاوے

---

[1] لیکن تم نہیں چاہتے بھلا چاہنے والوں کو ۱۲ ؎ نرمی چاہتے ہیں لیکن کبھی تو اشارہ کنایہ سے ہوشیار کرے (د) یہ اصل میں ہے ۱۲ امیر علی

اور اس کے حال میں از سر نو صلاح و ورع آجائے پس اگر یہ بات تم سے نہ ہو سکے اور وہ اصرار پر جما رہے تو ایسے شخص سے دوستی کے باقی رکھنے یا جدائی اختیار کرنے میں صحابہ اور تابعین کا طریق مختلف ہے۔ حضرت ابو ذرؓ کا مذہب تو یہ ہے کہ اس سے جدائی کرنی چاہیے اور فرماتے ہیں۔ جب آدمی کا دوست اپنے حال سے بدل جائے تو اس کو چاہیئے کہ جیسے اچھی حالت کی وجہ سے اس سے محبت کرتا تھا اب بری حالت کے سبب سے اس سے بغض کرے اور ان کے نزدیک محبت اور بغض فی اللہ کا مقتضا یہی ہے۔ اور حضرت ابو درداءؓ اور کچھ دوسرے صحابی یہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارے بھائی کا احوال بدل جاتے اور بحالت سابقہ نہ رہے تو اس کے سبب سے اس کو ترک مت کرو کیونکہ آدمی کبھی سیدھا ہوتا ہے کبھی کج ہو جاتا ہے سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔ اور حضرت نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے بھائی نے گناہ کیا ہو تو اس گناہ کے باعث اس سے جدائی اور ترک ملاقات مت کرو اس لیے کہ وہ آج گناہ کا مرتکب ہوگا اور کل کو چھوڑ دے گا۔ اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ لوگوں سے عالم کی لغزش کا ذکر مت کرو اس لیے کہ عالم لغزش کرتا ہے اور پھر اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور ایک حدیث[1] میں ہے کہ عالم کی لغزش سے ڈرو اور اس سے ترک ملاقات نہ کرو اور توقع کرو کہ وہ اپنی حرکت سے رجوع کرے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے اخوت کی تھی اور شام کو چلا گیا تھا۔ جب کوئی شخص شام سے آیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ میرے فلاں بھائی کا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا کہ وہ آپ کا بھائی کیوں ہوتا وہ تو شیطان کا بھائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا وجہ اس نے کہا کہ اس نے بہت سے گناہ کبیرہ کیے یہاں تک کہ شراب میں مبتلا ہوا آپ نے فرمایا کہ جب تم شام کو جاؤ مجھے اطلاع کرنا۔ اور جس وقت وہ جانے لگا تو آپ نے ایک پرچہ اس کو لکھا اس طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حم تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ہو الیہ المصیر۔ پھر اس کے بعد اس کو عتاب اور ملامت کیا۔ جب اس شخص نے یہ مضمون پڑھا رویا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے درست فرمایا اور عمرؓ نے مجھ کو نصیحت کی پھر توبہ کی اور اپنی پہلی حالت پر رجوع کیا۔ اور کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہو گیا اس نے اپنے فی اللہ دوست کو اس حال سے اطلاع دی اور کہا بھائی میں تو قصور وار ہو گیا اب اگر تیرا دل میرے ساتھ تیری محبت کرنے کو نہ چاہے تو مت کر۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ تیری خطا کی وجہ سے معاملہ دوستی فسخ کر دوں۔ پھر اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک میرے یار کو اس خواہش نفسانی سے نہ بچاوے گا میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا اور بھوکا اور پیاسا رہنا شروع کیا اور ہر روز دوست سے پوچھ لیتا کہ تمہارا کیا حال ہے وہ یہی کہتا کہ دل اسی بات پر جما ہے اور یہ مارے غم اور بھوک کے روز بروز گھلتا جاتا تھا یہاں تک کہ چالیس روز بے آب و دانہ گذر گئے۔ اب جو اس نے دوست سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میرے دل سے وہ خواہش نفسانی دور ہوئی۔ غرضکہ اتنے دنوں

[1] البغوی در معجم وابن عدی در کامل بروایت عمرو ابن عوف اور دونوں نے اسکو ضعیف کہا ہے ۱۲ ت ۲ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اتارا کتاب کا ہے اللہ سے جو زبردست ہے خبردار گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا اور سخت مار دینے والا مقدور کا صاحب کوئی برحق معبود نہیں مگر وہی اور اسی کی طرف پھر جانا ہے ۱۲

کے بعد کھایا اور پیا۔ حالانکہ دوست کے غم میں قریب مرگ ہو گیا تھا۔ اسی طرح ایک اور حکایت سلف کے دو بھائیوں کی ہے کہ ایک راہ راست سے منحرف ہو گیا تھا۔ کسی نے دوسرے سے کہا کہ تم اس کی ملاقات چھوڑ نہیں دیتے۔ وہ تو بگڑ گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسی وقت میں تو اس کو میری زیادہ ضرورت پڑی ہے ایسے وقت میں کیونکر ترک کروں میں تو اب اس کا ہاتھ پکڑ کے بملائمت عتاب کروں گا اور پہلی حالت پر رجوع کرنے کو کہوں گا۔ سچ ہے ؎

دوست آں دانم کہ گیرد دست دوست
در پریشان حالی و درماندگی

اور بنی اسرائیل کی حکایت میں ہے کہ دو بھائی ایک پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے ان میں سے ایک گوشت خریدنے کو نیچے اترا قصائی کی دکان پر ایک کسبی کو دیکھ کر فریفتہ ہوا اور تنہائی میں لیجا کر اس سے ہمبستر ہوا اور تین روز اس کے پاس ٹھہرا رہا اور مارے حیا کے اپنے بھائی کے پاس نہ گیا۔ جب اس کے بھائی نے تین روز تک اس کو نہ دیکھا تو شہر میں اترا اور پوچھتے پوچھتے اس کا سراغ لگایا جا کر دیکھا تو اس کسبی کے پاس بیٹھا ہے۔ دیکھتے اس کو گلے لگایا اور چومنے چاٹنے لگا۔ اور وہ چونکہ اپنی خطا سے نہایت شرمندہ تھا اس لیے انکار کرنے لگا کہ میں تم کو پہچانتا ہی نہیں، پھر دوسرے نے کہا کہ لو بھائی اب مجھ کو تمہارا حال اور قصہ معلوم ہو گیا۔ تم جیسے اس وقت میں مجھ کو عزیز اور محبوب ہو ایسے کسی وقت میں نہ تھے۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ باوجود اپنی خطا کے میں اس کی نظروں میں نہیں گرا ساتھ ہو لیا اور پھر جیسے تھے ویسے ہو گئے۔ پس کچھ لوگوں کا طریقہ خطاوار دوستوں سے اس طرح ہوا کرتا ہے۔ اور یہ طریق بہ نسبت حضرت ابوذر رضہ کے طریق کے زیادہ لطیف اور زیادہ فقہ کے مطابق ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ آپ کا طریق بہتر اور اسلم ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ تم سے اس طریق کو زیادہ لطیف اور فقہ کے زیادہ موافق کیوں کہا، معصیت کے مرتکب سے تو ابتداءً ہی اخوت کرنی جائز نہیں تو آخر اس سے علیحدگی واجب ہونی چاہیئے اس لیے کہ حکم جب کسی علت سے ثابت ہوتا ہے تو قیاس یہی ہے کہ اس علت کے دور ہونے سے جاتا رہے۔ اور چونکہ معاملہ اخوت کی علت دین میں ایک دوسرے کا معاون ہونا ہے تو ظاہر ہے کہ ارتکاب معصیت سے یہ علت مفقود ہو گی تو اب یہ اخوت بھی نہ رہنی چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طریق کو لطیف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نرمی اور دل کا مائل کرنا اور مہربانی پائی جاتی ہے جس سے نوبت گناہ سے رجوع اور توبہ کی پہنچتی ہے کیونکہ صحبت کے باقی رہتے سے حیا کو پائیداری ہو گی اور علیحدگی اور ترک ملاقات ہو گی۔ اور مجرم کو توقع صحبت کی نہ رہے گی تو گناہ پر اصرار ہمیشہ کرے گا۔ اور فقہ سے زیادہ تر موافق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اخوت قائم مقام قرابت کے ہو جاتی ہے اور جب منعقد ہو جاتی ہے تو اس کا حق مستحکم ہو جاتا ہے اور اس کا نباہنا اور اس کے بموجب کاربند ہونا واجب ہوتا ہے اور منجملہ اس کے نباہنے کے یہ ہے کہ دوست ایام حاجت میں نہ چھوڑا جائے اور دین میں حاجت پڑنی بہ نسبت باقی حاجت کے زیادہ سخت ہے اور ارتکاب گناہ سے وہ ایسی آفت میں مبتلا ہو گیا جس کے سبب سے اس کو دین میں حاجت پڑی تو اب ضرور ہے کہ اس کی رعایت کی جائے اور چھوڑ نہ دینا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اس کے ساتھ میں نرمی برتی جائے تاکہ جس حادثہ میں یہ پھنس گیا ہے اس سے نجات پانے پر مدد ملے کہ دوستی مصائب اور حوادث ہی کے لیے ہوتی ہے اور اس سے بڑی مصیبت کونسی ہو گی جس سے دین

میں خلل ہو جب گنہگار کسی پرہیزگار کی صحبت میں رہتا ہے اور اس کے خوف اور وظائف کو دیکھتا ہے تو چند روز میں وہ بھی اپنے گناہوں سے منہ موڑ کر اس پر اصرار کرنے سے شرماتا ہے بلکہ سُست آدمی جب کام کے حریص کے ساتھ رہتا ہے تو اس سے شرما کر خود بھی کام کرنے کی حرص کرتا ہے۔ جعفر بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ جب میں عمل میں سستی کرتا ہوں تو محمد بن واسعؒ کو دیکھتا ہوں اور ان کے بہمہ تن طاعت پر متوجہ ہونے کو خیال کرتا ہوں تو مجھ کو سرور عبادت میں پھر جوں کا توں ہو جاتا ہے اور سُستی دور ہو جاتی ہے اور ایک ہفتہ خوب چست بنا رہتا ہوں، اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ دوستی کا سلسلہ مثل نسب کے سلسلہ کے ہے اور معصیت کے سبب سے قریب کو چھوڑنا نہ چاہیئے اور یہی وجہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے آقارب میں ارشاد فرماتا ہے:[۱] فان عصوك فقل انی بریٔ مما تعملون۔ اور یہ ارشاد نہ ہوا کہ میں تم سے بری ہوں اس لیے کہ حق قرابت اور سلسلہ نسب کا ملحوظ رہے اور اسی کی طرف حضرت ابو درداءؓ نے اشارہ فرمایا یعنی جب ان سے کہا گیا کہ تم اپنے فلاں بھائی سے بغض نہیں رکھتے وہ تو مرتکب فلاں فلاں حرکت کا ہوا آپ نے فرمایا کہ میں اس کی حرکات کو بُرا جانتا ہوں اور وہ خود تو میرا بھائی ہے اور دین کی اخوت قرابت کی اخوت سے زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ اور اسی جہت سے جب کسی حکیم سے یہ سوال ہوا کہ تمہارے نزدیک بھائی اور دوست میں سے کونسا محبوب تر ہے تو اس نے جواب دیا کہ بھائی سے بھی اس صورت میں محبت کرتا ہوں کہ وہ میرا دوست ہے، اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بہت بھائی تمہارے ایسے ہیں جو تمہاری ماں سے نہیں پیدا ہوئے۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ قرابت دوستی کی محتاج ہے اور دوستی کو قرابت کی حاجت نہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک روز کی دوستی صلہ ہے اور ایک مہینہ کی دوستی قرابت ہے اور ایک سال کی دوستی قرابت قریبہ ہے جو کوئی اس کو قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قطع کریگا غرضکہ عقد اخوت کے منعقد ہونے کے بعد اس کا نباہنا واجب ہے اور اسی سے جواب اس بات کا بھی نکل آیا کہ فاسق کے ساتھ ابتداءً مؤاخات کس لیے نہیں چاہیئے یعنی اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے سے اس کا کوئی حق نہیں، پس اگر پیشتر سے اس کا کوئی حق قرابت ہو تو اس کے ساتھ بھی ترک ملاقات نہ چاہیئے بلکہ اچھی طرح پیش آنا چاہیئے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتداءً صحبت اور اخوت کا ترک کرنا نہ تو مذموم ہے نہ مکروہ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ تنہائی بہتر ہے لیکن اخوت کو ہمیشہ کے لیے منقطع کرنے سے نہی آئی ہے اور فی نفسہٖ بُری چیز ہے اور انقطاع اخوت کی نسبت ابتداءً ترک کی طرف ایسی ہے جیسی طلاق کو ہے ترک نکاح کی طرف کہ طلاق ترک نکاح سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُری ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطع اخوت کے باب میں فرماتے ہیں[۲] شرار عباد الله المشاؤن بالنميمة المفرقون بين الاحبة۔ اور بعض اکابر سلف فرماتے ہیں کہ شیطان کو یہی منظور تھا کہ تمہارے بھائی سے کوئی ایسی

---

[۱] پھر اگر تیری بے حکمی کریں تو کہدے میں الگ ہوں تمہارے کام سے ۱۲ [۲] اللہ تعالیٰ کے بُرے بندے وہ ہیں جو چغلی کھاتے پھریں اور دوستوں میں جدائی ڈالیں۔ احمد بروایت اسماء بنت یزید بسند ضعیف ۱۲

ہی حرکت کرا دے تاکہ تم اس کو چھوڑ دو اور ترک ملاقات کرو تو جب تم نے ایسا ہی کیا تو شیطان کی دل چاہتی بات ہے کیا چھوڑا اس کے دونوں مطلب پورے ہوئے یعنی جیسا کہ آدمی کو مبتلاء عصیان کرنا شیطان کو محبوب ہے۔ ویسا ہی دوستوں میں بگاڑ ہو جانا اس کو پسند ہے۔ تو جب کسی دوست سے خطا ہو جائے اور شیطان کا ایک مطلب پورا ہو تو کیا ضرور ہے کہ دوست سے ترک ملاقات کر کے اپنے دشمن کی دوسری غرض پوری کریں۔ اور جب ایک شخص نے ارتکاب معصیت کیا تھا اور دوسرے نے اس کو گالی دی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دوسرے کو جھڑکا اور فرمایا ح کہ اپنے بھائی پر شیطان کے مددگار مت بنو یعنی ایک غرض تو اس کی ہو چکی دوسری پوری مت کرو پس اس سب تقریر سے صحبت کے باقی رکھنے اور ابتدائے صحبت نہ کرنے میں فرق معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ فاسقوں سے اختلاط ممنوع ہے اور دوستوں سے مفارقت بھی ممنوع ہے تو یہ دونوں امر ایک دوسرے کے متعارض ہیں اور جو صورت کہ معارض سے خالی ہو وہ ایسی نہیں جو اس سے خالی نہ ہو اور ابتداء ترک اخوت میں کوئی معارض نہیں صرف ایک ہی جملہ کی تعمیل ہے کہ فاسقوں سے اختلاط ممنوع ہے تو اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ ان سے مہاجرت اور دور رہنے کو اولیٰ کہا جائے اور صحبت کی بقا میں دونوں ایک دوسرے کے معارض ہیں مگر حق اخوت کا نباہنا دوسرے کی تاکید کرتا ہے اس لیے وہی اولیٰ ہوگا۔ یہ سب حال دوست کی ان خطاؤں کا ہے جو اس کے دین میں ہوں اور جو خطائیں کہ خاص دوست کے حق میں ہوں اور موجب وحشت اور نفرت ہوں ان میں بالاتفاق حلم کرنا اور معاف کرنا بہتر ہے بلکہ جن باتوں کا محل کوئی عمدہ وجہ ہو سکے اور ان میں کوئی عذر قریب یا بعید متصور ہو تو ان کو اسی پر محمل کرنا بمقتضائے عقد اخوت واجب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ دوست کو چاہیئے کہ اپنے دوست کی خطا کے لیے ستر عذر نکالے اور پھر بھی دل نہ مانے تو اپنے نفس کو ملامت کرے اور کہے کہ تو کتنا سخت دل ہے کہ تیرا یار ستر عذر کرتا ہے اور تو نہیں مانتا اس سے معلوم ہوا کہ معیوب تو ہی ہے اس کی خطا نہیں پس اگر اس کو اچھا کہنا قبول نہ کرے تو اتنا ہی ہو کہ اگر ہو سکے تو غصہ نہ ہو مگر یہ بات نہ ہو سکے گی کیونکہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو غصہ دلایا جائے اور وہ غصہ نہ ہو وہ گدھا ہے اور جس شخص کو منایا جاوے اور وہ نہ مانے تو وہ شیطان ہے پس آدمی کو چاہیئے کہ وہ نہ گدھا بنے نہ شیطان بنے بلکہ خود اپنے دوست کا نائب ہو کر اپنے دل کو مناوے اور اس بات سے احتراز کرے کہ در صورت نہ ماننے کے شیطان بن جائے۔ احنفؒ فرماتے ہیں کہ دوست کا حق یہ ہے کہ اس کی تین باتوں پر تحمل کرو۔ اول غصہ کے ظلم پر دوسرے ناز کے ظلم پر، تیسرے لغزش کے ظلم پر۔ اور کسی دوسرے نے فرمایا ہے کہ میں نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی اس لیے کہ اگر مجھ کو کریم نے برا کہا تو ایسے شخص کی خطا معاف کرنے کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ اور اگر کسی لئیم نے مجھ کو برا کہا تو اس کی مکافات اس لیے نہ کی کہ اپنی آبرو کو اس کا نشانہ کیوں بناؤں۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

ح یہ بخاری کی حدیث ہے پہلی فصل میں گزری ۱۲

عفو کرتا ہوں کریموں کی خطا ہو وے اجر　　گالیاں گر دوں لئیموں کو تو مجھ کو عار ہے

اور کسی دوسرے نے ایک قطعہ کہا ہے جس کا مضمون یہ ہے **قطعہ**:

روٹھے، ہے دوستوں سے کے دن کی زندگی پر　　یہ اختلاط باہم تو جان لے غنیمت

خذ ماصفا کو سُن لے دَعْ ماکدر کو کر یاد　　گر دوست سے خطا ہو دل میں نہ لا کدورت

اور جب آدمی کا دوست عذر کرے خواہ سچا ہو عذر یا جھوٹا تو اس کا عذر قبول کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] من اعتذر الیہ اخوہ فلم یقبل عذرہ فعلیہ مثل اثم صاحب المکس اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا[ح۲] المومن سریع الغضب سریع الرضاء تو سریع الغضب ارشاد فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ غصہ کرتا ہی نہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا[ت۳] والکاظمین الغیظ یہ نہیں فرمایا الفاقدین الغیظ یعنی جن میں غصہ بالکل نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت کی رو سے یہ امر ممکن نہیں کہ انسان کے زخم لگایا جاوے اور اس کو درد نہ معلوم ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو صبر اور تحمل کرے اور جس طرح کہ زخم سے ایذا ہوتی بدن کی طبیعت کا مقتضا ہے اسی طرح اسباب غضب سے درد ہونا دل کی طبیعت کا مقتضا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ غصہ کو پی جاوے اور اس پر تحمل کیا جاوے اور اس کے مقتضا کے خلاف عمل کیا جاوے۔ یعنی غصہ کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ دوسرے سے بدلہ لیجیے تو عوض کا ترک کرنا ہو سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ اس کو دل سے بالکل نکال ڈالا جاوے کیونکہ سرشت کا بدلنا ممکن نہیں اور کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

ترک الفت دوستوں سے جرم پر کرتے ہو تم　　پھر بتاؤ وہ کہاں ہے جو خطا کرتا نہیں

اور ابو سلیمان دارانیؒ نے احمد بن ابی الحواری سے فرمایا کہ اگر اس زمانہ میں تم کسی سے اخوت کرو تو چاہیے کہ جو بات تم کو اس سے بُری معلوم ہو اس پر عتاب مت کرو، ورنہ یہ خوف ہے کہ جواب میں تم وہ بات دیکھو کہ پہلے سے بھی بدتر ہو۔ احمد کہتے ہیں کہ میں نے اس امر کا امتحان کیا تو ویسا ہی پایا جیسا آپ نے ارشاد کیا تھا۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ دوست کی خطا پر صبر کرنا اس پر عتاب کرنے سے اچھا ہے اور عتاب کرنا ترکِ ملاقات کی نسبت اور ترک ملاقات غیبت کی نسبت کہ بہتر ہے اور چاہیے کہ غیبت کرنے کے وقت بغض میں مبالغہ نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۴] عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ح۱ جس شخص کے سامنے اس کے بھائی نے عذر کیا اور اس نے عذر قبول نہ کیا تو اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا زبردستی ٹیکس لینے والے کو ہوگا ابن ماجہ ابوداؤد در مراسیل بروایت جوذان اور اسکی سند میں ابوحاتم مختلف فیہ ہے ۱۲ ح۲ ایماندار کو غصہ بھی جلد ہوتا ہے اور راضی بھی جلد ہوا کرتا ہے۔ ان لفظوں سے مجھ کو نہیں ملی مگر ترمذی نے بروایت ابوسعید خدری روایت کیا ہے کہ آدمی کئی طبقوں پر پیدا ہوئے ہیں الحدیث اور اس میں یہ ہے کہ بعض ان میں سے جلد غصے ہوتے ہیں اور جلد رجوع کرتے ہیں ۱۲ ت۳ اور دبا لیتے ہیں غصہ ۱۲ ت۴ امید ہے کہ کردے اب تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے ان میں دوستی ۱۲

فرماتے ہیں[ح۱] احبب حبیبک ھونا ما عسیٰ ان یکون بغیضک یوما وابغض بغیضک ھونا ما عسیٰ ان یکون حبیبک یوماً۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ دوستی ہی کہ افراط کو پہنچے اور نہ بغض اس درجہ کا ہو کہ اپنے ساتھی کا تلف ہو جانا چاہو۔ چھٹا حق اخوت کا یہ ہے کہ اپنے دوست کے لیے اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد وہ دُعا مانگے جو اپنے لیے محبوب جانتا ہو۔ اسی طرح اس کے گھر والوں اور متعلقوں کے حق میں دُعا مانگے اور اس کے لیے اور اپنے لیے دعا مانگنے میں فرق نہ کرے جس طرح اپنے لیے مانگے اسی طرح اس کے لیے مانگے کیونکہ واقع میں اس کیلیے دعا مانگنی اپنے ہی لیے دعا مانگنی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۲] اذا دعا الرجل لاخیہ بظہر الغیب قال الملک لک مثل ذالک اور ایک روایت میں قال الملک الخ کی جگہ یہ مضمون[ح۳] ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھ سے شروع کروں گا یعنی اس دعا کو اول تیرے حق میں قبول کروں گا۔ اور ایک حدیث[ح۴] میں ارشاد ہے کہ آدمی کی دُعا اس کے بھائی کے حق میں اس قدر قبول ہوتی ہے کہ خود اس کے حق میں نہیں ہوتی اور ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے[ح۵] دعوۃ الرجل لاخیہ فی الغیب لا ترد۔ اور حضرت ابو درداءؓ فرمایا کرتے کہ میں اپنے ستر بھائیوں کے لیے سجدہ میں دعا مانگا کرتا ہوں سب کے نام لے کر۔ اور محمد بن یوسف اصفہانی فرماتے ہیں کہ نیک بخت دوست جیسا آدمی کہاں ملے کہ تمہارے مرنے کے بعد گھر والے تو تمہارا ترکہ بانٹیں اور جو کچھ تم نے چھوڑا ہو اس سے چین اڑائیں اور صرف وہ تنہا تمہارا غم کرے اور تمہارے اعمال گذشتہ اور احوال آیندہ کا اس کو تردد ہو۔ رات کی تاریکی میں تمہارے لیے دعا مانگے اور تم مٹی کے ڈھیر کے نیچے ہو گویا کہ وہ اس باب میں فرشتوں کا اقتدا کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث[ح۶] میں ہے کہ جب آدمی مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ پیچھے کیا چھوڑا اور فرشتے کہتے ہیں کہ آگے کیا بھیجا۔ اعمال گذشتہ اچھے ہوتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور اس کا حال پوچھتے ہیں اور اس کی سفارش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص کو اپنے دوست کے مرنے کی خبر پہنچے اور وہ اس پر رحمت بھیجے اور اس کے لیے دُعائے مغفرت کرے تو ایسا لکھا جاوے گا کہ گویا اس کے جنازے پر حاضر تھا اور اس کی نماز پڑھی اور یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے[ح۷] کہ مردے کا حال اپنی قبر میں ڈوبنے کا سا حال ہے جو سب چیز کا سہارا چاہتا ہے مردہ بھی اپنے بیٹے یا باپ یا بھائی یا قریب کی دُعا کا منتظر

ح۱ اپنے دوست کو متوسط طور پر دوست رکھ کہ شاید وہ دشمن تیرا ہو کسی روز اور اپنے دشمن سے متوسط طرح سے دشمنی کر کہ شاید وہ کسی روز تیرا دوست ہو جائے۔ ترمذی بروایت ابی ہریرہؓ اور کہا کہ غریب ہے ۱۲ ح۲ جب آدمی اپنے بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے دعا مانگتا ہے فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی اس کی مثل ہے۔ مسلم بروایت ابو درداء رضی اللہ عنہ ح۳ ان لفظوں سے مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ح۴ ان لفظوں سے نہیں ملی مگر ابوداؤد و ترمذی نے بروایت عبداللہ بن عمر نقل کیا ہے کہ غائب کی دُعا غائب کے حق میں بہت جلد قبول ہوتی ہے ۱۲ ح۵ آدمی کی دعا اپنے بھائی کے لیے اس کی غیبت میں رد نہیں ہوتی۔ مسلم بروایت ابی الدرداء مگر اس میں لا ترد کی جگہ مستجابۃ ہے اور اجابۃ کے لفظ سے دار قطنی نے علل میں نقل کی ہے ۱۲ ح۶ بیہقی در شعب بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲ ح۷ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابی ہریرہ اور دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیث نہایت منکر ہے ۱۲

رہتا ہے اور مردوں کی قبروں پر زندوں کی دُعا سے نور پہاڑوں کے برابر آجاتے ہیں۔ اور بعض سلف کا قول ہے کہ مردوں کے حق میں دعا ایسی ہے جیسے زندوں کے ہدایا کہ ایک فرشتہ دعا کو ایک نور کے طباق میں رکھ کر اور اس پر رومال نور کا ڈھانپ کر مردے کے پاس لے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہدیہ تیرے فلاں دوست نے یا تیرے فلاں رشتہ دار نے بھیجا ہے تو مردہ اس سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے زندہ ہدیہ سے خوش ہوتا ہے۔ ساتواں حق اخوت کا وفا اور اخلاص ہے۔ وفا کے معنی یہ ہیں کہ دوست کی زندگی تک اس کی دوستی پر ثابت اور قائم رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اور دوستوں اور اقارب سے وہی معاملہ رکھے۔ اس لیے کہ دوستی سے غرض یہ ہوتی ہے کہ آخرت میں کام آوے۔ پس اگر مرنے کے پیشتر ہی جاتی رہے تو اتنی محنت اور سعی بیکار ہو جاتے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سات شخصوں کے ذکر میں جن کو خدائے تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا فرمایا[ح] اور دو شخص وہ ہیں جنہوں نے باہم محبت فی اللہ کی اسی پر اکٹھے رہے اور اسی پر جدا ہوئے۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد تھوڑی سی وفا بھی زندگی کی حالت میں بہت سی وفا سے بہتر ہے اور یہیں وجہ مروی[ح] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑھیا کی تعظیم کی جو آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ سے جو اس کا حال پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ ہمارے پاس خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وقت میں آیا کرتی تھی اور پہلے وقت کو نہ بھولنا دین کی بات ہے۔ غرضکہ دوست کی دوستی نباہنے میں یہ بھی ہے کہ اس کے تمام دوستوں اور قریبیوں اور متعلقوں کی رعایت کرے اور ان کی مراعات کا اثر دوست کے دل میں بہ نسبت اس کے خود کی مراعات کے زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ وہ خود اپنے متعلقین کے تفقد سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے شفقت اور محبت کا زور اسی وقت معلوم ہوتا ہے کہ تجاوز کر کے متعلقوں تک پہنچے یہاں تک کہ اس کے دروازہ کے کتے کو بھی اور کتوں پر دل میں ترجیح ہو۔ اور اگر دوام محبت کا نباہنا منقطع ہو جائے گا تو شیطان کی بن پڑے گی کیونکہ اس کو جتنی حسد فی اللہ دوستوں سے ہے، ان دو شخصوں سے نہیں جو کسی اچھے کام میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتا ہے کہ دوستوں میں بگاڑ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۳] وقل لعبادی یقول التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حال میں ارشاد فرماتا ہے[۴] وقد احسن بی اذا اخرجنی من السجن وجاء بکم من البدو من بعد ان نزغ الشیطان بینی و بین اخوتی۔ اور کہتے ہیں کہ جب دو شخص فی اللہ محبت کرتے ہیں تو ان میں جدائی کی کوئی صورت نہیں بجز اس کے کہ ان میں سے کوئی گناہ کا مرتکب ہو۔ اور بشر رحمہ اللہ فرمایا کرتے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں قصور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے انیس کو چھین لیتا ہے اس لیے کہ دوستوں کے باعث دل کے تردد دفع

ح اوپر گذری کئی بار ح حاکم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ت ۳ اور یہ کہہ دے میرے بندوں کو بات وہی کہیں جو بہتر ہے شیطان جھگڑواتا ہے آپس میں ۱۲ ت ۴ اور مجھ سے اس نے خوبی کی جب مجھ کو نکالا قید سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا اٹھایا شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ۱۲

ہوتے ہیں اور دین پر مدد ملتی ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت ابن مبارک نے فرمایا کہ سب چیزوں میں لذیذ تر دوستوں کے ساتھ بیٹھنا اور کفایت کی جانب رجوع کرنا ہے اور محبتِ دائمہ اس کو کہتے ہیں جو فی اللہ ہو۔ اور جو کسی مطلب کیلئے ہوتی ہے وہ اس مطلب کے زائل ہونے کے بعد جاتی رہتی ہے اور محبت فی اللہ کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ اس میں نہ دین کے باب میں حسد ہو نہ دنیا کے باب میں اور حسد کی وجہ کیا ہے کیونکہ جو کچھ دوست کا ہے اس کا فائدہ دوسرے دوست کو معلوم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فی اللہ دوستوں کو اسی وصف سے یاد فرمایا ولا یجدون فی صدورھم حاجۃً مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم اور حاجت کا پایا جانا ہی حسد ہے۔ اور وفاء محبت سے ایک یہ بات ہے کہ دوست کی خاطر داری میں اپنا حال نہ بدلے گو کسی بلند مرتبہ پر خود پہنچ جائے اور اگر جاہ و حشمت کے زیادہ ہونے سے دوستوں پر برتری کرے گا تو پاجی پن ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

طالع کی یاوری سے جو خوش وقت ہوں کریم کرتے ہیں مفلسی کے جلیسوں کو اپنے یاد

اور کسی بزرگ نے اپنے لڑکے کو وصیت کی کہ بیٹا لوگوں میں سے کسی سے صحبت مت اختیار کرنا مگر جس میں یہ خصلتیں ہوں کہ جب تجھ کو اس کی طرف حاجت ہو تو وہ تجھ سے قریب ہو اور اگر تو اس کی پرواہ نہ رکھتا ہو تو تجھ سے طمع نہ کرے اور اگر اس کا مرتبہ بڑھ جاوے تو تجھ پر برتری نہ کرے۔ اور کسی حکیم کا قول ہے کہ جب تمہارا کوئی دوست کہیں کا حاکم ہو جاوے اور اپنی حکومت میں تمہارے ساتھ پہلے کی نسبت آدھی ہی دوستی رکھے تو بہت ہے اور ربیع نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ نے بغداد میں کسی شخص سے دوستی کی تھی چند روز کے بعد وہ شخص سبیین کا حاکم ہو گیا اور اس کا حال سابق کی طرح پر نہ رہا تو امام شافعیؒ نے اس کے پاس یہ مضمون اشعار میں لکھ کر بھیج دیا۔ قطعہ:

جا تری الفت کو دیدی میرے دل نے ایک طلاق	ہے ہمیشہ کو وے بائن نہیں اب تک ہوئی
باز آؤ اپنی خصلت سے تو ہے یہ ایک بس	اور آئندہ کو الفت آپ کی دو پر رہی
ورنہ مانو کر دوں اس کو جفت اس جیسی بلا	دو طلاقوں سے پڑے الفت پہ پھر آفت نئی
اور اگر ہم تین قطعی دے دیں تو یہ جان لو	کچھ کام نہ آوے گی تم کو سلطنت سبیین کی

اور یاد رکھو کہ جو امر حق متعلق بدین ہو اس کے خلاف پر دوست کی موافقت کرنی داخل وفا نہیں بلکہ مقتضائے وفا یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کی مرضی کے خلاف کرے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن الحکم سے دوستی کی تھی اور ان کو اپنا مقرب بنایا تھا اور توجہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مصر میں میرے ٹھہرنے کا باعث بجز اس شخص کے اور کوئی نہیں۔ ایک بار وہ بیمار پڑے اور امام شافعیؒ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو انہوں نے اس مضمون کا قطعہ پڑھا۔ قطعہ:

ت ۱ اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اس چیز سے جو ان کو ملا اور اول رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے

دوست بیمار ہوا میں جو عیادت کو گیا اس کی بیماری کے ڈر سے مجھے آزار ہوا

پھر جو وہ آیا عیادت کو مرے بالیں پر اس کا دیدار مجھے ہو گیا معجون شفا

اور لوگوں کو ان کے صدق مودت سے یہ گمان غالب تھا کہ امام صاحب بعد اپنی وفات کے حلقہ کا امر ان کے سپرد کر دیں گے۔ جب امام صاحبؒ کو مرض موت ہوا تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم کس کے پاس بیٹھیں گے محمد بن الحکم آپ کے سرہانے موجود تھے ان کو یہ توقع ہوئی کہ مجھ کو اشارہ فرمائیں گے لیکن امام صاحب نے فرمایا کہ سبحان اللہ ابو یعقوب بویطی کے سوا اور کون بیٹھے گا۔ اس میں کیا تردد ہے۔ اس بات سے محمد بن الحکم کچھ کبیدہ خاطر ہوئے اور امام صاحب کے شاگرد سب بویطی کی طرف مائل ہو گئے۔ پس باوجودیکہ محمد بن الحکم نے تمام مذہب امام صاحب کا ان سے یاد کیا تھا مگر چونکہ بویطی محمد بن الحکم سے افضل اور قریب بہ زہد تھے اس لیے امام صاحب نے مسلمانوں کی خیر خواہی خدا تعالیٰ کے واسطے کی اور مداہنت کو بالائے طاق رکھا اور دوست کی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر ترجیح نہ دی۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو محمد بن الحکم نے آپ کا مذہب ترک کر کے اپنے باپ کا مذہب اختیار کیا اور امام مالک کی کتابیں پڑھیں اور اس مذہب میں بڑے رتبہ کا شخص ہوا اور بویطی نے زہد اور گمنامی کو پسند کیا اور برا اچھا نہ سمجھا کہ سب کے ساتھ حلقہ میں بیٹھے اور عبادت میں مشغول ہوئے اور کتاب ام تصنیف کی جو اب ربیع بن سلیمان کی طرف منسوب و معروف ہے واقع میں بنائی ہوئی بویطی کی ہے مگر انہوں نے اس میں اپنا نام نہیں لکھا بعد کو ربیع نے اس میں کچھ زیادہ کیا اور تصرف کر کے مشہور کیا۔ غرضکہ کمال محبت کی وفا کا ایک یہ ہے کہ خیر خواہی خدا واسطے کی ہو۔ احنف فرماتے ہیں کہ محبت ایک جوہر ہے کہ اگر اس کی حفاظت نہ کرو تو آفت میں جا ڈالے، تو اس کی حفاظت کے لیے غصہ کو اتنا پیو کہ اگر کوئی دوست تم پر ستم کرے تو اس کے سامنے خود عذر کرو اور رضا اس درجہ کی اختیار کرو کہ اپنے نفس میں فضیلت جانو نہ دوست کی طرف سے تقصیر۔ اور صدق اور اخلاص اور وفائے کامل کی علامت ایک یہ ہے کہ اس کی جدائی اور فراق نہایت شاق گذرے اور مضطر کر دے۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

ابن عیینہ کے سامنے جب اس مضمون کا شعر پڑھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ رہا ہوں کہ تیس برس سے ان سے جدا ہو گیا ہوں۔ میرے خیال میں کبھی نہیں آتا کہ ان کی حسرت میرے دل سے جاتی رہی ہو اور ایک وفا کی بات یہ ہے کہ دوست کے حق میں لوگوں کی شکایت نہ سنے خصوص ایسے لوگوں سے کہ پہلے تو ظاہر کریں کہ ہم فلاں شخص کے دوست ہیں اور پھر اس کی طرف سے ایسی باتیں کہیں جس سے دلوں میں کینہ پیدا ہو اور یہ بڑی باریک تدبیر آپس میں پھوٹ ڈالنے کی ہے کہ اول اظہار دوستی کا کریں تاکہ سامع کے گمان میں متہم نہ ٹھہریں اور آخر کو یہ گل کھلاویں۔ اور جو شخص دوستی میں اس امر سے احتراز نہیں کرتا اور دوست کے حق میں چغلی سنتا ہے تو اس کی دوستی ہمیشہ نہیں رہتی۔ کسی شخص نے ایک حکیم سے کہا کہ میں آپ سے دوستی کیا چاہتا ہوں اس نے جواب دیا کہ تین باتیں منظور کرو تو میں دوستی کروں گا۔ اول تو یہ کہ میری شکایت نہ سننا، دوسرے یہ کہ میرے کہنے کے

مخالف مت کرنا۔ تیسرے یہ کہ ناز و نخرے سے مجھے پامال مت کرنا۔ اور ایک وفا کی بات یہ ہے کہ دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا دوست تمہارے دشمن کا مطیع ہو گیا تو دونوں تمہاری عداوت میں شریک ہو گئے آٹھواں حق اخوت کا یہ ہے کہ دوست کو تکلیف نہ دے اور اس سے تکلف نہ کرے یعنی اس پر اپنا کوئی بوجھ نہ ڈالے اور ایسی عہ فرمائش نہ کرے جس سے اس کو مشقت ہو تو اس کے جاہ و مال سے مدد کی درخواست نہ کرے اور نہ یہ کہے کہ ہماری تواضع اور خبر گیری کیا کرو اور ہمارے حقوق ادا کرو بلکہ اس کی دوستی سے سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی مقصود نہ رکھے اور یہی سمجھے کہ اس دعا سے برکت ہو گی اور ملاقات سے جی خوش ہو گا اور دین پر مدد ملے گی اور اس کا کوئی کام اگر ہم کر دیں گے اور بوجھ ہلکا کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو گی۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جو کوئی دوستوں سے ایسی چیز کی خواہش کرے جس کی خواہش وہ اس سے نہ کریں تب تو ان پر ظلم کرتا ہے اور جو شخص ویسی ہی چیز کی خواہش کرے جو وہ کرتے ہیں تو ان پر مشقت ڈالتا ہے اور جو کوئی کچھ درخواست ان سے نہیں کرتا تو وہ ان سے سلوک کرتا ہے۔ اور کسی حکیم کا قول ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو دوستوں میں اپنی قدر سے زیادہ رکھے تو خود بھی گنہگار ہو گا اور وہ بھی گنہگار ہوں گے اور جو کوئی اپنی ہستی کے موافق ہی اُن سے رہے گا خود مشقت اٹھائے گا اور ان کو مشقت میں ڈالے گا۔ اور جو کوئی اپنی قدر سے کم ہو کر ان میں رہے گا تو اپنے آپ اور وہ سب آرام سے رہیں گے۔ اور زیادہ تر ہلکا پھلکا رہنے کی صورت یہ ہے کہ تکلف کو تہ کر رکھے حتّٰی کہ جس بات میں اپنے نفس سے نہ شرماوے اس میں دوست سے بھی حیا نہ کرے۔ اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ فی اللہ دو محبت کرنے والے اگر ایک دوسرے سے وحشت یا حیا کرتے ہیں تو دونوں میں کسی میں روگ ضرور ہوتا ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ دوستوں میں سے بدتر وہ ہے جو تیرے لیے تکلف کرے اور اس کی مدارات تجھ کو کرنی پڑے اور نہ بن سکے تو عذر کرنے کی ضرورت ہو۔ اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ آدمی میں پھوٹ تکلف ہی سے ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کے لیے تکلف کرتا ہے۔ اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ صوفیۂ کرام کے چار طبقوں کے ساتھ رہا ہوں ہر طبقہ میں تیس شخصوں سے صحبت رہی یعنی حارث محاسبی اور ان کا گروہ اور حسن سوحی اور ان کی جماعت اور سری سقطیؒ اور ان کا طبقہ اور ابن کرتبی اور ان کے ہمراہی ان لوگوں میں سے جن دو شخصوں نے باہم محبت کی اور ایک نے دوسرے سے وحشت اور تکلف کیا تو اس کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ دونوں میں سے کسی میں سے کچھ علت تھی۔ اور کسی شخص سے سوال ہوا کہ صحبت کس سے کی جائے؟ جواب دیا کہ جو شخص تم میں سے تکلف کا بار دور کر دے اور حیا کی مشقت باہم ثابت کر دے۔ اور حضرت امام جعفر صادق

عہ قولہ ایسی فرمائش الخ اصل میں یہ ہے کہ بوجھ نہ ڈالے بلکہ جن فکروں و ضروریات میں پڑا ہوا اس سے دوست کا دل خوش کرے اور رفاہیت دے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھائے اس سے جاہ و مال کا استمداد نہ چاہے اور نہ اس کو اپنی تواضع کرنے اور خبر گیری و قیام حقوق کی تکلیف دے بلکہ اس کی دوستی سے الخ ۱۲ امیر علی عفی عنہ۔

علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سب میں بھاری میرے دوستوں میں سے مجھ پر وہ ہے جو میرے لیے تکلف کرتا ہے اور میں اس سے شرماتا ہوں۔ اور سب سے ہلکا مجھ پر وہ ہے جس کے ساتھ میں ایسی طرح رہتا ہوں جیسا تنہا رہتا ہوں اور کسی صوفی کا قول ہے کہ لوگوں میں سے ایسے ہی کے ساتھ رہا کرو کہ اگر نیکی کرو تو اس کی نظروں میں زیادہ نہ ہو۔ اور اگر گناہ کرو تو اس کے نزدیک کم نہ ہو۔ دونوں حال میں اس کے نزدیک برابر رہو۔ نیکی کرو تو اپنے لیے اور یہ اس لیے کہا کہ اس سے تکلف اور حیا سے نجات ہو جاتی ہے۔ ورنہ جب آدمی کو یہ ہو جاتا ہے کہ فلاں بات کرنے سے دوسروں کی نظروں میں اتر جاؤں گا تو طبیعت میں حیا اور رکاؤ ہو جاتا ہے۔ اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ دنیاداروں کے ساتھ ادب سے رہنا چاہیے اور آخرت والوں کے ساتھ علم سے اور عارفوں کے ساتھ جیسے چاہو رہو۔ اور کسی اور شخص نے کہا کہ صحبت ایسے ہی کی اختیار کرو کہ اگر گناہ تم کرو تو وہ تمہاری طرف سے توبہ کرے اور اس کے ساتھ برائی کرو تو الٹا عذر تم سے کرے اور تمہاری مشقت کو خود اٹھالے اور اپنی مشقت تم پر نہ ڈالے۔ اس قول کے کہنے والے نے دوستی کی راہ لوگوں پر تنگ کردی واقع میں یوں نہیں بلکہ یوں چاہیے کہ ہر دیندار عاقل سے دوستی کرے اور خود نیت کرے کہ ان کی شرطوں کو اس کے ساتھ ادا کرے گا اور ان کو تکلیف ان شرائط کی نہ دے تاکہ ہر جہت سے دوست ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں محبت فی اللہ ہو گی اور اگر دوسرے سے توقع ان امور کی کرے گا تو محبت صرف اپنے نفس کے فائدوں کے لیے ہوگی اور یہیں جہت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ اس زمانہ میں دوست کمیاب ہیں فی اللہ دوست کہاں ہے آپ نے اس سے اعراض کیا اس نے تین بار یہی کہا جب بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا دوست چاہتے ہو کہ تم کو مشقت سے بچائے اور تمہاری تکلیف اپنے سر دھرے تو البتہ کم ہے اور اگر ایسا دوست فی اللہ چاہتے ہو کہ تم اس کی خدمت کرو اور اگر وہ تکلیف دے تو صبر کرو تو میرے پاس اس قسم کے بہت لوگ ہیں جس سے چاہو محبت کر لو۔ وہ شخص خاموش ہو رہا۔ اب جاننا چاہیے کہ آدمی تین طرح کے ہیں ایک تو وہ ہے کہ جس کی صحبت سے تم کو فائدہ ہو دوسرا وہ کہ اس کو تم کچھ فائدہ دے سکتے ہو اور اس کو تم سے کچھ ضرر نہ ہو لیکن اس سے تم کو کچھ نفع بھی نہیں تیسرا وہ کہ اس کو تم فائدہ بھی نہ پہنچا سکو۔ اور اس کی صحبت سے تم کو ضرر بھی ہو تو ایسا شخص احمق بدخلق ہے اس کی صحبت سے تو احتراز چاہیے اور دوسری قسم کے آدمی سے اجتناب مت کرو کیونکہ دنیا میں اگر اس سے کوئی نفع نہیں تو آخرت میں تو فائدہ ہو گا کہ اس کی سفارش اور دعا اور اس کی خدمت کرنے کا ثواب تم کو ملے گا اور تیسری[ف] قسم کا شخص بہرحال قابل صحبت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اگر تو میرا کہنا مانے تو تیرے بہت سے دوست ہو جائیں یعنی اگر ان کی غمخواری کرو اور ان کی ایذا کو برداشت کرو اور ان پر حسد نہ کرو تو یار بن جائیں گے۔ اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے لوگوں سے پچاس برس صحبت اختیار کی کبھی مجھ میں اور ان میں جھگڑا نہ ہوا اس لیے کہ میں ان کے ساتھ اپنے

ف قولہ تیسری قسم، مراد اس سے قسم اول ہے اور پہلی قسم لکھنا چاہیے تھا جب کہ دوسری قسم کا حکم بیان کر چکا ۱۲

بھروسے پر رہا کسی پر بار نہ ڈالا اور جس کی یہ عادت ہو گی اس کے بہت دوست ہو جائیں گے۔ اور ترک تکلیف کی ایک بات یہ ہے کہ نفل عبادتوں میں دوست کا مزاحم اور معترض نہ ہو۔ کچھ صوفی اس شرط پر ایک دوسرے کی اخوت کرتے تھے کہ چار باتوں میں یکساں رہنا۔ اوّل یہ کہ ہمیشہ اگر ایک روزہ رکھے تو دوسرا یہ نہ کہے کہ افطار کر۔ دوم یہ کہ اگر ہمیشہ افطار کرے تو یہ نہ کہے کہ روزہ رکھ، سوم یہ کہ ساری رات سوئے تو یہ نہ کہے اُٹھ، چہارم یہ کہ تمام شب جاگے تو سونے کو نہ کہے۔ اور چاروں حالتیں برابر ہیں کسی میں اخوت کی کمی بیشی نہ ہو اس لیے کہ اگر ان میں تفاوت ہوتا ہے تو طبیعت ریا ورکاؤ کی طرف جنبش بالضرور کرتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جس کی کلفت گئی اس کی الفت دائمی ہوئی اور جس کا کھڑاک کم ہوا اس کی دوستی ہمیشہ رہی۔ اور کسی صحابیؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکلف کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] انا واتقیاء من امتی برآء من التکلف۔ اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ جس شخص نے اپنے دوست کے گھر چار باتیں کیں اس کا انس اس سے کامل ہو گیا اول اس کے یہاں کھانا کھائے۔ دوم بیت الخلاء میں جائے۔ سوم نماز پڑھے۔ چہارم سو رہے۔ ان باتوں کا ذکر کسی بزرگ کے سامنے ہوا انہوں نے فرمایا کہ پانچویں بات رہ گئی وہ یہ ہے کہ اگر اپنی بی بی کے ساتھ اس کے گھر جائے تو اس کی کوٹھری میں اس سے ہمبستر ہو اس لیے کہ گھر انہی پانچ باتوں کے لیے بنایا کرتے ہیں ورنہ عابدوں کی عبادت کے لیے تو مسجدوں میں زیادہ آرام ہوتا ہے۔ جب یہ باتیں دوست کے گھر میں ہوئیں تو اب اخوت کامل اور تکلف زائل اور بے تکلفی حاصل ہوئی۔ اور عرب کے لوگ جو سلام کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرحبا اور اھلاً اور سھلاً تو اس میں انہیں امور کی طرف اشارہ ہے اسلیے کہ اول لفظ کے معنی ہیں کہ تمہارے لیے ہمارے دل اور مکان میں جگہ وسعت سے ہے اور دوسرے لفظ کے معنی ہیں کہ یہ گھر تمہارا ہے یہاں تمہارا دل لگے گا کسی طرح ہم سے تم کو وحشت نہ ہو گی اور تیسرے لفظ سے مراد یہ ہے کہ ان سب باتوں میں تم پر آسانی ہے جو تم چاہو گے ہم پر گراں نہ گزرے گا۔ اور آسانی اور ترک تکلف اسی بات سے پورا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے دوستوں سے کم سمجھے اور ان پر اچھا گمان کرے اور اپنے نفس پر بدگمان رہے تو جب ان کو اپنے آپ سے بہتر جانے گا تو واقع میں سب سے اچھا آپ ہو گا۔ ابو معاویہ اسود نے فرمایا کہ میرے یار مجھ سے بہتر ہیں لوگوں نے پوچھا یہ کیسے ہے فرمایا کہ ہر ایک مجھ کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتا ہے اور جو شخص مجھ کو اپنے اوپر فضیلت دے وہ مجھ سے اچھا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[ح۲] کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اور جو شخص کہ تیرے لیے وہ بات تجویز نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے اس کی صحبت میں کچھ خیر نہیں۔ اور نظر مساوات سے دوست کو دیکھنا اولیٰ درجہ ہے۔ اور کامل درجہ یہ کہ دوست کو افضل جانے۔ اور یہی وجہ حضرت سفیانؓ نے فرمایا کہ جب کوئی تجھ کو کہے کہ بدترین خلق اور تو غصہ ہووے

ح۱ میں اور میری امت کے پرہیزگار تکلف سے بری ہیں، دارقطنی در افراد بروایت زبیر بن عوام بالفاظ دیگر بسند ضعیف ۱۲

ح۲ اس حدیث کا نصف اول پہلی فصل میں گذرا اور نصف اخیر کو ابن عدی نے کامل میں بروایت انس بسند ضعیف نقل کیا ہے ۱۲

تو اس صورت میں تو بدترین خلق ہے یعنی اپنے بدتر ہونے کا اعتقاد ہمیشہ اپنے دل میں ہونا چاہیئے اور باب کبر و عجب جلد سوم میں اس کی وجہ مذکور ہوگی۔ اور کسی شخص نے اپنے انکسار اور دوستوں کو افضل جاننے کے باب میں یہ قطعہ کہا ہے

قطعہ:

ایسے شخصوں سے کرو رسم تواضع اختیار — جو تمہیں احمق نہ جانیں بلکہ سمجھیں ہو لئیق
اور جو سب دوستوں سے آپ کو سمجھے بڑا — ایک ساعت کے لیے بھی تم نہ ہوا سکے رفیق

اور دوسرے نے اسی باب میں یہ قطعہ کہا ہے **قطعہ:**

معرفت یاروں کے ہم کو یار کچھ ایسے ملے — جن کے باعث سے ملے ان سے بھی کامل تر ہوئے
اور کچھ یاروں کو ہم نے راہ میں دیکھا فقط — لیک یاران حقیقی سے بھی وہ بڑھ کر ہوئے

اور جب اپنے آپ کو بہتر سمجھے گا تو اپنے دوست کو حقیر جانے گا۔ حالانکہ حقارت عام مسلمانوں کی بھی بری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] بحسب المرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم۔ اور ایک وجہ انبساط اور ترک تکلف کی یہ ہے کہ اپنے مقاصد میں دوستوں سے مشورہ کیا کرے اور ان کی صلاح مانا کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] وشاورھم فی الامر اور اپنا راز ان سے کوئی نہ چھپانا چاہیئے۔ مولانا یعقوب کرخی کہتے ہیں کہ اسود بن سالم میرے چچا حضرت معروف کرخی کے دوست تھے ایک بار آ کر ان سے یہ کہا کہ بشر بن حارث آپ سے عقد محبت چاہتے ہیں اور آپ سے بالمشافہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں اس لیے مجھ کو بھیجا ہے کہ آپ سے ان کی التجا ہے کہ آپ عقد محبت ان سے کرلیں اس طرح کہ آپ جانیں یا وہ۔ اور محبت اس طرح کی ہو جس کو وہ باعث ثواب جانیں اور قابل اعتبار مانیں اور اس میں وہ چند شرطیں کرتے ہیں ایک یہ کہ معاملہ محبت مشہور نہ ہو دوسرے یہ کہ ان کے اور آپ کے درمیان رسم زیارت اور طریق ملاقات جاری نہ ہو کہ ان کو بہت ملاقات اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت معروفؒ نے ارشاد فرمایا کہ برادر میرا تو یہ حال ہے کہ جب کسی سے محبت کرتا ہوں تو رات دن اس کی جدائی نہیں چاہتا ہوں اور ہر وقت اس کی زیارت کیا کرتا ہوں اور ہر حال میں اس کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ پھر آپ نے اخوت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں اور اثناء تقریر میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ اخوت کی تھی تو ان کو علم میں شریک کیا اور قربانی کے اونٹ ان کو بانٹ دیئے اور جو لڑکی کہ سب میں افضل اور محبوب تر تھی وہ ان کو بیاہ دی اور اس کی وجہ صرف اخوت ہی تھی۔ اور چونکہ بشرؒ کی درخواست تم لے کر آئے ہو اس لیے میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے اور ان کے درمیان عقد اخوت فی اللہ اس شرط پر کیا کہ اگر ان کو ملنا ناپسند ہو تو وہ میرے ملنے کو نہ آویں مگر جب میرا دل چاہے گا میں ان کے دیکھنے کو جاؤں گا۔ اور میں ان کو کہے دیتا ہوں کہ جن جگہوں میں ہم دونوں مجتمع ہوں ان میں مجھ سے ملا کریں اور یہ اجازت دیتا ہوں کہ کوئی بھید اپنا مجھ سے نہ چھپاویں اور

ح۱ آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر جانے مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ت۲ اور ان سے مشورت لے کام میں ۱۲ ح۳ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اپنے سب حالات پر مجھ کو واقف کریں۔ پھر ابن سالم نے یہ سب تقریر بشرؒ سے جا کر کہی وہ خوش ہوئے اور ان کے ارشادات کو منظور کر لیا۔ غرضکہ حقوق صحبت یہی تھے جو ہم نے مجملاً اور مفصلاً دونوں طور سے بیان کر دیئے اور یہ پورے اسی وقت ہوتے ہیں کہ ایسی طرح ادا ہوں کہ دوستوں کا فائدہ اور تمہارا نقصان ہو اور ایسی طرح نہ ہوں کہ تمہارا فائدہ ہو اور ان کا نقصان۔ اور ایک بات اور کرنی چاہیے کہ اپنے آپ کو ان کے خادم کا قائم مقام سمجھو کہ اپنے تمام اعضاء کو ان کے حقوق میں مقید رکھو۔ مثلاً آنکھ سے ان کو بنظر مودت دیکھو کہ وہ بھی یہ امر پہچان جائیں اور ان کی خوبیوں کی طرف دیکھو اور عیبوں سے اندھے بن جاؤ اور جب وہ تمہاری طرف متوجہ ہو کر گفتگو کریں تو اپنی آنکھ دوسری طرف نہ پھراؤ۔ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جو لوگ آپؐ کے پاس بیٹھتے ہر ایک کو اپنے چہرہ مبارک سے حصہ عطا فرماتے یعنی ہر ایک کی طرف کو توجہ کرتے اور جو کوئی آپ سے سنتا وہ بھی گمان کرتا کہ سب سے زیادہ آپ کا کرم مجھ ہی پر ہے یہاں تک کہ آپ کی نشست اور سننا اور بیان فرمانا اور لطیف طور پر سوال فرمانا اور توجہ کرنا سب حاضرین جلسہ کے لیے ہوتا تھا اور آپ کی مجلس شریف حیا اور تواضع اور امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ اور آپؐ کا دستور تھا کہ اپنے یاروں کے سامنے سب لوگوں سے زیادہ تبسم اور ضحک فرماتے اور جس چیز سے اصحاب تعجب کرتے اس سے آپ زیادہ تعجب کرتے اور اصحابؓ کی ہنسی بھی آپ کی خدمت میں مسکرانا تھا ایک تو آپؐ کے فعل کی اقتداء کے باعث اور دوسرے آپ کی توقیر کی جہت سے۔ اور زبان کے حقوق اخوت کو ہم لکھ ہی چکے اب مکرر طول دینا ضرور نہیں۔ اور منجملہ حقوق زبانی یہ ہے کہ دوستوں پر چیخ نہ بیٹھے ان سے گفتگو ایسی ہی طرح کرے کہ وہ سمجھ لیں اور کان پر حق یہ ہے کہ جب دوست کچھ کہیں ان کی گفتگو لذت سے سُنے اور اس کو سچ جانے اور اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور ان پر اعتراض اور جھگڑا نکال کر بات نہ کاٹ دے اور اگر کسی وجہ سے ان کی گفتگو نہ سُن سکے تو ان سے معذرت کرے اور کان کو ایسی باتوں کے سننے سے بچاوے جو دوستوں کو بُری معلوم ہوں۔ اور ہاتھوں پر یہ حق ہے کہ جن امور میں کہ ہاتھ سے کیے جاتے ہیں دوستوں کی اعانت سے ان کو نہ کھینچے۔ اور پاؤں پر یہ حق ہے کہ ان سے دوستوں کے پیچھے خادموں کی طرح چلے نہ مخدوموں کی طرح اور ان سے اسی قدر آگے بڑھے جتنا وہ بڑھاویں اور ان کے پاس اتنا ہی ہو جتنا وہ نزدیک کریں اور جب وہ اس کے پاس

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) نسائی نے بروایت علی مرتضیٰ خصائص میں نقل کیا ہے مواخات کو اور ترمذی نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ انت اخی فی الدنیا والآخرۃ نقل کیا اور حاکم نے اس کو بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ میں بھائی اور ولی اور وارث علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوں اور یہ بھی نقل کیا کہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا ابن حبان نے کہا کہ اسکی کچھ اصل نہیں اور ترمذی نے بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نقل کیا انا دار الحکمۃ وعلی بابہا اور کہا کہ غریب ہے اور قربانی میں شریک کرنے کو مسلم نے بروایت جابر لکھا ہے اور نکاح کا حال معروف و مشہور صحاح میں مذکور ہے ۱۲

ح[۱] ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رضہ در ضمن حدیث طویل ۱۲ ح[۲] ترمذی نے بروایت عبداللہ بن حارث ابن جزء کثرت تبسم کو نقل کیا اور کہا کہ غریب ہے اور آخر جملہ تعجب کا شمائل ترمذی میں باسناد و سابق مذکور ہے ۱۲

آویں تو ان کے لیے کھڑا ہو جاوے اور جب تک وہ نہ بیٹھ لیں آپ نہ بیٹھے اور جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے اور جب کہ اتحاد کامل ہو جاتا ہے ان حقوق میں سے بعض سہل بھی ہو جاتے ہیں، جیسے کھڑا ہونا اور عذر کرنا اور تعریف کرنی کہ ہر چند حقوق صحبت سے ہیں مگر ان میں ایک قسم کی اجنبیت اور تکلف ہے اس لیے کہ جب بساطِ تکلف تہہ ہو جاتا ہے تو پھر دوستوں کے ساتھ وہی معاملے برتے جاتے ہیں جو اپنے نفس سے کیے جائیں اس لیے کہ یہ ظاہری آداب باطن کے آداب اور صفائے قلب کے عنوان ہیں اور جب دل صاف ہو جاتے ہیں تو ان ظاہری تکلیفوں کی ضرورت نہیں رہتی اور جس شخص کی نظر خلق کی صحبت کی طرف ہوتی ہے وہ کبھی تو کج ہوتا ہے اور کبھی راست اور جس کی نظر خالق کی طرف ہوتی ہے وہ ظاہر میں راستی کا ساتھی ہوتا ہے اور اپنے باطن کو حب اللہ اور محبت خلق سے زینت دیتا ہے اور ظاہر کو خدائے تعالیٰ کی عبادت اور اس کے بندوں کی خدمت سے زینت دیتا ہے اس لیے کہ بندوں کی خدمت اللہ واسطے کی خدمتوں میں سے اعلیٰ قسم ہے کہ اس کو بدون حسن خلق کے آدمی حاصل نہیں کر سکتا اور اپنے حسن خلق سے درجہ صائم النہار اور قائم اللیل کا بلکہ زیادہ پاتا ہے۔

خاتمہ، حکما کے کلام سے منتخب باتیں متعلقہ مصاحبت و ہم نشینی

اگر تم کو اچھی طرح میل جول منظور ہے تو ان امور مفصلۂ ذیل پر عمل کرو۔ دوست اور دشمن سے بکشادہ پیشانی رہو نہ ان کو ذلیل کرو نہ آپ ہیبت میں پڑو۔ وقار اختیار کرو نہ اتنا کہ تکبر ہو جائے اور تواضع کرو نہ اتنی کہ ذلیل ہو، اپنے سب کاموں میں اوسط درجہ پر رہو کہ افراط اور تفریط سب باتوں میں مذموم ہے اپنے دونوں جانب کو مت دیکھو کہ کثرت سے مڑ کر نگاہ مت کرو۔ جماعتوں کے پاس کھڑے مت رہو اور جب بیٹھو تو اطمینان سے بیٹھو جس سے یہ معلوم نہ ہو کہ اٹھنا چاہتے ہیں، انگلیاں مت چٹکاؤ اور انگوٹھے وغیرہ سے مت کھیلو۔ دانتوں میں خلال مت کرو۔ ناک میں انگلی مت کرو۔ کثرت سے نہ تھوکو۔ بہت مرتبہ ناک صاف مت کرو۔ منہ پر سے مکھیاں بہت مت اڑاؤ۔ انگڑائی اور جمائی لوگوں کے سامنے بہت مت لو۔ اسی طرح نماز اور تنہائی میں بھی۔ مجلس میں شور اور غل مت کرو۔ بات مسلسل اور ترتیب وار کہو۔ جو کوئی اچھی بات کہے اس پر کان لگاؤ بدون اس بات کے کہ تعجب مبالغہ کے ساتھ کرو اور دوبارہ کہنے کے لیے درخواست نہ کرو۔ مضحکات اور کہانیوں کے لیے خاموش رہو اور اس کا ذکر مت کرو کہ مجھ کو اپنا لڑکا یا شعر یا تصنیف یا فلاں چیز اچھی معلوم ہوتی ہے۔ عورتوں کی طرح بہت زینت مت کرو اور نہ غلاموں کی طرح میلے کچیلے رہو۔ سرمہ اور تیل کثرت سے مت لگاؤ۔ حاجتوں میں اصرار مت کرو۔ ظلم پر کسی کو شجاع مت کہو۔ اپنے زن و فرزند سے بھی اپنے مال کی مقدار مت کہو غیروں کا تو کیا ذکر ہے اسلیے کہ اگر ان کے عندیہ میں تھوڑا ہوگا تم ان کی نظروں میں خوار ہو گے اور اگر بہت ہوگا تو کبھی تم سے خوش نہ رہیں گے۔ ان کو نہ اتنا ڈراؤ کہ تمہارے پاس نہ پھٹکیں اور نہ اتنا پرچاؤ کہ سر پر چڑھ بیٹھیں۔ اپنی لونڈی غلاموں سے ہنسی مت کرو ورنہ تمہارا وقار جاتا رہے گا۔ اور جب کسی مقدمہ کی جواب دہی کرو تو عزت کے ساتھ رہو اور نادانی سے احتراز کرو اور جلدی مت کرو اور اپنی حجت کو تامل کرو اور ہاتھوں سے بہت اشارے مت کرو اور جو لوگ پیچھے ہوں ان کو گردن موڑ کر بہت مت دیکھو اور پالتی مار کر مت بیٹھو اور جب غصہ تھم جاوے تب بولو اور اگر بادشاہ

تم کو اپنا مقرب کرے تو اس سے ایسی طرح رہو کہ گویا بھال کی نوک پر ہو اور اگر تم سے ہنسی خوشی رہے تو یہ مت سمجھو کہ اب نہیں بگڑے گا بلکہ اس کے انقلاب سے ڈرتے رہو کہ دم بھر میں بگڑ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ملائمت ایسی کرو جیسی بچوں سے کرتے ہیں تو اس سے وہ گفتگو کرو جس کی اس کو تمنا ہو اور وہ اگر تمہارے ساتھ ملطف پیش آوے تو اس وجہ سے اس کے زن و فرزند اور نوکروں کے معاملہ میں دخل نہ دو گے اس کے عندیہ میں تم دخل دینے کے مستحق ہو اس لیے کہ بادشاہ اور اس کے گھر والوں کے معاملہ میں دخل دینے والا ایسا گرتا ہے کہ پھر کبھی نہیں اٹھتا اور جو دوست کہ تندرستی کا یار ہو اس سے احتراز کرو کہ وہ دشمنوں سے زیادہ ہے اپنے مال کو آبرو کی نسبت کہ عزیز مت سمجھو اور اگر کسی مجلس میں جاؤ تو اس کا طریق یہ ہے کہ اول سلام کرو اور جو لوگ پہلے آ چکے ہوں ان کے اوپر مت جاؤ اور جہاں جگہ دیکھو وہاں بیٹھو بشرطیکہ تواضع اور انکساری کے بھی مناسب ہو اور بیٹھنے میں جو شخص پاس ہو اس کو سلام کرو اور راستہ میں اول تو بیٹھنا نہ چاہیے اور اگر بیٹھو تو اس کے آداب یہ ہیں کہ نگاہ نیچی رکھو۔ اور مظلوم کی مدد کرو اور فریادی دادخواہ کا ساتھ دو اور کمزور کو سہارا دو اور بھولے ہوئے کو راہ بتاؤ، اور سلام کا جواب دو، سائل کو کچھ عطا کرو۔ اچھی بات کا امر کرو، بری بات سے روکو، تھوکنے کا موقع تلاش کرو۔ قبلہ کی جانب مت تھوکو اور نہ داہنی جانب بلکہ بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکو۔ اور بادشاہوں سے ہمنشین مت ہو اور اگر ہو تو اس کا ادب یہ ہے کہ غیبت اور جھوٹ سے احتراز کرو اور راز کو مخفی رکھو اور حاجتیں کم بیان کرو اور گفتگو میں الفاظ شستہ اور شائستہ بیان کرو اور بادشاہوں کے اخلاق کا ذکر کرو اور ہنسی کم کرو اور ان سے بہت خوف کرو۔ اگرچہ تم سے دوستی ظاہر کریں اور ان کے سامنے ڈکار مت لو اور نہ کھانے کے بعد ان کے پاس خلال کرو۔ اور بادشاہ کو چاہیے کہ ہمنشینوں کی ہر ایک بات کا تحمل کرے لیکن افشاء راز اور ملک میں خلل ڈالنے اور عزت کے درپے ہونے کو تحمل نہ کرے۔ اور عوام کے پاس نہ بیٹھے اور اگر اتفاق ہو تو اس کا طریق یہ ہے کہ ان کی بات میں دخل نہ دے اور ان کی بیہودہ باتیں کم سنے اور جو الفاظ ان سے برے سرزد ہوں ان سے تغافل کرے اور باوجودیکہ ان سے کچھ غرض متعلق ہو تب بھی ان سے ملاقات کم کرے۔ ہنسی ٹھٹھا نہ عاقل سے کرو نہ غیر عاقل سے اس لیے کہ عاقل تم سے کینہ کرے گا اور بیوقوف کو تم پر جرأت ہو گی کیونکہ ٹھٹھا کرنا ہیبت دور کرتا ہے اور آبرو کھوتا ہے اور آخر کو کینہ لاتا ہے اور دوستی کی حلاوت کھوتا ہے اور عالم کی سمجھ میں عیب لگاتا ہے اور بیوقوف کو دلیر کرتا ہے اور دانا کے نزدیک مرتبہ کم کرتا ہے اور پرہیزگار ٹھٹھے والے کو برا سمجھتے ہیں اور ٹھٹھا دل کو بجھاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے دور کرتا ہے اور غفلت پیدا کرتا ہے اور لذت کا موجب ہے اس سے باطن اندھے ہوتے ہیں اور دل مرتے ہیں، اسی سے عیبوں کی کثرت ہوتی ہے اور گناہ کھل جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ٹھٹھا بجز حماقت اور اترانے کے نہیں ہوتا اور اگر کوئی شخص کسی مجلس میں مبتلاء مزاح یا شور و غوغا کا ہو تو چاہیے کہ اٹھتے کے وقت خدائے تعالیٰ کا ذکر کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے من جلس فی مجلس فکثر فیہ لغطہ فقال قبل ان یقوم من مجلسہ ذٰلک سبحانک اللّٰھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک الا غفر لہ ما کان فی مجلسہ

ذلک ح[1]

تیسری فصل۔ عام اسلامی برادری ہمسایوں اور لونڈی غلاموں کے حقوق

جاننا چاہیئے کہ انسان یا تنہا رہتا ہے یا غیر کے ساتھ اور چونکہ انسان کا تنہا رہنا بدون اختلاط اپنے ہم جنس کے دشوار ہے اس لیے اس کو اختلاط کا طریقہ سیکھنا بھی ضرور ہے اور ملنے والے کے ساتھ ادب اسی قدر ہو جتنا اس کا حق ہو اور حق اس قدر ہوتا ہے جتنا اس کا علاقہ ہو جس سے کہ اختلاط ہوا ہے اور علاقہ یا تو قرابت کا ہو گا جو سب سے خاص ہے یا اسلام کی اخوت کا جو سب سے عام ہے۔ یا ہمسائیگی یا سفر خواہ مدرسہ کی صحبت یا دوستی کا۔ اور علاقوں میں سے ہر ایک کے بہت درجہ ہیں۔ مثلاً قرابت کا کوئی حق ہے مگر قریب آ کر محرم ہو گا تو اس کا حق زیادہ ہے اور جبقدر محرم کا حق ہے اس سے زیادہ والدین کا حق ہے اسی طرح ہمسایہ کا حق مکان کے نزدیک اور دور ہونے کے موافق مختلف ہوتا ہے اور فرق اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی نسبت کر اس کو لحاظ کریں۔ مثلاً بیگانہ شہر دل میں ہمسایہ وطن کے رشتہ دار کا قائم مقام ہوتا ہے کہ شہر میں ہمسائیگی کا حق اسی کو حاصل ہے یہی حال مسلمان کے حق کا ہے کہ جتنی معرفت اور شناسائی زیادہ ہو گی اسی قدر حق زیادہ ہو گا، مثلاً جس سے سن کر جان پہچان ہے اس کے حق کی نسبت کر اس کا زیادہ حق ہے جس سے صورت شناسائی ہے اور شناسائی ہونے کے بعد اختلاط سے اس کا استحکام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح محبت کے درجات بھی مختلف ہیں مثلاً صحبت درس اور مکتب کا حق بہ نسبت صحبت سفر کے موکد تر ہے اور یہی حال دوستی کا ہے کہ متفاوت ہوا کرتی ہے یعنی جب قوی ہو جاتی ہے تو اخوت ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھتی ہے تو محبت ہوتی ہے اس سے تجاوز کرتی ہے تو خلت ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلیل بہ نسبت حبیب کے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لیے کہ محبت اس کو کہتے ہیں جو دل میں جگہ کرے اور خلت وہ ہے جو دل کی رگ رگ میں پیوستہ ہو جائے تو جو خلیل ہو گا وہ حبیب بھی ہو گا اور یہ نہیں کہ جو حبیب ہو وہ خلیل بھی ہو۔ اور تجربہ اور مشاہدہ سے دوستی کے درجات کا متفاوت ہونا ظاہر ہے اور خلت کو جو ہم نے اخوت سے زیادہ کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ خلت ایسی حالت کا نام ہے جو اخوت کی نسبت کر کامل تر ہے اور اس کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے پہچانتے ہیں لو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابا بکر خلیلا ولکن صاحبکم خلیل اللہ ح[2] اس لیے کہ خلیل اس کو

ح[1] جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں بہت سی بک بک اس نے کی اور کھڑے ہونے سے پیشتر یہ دعا پڑھی کہ الٰہی تیری پاکی کہتے ہیں اور تیری حمد کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں تو جو کچھ اس شخص سے اس مجلس میں ہوا ہو گا اس کو بخش دیا جائے گا۔ ترمذی بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲

ح[2] اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا مگر میں تو اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں۔ بخاری و مسلم بروایت ابو سعید خدری ۱۲

کہتے ہیں کہ محبت محبوب کی اس کے دل کے تمام اجزاء ظاہری اور باطنی میں گھس جاتے اور تمام دل کو گھیر لے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل مبارک کو بالکلیہ بجز محبت الٰہی کے اور کسی چیز نے نہیں گھیرا تھا اس لیے خلت میں شرکت نہ ہو سکی باوجودیکہ آپ نے حضرت علی رض کو بھائی بنایا اور ارشاد فرمایا[ح۱] علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا النبوۃ تو حضرت علی رض کے لیے نبوت سے عدول فرمایا جیسے حضرت صدیق رض کے لیے خلت سے پس حضرت صدیق رض اخوت میں علی مرتضیٰ رض کے شریک رہے اور اس امر میں بڑھے رہے کہ آپ کو قربت اور لیاقت خلت کی حاصل تھی، بشرطیکہ شرکت کی گنجائش ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیاقت پر آگاہ کرنے کو فرمایا لاتخذت ابابکر خلیلاً۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیل اور حبیب دونوں ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ ایک روز فرحان اور شادان منبر پر چڑھے اور فرمایا[ح۲] اللہ تعالیٰ نے مجھ کو خلیل کیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کیا پس میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور میں اس کا خلیل ہوں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شناسائی سے پہلے کوئی اور علاقہ نہیں اور خلت کے بعد کوئی درجہ نہیں اور دونوں کے سوا جو اور مدارج ہیں وہ ان دونوں کے درمیان میں ہیں اور ہم حق صحبت اور اخوت کو بیان کر چکے اور محبت اور خلت وغیرہ جو اور چیزیں ہیں وہ سب انہیں میں آگئیں مگر جس قدر محبت اور اخوت کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے اسی قدر ان حقوق مراتب میں تفاوت ہوتا ہے جیسے پہلے مذکور ہوا یہاں تک انتہائے حقوق یہ ہے کہ محبوب کو اپنے نفس اور مال سے ترجیح دے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے نفس اور مال کو لٹایا اور حضرت طلحہ رض نے اپنے بدن کو آپ کے تن مبارک کا سپر بنایا اور ہم اب یہ چاہتے ہیں کہ اخوت اسلامی اور اقربا اور ہمسایہ اور لونڈی غلاموں کے حقوق لکھیں اس لیے اس فصل کو چار بیانوں میں منقسم کیا ہے۔

عام مسلمانوں کا معاملہ کہ[۱] مسلمان سے جب ملاقات ہو اس کو سلام کرنا، اور[۲] جب پکارے اس کا جواب دینا اور[۳] چھینکے تو یرحمک اللہ کہنا، اور[۴] بیمار ہو تو عیادت کرنی اور[۵] مر جائے تو جنازہ پر جانا اور[۶] اگر تم پر قسم کھالے اس کی قسم کو سچا کرنا اور[۷] نصیحت چاہے تو اس کو بہتر بات بتانی اور[۸] اس کے پیٹھ پیچھے اس کو برا نہ کہنا اور[۹] اس کے لیے وہ بات پسند کرنی جو اپنے لیے پسند ہو اور[۱۰] اس کے حق میں وہ بات بری سمجھنی جو اپنے حق میں بری لگے اور یہ سب امور احادیث[ح۳] و آثار میں وارد ہیں۔ اور حضرت انس رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[ح۴] کہ مسلمانوں کے حقوق سے چار باتیں تجھ پر لازم ہیں، اوّل یہ کہ نیکی کرنے والے کی مدد کرے۔ دوم

ح۱ علی مرتضیٰ رض مجھ سے ایسے ہیں جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ ع سے تھے سوائے نبوت کے۔ بخاری و مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص رض ۱۲

ح۲ طبرانی بروایت ابی امامہ اور اس میں اخیر کے دونوں جملے نہیں ہیں ۱۲ ح۳ مسلم نے بروایت ابی ہریرہ رض اول اور ہفتم کو نقل کیا ہے اور شیخان نے بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دوم اور سوم اور چہارم اور پنجم کو نقل کیا ہے اور بروایت براء بن عازب رض ششم کو اور ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت علی مرتضیٰ رض ہشتم کو ذکر کیا ہے اور احمد نے بروایت معاذ نویں اور دسویں کو ۱۲ ح۴ صاحب فردوس نے اسی کو ذکر کیا ہے مگر مجھ کو اس کی اسناد نہیں ملیں ۱۲

گناہ کرنے والے کے لیے مغفرت چاہے۔ سوم ان کے بدنصیب کے لیے دُعا مانگے۔ چہارم ان میں کے تائب سے محبت رکھے۔ اور حضرت ابن عباس رض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد رُحماء بینھم کے معنی یہ ہیں کہ نیک آدمی بدکار کے لیے دُعا مانگے اور بدکار نیک کے واسطے یعنی جب بدکار شخص امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی نیک کو دیکھے تو یوں دعا مانگے الٰہی تو نے جو اس کو خیر عنایت کی اس کو اس میں برکت کر اور اس کو اسی پر ثابت رکھ اور ہم کو اس سے فائدہ عنایت فرما اور جب نیکبخت کسی بدکار کو دیکھے تو یہ دُعا مانگے الٰہی اس کو ہدایت کر اور توفیق توبہ عنایت فرما اور اس کی خطا معاف کر۔ اب حقوق کو مشرح لکھتے ہیں اوّل حق یہ ہے کہ جمیع اہلِ ایمان کے لیے وہی بات چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور ان کے لیے وہی بات بری سمجھے جو اپنے لیے بُری سمجھتا ہے۔ نعمان بن بشیر رض فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا[ح۱]: مثل المومنین فی ودھم وتراحمھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو منہ تداعی سائرہ بالحمی و السھر اور حضرت ابوموسیٰ آپ سے راوی ہیں[ح۲] المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔ دوسرا حق یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے قول یا فعل سے ایذا نہ دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح۳] المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ اور ایک بڑی حدیث شریف میں جو فضیلت کی باتوں کے لیے حکم فرمایا ہے اس میں یہ ارشاد ہے[ح۴] کہ اگر تجھ سے یہ امور نہ بن پڑیں تو اتنا ہی کر دے کہ لوگوں کو بدی مت پہنچاؤ کہ یہ ایک صدقہ ہے کہ تو نے اپنی طرف سے[ع] خیرات کیا اور فرمایا[ح۵] افضل المسلمین من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ اور فرمایا[ح۶] کہ تم کو معلوم ہے کہ مسلم کون ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے فرمایا کہ مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ پھر مومن کون ہے آپ نے فرمایا کہ جس سے اہل ایمان اپنی جانوں اور مالوں کے باب میں محفوظ ہوں انہوں نے عرض کیا کہ پھر مہاجر کون ہے فرمایا کہ جو بُرائی کو چھوڑ دے اور اس سے اجتناب کرے اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کیا چیز ہے آپ نے ارشاد فرمایا[ح۷] کہ اسلام یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو اور مسلمان تیرے ہاتھ اور زبان سے سلامت رہیں۔ اور مجاہد رح فرماتے ہیں کہ دوزخیوں پر خارش مسلط کی جاوے گی پھر وہ اتنا کھجلاویں گے کہ ان میں کسی کی ہڈی ظاہر ہو جاوے گی اور چمڑا اور گوشت اڑ جاوے گا اس کو کوئی نام لے کر پکارے گا کہ تجھ کو اس کی تکلیف ہے یا نہیں وہ کہے گا کہ ہاں بہت تکلیف ہے جواب ملے گا کہ یہ اس کی

ح۱ ایمانداروں کی مثال باہم دوستی اور رحم کرنے میں ایسی ہے جیسے جسم کہ جب اس کا کوئی جوڑ درد کرتا ہے تو سب کو باعث بخار اور بیداری کا ہوتا ہے بخاری و مسلم ۱۲
ح۲ ایماندار دوسرے ایماندار کے لیے ایسا ہے جیسے کہ عمارت کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو پائیدار کرتا ہے بخاری و مسلم ۱۲ ح۳ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں بخاری و مسلم بروایت ابوذر رض ح۴ بخاری و مسلم بروایت ابوذر رض ۱۲ ح۵ مسلمانوں سے افضل وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ ۱۲ ح۶ طبرانی و حاکم بروایت فضالہ بن عبیدہ ۱۲ ع اپنی طرف سے الخ حدیث میں یہ معنی کہ تو نے اس کو اپنی جانوں پر خیرات کیا ۱۲ ح۷ احمد بروایت عمرو ابن عنبسہ ۱۲

سزا ہے کہ تو اہل ایمان کو ستایا کرتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں مزہ سے کروٹیں لیتا دیکھا۔ اس نے راہ میں سے ایک درخت کاٹا تھا جو لوگوں کو ایذا دیتا تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں[ح] کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو کچھ تعلیم فرمایئے جس کی تعمیل سے میں نفع اٹھاؤں آپؐ نے فرمایا اعزل الاذی عن طریق المسلمین[ع] اور ایک حدیث میں ارشاد ہے[ح] فرمایا جو کوئی مسلمانوں کی راہ میں سے ایسی چیز دور کر دے جو ان کو ستاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے عوض میں ایک نیکی لکھے گا اور جس کے لیے خدائے تعالیٰ ایک نیکی لکھے اس کے لیے اس نیکی کے سبب سے جنت واجب کر دے گا اور فرمایا[ح] کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی طرف ایسی نگاہ سے اشارہ کرے جس سے اس کو ایذا ہو۔ اور فرمایا کہ مسلمان کو حلال نہیں کہ مسلمان کو ڈرائے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ایذا دیئے جانے کو برا جانتا ہے۔ اور ربیع بن خثیم کہتے ہیں کہ آدمی دو قسم ہیں ایک اہل ایمان ان کو تو ایذا مت دو، دوسرے جاہل اس کے ساتھ جاہل مت بنو تیسرا حق یہ ہے کہ ہر مسلمان سے تواضع کرے اور اس پر تکبر نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت] ان اللہ لا یحب کل مختال فخور ط اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی کہ یہاں تک فروتنی کرو کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے پھر اگر دوسرا شخص آدمی پر فخر کرے تو اسکو تحمل کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے[ت] خذ العفو وامر بالعروف واعرض عن الجاهلين اور ابن ابی اوفیؓ سے یہ حدیث مروی ہے[ح] کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یانف ولا یتکبر ان یمشی مع الارملة والمسکین فیقضی حاجته چوتھا حق یہ ہے کہ ایک مسلمان کی چغلی دوسرے سے نہ کھائے اور جو کچھ ایک سے سنے وہ دوسرے کو نہ پہنچائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح] لا یدخل الجنة قتات اور خلیل بن احمد کہتے ہیں کہ جو شخص تجھ سے دوسروں کی چغلی کھائے گا وہ تیری چغلی دوسروں سے کھائے گا اور جو تجھ سے غیروں کی خبر کہے گا وہ تیری خبر غیروں سے کہے گا اسی مضمون کو سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورده باشد   بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

پانچواں حق یہ ہے کہ جس شخص سے شناسائی ہو اس سے اگر کبیدگی کی صورت ہو جاوے تو تین دن سے زیادہ ترک ملاقات نہ کرے کہ ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ح مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح ایضاً ح احمد بروایت ابی درداء بسند ضعیف ۱۲ ح ابن مبارک در زہد بروایت عکرمہ بن خالد مرسلاً ۱۲

ت البتہ اللہ نہیں چاہتا ہے کسی اتراتے بڑائی مارتے کو ۱۲ ح ابو داؤد، ابن ماجہ بروایت عیاض بن حمار ۱۲

ت خوب کر معاف کرنا اور کہہ نیک کام کرنا اور کنارہ کر جاہلوں سے ۱۲ ع علیحدہ کر ایذا کی چیز کو مسلمانوں کے راستہ میں سے ۱۲

ح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غرور و تکبر نہ فرماتے اس سے کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ تشریف لیجا کر اس کی حاجت پوری فرمائیں نسائی وحاکم ۱۲

ح چغلخور جنت میں داخل نہ ہو گا۔ بخاری و مسلم بروایت حذیفہؓ ۱۲

نے فرمایا[ح۱] لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلٰث ملتقیان فیعرض ھٰذا ویعرض ھٰذا وخیرھما الذی یبدا بالسلام۔ اور فرمایا[ح۲] من اقال مسلما عثرتہ اقالہ اللہ یوم القیامۃ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرمایا کہ چونکہ تم نے اپنے بھائیوں کی خطا معاف فرمائی اس لیے میں نے تمہارا ذکر ذاکروں میں بلند کر دیا اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[ح۳] ما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ قط الا ان تنتھک حرمۃ اللہ فینتقم اللہ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی نے اپنا مظلمہ معاف کر دیا تو اللہ تعالےٰ نے اس کی عزت ہی بڑھائی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح۴] ما نقص مال من صدقۃ وما زاد اللہ رجلا بعفو الا عزا وما من احد تواضع للہ الا رفعہ اللہ چھٹا حق یہ ہے کہ اگر بن سکے تو ہر شخص پر حتی الوسع احسان ہی کرے۔ یہ تمیز نہ کرے کہ لائق احسان کون ہے اور عدمِ لیاقت کس میں ہے۔ حضرت امام زین العابدین اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادے علیہم السلام سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح۵] کہ قابل سلوک پر بھی احسان کرو اور نا قابل پر بھی کیونکہ اگر احسان ایسے شخص کو نہ پہنچے گا جو قابل احسان نہ ہو تو تم تو بہر حال قابل احسان ہو۔ اور انہیں حضرت سے یہ حدیث شریف[ح۶] منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے بعد عقل کی اصل لوگوں سے دوستی کرنی ہر نیک و بد سے سلوک کرنا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں[ح۷] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص آپ کا دست مبارک پکڑ لیتا تو آپ اپنا ہاتھ اس سے نہ چھڑاتے یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا۔ اور آپ کا زانوئے مبارک جلیس کے زانوؤں سے نکلا ہوا معلوم نہ ہوتا اور جو کوئی آپ سے گفتگو کرتا اس کی طرف آپ متوجہ ہوتے پھر اس کی طرف سے رُوئے مبارک نہ پھیرتے یہاں تک کہ وہ گفتگو سے فارغ نہ ہو لیتا۔ ساتواں حق یہ ہے کہ کسی مسلمان کے پاس بدون اس کی اجازت کے نہ جاوے بلکہ تین بار اس سے اجازت چاہے۔ اگر وہ اجازت دے تو فبہا اور اگر وہ اجازت نہ دے تو واپس چلا آوے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح۸] کہ اجازت لینا تین بار

ح[۱] کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے آپس میں ملیں تو ایک ادھر کو منہ پھیرے اور ایک ادھر کو اور ان دونوں سے بہتر وہ ہے جو اول سلام کرے بخاری و مسلم ۱۲ ح[۲] جو شخص کسی مسلمان کی لغزش کو معاف کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو معاف کرے گا۔ ابو داؤد و حاکم اور پہلے بھی گذر چکی ۱۲ ح[۳] نہیں انتقام لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس کے لیے کبھی بھی مگر یہ کہ ہتک کی جائے اللہ کی حرمت تو آپ انتقام لیتے تھے اللہ تعالیٰ کے لیے بخاری و مسلم ۱۲ ح[۴] نہیں گھٹتا مال صدقہ کرنے سے اور نہیں زیادہ کیا اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو معاف کرنے سے بجز عزت کے اور نہیں تواضع کی کسی نے اللہ تعالیٰ کے واسطے مگر یہ کہ بلند کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ح[۵] دارقطنی در علل اور تجاد میں اس کو بروایت جعفر صادق عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام مرسلاً نقل کیا ہے بسند ضعیف ۱۲ ح[۶] طبرانی در اوسط ۱۲ ح[۷] طبرانی در اوسط و ابو داؤد و ابن ماجہ، ترمذی نحوہ بروایت ابن عباس ۱۲ ح[۸] دارقطنی در افراد بسند ضعیف اور بخاری و مسلم میں بروایت ابی موسیٰ تین بار اجازت مانگنا مروی ہے ۱۲

ہے اول بار میں وہ چپکے ہو جائیں گے اور دوسری میں مشورہ بلانے کا کریں گے اور تیسری میں خواہ اجازت دیں گے یا کہہ دیں گے کہ چلے جاؤ۔
آٹھواں حق یہ ہے کہ سب لوگوں سے خوش خلقی سے پیش آوے، ہر شخص کی لیاقت کے موافق گفتگو کرے، اگر جاہل سے علم کی باتیں اور عاجز کے ساتھ تقریر دقیق پیش کرے گا تو خود بھی تکلیف ہوگی اور دوسرے کو ایذا دے گا ۔

با ہیچ نہ فہم لاف بمعنی چہ زنی   طفلانہ بہ طفل گفتگو باید کرد

نواں حق یہ ہے کہ بوڑھوں کی عزت کرے اور لڑکوں پر رحم کرے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] لیس منا من لم یوقر کبیرنا ولم یرحم صغیرنا۔ اور لڑکوں پر تلطف کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا[2] اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[3] من اجل اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم اور بوڑھوں کی تعظیم کا تتمہ یہ ہے کہ ان کی اجازت کے بدون ان کے سامنے کلام نہ کرے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جہنیہ کا قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ان میں سے ایک لڑکا بولنے کے لیے کھڑا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[4] کہ ٹھہر بڑا شخص کہاں ہے کہ وہ گفتگو کرے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[5] کہ جو کوئی جوان آدمی کسی بوڑھے کی تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے بوڑھے کی عمر میں پہنچنے پر کسی کو مقرر کر دیتا ہے کہ اس کی تعظیم کرے، اس میں زندگی کے دوام کی خوشخبری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھوں کی تعظیم کی توفیق اسی کو ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عمر کی زیادتی لکھ دی ہے اور ایک حدیث[6] میں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لڑکا موجب غصہ نہ ہو جاوے اور مینہ باعث نہ جمنے سبزہ کا اور گرم ہونے ہوا کا، اور پاجی ہر طرف بہہ نہ نکلیں اور کریم غائب نہ ہو جاویں اور چھوٹا بڑے اور لئیم آدمی کریم پر جرأت نہ کرنے لگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے تشریف لاتے اور لڑکے آپؐ کو ملتے تو ان کے پاس آپؐ توقف فرماتے اور لوگوں سے کہتے کہ ان کو میرے پاس لاؤ، جب وہ پاس آتے تو کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھلا لیتے اور کسی کے لیے صحابہؓ کو اجازت فرماتے کہ تم اٹھالو تو اکثر آخر کو لڑکے فخر کیا کرتے اور ایک دوسرے سے کہتا کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری پر اپنے آگے بٹھلایا اور تجھ کو پیچھے سوار کیا۔ اور بعض یوں کہتے ہیں کہ صحابہؓ سے کہہ دیا کہ تم کو اپنے پیچھے سوار کرلیں اور چھوٹے بچوں[7] کی جو آپؐ کی خدمت میں دعا اور برکت اور نام رکھنے کو لاتے تو آپؐ کی گود میں ان کو لٹا دیتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ بچہ آپؐ کے اوپر پیشاب کر دیتا اور جو شخص دیکھتا ہوتا وہ بچہ کو للکارتا تو آپؐ اس شخص کو ارشاد فرماتے کہ اس کا پیشاب بندمت کرو اور اس کو ویسے ہی رہنے دیتے یہاں تک کہ بالکل پیشاب کر چکتا، پھر اس کے لیے دعا کرتے اور اس کا نام رکھتے . . . .
۔ یہاں تک کہ اس کے گھر والے خوش ہو جاتے اور یہ گمان نہ کرتے کہ آپؐ کو اس کے پیشاب کی ایذا ہوئی اور جب وہ چلے

---

[1] نہیں ہے ہم سے جو عزت نہ کرے ہمارے بڑے کی اور نہ رحم کرے ہمارے چھوٹوں پر۔ ابو داؤد و بخاری در ادب بروایت ابن عمرو ۱۲ [2] بزار بروایت انسؓ اور صحیحین میں بروایت انسؓ قصہ ابو عمیر وغیرہ مذکور ہے ۱۲ [3] اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے تعظیم کرنا بوڑھے مسلمان کا۔ ابو داؤد بروایت ابی موسیٰ ۱۲ [4] حاکم نے نقل کیا ہے ۱۲ [5] ترمذی باندک اختلاف اور اس کی سند میں ابوالرجال ضعیف ہے ۱۲ [6] طبرانی بروایت ابن مسعودؓ بسند ضعیف ۱۲ [7] قصہ مسلم میں بروایت عبداللہ بن جعفر اور صحیحین میں بھی بروایت مذکور منقول ہے ۱۲ [8] مسلم نے بروایت عائشہؓ برکت کا اور پیشاب کرنا لڑکے کا نقل کیا ہے اور احمد بن منیع نے بروایت حسن بن علی اسی کے قریب نقل کیا ہے جیسا کہ احیاء میں ہے ۱۲

جاتے تب اپنا کپڑا دھو ڈالتے **دسواں حق** یہ ہے کہ سب خلق کے ساتھ ہشاش بشاش اور نرم رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ سے[1] فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ دوزخ کس شخص پر حرام ہے، انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہم زیادہ جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس پر حرام ہے جو نرم اور منکسر اور آسان گیر اور ملنسار ہو۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا[2] کہ اللہ تعالیٰ آسانی والے اور کشادہ پیشانی کو دوست رکھتا ہے۔ اور کسی نے آپؐ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ کو ایسا عمل بتا دیجئے کہ مجھ کو جنت میں داخل کرے۔ آپؐ نے فرمایا[3] کہ موجباتِ مغفرت کی یہ باتیں بذل سلام اور خوبی کلام۔ اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نیکی ایک ادنیٰ چیز ہے یعنی خندہ پیشانی اور نرم گفتار رہنا۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا[4]۔ اتقوا النار ولو بشق تمرة فان لم تجدوا فبكلمة طيبة۔ اور فرمایا[5] کہ جنت میں چند دریچے ہیں کہ ان کے باہر کی چیز اندر سے اور اندر کی باہر سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ کن لوگوں کے لیے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ جو کلام اچھی طرح کرے اور کھانا کھلا دے اور رات کو اس وقت نماز پڑھے کہ لوگ سوتے ہوں، اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا[6] کہ میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں خدائے تعالیٰ سے ڈرنے اور راست گفتاری اور وفائے عہد اور ادائے امانت اور ترکِ خیال اور ہمسایہ کی رعایت اور یتیم پر رحمت اور سلام کرنے اور تواضع کرنے کی۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں[7] کہ ایک عورت راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے ہوئی اور عرض کیا کہ مجھ کو خدمتِ اقدس میں کچھ عرض کرنا ہے اور آپؐ کے ہمرکاب اس وقت کچھ صحابہؓ تھے آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کوچوں کی جون سی طرف میں تیرا دل چاہے بیٹھ جا، میں تیرے پاس بیٹھ کر سُن لوں گا، اس نے ویسا ہی کیا، آپؐ اس کے پاس بیٹھ گئے یہاں تک کہ جو کچھ اس کو کہنا تھا، اس نے کہہ دیا۔ اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ستر برس اس طرح روزے رکھے کہ ساتویں روز افطار کرتا، اس نے دعا مانگی کہ مجھ کو یہ دکھلا دے کہ شیطان آدمیوں کو کس طرح بہکاتے ہیں، جب بہت عرصہ گذرا اور اس کی دعا قبول نہ ہوئی تو اس نے کہا کہ جو خطا میرے اور میرے پروردگار کے معاملہ میں مجھ سے ہوئی ہے، اگر میں اس پر اطلاع پاتا تو میرے حق میں اس دعا کے مانگنے سے بہتر ہوتا، اتنے میں اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، اس نے اس سے کہا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ یہ کلام جو تو نے کیا، میرے نزدیک تیری گذشتہ عبادت کی نسبت کہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تیری آنکھیں کھول دی ہیں اب تو دیکھ لے، اس نے جو دیکھا تو معلوم کیا کہ آدمیوں میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے گرد شیطان مکھیوں کی طرح نہ ہوں، اس نے عرض کیا کہ الٰہی ان سے کون بچتا

---

[1] ح ترمذی بروایت ابن مسعودؓ باختلاف یک لفظ کہ طبرانی نے بروایت محمد بن مصعب بن امیہ اس کو بھی ذکر کیا ہے اور ترمذی نے کہا کہ غریب ہے ۱۲ [2] ح بیہقی بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف ۱۲ [3] ح طبرانی و خرائطی در مکارم اخلاق و بیہقی در شعب بروایت ابن زیاد ۱۲ [4] ح آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا نصف ہی ہو اور اگر تم کو میسر نہ ہو تو اچھا لفظ کہنے سے آگ سے بچو بخاری و مسلم بروایت عدی ابن حاتم ۱۲ [5] ح ترمذی بروایت علی مرتضیٰ اور یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے ۱۲ [6] ح خرائطی در مکارم اخلاق ابو نعیم در حلیہ بسند ضعیف ۱۲ [7] ح مسلم نے نقل کیا ہے ۱۲

ہے، ارشاد ہوا کہ پرہیزگار اور نرم شخص بچتا ہے۔ گیارہواں حق یہ ہے کہ جس مسلمان سے کوئی وعدہ کرے اس کو پورا کرنا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] کہ وعدہ عطا ہے اور فرمایا[2] کہ وعدہ قرض ہے اور فرمایا[3] ثلث فی المنافق اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[4] ثلث من کن فیہ فہو منافق وان صلی وصام اذا حدث کذب الخ بارہواں حق یہ ہے کہ لوگوں کا عوض اپنے نفس سے لے اور ان کے ساتھ وہی کام کرے جس کو چاہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ اپنے ایمان کو پورا نہیں کرتا جب تک اس میں تین خصلتیں نہ ہوں، اول مفلسی کے ہوتے ہوئے خرچ کرنا، دوم اپنے نفس سے انتقام لینا، سوم سلام کرنا۔ اور ایک حدیث[5] میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ دوزخ سے دور رہے اور جنت میں داخل ہو تو چاہیے کہ ایسے حال میں مرے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے رہا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہ کام کرے جس کو خود اپنے ساتھ دوسروں سے چاہتا ہو اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو فرمایا[6] کہ اپنے جلیس کی ہمنشینی اچھی طرح کر کہ تو ایماندار ہو جائے گا۔ اور لوگوں کے لیے وہ بات پسند کر جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو مسلم ہو جائے گا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ چار باتیں کہ جو تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے سب باتوں کی اصل ہیں، اور ان میں سے ایک خاص میرے لیے ہے اور ایک خاص تیرے لیے، اور ایک مشترک ہے مجھ اور تجھ میں اور ایک تجھ میں اور مخلوق میں مشترک ہے۔ جو بات کہ خاص میرے لیے ہے وہ یہ ہے کہ تو میری عبادت کرے اور میرا شریک کسی کو نہ کرے اور جو تیرے لیے خاص ہے وہ تیرا عمل ہے اس کی جزا تجھ کو ایسے وقت میں دوں گا کہ تجھ کو اپنے عمل کی شدت سے حاجت ہو اور جو بات تجھ میں اور مجھ میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ تو دعا مانگے اور میں قبول کروں، اور جو تجھ میں اور مخلوق میں ہے وہ یہ ہے کہ تو ان کی صحبت اس امر سے کرے جس سے تو چاہے کہ وہ تیرے ساتھ رہیں۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام نے درخواست کی کہ الٰہی تیرے بندوں میں سب سے عادل کون ہے، فرمایا کہ جو لوگوں کا عوض اپنے نفس سے لیوے۔ تیرھواں حق یہ ہے کہ جس شخص کے لباس اور صورت سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ شخص بڑے رتبہ کا ہے تو اس کی تعظیم زیادہ کرے یعنی ہر ایک شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ کے موافق پیش آنا چاہیے۔ مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی سفر میں ایک منزل میں اتریں اتنے میں ان کا خاصہ آیا اور ایک سائل مانگنے آیا، آپ نے فرمایا کہ اس مسکین کو ایک روٹی دیدو، پھر ایک شخص سوار آیا، آپ نے فرمایا کہ اس کو بلاؤ اور کھانا کھلاؤ، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے مسکین کو تو دیکر ٹال دیا اور اس کو بلواتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کا ایک رتبہ بنایا ہے ہم کو بھی ان کو اسی مرتبہ پر رکھنا چاہیے، وہ مسکین تو ایک روٹی پر راضی ہو گیا مگر ہم کو نامناسب ہے کہ اس تونگر کو اس صورت پر ایک روٹی دیدیں، اور مروی[8] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس قدر آپ کے

---

[1] طبرانی در اوسط بروایت قباث بن الیثم بسند ضعیف ۱۲ [2] طبرانی در اوسط واصغر بروایت علی رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ وابوداؤد در مراسیل ۱۲ [3] تین باتیں منافق میں ہوتی ہیں، جب بات کہے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے جب امانت سپرد کیا جاوے خیانت کرے بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [4] تین باتیں ہیں کہ جس میں ہوں وہ منافق ہے گو نماز پڑھے اور روزہ رکھے، جب بات کہے جھوٹ بولے الحدیث بخاری بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [5] بزار وخرائطی در مکارم اخلاق بروایت عمار بن یاسر و بخاری موقوفاً علی عمار ۱۲ [6] بروایت عبداللہ بن عمرو نحوہ ۱۲ [7] معروف یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ ارشاد ہوا تھا خرائطی نے مکارم اخلاق میں بسند ضعیف اس کو نقل کیا ہے ۱۲ [8] حاکم بروایت جابر رضی اللہ عنہ ۱۲

کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حجرۂ شریف بھر گیا پھر جریر بن عبد اللہ بجلی تشریف لائے، اندر جگہ نہ تھی تو دہلیز پر بیٹھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک لپیٹ کر ان کے پاس پھینک دی اور فرمایا کہ اس چادر پر بیٹھ جاؤ۔ جریر نے اس کو لے کر آنکھوں سے لگایا اور اس کو بوسہ دے کر رونے لگے اور پھر تہہ کر کے آپ کے پاس پھینک دی اور عرض کیا کہ میں اس قابل نہیں کہ آپ کے کپڑوں پر بیٹھوں، اللہ تعالیٰ آپ کا اکرام فرماوے جیسے آپ نے میرا اکرام کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داہنے بائیں دیکھ کر فرمایا کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا کریم شخص آوے تو اس کی تعظیم کرو اسی طرح جس شخص کا آدمی کے اوپر قدیم حق ہو، اس کی تعظیم بھی ضرور ہے۔ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ جنہوں نے آپؐ کو دودھ پلایا تھا، آپؐ کی خدمت میں آئیں، آپؐ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا[۱] کہ اے مادر خوب کیا آپ تشریف لائیں پھر ان کو چادر پر بٹھلا کر فرمایا کہ سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کروں گا اور جو سوال کرو گی وہ دوں گا انہوں نے فرمایا کہ میں اپنی قوم کی سفارش کرتی ہوں آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنا اور بنی ہاشم کا حق تم کو دیا یعنی جس قدر ان کے حصہ میں لوگ آویں ان کو تمہارے حوالہ کر دوں گا پس ہر طرف سے لوگ اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسولؐ ہم نے بھی اپنا حق ان کو دیا پھر ان کے ساتھ بعد کو سلوک کیا اور ایک خادم دیا اور خیبر میں سے اپنا حصہ ان کو بخش دیا جو حضرت عثمانؓ نے ایک لاکھ درہم کو ان سے مول لے لیا۔ اور بعض اوقات آپ کی خدمت میں کوئی حاضر[۲] ہوتا۔ اور آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوتے جس میں اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھلاتے تو تکیہ کو نکال کر اس شخص کے لئے ڈال دیتے اور اگر وہ انکار کرتا تو اس کو قسم دے کر بٹھلاتے۔ **چودھواں حق** یہ ہے کہ اگر صورت مسلمانوں میں اصلاح کر دینے کی بن سکے تو چاہیئے کہ ان میں صلح کرا دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا تم کو میں وہ بات نہ بتا دوں جو نماز اور روزوں اور خیرات کے درجے سے افضل ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمایئے آپ نے فرمایا کہ آپس میں صلح کرا دینی ہے اور باہم دگر پھوٹ ڈالنا دین کا مٹانے والا ہے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔ افضل الصدقة اصلاح ذات البین اور حضرتؓ انس راوی ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے کہ اتنے میں آپ اتنا ہنسے کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدا ہوں آپ پر میرے والدین آپ کس بات سے ہنسے فرمایا کہ میری امت کے دو شخص رب العزت کے سامنے دو زانوں بیٹھے اور ایک نے عرض کیا کہ یا رب میرا حق اس سے دلا دے اللہ تعالیٰ نے دوسرے کو ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کا حق دیدے اس نے عرض کیا کہ الٰہی میری نیکیوں میں سے کچھ نہیں رہا جو اس کو حوالہ کروں اللہ تعالیٰ نے مدعی

---

۱ ح حاکم بروایت ابو الطفیل مختصراً یعنی صرف چادر مبارک پر بٹھایا نقل کیا ہے آگے کا قصہ نہیں لکھا ۱۲۔ ۲ ح احمد بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲

۳ ح ابوداؤد ترمذی بروایت ابی الدرداء ۱۲۔

۴ ح بہتر صدقہ آپس میں صلح کرانی ہے طبرانی در کبیر و خرائطی در مکارم الاخلاق بروایت عبد اللہ ابن عمرؓ اور اس سند میں عبد الرحمن بن زیاد ضعیف ہے ۱۲۔

۵ ح حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور بخاری اور ابن حبان نے اسناد کو ضعیف کہا ہے ۱۲۔

کو فرمایا اب تو کیا کرے گا، اس کے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ نہیں رہا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے گناہ کچھ اس پر کر دیے جاویں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور فرمایا کہ یہ دن بڑا سخت ہے، آدمی کو اس روز یہ حاجت پڑے گی کہ اس کے گناہ کوئی اپنے ذمہ کر لے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کو ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھ اٹھا کر جنت میں نگاہ کر، وہ دیکھ کر عرض کرنے لگا کہ یارب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کے شہر اور سونے کے محل موتیوں سے جڑے ہیں، یہ کسی نبی کے ہیں یا صدیق یا شہید کے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس شخص کے ہیں جو ان کا دام دے، اس نے عرض کیا کہ پروردگار ان کا دام کس کے پاس ہوگا، ارشاد ہوا کہ تیرے پاس، اس نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے، فرمایا کہ اپنے بھائی کو معاف کر دینا، اس نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے معاف کیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو اٹھ اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کے اس کو جنت میں داخل کر، پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، آپس میں صلح کرتے رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت میں اہل ایمان کے درمیان صلح کرے گا، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[۱] لیس بکذاب من اصلح بین اثنین فقال خیرا او نمی خیرا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں صلح کرا دینی واجب ہے، کیونکہ جھوٹ کا ترک کرنا واجب ہے اور کوئی واجب ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا، الا اس صورت میں کہ دوسرا واجب اس سے زیادہ مؤکد ذمہ پر ہو جاوے، تو جب دو شخصوں میں صلح کرنے والا جھوٹا نہ ٹھہرے تو معلوم ہوا کہ اصلاح باہم ترک کذب کی نسبت کر زیادہ مؤکد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۲] کل الکذب مکتوب الا ان یکذب الرجل فی الحرب فان الحرب خدعة او یکذب بین الاثنین فیصلح بینھما او یکذب لامرأته لیرضیھا پندرھواں حق یہ ہے کہ سب مسلمانوں کے عیبوں کو چھپاوے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۳] من ستر علی مسلم سترہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرة اور فرمایا[۴] کہ جو بندہ دوسرے کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔ اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ[۵] جو آدمی اپنے بھائی کا کوئی عیب دیکھے اور پھر اس کو چھپاوے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جب ماعزؓ نے اپنے زنا کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا[۶] کہ اگر تو اس کو اپنے کپڑے کے تلے ڈھانپ لیتا تو تیرے حق میں اچھا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو اپنے عیب کا پوشیدہ رکھنا بھی لازم ہے اس لیے کہ اس کے خود اسلام کا حق اس کے ذمہ ایسا ہی واجب ہے جیسے غیر کے اسلام کا حق، حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی

---

[۱] جھوٹا نہیں وہ جو دو شخصوں میں صلح کرے پس کہے بہتر بات یا اصلاح کے لیے کوئی خبر اچھی ایک طرف سے دوسرے کو پہنچا دے بخاری و مسلم بروایت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ۱۲ [۲] ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے مگر یہ کہ آدمی لڑائی میں جھوٹ بولے کہ لڑائی فریب ہے یا یہ کہ جھوٹ بولے درمیان آدمیوں کے، پس صلح کراوے دونوں میں یا یہ کہ اپنی زوجہ سے جھوٹ بولے تاکہ اس کو راضی رکھے مسلم بروایت ام کلثوم بنت عقبہ نحوہ ۱۲
[۳] جو شخص مسلمانوں کی پردہ پوشی کرے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا مسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [۴] مسلم بروایت ابی ہریرہ ۱۲
[۵] خرائطی در مکارم اخلاق بسند ضعیف ۱۲ [۶] ابوداؤد و نسائی بروایت نعیم بن نزال و حاکم بروایت نزال ۱۲

شراب خور کو پکڑ پاؤں تو مجھ کو یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کا عیب چھپاوے۔ اور اگر کسی چور کو پکڑوں، تب بھی یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عیب پوشی فرمائے۔ اور مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں ایک رات گشت فرماتے تھے، آپ نے ایک مرد اور ایک عورت کو زنا کرتے دیکھا، صبح کو لوگوں سے کہا کہ اگر بالفرض کوئی امام کسی مرد اور عورت کو زنا کرتے دیکھے اور ان دونوں کو حد مارے تو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے، انھوں نے عرض کیا کہ آپ امام ہیں آپ کو اختیار ہے، لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ آپ کو حد مارنا جائز نہیں ورنہ تمہارے اوپر حد قائم کی جائے گی، اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے زنا کے لیے چار شاہدوں سے کم نہیں فرمائے۔ پھر آپ نے چند روز توقف کر کے وہی سوال کیا، اور سب لوگوں نے اپنا پہلا ہی جواب دیا اور حضرت علیؓ نے بھی وہی فرمایا جو پیشتر فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس امر میں تردد تھا کہ حدود الٰہی میں امام کو اپنے علم کے بموجب حکم دینا جائز ہے یا نہیں، اس لیے بطور مثال فرضی کے سوال کیا، یہ نہ فرمایا کہ میں نے ایسا دیکھا ہے اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ امر ہم کو درست نہ ہو تو اس صورت میں ان کا حال بیان کرنا گالی ٹھہرے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی رائے اس طرف مائل ہوئی کہ امام کو یہ جائز نہیں اور شریعت میں عیب پوشی کے مطلوب ہونے کے لیے یہ معاملہ بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ سب عیبوں میں فاحش تر زنا ہے جس کا ثبوت چار گواہوں پر ہے۔ جو مرد کسی عضو کو عورت کے عضو کے اندر اس طرح دیکھیں جیسے سرمہ دانی میں سلائی، اور یہ امر کبھی نہیں ہوتا، اور اگر قاضی اس کو تحقیقاً معلوم بھی کرے تو اس کو جائز نہیں کہ اس کو افشا کرے۔ تو باب زنا کے انسداد کی حکمت کو دیکھو کہ اس کے لیے سزا سنگسار کرنا ہے جو سب سے بڑی سزا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بھی تامل کرو کہ اپنی مخلوق کے گناہگاروں پر کیسا بھاری پردہ ڈالا ہے کہ زنا کا حال کھلنے کا رستہ تنگ کر دیا ہے ہم کو توقع ہے کہ قیامت کے دن اس کرم عمیم سے ہم محروم نہ رہیں کہ حدیث شریف[1] میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کا عیب دنیا میں چھپاتا ہے تو اس کا کرم اس بات کا کب مقتضی ہوگا کہ قیامت میں اس کو فاش کرے اور اگر دنیا میں فاش کرے گا تو اس --- بات سے کریم تر ہے کہ دوبارہ اس کو افشا کرے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں ہمراہ حضرت عمرؓ کے گشت کرتا تھا کہ اتنے میں ہم کو ایک چراغ معلوم ہوا، ہم اس کی طرف کو چلے، جب اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک دروازہ بند ہے اور مکان کے اندر لوگ شور و غل مچا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ کس کا گھر ہے میں نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ گھر ربیعہ بن امیہ کا ہے اور یہ لوگ اس وقت شراب پی رہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے ان کو گرفتار کریں، میں نے کہا کہ ہم نے وہ کام کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا[1] ولا تجسسوا یعنی بھید کی تلاش مت کرو، پس حضرت عمرؓ کو ویسے ہی چھوڑ کر واپس چلے آئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیب کا چھپانا اور اس کے درپے نہ ہونا واجب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو فرمایا کہ اگر تم لوگوں کے عیبوں کے درپے ہو گے تو ان کو خراب کر دو گے یا قریب ہے کہ ان کو بگاڑ دو گے، اور ایک حدیث[2] میں ارشاد فرمایا کہ اے گروہ ان لوگوں کے جو زبان سے ایمان لائے

[1] ترمذی و ابن ماجہ و حاکم بروایت علی مرتضیٰؓ باختلاف الفاظ ۱۲ [2] ابو داؤد بروایت معاویہؓ ۱۲ [3] ابو داؤد بروایت ابی بردہ و ترمذی بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما

اور دل میں ایمان داخل نہ ہوا مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور ان کے عیوب کے درپے نہ ہو، اس لیے کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کے عیب کے درپے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے عیب کے درپے ہوتا ہے اور جس شخص کے عیب کے درپے خدا تعالیٰ ہوتا ہے وہ اس کو رسوا کر دیتا ہے گو اپنے گھر کے اندر رہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض میں کسی شخص کو حدودِ الٰہی میں سے کسی حد پر دیکھوں تو میں اس کو گرفتار نہ کروں اور اس کے لیے کسی کو بلاؤں یہاں تک کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا ہو یعنی دو[۲] شاہد ہونے سے البتہ قابلِ مؤاخذہ ہو جائے گا۔ اور کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص دوسرے کو پکڑ کر آپ کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یہ متوالا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو سونگھو، لوگوں نے سونگھا تو معلوم ہوا کہ واقع میں شراب پی ہے، آپ نے اس کو قید کیا، یہاں تک کہ اس کا خمار جاتا رہا، پھر ایک کوڑا منگایا اور اس کی چوٹی کی گرہ کھولدی اور جلاد کو فرمایا کہ اس کے کوڑے لگا اور ہاتھ کو اونچا کر کے لگانا اور سب اعضا پر متفرق لگانا، جلاد نے تعمیلِ ارشاد کی، وہ شخص قبا یا کرتہ پہنے ہوئے تھا جب جلاد کوڑے سے فارغ ہوا تو جو شخص اس مجرم کو لایا تھا، اس سے آپ نے پوچھا کہ تو مجرم کا کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس کا چچا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کی تعلیم اور تادیب خوب نہ کی اور جو نہ اس کی عیب پوشی کی۔ اور امام کو چاہیئے کہ جب اس حد تک پہنچے تو اس کی تعمیل کرے، اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا ہے۔ اور معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ت[۱] ولیعفوا ولیصفحوا الاٰیۃ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اول کسی شخص کا ہاتھ کاٹا تھا آپؐ کی خدمت میں ایک چور حاضر کیا گیا، آپؐ نے اس کا ہاتھ قطع کیا، مگر گویا آپ کا چہرہ مکدر ہو گیا، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ نے گویا اس کا ہاتھ کاٹنا برا جانا، آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو برا نہ جاننے کا مانع کون بات ہے اپنے بھائی پر شیطان کے مددگار مت بنو، انہوں نے عرض کیا کہ پھر آپؐ نے معاف کیوں نہ فرما دیا، آپؐ نے فرمایا کہ حکم کو چاہیئے جب اس حد تک پہنچ جاوے تو اس کو جاری کرے اللہ تعالیٰ بہت درگذر کرتا ہے اور درگذر کرنے کو پسند کرتا ہے، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ت[۳] ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد آپ کا چہرہ ایسا متغیر ہو گیا، گویا چہرہ مبارک پر راکھ پڑ گئی ہے۔ اور مروی[۴] ہے کہ حضرت عمر رضؓ رات کو مدینہ میں گشت کر رہے تھے کہ ایک مکان میں سے ایک مرد کے گانے کی آواز سنی، آپ دیوار پر چڑھ گئے، دیکھا تو اس کے پاس ایک عورت اور شیشہ، شراب موجود ہے، آپ نے فرمایا کہ اے خدا کے دشمن کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدائے تعالیٰ تیری پردہ پوشی فرمائے گا اور تو اس کی نافرمانی کرتا رہے گا، اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین، آپ جلدی نہ فرمایئے۔ اگر میں نے ایک بات میں خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی تو آپ نے تین باتوں میں نافرمانی کی، اس کا ارشاد ہے ولا تجسسوا حالانکہ آپ نے تجسس کیا اور اس نے فرمایا ت[۵] ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا . . . . اور آپ میرے پاس دیوار پھاند کر آئے۔ اور وہ فرماتا

ت[۱] اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں ۱۲ [۲] ح حاکم بروایت ابن مسعودؓ ت[۳] اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے ۱۲ [۴] ح خرائطی در مکارم اخلاق ۱۲ [۵] ت اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ چھت پر سے ۱۲

ہے[ا] لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا اور آپ میرے گھر میں بدون اجازت اور سلام کے چلے آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بھلا اگر میں تجھ کو چھوڑ دوں تو کچھ آگے کو درست ہو جائے گا۔ اس نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ مجھ کو معاف کریں گے تو میں ایسی حرکت کے گرد کبھی نہ پھروں گا۔ آپ نے اس کو ایسی حالت پر چھوڑ کر معاودت فرمائی۔ اور ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے دن سرگوشی کے باب میں کس طرح سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے[۲] کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایمانداروں کو قریب بلاوے گا اور اس کے اوپر اپنا سایہ رحمت کر کے لوگوں سے چھپائے گا اور فرماوے گا کہ تو فلاں گناہ پہچانتا ہے، فلاں گناہ یاد ہے، وہ عرض کرے گا کہ یا رب ہاں پہچانتا ہوں، یہاں تک کہ جب اس سے اس کے گناہوں کا اقرار لے لیگا اور وہ اپنے دل میں سمجھے گا کہ میں تباہ ہوا، اس سے ارشاد فرمائے گا کہ اے میرے بندہ میں نے تیری عیب پوشی دنیا میں اس لیے کی تھی کہ آج تیری خطاؤں کو معاف کر دوں، پھر اس کو نیکیوں کا نامہ دیا جاوے گا۔ اور کافروں اور منافقوں کا حال یہ ہوگا کہ ان پر گواہ کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا۔ آگاہ رہو اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر[۳]، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کل امتی معافی الا المجاھرون اور وہ شخص بھی مجاہر ہوگا جو برا عمل خفیہ کرے پھر اس کی اطلاع کر دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۴] من استمع سر قوم وھم لہ کارھون صب فی اذنہ الآنک یوم القیٰمۃ **سولہواں حق** یہ ہے کہ تہمت کی جگہوں سے احتراز کرے تاکہ اہل اسلام کے دل بدگمانی سے اور ان کی زبانیں غیبت سے بچی رہیں، کیونکہ اگر وہ اس کو برا کہہ کر خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اور اس معصیت کا باعث وہی شخص ہوگا تو وہ بھی اس میں شریک ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۵] ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۶] کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے وہ تمہارے نزدیک کیسا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا کوئی اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معصیت کا باعث ہونا ایسا ہے گویا خود اس کا مرتکب ہو۔ اور حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے گفتگو فرمائی کہ اتنے میں کوئی شخص گذرا، آپ نے اس کو بلا کر فرمایا کہ یہ میری بی بی صفیہؓ ہے، اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اگر میں کسی پر گمان کرتا تو یہ نہیں تھا کہ آپ پر گمان کروں، فرمایا کہ شیطان آدمی میں اس کے خون کی جگہ چلتا ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ عشرہ آخر رمضان میں آپ اعتکاف میں تھے اور دو شخص گذرے، ان سے فرمایا[۷] علی رسلکما انھا صفیۃ انی

[ا] مت جایا کرو کسی کے گھروں میں اپنے گھروں کے سوا جب تک نہ بول چال کر دو اور سلام دے لو گھر والوں پر ۱۲ [۲] بخاری و مسلم نے النسؓ کو نقل کیا ہے ۱۲
[۳] میری ہر امت معاف شدہ ہوگی مگر جن لوگوں نے گناہ اعلانیہ کیے بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ [۴] جو شخص کسی قوم کا بھید سنے اور وہ لوگ ان کو برا جانیں تو قیامت کے دن ان کے کان میں رانگ گلا کر ڈالا جائے گا، بخاری بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [۵] اور تم لوگ برا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بن سمجھے ۱۲ [۶] بخاری و مسلم بروایت عبداللہ ابن عمرؓ
[۷] بروایت مسلم ۱۲

خشیت ان یقذف فی قلوبکما شرا" اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو تہمتوں کی جگہ میں کھڑا کرے تو پھر اگر اس پر کوئی بدگمانی کرے تو بجز اپنے نفس کے اور کسی کو ملامت نہ کرے، کیونکہ نہ ایسا کرتا نہ کوئی بدگمان ہوتا۔ اور حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ راستہ پر ایک عورت سے باتیں کرتا ہے، آپ اس کو درہ سے مارنے لگے، اس نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین یہ میری بی بی ہے، آپ نے فرمایا کہ پھر ایسی جگہ کیوں نہیں باتیں کرتا جہاں تجھ کو لوگ نہ دیکھیں۔ **سترھواں حق** یہ ہے کہ جس شخص کے نزدیک میں اپنی قدر و منزلت ہو اگر اس سے کسی دوسرے کو کام آپڑے تو اس سے کسی کی سفارش کر دے اور اس کی مطلب برآری کے لیے جو کچھ اپنے آپ سے ہو سکے کر گذرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[1] انی اوتی واسال وتطلب الی الحاجۃ وانتم عندی فاشفعوا لتوجروا ویقضی اللہ علی یدی نبیہ ما احب اور حضرت معاویہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے سفارش کیا کرو تاکہ تم کو ثواب ملے۔ اور میں کوئی معاملہ کرنا چاہتا ہوں لیکن اس میں دیر لگاتا ہوں کہ تم میرے سامنے سفارش کرو اور ثواب پاؤ[2] اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کوئی صدقہ زبان کے صدقہ سے افضل نہیں، کسی نے پوچھا زبان کا صدقہ کس طرح ہوتا ہے، فرمایا کہ سفارش کرنے سے کہ اس کے باعث خون محفوظ ہو جاتا ہے اور دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اور غیر سے بلا ٹلتی ہے۔ اور عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے راوی ہیں[3] کہ بریرہ کا شوہر ایک غلام مغیث نام تھا اس کی صورت گویا میرے سامنے ہے کہ بریرہ کے پیچھے کھڑا رو رہا ہے اور اس کے آنسو ڈاڑھی پر جاری ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ مغیث بریرہ کو اتنا چاہتا ہے اور بریرہ اس سے بشدت متنفر ہے۔ پھر آپؐ نے بریرہ کو فرمایا کہ خوب ہو تو اس کے پاس پھر جائے کہ وہ تیرے بچے کا باپ ہے، اس نے عرض کیا کہ اگر آپ مجھ کو حکم فرماتے ہیں تو میں ایسا ہی کروں، آپؐ نے فرمایا کہ میں حکم تو نہیں کرتا ہوں بلکہ سفارش کرتا ہوں **اٹھارھواں حق** یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان سے کلام سے پیشتر سلام سے ابتدا کرے اور سلام کے وقت مصافحہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ جو شخص سلام سے پیشتر کلام شروع کرے اس کو جواب مت دو جب تک اول سلام نہ کرے۔ اور ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں[5] حاضر ہوا اور سلام نہ کیا اور اجازت مانگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہٹ جا اور یہ کہہ السلام علیکم مجھے اندر آنے کی اجازت ہے۔ اور حضرت جابرؓ راوی ہیں[6] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو گھر والوں پر سلام کرو، کیونکہ جب کوئی تم میں سے سلام کرتا ہے اس کے گھر میں شیطان نہیں آتا۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت آٹھ برس کی، آپؐ نے مجھ کو[7] ارشاد فرمایا کہ

---

[1] میرے پاس لوگ آکر سوال کرتے ہیں اور مجھ سے حاجت مانگتے ہیں اور تم میرے پاس ہوتے ہو تو سفارش کرو تاکہ ثواب پاؤ اور اللہ تعالے اپنے نبی کے ہاتھوں پر جو چاہے گا بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ نحوہ ۱۲ [2] خرائطی در مکارم اخلاق ۱۲ [3] بخاری نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲ [4] ابو نعیم در یوم ولیلہ بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ [5] ابو داؤد و ترمذی بروایت احمد بن حنبل جو صاحب قصہ ہے ۱۲ [6] خرائطی در مکارم اخلاق بسند ضعیف ۱۲ [7] خرائطی در مکارم اخلاق اور ترمذی نے صرف اخیر جملہ روایت کیا ہے ۱۲

اے انسؓ وضو پورا کیا کر اس سے تیری عمر زیادہ ہوگی - اور میری امت میں سے جس سے ملے اس سے سلام کیا کر تیری نیکیاں زیادہ ہوں گی اور جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کر تیرے گھر میں برکت بہت ہوگی - اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا [ت۱] اور ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا [ح۲] والذی نفسی بیدہ لا تدخلون الجنۃ حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا افلا ادلکم علی عمل اذا عملتموہ تحاببتم قالوا بلٰی یا رسول اللہ قال افشوا السلام بینکم اور فرمایا [ح۳] جب مسلمان دوسرے پر سلام کرتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے تو فرشتے اس پر ستر بار رحمت بھیجتے ہیں اور فرمایا [ح۴] کہ جب مسلمان دوسرے مسلمان پر گزرتا ہے اور سلام نہیں کرتا تو فرشتے تعجب کرتے ہیں اور فرمایا [ح۵] کہ یسلم الراکب علی الماشی واذا سلم من القوم واحد اجزا عنھم - اور حضرت قتادہؓ سے منقول ہے کہ پہلے لوگوں کے لیے ملاقات کا تحفہ سجدہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے سلام عطا فرمایا اور یہ تحفہ اہل جنت کا ہے - اور ابو مسلم خولانیؒ جب کسی قوم پر گذرتے تو سلام نہ کرتے اور کہا کرتے کہ اور تو کوئی وجہ سلام نہ کرنے کی نہیں ہے مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ میرے سلام کا جواب نہ دیں تو فرشتے ان پر لعنت کریں، اور سلام کے ساتھ مصافحہ بھی سنت ہے - اور ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں [ح۶] حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم آپ نے فرمایا کہ اس کے واسطے دس نیکیاں ہیں، پھر دوسرا شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے فرمایا بیس، پھر اور آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے فرمایا تیس، اور حضرت انسؓ کا دستور تھا کہ لڑکوں کے پاس کو جاتے تو ان سے سلام کرتے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا [ح۷] ہے اور عبد الحمید بن بہرامؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک جماعت عورتوں کی بیٹھی تھی، آپؐ نے اپنے دست مبارک سے سلام کا اشارہ فرمایا، اور عبد الحمید راوی حدیث نے بھی اس حدیث کے بیان کرنے کے وقت ہاتھ سے اشارہ کیا، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا [ح۹] لا تبدءوا الیھود ولا النصاری بالسلام واذا لقیتم احدھم فی الطریق فاضطروھم الی اضیقہ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [ح۱۰] لا تصافحوا اہل الذمۃ ولا تبدءوھم

[ت۱] اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر ۱۲ [ح۲] قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک ایمان نہ لاؤ اور مومن نہ ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرو گے، کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتادوں کہ جب اس کو کرو تو باہم محبت کرو، لوگوں نے عرض کیا بہتر، آپؐ نے فرمایا کہ آپس میں سلام کو فاش کرو، مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ [ح۳] صاحب الفردوس نے بروایت ابی ہریرہؓ اس کو نقل کیا ہے مگر اس کے لڑکے نے مسند میں اس کو نہیں لکھا ۱۲ [ح۴] اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [ح۵] سلام کرے سوار پیادے پر اور جب قوم میں سے ایک سلام کرے تو سب کی طرف سے کافی ہے امام مالک در مؤطا بروایت زید بن اسلم مرسلاً ۱۲ [ح۶] ابو داؤد و ترمذی بروایت عمران بن حصین ۱۲ [ح۷] بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ [ح۸] ترمذی بروایت عبد الحمید عن شہر بن حوشب عن اسماء بنت یزید و ابو داؤد و ابن ماجہ ۱۲ [ح۹] یہود اور نصاریٰ کو ابتداء بسلام نہ کرو اور جب ان میں سے کسی سے راہ میں ملو تو ان کو تنگ تر راہ کی طرف مضطر کرو مسلم بروایت ابی ہریرہؓ [ح۱۰] نہ مصافحہ کرو اہل ذمہ سے اور نہ ان سے ابتداء بسلام کرو اور جب ان سے راہ میں ملو تو تنگ تر راہ کی طرف ان کو مجبور کرو ۱۲

بالسلام فاذا لقیتموھم فی الطریق فاضطروھم الی اضیقہ - اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہود کی ایک قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا السام علیک، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علیکم، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا بل علیکم واللعنۃ، آپؐ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ نرمی پسند فرماتا ہے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ نے سنا نہیں کیا کہا، آپؐ نے فرمایا کہ میں نے کہہ دیا علیکم، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا یسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر والصغیر علی الکبیر - اور فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ کی مشابہت مت کرو کہ یہودیوں کا سلام انگلیوں کے اشارہ سے ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کے اشارہ سے، ابو عیسیٰ صاحب ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے - اور ایک حدیث میں فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے کسی مجلس میں آوے تو چاہیے کہ سلام کرے اور اگر مرضی ہو تو بیٹھ جاوے، پھر جب کھڑا ہو تو سلام کرے کیونکہ پہلا سلام دوسرے کی نسبت کر زیادہ مستحق نہیں - اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو ایماندار ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں میں ستر رحمتیں تقسیم کی جاتی ہیں، انہتر اس کو ملتی ہیں جو دونوں میں سے زیادہ کشادہ پیشانی ہو، اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جب دو مسلمان ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں - نوے تو ابتدا کرنے والے کو ملتی ہیں اور دس دوسرے کو - اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مصافحہ دوستی بڑھاتا ہے - اور ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے آپس کے سلام کا مصافحہ ہے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مسلمان کا بوسہ دینا اپنے بھائی کو مصافحہ ہے - اور جو شخص دین کا بزرگ ہے اس کے ہاتھ کو بوسہ دینا برکت حاصل کرنے کے لیے اور اس کی تعظیم کے لیے مضائقہ نہیں - اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا ہے - اور کعب بن مالکؓ راوی ہیں کہ جب میری توبہ نازل ہوئی تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپؐ کے ہاتھ کو بوسہ دیا - اور مروی ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو اجازت دیجیے کہ آپؐ کے سر اور ہاتھ کو بوسہ دوں، آپؐ نے اجازت دے دی، اس نے بوسہ دیئے وسر مبارک کو دیا اور حضرت ابو عبیدہؓ حضرت عمرؓ سے ملے تو آپ سے مصافحہ کیا اور ہاتھ کو بوسہ دیا اور دونوں چیخ کر رونے لگے - اور حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرتے تھے کہ میں نے سلام کیا آپؐ نے جواب سلام نہ دیا

ح بخاری و مسلم ۱۲ ح سلام کرے سوار پیادہ پر اور پیادہ بیٹھے کو اور تھوڑے بہت کو اور چھوٹا بڑے کو بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح اس کی سند خود کتاب میں ہے ۱۲ ح ابوداؤد و ترمذی بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح خرائطی بسند ضعیف ۱۲ ح خرائطی در مکارم اخلاق و بیہقی در شعب بسندی کہ دراں نظر است ۱۲ ح بکم تم پر موت ہو اور لعنت ہو ۱۲ ح خرائطی در مکارم اخلاق اور ترمذی نے بروایت ابی امامہ نقل کیا ہے اور ضعیف کہا ہے ۱۲ ح خرائطی در مکارم اخلاق و ابن عدی بروایت انسؓ اور کہا کہ غیر محفوظ ہے ۱۲ ح ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے ۱۲ ح ابوبکر بن المقری در رخصت تقبیل ید بسند ضعیف ۱۲ ح حاکم بروایت بریدہ مگر اس میں ہاتھوں کی جگہ پائے مبارک کا ذکر ہے ۱۲ ح خرائطی بسند ضعیف ہے ۱۲

یہانتک کہ وضو سے فارغ ہوئے اس وقت جواب سلام دیا اور ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جانتا تھا کہ مصافحہ کرنا عجمیوں کی عادت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ دو[1] مسلمان جب ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور ایک حدیث[2] میں ارشاد فرمایا کہ جب آدمی کسی قوم پر گذرے اور ان پر سلام کرے اور وہ جواب سلام دیں تو اس کو ان پر ایک درجہ کی زیادتی ہوگی کہ اس کو سلام یاد دلایا اور اگر اس کے سلام کا جواب نہ دیں گے۔ تو جماعت ان سے بہتر اور اطیب خواہ افضل ہوگی وہ اس کے سلام کا جواب دے گی یعنی فرشتے جواب سلام دیں گے۔ اور سلام کے وقت جھکنا ممنوع ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں[3] کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی دوسرے کے لیے جھکے یا نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، عرض کیا کہ ایک دوسرے کو بوسہ دے کہ نہیں، آپؐ نے فرمایا نہیں، عرض کیا باہم مصافحہ کرے یا نہیں، آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اور معانقہ اور بوسہ کے باب میں سفر کے آنے کے وقت حدیث[3] وارد ہے۔ اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب[4] ملا ہوں تب ہی آپؐ نے مجھ سے مصافحہ کیا ہے۔ اور ایک روز آپؐ نے مجھ کو تلاش کیا، میں گھر پر نہ تھا، جب مجھ کو معلوم ہوا آپؐ تخت پر رونق افروز تھے اور مجھ سے معانقہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ بہت اچھا ہے اور علماء کی تعظیم کے لیے رکاب کا تھامنا آثار میں آیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی رکاب تھامی تھی اور حضرت عمرؓ نے آپؐ کی رکاب تھامی یہاں تک کہ آپؐ سوار ہو گئے اور فرمایا کہ زید بن ثابتؓ اور ان کے ساتھیوں سے ایسا ہی کیا کرو۔ اور کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں بشرطیکہ وہ شخص اس کا طالب نہ ہو۔ اور اگر وہ خود چاہے کہ لوگ میری عظمت کریں اور کھڑے ہوں تو اس صورت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کے نزدیک کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا، مگر ہمارا دستور تھا کہ جب آپؐ کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہ ہوتے تھے اس لیے کہ جانتے تھے کہ یہ امر آپؐ کے ناپسند ہے۔ اور مروی ہے کہ آپؐ نے ایک[5] بار فرمایا کہ جب تم مجھ کو دیکھو تو کھڑے مت ہو جیسے عجمی کرتے ہیں اور فرمایا[6] من سرہ ان یمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوا مقعدہ من النار اور فرمایا لا یقوم[7] الرجل لرجل عن مجلسہ ثم یجلس فیہ ولکن توسعوا و تفسحوا۔ اور اس امر سے اکابر سلف احتراز کرتے تھے اسی نہی کے سبب سے، اور فرمایا کہ جب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکیں اور کوئی شخص اپنے بھائی کو بلاوے اور اس کو جگہ دے تو اس کو اس کے پاس چلا جانا چاہیئے کیونکہ اس نے

---

[1] خرابطی و بیہقی در شعب بروایت ابن مسعودؓ مرفوعاً اور بیہقی نے موقوفاً کو صحیح الاسناد کہا ہے اور مرفوعاً کو ضعیف ۱۲ [2] اس کو ترمذی نے نقل کیا ہے ۱۲ [3] ترمذی در قصہ قدوم زید بن حارثہ و حاکم در قصہ قدوم جعفر از حبشہ ۱۲ [4] ابو داؤد و بیہقی در شعب ۱۲ [5] ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے ۱۲ [6] ابو داؤد و ابن ماجہ بروایت ابی امامہ اور اس میں ایک راوی مجہول ہے ۱۲ [7] جس شخص کو یہ اچھا معلوم ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں تو چاہیئے وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنائے ابو داؤد و ترمذی بروایت معاویہؓ ۱۲ ح چاہیئے کہ ایک شخص دوسرے کو نشست گاہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ وسعت دو اور کشادگی کرو بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ح بغوی در معجم صحابہؓ بروایت ابن ابی شیبہ ۱۲

اپنے بھائی کا اکرام کیا۔ اور اگر اس نے جگہ نہ دی تو یہ شخص جہاں زیادہ وسعت پاوے وہاں بیٹھ جاوے۔ اور مروی ہے[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیشاب کرنے کے وقت میں کسی نے سلام کیا، آپ نے جواب نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قضائے حاجت میں مصروف ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ سلام کی اس طرح ابتدا کرے کہ علیک السلام، اس لفظ کو ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہا تھا، آپ نے فرمایا[2] علیک السلام مردہ کا تحفہ ہے، اس کو تین بار فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو یوں کہنا چاہیئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اور جو شخص کسی مجلس میں آوے اور سلام کرے اور جگہ بیٹھنے کی نہ پاوے تو چاہیئے کہ وہاں سے واپس نہ جائے بلکہ صف کے پیچھے بیٹھ جاوے۔ مروی ہے[3] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں تین شخص آئے ان میں سے دو آپ کی طرف بڑھے، ایک کو تو تھوڑی سی جگہ مل گئی، وہ اس میں بیٹھ گیا اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا، اور تیسرا پشت پھیر کر چلا گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان تینوں شخصوں کا حال میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی طرف لگ رہا اس کو اللہ تعالیٰ نے جگہ دی اور دوسرے نے حیا اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے حیا کی۔ اور تیسرے نے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے روگردانی کی۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[4]: مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الاغفر لھما قبل ان یتفرقا۔ اور حضرت ام ہانیؓ[5] نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے کسی نے عرض کیا کہ ام ہانی ہیں، آپ نے فرمایا کہ مرحبا اے ام ہانی،

انیسواں حق یہ ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی عزت اور جان اور مال کو ظالم سے بچاوے بشرطیکہ بچانے پر قادر ہو، اور ظالم کو اس پر سے دفع کرے اور اس کی طرف ہو کر ظالم سے لڑے اور مظلوم کی ہر طرح مدد کرے کہ اخوت اسلامی کی مقتضا سے یہ امر آدمی پر واجب ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے برا کہا اور کسی نے دوسرے کی طرف ہو کر اس کو روکا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ من[6] رد عن عرض اخیہ کان لہ حجابا من النار۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو مرد مسلمان اپنے بھائی کی عزت بچائے گا، اللہ تعالیٰ پر ضرور ہے کہ قیامت کے دن اس کو آتش دوزخ سے بچائے۔ اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[7] کہ جس شخص کے سامنے اس کے کسی بھائی مسلمان کا ذکر ہو اور وہ اس کی مدد کی طاقت رکھتا ہو اور مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے دنیا و آخرت میں دھر پکڑے گا۔ اور جس کے پاس کسی بھائی مسلمان کا ذکر ہو اور وہ اس کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد کرے گا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[8] کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عزت دنیا میں بچائے

---

[1] مسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [2] ابو داؤد و ترمذی و نسائی بروایت ابی جری صاحب قصہ ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت ابی واقد اللیثی ۱۲ [4] جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کی مغفرت ہو جاتی ہے اس سے پیشتر کہ دونوں جدا ہوں ابو داؤد و ترمذی بروایت براء بن عازبؓ ۱۲ [5] مسلم بروایت ام ہانیؓ ۱۲ [6] جو شخص اپنے بھائی کی عزت کی طرف ہو کر اس کی ہتک کو دفع کرے تو اس کے لیے دوزخ سے آڑ ہو گی ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲ [7] احمد بروایت اسماء بنت یزید نحوہ ۱۲ [8] ابن ابی الدنیا در صحبت بسند ضعیف ۱۲ [9] ابو داؤد نے بروایت معاذ بن انسؓ نحوہ بسند ضعیف ۱۲

گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا کہ اس کو آتشِ دوزخ سے بچائے۔ اور حضرت جابرؓ اور طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا[۱] کہ جو مسلمان دوسرے مسلمان کی نصرت ایسی جگہ کرے کہ وہاں اس کی ہتک عزت اور زوال حرمت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نصرت ایسی جگہ میں کرے گا جہاں اس کا دل نصرت کو چاہتا ہوگا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی طرفداری ایسے موقع میں نہ کرے گا جہاں اس کی حرمت جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے موقع میں بے یار و مددگار چھوڑے گا جہاں اس کو مدد کا ملنا محبوب ہوگا۔ **بیسواں حق** یہ ہے کہ اس کی چھینک کا جواب دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۲] کہ چھینکنے والا کہے الحمد للہ علیٰ کل حال[ع] اور جو اس کا جواب دے وہ یہ کہے۔ یرحمکم اللہ[ع] اور چھینکنے والا پھر اس کو کہے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم[ع] اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو تعلیم کیا کرتے کہ جب[۳] کوئی تم میں سے چھینکے تو یوں کہے الحمد للہ رب العلمین[ع] جب وہ یہ کہے تو جو شخص اس کے پاس ہو وہ کہے یرحمک اللہ[ع] اور جب پاس والے یہ کہہ چکیں تو چھینکنے والا یہ کہے یغفر اللہ لی ولکم[ع]۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھینکنے والے کو جواب[۴] دیا اور دوسرے کو نہ دیا۔ دوسرے نے اس کی وجہ پوچھی آپ نے فرمایا کہ اس نے خدائے تعالیٰ کا شکر کیا اور تو چپ ہو رہا۔ اور ایک حدیث[۵] میں ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو تین بار چھینکنے کا جواب دیا جائے اور زیادہ چھینکے تو زکام ہے۔ اور مروی[۶] ہے کہ آپ نے ایک بار چھینکنے والے کو تین بار جواب دیا۔ جب اس نے اور چھینکا تو آپ نے فرمایا کہ تجھ کو زکام ہو گیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں[۷] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چھینکتے تو آواز پست کرتے اور ناک کپڑے یا ہاتھ سے چھپا لیتے۔ اور ایک روایت[۸] میں ہے کہ منہ ڈھانپ لیتے تھے۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں[۹] کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس توقع پر چھینکتے کہ آپ یرحمکم اللہ فرما دیں مگر آپ یھدیکم اللہ فرمایا کرتے۔ اور عبد اللہ بن عامرؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چھینکا اور کہا[۱۰] الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما یرضی ربنا وبعد ما یرضی والحمد للہ علیٰ کل حال۔ پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو استفسار فرمایا کہ یہ کلمات کس نے کہے تھے اس شخص نے عرض کیا

---

[۱] ابو داؤد نے کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کی سند میں اختلاف ہے ۱۲ [۲] بخاری و ابو داؤد بروایت ابی ہریرہؓ اور بخاری میں علیٰ کل حال نہیں کہا ۱۲ [۳] نسائی در یوم ولیلہ اور کہا منکر ہے اور ابو داؤد و ترمذی نے بھی اس کو بروایت عالم بن عبید نقل کیا ہے اس کی سند کل مختلف فیہ ہے ۱۲ ع شکر ہے اللہ کا ہر حال پر ۱۲ ع خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت کرے اور اللہ تعالیٰ تمہارا حال درست کرے ۱۲ ع شکر ہے اللہ پروردگار جہانوں کا ۱۲ ع خدائے تعالیٰ تم پر رحم کرے ۱۲ [۴] بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ [۵] ابو داؤد بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [۶] مسلم بروایت سلمۃ بن الاکوعؓ ۱۲ ع اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تجھ کو مغفرت کرے ۱۲ [۷] ابو داؤد و ترمذی [۸] ابو نعیم در یوم ولیلہ ۱۲ [۹] ابو داؤد و ترمذی ۱۲ [۱۰] تعریف پوری ہے اللہ کو حمد بہت اور اچھی بابرکت جیسے راضی ہو ہمارا رب اور زیادہ اس کی رضا سے، اور تعریف ہے اللہ کو ہر حال میں ابو داؤد بروایت عبد اللہ بن عامر ابن ابی ربیعہ عن ابیہ ۱۲

کہ میں نے کہے تھے اور میری نیت ان کے کہنے سے خیر ہی کی تھی، آپ نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ ہر ایک ان کی طرف مبادرت کرتا تھا کہ کونسا ان کو لکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] کہ جس شخص کے پاس چھینک ہو اور وہ پہلے الحمد للہ کہے تو اس کو درد گردہ نہ ہوگا۔ اور ایک حدیث میں فرمایا[2] العطاس من اللہ والتثاؤب من الشیطن فاذا تثاؤب احدکم فلیضع یدہ علی فیہ فاذا قال آہ آہ فان الشیطن یضحک من خوفہ۔ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی استنجا کرنے کی حالت میں چھینکے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اپنے جی میں الحمد للہ کہہ لے۔ اور کعب احبارؓ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال فرماتے ہیں کہ آپ نے جناب احدیت میں عرض کیا کہ الٰہی تو قریب ہے کہ میں آہستہ کچھ تجھ سے کہوں یا بعید ہے کہ تجھ کو آواز دوں، ارشاد ہوا کہ جو کوئی مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کا جلیس ہوں، عرض کیا کہ ہم ایسے حال میں ہوتے ہیں کہ اس میں تیرا ذکر کرنا مخل[5] ہو۔ جیسے جنابت اور قضائے حاجت ہے، ارشاد ہوا کہ میرا ذکر ہر حال میں کرو۔ **اکیسواں[21] حق** یہ ہے کہ اگر کسی شریر سے پالا پڑے تو چاہئے کہ اس سے خوش خلقی کرکے محفوظ رہے۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ایماندار سے اخلاص دلی کرنا چاہئے اور بدکار سے اس کے کردار کے مخالف کام کرنا چاہئے کیونکہ وہ ظاہری خوش خلقی سے راضی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں کے سامنے ہنستے ہیں اور دل ان کو لعنت کرتے ہیں اور ظاہر داری کے معنی یہی ہیں، اور یہ امر ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن کے شر سے ڈر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[3] ادفع بالتی ھی احسن اور حضرت ابن عباسؓ ویدرؤن[4] بالحسنۃ السیئۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سیئہ سے مراد فحش اور ایذا ہے اور حسنہ سے سلام اور مدارات اور آیت[5] ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض میں فرماتے ہیں کہ خوف ورجا اور حیا اور مدارات اس سے مراد ہے۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[6] کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنے کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے دو کہ یہ اپنی قوم میں نہایت شریر شخص ہے، جب وہ اندر آیا تو آپ نے اس سے ایسی نرمی باتوں میں فرمائی کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ آپ کے نزدیک اس کی کچھ عزت ہے۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ جس وقت وہ آنے کو تھا اس وقت تو آپ نے وہ کچھ فرمایا پھر اس کے ساتھ نرم گفتگو فرمائی، آپ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ خدائے تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب میں بدتر مرتبہ اس شخص کا ہوگا جس کو لوگ اس کے فحش کے خوف سے چھوڑ دیں۔ اور ایک حدیث[7] میں ہے کہ جس چیز کو دے کر آدمی

---

[1] طبرانی در اوسط بروایت علی المرتضیٰؓ بسند ضعیف ۱۲ [2] چھینک اللہ کی طرف سے ہے اور جمائی شیطان کی جانب سے، تو جب کوئی تم میں سے جمائی لیوے تو چاہئے کہ ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے کہ وہ جب آہ آہ کرتا ہے تو شیطان اس کے خوف سے ہنسی کرتا ہے بخاری ومسلم بروایت ابی ہریرہؓ اور اس میں العطاس من اللہ نہیں اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے ۱۲ [3] جواب دیں تو کہ اس سے بہتر ہے ۱۲ [4] اور ٹالتے ہیں نیکی سے بدی کو ۱۲ [5] اور اگر دفع نہ کرواوے اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ۱۲ [5] قولہ مخل الخ اصل میں تجلک آیا ہے شاید مترجم نے سائے تحتہ وخائے منقوطہ اس کو خلل سے خیال کیا اور ٹھیک یہ کہ بنون جمع متکلم وجیم لام مشدد یعنی تیری عظمت وجلال کے خیال سے اس حالت میں تیرا نام لینا گوارا نہیں کرتے واللہ اعلم ۱۲ امیر علی ۱۲ [6] بخاری ومسلم نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲ [7] ابو یعلی وابن عدی بروایت جابرؓ بسند ضعیف ۱۲

اپنی عزت بچاوے وہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔ اور آثار میں وارد ہے کہ لوگوں سے اختلاط ان کے عمل کے موافق کرو، اور دلوں سے ان سے علیحدہ رہو۔ اور محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسے لوگوں سے جن کی صحبت سے مفر نہیں باخلاق پیش نہ آوے جب تک کہ خدائے تعالیٰ کوئی راہ نکالے تو وہ دانشمند نہیں۔ بائیسواں حق یہ ہے کہ توانگروں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کرے اور مساکین سے اختلاط رکھے اور یتیموں کے ساتھ سلوک کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا مانگا کرتے تھے، [۱] اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عہد سلطنت میں جب مسجد میں داخل ہوتے اور کسی مسکین کو دیکھتے تو اس کے پاس بیٹھتے اور فرماتے کہ مسکین دوسرے مسکین کا ہمنشین ہوا۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کسی لفظ سے پکارا جانا اتنا محبوب نہ تھا جتنا یا مسکین کہہ کر پکارا جانا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اور کعب احبارؓ سے مروی ہے کہ قرآن میں جس جگہ یا ایھا الذین آمنوا ہے وہ توریت میں یا ایھا المساکین ہے۔ اور عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ تین توانگروں کے لیے ہیں اور تین عورتوں کے لیے، اور ایک فقیر اور مساکین کے واسطے ہے۔ اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ کسی نبی نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی میں کس طرح جانوں کہ تو مجھ سے راضی ہے، ارشاد ہوا کہ اس بات کو دیکھ لے کہ مساکین تجھ سے راضی ہیں۔ اور ایک [۲] حدیث میں ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو مردوں کے پاس بیٹھنے سے بچاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مردے کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ توانگر۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ الٰہی میں تجھ کو کہاں تلاش کروں؟ ارشاد ہوا کہ شکستہ دلوں کے پاس۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں[۳] کہ فاجر کی نعمت پر رشک مت کرو، کیونکہ تم کو معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد اس کا کیا حال ہوگا، اس کے پیچھے تو ایک طالب جلد باز لگا ہوا ہے۔ اور یتیم کی تیمارداری کے فضائل ان روایات سے معلوم ہوتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص کہ کسی ایسے یتیم کو اپنے پاس بالغ ہونے تک رکھے جس کے ماں باپ مسلمان تھے، تو اس کے لیے قطعاً جنت واجب ہے۔ اور فرمایا[۴] انا وکافل الیتیم کھاتین ویشیر باصبعیہ۔ اور فرمایا جو شخص[۵] یتیم کے سر پر رحم کا ہاتھ پھیرے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گذرے گا، ہر ایک بال کے عوض میں ایک نیکی اس کو ملے گی۔ اور فرمایا[۶] کہ مسلمانوں کے گھروں میں اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برائی کی جاتی ہو۔

تیئیسواں حق یہ ہے کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرے اور اس کے دل میں خوشی داخل کرنے کی کوشش کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا[۷] لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔

---

[۱] الٰہی زندہ رکھ مجھ کو مسکین اور مار مجھ کو مسکین، اور اٹھا مجھ کو مسکینوں کی جماعت میں، ابن ماجہ وحاکم بروایت ابی سعیدؓ ۱۲ [۲] اس کو ترمذی نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے اور ضعیف کہا ہے ۱۲ [۳] بخاری در تاریخ طبرانی در اوسط و بیہقی در شعب بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف ۱۲ [۴] احمد وطبرانی بروایت مالکؓ ابن عمرؓ اور اس میں علی بن زید بن جدعان راوی میں کلام ہے ۱۲ [۵] اور یتیم کا کفیل ان دونوں کے مانند ہیں اور اشارہ دو انگلیوں کی طرف فرماتے تھے بخاری بروایت سہل بن سعد ومسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ [۶] احمد وطبرانی بروایت ابی امامہ بسند ضعیف ۱۲ [۷] ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہؓ، اور اس میں کچھ ضعف ہے ۱۲ [۸] تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اس کی سند پیشتر گذری ۱۲

اور فرمایا[1] ان احدکم مرأة اخیه فاذا رای فیه شیئا فلیمطه عنه۔ اور فرمایا کہ جو شخص[2] اپنے بھائی کی حاجت پوری کردے۔ اور فرمایا[3] کہ جو شخص کسی ایماندار کو راحت پہنچاوے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو آرام دے گا۔ اور فرمایا[4] کہ جو شخص رات خواہ دن میں ایک ساعت اپنے بھائی کے کام میں چلے گا خواہ اس کو پورا کرے یا نہ کرے۔ یہ امر اس کے حق میں دو مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہوگا، اور فرمایا[5] جو شخص غمزدہ ایماندار کی مشکل آسان کرے یا کسی مظلوم کی مدد کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بہتر مغفرت بخشدے۔ اور فرمایا[6] انصر اخاک ظالما او مظلوما فقیل کیف نتصره ظالما قال تمنعه من الظلم۔ اور فرمایا[7] کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ امر زیادہ محبوب ہیں، ایماندار کا دل خوش کرنا، اس سے کسی غم کو ٹالنا، اس کا قرض ادا کرنا اور بھوکا ہو تو کھانا کھلانا۔ اور فرمایا جو شخص کسی ایماندار کو منافق سے بچاوے جو اس کو دق کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ اور فرمایا[8] کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان سے زیادہ کوئی برا نہیں، ایک خدائے تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ضرر پہنچانا۔ اور دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ اول اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، دوم اس کے بندوں کو فائدہ پہنچانا۔ اور ایک حدیث[9] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی مسلمانوں کی غمخواری نہ کرے وہ ان سے نہیں۔ اور حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہر روز تین بار یہ دعا پڑھ لیا کرے[ع] اللھم اصلح امة محمد اللھم ارحم امة محمد اللھم فرج عن امة محمد صلی الله علیه وآله وسلم۔ اللہ تعالیٰ اس کو ابدال میں لکھے گا۔ اور ایک روز علی بن فضیلؒ رونے لگے، لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں، فرمایا کہ مجھ کو اس شخص کے حال پر رونا آتا ہے جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے کہ کل کو خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ ظلم کیوں کیا تھا اور اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی **چوبیسواں** حق یہ ہے کہ بیمار پرسی کرے اور اس حق کے ثابت ہونے اور ثواب پانے کو جان پہچان اور مسلمان ہونا مریض کا کافی ہے اور بیمار پرسی کے آداب یہ ہیں کہ بیمار کے پاس تھوڑا بیٹھنا اور اس سے کمتر سوال کرنا اور اس کے حال پر ترس ظاہر کرنا اور شفا کی دعا مانگنی اور اس جگہ کے قبائح سے نگاہ تلے رکھنی۔ اور اجازت چاہنے کا طریق یہ ہے کہ دروازے کے مقابل کھڑا نہ ہو اور نرمی سے کواڑ کھٹکھٹا دے، اور جب کوئی پوچھے کون ہے تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں اور یوں نہ پکارے کہ

---

[1] تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے تو جب اس میں کوئی بات دیکھے تو چاہئے کہ اس کو اس میں سے دور کرے، ابوداؤد و ترمذی اور پہلے گذری ۱۲
[2] بخاری در تاریخ و طبرانی در مکارم اخلاق بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [3] ابن مبارک در زہد و رقاق بسند ضعیف مرسلاً ۱۲ [4] حاکم بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [5] خرائطی در مکارم اخلاق و ابن حبان در ضعفا بروایت انسؓ ۱۲ [6] مدد کر اپنے بھائی کی ظالم ہو وہ یا مظلوم ہو، کسی نے عرض کیا کہ ظالم کی مدد کیسے کریں، فرمایا کہ اس کو ظلم سے منع کرو، بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ [7] طبرانی بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ [8] صاحب الفردوس نے اس کو ذکر کیا ہے مگر اس کے لڑکے نے اس کی اسناد سند میں نہیں بیان کی ۱۲ [9] حاکم بروایت حذیفہؓ و طبرانی بروایت ابی ذرؓ دونوں ضعیف ہیں۔
[ع] الٰہی درست کر امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، الٰہی رحم کر امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، الٰہی کشادگی کر امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ۱۲

اولڑ کے، بلکہ الحمد للہ یا سبحان اللہ کہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مریض کی عیادت کامل یہ ہے کہ اس کی پیشانی یا ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھو کر کیسے ہو اور سلام کی تکمیل مصافحہ ہے اور فرمایا کہ جو شخص بیمار کی عیادت کرے وہ گویا جنت کے نخلستان میں بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ جب اٹھتا ہے اس پر ستر ہزار فرشتے متعین ہوتے ہیں کہ رات تک اس پر رحمت بھیجتے رہیں۔ اور فرمایا جب کوئی آدمی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو رحمت میں داخل ہوتا ہے اور جب بیمار کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت اس کے اندر مستحکم ہو جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ جو کوئی اپنے بھائی مسلمان کی عیادت یا زیارت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اچھا ہوا اور تیری رفتار طیب ہوئی اور تو نے جنت میں ایک گھر بنالیا۔ اور فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان کو حکم دیتا ہے کہ دیکھو کہ یہ اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے۔ پس اگر عیادت کرنے والوں کے آنے پر مریض مذکور خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے تو فرشتے جناب الٰہی میں عرض کرتے ہیں، حالانکہ وہ خود زیادہ جانتا ہے، پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ پر لازم ہے کہ اگر میں اس بندہ کو وفات دوں گا تو اس کو جنت میں داخل کروں گا۔ اور اگر اس کو شفا بخشوں گا تو اس کے گوشت سے بہتر گوشت بدل دوں گا، اور خون سے بہتر خون، اور اس کے گناہ معاف کر دوں گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی بہتری چاہتا ہے اس کو مبتلائے مصائب کرتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جائے۔ اور حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری عیادت کی اور فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اعیذک باللہ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد من شر ما تجد۔ اس کو کئی بار آپ نے فرمایا۔ اور ایک بار حضرت علی مرتضیٰؓ بیمار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ یوں کہو۔ اللھم انی اسئلک تعجیل عافیتک اوصبرًا علی بلیتک اوخروجًا من الدنیا الی رحمتک کہ ان میں سے ایک بات تم کو عنایت ہوگی، اور بیمار کو مستحب ہے کہ یوں کہے اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد اور حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو پیٹ کی بیماری ہو جائے تو چاہیئے کہ

ح اصحاب سنن وحاکم بروایت علی مرتضیٰ رض نحوہ ۱۲ ح حاکم وبیہقی بروایت جابر رض ۱۲ ح ترمذی وابن ماجہ بروایت ابی ہریرہ رض مگر اس میں یہ ہے کہ ایک منادی پکارتا ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور ترمذی نے کہا کہ حدیث غریب ہے ۱۲ ح امام مالکؒ در موطا بروایت عطاء بن لیسار رض ۱۲ ح بخاری بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ح شروع ہے نام خدائے رحمٰن اور رحیم سے میں تجھ کو پناہ میں دیتا ہوں اللہ تعالیٰ واحد پاک کی کہ اس نے نہ کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہیں ہے اس کے جوڑ کا کوئی برائی سے اس چیز کی جس کو تو معلوم کرتا ہے، طبرانی وبیہقی در ادعیہ بروایت عثمان بن عفان رض ۱۲ عہ امام احمد اور ترمذی نے کہا کہ ضعیف ہے ۱۲ ح الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جلد آنا تیری عافیت کا یا صبر کرنا تیری مصیبت پر، یا دنیا سے نکلنا تیری رحمت کی طرف ابن ابی الدنیا در کتاب المرض بروایت انس رض بسند ضعیف، اور اس میں نام علی مرتضیٰ رض کا نہیں مطلق کسی بیمار کا ذکر ہے۔ بروایت عائشہ رض کہا ہے کہ یہ کلمات جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو سکھائے تھے۔ عہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عزت اور قدرت کی برائی سے اس چیز کی جو پاتا ہوں ۱۲

اپنی بی بی سے اس کے مہر میں سے کچھ مانگے اور اس کا شہد خرید کر مینہ کے پانی میں ملا کر پی جائے تو اس کو یہ نسخہ رچتا پچتا اور برکت کی شفا ہوگی، یعنی اس لیے کہ ان تینوں چیزوں کے باب میں قرآن مجید میں یہی صفات مذکور ہیں، مہر میں فرمایا فکلوا هنیئا مریئا[ت1] اور شہد کے باب میں فرمایا فیہ شفاء للناس[ت2] اور مینہ کے لیے فرمایا وانزلنا من السماء ماء مبارکا[ت3]۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضہ کو فرمایا[ح4] کہ کیا میں تجھ کو ایسی بات نہ بتادوں جو اس کے شایان تر ہے کہ اگر آدمی اپنے مرض سے اول ہی کے گرنے میں پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے نجات دے۔ حضرت ابوہریرہ رضہ نے عرض کیا کہ بہتر ارشاد فرمایئے، آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرے لا الٰہ[ع] الا اللہ یحیی ویمیت وھو حی لا یموت سبحان اللہ رب العباد والبلاد والحمد للہ کثیرا طیبا مبارکا فیہ علی کل حال اللہ اکبر کبیرا ان کبریاء ربنا وجلالہ وقدرتہ بکل مکان اللھم ان انت امرضتنی لتقبض روحی فی مرضی ھذا فاجعل روحی فی ارواح من سبقت لھم منک الحسنی وباعدنی من النار کما باعدت اولیائک الذین سبقت لھم منک الحسنی۔ اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح5] کہ مریض کی عیادت اتنی ہے جتنی مدت اونٹنی کے دو بار دھار نکالنے میں ہے۔ اور طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ افضل عیادت وہ ہے جو سب میں ہلکی اور جلد ہو۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بیمار پُرسی ایک بار تو سنت ہے اور زیادہ نفل ہے۔ اور بعض اکابر نے فرمایا کہ عیادت تین دن کے بعد چاہیئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح6] کہ عیادت ناغہ دے کر کرو اور اس میں نرمی اختیار کرو۔ اور مریض کے لیے مجمل آداب یہ ہیں کہ اچھی طرح صبر کرے اور شکایت اور اضطراب کم کرے اور ملتجی بدعا رہے اور دوا کے ساتھ خالقِ دوا پر توکل رکھے۔ **پچیسواں** حق یہ ہے کہ ان کے جنازے کے ہمراہ جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ح7] من شیع جنازۃ فلہ قیراط من الاجر فان وقف حتی تدفن فلہ قیراطان۔ اور حدیث صحیح میں ہے[ح8] کہ قیراط کوہِ احد کے مثل ہے

ت[1] پس کھاؤ اس کو رچتا پچتا ۱۲ ت[2] اس میں شفا ہے لوگوں کو ۱۲ ت[3] اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت والا ۱۲ ح[4] ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ۱۲ ح[5] ابن ابی الدنیا بروایت انسؓ بسندیکہ دراں جہالت است ۱۲ ح[6] ابن ابی الدنیا وابویعلی بروایت جابر رضہ بسند ضعیف ۱۲ ح[7] جو شخص جنازے کے ساتھ چلے اس کو ایک قیراط ثواب، پھر اگر ٹھہرے اس کے دفن ہونے تک تو اس کو دو قیراط ہیں۔ بخاری ومسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ ح[8] مسلم بروایت ثوبان رضہ وابی ہریرۃ رضہ ۱۲

ع نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ خود زندہ ہے مرتا نہیں، اللہ پاک ہے پروردگار بندوں اور شہروں کا۔ اور سب تعریفیں ہیں اللہ کو بہت اور اچھی اور بابرکت ہر حال میں اللہ بہت ہمارے رب کے بزرگی جلال اور قدرت ہر جگہ میں ہے۔ الٰہی اگر تو نے مجھ کو اس لیے بیمار کیا ہے کہ میری جان قبض کرے اس مرض میں، تو میری روح کو ان لوگوں کی روحوں میں کر دے جن کے لیے تیری طرف سے پہلے خوبی ہو چکی ہے۔ اور دور کر مجھ کو دوزخ سے جیسے تو نے دور کیا ہے اولیاء کو، جن کے لیے تیری طرف سے پیشتر خوبی ہو چکی ہے ۱۲

اور جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حدیث کو بیان کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے سنا تو فرمایا کہ ہم نے اب تک بہت سی قیراطوں کو ذخیرۂ آخرت کر لیا ہے۔ اور ہمراہی جنازہ سے مسلمان کا حق ادا کرنا اور عبرت حاصل کرنی مقصود ہے۔ مکحول دمشقی جب کوئی جنازہ دیکھتے تو فرماتے کہ ہم بھی آتے ہیں[۲۵] نصیحت پوری ہے مگر غفلت چھا رہی ہے پہلے لوگ چلے جاتے ہیں اور پچھلے نہیں سمجھتے۔ اور مالک بن دینارؒ اپنے بھائی کے جنازے کے ساتھ نکلے، روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ بخدا مجھ کو چین نہ پڑے گی، جب تک یہ نہ جان لوں کہ تمہارا کیا انجام ہوا۔ اور زندگی بھر تو واللہ مجھ کو یہ حال کیوں کھلتا ہے۔ اور اعمشؒ فرماتے ہیں کہ ہم جنازوں پر حاضر ہوتے تھے مگر یہ نہ جانتے تھے کہ تعزیت اور تسلی کس کی کریں کیونکہ اندوہ ملال سب کو یکساں ہوتا تھا۔ اور ابراہیم زیات نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک مردہ پر دعائے رحمت کرتے ہیں، فرمایا کہ اگر تم اپنے لیے دعاء رحمت کرو تو بہتر ہے اس لیے کہ یہ مردہ تو تین ہولوں سے نجات پا چکا یعنی ملک الموت کی صورت دیکھ چکا اور موت کی تلخی بھی چکھ لی اور خاتمہ کے خوف سے مامون ہوا اور تم کو یہ سب باتیں باقی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں[۱] یتبع المیت ثلثۃ فیرجع اثنان ویبقی واحد یتبعہ اھلہ ومالہ وعملہ فیرجع اھلہ ومالہ ویبقی عملہ **چھبیسواں[۲۶]** حق یہ ہے کہ ان کی قبروں کی زیارت کرے اور اس سے مقصود دعا اور عبرت اور دل کا نرم کرنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جو دیکھنے کی وجہ دیکھی ہے، اس سے قبر زیادہ ہولناک ہے۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ باہر نکلے۔ آپؐ قبرستان میں تشریف لائے اور ایک قبر کے پاس بیٹھے، میں اور لوگوں کی نسبت آپؐ سے بہت قریب تھا، آپؐ روئے تو ہم بھی روئے، آپؐ نے پوچھا کہ تم کیوں روئے، ہم نے عرض کیا کہ آپؐ کے رونے کی جہت سے، آپؐ نے فرمایا کہ یہ قبر آمنہ بنت وہب یعنی والدہ ماجدہ کی ہے۔ میں نے اپنے رب سے اجازت زیارت کی مانگی تو اجازت عنایت فرمائی، پھر میں نے درخواست کی کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کروں اس کو اللہ تعالیٰ نے نہ مانا، اس وجہ سے مجھ کو وہ رقت ہوئی جو اولاد کو ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ جب قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی اور فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے[۴] ان القبر اول منازل الاخرۃ فان نجا منہ صاحبہ فما بعدہ الیسر وان لم ینج منہ فما بعدہ اشد۔

---

[۵] قولہ فرمایا کہ ہم نے الخ یہ ترجمہ خلاف مقصود ہے کیونکہ قصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث روایت کی تو ابن عمرؓ کو افسوس ہوا کہ ہم نے بہت سے قیراط کا نقصان کیا، یعنی مثلاً جنازہ کے ساتھ جا کر نماز پڑھ کر چلے آئے دفن تک نہیں گئے تو اس حدیث کے موافق فقط ایک قیراط ملا اور دوسرا قیراط نہیں ملا ۱۲ [۶] قولہ ہم بھی آتے ہیں الخ اصل میں ہے اغدوا فانا رائحون یعنی سویرے تم چلو تیسرے پہر کو یعنی دوسرے وقت ہم آتے ہیں تمہارے جانے میں پوری عبرت و نصیحت ہے ۱۲ [۱] مردہ کے پیچھے تین چیزیں رہتی ہیں، پس دو لوٹ جاتی ہیں اور ایک باقی رہتی ہے یعنی اس کے گھر والے مال اور عمل پیچھے جاتے ہیں تو گھر والے اور مال لوٹ آتے ہیں اور عمل رہ جاتا ہے، مسلم بروایت انسؓ ۱۲ [۲] ابن ماجہ و حاکم بروایت عثمان غنیؓ [۳] مسلم بروایت ابی ہریرہؓ مختصر و احمد بروایت بریدہؓ ۱۲ [۴] البتہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے اول ہے اگر قبر والا اس سے بچ گیا تو اس کے بعد کی چیزیں اسے آسان ہیں اور اگر اس سے نہ بچا تو بعد کی چیزیں اس سے زیادہ سخت ہیں ترمذی و حاکم و ابن ماجہ ۱۲

اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ آدمی سے اس کی قبر اوّل یہ کلام کرتی ہے کہ میں کیڑوں کا گھر ہوں، تنہائی کا مکان ہوں، خانہ غربت ہوں . . . منزلِ ظلمت ہوں، چیزیں میں نے تیرے لیے رکھ چھوڑی ہیں۔ تو نے میرے لیے کیا سامان کیا، اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ سُن لو، میں تم کو اپنی مفلسی کا دن بتاتا ہوں، وہ روز ہے جس میں قبر میں رکھا جاؤں گا۔ اور ابو درداءؓ قبروں کے پاس بیٹھتے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھتا ہوں کہ مجھ کو آخرت کی یاد دلاتے ہیں، اور اگر ان کے پاس سے چلا جاتا ہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔ اور حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں گذرے اور اپنے باب میں فکر نہ کرے اور نہ ان کے لیے دعا مانگے تو وہ اپنے نفس کی اور ان کی خیانت کرتا ہے، اور ایک حدیث[1] میں ہے کہ ہر ایک رات کو ایک منادی پکارتا ہے کہ اے قبر والو تم کن لوگوں کا رشک کرتے ہو، وہ کہتے ہیں کہ ہم اہل مسجد کا رشک کرتے ہیں کہ وہ روزے رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ہم کو یہ باتیں میسّر نہیں۔ اور حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قبر کو زیادہ یاد رکھے گا وہ اس کو جنت کے باغوں کا ایک باغ پائے گا۔ اور جو اس کی یاد سے غافل رہے گا وہ اس کو دوزخ کے گڑھوں کا ایک گڑھا پائے گا۔ اور ربیع بن خثیمؒ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی، جب اپنے دل میں سختی پاتے تو اس کے اندر لیٹتے اور ساعت بھر ٹھہر کر کہتے رب ارجعون لعلی اعمل صالحًا فیما ترکت[2]۔ پھر فرماتے کہ اے ربیع تو لوٹا دیا گیا اب عمل کر لے پیشتر اس سے کہ لوٹایا نہ جائے۔ اور میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ قبرستان میں گیا، جب آپ نے قبروں کو دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا کہ اے میمونؒ یہ قبریں بنی امیہ میرے آباء کی ہیں، گویا دنیا کے لوگوں کی لذتوں میں کبھی شریک نہ تھے، دیکھو اب بچھڑے پڑے ہیں اور صرف قصّے کہانی رہ گئے، کیڑے ان کے بدنوں کو کھا گئے۔ پھر آپ روئے، فرمایا کہ بخدا میں ان لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں جانتا کہ عیش کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون بےخوف رہا ہو۔ اور تعزیت اور تسلی دینے والے کے آداب یہ ہیں کہ انکسار کرنا اور غم کا اظہار اور قلتِ کلام و ترکِ تبسم ملحوظ رکھے اور جنازے کی ہمراہی کے آداب خشوع اور ترکِ سخن اور میت کے حال میں تامل کرنا اور اپنی موت کو سوچنا اور اس کے سامان کی تیاری کی فکر کرنا اور جنازہ کے قریب بڑھا ہوا چلنا ہیں اور جنازہ کو جلد لے جانا سنت[3] ہے۔ یہ باتیں ہیں جن سے عام خلق کے ساتھ بسر کرنے کے آداب معلوم ہوتے ہیں اور مجملاً آداب جو ان سب کے جامع ہوں، یہ ہیں کہ کسی کو حقیر مت جانو خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے، اس لیے کہ تم کو کیا خبر ہے شاید وہی تم سے بہتر ہو، کیونکہ وہ ہر چند فاسق ہے مگر شاید کہ خاتمہ نیک بختی پر ہو اور تمہارا خاتمہ اس کے حال کے بموجب ہو۔ اور کسی کو دنیا کی حالت کے اعتبار سے بچشم تعظیم نہ دیکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا حقیر ہے اور اس کی چیزیں ذلیل، اور جس صورت میں تمہارے نفس کے اندر دنیا والوں کی عظمت ہو گی تو دنیا کی پہلے ہو گی اس لیے خدائے تعالیٰ کی نظروں سے گر جاؤ گے، اور ان کو اپنا دین اس غرض سے مت دو کہ ان سے دنیا حاصل کرو، ورنہ ان کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے، پھر دنیا بھی نہ ملے گی اور اگر ملے بھی تو ادنیٰ چیز کو لے کر عمدہ

---

[1] ح اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [2] ت اے رب مجھ کو پھر بھیجو شاید کچھ میں بھلا کام کر دوں اس میں جو چھوڑا ہے ۱۲ [3] ح بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ وارد ہے کہ جنازے کو جلد لے جاوے ۱۲

چیز عوض میں کھو بیٹھو گے اور ان سے دشمنی مت کرو اس طرح کہ عداوت ظاہر ہو جاوے اور پھر ان کے ہو رہو اور دین و دنیا سب اسی میں چلی جاوے اور ان کا دین تمہارے باب میں جاتا رہے ہاں اگر کوئی بات دین کی خرابی کی ان سے نظر پڑے تو ان کے بُرے افعال سے عداوت رکھو اور ان پر بچشم ترحم نظر کرو کہ بیچارے خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے مستحق اس کے غصہ اور عذاب کے ہو گئے، ان کو یہی درد کافی ہے کہ دوزخ میں جائیں گے تم کو کیا ضرورت ہے کہ ان سے عداوت کرو۔ اور ان کی دوستی اور منہ پر تعریف کرنے اور ظاہر میں تم کو دیکھ کر خوش ہونے پر اطمینان مت کرو، اس لیے کہ اگر یہ باتیں تلاش کرو گے تو واقع میں ظاہر کے مطابق سو میں سے ایک پاؤ گے بلکہ عجب نہیں کہ ایسا شخص نہ ملے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور اپنے حالات کی شکایت ان سے نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم کو انھیں کے حوالہ کرے گا، اور یہ توقع نہ کرو کہ غیبت و باطن میں وہ تمہارے حق میں ایسے ہیں جیسے سامنے ظاہر میں ہیں کیونکہ یہ طمع جھوٹی ہے۔ ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں اور ان کے پاس کی چیزوں میں طمع مت کرو کہ سر دست تم کو ذلت ہوگی اور غرض بھی پوری نہ ہوگی۔ اور اگر تم کو ان کی حاجت نہ ہو تو تکبری کی راہ سے ان کو کاٹ کھانے کو نہ دوڑو اور اگر اپنا استغنا ظاہر کرنے سے تکبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا یہ دے گا کہ تم کو ان کی التجا کرنی پڑے گی۔ اور جب کسی بھائی سے حاجت مانگو اور وہ پوری کر دے تو وہ بھائی کام کا ہے اور اگر پوری نہ کرے تو اس پر عتاب مت کرو ورنہ دشمن ہو جائے گا اور مدت تک اس کا رنج تم کو کھینچنا پڑے گا۔ اور جس شخص کو جانو کہ یہ کہا نہیں مانے گا اور دشمن ہو جائے گا اس کو نصیحت مت کرو بلکہ اس کی نصیحت اس طرح ہے کہ کنایۃً اور علی الاطلاق بیان کیا جائے خاص کسی کی تصریح نہ ہو۔ اور جب تم دیکھو کہ لوگ تمہاری تعظیم کرتے ہیں اور سلوک سے پیش آتے ہیں تو اللہ کا شکر کرو جس نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو اس بات سے کہ تم کو ان کے حوالے کرے۔ اور جب تم کو خبر پہنچے کہ لوگ میری غیبت کرتے ہیں یا ان کی کوئی شرارت دیکھو یا کوئی برائی ان سے تم کو پہنچے تو ان کا معاملہ خدائے تعالیٰ کے سپرد کرو اور ان کے شر سے پناہ مانگو، اپنے نفس کو مکافات کی فکر میں مشغول مت کرو، ورنہ ضرر زیادہ ہوگا اور اس شغل میں عمر مفت برباد ہو جائے گی، اور ان سے یہ نہ کہو کہ تم نے ہماری قدر و منزلت نہ پہچانی، اور یہ عقیدہ رکھو کہ اگر تم قدر و منزلت کے مستحق ہو گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ڈال ہی دے گا کیونکہ دلوں میں محبت اور بغض کا ڈالنے والا وہی ہے۔ اور ان میں اس طرح رہو کہ حق بات کو سن لو اور باطل سے بہرے ہو، ان کے حق کو زبان پر لاؤ اور باطل سے سکوت کرو۔ اور اکثر لوگوں کی صحبت سے احتراز کرو کہ وہ نہ لغزش کو معاف کریں، نہ خطا کو بخشیں نہ عیب کو چھپاویں، حساب کوڑی کوڑی کا کریں، تھوڑے بہت پر حسد کریں، اپنے انتقام میں دوسروں کا انصاف نہ کریں، بھول چوک پر مؤاخذہ کرنے بیٹھیں، عفو کرنے سے اینٹھیں، بھائیوں کو بھکائیں، اور چغلی اور بہتان سے ان میں مفارقت کرائیں، اکثروں کی صحبت میں نقصان اور زیاں ہے اور ان سے علیحدہ رہنا زیبا اور شایاں ہے اگر خوش ہوئے تو بظاہر خوشامد ہے اگر ناخوش ہوئے تو دل میں کینہ اور حسد ہے، نہ کینہ کی حالت میں ان سے چین موجود ہے نہ خوشامد کی صورت میں توقع بہبود ہے، بظاہر ذی لباس ہیں اور باطن میں موذی خناس کہاں کہاں خیال دوڑاتے ہیں تمہارے پیچھے چشمکوں سے اشارے اڑاتے ہیں۔ دوستوں کا یہ وقار ہے کہ حسد کے مارے ان کی موت کا انتظار ہے، جلسوں میں تمہاری

خطائیں شمار کریں تاکہ غصہ اور وحشت کی حالت میں ان سب کی تم پر بھر مار کریں۔ اور جس کو خوب نہ آزما لو اس کی دوستی پر اعتماد نہ کرو۔ اور آزمانے کا طور یہ ہے کہ مدت تک ایک مکان خواہ ایک جگہ میں اس کے ساتھ رہو اور بحالی اور موقوفی اور تو انگری اور مفلسی اس کو دیکھو یا اس کے ساتھ کوئی سفر کرو یا روپیہ اشرفی کا معاملہ اس سے کر دیا تم کو کوئی سختی پیش آوے اور اس میں اس کے محتاج ہو تو ان باتوں میں اگر اس کو اچھا پاؤ تو اگر وہ عمر میں تم سے بڑا ہے تو بمنزلہ باپ کے جانو اور اگر چھوٹا ہو تو بیٹا تصور کرو، اور اگر برابر ہو تو بھائی بناؤ۔ غرض کہ خلق کے ساتھ بسر کرنے کے آداب ہیں جو مذکور ہوئے۔

ہمسایوں کے حقوق

واضح ہو کہ جس قدر اخوتِ اسلامی کے حق میں ہمسائیگی کے ان سے سوا ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ہمسایہ مسلمان ہوگا تو اس کا حق بہ نسبت اور مسلمانوں کے زیادہ ہوگا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ ہمسایہ تین ہیں۔ اول وہ جس کا ایک حق ہو، دوم جس کے دو حق ہوں سوم جس کے تین حق ہوں۔ جس کے تین حق ہیں وہ تو مسلمان ہمسایہ رشتہ دار ہے کہ اس کو حق ہمسائیگی اور حق اسلام اور حق قرابت حاصل ہے اور جس کے دو حق ہیں وہ مسلمان ہمسایہ کہ اس کو حق ہمسائیگی اور حق اسلام ہے، اور جس کا ایک حق ہے وہ مشرک ہمسایہ ہے تو دیکھنا چاہیے کہ شارع علیہ السلام نے صرف ہمسائیگی کے سبب سے مشرک کا حق ثابت کیا۔ اور ایک حدیث[2] میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص تیرے ہمسایہ میں رہے اس کی ہمسائیگی اچھی طرح کر کہ اس سے تو مسلمان ہو جائے گا۔ اور فرمایا[3] ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه اور فرمایا[4] من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ اور فرمایا[5] لا یؤمن عبد حتی یامن جارہ بوائقه اور فرمایا[6] قیامت کے دن اول جو باہم دو شخص خصومت کریں گے وہ دو ہمسایہ ہوں گے۔ اور فرمایا[7] کہ جب تو نے اپنے ہمسایہ کے کتے کو کچھ پھینک مارا تو تو نے اس کو ایذا دی۔ اور کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرا ایک ہمسایہ ہے کہ وہ مجھ کو ستاتا ہے اور گالی دیتا ہے اور تنگ کرتا ہے، آپؓ نے فرمایا کہ جاؤ اگر اس نے تمہارے باب میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی تو تم اس کے باب میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت[8] میں عرض کیا گیا کہ فلانی عورت دن کو روزہ رکھتی ہے اور رات بھر عبادت کرتی ہے مگر پڑوسیوں کو ستاتی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہمسایہ کی شکایت کی، آپؐ نے فرمایا کہ صبر کر، پھر تیسری یا چوتھی بار کی شکایت میں

---

[1] ابن حبان و بزاز و ابونعیم در حلیہ بروایت جابرؓ و ابن عدی بروایت عبد اللہ بن عمرؓ اور سب ضعیف ہیں ۱۲ [2] اس کی سند اوپر گذری ۱۲
[3] جبرائیلؑ مجھ کو مدام ہمسایہ کے باب میں وصیت کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ ہمسایہ کو وارث کر دے گا بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ و ابن عمرؓ ۱۲ [4] جو شخص ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ہمسایہ کا اکرام کرے بخاری و مسلم بروایت ابن شریح ۱۲ [5] کوئی بندہ ایماندار نہ ہوگا جب تک کہ اس کا ہمسایہ اس کی آفات سے بے خوف نہ ہو، بخاری بروایت ابن شریح ایضاً ۱۲ [6] احمد و طبرانی بروایت عقبہ بن عامر بسند ضعیف ۱۲ [7] اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [8] احمد و حاکم بروایت ابی ہریرۃؓ ۱۲ [9] ابوداؤد و ابن حبان و حاکم بروایت ابی ہریرۃؓ ۱۲

آپؐ نے فرمایا کہ اپنا اسباب رستہ میں ڈال دے وہ شخص کہتا ہے کہ لوگ اسباب کے پاس آتے تو پوچھتے کہ تجھے کیا ہوا ہے کوئی کہہ دیتا اس کے ہمسایہ نے اس کو ستایا ہے تو وہ کہتے کہ خدائے تعالیٰ اس پر لعنت کرے غرضکہ وہ ہمسایہ اس کے پاس آیا اور کہا کہ اپنا اسباب اٹھالے بخدا کہ اب دوبارہ ایسی حرکت نہ کروں گا۔ اور زہریؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے ہمسایہ کی شکایت کرنے آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم[1] دیا کہ مسجد شریف کے دروازہ پر پکار دیا جائے کہ سُن لو چالیس گھر ہمسایہ ہیں۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس اِدھر اور چالیس اُدھر اور چالیس ایسے اور چالیس ویسے اور چاروں طرف کو اشارہ کیا۔ اور ایک[2] حدیث میں ارشاد فرمایا کہ برکت اور نحوست عورت اور مکان اور گھوڑے میں ہے۔ عورت کا مبارک ہونا یہ ہے کہ مہر تھوڑا ہونا اور نکاح سہولت سے ہونا اور اس کا خوش خلق ہونا۔ اور اس کی نحوست یہ ہے کہ مہر کا زیادہ ہونا اور نکاح بدشواری ہونا اور اس کا خلق بُرا ہونا۔ اور مکان کا مبارک ہونا یہ ہے کہ فراخ ہو اور ہمسایہ کے لوگ اچھے ہوں۔ اور اس کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو اور ہمسایہ برا ہو۔ اور گھوڑے کا مبارک ہونا اس کا فرمانبردار ہونا اور عادتوں کا اچھا ہونا اور اس کی نحوست عیبی اور بدرکاب ہونا ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ ہمسایہ کا حق یہی نہیں کہ اس کو ایذا نہ دیجئے کیونکہ یہ بات اینٹ پتھر وغیرہ میں بھی ہے کہ ان سے ایذا نہیں پہنچتی، بلکہ یہ چاہیے کہ اگر ہمسایہ ایذا دے تو برداشت کرے اور صرف برداشت ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ نرمی کرے اور سلوک اور احسان سے پیش آوے کیونکہ کہتے ہیں کہ مفلس ہمسایہ قیامت کے دن اپنے ہمسایہ تونگر سے لپٹے گا اور عرض کرے گا کہ یارب اس سے سوال کر کہ اپنے سلوک سے مجھ کو کیوں محروم رکھا اور مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کیا۔ اور ابن مقنع کو خبر پہنچی کہ ان کا ہمسایہ مدیون ہو گیا ہے اور اپنے قرضہ میں مکان بیچتا ہے اور آپ اس کی دیوار کے سایہ میں بیٹھا کرتے تھے، فرمایا کہ اگر اس شخص نے مفلسی کے سبب اپنا گھر بیچ دیا تو ہم سے اس کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنے کا حق بھی ادا نہ ہوا، پھر اس کو مکان کا دام دے کر کہا کہ گھر کو فروخت مت کر۔ اور کسی بزرگ نے ذکر کیا کہ ہمارے گھر میں چوہے بہت ہو گئے ہیں، ان سے کسی نے کہا کہ آپ بلی کیوں نہیں پال لیتے، انہوں نے کہا کہ یہ ڈر ہے کہ کہیں بلی کی آواز سُن کر چوہے ہمسایوں کے مکانوں میں نہ چلے جائیں اور جو بات اپنے لیے نہیں پسند کرتا وہ ان کے لیے پسند کروں۔ اور ہمسایہ کے حقوق مجمل یہ ہیں کہ اس سے پیشتر سلام کرے اور گفتگو کو اس کے ساتھ طوالت نہ دے اور نہ اس کے حال کو بہت استفسار کرے۔ اور حالتِ مرض میں اس کی بیمار پُرسی کرے، اور مصیبت میں اس کو تسلی دے اور اس کا ساتھ نہ چھوڑے اور خوشی میں مبارکباد دے اور آپ بھی اس کے ساتھ خوشی ظاہر کرے اور اس کی خطاؤں سے درگذر کرے اور چھت پر سے اس کے گھر نہ جھانکے، اور دیوار پر کڑیاں رکھنے یا پرنالہ سے پانی گرنے یا صحن سے مٹی ڈالنے میں اس کو دق نہ کرے اور اس کے گھر میں جانے کا راستہ تنگ نہ کرے اور جو کچھ وہ اپنے گھر میں لے جاوے اس پر تاک نہ لگا دے۔ اور اگر اس کا کوئی عیب معلوم ہو تو اس کو چھپائے اور اگر اس پر کوئی حادثہ واقع

ح[1] ابوداؤد در مراسیل و ابویعلیٰ بروایت ابی ہریرہ رضؓ اور دونوں ضعیف ہیں ۱۲ ح[2] اس حدیث کا اول جملہ مسلم نے بروایت ابن عمر رضؓ نقل کیا ہے اور باقی مضمون طبرانی نے اسماء بنت عمیس سے اسناد ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲

ہو تو جھٹ پٹ اس کی دستگیری کرے اور وہ جب گھر پر نہ ہو تو اس کے مکان کے دیکھنے سے غافل نہ رہے اور اس کی برائی نہ سنے اور اس کے اہل خانہ سے آنکھ تلے رکھے اور اس کی خادمہ پر ٹکٹکی نہ لگاوے اور اس کے بچہ سے گفتگو میں نرمی برتے اور جو امر اس کو دنیا اور دین کا معلوم نہ ہو، اس کو ٹھیک ٹھیک بتا دے اور سوا ان کے وہ حقوق جو عام مسلمانوں کے لیے ہم ذکر کر چکے ہیں ان کا لحاظ ہمسایہ کے ساتھ بھی رکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ تم کو معلوم ہے کہ ہمسایہ کا حق کیا ہے۔ اس کے حق یہ ہیں کہ اگر تم سے مدد چاہے تو اس کی مدد کرو، اور قرض مانگے تو قرض دو، اور اگر تم سے کوئی کام پڑے تو پورا کرو، اور بیمار ہو تو عیادت کرو اور مر جائے تو جنازہ کے ہمراہ جاؤ اور اس کو کچھ بہتری حاصل ہو تو مبارکباد کہو اور مصیبت پڑے تو تعزیت کرو۔ اور بدون اس کی اجازت اپنی عمارت اونچی مت کرو کہ اس کی ہوا رُکے اور اگر کوئی میوہ خرید کرو تو اس کو ہدیہ دو، ورنہ چھپا کر اپنے گھر میں لاؤ، اور اپنے بچے کو میوہ لے کر باہر نہ جانے دو تاکہ اس کے بچے کو رنج نہ ہو۔ اور اپنی ہانڈی کی خوشبو اور بگھار سے اس کو ایذا مت دو مگر اس صورت میں کہ ایک چمچہ اس کے یہاں بھی بھیجو۔ تم کو معلوم ہے کہ ہمسایہ کے حقوق کیا ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہمسایہ کا حق اسی سے ادا ہوگا جس پر خدائے تعالیٰ رحم کرے۔ اسی طرح اس حدیث کو روایت کیا ہے عمرو بن شعیبؓ نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادے سے اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس تھا اور ان کا ایک غلام بکری کا پوست اتار رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اے غلام جب بکری صاف کر چکے تو اول ہمارے ہمسایہ یہودی کو دینا کئی بار آپ نے ایسا ہی فرمایا تب اس غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی بار فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ہم کو ہمسایہ کے باب میں وصیت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو خوف ہوا کہ کہیں اس کو وارث تو نہیں کر دیں گے۔ اور ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک قربانی کا گوشت یہود اور نصاریٰ کو کھلانے میں کچھ مضائقہ نہ تھا۔ اور ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میرے[2] خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو وصیت کی کہ جب تم ہانڈی پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کرو، پھر اپنے ہمسایہ کے گھر والوں کو دیکھو اور اس میں سے ان کے لیے نکال کر بھیج دو۔ اور حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو ہمسایہ ہیں۔ ایک کا دروازہ تو میرے سامنے ہے اور دوسرے کا دروازہ مجھ سے دور ہے اور بعض اوقات میرے پاس اتنی چیز ہوتی ہے کہ دونوں کو دینے کی گنجائش نہیں ہوتی تو ان دونوں میں کس کا حق زیادہ ہے آپؐ[3] نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے سامنے ہے اس کا حق زیادہ ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے فرزند عبدالرحمٰن کو دیکھا کہ اپنے ہمسایہ سے تندخوئی اور درشت کلامی کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہمسایہ سے ایسا نہ کرو کہ بات رہ جاتی ہے اور آدمی چل دیتے ہیں۔ اور حسن بن عیسیٰ نیشاپوری لکھتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مبارکؒ سے پوچھا کہ میرا ہمسایہ میرے پاس آکر شکایت کرتا ہے کہ تمہارے

---

[1] خرائطی در مکارم اخلاق و ابن عدی در کامل اور وہ ضعیف ہے ۱۲ [2] ترمذی نے اس کو نقل کیا اور کہا کہ حسن غریب ہے ۱۲ [3] مسلم نے نقل کیا ہے ۱۲ [4] اس کو بخاری نے روایت کیا ہے ۱۲

غلام نے میرے ساتھ ایسا کیا اور غلام اس فعل سے انکار کرتا ہے تو اب غلام کو مارنے کو بھی دل نہیں چاہتا کہ شاید وہ مجرم نہ ہو اور اس کا چھوڑ دینا بھی برا معلوم ہوتا ہے کہ ہمسایہ مجھ سے ناراض ہوگا تو اب میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ تمہارا غلام اگر تمہارا قصور کرے تو اس کو اس وقت سزا نہ دو، جب ہمسایہ اس کی شکایت کرے تو اسی قصور پر اسے ادب دو کہ اس صورت میں ہمسایہ بھی راضی رہے گا اور اس کی سزا بھی قصور ہی پر ہو جاوے گی۔ اور حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ دس باتیں مکارم اخلاق کی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو عنایت کرتا ہے، ممکن ہے کہ آدمی میں ہوں اور اس کے باپ میں نہ ہوں اور غلام میں ہوں اور اس کے آقا میں نہ ہوں۔ اوّل راست گفتاری، دوم لوگوں سے راستی برتنی، سوم سائل کو دینا، چہارم سلوکوں کا مکافات کرنا، پنجم صلہ رحم، ششم امانت کی حفاظت، ہفتم ہمسایہ کے حق کی رعایت، ہشتم ہم صحبتی کا پاس، نہم مہمان کی دعوت دہم جو سب کی اصل ہے وہ حیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] کہ مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کی بھیجی ہوئی چیز کو حقیر نہ جانے گو بکری کی کھری ہی ہو۔ اور ایک حدیث[2] میں ارشاد فرمایا کہ مرد مسلمان کی یہ بھی سعادت ہے کہ مکان وسیع اور ہمسایہ نیک اور سواری عمدہ سیدھی ہو۔ اور حضرت ابن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو کیسے معلوم ہو کہ میں نے کوئی کام اچھا کیا یا برا آپ نے فرمایا کہ اگر تو اپنے ہمسایوں کو کہتے سنے کہ اچھا کیا تو جان لے کہ اچھا کیا اور اگر یوں کہتے سنے کہ برا کیا تو معلوم کر برا کیا۔ اور حضرت جابر رضؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی دیوار میں[3] کوئی ہمسایہ شریک ہو تو اس کو فروخت نہ کرے جب تک ہمسایہ شریک پر پیش نہ کرلے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[4] کہ ہمسایہ اپنے ہمسایہ کی دیوار میں کڑیاں رکھ لے خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو۔ اور حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[4] لایمنعن احدکم جارہ ان یضع خشبہ فی حائطہ۔ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ فرمایا کرتے کہ تم اس بات سے اعراض کیوں کرتے ہو، میں تو اس کو تمہارے شانوں کے بیچ میں لادوں گا۔ یعنی ہمسایہ کو لکڑی دیوار پر رکھنے سے منع مت کرو، اور اس کو ناگوار مت جانو میں تم سے اس سنت کی تعمیل بزور لوں گا۔ اور بعض علماء اس کے وجوب کی طرف آگئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[5] من اراد اللہ بہ خیرا عسلہ۔ کسی نے عرض کیا عسلہ کے کیا معنی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہمسایوں کے نزدیک اس کو محبوب کر دیتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[6] یقول اللہ تعالیٰ انا الرحمن وھٰذہ الرحم شفقت	۳ــ اقارب کے حقوق یہ ہیں

ح[1] بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح[2] احمد و حاکم بروایت نافع بن عبد الحارث و سعد بن ابی وقاص ۱۲ ح[3] احمد و طبرانی نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲ ح[4] ابن ماجہ و حاکم نے اس کو نقل کیا ہے مگر اس میں ذکر ہمسایہ کا نہیں اور خرائطی نے بلفظ احیاء ذکر کیا ہے ۱۲ عــہ قولہ دیوار اقول بلکہ حائط سے مراد باغ ہے جو گھرا ہو اور محاورہ معروف ہے ۱۲ ح[5] خرائطی در مکارم اخلاق اور صحیحین میں اور لفظوں سے یہ مضمون مذکور ہے ۱۲ ح[4] کوئی تم میں سے اپنے ہمسایہ کو منع نہ کرے اس بات سے کہ وہ اپنی لکڑی اس کی دیوار پر رکھے ابن ماجہ بروایت عباسؓ بسند ضعیف مگر بخاری و مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ نقل کیا ہے ۱۲ ح[5] جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری چاہتا ہے اس کو ہمسایہ کی نظر میں شیریں کر دیتا ہے بیہقی در زہد بروایت عمرو بن الحمق و خرائطی در مکارم اخلاق ۱۲ ح[6] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں رحمٰن ہوں اور یہ رحم ہے اس کا نام (باقی صہ

لہا اسما من اسمی فمن وصلہا وصلتہ وصلتہ ومن قطعہا قطعتہ۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[12] من سرہ ان یبسط لہ فی رزقہ وان ینسا لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ۔ اور ایک حدیث[2] میں روایت یوں ہے جس شخص کو خوشی معلوم ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور رزق میں وسعت ہو تو چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ سے ڈرے اور اپنے رشتہ قرابت کو ملا رکھے۔ اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا آدمی افضل ہے؟ آپ نے فرمایا[3] کہ جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہو اور صلہ رحم بیشتر کرتا ہو، اور امر معروف اور نہی عن المنکر بہت کرتا ہو۔ اور حضرت ابو ذر رضؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کی[4] کہ صلہ رحم کر، اگرچہ تجھ سے اعراض کیا جاوے۔ اور مجھ کو حکم فرمایا کہ حق کہوں اگرچہ تلخ ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرابت عرش سے لٹکی ہے اس کو جوڑنے والا وہ نہیں جو مکافات کرے بلکہ جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس کی قرابت منقطع ہو جائے تو وہ اس کو جوڑ دے اور فرمایا[5] کہ سب طاعتوں میں جلد تر ثواب صلہ رحم کا ملتا ہے یہاں تک کہ گھر والے بدکار ہوتے ہیں لیکن ان کے مال بڑھتے ہیں اور شمار زیادہ ہو جاتا ہے جس وقت کہ باہم صلہ رحم کرتے ہیں۔ اور زید بن اسلم رضؓ فرماتے ہیں[6] کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ کے فتح کے لیے نکلے تو ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ کا ارادہ خوبصورت عورتوں اور سرخ اونٹنیوں کا ہو تو آپ بنی مدلج پر قصد کریں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بنی مدلج سے منع فرمایا ہے اس لیے کہ وہ صلہ رحم کرتے ہیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق[7] رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں تشریف لائیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ماں آئی ہے اور وہ ابھی تک مشرک ہے میں اس سے ملوں[5] آپ نے فرمایا ہاں، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس کو کچھ دوں، آپ نے فرمایا[8] ہاں صلہ رحم کر، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[9] کہ مساکین پر صدقہ کرنا ایک ہی صدقہ ہے اور قرابت والے کو کچھ دینا دو صدقے ہیں۔ اور جب حضرت ابو طلحہ رضؓ نے چاہا کہ اپنا باغ جو ان کو محبوب تھا، صدقہ کریں بموجب اس آیت کے لن تنالوا[10] البر حتی تنفقوا مما تحبون تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ باغ فی سبیل اللہ اور فقراء و مساکین کے لیے ہے، آپ نے فرمایا[11] کہ تمہارا ثواب ثابت ہو گیا اب اس کو اپنے اقارب میں تقسیم کرو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ افضل دینا اس قرابتی کا ہے جو باطن

(بقیہ صفحہ) میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے جو کوئی اس کو ملاوے گا میں اس کو ملاؤں گا اور جو کوئی اس کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کر دوں گا بخاری و مسلم بروایت انس رضؓ ۱۲ [1] ح جس کو اچھا معلوم ہو کہ تاخیر کی جائے اس کی موت اور وسعت دی جائے اس کے رزق میں، تو چاہیئے کہ اپنی قرابت کو ملا رکھے۔ بخاری و مسلم بروایت انس رضؓ ۱۲ [2] ح احمد و حاکم بروایت علی مرتضیٰ رضؓ ۱۲ [3] ح احمد و طبرانی بروایت بنت ابی لہب ۱۲ [4] ح احمد و ابن حبان ۱۲ [5] ح مسلم بروایت عائشہ رضؓ و طبرانی و بیہقی بروایت عبد اللہ بن عمر رضؓ ۱۲ [6] ح ابن حبان بروایت ابی بکر و بیہقی در شعب بروایت عبد الرحمٰن بن عوف بسند ضعیف ۱۲ [7] ح خرائطی در مکارم اخلاق اور یہ حدیث مرسل صحیح الاسناد ہے ۱۲ [8] ح بخاری و مسلم ۱۲ [9] ح ترمذی و ابن ماجہ و نسائی بروایت سلمان بن عامر ضبی ۱۲ - [10] ت ہر گز نہ پہنچو گے نیکی کی حد کو جب تک نہ خرچ کرو کچھ ایک جس سے محبت رکھتے ہو ۱۲ [11] ح بخاری نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲ [12] ح احمد و طبرانی بروایت ابو ایوب رضؓ اور اس میں حجاج بن ارطاۃ ہے اور بیہقی نے بروایت ام کلثوم بنت عقبہ نقل کیا ہے ۱۲ ح احمد بروایت معاذ بن انس رضؓ بسند ضعیف و طبرانی نحوہ بروایت ابی امامہ ۱۲ ع ۵ قولہ ملوں الخ ٹھیک کر یہ کہ میں اس سے صلہ رحم کروں ۱۲

میں عداوت رکھتا ہو، اور یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا یہ فرمایا ہے کہ نیکیوں میں افضل یہ ہے کہ ملو اس سے جو تم سے علیحدہ رہے۔ اور دو اس کو جو تم کو محروم کرے اور در گذر کرو اس سے جو تم پر ظلم کرے۔ اور مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ اقارب سے کہہ دو کہ باہم ملاقات کیا کریں اور ایک دوسرے کے ہمسایہ میں نہ رہیں۔ اور پاس رہنے کو اس لیے منع فرمایا کہ ہمسایہ میں رہنے سے حقوق بہت سے ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات موجب وحشت اور قطع قرابت ہوا کرتے ہیں۔

اولاد اور والدین کے حقوق

اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جس قدر قرابت مضبوط ہوتی ہے، اسی قدر حقوق بھی مؤکد ہوتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ مخصوص اور قریب ماں باپ کی قرابت اولاد کے ساتھ ہے۔ اس لیے والدین اور اولاد کے حقوق اور اقارب سے زیادہ ہیں۔ والدین کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[1] من یجزی ولد والدہ حتی لو یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ۔ اور فرمایا[2] والدین کے ساتھ سلوک کرنا نماز اور روزہ اور حج اور عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔ اور فرمایا جو شخص صبح کے وقت اپنے ماں باپ دونوں کو خوش رکھے اس کے لیے جنت کی طرف دروازے دو کھل جاتے ہیں۔ اور جو شخص شام کے وقت ان کی مرضی کے مطابق ہے اس کو بھی ایسا ہی ہے۔ اور اگر ماں باپ میں سے ایک ہی ہوگا تو ایک ہی دروازہ کھلے گا اگرچہ وہ دونوں ظلم کریں، اس جملہ کو تین بار فرمایا۔ اور جو کوئی صبح کو اپنے ماں باپ کو ناراض کرے گا، اس کے لیے دو دروازے دوزخ کی جانب کھل جائیں گے۔ اور جو شام کو ناراض کرے گا اس کا بھی یہی حال ہے۔ اور اگر ایک ہوگا تو ایک ہوگا اگرچہ وہ ظلم کریں، اس کو تین بار فرمایا۔ اور ایک حدیث[3] میں فرمایا کہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے مگر فرزند نافرمان اور قرابت کا توڑنے والا اس کو نہ سونگھیں گے۔ اور فرمایا[4] کہ احسان کر اپنے ماں اور باپ اور بہن اور بھائیوں کے ساتھ، پھر اور رشتہ داروں کے ساتھ بحسب قرب قرابت۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اے موسیٰ جو شخص اپنے ماں باپ کی اطاعت کرتا ہے اس کو میں مطیع لکھتا ہوں۔ اور جو شخص ماں باپ کی نافرمانی کرے اور میری اطاعت کرے اس کو میں نافرمان لکھتا ہوں۔ اور کہتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو حضرت یوسف علیہ السلام کھڑے نہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ کیا تم اپنے باپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کو گراں جانتے ہو۔ قسم ہے اپنی عزت اور جلال کی تیری پشت سے کوئی نبی نہیں پیدا کروں گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[5] اگر کوئی شخص صدقہ دینا چاہے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ اپنے ماں باپ کے نام سے دیدے جس صورت میں وہ دونوں مسلمان ہوں، پس اس کا ثواب ان دونوں کو ملے گا اور اس کو بھی انہیں کے برابر ثواب ملتا ہے بدوں اس بات کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی

---

[1] لڑکا اپنے باپ کا حق ادا نہ کرے گا جب تک کہ باپ کو غلام پاوے پھر مول لے لے اور آزاد کرے، مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [2] اس طرح مجھ کو نہیں ملی، لیکن ابویعلیٰ اور طبرانی نے بروایت انسؓ نقل کیا ہے کہ ماں کی خدمت کرنے سے حج اور عمرہ اور جہاد کا ثواب ہوگا ۱۲ [3] بیہقی در شعب بروایت ابن عباسؓ اور پایۂ صحت کو نہیں پہنچی ۱۲ [4] طبرانی در اوسط بروایت جابرؓ بسند ضعیف، اور اس میں ہزار برس مذکور ہیں ۱۲ [5] ابوداؤد بروایت طارق و احمد و حاکم بروایت ابی برادہ اور ترمذی اور حاکم نے اور لفظوں سے نقل کیا ہے ۱۲ [6] طبرانی در اوسط بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بسند ضعیف اور اس میں یہ نہیں کہ دونوں مسلمان ہوں ۱۲

ہو۔ اور مالک بن ربیعہؓ کہتے ہیں[1] کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے کہ اتنے میں ایک شخص بنی سلمہ میں سے آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والدین مر گئے ہیں ان کا مجھ پر حق ہے کہ ادا کروں، فرمایا کہ ان کے لیے نماز پڑھ اور دعائے مغفرت کر، اور ان کا عہد وصیت بجالا اور ان کے دوستوں کی تعظیم کر، اور صلۂ رحم کر جس کا پیوند انہیں دونوں کے سبب سے ہے۔ اور فرمایا[2] ان من ابر البران یصل الرجل اھل ود ابیہ۔ اور فرمایا کہ ماں کے ساتھ سلوک کرنا باپ کی نسبت کر دونا ہے۔ اور فرمایا کہ ماں کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ باپ کی نسبت کہ زیادہ مہربان ہوتی ہے، اور رحم کی دعا ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور اولاد کے حقوق یہ ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا[4] کہ میں کس کے ساتھ سلوک کروں، آپ نے فرمایا کہ اپنے والدین کے ساتھ، اس نے عرض کیا، کہ میرے ماں باپ نہیں، فرمایا کہ اپنے بچہ پر احسان کر جیسا تیرے والدین کا حق تجھ پر ہے ویسا ہی تیرے بچہ کا حق ہے۔ اور ایک حدیث[5] میں فرمایا، اللہ رحم کرے اس باپ پر جو اپنے فرزند کی مدد نیک ہونے پر کرے یعنی ایسے برے کام نہ کرے جس سے وہ نافرمان ہو جائے۔ اور فرمایا[6] کہ دینے میں اپنی سب اولاد کو برابر کرو۔ اور کہتے ہیں کہ فرزند سات برس کی عمر تک آدمی کا کھلونا اور گلدستہ ہے اور سات برس تک خادم، پھر یا دشمن ہے یا شریک۔ اور انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[7] ہے کہ فرزند کی پیدائش کے ساتویں روز اس کا عقیقہ اور نام رکھا جائے اور اس کی الائش دور کی جائے اور جب چھ[6] برس کا ہو تو اس کو آداب سکھایا جاوے اور نو[9] برس کا ہو تو اس کا بستر علیحدہ کیا جائے۔ اور تیرہ[13] برس کا ہو تو نماز نہ پڑھنے پر پیٹا جاوے۔ اور جب سولہ[16] برس کا ہو جاوے تو اس کا باپ اس کی شادی کر دے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ میں نے تجھ کو ادب سکھایا، علم پڑھایا، نکاح کر دیا۔ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں تیرے فتنہ سے اور آخرت میں تیرے عذاب سے۔ اور ایک حدیث[8] میں ارشاد فرمایا کہ فرزند کا حق والد پر یہ ہے کہ اس کو اچھی طرح ادب سکھائے اور اس کا نام اچھا رکھے۔ اور فرمایا[9] غلام رھین بعقیقتہ یذبح عنہ یوم السابع و یحلق راسہ۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم عقیقہ ذبح کرو تو اس کے بال لے کر شہ رگ کے سامنے کر دو، پھر اسی طرح خون میں تر کر کے لڑکے کی چندیا پر رکھ دو تاکہ خون تار کی طرح بہ جاوے پھر اس کا سر دھو ڈالا

---

[1] ابوداؤد و ابن ماجہ و حاکم ۱۲ [2] زیادہ خیر کا سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستداروں سے ملے مسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [3] ان الفاظ سے غریب ہے مگر مسلم نے بروایت ابوہریرہؓ نقل کیا ہے کہ احق الناس سلوک میں ماں ہے پھر ماں ہے پھر ماں ہے پھر باپ ہے ۱۲ [4] اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [5] ابو عمر در کتاب معاشر الاہلین بروایت ابن عمرؓ دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیث موقوفاً اصح ہے ۱۲ [6] ابن حبان در کتاب الثواب بروایت علی ابن ابی طالب و ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ [7] ابوداؤد بروایت نعمان بن بشیر ۱۲ [8] ابن حبان در کتاب الضحایا والعقیقۃ باندک اختلاف اور اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ ع۵ قولہ بہت ہو جاتے ہیں الخ ٹھیک یہ کہ دونوں طرف سے حقوق میں زحمت پڑتی ہے۔ اسی سبب سے کبھی وحشت اور قطع قرابت کی نوبت پہنچتی ہے ۱۲ [9] بیہقی در شعب بروایت ابن عباسؓ و عائشہؓ اور دونوں طریقوں کو ضعیف کہا ہے ۱۲ [10] ہر ایک لڑکا رہن ہے اپنے عقیقہ کے عوض ذبح کیا جاوے اس کی طرف سے ساتویں روز اور سر کے بال مونڈے جاویں ۱۲ اصحاب سنن بروایت سمرہ بن جندب رضؓ ۱۲

جاوے، اس کے بعد بال مونڈے جاویں۔ اور ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی خدمت میں آیا اور اپنے کسی لڑکے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کو کبھی بد دعا دی ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا خود کردہ را چہ علاج، اس کو تو نے ہی بگاڑا ہے۔ اور بچہ کے اوپر رحم اور نرمی کرنا مستحب ہے۔ اقرع بن حابسؓ نے آنحضرت[ع۴] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اپنے فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام کو پیار کر رہے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میرے دس لڑکے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو پیار نہیں کیا، آپ نے فرمایا من[ع۵] لا یرحم لا یرحم۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک[ع۱] روز فرمایا کہ اسامہ کا منہ دھو دو، میں دھونے لگی مگر گھن کرتی تھی، آپ نے میرا ہاتھ جھٹک دیا پھر اسامہ کو لے کر اس کا منہ دھویا اور پیار کیا، اور فرمایا کہ اس نے ہم پر احسان کیا کہ لڑکی نہیں ہوا۔ اور ایک بار آپ ممبر پر تھے اور حضرت حسن[ع۲] علیہ السلام پھسلے، آپ نے اتر کر ان کو اٹھا لیا اور یہ آیت پڑھی انما[ت۳] اموالکم واولادکم فتنۃ اور عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھاتے کہ اتنے میں حضرت امام حسن[ن] علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کی گردن پر سوار ہو گئے جس وقت آپ سجدہ میں تھے آپ نے سجدہ میں بہت سی دیر لگائی یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ کوئی نیا معاملہ ہوا۔ جب آپ نماز[ع۳] سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے سجدہ لمبا کیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اور بات ہو گئی، آپ نے فرمایا کہ یہ میرا فرزند مجھ پر سوار ہو گیا تھا اس لیے مجھے اچھا نہ معلوم ہوا بدوں اس کے مطلب پورا ہونے کے جلدی اتار دوں۔ اور اس میں کئی فائدے بھی ہوئے اول تو قرب الی اللہ کہ سب سے زیادہ قرب حالتِ سجدہ میں ہوتا ہے، دوسرے اولاد پر رحم کرنا، تیسرے امت کو رحم سکھلانا۔ اور ایک حدیث[ع۴] میں ارشاد فرمایا کہ فرزند کی بو جنت کی بو کا شبہ ہے۔ اور حضرت امیر معاویہؓ نے احنف بن قیسؓ کو بلوایا، جب وہ آئے تو دریافت کیا کہ اولاد کے باب میں آپ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین وہ ہمارے دلوں کے میوے اور پشتوں کے تکیے ہیں، ہم ان کے حق میں زمین فرمانبردار اور آسمان سایہ دار ہیں۔ بڑی بڑی مہمات میں ہم انہیں کی خاطر گھستے ہیں اور اگر کچھ مانگیں تو ان کو دو، اور اگر روٹھ جائیں تو مناؤ کہ پھر تم کو دل وجان سے چاہیں گے اور حتی الوسع تم سے محبت رکھیں گے اور تم ان پر بھاری مت ہو اور سخت مت پکڑو، ورنہ تمہاری زندگی سے عاجز ہو کر چاہیں گے جلد مر جاؤ۔ اور تمہارے پاس رہنا ان کو برا معلوم ہوگا۔ امیر صاحب نے ان سے فرمایا کہ اے احنف بخدا تمہارے آنے سے پیشتر میں یزید پر جلا بھنا بیٹھا تھا، جب احنف رخصت ہوئے، امیر صاحب یزید سے خوش ہوئے اور اس کے پاس دو لاکھ درہم اور دو[۲] سو تھان بھیج دیے۔ یزید نے اس میں سے احنف کو بانٹ دیا یعنی لاکھ درہم اور سو تھان ان کے پاس روانہ کیے غرض کہ ان اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا حق نہایت مؤکد ہے اور ان کے حقوق کی بجا آوری آخرت کے بیان سے تم

ع اس طرح میری نظر سے نہیں گذرا مگر احمد نے بروایت عائشہؓ ذکر کیا ہے کہ اسامہ دروازے کے دہلیز پر پھسل گئے اور چوٹ لگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو صاف کرتے تھے کہ اگر اسامہ لڑکی ہوتی تو میں اس کو زیور پہنا تا الحدیث ۱۲ ع[۲] اصحاب سنن بروایت بریدہ ۱۲ ت[۳] تمہارے مال اور اولاد یہی ہیں جانچنے کو ۱۲ ع[۳] نسائی بروایت عبداللہ بن شداد عن ابیہ وحاکم ۱۲ ع[۴] طبرانی در صغیر و اوسط بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف ۱۲

ع[۵] بخاری بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ۱۲ ع[۵] جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ۱۲ ن حسین ۱۲

کو معلوم ہو گئی جس کو ہم پہلے لکھ آئے ہیں کیونکہ یہ علاقہ اخوت سے مؤکد تر ہے بلکہ اس میں دو باتیں زائد ہیں۔ اول یہ کہ اکثر علماء اس بات پر ہیں کہ طاعت والدین کی شبہات میں واجب ہے گو حرام محض میں واجب نہیں یہاں تک کہ اگر تمہارے بدوں کھانا کھانے میں وہ ناراض ہوں تو تم کو چاہیئے کہ ان کے ساتھ کھاؤ اس لیے کہ شبہ کا ترک کرنا ورع ہے اور راضی رکھنا والدین کا واجب تو واجب پر ورع کو تقدیم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کسی امر مباح یا نفل میں تم کو جائز نہیں کہ بدوں ان کی اجازت کے سفر کرو، اور خاص اسلام کے حج کو جلد جانا بھی نفل ہے اس لیے کہ اس کا ادا تاخیر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور طالب علم کے لیے سفر کرنا بھی نفل ہے مگر اس صورت میں کہ نماز اور روزہ اور دوسرے فرائض کا علم حاصل کرنا منظور ہو اور شہر میں کوئی بتانے والا نہ ہو، جیسے کوئی شخص مثلاً اول اول اسلام لایا، اور شہر میں شریعت اسلامیہ کا سکھانے والا کوئی نہیں تو اس صورت میں والدین کے حقوق کا مقید نہ رہے اور وطن چھوڑ دے، ورنہ بدوں ان کی مرضی کے سفر اختیار نہ کرے۔ حضرت ابوسعید خدری[1] رض فرماتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور جہاد کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے استفسار فرمایا کہ یمن میں تیرے والدین ہیں یا نہیں، اس نے عرض کیا کہ ہیں، آپ نے پوچھا کہ انہوں نے تجھ کو اجازت دے دی، اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اول جا کر اپنے والدین سے اجازت لے اگر وہ اجازت دیں تو جہاد کرنا، ورنہ جتنا تجھ سے ہو سکے ان کی اطاعت کرنا کہ یہ امر توحید کے بعد اور اعمال سے بہتر ہے جن کو تو خدائے تعالیٰ کے سامنے لے جائے گا۔ اور ایک اور شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جہاد کے باب میں آپ سے مشورہ لے، آپ نے اس سے دریافت[2] فرمایا کہ تیری ماں ہے کہ نہیں؛ اس نے عرض کیا کہ ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ رہ کہ جنت اس کے پاؤں تلے ہے۔ اور ایک اور شخص آپ کی خدمت میں حاضر[3] ہوا، اس کی درخواست تھی کہ ہجرت پر بیعت کرے اور عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں جب حاضر ہوا ہوں کہ اپنے والدین کو رلایا ہے، آپ نے فرمایا کہ تو ان کے پاس جا اور جیسا ان کو رلایا ہے اسی طرح ان کو ہنسا، اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[4] کہ حق کبیر الاخوۃ علیٰ صغیرھم کحق الوالد علیٰ ولدہ اور فرمایا کہ جب[5] تم میں سے کسی کی سواری شوخی کرے یا اس کی بی بی خواہ اور گھر والا بد خلق ہو جاوے تو چاہیئے کہ اس کے کان میں اذان کہے یعنی اس سے سواری کی شوخی اور آدمی کی بد خلقی زائل ہو جاوے گی۔

مملوک کے حقوق یہ ہیں واضح ہو کہ ملک کی دو قسمیں ہیں، ایک ملک نکاح، دوسری ملک رقبہ اول حقوق آداب نکاح میں گذر چکے، اور ملک رقبہ بھی کچھ حقوق کی مقتضی ہے جن کی رعایت لونڈی غلاموں کے ساتھ ضروری ہے اس لیے کہ سب سے پچھلی وصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے[6] یہی فرمائی کہ اپنے لونڈی غلام کے

---

[1] احمد و ابن حبان نے اس کو نقل کیا ہے لیکن اس میں ورنہ جتنا تجھ سے ہو سکے آخر تک نہیں ہے ۱۲ [2] نسائی و ابن ماجہ و حاکم بروایت معاویہ بن جاہمہ اور جاہمہ صاحب قصہ ہے ۱۲ [3] ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و حاکم بروایت عبد اللہ بن عمر رض ۱۲ [4] بھائیوں میں سے بڑے کا حق چھوٹے پر ایسا ہے جیسے باپ کا حق بیٹے پر۔ ابو داؤد و مرسل بروایت سعید بن عمرو بن عاص و ابن حبان بروایت ابی ہریرہ رض ۱۲ [5] ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت حسین بن علی رض مرتضیٰ بخوہ بسند ضعیف ۱۲ [6] یہ حدیث چند احادیث متفرق میں وارد ہے اول جملہ ابو داؤد میں بروایت علی مرتضیٰ رض وارد ہے اور دوسرا یعنی (باقی صد)

باب میں خدائے تعالیٰ سے ڈرو، جو کچھ تم کھاتے ہو اس میں سے ان کو کھلاؤ، اور جو پہنتے ہو اس میں سے ان کو پہناؤ۔ اور ان سے ایسے کام بزور مت لو جن کی طاقت نہ ہو اور جو تم کو پسند ہوں ان کو رہنے دو، اور جن کو برا جانو، فروخت کر ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب مت دو کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو تم کو ان کی ملک میں کر دیتا۔ اور ایک حدیث[۱] میں ارشاد فرمایا کہ مملوک کو کھانا اور لباس اچھی طرح دینا چاہیئے اور اس سے زبردستی وہ کام نہ لیا جائے جس کی اس کو طاقت نہ ہو۔ اور فرمایا[۲] لا یدخل الجنۃ خب ولا متکبر ولا خائن ولا سئی لملکتہ۔ اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر[۳] ہوا اور عرض کیا کہ ہم خادم کے کتنے بار قصور معاف کیا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔ اور حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ ہر شنبہ کے روز عوالی کو جایا کرتے جو مدینہ منورہ سے تین میل ہے پس اگر غلام کو ایسے کام میں پاتے جس کی طاقت اس کو نہ ہوتی تو اس سے کچھ کام کم کر دیتے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو اپنی سواری پر دیکھا اور اس کا غلام پیچھے دوڑتا آتا تھا، فرمایا کہ اے بندۂ خدا اس کو بھی اپنے پیچھے بٹھا لے کہ وہ تیرا بھائی ہے جیسی جان تجھ میں ہے ویسی ہی اس میں بھی ہے اس نے اس کو بھی بٹھا لیا پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوجاتا ہے جب تک کہ آدمی اس کے پیچھے پیادہ پا چلتے ہیں۔ اور حضرت ابودرداءؓ کی ایک لونڈی نے ان سے عرض کیا کہ میں نے ایک برس تک زہر دیا مگر تم میں کچھ اثر نہ ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے زہر کیوں دیا۔ اس نے عرض کیا کہ اس خیال سے کہ آپ سے راحت مل جائے، آپ نے فرمایا کہ تو جا میں نے خدائے تعالیٰ کی رضا کے لیے تجھ کو آزاد کیا۔ اور زہریؒ فرماتے ہیں کہ جب تو مملوک کو کہے کہ خدائے تعالیٰ تجھ کو رسوا کرے تو وہ آزاد ہے۔ اور احنف بن قیس سے کسی نے پوچھا کہ تم نے بردباری کس سے سیکھی، انہوں نے کہا کہ قیس بن عاصم سے، سائل نے کہا کہ ان کا حلم کیا مشہور ہے کہا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ان کی لونڈی ایک سیخ کباب کی ان کے پاس لائی، وہ سیخ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ان کے لڑکے پر گری جو اسی وقت زخمی ہو کر مر گیا، اس لونڈی کے حواس جاتے رہے اور نہایت ہراساں ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ بدون آزاد کرنے کے اس کا ڈر موقوف نہ ہوگا، اس سے کہا کہ خوف مت کر، جا تو آزاد ہے۔ اور عون بن عبداللہ کا غلام جب ان کی حکم عدولی کرتا تو فرماتے کہ تو اپنے آقا کے مثل ہو گیا کہ تیرا آقا اپنے خداوند کی نافرمانی کرتا ہے اور تو اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہے۔ ایک روز اس غلام نے ان کو بہت آزردہ کیا تو فرمایا کہ تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھ کو ماروں، سو یہ نہ ہوگا۔ جا تو آزاد ہے۔ اور میمون بن مہران کے پاس ایک لونڈی تھی، آپ کے یہاں کوئی مہمان آگیا، آپ نے لونڈی سے کہا کہ کھانا جلد لے آ، وہ ہاتھ میں بھرا پیالہ لے کر جلد چلی اور ایسی پھسلی کہ وہ پیالہ آقا کے سر پر گر گیا، انہوں نے فرمایا کہ تو نے مجھ کو جلا دیا، لونڈی نے عرض کیا کہ اے خیر کے سکھانے والے اور لوگوں کو ادب دینے والے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب کاربند ہو جیئے۔ انہوں

(بقیہ صفحہ) جو کچھ تم کھاتے ہو الخ صحیحین میں بروایت ابوذرؓ منقول ہے۔ اور تیسرا جملہ جو تم کو پسند ہو الخ ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے ۱۲

[۱] مسلم بروایت ابی ہریرۃؓ ۱۲ [۲] جنت میں داخل نہ ہوگا فریب دہندہ اور نہ تکبر کرنے والا اور نہ خائن اور نہ بدخلق احمد مجموعاً و ترمذی متفرقاً بروایت ابی بکرہ ۱۲ [۳] ابوداؤد و ترمذی اور کہا کہ حسن غریب ہے ۱۲

نے پوچھا کہ اللہ نے کیا ارشاد فرمایا ہے، اس نے کہا کہ وہ فرماتا ہے[ت۱] والکاظمین الغیظ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے غصہ کو ضبط کیا، اس نے کہا کہ آگے یہ ارشاد ہے[ت۲] والعافین عن الناس۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو معاف کیا، اس نے کہا کہ کچھ اور بھی سلوک کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[ت۳] واللہ یحب المحسنین۔ انہوں نے فرمایا کہ تو خدائے تعالیٰ کے لیے آزاد ہے۔ اور ابن منکدر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے غلام کو مارا[ح۴]، اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ خدائے تعالیٰ کے لیے اور اس کی رضا کے لیے مجھے چھوڑ دو، مگر اس شخص نے معاف نہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلام کی فریاد سنی اور اس شخص کے پاس قدم رنجہ فرمایا، جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، اپنا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس غلام نے تم کو خدا کے واسطے دیے، تم نے معاف نہ کیا، اب مجھ کو دیکھ کر دست کش ہوئے، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آزاد ہے خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے، آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تمہارا منہ پھونک دیتی۔ اور ایک حدیث[ح۵] میں ارشاد فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ اور جب ابو رافع آزاد ہوئے تو روئے اور کہا کہ مجھ کو دو ثواب ملتے تھے، اب ایک جاتا رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح۶] کہ میرے سامنے تین ایسے شخص پیش کیے گئے جو سب سے پیشتر جنت میں جائیں گے۔ اور تین ایسے جو اول دوزخ میں داخل ہوں گے، جو تین کہ اول جنت میں داخل ہوں گے، ایک شہید ہے، دوم غلام جس نے اپنے پروردگار کی عبادت اچھی طرح کی۔ اور اپنے آقا کی خیر خواہی کی، سوم پارسا عیالدار، سوال کا تارک۔ اور جو تین دوزخ میں اول جائیں گے، ایک امیر ظالم، دوسرا مالدار کہ خدائے تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا، تیسرے فقیر شیخی باز۔ اور ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ اتنے میں اپنی پشت کی جانب سے دو بار آواز سنی، خبردار اے مسعود، میں نے جو منہ پھیر کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، میں نے کوڑا ہاتھ سے ڈال دیا، آپ نے فرمایا کہ بخدا جتنی قدرت تجھ کو اس پر ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر قدرت ہے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب کوئی تم میں خادم مول لے تو چاہیے کہ اول اس کو شیرینی کھلائے کہ اس کے نفس کے حق میں یہ اچھی ہے اس حدیث کو معاذ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے[ح۷] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے[ح۸] کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لاوے تو چاہیے کہ اس کو ساتھ بٹھلا کر کھلائے، اور اگر ایسا نہ کرے تو اس کو علیحدہ دیدے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب کسی کے غلام نے کھانا تیار کر کے اس کو پکانے اور ریندھنے کی محنت سے بچا دیا اور کھانا اس کے سامنے لا رکھا تو چاہیے کہ اس کو بٹھلا کر ساتھ کھلائے ورنہ علیحدہ دیدے، یا ایک لقمہ کو روغن میں تر کر کے اس کے ہاتھ پر رکھ دے اور کہے کہ اس کو کھالے، اور جب آپ نے فرمایا کہ روغن میں تر کر کے تو ہاتھ سے اشارہ بھی کر دیا کہ ایسا تر کرے۔ اور ایک شخص حضرت سلمان فارسی کی خدمت میں گیا، دیکھا کہ آپ آٹا گوندھتے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کیوں گوندھتے ہیں خادم کہاں ہے فرمایا

ت۱ اور جو لوگ غصہ کو دباتے ہیں ۱۲ ت۲ اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں ۱۲ ت۳ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو ۱۲ ح۴ ابن مبارک در زہد ہکذا مرسلاً ۱۲، ح۵ بخاری و مسلم بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲ ح۶ ترمذی و ابن حبان بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ح۷ اس کو مسلم نے نقل کیا ہے ۱۲ ح۸ طبرانی در اوسط خرائطی در مکارم اخلاق ۱۲، ح۹ بخاری و مسلم باختلاف الفاظ و خرائطی در مکارم اخلاق بلفظ مصنف ۱۲

کہ اس کو ہم نے اور کام کو بھیجا ہے، ہم کو اچھا نہ معلوم ہوا کہ اس پر دو کام اکٹھے کر دیں۔ اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۱] من كانت عنده جارية فعالها واحسن اليها ثم اعتقها وتزوجها فذالك له اجران اور ایک اور حدیث میں فرمایا[۲] کلکم راع وکلکم مسئول عن رعيته۔ غرض کہ مملوک کے حقوق مجمل یہ ہیں کہ خوراک اور پوشاک میں ان کو اپنا شریک کرے اور طاقت سے زیادہ کام نہ لیوے، اور ان کی طرف تکبر اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھے، اور ان کے قصور معاف کرے اور جب ان پر غصہ آوے تو یوں سوچے کہ میں بھی تو آخر اللہ تعالیٰ کی سرکار کا غلام ہوں، اس کی اطاعت میں قصور کرتا ہوں اور وہ سزا نہیں دیتا۔ اگر اس نے کوئی خطا کی تو کیا عجب ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ مجھ پر زیادہ قادر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اس پر قادر ہوں۔ فضالہ بن عبید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ تین شخصوں کی پرسش نہ ہوگی، ایک جو جماعت سے علیحدہ ہوا، دوم جس نے امام کی نافرمانی کی اور اسی حالت میں مرا، ان دونوں کی پرسش نہ ہوگی، سوم وہ عورت جس کا خاوند چلا گیا اور دنیا کی ضروریات سے اس کو فارغ کر گیا، مگر اس کے بعد اس نے بناؤ سنگار کیا اور باہر نکلی تو اس کی بھی پرسش نہ ہوگی۔ اور تین اور ہیں جن کے حال کی پرسش نہ ہوگی، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی چادر میں منازعت کرے، اور اس کی چادر کبریا اور ازار عزت ہے اور ایک وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ سے شک میں ہے اور ایک وہ کہ اس کی رحمت سے ناامید ہو۔ ف چادر کبریا ہے ازار عزت ہے یہ جملے بطور مثال کے ہیں جیسے ایک چادر اور ازار میں دوسرا شریک نہیں ہوتا، ویسے ہی خدائے تعالیٰ اپنی کبریائی اور عزت میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ باب آداب صحبت تمام ہوا۔ والحمد لله اولاً واخراً وظاهراً وباطناً والسلام على كل عبد مصطفیٰ۔

باب ۶: گوشہ نشینی کے آداب

رباعی

دنیا میں بہت کم ہیں جو ہوں خوش طینت ان لوگوں کے ملنے سے بھلی ہے عزلت
بچنا جو منظور تو سن اے احسنؔ وحدت میں سلامت ہے دوئی میں آفت

واضح ہو کہ گوشہ نشینی اور اختلاط میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ باوجودیکہ ہر ایک میں کچھ خرابیاں ہیں جن کے باعث آدمی کو نفرت ہوتی ہے۔ اور کچھ خوبیاں ہیں کہ ان کی جہت سے رغبت ہوتی ہے۔ اور اکثر عابدوں اور زاہدوں کا میل اختیار عزلت کی جانب ہے اور اس کو اختلاط پر ترجیح دیتے ہیں، اور ہم نے باب پنجم میں جو اختلاط

[۱] جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کی پرورش کرے اور اس کے ساتھ سلوک کرے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس شخص کو دو ثواب ملیں گے بخاری ومسلم بروایت ابی موسیٰ ۱۲ [۲] تم سب رعیت دار ہو اور تم میں ہر ایک سے حال اس کی رعیت کا پوچھا جائے گا بخاری ومسلم بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [۳] طبرانی وحاکم نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲

اور اخوت اور الفت کی فضیلت مذکور کی، وہ گویا اس مضمون کے مخالف پڑتی ہے جس کی طرف اکثروں کا میل ہے کہ خلوت اختیار کرتے ہیں، اس لیے اس بارے میں امر حق کو واضح کر دینا ضرور ہوا اور یہ مطلب دو فصلوں کے لکھنے سے ہوگا۔

پہلی فصل: گوشہ نشینی کے سلسلہ میں مذاہب مختلفہ کے دلائل

مذہبوں کا اختلاف اس باب میں اتنا ہوا ہے کہ تابعین میں بھی ظاہر ہوا، چنانچہ سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادہمؒ اور داؤد طائی بن عیاض اور سلیمان خواص اور یوسف بن اسباط اور حذیفہ مرعشی اور بشر حافی کا مذہب یہ ہے کہ عزلت اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اختلاط پر اس کو فضیلت ہے۔ اور اکثر تابعین یہ فرماتے ہیں کہ اختلاط کرنا اور بہت سے یار اور دوست بنانے اور مؤمنین سے الفت اور محبت، ہم پہنچانی اور دین پر ان کے سبب سے مدد چاہنی مستحب ہے اس لیے کہ نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کو مدد دینا اسی صورت میں پایا جاتا ہے جس کا حکم وتعاونوا علی البر والتقویٰ میں ہے اور اس رائے کی طرف سعید بن مسیب اور شعبی اور ابن ابی لیلیٰ اور ہشام بن عروہ اور ابن شبرمہ اور شریح اور شریک بن عبداللہ اور ابن عیینہ اور ابن مبارک اور شافعی اور احمد بن حنبل اور دوسرے بہت لوگ مائل ہیں اور علماء نے جو اس باب میں جملے فرمائے ہیں ان میں سے بعض تو مطلق ہیں جیسے دونوں رایوں میں سے ایک کی جانب میل پایا جاتا اور بعض میں کچھ ایسے کلمات بھی ہیں جن سے میل کی علت معلوم ہوتی ہے۔ اب ہم اول قسم کے جملوں کو لکھتے ہیں اور دوسری قسم کے جملوں کو وہاں لکھیں گے جہاں خرابیوں اور فوائد کا ذکر کریں گے۔ پس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم سب اپنا اپنا حصہ عزلت میں سے لو۔ اور حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ عزلت عبادت ہے اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محب ہونے کے لیے کافی ہے اور قرآن مونس ہونے کو اور موت واعظ ہونے کو کفایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ساتھی بنالے اور لوگوں کو ایک طرف کر۔ اور ابو الربیع زاہد نے داؤد طائی سے کہا کہ مجھ کو نصیحت فرمایئے، انھوں نے فرمایا کہ دنیا سے روزہ رکھ اور آخرت کو اپنے افطار کے لیے مقرر کر، اور لوگوں سے ایسا بھاگ جیسا شیر سے بھاگتا ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کچھ جملے مجھ کو توریت کے یاد ہیں۔ آدمی نے قناعت کی اور بے پرواہ ہوا۔ لوگوں سے علیحدہ ہوا اور سالم رہا، شہوتوں کو ترک کیا اور آزاد ہوا۔ حسد کو ترک کیا تو صاحب مروت ہوا۔ تھوڑا صبر کیا تو بہت نفع اٹھایا اور وہیب بن الوردؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ حکمت کے دس جزو میں نو تو سکوت میں ہیں، اور ایک آدمیوں سے عزلت اختیار کرنے میں، اور یوسف بن مسلم نے علی بن بکار سے کہا کہ آپ تنہائی پر بڑے صابر ہیں اور علی بن بکار ان دنوں میں اپنے گھر بیٹھ رہے تھے باہر نہ نکلتے تھے انھوں نے جواب دیا کہ جوانی میں تو اس سے بھی زیادہ چیز پر صبر کرتا تھا۔ یعنی لوگوں کے پاس بیٹھتا تھا اور ان سے کلام نہ کرتا تھا۔ اور سفیانؒ ثوری فرماتے ہیں کہ اب وہ زمانہ ہے کہ آدمی چپ ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہے، اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ہم ایک کشتی پر سوار تھے اور ہمارے ساتھ ایک جوان شخص علوی بھی سوار تھا سات روز ہمارے ہمراہ رہا مگر ہم نے اس کو بولتے نہ سنا آخر ہم نے اس سے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے ہم کو اور تم کو سات دن سے یکجا کیا ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم ہم سے نہ ملو نہ بولو، اس نے اس مضمون کا قطعہ پڑھا۔

قطعہ

بکھیڑا کم ہے نہ غم ہے پسر کے مرنے کا یہ ڈر ہے یہ کہ کوئی امر فوت ہووے گا
یہ علم سیکھا ہے طفلی کی چاؤ پوری کر نہایت اس کی ہے تنہائی اور چپ رہنا

اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے کہا کہ علم تحصیل کر، پھر عزلت اختیار کر، اور ایسا ہی ربیع بن خثیم رح نے فرمایا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس رض جنازوں پر آتے تھے اور بیماروں کو پوچھتے اور یار دوستوں سے ملتے تھے، مگر رفتہ رفتہ ایک ایک بات ترک کی یہانتک کہ سب کو چھوڑ دیا اور فرمایا کرتے کہ آسان بات نہیں کہ آدمی اپنے سب عذروں کو بیان ہی کر دیا کرے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رض سے کسی نے کہا کہ بہتر ہو اگر آپ کچھ فرصت ہم لوگوں کے لیے نکال لیں، آپ نے فرمایا کہ فرصت رخصت ہوئی اب خدائے تعالیٰ کے پاس ہی فرصت ملے گی۔ اور فضیل رح فرماتے ہیں کہ میں آدمیوں کا ممنون ہوں اگر وہ رستہ میں مجھ سے ملے اور مجھ کو سلام نہ کرے اور جب میں بیمار پڑوں تو عیادت نہ کرے۔ اور ابو سلیمان دارانی رح فرماتے ہیں کہ ربیع بن خثیم رح اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک پتھر آپ کی پیشانی پر لگا اور اس کو زخمی کیا، آپ پیشانی پر خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ اے ربیع اب تو تجھ کو نصیحت ہوگئی، پھر اٹھ کر مکان میں چلے گئے اور اپنے جنازہ کے نکلنے تک پھر کبھی دروازے پر نہ بیٹھے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید عقیق میں اپنے اپنے گھروں کے اندر بیٹھ رہے، مدینہ منورہ میں جمعہ کو نہ آتے تھے یہاں تک کہ عقیق ہی میں دونوں کا انتقال ہوا۔ اور یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رح کو کہتے سنا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ اب عزلت ضروری ہوگئی۔ اور بشیر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے شناسائی کم کرو اس لیے کہ تم کو کیا خبر ہے کہ قیامت میں تمہارا کیا حال ہوگا، اگر بالفرض رسوائی ہوگی تو تمہارے واقف کار تھوڑے ہی ہوں تو بہتر ہے۔ اور کوئی امیر حاتم اصم رح کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آپ کو مجھ سے کام ہو تو ارشاد فرمائیے، انہوں نے فرمایا کہ بڑا مطلب یہ ہے کہ نہ تو مجھ کو دیکھے اور نہ میں تجھ کو۔ اور ایک شخص نے سہیل تستری رح سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ آپ کے پاس رہوں، آپ نے فرمایا کہ ہم دونوں میں سے جب ایک شخص مرجائے گا اس وقت کون ساتھ ہوگا، جو اس وقت ساتھی ہو اس کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اور فضیل رح سے کسی نے کہا کہ تمہارا لڑکا علی یہ کہتا ہے کہ کاش میں ایسی جگہ ہوں کہ لوگوں کو دیکھوں اور وہ مجھ کو نہ دیکھیں، فضیل رح رو پڑے اور کہا افسوس ہے علی کے حال پر اس نے بات کہی مگر ادھوری کہی، پوری جب ہوتی کہ یوں کہتا کہ نہ میں لوگوں کو دیکھوں نہ وہ مجھے دیکھیں۔ اور یہ بھی فضیل رح کا قول ہے کہ بہت سے لوگوں سے شناسائی ہونی آدمی کے عقل کے ضعیف ہونے کی علامت ہے اور حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ مجلسوں میں سے افضل وہ ہے جو تمہارے گھر کے اندر ہو کہ نہ تم کسی کو دیکھو اور نہ کوئی تم کو دیکھے غرضکہ جو لوگ عزلت کی طرف مائل ہیں یہ ان کے اقوال ہیں۔ اب مناسب ہے کہ اس فصل کو دو بیانوں میں منقسم کیا جائے اور ہر ایک بیان میں فریقین کی حجتیں اور ان کا خلل ذکر کیا جائے۔

ان کے دلائل جو اختلاط کو پسند کرتے ہیں

ان لوگوں کی اول دلیل یہ آیت ہے[1] ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا الآیۃ اور یہ آیت ہے[2] واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ

[1] اور مت ہو ان کی طرح جو پھوٹ گئے اور اختلاف کرنے لگے ۱۲ [2] اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اور جب تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں ۱۲

نے لوگوں پر اپنا احسان بتایا کہ ان میں سبب الفت پیدا کیا اور یہ دلیل ضعیف ہے اس لیے کہ تفریق سے مراد اس آیت میں قرآن مجید اور اصول شریعت میں راویوں کا جدا ہونا اور مذہبوں کا اختلاف ہے اور الفت سے یہ غرض ہے کہ دلوں میں ان کینوں کو نکال ڈالا جو موجب فتنہ اور باعث خصومات ہوں اور عزلت ان امور کی منافی نہیں، یہ باتیں اس میں بھی ممکن ہیں، دوسری دلیل یہ حدیث شریف ہے[1] المومن الف مألوف ولا خیر فیمن لا یالف ولا یولف اور یہ بھی ضعیف ہے کہ اس میں اشارہ بد خلقی کی برائی کی طرف ہے جس کے سبب سے الفت نہیں ہو سکتی، اس کا مصداق وہ شخص نہیں ہے جو خوش خلق ہو اور اگر اختلاط کرے تو خود دوسروں سے الفت کرے۔ اور دوسرے اس سے الفت کریں لیکن اپنے نفس کی سلامتی اور اصلاح کے مارے اختلاط کو ترک کر دیا ہو، تیسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[2] من فارق الجماعۃ فقد مات میتۃ جاھلیۃ اور ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا[3] من شق عصا المسلمین والمسلمون فی اسلام دامج فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ اور یہ دلیل بھی ضعیف ہے اس لیے کہ جماعت سے یہاں وہ جماعت مراد ہے جو ایک امام کی بیعت پر متفق ہو گئی ہو تو جو شخص ان لوگوں کے ساتھ اختلاف کرے گا وہ باغی ہوگا، تو جدائی سے غرض رائے کی مخالفت ہے اور یہ اس لیے ممنوع ہے کہ مخلوق کے لیے ایک امام ضرور ہونا چاہیے جس کی وہ اطاعت کریں، اور سب اس پر متفق ہو جائیں اور یہ صورت بدون اکثروں کی بیعت کے ہو نہیں سکتی اس لیے اس امر میں مخالف ہونا معاملہ دینی کو برہم کرنا اور فتنہ کو برپا کرنا ہے اس میں عزلت کا کچھ ذکر نہیں۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ترک ملاقات سے منع فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا[4] جو شخص اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے اور مر جائے تو دوزخ میں جاوے گا۔ اور فرمایا،[5] کسی مرد مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے، اور جو ملاقات میں سبقت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور فرمایا[6] جو شخص اپنے بھائی کو چھ دن سے زیادہ چھوڑے تو وہ مثل اس کے قاتل کے ہے۔ پس اگر آدمی عزلت کرے گا تو بالکل دوست آشناؤں کو چھوڑ دے گا جو ان احادیث کی رو سے ممنوع ہے۔ اور یہ دلیل بھی ضعیف ہے کیونکہ اس چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے ناراض ہو کر بات کرنی اور سلام اور معمولی اختلاط ترک کرے، اس میں یہ صورت داخل نہیں کہ بدون ناراضی کے اختلاط ترک کرے۔ علاوہ اس کے دو جگہ میں تین دن سے زائد بھی ترک اختلاط درست ہے، ایک یہ کہ معلوم ہو کہ تین دن سے زائد چھوڑنے میں دوسرا شخص روبراہ ہو جائے گا۔ دوم یہ کہ اپنی سلامتی اسی میں سمجھے۔ اور ممانعت حدیث کی ہر چند عام ہے مگر اس میں سے یہ دونوں صورتیں مخصوص و مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے[7] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ذوالحجہ اور محرم اور صفر کے کچھ دنوں تک چھوڑ دیا تھا اور حضرت

---

[1] ایماندار الفت کرنے والا ہے اور الفت کیا گیا، اور نہیں بہتری اس شخص میں کہ نہ الفت کرے اور نہ کیا جائے ۱۲ اس کی سند فصل اول باب آداب صحبت میں گزری ۱۲ [2] جو شخص جماعت سے جدا ہوا اور مر جائے تو اس کی موت حالت جاہلیت کی سی موت ہے ۱۲ مسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ [3] جو شخص مسلمانوں کی مخالفت کرے اس حال میں کہ مسلمان اسلام مجتمع میں ہوں تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پھندا نکال دیا۔ طبرانی و خطابی در عزلت بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [4] ابوداؤد بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ [5] اول جملہ کو بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ نقل کیا ہے اور دوسرا جملہ اور لفظوں سے طبرانی نے نقل کیا ہے ۱۲ [6] ابوداؤد بروایت ابوخراش میں کہتا ہوں کہ ابوداؤد کی اس روایت میں بجائے چھ دن کے ایک سال مذکور ہے ۱۲ [7] ابوداؤد نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے کہ آپ نے ام المومنین زینبؓ کو اس مدت تک چھوڑا تھا ۱۲

عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی[ح١] ازواج مطہرات کو ایک مہینے کو ترک کیا تھا اور ان سے قسم کھائی تھی، اور اپنے اس مقام میں چڑھ گئے تھے جس میں آپؐ کا غلہ وغیرہ رہتا تھا اس میں انتیس[٢٩] دن ٹھہرے جب آپ اُترے تو عرض کیا گیا کہ آپ تو انتیس[٢٩] دن رہے، آپؐ نے فرمایا کہ مہینہ کبھی انتیس[٢٩] دن کا ہوتا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح٢] کہ کسی مرد مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زائد چھوڑے مگر اس صورت میں کہ اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہو۔ تو اس حدیث میں تخصیص کی صراحت موجود ہے اور حضرت حسن بصریؒ کا قول اسی حدیث پر مبنی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ احمق سے جدا رہنا خدائے تعالیٰ کے قریب ہے یعنی زندگی بھر اس سے جدائی چاہیئے کیونکہ حماقت کا علاج ممکن نہیں۔ اور محمد بن عمر واقدی کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے دوسرے سے ترکِ ملاقات کی اور مرنے تک نہ ملا، انہوں نے کہا کہ یہ معاملہ پہلے بھی کچھ لوگوں نے کیا ہے۔ چنانچہ سعد بن وقاصؓ نے عمار بن یاسرؓ سے ملاقات ترک کی یہاں تک کہ دونوں کی وفات ہوئی۔ اور حضرت عثمان غنیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نہ ملتے تھے۔ اور حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ کو چھوڑ دیا تھا۔ اور طاؤس نے وہب بن منبہؒ سے ملاقات زندگی بھر کو چھوڑ دی تھی اور یہ جدائی اس بات پر محمول ہے کہ ان بزرگوں نے اپنی سلامتی اس میں دیکھی تھی۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ مروی ہے کہ کوئی شخص کوہستان میں گیا کہ وہاں عبادت کرے، اس کو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لائے آپؐ نے فرمایا[ح٣] کہ ایسا نہ کر، اور تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے اس لیے کہ بعض اسلام کے مواقع میں تم میں سے کسی کا رہنا تنہائی چالیس[ح٤] برس عبادت سے بہتر ہے۔ اور غالباً یہ اس لیے فرمایا تھا کہ اس وقت ابتداء اسلام میں جہاد بہت ضرور تھا اور عزلت سے جہاد چھوٹا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ آنحضرت[ح٤] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جہاد کو نکلے، ہمارا گذر ایک گھاٹی پر ہوا جس میں ایک چھوٹا سا چشمہ ستھرے پانی کا تھا، ایک شخص نے ہم میں سے کہا کہ خوب ہو کہ اس گھاٹی میں لوگوں سے علیحدہ ہو کر عزلت کروں مگر جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر نہ کر لوں گا تب تک ایسا نہ کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کر، کیونکہ خدا کی راہ میں تم میں سے کسی کا ٹھہرنا اپنے گھر میں ساٹھ برس عبادت کرنے سے بہتر ہے، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدائے تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے اور تم جنت میں داخل ہو، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ اس لیے جو کوئی خدا کی راہ میں اتنی دیر لڑے گا جتنی دودھ کی دھاریں نکالنے کے بیچ میں عرصہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ چھٹی دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ح٥] ان الشیطٰن ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ القاصیة والناحیة والشاذة وایاکم والشعاب وعلیکم بالعامة والجماعة والمساجد اور اس حدیث میں ایسا شخص مراد ہے جو علم کی تکمیل سے پیشتر عزلت کرے اور اس کا بیان عنقریب آوے گا اور یہ بھی کہ قبل تحصیل علم عزلت ممنوع ہے مگر ضرورت کے لیے مضائقہ نہیں۔

ح١ بخاری و مسلم نے اس کو نقل کیا ہے ١٢ ح٢ ابن عدی نے کہا کہ متن و اسناد دونوں غریب ہیں ١٢ ح٣ بیہقی بروایت عسس بن سلامہ ١٢ ح٤ ترمذی اور حاکم نے اس کو نقل کیا ہے مگر ترمذی نے کہا تعداد برسوں کی ستر لکھی ہے ١٢ ح٥ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے۔ آدمی کو بکری کے بھیڑیے کی طرح پکڑ لیتا ہے۔ دور والی اور کنارہ پر کی اور اکیلی کو، اور بچو تم متفرق ہونے سے اور ساتھ ہو سب سے اور جماعت اور مسجدوں کا ساتھ، احمد و طبرانی نے اس کو نقل کیا ہے راوی سب ثقہ ہیں مگر سند انقطاع ہے ١٢

گوشہ نشینی کے حق میں دلائل

ان لوگوں کی دلیل اوّل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کا قول نقل فرماتا ہے[ت1] واعتزلکم وما تدعون من دون الله وادعوا ربی الآیۃ اور یہ ارشاد فرمایا[ت2] فلما اعتزلھم وما یعبدون من دون الله وھبنا لہ اسحٰق ویعقوب وکلا جعلنا نبیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ نعمت عزلت کے باعث سے ملی، اور دلیل ضعیف ہے اس لیے کہ ہر کافروں کے اختلاط سے یہی فائدہ ہے کہ ان کو اسلام کی طرف بلائیں اور جب اس سے ناامید ہو اور جان لیا جائے کہ یہ لوگ نہ مانیں گے تو بجز ان کو چھوڑ دینے کے اور کوئی صورت نہیں، اور گفتگو مسلمان کے اختلاط میں ہے کہ ان کے ملنے سے برکت ہوتی ہے، چنانچہ مروی ہے[خ3] کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو مٹی کے ڈھکے ہوئے برتنوں سے وضو کرنا زیادہ پسند ہے یا ان پانی کے حوضوں سے جن سے لوگ طہارت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان پانی کے حوضوں سے وضو کرنا محبوب ہے اس لیے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت حاصل ہو۔ اور مروی ہے[خ4] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب خانہ کعبہ کا طواف کیا تو چاہِ زمزم کی طرف توجہ فرمائی کہ اس کا پانی نوش فرمائیں، اتنے میں دیکھا کہ چمڑے کے کنڈوں میں کھجوریں بھیگی ہوئی ہیں اور لوگوں نے ان کو ہاتھوں سے مل دیا ہے اور اسی کو لیکر پی رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بھی اس میں سے پلاؤ، حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ یہ تو نبیذ ہے کہ ہاتھوں سے ملا اور گھولا گیا ہے، آپ فرمائیں تو ان ڈھکے ہوئے گھڑوں میں سے جو مکان کے اندر ہے ستھرا شربت لادوں، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اسی میں سے پلاؤ جس میں سے لوگ پیتے ہیں مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت کا خواہاں ہوں، غرضکہ اس میں سے نوش فرمایا۔ حاصل یہ کہ کفار اور اصنام سے عزلت کرتے سے کس طرح نکلتا ہے کہ مسلمانوں سے عزلت چاہیئے حالانکہ ان کے اختلاط میں بہت سی برکت ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا۔ وان لم تؤمنوا لی فاعتزلون یعنی یاس کی صورت میں آپ نے عزلت کی طرف التجا کی، اور اصحابِ کہف کے حال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت5] واذا اعتزلتموھم وما یعبدون الا الله فاووا الی الکھف ینشر لکم ربکم من رحمتہ اس میں عزلت کے لیے امر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب قریش نے ایذا دی[خ6] اور آپ پر جفا کی تو آپ ان سے علیحدہ ہو کر پہاڑ کی گھاٹی میں چلے گئے اور اپنے یارانِ خاص کو عزلت کا اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ سب ہجرت کر گئے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنا بول بالا کیا، سب مدینہ منورہ میں آپ سے جا ملے اس دلیل میں بھی یہی بات ہے کہ کافروں سے جس وقت یاس ہوئی ان سے عزلت اختیار کی، یہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے عزلت کی ہو یا کفار میں سے جس کے مسلمان ہونے کی توقع تھی اس سے علیحدگی اختیار فرمائی ہو۔ اور اصحابِ کہف نے باہم دیگر عزلت نہیں کی، حالانکہ سب ایماندار تھے بلکہ کفار سے علیحدگی کی تھی اور گفتگو مسلمانوں سے عزلت

ت1 اور کنارہ پکڑتا ہوں تم سے اور جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا، اور پکاروں گا اپنے رب کو ۱۲ ت2 پھر جب کنارہ ہوا ان سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہے ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوبؑ دونوں کو نبی کیا ۱۲ خ3 طبرانی در اوسط روایت ابن عمرؓ اور اس میں کسی قدر ضعف ہے ۱۲ خ4 امرزقی اور تاریخ مکہ بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف بروایت طاؤس مرسلاً ۱۲ خ اور اگر یقین نہیں کرتے مجھ پر تو مجھ سے کنارہ ہو جاؤ ۱۲ ت5 اور جب تم نے کنارہ پکڑا ان سے اور جس کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا اب جا بیٹھو اس کھوہ میں، پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ مہر ۱۲ خ6 موسٰی بن عقبہ در مغازی بروایت ابن شہاب مرسلاً اور ابن اسحاق بروایت مرسلاً در ابن اسحاق ام سلمہ وابو داؤد بروایت ابی ابن کعبؓ ۱۲

کرنے میں ہے پس اصحاب کہف کی عزلت حجت نہیں ہو سکتی۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقبہ بن عامر جہنی نے پوچھا[1] کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجات کی کیا صورت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے مکان ہی کے ہو رہو اور اپنی زبان بند کرو اور اپنی خطا پر روؤ۔ اور مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کون سا آدمی افضل ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا[2] مومن مجاھد بنفسہ ومالہ فی سبیل اللہ تعالیٰ قیل ثم من قال رجل معتزل فی شعب من الشعاب یعبد ربہ ویدع الناس من شرہ۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[3] ان اللہ یحب العبد التقی الغنی الخفی۔ اور ان احادیث سے حجت لانے میں بحث ہے اس لیے کہ آپؐ کا ارشاد عقبہ بن عامر کو اس وجہ سے تھا کہ آپ نے ان کا حال نور نبوت سے دریافت کر لیا تھا کہ ان کے حق میں گھر میں بیٹھ رہنا اختلاط کی نسبت کر لائق اور سالم تر ہے کیونکہ سب اصحابؓ کو آپؐ نے یہ حکم نہیں دیا اور ایسا اکثر ہوتا ہے کہ کسی شخص کے حق میں عزلت ہی میں سلامتی ہوتی ہے نہ اختلاط میں جیسے بعض کے حق میں گھر بیٹھ رہنا اچھا ہوتا ہے، جہاد میں جانے سے اور اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ مطلقاً ترک جہاد افضل ہو اور لوگوں کے اختلاط میں مجاہدہ اور مشقت ہوا کرتی ہے اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے[4] کہ جو شخص لوگوں سے اختلاط کرتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے وہ اس کی نسبت کہ بہتر ہے جو لوگوں سے نہ ملے اور ان کی ایذا پر صبر کرے۔ اور اسی امر پر یہ ارشاد آپؐ کا محمول ہے رجل معتزل یعبد ربہ ویدع الناس من شرہ اس میں اشارہ اس شخص کی طرف ہے جو سرشت میں شریر ہو اور لوگ اس کے اختلاط سے ایذا پاویں، اور یہ جو آپ کا ارشاد ہے ان اللہ یحب التقی الغنی الخفی اس میں اشارہ ہے گمنامی کے اختلاط کرنے اور شہرت سے محترز رہنے کے لیے اور یہ امر عزلت سے متعلق نہیں اس لیے کہ بہت سے راہب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو تمام خلق جانتی ہے اور بہت سے اختلاط کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کی شہرت کچھ بھی نہیں ہوتی، تو پھر ایسی حدیث کو حجت ٹھہرانا جو عزلت سے متعلق ہی نہیں کیا مفید ہوگا۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو ارشاد فرمایا[5] کہ کیا میں تم کو سب لوگوں میں سے بہتر کو نہ بتاؤں، انہوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، آپؐ ارشاد فرما دیجیے۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے مغرب کی طرف اشارہ کیا، پھر فرمایا کہ بہتر وہ شخص ہے جو خدائے تعالیٰ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے منتظر ہے کہ خود دھاوا کرے یا دوسرے لوگ اس پر دھاوا کریں۔ اور میں تم کو وہ بھی بتاتے دیتا ہوں جو بعد اس کے سب سے اچھا ہے اور اپنے ہاتھ سے حجاز کی طرف کو اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے بعد وہ آدمی ہے جو بکریوں کے گلہ میں نماز ادا کرتا ہے۔ اور زکوٰۃ دیتا ہے اور اپنے مال میں خدائے تعالیٰ کا حق پہچانتا ہے۔ اور لوگوں کے شروں سے الگ ہے۔ اب فریقین کی حجتیں بیان کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ دونوں جانب کی دلیلوں سے خاطر خواہ تسکین نہیں ہوتی اس لیے ضرور ہوا کہ عزلت کے فوائد اور

---

[1] ترمذی بروایت عقبہ بن عامر ۱۲ [2] ایماندار حرب کرنے والا اپنی جان اور مال سے خدا کی راہ میں کسی نے عرض کیا کہ پھر کون افضل ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جو کسی کھوہ میں پہاڑ کی گھاٹیوں سے کنارہ کر کے اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے بچا دے، بخاری و مسلم بروایت ابی سعیدؓ [3] اللہ تعالیٰ چاہتا ہے بندہ پرہیزگار مالدار گوشہ گیر مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص ۱۲ [4] ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [5] طبرانی بروایت ام بشر مگر اس میں مشرق ہے بجائے مغرب کے اور اس کو ترمذی اور نسائی نے بھی مختصراً بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے ۱۲

ضرورتوں کو مفصل لکھ کر اور ایک دوسرے کو مقابل کر کے دیکھیں تاکہ امر حق واضح ہو جائے۔

دوسری فصل: عزلت و گوشہ نشینی کے سلسلہ میں فیصلہ کن کلام

واضح ہو کہ عزلت اور اختلاط میں لوگوں کا اختلاف ایسا ہے جیسا نکاح اور تجرد کی فضیلت میں اختلاف ہے اور باب النکاح میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مطلق فضیلت ایک کو دوسرے پر نہیں کہہ سکتے، بلکہ احوال اور اشخاص کے لحاظ سے کسی کے حق میں نکاح افضل ہے اور کسی کے حق میں ترکِ نکاح، چنانچہ نکاح کے آفات و فوائد کو مفصل بیان کر کے ہم نے اس حکم کو متفرع کیا ہے۔ پس اسی طرح ہم مضمون متنازع فیہ کو بیان کرتے ہیں اور عزلت کے فوائد کو لکھتے ہیں۔ عزلت کے فوائد دو قسم ہیں۔ ایک دنیاوی اور ایک دینی جیسے تنہائی میں عبادت اور فکر اور تربیتِ علمی پر مواظبت کرنے سے طاعتوں کا حاصل کرنا یا جن منہیات کا مرتکب ہونا اختلاط پر منحصر ہے، ان سے بچا رہنا مثلاً ریا اور غیبت کرنا اور امر معروف اور نہی منکر سے ساکت رہنا اور جلیسان بد کے برے اخلاق اور خبیث اعمال کا اپنی طبیعت میں آجانا وغیرہ۔ اور فوائد دنیاوی یہ ہیں کہ خلوت میں تحصیل پر قادر ہونا جیسے پیشہ در تنہائی میں اپنا کام خوب کرتے ہیں اور ان خرابیوں سے بچا رہنا جو اختلاط کی صورت میں پیش ہوتی ہیں مثلاً دنیا کی بہار کو تاکنا اور لوگوں کا بہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہونا، اور خود دوسروں کی چیز پر طمع کرنا اور اپنی چیز میں دوسروں کا طمع کرنا۔ اور اختلاط کی جہت سے پردۂ مروت کا دور ہونا اور ہمنشین کی بری عادت سے ایذا پانا یعنی بات کاٹنے یا بدگمان ہونے یا چغلی کھانے یا باہم حسد کرنے سے اس کی بدصورتی اور گرانی سے ایذا پانا کہ عزلت کے باعث ان سب سے محفوظ رہتا ہے غرضکہ سب فوائد عزلت کے یہی ہیں ان کو ہم چھ فائدوں میں منحصر کرتے ہیں۔

فوائد

پہلا فائدہ عزلت کا یہ ہے کہ عبادت اور فکر کے لیے فارغ ہونا اور خلق کی مناجات کے عوض میں اللہ تعالیٰ کی مناجات سے انس حاصل کرنا اور معاملۂ دین دنیا اور ملکوت زمین و آسمان میں اسرارِ الٰہی کے معلوم کرنے میں لگا رہنا نصیب ہوتا ہے کیونکہ یہ امور فراغ کو چاہتے ہیں۔ اور اختلاط کی صورت میں فراغ میسر نہیں، پس عزلت ہی ان امور کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اور اسی لیے کسی حکیم نے کہا ہے کہ کوئی شخص بدوں کتاب اللہ کے تمسک کے خلوت نہیں کر سکتا اور جو لوگ کتاب اللہ پر تمسک کرتے ہیں وہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دنیا سے راحت پائی اور اللہ تعالیٰ کی یاد اسی کے سبب سے کرتے ہیں ذکر اللہ ہی پر زندہ رہے اور ذکر اللہ ہی پر وفات پائی اور ذکر اللہ ہی پر اللہ تعالیٰ سے ملے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگوں کو اختلاط فکر اور ذکر سے مانع ہوتا ہے اس لیے ان کے حق میں عزلت ہی بہتر ہے اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدا میں جبلِ حرا پر سب سے علیحدہ ہو کر عزلت[ح] فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ میں نورِ نبوت کامل ہو گیا، پھر مخلوق آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے حاجب نہ ہوتی تھی۔ ظاہر کے بدن سے آپؐ مخلوق کے ساتھ تھے اور دل سے متوجہ الی اللہ، حتیٰ کہ لوگوں کو گمان تھا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق آپؐ کے خلیل ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا کہ ہماری ہمت والا ہمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستغرق

ح بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ ۱۲

ہے اور ارشاد فرمایا[خ] لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن صاحبکم خلیل اللہ اور ظاہر میں لوگوں سے ملا رہنا اور باطن میں بہمہ تن خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا بجز زورِ نبوت کے اور کسی کی مجال نہیں، ایسا نہ ہو کہ ہر ضعیف شخص اپنے نفس سے دھوکے میں آکر اس مرتبہ کی طمع کرنے لگے، اور بعض اولیاء اللہ کا درجہ اس قدر ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ بغدادی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں تیس برس سے اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہوں اور لوگوں کو گمان ہے کہ ہم سے باتیں کرتے ہیں اور یہ بات اس شخص کو میسر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اتنا ڈوبے کہ اس میں غیر کی گنجائش نہ رہے اور ایسا ہونا محال نہیں اس لیے کہ یہ تو مخلوق کے عاشقوں کا حال بھی ہو جاتا ہے کہ لوگوں سے ملتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ خود کیا کہتے ہیں، اور دوسرے ان سے کیا گفتگو کرتے ہیں کیونکہ محبوب کی فریفتگی دل پر کمال درجہ کی ہوتی ہے کیونکہ جس شخص پر دنیاوی امور کے باب میں کوئی سخت تردد آپڑتا ہے تو بعض دفعات اس کی فکر میں ایسا ڈوبتا ہے کہ لوگوں سے ملتا ہے مگر کسی کو نہیں پہچانتا اور نہ ان کی آواز سنتا ہے اور عاقلوں کے نزدیک آخرت کا معاملہ بہت بڑا ہے اگر اس کی فکر میں آدمی کا ایسا حال ہو جاوے تو کیا بعید ہے مگر اکثروں کے لیے عزلت سے مدد لینا بہتر ہے اور یہی وجہ کسی حکیم سے جو پوچھا گیا کہ خلوت سے لوگوں کی غرض کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ اس سے یہ مطلوب ہے کہ فکر دائم ہو جاوے اور علوم دلوں میں ثابت اور مستحکم ہوں تاکہ عمدہ طور سے زندگی کریں اور شیرینی معرفت کی چکھیں۔ اور کسی راہب سے کہا گیا کہ تم تنہائی پر بڑے صابر ہو، اس نے کہا کہ میں تو تنہا نہیں رہتا اپنے پروردگار کا ہمنشین ہوں۔ جب میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کچھ فرمائے تو اس کی کتاب پڑھنے لگتا ہوں۔ اور اگر چاہتا ہوں کہ میں اس سے کچھ کہوں تو نماز پڑھتا ہوں۔ اور کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ زہد اور عزلت سے تم کو کیا چیز ملی، اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا انس۔ اور سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادہمؒ کو شام کے شہروں میں دیکھا اور عرض کیا کہ خراساں کو آپ نے بالکل چھوڑ دیا، فرمایا کہ مجھ کو آرام اسی جگہ ملا ہے کہ میں اپنا دین ایک پہاڑ سے دوسرے پر لیے پھرتا ہوں، اگر مجھ کو کوئی دیکھ پاتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ شخص وسواسی ہے یا کوئی شتربان خواہ ملاح ہے۔ اور غزوان رقاشی سے کسی نے کہا کہ یہ ہم نے مانا کہ تم ہنستے نہیں مگر اپنے دوستوں کے پاس بیٹھنے سے کون سی چیز مانع ہے، انہوں نے کہا کہ جس سے مجھے غرض تھی اس کی ہمنشینی سے میرے دل کو راحت ملے گی۔ اور دوستوں کے پاس بیٹھنے سے کیا مطلب رہا۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے کہ ہم نے اس کو جب دیکھا ہے تو تنہا ایک ستون کی آڑ میں بیٹھا دیکھا ہے، وہ آپ کی مجلس میں شریک نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم دیکھو تو مجھ کو اطلاع کرنا۔ چنانچہ ایک روز اس کو دیکھ کر آپ سے کہہ دیا کہ وہ شخص ہے جس کا حال ہم نے آپ سے کہا تھا، آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے بندۂ خدا مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو عزلت پسند ہے مگر کیا بات ہے کہ تم لوگوں کے پاس نہیں بیٹھتے، انہوں نے جواب دیا کہ ایک ایسا ہی معاملہ ہے جس نے مجھ کو لوگوں سے روک دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ پھر اسی شخص کے پاس بیٹھا کرو جس کو حسن کہتے ہیں اس نے کہا کہ میں ایسے امر میں لگا ہوں کہ نہ مجھے لوگوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت ہے نہ حسنؒ کے پاس، آپ نے پوچھا کہ میاں صاحب وہ کونسا امر ہے، اس نے کہا کہ صبح اور شام مجھ پر خدائے تعالیٰ کی نعمت ہوتی رہتی ہے اور میں گناہ کرتا ہوں، تو

خ اگر میں کوئی خلیل بناتا تو ابابکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا مگر میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں۔ مسلم بروایت ابن مسعود رضی ۱۲

میں نے بہتر یہ سمجھا کہ نعمتِ الٰہی پر اس کا شکر کروں اور اپنے گناہ سے اس سے مغفرت کی درخواست کروں۔ بس ان دونوں باتوں سے مجھ کو فرصت نہیں ملتی۔ آپ نے فرمایا کہ اے بندۂ خدا میرے نزدیک تو حسن سے زیادہ سمجھتا ہے جو کام کرتا ہے اسی کو لپٹا رہ کہتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رح بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ہرم بن حیان ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے پوچھا کہ کیسے آئے انہوں نے جواب دیا کہ تم سے انس حاصل کرنے کو آیا ہوں، حضرت اویس رض نے فرمایا کہ مجھے ایسا کوئی نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے پروردگار کو پہچان کر اس کے غیر سے انس حاصل کرے۔ اور فضیل رح کا قول ہے کہ جب میں رات آتی دیکھتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اور کہتا ہوں اب اپنے پروردگار سے خلوت کروں گا۔ اور جب دیکھتا ہوں کہ صبح ہوئی تو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہوں کہ اب لوگ مجھ کو آگھیریں گے اور کوئی ایسا شخص میرے پاس آجاوے گا جو مجھ کو میرے پروردگار سے غافل کر دے گا۔ اور عبد اللہ بن زید کہتے ہیں کہ خوشحال ان لوگوں کا جنہوں نے دنیا میں بھی عیش کی اور آخرت میں بھی عیش کریں گے، لوگوں نے پوچھا یہ کس طرح ہوگا، انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے رہے اور آخرت میں اس کے پڑوس میں رہیں گے۔ اور ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کی خوشی اور لذت اسی میں ہے کہ تنہائی میں اپنے پروردگار سے مناجات کرے۔ اور مالک بن دینار رح فرماتے ہیں کہ جس کو مخلوق کی ہم کلامی کے عوض میں خدائے تعالیٰ کی ہمکلامی سے انس حاصل نہ ہو وہ کم علم اور دل کا اندھا ہے اس نے اپنی عمر مفت کھوئی۔ اور ابن مبارک رح فرماتے ہیں کہ کیا اچھا حال ہے اس شخص کا جو صرف اللہ تعالیٰ کا ہو رہے۔ اور ایک نیک بخت نقل کرتے ہیں کہ میں شام کی سیر کرتا پھرتا تھا کہ ایک عابد کو کسی پہاڑ سے نکلتے دیکھا تو ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا، میں نے اس کے پاس جا کر کہا کہ سبحان اللہ آپ کو اتنا بخل ہے کہ یہ بھی گوارا نہیں کرتے کہ میں تم کو دیکھوں، اس نے کہا کہ میاں صاحب اصل یہ ہے کہ میں اس پہاڑ میں مدتِ مدید سے اپنے دل کا علاج کر رہا ہوں کہ دنیا اور اہل دنیا سے صبر کرے، اور اس باب میں میں نے بہت مشقت اٹھائی اور عمر صرف کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں کہ ایسا نہ کرنا کہ بجز محنت اور مشقت کے اور کچھ ہاتھ نہ لگے۔ بارے اللہ تعالیٰ نے میرے دل کا اضطراب دور کیا اور تنہائی اور علیحدگی سے اس کو مانوس کر دیا، اب جو میں نے تم کو دیکھا، تو یہ خوف ہوا کہ کہیں دل کا حال پھر پیشتر کا سا نہ ہو جائے، تم مجھ سے علیحدہ رہو کہ میں تمہارے شر سے پناہ مانگتا ہوں رب العارفین اور حبیب القانتین کی، پھر ایک بار نعرہ مارا کہ آہ افسوس میں اتنا زیادہ ٹھہرا، پھر میری طرف سے منہ پھیر لیا اور ہاتھوں کو جھٹک کر کہا کہ اے دنیا مجھ سے علیحدہ رہ، میرے سوا کسی اور کو اپنی زینت دکھا اور جو تجھ کو چاہے اس کو دھوکا دے، پھر کہا پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی خدمت کی لذت اور اپنی طرف منقطع ہونے کی حلاوت عارفوں کے دلوں کو ایسی چکھائی جس سے ان کے دل بہشت اور حوروں کی یاد بھول گئے اور ان کی ہمتوں کو صرف اپنی ہی یاد میں تسکین دی کہ ان کے نزدیک کوئی چیز اس کی مناجات سے بڑھ کر مزہ دار نہیں، پھر قدوس قدوس کہتا ہوا چلا گیا، غرضکہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انس اور اس کی معرفت کی کثرت ہوتی ہے اور اسی باب میں کسی نے یہ مضمون کہا ہے ؎

قطعہ:-

ث ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے ۱۲

مجھ کو بے ہوشی نہیں پر جان کر بے ہوش ہوں تا ملاقی ہو وے شاید تیرا اور میرا خیال
ہمنشینوں سے الگ ہوتا ہوں میں اس تاک میں تا کروں فرصت سے اپنے دل میں تیری قیل و قال

اور یہیں وجہ کسی حکیم نے کہا ہے کہ جب آدمی اپنے آپ میں کوئی فضیلت نہیں پاتا تو خود اپنے نفس سے وحشت کرتا ہے اور اسی وجہ سے لوگوں سے بہت مل کر وحشت کو اپنے نفس پر سے دفع کرتا ہے لیکن جس صورت میں کہ اس کی ذات میں فضیلت ہوتی ہے تو تنہائی کو تلاش کرتا ہے تاکہ خلوت کے باعث فکر پر مدد لے اور علم و حکمت کو ظاہر کرے، اور کہتے ہیں کہ آدمیوں سے انس حاصل کرنا افلاس کی نشانی ہے حاصل یہ کہ خلوت سے فراغ کا ملنا بہت بڑا فائدہ ہے۔ مگر بعض خواص کے حق میں نہ کل کے لیے، اور جس شخص کو ذکر دائمی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس میسر ہو اور دوام فکر سے خدا تعالیٰ سے معرفت میں استحکام ہوتا ہو اس کے حق میں جتنی باتیں کہ اختلاط سے متعلق ہیں ان سب کی نسبت کر تنہا رہنا افضل ہے اس لیے کہ علت غائی تمام عبادات کی اور ثمرہ سب معاملات کا یہ ہے کہ آدمی اللہ کا محب اور عارف ہو اور ایسے حال میں مرے۔ اور محبت جبھی ہوتی ہے کہ دوام ذکر سے انس حاصل ہو اور معرفت بدون دوام فکر کے نہیں ہوتی اور دل کا فارغ ہونا محبت اور معرفت دونوں کے لیے شرط ہے اور اختلاط کے ساتھ فراغ نہیں ہو سکتا۔

دوسرا فائدہ عزلت کا یہ ہے کہ جو گناہ آدمی کو اکثر اختلاط سے پیش ہوا کرتے ہیں اور تنہائی میں ان سے محفوظ رہتا ہے ان سے بچنا میسر ہوتا ہے اور وہ گناہ چار ہیں، غیبت اور ریا اور چپ رہنا امر معروف اور نہی منکر سے اور چوری چوری طبیعت میں اخلاقِ قبیحہ اور اعمال خبیثہ کا داخل ہونا جن کا باعث حرص دنیاوی ہوتی ہے، غیبت کا تو یہ حال ہے کہ اگر باب آفات زبان کو اس کتاب کی جلد سوم میں مطالعہ کر کے غیبت کی وجہیں معلوم کرو گے تو جان لو گے کہ اختلاط کی صورت میں اس سے بچا رہنا ایک بڑا کام ہے بجز صدیقوں کے اور کوئی نہیں بچ سکتا اس لیے کہ لوگوں کی عادت پڑ گئی ہے کہ جہاں بیٹھتے ہیں اس کا چرچا رکھتے ہیں بلکہ اس میں چاشنی اور لذت اور نقل اور گزک کی سی حلاوت سمجھتے ہیں اور تنہائی کی وحشت کو اسی سے ٹالتے ہیں۔ پس اگر تم لوگوں سے اختلاط کر کے انہیں کی سی کہو گے تب بھی تم گنہگار۔ . . . اور مستحق غضب پروردگار ہو گے اور اگر خاموش رہو گے تب بھی غیبت کرنے والوں میں گنے جاؤ گے۔ ہر سننے والا غیبت کا ایسا ہی ہے جیسا غیبت کرنے والا اور اگر تم لوگوں کو غیبت سے منع کرو گے تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور جس کی غیبت کرتے تھے اس کو چھوڑ کر تمہاری غیبت کریں گے اور یک نشد دو شد کا مضمون ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ غیبت سے بڑھ کر تم کو حقیر جانیں اور گالیاں سنائیں۔ اور امر بالمعروف اور نہی منکر دین کے اصول میں سے ہے اور واجب ہے چنانچہ اس کا ذکر اس جلد کے آخر میں آوے گا اور جو شخص لوگوں سے اختلاط کرے گا تو بالضرور بری باتیں دیکھے گا پس اگر ان پر سکوت کرے گا تب تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ٹھہرے گا اور منع کرے گا تو اپنے آپ کو انواع ضرر کا ہدف بنائے گا اور عجب نہیں کہ جن افعال سے منع کیا ہو ان سے زیادہ اور معاصی دیکھنے پڑیں اور ان سے احتراز تلاش کرنا پڑے اور عزلت میں ان امور سے نجات رہتی ہے کیونکہ اختلاط کی صورت میں ان کو دیکھ کر نہ چپ ہوتے بنے نہ کہتے بنے گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل کا مضمون ہوتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک بار خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو۔ث یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم

ث اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم ہوئے راہ پر ۱۲

لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم مگر تم اس کو اس کی جگہ میں استعمال نہیں کرتے، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے[1] اذا رای الناس المنکر فلم یغیرہ ارشک ان یعمھم اللہ بعقاب اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے پرسش فرمائے گا یہاں تک کہ یوں ارشاد کرے گا کہ دنیا میں جب تو نے بُری بات دیکھی تھی اس کو کس لیے منع نہ کیا، پس اگر اللہ تعالیٰ بندہ کو جواب سجھا دے گا تو وہ عرض کرے گا کہ الٰہی مجھ کو تیرے رحم کی توقع تھی۔ اور لوگوں سے خوف تھا۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ مار پیٹ سے ڈرے یا ایسی بات سے جس کی طاقت اپنے آپ میں نہ ہو اور اس کی پہچان مشکل ہے اور خالی از خطر نہیں اور عزلت میں اس سے نجات ہے اور اچھی بات کے کرنے سے خصومت کا ابھار اور سینوں میں کینہ ہوتا ہے جیسے کسی نے کہا ہے ؎

زندگی میں تے نصیحت میں تمہاری صرف کی مجھ سے پر افسوس ہے تم کو عداوت ہو گئی

اور جو شخص امر بالمعروف کا امتحان کرتا ہے غالباً ندامت اٹھاتا ہے کیونکہ امر معروف کرنا ایسا ہے جیسا کوئی ٹیڑھی دیوار کو سیدھا کرنا چاہے اور عجب نہیں کہ دیوار اسی پر آرہے اور پھر پچھتائے کہ کاش میں اس کو جھکی ہوئی رہنے دیتا، ہاں اگر کچھ لوگ اس کو مدد دیں، اس طرح کہ دیوار کو تھام لیں یہاں تک کہ یہ شخص اس میں اڑانا وغیرہ خود مضبوط لگا دے تو البتہ سیدھا ہونا بدوں ضرر کے ہو سکتا ہے لیکن امر بالمعروف کرنے میں مددگار اس زمانہ میں کہاں کہ ان کے سہارے کسی کو کچھ کہیے اسی لیے یہ بہتر ہے کہ آدمی کنج عافیت اختیار کرے اور ریا ایک درد لاعلاج ہے جس سے احتراز کرنا ابدال و اوتاد کو بھی دشوار ہے اوروں کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ جو شخص لوگوں سے ملے گا، مدارات کرنی پڑے گی اور جو مدارات کرے گا، وہ ریا کرے گا اور جو ان کے دکھلاوے کے لیے اعمال کرے گا وہ انہیں باتوں میں مبتلا ہو گا جن میں وہ مبتلا ہیں اور جیسے وہ تباہ ہوئے ویسا ہی وہ بھی تباہ ہو گا اور ادنیٰ خرابی اس میں یہ ہے کہ نفاق لازم آوے گا۔ مثلاً اگر تم عداوت والوں سے ملو تو اگر ایسی طرح ہر ایک سے نہ ملو جو اس کی مرضی کے موافق ہو، تب تو دونوں کے نزدیک دشمن ٹھہرو گے۔ اور اگر دونوں سے اس کی منہ دیکھی بات کہو گے تو بدترین خلق کہلاؤ گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ تجدا[2] دن من شرار الناس ذاالوجھین الذی یاتی ھؤلاء بوجہ وھؤلاء بوجہ اور لوگوں کے اختلاط میں ادنیٰ بات یہ ضرور ہے کہ ملنے کے وقت اظہار شوق اور شدت سے اشتیاق بیان کیا جاوے حالانکہ یہ امر تو اصل ہی میں جھوٹ ہوتا ہے یا مقدار زیادتی میں دروغ ضرور ہوتا ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ ملنے والے سے اس کے حالات پوچھنے سے اپنی شفقت ظاہر کریں، پس اگر تم کسی سے پوچھو کہ آپ کا مزاج شریف اور آپ کے اہل و عیال کیسے ہیں اور دل میں تمہارے ان کا دھیان نہ ہو تو یہ نفاق خالص ہے اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی اپنے گھر سے نکلتا ہے اور راستہ میں کوئی شخص اس سے اپنی حاجت کہتا ہے کہ فلاں کام میرا کر دیجئے تو وہ بظاہر اس کا مشکور ہوتا ہے، کہ خوب تم نے اپنا مطلب مجھ سے کہا مگر شاید اس کی حاجت میں کچھ کام نہیں کرتا پس ایسا شخص گھر کو جو پھرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر جدا خفا کرتا ہے اور اپنے دین کو جدا برباد کرتا ہے۔ اور سری سقطی رہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس کوئی دوست آوے اور میں

---

[1] جب آدمی بری بات کو دیکھیں اور اس کو تغیر نہ کریں تو عجب نہیں کہ خدائے تعالیٰ ان سب کو عذاب فرمائے اصحاب سنن بروایت صدیق اکبرؓ ۱۲ [2] ابن ماجہ بروایت ابی سعید خدریؓ ۱۲ تم پاؤ گے بدترین لوگوں کا دو رخہ آدمی کو جو ان لوگوں میں اور رخ سے جاتا ہے اور ان میں اور رخ سے بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

اس کے دکھانے کو اپنی داڑھی ہاتھ سے برابر کروں تو مجھے یہ ڈر ہے کہ میرا نام کہیں منافقوں کے دفتر میں نہ لکھا جاوے۔ اور فضیل رح
تنہا مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ ایک ان کا دوست ان کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیسے آئے۔ اس نے کہا دل بہلانے کے لیے
انہوں نے فرمایا کہ یہ تو وحشت کا کام ہے کیونکہ تم یہی چاہتے ہو کہ میرے کھانے کو زینت کرو اور میں تمہارے کھانے کو بن سنور بیٹھوں
اور تم میری خاطر جھوٹ بولو اور میں تمہاری خاطر، بس اس سے بہتر یہ ہے کہ یا تم میرے پاس سے چلے جاؤ یا میں تمہارے پاس
سے اٹھ جاؤں۔ اور کسی عالم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت کرتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی اطلاع عہ اس کو نہ ہو۔
اور طاؤس رح خلیفہ ہشام کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو فرمایا کہ اے ہشام کیسے ہو، ہشام غصہ ہوا اور کہا کہ تم نے مجھ کو امیر المومنین
کیوں نہ کہا، آپ نے فرمایا کہ اس لیے کہ سب مسلمان تمہاری خلافت پر متفق نہیں تو مجھ کو خوف ہوا کہ امیر المومنین کہنے سے
کہیں میں دروغ گو نہ ہو جاؤں، تو جس شخص سے اس طرح کا احتراز ہو سکے اس کو لوگوں سے اختلاط کرنے کا مضائقہ نہیں ورنہ
اپنا نام منافقوں کے دفتر میں لکھوانے پر راضی ہو تو اختلاط کرے۔ اور سلف کے اکابر جو آپس میں ملتے تھے تو مزاج پوچھنے اور جواب
دینے سے احتراز کرتے تھے کیونکہ ان کا دستور احوالِ دین دریافت کرنے کا تھا نہ حالاتِ دنیا کے پوچھنے کا۔ چنانچہ حاتم اصم نے حامد
لفاف سے پوچھا کہ تمہارا حال کیسا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ سالم اور عافیت سے ہوں۔ حاتم کو یہ جواب برا معلوم ہوا کہ اے حامد
سلامتی تو پل صراط کے پار اور عافیت جنت میں ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب کوئی پوچھتا کہ آپ آج کیسے ہیں تو فرماتے
کہ ایسا ہوں کہ جس چیز کی توقع کرتا ہوں اس کی تقدیم پر قادر نہیں۔ اور جس چیز سے ڈرتا ہوں اس کو ٹال نہیں سکتا۔ اپنے عمل کے
بدلے میں گرو ہوں اور بہتری بالکل دوسرے کے ہاتھ ہے پس کوئی محتاج مجھ سے زیادہ حاجتمند نہیں۔ اور ربیع بن خثیم رض سے
اگر کوئی پوچھتا کہ آج آپ کیسے ہیں تو فرماتے کہ ضعیف گنہگار ہیں، اپنی قسمت کا دانہ پانی پورا کرتے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ کب مرتے
ہیں۔ اور حضرت ابو درداء رض سے اگر کوئی پوچھتا کہ آج آپ کیسے ہیں، فرماتے کہ اچھا ہوں اگر دوزخ سے بچ جاؤں۔ اور سفیان
ثوری رح سے اگر کوئی پوچھتا کہ آپ کیسے ہیں! فرماتے کہ اس کا شکر اس کے سامنے کرتا ہوں، اور ایک برائی دوسرے کے سامنے
اور ایک سے بھاگ کر دوسرے کے پاس جاتا ہوں۔ اور حضرت اویس قرنی رح سے کسی نے پوچھا کہ آپ کیسے ہیں، آپ نے فرمایا کہ
اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ شام ہو تو یہ نہیں جانتا کہ صبح پکڑوں گا اور صبح ہو تو یہ نہ جانے کہ شام پکڑوں گا۔ اور مالک بن دینار رح
سے کسی نے پوچھا کہ آج آپ کیسے ہیں، فرمایا کہ ایسا ہوں کہ عمر گھٹتی جاتی ہے اور گناہ بڑھتے جاتے ہیں۔ اور کسی حکیم سے پوچھا کہ تم کیسے
ہو، کہا کہ موت عہ کی خاطر اپنی زندگی پسند نہیں کرتا اور اپنے رب کے سامنے اپنے نفس سے راضی نہیں۔ اور کسی دوسرے حکیم سے
سوال کیا گیا کہ تم کیسے ہو، کہا کہ اپنے رب کا رزق کھاتا ہوں اور اس کے دشمن ابلیس کی اطاعت کرتا ہوں۔ اور کسی نے محمد بن واسع رح
سے پوچھا کہ آپ کیسے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جو شخص ہر روز آخرت کی طرف کو ایک منزل چلتا ہو اس کا حال تم ہی سمجھ لو، کیا ہوگا۔

عہ قولہ اس کی اطلاع الخ: بلکہ اس کا مطلب یہ ہے جس بندہ کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ وہ بندہ نمود نہ ہو ۱۲ امیر علی عہ قولہ
موت کی خاطر الخ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حال میں صبح کی ہے کہ جیسے زندگی موجود ہے اسی پر موت آجانے کو پسند نہیں کرتا اور نہ نفس اس قابل
ہے کہ اللہ تعالیٰ پروردگار کے سامنے جاوے ۱۲ سید صدیق احمد عفی عنہ ۱۲

اور حامد لفافؒ سے کسی نے پوچھا کہ تم کیسے ہو، کہا کہ یہ تمنا ہے کہ ایک دن اور رات عافیت میں گذرے، سائل نے کہا کہ کیا آپ ہر روز عافیت سے نہیں ہیں، فرمایا کہ عافیت اس روز ہوتی ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی نافرمانی نہ کروں۔ اور ایک شخص نزع کی حالت میں تھا، اس سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے اس نے کہا کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو کہ سفر دور و دراز بدوں زاد کے طے کیا چاہتا ہے اور قبر وحشت ناک میں بدوں مونس کے جاتا ہے اور بادشاہ عادل کے سامنے بدوں حجت کے حاضر ہوتا ہے اور حسان ابن ابی سنان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کیسے ہیں۔ فرمایا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو مرے گا اور پھر اٹھایا جائے گا پھر حساب لیا جائے گا۔ اور حضرت ابن سیرینؒ نے ایک شخص عیالدار تنگدست سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ کیا حال پوچھتے ہو اس کا جس کے ذمہ پانسو درم قرض ہوں اور وہ عیالدار ہو۔ حضرت ابن سیرینؒ اپنے گھر میں جا کہ ہزار درم نکال لائے اور اس شخص کو دے کر فرمایا کہ پانسو سے تو اپنا قرضہ ادا کرنا اور پانسو اپنے عیال کے لیے رکھنا، اور آپ کے پاس بجز ان ہزار درہم کے اور نہ تھے، پھر فرمایا کہ بخدا اب کسی سے اس کے حال کا استفسار کبھی نہ کروں گا۔ اور یہ عہد اس لیے کیا کہ آپ کو یہ خوف ہوا کہ استفسار کرنے کے بعد اگر اعانت نہ بن سکے گی تو استفسار ریا اور نفاق میں متصور ہوگا۔ حاصل یہ کہ اکابر سلفؒ کا سوال دین کے احوال اور خدائے تعالیٰ کے معاملہ میں دل کے حالات سے ہوتا تھا۔ اور اگر دنیا کے امور کو پوچھتے تھے تو کچھ دوسرے کی حاجت معلوم ہوتی تھی، اس کے پورا کرنے میں اہتمام کرتے تھے اور حتی الوسع انجاح مرام کر دیتے تھے۔ اور بعض اکابرؒ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات نہ کرتے تھے لیکن ایک شخص دوسرے کی تمام متاع پر حکم کرتا تو دوسرا اس کو کبھی نہیں روکتا اور اب میں ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے سے اتنا تپاک کرتے ہیں کہ گھر کی مرغی تک کا حال پوچھتے ہیں لیکن اگر ایک شخص بے تکلفی کر کے دوسرے سے بالفرض ایک پیسہ لینا چاہیے تو وہ ہرگز نہیں دیتا تو یہ بات بجز ریا اور نفاق کے اور کیا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ جب دو شخص ملتے ہیں تو ایک کہتا ہے مزاج شریف اور دوسرا کہتا ہے آپ کا مزاج لطیف کہ نہ اول انتظار جواب کا کرتا ہے نہ دوسرا اس کے سوال کا جواب دیتا ہے بلکہ اپنا سوال پیش کرتا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ امر دوسرے کے دکھانے اور تکلف کا ہے بلکہ بعض اوقات دل میں تو کینہ اور بغض ہوتا ہے اور زبان سے خیریت پوچھی جاتی ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ جو السلام علیکم کہتے تھے تو اسی وقت کہتے تھے کہ دل سلامت ہوتے تھے، اور جب کہتے ہیں کہ آپ کیسے ہیں اور خدائے تعالیٰ آپ کو تندرست رکھے اور آپ کا مزاج مبارک کس طرح ہے اللہ تعالیٰ آپ کو بخیریت رکھے اور اگر ان اقوال کو ہم تامل کریں تو یہ سب بدعت کی راہ سے ہیں نہ تعظیم کے طور پر چاہیں لوگ ہم سے ناراض ہوں چاہیں راضی رہیں، اور یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ اگر تم ملتے ہی دوسرے سے کہنے لگو کہ مزاج شریف تو یہ بدعت ہے۔ ایک شخص نے ابوبکر بن عیاشؒ سے پوچھا کہ مزاج شریف آپ نے اس کو جواب دیا اور کہا کہ ہم کو اس بدعت سے معاف رکھو اور فرمایا کہ ابتدا اس استفسار کی اس طرح ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں جب شہر عمواس میں جو شام کے ملک میں ہے وباء طاعون پہلے پھیلی اور لوگ نہایت کثرت سے مرے تو اس وقت اگر کوئی اپنے بھائی سے صبح کو ملتا تھا تو پوچھتا تھا کہ آپ کو صبح بخیر ہوئی یعنی رات کو طاعون سے محفوظ رہے کہ نہیں اور شام کو ملتا تھا تو دن کی خیریت پوچھتا تھا کہ شام بخیر گذری پھر رفتہ رفتہ ہر ملاقات میں یہ تکلف جاری ہوگیا، غرضکہ اختلاط عادتوں کے اعتبار سے غالباً اقسام تکلف اور ریا اور نفاق سے خالی نہیں ہوتا اور یہ سب باتیں

بری ہیں ان میں سے کوئی ممنوع اور حرام ہے اور کوئی مکروہ، اور عزلت کی وجہ سے ان برائیوں سے نجات رہتی ہے کیونکہ جو شخص خلق سے ملے اور ان کے عادات میں ان کا شریک نہ ہو تو لوگ اس سے ناخوش ہوں گے اور اس کو گراں جانیں گے اور اس کی غیبت کریں گے اور ایذا کے درپے ہوں گے تو ان کا دین اس شخص کے باب میں برباد جاوے گا اور اگر یہ ان سے بدلہ لے گا تو اس کی دنیا اور دین دونوں ضائع ہوں گے اور لوگوں کے اعمال اور اخلاق کو دیکھ کر دیکھنے والے کی طبیعت کا ان کو چرا لینا ایک خفیہ مرض ہے اور اس پر عاقلوں کو بھی آگاہی نہیں ہوتی، غافلوں کا تو کیا ذکر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی فاسق کے پاس مدت تک بیٹھے گو دل میں اس کو برا جانتا ہو تب بھی اپنے دل کا حال پیشتر کی نسبت کر متفاوت پاوے گا یعنی اس کے پاس بیٹھنے سے پہلے جتنی نفرت اور گرانی اپنے دل میں فساد سے معلوم کرتا ہوگا اس قدر نفرت فساد سے اب نہ رہے گی اس لیے کہ برائی کے دیکھتے دیکھتے طبیعت پر سہل ہو جاتی ہے اور اس کا برا ہونا دل میں جاتا رہتا ہے اور خرابی سے رکنے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ دل میں اس کی وقعت بہت ہوتی ہے۔ جب کثرت سے دیکھنے کے باعث وہ حقیر ہو جاتی ہے تو کیا عجب ہے کہ روکنے والی قوت مضمحل ہو کر آدمی خود اس خرابی یا اس سے کمتر کرنے کو آمادہ ہو جائے۔ اور جب مدت تک کہ آدمی دوسرے کو کبیرہ گناہ کرتے دیکھتا ہے تو اپنے گناہ صغیرہ اس کی نظروں میں حقیر معلوم ہوتے ہیں اور یہیں وجہ جو شخص تونگروں کی طرف نظر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اپنے اوپر کم سمجھتا ہے۔ تونگروں کی صحبت اسی[1] لیے اختیار کی جاتی ہے تاکہ جو کچھ اپنے پاس ہے اس کو کم جانا جائے اور فقیروں کی صحبت اس لیے پسند ہوتی ہے کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہیں ان کو بڑا سمجھیں، یہی حال مطیعوں اور عاصیوں کی طرف دیکھنے کا ہے کہ اس کی تاثیر بھی طبیعت میں ویسی ہی ہے۔ یعنی جو شخص صرف صحابہؓ اور تابعینؒ ہی کا حال دیکھے کہ انہوں نے عبادت کس طرح کی اور دنیا سے کیسے برکنار رہے تو وہ اپنے نفس کو ہمیشہ ذلیل اور اپنی عبادت کو حقیر سمجھے گا اور جانے گا کہ میں نہایت قاصر ہوں، اسی وجہ سے کوشش اپنی تکمیل میں ضرور کرتا رہے گا اور یہ چاہے گا کہ ان اکابرؒ کا اقتداء کامل طور پر نصیب ہو اور جو شخص ان حالات کو دیکھے گا جو دنیاداروں پر غالب ہیں یعنی خدائے تعالیٰ سے ان کا روگرداں رہنا اور دنیا کی طرف متوجہ رہنا اور معاصی کا عادی ہونا، تو وہ شخص اپنے دل میں اگر ادنیٰ رغبت نیک بات کی پائے گا اسی کے سبب سے اپنے نفس کو بڑا سمجھے گا۔ اور یہی تباہ ہونے کی صورت ہے۔ اور طبیعت کے بدلنے کے لیے صرف خیر اور شر کی باتوں کا سننا کافی ہوا کرتا ہے۔ دیکھنا تو درکنار رہا۔ اور اسی دقیقہ سے اس حدیث کے معنی معلوم ہوتے ہیں[2] عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ۔ اس لیے کہ رحمت تو جنت کے داخل ہونے اور دیدارِ الٰہی کو کہتے ہیں اور یہ باتیں ذکر کے وقت نازل نہیں ہوتیں بلکہ ان کا سبب نازل ہوتا ہے یعنی دل کے اندر ایک جوش اور ایک حرص صالحوں کے اقتدا کی اور اپنی تقصیر اور کمی پر خجالت اور کراہت ابھرتی ہے، غرضکہ رحمت فعل خیر کے باعث ہوتی ہے اور فعل خیر رغبت کی جہت سے اور رغبت احوال صالحین کے ذکر کرنے سے، تو نزولِ رحمت کے یہی معنے ہوئے کہ وہ چیز نزول کرتی ہے جو انجام کو ذریعہ رحمت ہو اور جیسا اس حدیث کے الفاظ سے یہ معنی سمجھ میں آتے ہیں ایسا ہی زیرک آدمی اس کلام کے فحوے سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ فاسقوں کا احوال

---

[2] نیک بختوں کے ذکر کے وقت رحمت برستی ہے یہ حدیث مرفوع نہیں پائی گئی بلکہ قول سفیان بن عیینہ کا ہے چنانچہ ابن جوزی نے اپنے مقدمہ صفوۃ الصفوۃ میں اس کو نقل کیا ہے ۱۲ ع۔ [1] قولہ اسی لیے اختیار کی جاتی ہے الخ میں کہتا ہوں کہ اصل کا فقرہ یہ ہے فتو تر مجالستہم فی ان یستصغر ما عندہ اور مترجم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت حقیر کرنے کو تونگروں کی صحبت اختیار کرنا گناہ ہے اور میرے نزدیک صحیح ہے کہ تونگروں کی صحبت کا یہی اثر ہے کہ اللہ تعا ؟

؟ کی نعمت جو اپنے اوپر ہے اس کو حقیر سمجھے (ھ) یعنی یہ گناہ ہے تو ایسے کی مصاحبت بھی روا نہیں ہے ۱۲

بیان کرنے کے وقت لعنت برستی ہے اس لیے کہ کثرت سے ان کا ذکر گناہوں کو طبیعت پر ہلکا کر دیتا ہے اور لعنت اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کو کہتے ہیں اور دور ہونے کا سبب معاصی ہیں۔ اور دنیاوی لذات اور سر دست کی شہوات پر بطور مشروع متوجہ نہ ہونا اور خدائے تعالیٰ سے منہ پھیرنا۔ اور ان معاصی کا سبب یہ ہے کہ دل سے ان کی گرانی اور برائی جاتی رہے اور گرانی کے جانے کا باعث ان کے ساتھ مانوس ہونا ہے اور انس کثرت سے سننے کے سبب ہوتا ہے تو جس صورت میں صالحوں اور فاسقوں کے احوال سننے کا یہ حال ہو تو ان کے دیکھنے کو سمجھ لو کہ بطریق اولیٰ مؤثر ہوگا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا[ح] مثل الجليس السوء كمثل الكيران لم يحرقك بشرره علق بك من ريحه یعنی جیسے کپڑا بو میں بس جاتا ہے اور آدمی کو خبر نہیں ہوتی، اسی طرح فساد دل پر سہل ہو جاتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی اور فرمایا[ح]۔ مثل الجليس الصالح مثل صاحب المسك ان لم يهب لك منه تجد ريحه۔ اور اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جس شخص کو کسی عالم کی لغزش معلوم ہو تو دو وجہ سے اس کا ذکر کرنا حرام ہے۔ اوّل تو یہ کہ غیبت عالم کی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ لوگ عالم کا حال سن کر اس خطا میں سہل انگاری کریں گے اور اس کی گرانی ان کے دلوں سے ساقط ہو جائے گی اور اس پر جرأت کرنا بڑی بات نہ جانیں گے کیونکہ جب کوئی اس خطا کا مرتکب ہوگا اور اس پر کوئی اعتراض کرے گا تو وہ یہ جواب دے گا کہ ہم سے ایسا ہو جانا بعید ہے اس میں تو عالم اور عابد بھی مجبور ہیں۔ اور جب تک اس کے اعتقاد میں یہ بات رہے گی کہ ایسی حرکت پر عالم اور انگشت مبادرت نہیں کیا کرتے، تب تک اس کو اس حرکت کا ارتکاب برا معلوم ہوگا۔ اور جہاں معتبر اور مقتدا لوگوں کی کوئی اس قسم کی بات سن پائی تو ان کو اپنی حرکت کی سند ہو جاتی ہے مثلاً اگر شخص جو دنیا لینے میں لڑنے جھگڑنے اور اس کے جمع کرنے کے حرص میں اور ریاست کی محبت پر کٹے مرتے ہیں، ان کے دلوں پر ان امور کی برائی اسی وجہ سے آسان ہے کہ خیال کرتے ہیں کہ صحابہؓ ریاست کی محبت سے محترز نہ تھے بلکہ علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہؓ کے مناقشہ کو اپنی سند بیان کرنے لگتے ہیں اور اپنے جی میں تصور کرتے ہیں کہ یہ مناقشہ طلب حق کے لیے نہ تھا بلکہ طلب ریاست کے لیے تھا۔ پس اسی جھوٹے اعتقاد سے امر ریاست ان پر آسان ہو جاتا ہے۔ اور اسی قسم کی معصیتوں کے مرتکب ہونے لگتے ہیں اور سرشت بد لغزشوں کی اتباع اور حسنات سے اعراض پر مائل ہوتی ہے، بلکہ جس جگہ لغزش نہیں ہوتی اپنی غرض کے لیے لغزش مان لیتی ہے تاکہ بہانہ مل جائے۔ اور یہ امر شیطان کے دقیق مکروں میں سے ہے اور یہیں جہت اللہ تعالیٰ نے شیطان کے خلاف کرنے والوں کو ان الفاظ سے تعریف فرمائی۔ الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کی مثل[ح] بیان فرمائی کہ جو شخص بیٹھ کر حکمت کی بات سنے پھر اس میں سے برائی کے سوا اور کچھ یاد نہ رکھے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی چرواہے کے پاس آوے اور اس سے کہے کہ اپنے گلے میں سے مجھ کو ایک موٹی بکری ذبح کے لیے دیدے اور وہ جواب دے کر

ح مثال برے ہمنشین کی جیسے بھٹی کہ اگر تجھ کو اپنی چنگاری سے نہ جلاوے تو اس کی بدبو ضرور تجھ کو لگ جاوے گی، بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ ۱۲ ح مثال نیک ہمنشین کی جیسے مشک والا کہ اگر تجھ کو مشک نہ دے گا تو تجھ کو اس کی خوشبو ضرور معلوم ہوگی مثل سابق ۱۲ ت جو سنتے ہیں بات پر چلتے ہیں اس کے نیک پر ۱۲ ح ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲

گلہ میں جا اور جو بکری اس میں سب سے بہتر تجھ کو ملے اس کو پکڑ لے اور وہ جا کر گلے کے کتے کا کان پکڑ لاوے۔ پس جو شخص کہ آئمہ کی لغزشیں نقل کرتا ہے یہ مثل اس کی بھی ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر آدمیوں کا دستور ہے کہ جب کسی مسلمان کو دیکھیں کہ رمضان کے دنوں میں بلا وجہ روزہ نہیں رکھتا تو اس امر کو اتنا بعید جانیں کہ عجب نہیں کہ اس کو کافر جاننے لگیں لیکن ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے یا قضا کرتے ہیں تو ان سے نفرت ان کی طبیعت کو نہیں ہوتی ہے جیسے روزہ رکھنے والوں سے نفرت ہوتی ہے، باوجودیکہ ایک نماز کا ترک کرنا بعضوں کے نزدیک موجب کفر ہے اور بعض کے نزدیک گردن مارنے کا باعث ہے اور رمضان کے سب روزے نہ رکھنے سے بھی یہ سزا کسی کے نزدیک نہیں، پھر اس کی وجہ اور کچھ نہیں بجز اس کے کہ نماز میں تساہل اکثر ہوتا ہے۔ اور دن میں پانچ بار اس کا مشاہدہ ہوتا ہے تو دیکھتے دیکھتے دل میں سے اس برائی کی وقعت جاتی رہی ہے اور روزہ چونکہ سال میں ایک بار ہوتا ہے اس کی وقعت بدستور ہے اسی طرح اگر کوئی عالم ریشمی کپڑا یا سونے کی انگوٹھی پہن لے یا چاندی کے برتن سے پانی پی لے تو لوگ اس کو سخت بعید جانیں اور بہت انکار کریں حالانکہ اس کو بار ہا بڑی دیر تک لوگوں کی غیبت ہی کرتے دیکھتے ہیں اور برا نہیں جانتے اگرچہ غیبت زنا سے بڑھ کر ہے تو حریر پہننے سے بڑھ کر کیسے نہ ہوگی مگر چونکہ غیبت سنتے سنتے اور غیبت کرنے والوں کو دیکھتے دیکھتے دل پر اس کی برائی نہیں رہی، اسی لیے اس میں سہل انگاری پڑتی جاتی ہے۔ پس ان دقائق کو سمجھ کر لوگوں سے ایسا بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو اس لیے کہ لوگوں میں تم وہی بات دیکھو گے جس سے تم کو دنیا کی حرص اور آخرت سے غفلت زیادہ ہو اور معصیت کو سہل سمجھو اور اطاعت میں رغبت کم کرو، پھر اگر کوئی ہمنشین تم کو ایسا مل جائے جس کی صورت اور سیرت تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے تو اس کا ساتھ دو اور اس کو غنیمت سمجھو اور اس سے علیحدہ نہ ہو کہ عاقل کے حق میں اس کا وجود اکسیر اور سونے کی چڑیا ہے اور یہ بھی خوب طرح جان لو کہ اچھا ہمنشین تنہائی کی نسبت کہ بہت بہتر ہے اور برے جلیس سے تنہا رہنا اچھا ہے۔ اور جب تم ان باتوں کو سمجھ لو گے اور اپنی طبیعت کا حال ملاحظہ کرو گے اور پھر جس سے اختلاط کیا چاہتے ہو اس کے حال پر التفات کرو گے تو تم کو واضح ہو جائے گا کہ اس سے عزلت اختیار کرنی بہتر ہے یا مختلط رہنا، لیکن خبردار مطلق حکم مت کر بیٹھنا کہ عزلت بہتر ہے یا اختلاط اس لیے کہ جو چیزیں تفصیل کے ساتھ ہیں ان میں مطلق ہاں یا نہیں کہہ دینا محض خلاف ہے بلکہ تفصیل وار میں تفصیل ہی شایان ہے۔

تیسرا فائدہ عزلت کا یہ ہے کہ فتنوں اور خصومتوں سے نجات ملتی ہے اور ان میں گرفتار نہ ہونے سے دین اور نفس دونوں محفوظ رہتے ہیں چونکہ فتنوں اور تعصبات سے شہر کمتر خالی ہیں۔ تو جو کوئی لوگوں سے علیحدہ رہے گا وہ ان کے فتنوں وغیرہ سے بھی سلامت رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں[ع] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کا حال اس طرح ارشاد فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ لوگوں کے عہد درہم ہو گئے اور امانتیں ہلکی پڑ گئیں اور اس صورت سے ہو گئے اور آپؐ نے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال لیں تو میں نے عرض کیا کہ آپؐ ایسے وقت میں مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ رہو اور زبان بند کرو اور جو بات جانتے ہو اس کو کرو اور

ع ابو داؤد و نسائی ۱۲

جو نہیں جانتے ہو اس کو ترک کرو اور خاص لوگوں کا طریق لازم پکڑو عوام کا ترک کرو۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1]۔ یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنما یتبع بھما شعف[عـ] الجبال و مواقع القطر یفر بدینہ من الفتن۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[2] کہ عنقریب لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ دین دار کا دین سلامت نہ رہے گا مگر جو شخص اپنا دین لے کر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں اور ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ میں اور ایک بل سے دوسرے بل میں لومڑی کی طرح اِدھر اُدھر بھاگا پھرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ زمانہ کب ہوگا، آپؐ نے فرمایا[3] کہ جس وقت معیشت خدائے تعالیٰ کی معصیت کے سوا اور کسی چیز سے نہ ملے گی، جب ایسا وقت ہوگا تو مجرد رہنا واجب ہوگا لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ہم کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا ہے مجرد رہنا کیسے واجب ہوگا آپ نے فرمایا کہ جب وہ وقت ہوگا تو آدمی کی تباہی اس کے والدین کے ہاتھوں ہوگی اور اس کے ماں باپ نہ ہوں گے تو اس کی بی بی اور اولاد کے ہاتھ سے، اور یہ بھی نہ ہوں گے تو رشتہ دار کے ہاتھ سے ہوگی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اس کو تنگدستی کا عیب لگاتے ہیں تو وہ بتکلف وہ کام کرتا ہے جس کی طاقت اس کو نہیں ہوتی اور یہی امر اس کو تباہی کی جگہ پہنچا دیتا ہے۔ اور یہ حدیث ہر چند تجرد کے باب میں ہے مگر عزلت بھی اس سے سمجھی جاتی ہے کیونکہ عیالدار معیشت اور اختلاط سے خالی نہیں رہتا اور کسبِ معیشت بدوں معصیت کے نہیں کرتا۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ جو زمانہ حدیثِ بالا میں فرمایا ہے اس کا وقت یہ ہے بلکہ اس کے حال کے وقت سے پیشتر سے ہوگیا ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت سفیان ثوریؒ کا قول مشہور ہے کہ بخدا عزلت واجب ہوگئی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ اور ایام ہرج کا ذکر فرمایا، میں نے عرض کیا کہ ہرج کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس وقت آدمی اپنے ہمنشین سے مامون نہ رہے، میں نے عرض کیا کہ اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپؐ مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اپنے نفس اور ہاتھ کو روک اور اپنے گھر میں داخل ہو، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی شخص میرے پاس مکان میں چلا آوے، آپ نے فرمایا کہ اپنی کوٹھڑی میں گھس جا، میں نے عرض کیا کہ اگر کوئی کوٹھڑی میں بھی گھس جاوے، آپؐ نے فرمایا کہ اپنی مسجد میں داخل ہو اور اسی طرح کر، اور آپؐ نے اپنا پہنچا پکڑ لیا اور کہہ میرا رب خدا ہے یہاں تک کہ تو وفات پاوے۔ اور حضرت سعدؓ کو جب لوگوں نے امیر معاویہؓ کے عہد میں نکلنے کے لیے اور لڑنے کو کہا، انہوں نے جواب دیا کہ میں لڑنے کو نہیں جاتا ہاں ایک طرح چل سکتا ہوں کہ مجھ کو ایسی تلوار دو جو آنکھوں سے دیکھتی ہو اور زبان سے

---

[1] قریب ہے کہ مسلمان کا مال بھیڑ بکری کا گلہ ہوگا کہ اس کو پہاڑوں کی چوٹیوں اور مینہ کی جگہوں میں ہانکے گا۔ اور اپنے دین کے ساتھ فتنوں سے بھاگا پھرے گا۔ بخاری نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲ [2] اس کی سند باب النکاح میں گذری ۱۲ [3] ابو داؤد مختصراً اور خطابی نے عزلت میں پوری نقل کی ہے مگر اس کے نزدیک اس میں انقطاع ہے ۱۲

عـ الشعب بکسر الاول وسکون الثانی رایتہ فی الغیاث بمعنی العقبات من الجبال والشعف بفتح الاول والثانی ایضا فیہم بمعنی اخذ اتہا القلب علی سبیل الاتمام وغیرہا لہذا اصلحت الشعف بالشعف وارسم ہذا التحشی لرفع الابہام وحفظ المراتب ۱۲ مولانا جلال الملۃ والدین ۱۲

بولتی ہو کہ اگر کافر کو دیکھے تو بتا دے اور میں اس کو مار ڈالوں اور ایمان دار کو دیکھ کر اس کا حال مجھ سے کہہ دے تاکہ میں اس کو نہ ماروں اور فرمایا کہ ہماری اور تمہاری مثل ایسی ہے جیسے کہ کچھ لوگ کھلے راستہ پر چلے جاتے ہوں اور یکبارگی آندھی غبار آلود چلے اور راہ بھول جائیں تو کوئی کہے کہ راہ داہنی طرف کو ہے اور اسی طرف کو چل دیں اور حیران و پریشان بھٹکے پھریں۔ اور کوئی کہے کہ بائیں کو ہے اور اس طرف جا کر خراب خستہ ہوں اور جو کچھ لوگ اسی جگہ ٹھہریں اور اتنا صبر کریں کہ آندھی موقوف ہو جاوے اور راہ معلوم ہونے لگے۔ غرضکہ حضرت سعد رضؓ اور کچھ اور لوگوں نے فتنوں میں شرکت نہ کی اور جب تک فتنہ فرو نہ ہو لیا، لوگوں سے اختلاط نہ کیا۔ اور حضرت ابن عمر رضؓ کا حال لکھتے ہیں کہ جب آپ کو خبر پہنچی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے عراق کو قصد فرمایا آپ روانہ ہوئے اور تین منزل پر ملازمت حاصل کی اور پوچھا کہ آپ کہاں کا ارادہ کرتے ہیں، فرمایا کہ عراق کا۔ اور جو خطوط عراق سے آئے، وہ دکھلائے اور فرمایا کہ یہ ان کے خطوط اور عہد نامے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان خطوں پر آپ لحاظ نہ فرمائیں اور وہاں تشریف نہ لے جائیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہ مانا، آپ نے فرمایا کہ میں آپ سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپؐ کو دنیا اور آخرت کے پسند کرنے میں اختیار دیا، آپؐ نے آخرت کو پسند فرمایا، اور آپ لختِ جگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، بخدا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی دنیا کا والی نہ ہوگا اور تم سے دنیا کو اسی چیز نے علیحدہ رکھا ہے جو تمہارے حق میں بہتر ہے، آپ نے واپس پھرنے سے انکار کیا تو حضرت ابن عمر رضؓ ان سے معانقہ کر کے رونے لگے اور فرمایا کہ اے شہید آپ کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اور صحابہ رضؓ میں دس ہزار آدمی تھے مگر فتنہ کے دنوں میں چالیس[1] سے زیادہ آدمیوں نے جرأت نہ کی۔ طاؤسؒ اپنے گھر میں بیٹھ رہے، لوگوں نے ان سے وجہ پوچھی، فرمایا کہ زمانہ کی خرابی اور حاکموں کے ظلم کے باعث بیٹھ رہا ہوں اور جب حضرت عروہ نے عقیق میں محل بنوایا اور اس میں بیٹھ رہے، لوگوں نے کہا کہ آپ محل میں بیٹھ رہے اور مسجدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک کیا، فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تمہاری مسجدوں میں لہو ولعب ہوتا ہے اور بازاروں میں لغو اور کوچوں میں فحش کا غل ہے، اس لیے یہ امر اختیار کیا کہ اس میں ان سب باتوں سے نجات ہے۔ اس سب تقریر سے معلوم ہوا کہ عزلت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ آدمی خصومات اور فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔

چوتھا فائدہ عزلت کا یہ ہے کہ لوگوں کی ایذاء سے رہائی رہتی ہے یعنی لوگ کبھی تو تم کو غیبت سے ستاتے ہیں اور کبھی بدگمان ہو کر تہمت لگاتے ہیں۔ اور کبھی تم سے وہ سوال کرتے ہیں جو تم سے پورا نہ ہو سکے اور کبھی چغلی اور جھوٹ سے ایذاء دیتے ہیں کیونکہ اختلاف کی صورت میں تمہارے اعمال اور اقوال ان کے پیشِ نظر ہوتے ہیں جس عمل اور قول کی کنہ کو ان کی عقل دریافت نہیں کرتی اس کو یاد رکھتے ہیں اور جب موقع شر کا پاتے ہیں اس وقت اس کو ظاہر کرتے ہیں۔ پس جس صورت میں کہ تم ان سے عزلت کر لو گے تو ان سب امور سے احتراز رکھنے کی حاجت نہ ہوگی، جو چاہو گے سو کرو گے ان امور سے اختلاط ہی درکار ہے اور اس لیے کسی حکیم نے دوسرے شخص سے کہا کہ میں تجھ کو ایک قطعہ سکھاتا ہوں جو دس ہزار درہم سے اچھا ہے، اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے، اس نے اس مضمون کا قطعہ پڑھا۔ قطعہ:-

[1] طبرانی نے اوسط میں مع قصہ امام حسین رضؓ کے مختصر انقل کیا ہے اور تین منزل کا ذکر نہیں کیا ۱۲

کہنا ہو کچھ اگر کہو آہستہ رات میں دن کو اگر کہو تو کرو پہلے التفات
مشہور ہے مثل کہ نہیں لوٹتے کبھی چھٹ کر کمان سے تیر نکل کر دہن سے بات

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص لوگوں سے اختلاط رکھے گا اور ان کے اعمال میں شریک ہوگا تو اس کا حاسد یا دشمن ضرور ہوگا جو اس پر بدگمانی کرے گا اور یہ وہم کرے گا کہ یہ شخص میری دشمنی پر آمادہ ہے اور اس پر کوئی داؤ چلے گا اور خفیہ دغا کرے گا اس لیے کہ آدمی جس چیز کے زیادہ حریص ہوتے ہیں تو ہر کھٹکے کو اپنے حق میں زیادہ مضر جانتے ہیں اور چونکہ دنیا پر شدت سے حریص ہیں تو غیر کو بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا رقیب ہے متنبی نے دو شعر کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ قطعہ:-

بدگماں ہوتا ہے انساں جب کرے اعمال بد جانتا ہے وہم معمولی کو صادق برملا
دشمنوں کے قول پر رکھتا ہے بغض احباب سے شک کی تاریکی میں وہ آخر کو رہتا ہے پھنسا

اور کہتے ہیں کہ بدوں کی صحبت میں بیٹھنا ابرار کے ساتھ بدگمانی کا موجب ہوتا ہے اور اقسام بدی کے جو انسان کو آشناؤں اور اختلاط والوں سے پہنچتے ہیں، بہت ہیں، ہم ان کی تفصیل کو ترک کرتے ہیں اس لیے کہ جتنا ہم لکھ چکے ہیں ان میں مجملاً سب آگئے ہیں اور عزلت میں ان سب سے نجات ہوتی ہے، اور جن لوگوں نے عزلت اختیار کی ہے ان کے اقوال سے بھی ایسا ہی کچھ پایا جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابو درداء رضہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو آزمائے تاکہ اس کو دشمن جانے اور کسی شاعر نے اس مضمون کا قطعہ لکھا ہے۔ قطعہ:-

بدوں تجربہ مخلوق کی کرے جو ثنا تو بعد تجربہ ممدوح کو کہے گا برا
یہاں تلک کہ قریب اور بعید کو کر ترک نہ دل لگے کہیں جز کنج عافیت اس کا

اور حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ عزلت میں ہمنشین بد سے راحت ملتی ہے۔ اور کسی نے عبداللہ بن زبیر رضہ سے کہا کہ آپ مدینہ منورہ میں تشریف نہیں لاتے، فرمایا کہ جو لوگ اب وہاں باقی ہیں، وہ یا نعمت پر حسد کرتے ہیں یا دوسرے کی تکلیف پر خوش ہوتے ہیں۔ اور ابن سماک رح کہتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست نے ہم کو خط میں یہ مضمون لکھا کہ آدمی دوا تھے کہ ہم اس سے علاج کیا کرتے تھے اور اب ایسے روگ ہو گئے ہیں جس کا کچھ علاج نہیں، تو ان سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو۔ اور کوئی عرب مدام ایک درخت کے پاس رہتا اور کہا کرتا کہ یہ ہمنشین تین خصلتیں رکھتا ہے جو میری بات سنتا ہے تو میری چغلی نہیں کھاتا اور اگر میں اس پر تھوک بھی دیتا ہوں تو برداشت کرتا ہے اور اگر بد خلقی کرتا ہوں تو مجھ پر غصہ نہیں ہوتا۔ یہ بات ہارون رشید نے سنی، فرمایا کہ اس شخص نے مصاحبوں کے پاس میں مجھ کو زاہد بنا دیا۔ اور کسی بزرگ کا ذکر ہے کہ دفتر میں یا قبرستان میں بیٹھے رہتے۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ تنہائی سے بڑھ کر کسی چیز میں مجھ کو سلامتی نہ معلوم ہوئی اور نہ قبر سے زیادہ کوئی شے واعظ ہے اور نہ دفتر سے زیادہ کوئی جلیس سود مند ہے۔ اور حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ میں نے قصد حج کیا، ثابت بنانیؒ جو اولیاء اللہ میں سے تھے انہوں نے خبر سن کر کہا کہ میں نے کہا ہے کہ آپ حج کو جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ رہوں حسنؒ

ع۵ یعنی کہنا ہو کچھ تو رات میں آہستہ تر کہو ۱۲

نے فرمایا کہ میاں صاحب اسی میں خیر ہے کہ خدائے تعالیٰ کی پردہ پوشی کے ساتھ رہیں مجھے یہ ڈر ہے کہ ساتھ اگر رہیں گے تو ایسے حال ایک دوسرے کے دیکھیں گے جن سے باہم بغض کی صورت ہو اور ان اقوال سے ایک اور فائدہ عزلت کا معلوم ہوا یعنی دین اور مروت اور اخلاق اور فقر وغیرہ کا بھرم بندھا رہتا ہے اور عیوب ڈھکے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے[ث] یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف۔ اور کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مال کا جانا شریفوں کے لیے عیب نہیں 	وضع ظاہر کے بگڑنے سے ہے پر ننگ

اور انسان اپنے دین اور دنیا اور اخلاق اور افعال میں ایسے عیوب ضرور رکھتا ہے جن کا چھپانا ہی دارین میں اس کے حق میں مناسب ہوتا ہے اور ان کے ظاہر ہونے پر سلامتی باقی نہیں رہتی، حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ پتے تھے۔ جن میں کانٹا نہ تھا اور آج کانٹے ہیں جن میں پتے نہیں اور جب حضرت ابو درداءؓ کے زمانے کا حال یہ ہو جو آخر قرن اول میں تھا تو ظاہر ہے کہ جو زمانہ آپ کے زمانہ کے بعد ہوا، وہ اس سے بدتر ہی ہوا اور سفیان ثوریؒ نے اپنی زندگی کے ایام میں مجھ کو بیداری میں اور بعد مرنے کے خواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے آشنائی کم کر، کہ بچنا بہت مشکل ہے اور میرے گمان میں جو برائی مجھ کو پہنچی، وہ آشنا ہی سے پہنچی۔ اور ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مالک بن دینار کی خدمت میں آیا، آپ تنہا بیٹھے تھے، اور ایک کتا آپ کے زانو پر اپنی گردن رکھے ہوئے تھا، میں نے چاہا کہ کتے کو ہٹا دوں، آپ نے فرمایا کہ اس کو کچھ مت کہو، یہ کچھ ضرر اور ایذا نہیں دیتا اور ہمنشین بد سے بہتر ہے۔ اور کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے لوگوں سے عزلت اختیار کی، انہوں نے جواب دیا کہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دین چھن جاوے اور مجھ کو خبر بھی نہ ہو۔ اس میں یہ اشارہ ہوا کہ ہمنشینِ بد کے اخلاق کو طبیعت چرا لیتی ہے۔ اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور لوگوں سے احتراز رکھو، کیونکہ یہ لوگ اگر اونٹ پر چڑھتے ہیں تو اس کی پیٹھ زخمی کر دیتے ہیں، اور گھوڑے پر سوار ہوں تو اس کی کمر لگا دیتے ہیں اور اہل ایمان کے دل میں جگہ کرتے ہیں تو اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ آشنا کم کرو کہ تمہارا دل و دین خوب محفوظ رہے گا اور حقوق سے ہلکے پھلکے رہو گے اس لیے کہ جس قدر آشنا زیادہ ہوں گے اسی قدر حقوق زیادہ ہوں گے اور سب کا ادا کرنا دشوار پڑے گا۔ اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ جس کو پہچانتے ہو، اس سے اجنبی بنو اور جس کو نہیں پہچانتے اس سے آشنائی مت کرو۔

پانچواں فائدہ عزلت کا یہ ہے کہ نہ لوگ تم سے کچھ طمع کریں گے نہ تم اوروں سے، اور لوگوں کی طمع کا تم سے منقطع ہونا ایک امر نہایت مفید ہے اس لیے کہ لوگوں کا راضی کر دینا تو ممکن نہیں، اس سے بہتر یہی ہے کہ آدمی اپنے ہی نفس کی اصلاح کرے اور ادنیٰ اور آسان حقوق میں سے جنازہ پر جانا اور بیمار پرسی اور ولیموں اور عقد نکاح میں حاضر ہونا ہے۔ اور ان سب میں تضییعِ اوقات اور آفات کا متعرض ہونا ہے، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ان میں سے بعض حقوق نہیں ادا کر سکتا اور عذر ہر چند مقبول ہوتا ہے مگر ہر ایک عذر قابل ظاہر کرنے کے نہیں ہوتا تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ آپ نے فلاں شخص کا حق ادا کیا اور ہمارا حق

ث سمجھے ان کو بے خبر محفوظ ان کے نہ مانگنے سے ۱۲

ادا نہ کیا اور یہی وجہ عداوت کی ہو جاتی ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ جو شخص بیمار کو عیادت کے وقت نہیں پوچھتا، وہ یہ چاہتا ہے کہ بیمار مذکور مر جائے تاکہ اچھا ہونے پر اس کی نظر میں عیادت نہ کرنے سے شرمندگی نہ ہو۔ اور جو شخص کسی کی شادی غمی میں شریک نہ ہو، اس سے سب راضی رہتے ہیں اور جو ایک کام کا شریک ہو اور دوسرے کا نہ ہو، اس سے وحشت کرتے ہیں اور اگر آدمی دن اور رات تمام اوقات میں التزام ادائے حقوق کا کرے تب بھی حقوق ادا نہ ہو سکیں گے اور جس صورت میں کہ کسی کو دنیا یا دین کا شغل بھی ہو تو اس سے کیسے ادا ہو سکتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ دوستوں کا زیادہ ہونا قرضخواہوں کا زیادہ ہونا ہے یعنی جتنے زیادہ دوست ہوں گے اتنے ہی ان کے حق ادا کرنے ہوں گے۔ اور ابن رومیؒ نے ایک قطعہ کہا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے قطعہ:۔

دوست ہی ہوتا ہے آخر کو عدو   پس نہ لو کثرتِ احباب کا نام
دیکھ لو جتنے ہیں امراضِ بدن   کھانے یا پینے سے ہوتے ہیں تمام

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پاجیوں کے ساتھ سلوک کرنا ہر عداوت کی جڑ ہے رہا تی رہی دوسری شق یعنی تمہاری طمع کا منقطع ہونا دوسروں سے تو یہ فائدہ بھی بڑا ہے اس لیے کہ جو کوئی دنیا کی بہار اور زینت کو دیکھتا ہے اس کی حرص جنبش کرتی ہے اور حرص کے زور سے طمع ابھرتی ہے اور اکثر طمعوں میں بجز نامرادی کے اور کچھ نہیں پاتا اس لیے بہت ایذا اٹھاتا ہے اور جس صورت میں کہ عزلت کرلی تو نوبت دیکھنے کی نہ آئے گی اور جب دیکھنے کا نہیں تو اس کی تمنا اور طمع بھی نہ کرے گا اور یہیں وجہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[2] انظر والی من ہو دونکم ولا تنظر والی من ہو فوقکم فانہ اجدران لا تزدروا نعمۃ اللہ علیکم اور عون بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں ابتدا میں تونگروں کے پاس بیٹھا کرتا تھا تو ہمیشہ رنجیدہ اور اداس رہتا کہ ان کے کپڑے اپنے کپڑوں سے بہتر دیکھتا اور ان کی سواری اپنی سواری سے اچھی پاتا۔ مگر پھر میں نے فقیروں کی ہمنشینی اختیار کی تو مجھ کو راحت ہو گئی۔ اور کہتے ہیں کہ مزنیؒ ایک روز جامع فسطاط کے دروازہ سے نکلتے تھے کہ اتنے میں ابن عبد الحکم اپنے لشکر کے ہمراہ وہاں کو گذرا، مزنی اس کا حال دیکھ کر ششدر رہ گئے اور یہ آیت پڑھی[3]، وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ اتصبرون پھر فرمایا کہ ہاں میں صبر کروں گا اور راضی رہوں گا، اور آپ تنگدست کم مایا تھے، غرض کہ جو شخص اپنے گھر میں رہتا ہے وہ ان جیسے فتنوں میں مبتلا نہیں ہوتا اور دنیا کی زینت دیکھنے پر تو دو ہی حال ہوں گے یا یہ کہ دین اور یقین آدمی کا قوی ہو اور صبر کرے، اور ظاہر ہے کہ صبر کی تلخی صبر سے بھی زیادہ ہے یا یہ کہ اس کی خواہش اور طمع ابھر کھڑی ہو اور دنیا کی طلب کی تدبیر کرے اور ہمیشہ کو تباہ ہو جائے دنیا میں تو اس طرح کہ اکثر طمعیں آدمی کی پوری نہیں ہوتیں ہر طالب اور طامع اس مصرع سے گویا تر زبان رہتا ہے۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

---

[1] اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر برتنے کو دی ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو ۱۲ [2] اس کو دیکھو جو تم سے کم ہو اور جو تم سے زیادہ ہو اس کی طرف مت دیکھو کہ یہ امر اس بات کا شایاں تر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اپنے اوپر حقیر نہ بناؤ۔ مسلم بروایت ابی ہریرہ رض ۱۲ [3] اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو، دیکھیں ثابت رہتے ہو۔

اور آخرت میں تباہی کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی متاع کو اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ترجیح دے اور یہیں وجہ ابن اعرابی نے ایک شعر اس مضمون کا کہا ہے ؎

ذلتِ نظر جب آئی امیری کی راہ میں پہنچا میں برتری میں فقیری کی راہ سے

اس میں یہ اشارہ ہے کہ طمع سر دست موجب ذلت کی ہے۔ چنانچہ کسی دوسرے کا شعر ہے۔ شعر:-

طمع را ۳ سہ حرف است و ہر سہ تہی ازاں نیست مر مطمعانؔ را بہی

چھٹا فائدہ عزلت کا یہ ہے کہ جیلوں اور احمقوں کے دیکھنے اور ان کی بے وقوفی اور اخلاق سے ایذا اٹھانے سے نجات ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کا دیکھنا گویا نصف نابینائی ہے۔ اعمشؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی آنکھیں چُندھی کیوں ہوگئیں؟ فرمایا کہ نٹ کھٹ لوگوں کے دیکھنے سے۔ اور کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ بھی ان کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کی آنکھیں چھین لیتا ہے، ان کے عوض میں اس کو وہ چیز دیتا ہے جو آنکھوں سے بہتر ہو، تو تم کو کون چیز عوض میں ملی! انہوں نے ظرافت کی راہ سے کہا کہ مجھ کو آنکھوں کا عوض یہ دیا کہ گراں لوگوں کے دیکھنے سے بچایا اور تم بھی انہیں میں سے ہو اور ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص مجھ سے کہتا تھا کہ میں نے ایک بار گراں شخص کو دیکھا تو مجھ کو غش آگیا۔ اور جالینوس نے کہا ہے کہ ہر شے کا ایک بخار ہے اور روح کی تپ ثقیل شخصوں کو دیکھنا ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں گراں شخصوں کے پاس بیٹھا ہوں تو میری بدن کی جو طرف ان کی جانب ہوئی ہے وہ دوسری طرف کی نسبت کہ مجھ کو بھاری معلوم ہوئی ہے۔ اور پہلے دو فائدوں کے سوا چار فائدے مقاصدِ دنیوی سے متعلق ہیں مگر یہ فوائد دین سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں کیونکہ انسان جب ثقیل آدمی کے دیکھنے سے ایذا پائے گا تو اس کی غیبت کرنے لگے گا اور خدائے تعالیٰ کی حکمت کو بُرا سمجھے گا اور جب دوسرے شخصوں سے غیبت یا بدگمانی یا حسد یا چغلی وغیرہ کے باعث ایذا اٹھائے گا تو یہ دوں ان کی مکافات کے چین نہ لے گا۔ اور یہ سب باتیں انجام کو دین میں خرابی لاتی ہیں اور عزلت میں ان سب سے سلامتی رہتی ہے اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔

خرابیاں اب آفاتِ عزلت کے بیان کی طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ جو مقاصد دینی اور دنیاوی کہ غیر کی مدد سے حاصل ہوتے ہیں وہ بدوں اختلاط کے میسر نہیں ہو سکتے اور جو امور کہ اختلاط سے باہم ہوتے، ظاہر ہے کہ وہ عزلت سے جاتے رہیں گے اور ان کا جاتا رہنا ہی عزلت کا نقصان ہے تو اب اختلاط کے فوائد کو اگر لحاظ کر و تو معلوم ہو جائے گا کہ عزلت کے باعث اتنے فوائد فوت ہو جائیں گے یعنی اختلاط سے یہ فوائد ہیں، تعلیم اور تعلم نفع پہنچانا اور حاصل کرنا ادب دینا اور ادب سیکھنا، انس حاصل کرنا اور دوسروں کا انیس ہونا اور حقوق کی بجا آوری سے ثواب پانا اور پہنچانا، تواضع کا عادی ہونا اور حالات کے دیکھنے سے تجربوں کا حاصل کرنا اور عبرت پکڑنی تو یہ فوائد اختلاط کے ساتھ ہوئے اب ان کی تفصیل لکھی

ؔ طبرانی بروایت جبیر بسند ضعیف اور بخاری میں انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں بندہ کو اس کی دونوں آنکھوں میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے تو میں ان دونوں کے عوض اس کو جنت دیتا ہوں ۱۲ ؏ مطمعان ظاہراً صحیح طامعان یا طامع ہے کیونکہ مطمع تو اطماع سے ہے جس کے معنی طمع رکھنے والے مراد ہیں ۱۲

جاتی ہے۔

آفتِ اول عزلت کی یہ ہے کہ تعلیم و تعلم فوت ہو جاتا ہے جن کی فضیلت ہم باب العلم میں ذکر کر چکے ہیں اور یہ دونوں دنیا کے اندر بڑی عبادات میں سے ہیں اور بدوں اختلاط کے یہ ہو نہیں سکتے، ہاں اتنی بات ہے کہ علوم بہت ہیں اور بعض ضروری نہیں ہیں تو جن علوم کا سیکھنا آدمی پر فرض ہے اگر ان کو نہ سیکھے گا اور عزلت کرے گا تو گنہگار ہوگا اور اگر مقدار فرض کو سیکھ چکا ہے اور باقی علوم میں خوض اس سے نہیں ہو سکتا ہے اور عبادت کرنے کو دل چاہتا ہے تو عزلت کرلے۔ اور اگر علوم نقلی اور عقلی کی تکمیل پر قادر ہے تو قبل تعلم عزلت کرنا اس کے حق میں نہایت خسارہ ہے اور اسی واسطے ابراہیم نخعیؒ اور دوسرے اکابرؒ نے فرمایا ہے کہ پہلے عالم ہو، پھر عزلت کرو۔ اور جو شخص علم سیکھنے سے پہلے عزلت کرتا ہے وہ اکثر اپنے اوقات سونے میں یا کسی ہوس کی فکر میں ضائع کرتا ہے اور غایت یہ ہے کہ تمام اوقات وظیفہ میں ڈوبا رہے اور بدن سے اعمال کرتا رہے مگر دل طرح طرح کے فریبوں سے اس کی سعی کو بیکار اور عمل کو باطل کر دے گا کہ اس کو خبر بھی نہ ہوگی۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے اعتقاد میں کچھ کے کچھ وہم باندھ کر ان سے انس حاصل کرے گا اور اکثر فاسد وسوسے اس کو پیش آئیں گے جن کے باعث اکثر حالات میں شیطان کا کھلونا بنے گا اور دل میں اپنے آپ کو عابد سمجھے گا غرض کہ علم دین کی اصل ہے اور عوام اور جاہلوں کی عزلت میں کچھ خیر نہیں یعنی جو شخص تنہائی میں عبادت کرنا اچھی طرح نہیں جانتا اور اس کو معلوم نہیں کہ خلوت میں کونسی باتیں ضروری ہیں۔ اس کو عزلت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اس لیے کہ آدمی کا نفس ایسا ہے جیسا مریض کہ طبیب مشفق کے علاج کا حاجتمند ہوتا ہے، تو اگر کوئی جاہل مریض طب نہ سیکھے اور طبیب سے تنہا رہنا چاہے تو ظاہر ہے کہ مرض سے دونی ایذا پائے گا۔ پس بجز عالم کے اور کسی کو عزلت زیبا نہیں۔ اور تعلیم میں بھی بڑا ثواب ہے بشرطیکہ معلم اور متعلم دونوں کی نیت درست ہو، اور جس صورت میں کہ معلم کا قصد ہو کہ میری قدر بہت ہو اور شاگرد اور پیرو زیادہ ہوں تو یہ امر دین کی خرابی کا ہے اور ہم نے اس کی وجہ باب العلم میں مذکور کی ہے۔ اور اس زمانہ میں عالم کا حکم یہ ہے کہ اگر اپنے دین کی سلامتی چاہے تو عزلت کرے کیونکہ اب کوئی طالب علم ایسا نظر نہیں آتا جو دین کے فائدے کے لیے تحصیل کرتا ہو، بلکہ ایسی چکنی باتوں کے طالب ہیں جن سے وعظ میں عوام کو اپنی طرف پھیرلیں یا مضامین مناظرہ سیکھتے ہیں کہ ان سے ہمسروں کو بند کریں اور حکام کے یہاں تقرب حاصل کریں اور فخر و مباہات کے مقام میں استعمال میں لاویں اور مرغوب علموں میں سے سب میں اقرب علم مذہب ہے یعنی روایات فقیہہ پر فتویٰ ہے مگر ان کو غالباً اس لیے سیکھتے ہیں کہ ہمسروں سے بڑھ کر رہیں اور عہدہ جات سلطانی پر مامور ہو کر مال جمع کریں تو دین اور احتیاط اسی امر کی مقتضی ہیں کہ عالم ایسے طالب علموں سے احتراز کرے اور اگر کوئی طالب علم ایسا ملے جو اللہ تعالیٰ کے واسطے علم سیکھے، اور علم سے مدِ نظر خدا تعالیٰ کا تقرب ہو تو ایسے طالب علم سے احتراز کرنا اور اس سے علم کا چھپانا سخت گناہ کبیرہ ہے اور ایسا طالب علم اگر میسر بھی ہوتا ہے تو بڑے بڑے شہروں میں ایک دو سے زائد نہیں ہوتا۔ اور سفیان ثوریؒ کے اس قول سے دھوکا مت کھانا کہ ہم نے علم کو غیر اللہ کے لیے سیکھا مگر علم نے نہ مانا بجز اس کے کہ خدا ہی کے لیے ہو۔ اور اس دھوکہ میں آکر یہ مت سمجھنا کہ عالم علم کو غیر اللہ کے لیے سیکھتے ہیں مگر بعد کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ اکثر لوگوں کا حال تمہارے پیش نظر ہے اس کو دیکھ کر عبرت کرو کہ اکثر دنیا کی طلب ہی میں مرتے ہیں اور اسی کے حریص رہتے ہیں کم دیکھو گے

کہ دنیا سے اعراض کریں یا اس کے زاہد بنیں۔ اور مثل مشہور ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اور جان لو کہ جس علم کی طرف سفیان نے اشارہ فرمایا ہے وہ علم حدیث اور تفسیر اور سیرتِ انبیاء اور صحابہؓ کبار کا ہے کہ اس میں خوض کرنا موجب خوفِ الٰہی کا ہوتا ہے اور اگر وہ اس وقت اثر نہیں کرتا تو مال میں موثر ہوتا ہے اور علم کلام اور فقہ محض جو معاملات کے فتاوٰے اور خصوماتِ مذہبی کے فیصلوں پر مشتمل ہے اس کی تاثیر یہ نہیں کہ جو اس میں دنیا کی وجہ سے رغبت کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کردے بلکہ اس کے پڑھنے سے تو آخر عمر تک دنیا کا حریص ہی رہے گا اور غالباً جو باتیں کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں لکھی ہیں اگر طالب علم ان کو دنیا کی ہی رغبت کے لیے سیکھے تو اس کو اجازت دی جاسکتی ہے اس وجہ سے کہ توقع پڑتی ہے کہ آخر عمر میں اپنی حرکت سے باز آوے کیونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا خوف دلانے اور آخرت پر راغب کرنے اور دنیا کے ڈرانے سے بھری ہوئی ہے۔ اور یہ وہ باتیں ہیں کہ احادیث اور تفسیرِ قرآن میں ملتی ہیں اور علمِ کلام اور اقوال راجح اور مرجوع فقیہہ میں نہیں ملتیں تو ایسا نہ ہو کہ آدمی اپنے دل میں دھوکا کھا کر صرف اس کی تحصیل کا ہو رہے اور جانے کہ میں بہتر کرتا ہوں کیونکہ تقصیر والا اگر اپنے قصور کو جانتا ہے تو وہ اس سے اچھا ہوتا ہے جو نادان اور دھوکا کھایا ہوا عمداً نادان بن کر گھٹی اٹھائے۔ اور جو عالم کہ تعلیم پر شدت سے حریص ہو، عجب نہیں کہ اس کی غرض قبول اور جاہ ہو، اور اس کو سردست بھی نفع ہو کہ جاہلوں پر فخر اور ناز کر کے اپنا دل خوش کر لیا، کیونکہ علم کی آفت تکبر ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے[خ] اور بشر سے مروی ہے کہ انہوں نے اٹھارہ صندوق کتبِ احادیث کے جن کو انہوں نے سُنا تھا، دفن کر دیے تھے اور روایتِ حدیث نہیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ مجھ کو تمنا ہے کہ روایتِ حدیث کروں، اسی وجہ سے نہیں کرتا۔ اگر ایسی صورت ہو کہ دل میں ہوس حدیث کے بیان کرنے کی نہ ہو تو البتہ روایت کروں، اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے کہ لفظ حدثنا دنیا کے دروازوں میں کا ایک پھاٹک ہے۔ اور جب کوئی حدثنا کہتا ہے تو وہ یہی کہتا ہے کہ میرے لیے وسعت کرو اور رابعہ عدویہ نے حضرت سفیان ثوریؒ سے فرمایا کہ تم اچھے آدمی ہو بشرطیکہ دنیا کی رغبت نہ ہوتی۔ آپ نے پوچھا کہ میں نے کون سی چیز میں رغبت کی ہے، رابعہ نے کہا کہ حدیث میں، اور یہیں وجہ ابو سلیمان دارانیؒ نے فرمایا کہ جس نے نکاح کیا یا حدیث کو لکھا یا سیاحی میں مشغول ہوا تو اس نے دنیا کی طرف میل کیا۔ اور ان آفات پر ہم باب العلم میں آگاہ کر چکے اور احتیاط اسی میں ہے کہ جس قدر ہو سکے شاگرد کم کرے اور عزلت اختیار کرے۔ اس امر سے احتراز کرے بلکہ جو شخص تدریس اور تعلیم سے دنیا کا طالب ہو تو اس زمانہ میں اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اگر عاقل ہو تو اپنا کام چھوڑ دے

خ معروف یہ ہے کہ آپ نے یوں فرمایا ہے کہ علم کی آفت بھولنا ہے اور جمال کی آفت تکبر ہے چنانچہ مطین نے اپنی مسند میں بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بسند ضعیف روایت کیا ہے ۱۲

کیونکہ ابو سلیمان خطابی نے اس زمانے کا حال یوں بیان کیا ہے اور واقع میں درست کہا ہے۔ جو لوگ تمہارے پاس بیٹھنے اور تم سے پڑھنے کے راغب ہوں ان کو ترک کرو کہ تم کو ان سے نہ مال ملے نہ جمال، وہ لوگ ظاہر کے دوست اور باطن کے دشمن ہیں، جب تم کو دیکھتے ہیں تو خوشامد کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے بُرا کہتے ہیں۔ اگر کوئی پاس آتا ہے تو تمہارے افعال کا نگراں رہتا ہے اور باہر جاکر تمہاری بُرائیاں کہتا ہے۔ یہ لوگ نفاق اور چغلی اور کینہ اور فریب کے بندے ہیں، ان کے جمع ہونے سے دھوکا مت کھانا۔ ان کی غرض علم کی تحصیل نہیں۔ بلکہ وہ جاہ و مال کے خواہاں ہیں۔ تم کو اپنے مطلب کا زینہ خواہ اپنی حاجات کا گدھا بنایا چاہتے ہیں۔ اگر ان کو کسی غرض میں تم سے کوتاہی ہوجائے تو سخت دشمن ہوجاتے ہیں۔ پھر تمہارے پاس اپنی آمد و رفت کا ناز کرتے اور اس امر کو تم پر حق واجب سمجھتے ہیں۔ اور تم سے اس بات کے خواہاں ہیں کہ اپنی عزت اور دنیا و دین سب ان کے لیے خرچ کرو۔ یعنی ان کے دشمن سے عداوت کرو اور ان کے فریب کی مدد اور خادم اور دوست کی اعانت کرو۔ ان کی یہ مرضی ہے کہ تم عالم ہوکر ان کے لیے بے وقوف بنو اور متبوع اور رئیس ہوکر ان کے تابع خسیس ٹھہرو اور یہیں وجہ مشہور ہے کہ عوام سے کنارہ کرنا مروت کامل ہے۔ یہ خلاصۂ تقریر ابو سلیمان کا ہے۔ اور بہت درست و بجا ہے کہ مدرس بے چارے ہمیشہ کی غلامی میں رہتے ہیں۔ یعنی جو کوئی ان کے پاس آتا ہے وہ اپنا حق جتاتا ہے اور بڑا احسان جتاتا ہے گویا مدرس کو کوئی جاگیر بخش دی ہے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اگر مدرس اپنے روزینہ سے طالب علم کے کھانے کی خبر نہ لے تو اس کے پاس کوئی نہیں جاتا، اور اس کا روزینہ اس قدر نہیں ہوتا کہ طلبہ کی خوراک کی بھی صورت ہوجائے تو وہ بے چارہ سلاطین کا سلامی ہوتا ہے اور اقسام کی ذلت کھینچتا ہے، یہاں تک کہ سلطان کسی حرام آمدنی پر اس کے لیے کچھ لکھ دیتا ہے اب اس کو عامل کی خدمت اور غلامی کرنی پڑتی ہے اور بہت دنوں اس کی دربارداری میں ذلیل ہوتا ہے حتیٰ کہ مال اس سے اس طرح وصول ہوتا ہے کہ گویا اس نے اپنی گرہ سے دیا ان سب وقتوں کے بعد طلبہ میں تقسیم کرنے کا نیا درد اٹھاتا ہے۔ یعنی اگر سب کو برابر دیتا ہے تو منتہی شخص ناراض ہوتے ہیں، اور مدرس کو احمق کہتے ہیں کہ ان کو تمیز نہیں کہ مصارف اہل فضل کے کتنے ہوتے ہیں اور طریق عدل کا قائم رکھنا نہیں جانتے اور اگر باہم تفاوت کے ساتھ دیتا ہے تو بے وقوف زبان سے اس پر گل تراشتے ہیں اور شیر و اژدہا کی طرح اس پر بھبکتے اور لپکتے ہیں۔ غرض کہ دنیا میں تو مٹی خراب رہتی ہے اور آخرت میں جو مال لے کر تقسیم کرتا ہے اس کے مظلمہ میں خراب ہوگا اور طرفہ یہ ہے کہ مدرس صاحب کا نفس باوجود ان مصائب کے ان کو جھوٹی آرزوئیں دلاتا ہے اور فریب کے داؤں کھیلتا ہے کہ تو اپنے

کام میں سستی نہ کرے، جو کچھ تو کرتا ہے اس سے رضائے الٰہی کا طالب ہے اور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور علم دین کے پھیلانے میں ساعی ہے اور بندگانِ خدا میں سے جو علم کے طالب ہیں ان کی خدمت کرتا ہے اور سلاطین کے مال خاص ان کی مِلک نہیں بلکہ وہ مصلحتوں کے لیے ہیں اور علم کے زیادہ کرنے سے کوئی مصلحت زیادہ نہیں کیونکہ علماء کے سبب سے دین کا اظہار اور اہل دین کی تقویت ہے۔ اور اگر یہ مدرسہ شیطان کا کھلونا نہ ہوتا تو ادنیٰ تامل سے جان لیتا کہ زمانہ کی خرابی کی وجہ یہی ہے کہ ایسے فقیہہ بہت ہو گئے ہیں کہ جو پاتے ہیں کھا جاتے ہیں۔ اور حلال وحرام میں کچھ فرق نہیں کرتے اور جاہل ان کو دیکھ کر گناہوں پر جرأت کرتے ہیں، اور ان کے قدم بقدم چلتے ہیں، اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ رعیت نہیں خراب ہوتی مگر بادشاہوں کے خراب ہونے سے۔ اور بادشاہ نہیں خراب ہوتے مگر علماء کے خراب ہونے سے، ہم خدائے تعالےٰ سے پناہ مانگتے ہیں مغالطہ کھانے اور بصیرت کے جانے سے۔ کیونکہ یہ ایسا روگ ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

دوسری آفت عزلت کی یہ ہے کہ نفع اور انتفاع فوت ہو جاتا ہے، یعنی لوگوں سے خود نفع اٹھانا کھانے اور معاملہ کرنے سے ہوتا ہے اور یہ بدوں اختلاط کے میسّر نہیں، تو جو شخص معاملات و کسب کا حاجتمند ہے وہ خواہی نخواہی عزلت کا تارک ہوگا۔ پھر معاملات میں اگر شریعت کے بموجب کاربند ہوگا تو اختلاط میں بڑی دقت اٹھانی پڑے گی، چنانچہ باب الکسب میں ہم اس کو لکھ چکے ہیں، پس اگر آدمی کے پاس اس قدر مایہ ہو کہ کفایت سے چلے تو کافی ہو جائے تو ایسے کے حق میں عزلت افضل ہے اس لیے کہ اب کسبِ معیشت کا باب بجز معاصی کے اور نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ منظور ہو کہ کسبِ معیشت میں خیرات کا صیغہ جاری رکھے اور حلال وجہ سے کما کر صدقہ دیا کرے تو اس عزلت سے بہتر ہے جو صرف نفل کے لیے اختیار کرے۔ مگر اس عزلت سے بہتر نہیں جو خدائے تعالےٰ کی معرفت اور علوم شریعت کی تحقیق کے لیے ہو، اور نہ اس امر سے بہتر ہے کہ آدمی اپنی ہمہ تن ہمت سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور صرف ذکرِ الٰہی کے لیے ہو رہے یعنی اس کو مناجاتِ الٰہی سے انس ہو کشف اور بصیرت کے ساتھ، نہ وہمی باتوں اور خیالاتِ فاسدہ کے طور پر اور دوسروں کو نفع پہنچانا اس طرح ہے کہ یا مال سے ان کے ساتھ سلوک کرے یا بدن سے کوئی ان کی خدمت بجا لاوے اور ظاہر ہے کہ خالص نیت سے بدوں اجرت کے مسلمانوں کی حاجات کو پورا کرنا اجر جزیل رکھتا ہے مگر بدوں اختلاط کے بن نہیں پڑتا تو جو شخص کہ لوگوں کی کاربرآری پر قادر ہو اور اسکے ساتھ شریعت کے حدود کو بھی ہاتھ سے نہ دے تو ایسے شخص کیلیے اختلاط عزلت کی نسبت کر افضل ہے بشرطیکہ عزلت میں نوافل نماز اور اعمال بدنی کے سوا اور کچھ نہ کرتا ہو، اور جس شخص کو دل سے عمل کرنے کا راستہ کھل گیا ہو اور مدام ذکر و فکر میں رہتا ہو تو اس کے برابر البتہ دوسری بات نہیں ہو سکتی۔

تیسری آفت عزلت کی یہ ہے کہ تادیب اور تادب سے باز رہنا پڑتا ہے۔ اور ہماری غرض تادب سے

یہ ہے کہ نفس کا مرتاض ہو جانا اور لوگوں سے ایذا کا تحمل کرنا تاکہ نفس ڈھیلا ہو جاوے اور شہوت مغلوب ہووے اور اور نفس کا مرتاض ہونا بھی بدوں اختلاط کے نہیں ہو سکتا۔ اور اختلاط عزلت سے اس شخص کے حق میں بہتر ہے جس کے اخلاق مہذب اور شہوات حدود شرعیہ کی منقاد نہوں اور یہیں وجہ خانقاہوں کے خادم جو صوفیوں کی خدمت کرتے ہیں اس کام کو بہتر سمجھتے ہیں اس وجہ سے لوگوں سے سوال کرتے ہیں نفس کی رعونت ٹوٹتی ہے اور صوفیوں کی دعا سے برکت ہوتی ہے جو ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہیں گزشتہ زمانوں کی ابتدا میں اس کام کی وجہ یہی تھی اب انہیں اور اغراض فاسدہ مل گئے ہیں اور پہلا قانون باقی نہیں رہا جیسے اور دین کے شعائر اپنی اصلی ہیئت سے مائل ہو گئے اب خدمت کے لئے تواضع اسلئے کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ تابع ہو جائیں اور بہت سا مال مل جائے تو اگر خدمت اور ریاضت سے یہی نیت ہو تو اس سے تو عزلت ہی بہتر ہے گو کسی قبر کے پاس ہو اور اگر واقع میں نیت نفس کی رعونت دور کرنے کی ہو تو جو شخص ریاضت کا محتاج ہو اس کے حق میں عزلت کی نسبت کر بہتر ہے اور ریاضت کی احتیاج ابتدا سلوک میں ہوتی ہے بعد حصول ریاضت کے یہ سمجھنا ضرور ہے کہ گھوڑے کو جو پھیرتے ہیں اس سے فقط پھیرنا مقصود نہیں ہے بلکہ غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ بعد شائستگی کے اس کو قطع منازل کے لئے مرکب کیا جائے اور جس منزل کو جانا چاہیں اس کے ذریعہ سے پہنچ سکیں اسی طرح آدمی کا بدن دل کی سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر طریق آخرت کے منازل کو قطع کرے اور چونکہ اس میں بہت سی شہوات ہیں کہ ان کو دور نہ کیا جائے تو راستہ میں سرکشی کر بیٹھے گا اسلئے، حاجت ریاضت ہوئی مگر مقصود وہی سواری ہے پس اگر کوئی عمر ریاضت میں رہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص تمام عمر گھوڑے کو پھرا دے اور سوار نہ ہو تو اس صورت میں اس کی شائستگی کا یہی فائدہ ہوگا کہ سر دست کاٹنے اور لات اور ٹاپ مارنے سے محفوظ رہے گا۔ اور ہر چند یہ فائدہ بھی مقصود ہے مگر ایسا فائدہ تو مردار جانور سے بھی حاصل ہے گھوڑا تو اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے زندگی میں کچھ کام لیا جاوے اسی طرح بدن کی شہوات سے رہائی تو سونے اور مرنے سے بھی حاصل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر صرف ترک شہوات ہی مقصود نہیں بلکہ اس کے بعد راہ آخرت کو طے کرنا بھی مقصود ہے پس آدمی کو چاہیئے کہ ترک شہوات اور صرف ریاضت پر قانع نہ ہو جیسے کسی نے ایک راہب کو کہا تھا اے راہب اس نے جواب دیا کہ میں تو راہب نہیں ہوں بلکہ ایک باؤ لا کتا ہوں میں نے اپنے نفس کو روک لیا ہے کہ آدمیوں کو نہ کاٹوں اور ایسا شخص بہ نسبت ایذا دہندہ کے بہتر ہے مگر صرف اسی قدر پر قناعت نہ چاہیئے کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو قتل کر ڈالے عدم ایذا مردم تو اس میں بھی ہو جائے گا مگر طریق آخرت کچھ طے نہ ہوگا اس لئے یہ چاہیئے کہ اپنے انتہائے مقصود کو مدِ نظر کرے کہ ریاضت کے بعد کیا کرنا ہوگا اور جب کوئی اس دقیقہ کو سمجھ لے اور راہِ راست پر آکر سلوک پر

قادر ہوگا اس کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ عزلت اس کے لئے اس طریق میں زیادہ معین ہے بہ نسبت اختلاط کے یعنی ایسے شخص کے لئے ابتداء امر میں اختلاط افضل ہے اور انجام کو عزلت۔ اور تادیب سے ہماری غرض دوسرے کو ریاضت کش کرنا ہے جیسے صوفیوں کے مرشد صوفیوں کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بھی بدون اختلاط کے نہیں ہو سکتا یعنی مرشد جب تک مریدوں کے ساتھ اختلاط نہ کرے گا ان کی تہذیب پر قادر نہ ہوگا اور مرشد کا حال معلم کی طرح ہے اور جو حکم معلم کا ہے وہی مرشد کا ہے اور ارشاد میں بھی آفتیں دقیق اور ایسی ہی آئی ہیں جیسے علم کے سکھانے میں آئی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ جو مرید طالب ریاضت ہیں ان میں آثار طلب دنیا کے بعید ہوتے ہیں اور طالبان علم میں طلب دنیا کے علامات قریب ہیں اور اسی جہت سے طالبان ریاضت کم نظر آتے اور طلبہ علم بہت تو اس صورت میں یہ چاہیئے کہ جو بات خلوت سے حاصل ہو اس کو اس سے مقابل کرے جو اختلاط سے میسر ہو اور دونوں میں سے افضل کو اختیار کرے اور افضل کا معلوم کرنا دقیق اجتہاد سے متعلق ہے اور احوال اور اشخاص کے سبب سے مختلف ہوا کرتا ہے اس جہت سے اس پر حکم نفی اثبات کا مطلقا نہیں کر سکتے بدون تفصیل کے۔

چوتھی آفت۔ عزلت کی یہ ہے کہ دوسروں سے انس کا حاصل ہونا اور ان کو انس دینا فوت ہو جاتا ہے اور یہ امر اس شخص کو منظور ہوتا ہے جو ولیموں اور دعوتوں اور دل لگی کی جگہوں میں نہیں جاتا اور اس کا مال مسرت لذت نفسانی ہوتی ہے اور کبھی دیانت بھی ہوا کرتی ہے جیسے کوئی مشائخ سے انس حاصل کرے اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ تقویٰ اور ورع میں رہتے ہیں تو ان کے اقوال اور حالات کو دیکھ کر انس حاصل کرنا دین کے باب میں مستحب ہے بشرطیکہ حظ نفسانی سے مقصود یہ ہو کہ عبادت میں کچھ نشاط و کیفیت ابھرے اور دل کو راحت ملے اس لئے کہ دل سے اگر بزور متواتر کام لیا جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے تو جس صورت میں تنہائی میں وحشت ہو اور دوسروں کے پاس بیٹھنے سے دل کو انس اور راحت پہنچتی ہو تو اختلاط اولیٰ ہے کیونکہ عبادت میں نرمی برتنی احتیاط کا کام ہے اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[1] ان اللہ لا یمل حتیٰ تملوا اور یہ امر بھی ضروری ہے بایں وجہ کہ علی الدوام بدون راحت کے امر حق سے الفت نہیں کرتا اور اگر بزور اس سے کام لیا جاتا ہے تو گھبرا جاتا ہے اور دین میں جو کوئی طاقت سے زیادہ اپنے ذمہ پر کوئی بات کر لیتا ہے تو آخر کو وہی مغلوب ہو جاتا ہے اور دین غالب رہتا ہے احتیاط اسی میں ہے کہ دین میں نرمی سے داخل ہوا ور یہی وجہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو خوف وسواس نہ ہوتا تو میں آدمیوں سے ہم نشینی نہ کرتا اور ایک بار یوں فرمایا کہ ایسے شہروں میں چلا جاتا جہاں کوئی انیس نہیں ہوتا۔ اور آدمیوں کی خرابی آدمیوں ہی سے لگا

---

[1] اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا ہے یہاں تک کہ تم تھک جاؤ۔ اس کی سند پیشتر گزری ہے۔

کرتی ہے تو اس صورت میں عزلت کرنے والے کے لئے ایک رفیق ضروری ہے جس سے رات دن کے عرصہ میں دیکھنے اور بات کرنے سے گھنٹہ بھر دل بہلاوے مگر ایسا شخص تلاش کرنا چاہیئے جو فقط اسی ایک گھنٹہ میں اس کے تمام گھنٹوں کی محنت رائگاں نہ کرے چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں[1] المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل اور چاہیئے کہ رفیق سے ملنے کے وقت زیادہ تر تمنا اس بات کی کرے کہ امور دینی میں گفتگو ہو اور دل کا احوال اور اس کی شکایت بیان کی جائے کہ امر حق پر ثابت اور مستقل کم رہتا ہے اس کی تدبیر کیا ہے تو اس طرح کے اختلاط میں البتہ نفس کو راحت ملتی ہے اور جو شخص اس کی درستی کے درپے ہے اس کو اس میں بہت گنجائش ہے کیونکہ گو کتنی ہی عمر زیادہ ہو شکایت کبھی منقطع نہ ہوگی اور جو شخص اپنے نفس کے حال سے راضی ہو جاتا ہے وہ یقیناً مغالطہ میں پڑتا ہے غرض کہ انس کا یہ طور البتہ دن کے کسی حصہ میں بعض اشخاص کے حق میں عزلت سے بہتر ہے تو عزلت والے کو چاہیئے کہ اپنے دل کا حال دریافت کرے پھر جلیس کے حالات معلوم کرے تب اس سے ہمنشینی کا مضائقہ نہیں۔

پانچویں آفت۔ عزلت کی یہ ہے کہ ثواب کے پہنچنے اور پہنچانے سے محروم رہتا ہے ثواب اپنے آپ کو ہونا تو اس طرح ہے کہ جنازوں پر جانا اور بیماروں کا پوچھنا اور عیدین میں شریک ہونا وغیرہ اور جمعہ میں حاضر ہونا عزلت والے کو ضرور چاہیئے اسی طرح سب نمازوں کی جماعت میں بھی شرکت ضروری ہے جماعت کے ترک کی اجازت کسی صورت میں نہیں ہاں اگر خوف کسی ایسے ظاہری نقصان کا ہو جو جماعت کے ثواب نہ ملنے کا ہم پلہ اور اس سے زائد ہو تب ترک جماعت ہو سکتا ہے مگر ایسا اتفاق بہت کم ہوتا ہے اور ولیموں اور دعوتوں اور نکاحوں میں شریک ہونے سے بھی ثواب ملتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو ثواب پہنچانا اس طرح ہے کہ اپنا دروازہ کھلا رکھے تاکہ لوگ اس کی عیادت کریں اور مصیبت میں تسکین اور خوشی میں تہنیت کریں کیونکہ ان باتوں سے لوگوں کو ثواب ملتا ہے اسی طرح اگر آدمی عالم ہو اور وہ اجازت دیدے کہ لوگ زیارت کریں تو ان کو زیارت کا ثواب ملے گا اور اس کا سبب یہی شخص ہوگا تو سالک کو چاہیئے کہ ان اختلاطوں کے ثواب کو ان آفتوں سے مقابل کرے جو ہم نے مذکور کی ہیں اس صورت میں کبھی تو عزلت کو ترجیح ہوگی اور کبھی اختلاط کو اور سلف کے بعض لوگ مثل مالکؒ وغیرہم اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے دعوتوں کا قبول کرنا اور بیماروں کا پوچھنا اور جنازوں پر جانا بالکل ترک کر دیا تھا بجز جمعہ اور زیارت قبور کے مطلق باہر نہ نکلتے تھے اور بعضوں نے سکونت شہروں کی ترک کر کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لی تھی کہ عبادت میں فراغت ملے اور کوئی مانع پیش نہ آئے۔

چھٹی آفت:۔ عزلت کی یہ ہے کہ تواضع فوت ہوئی ہے جو افضل مقامات ہے اور تنہائی میں نہیں

[1] آدمی اپنے خلیل کے دین پر ہے تو تم میں سے کوئی جس سے خلت کرے اسکو دیکھ لے اس کی سند باب آداب الصحبت میں گزری۔

بن سکتی بلکہ تنہائی کا باعث کبھی تکبر بھی ہوا کرتا ہے چنانچہ بنی اسرائیل کی خبروں میں مذکور ہے کہ کسی حکیم نے حکمت کے باب میں ترسٹھ کتابیں بنائیں تھیں یہاں تک کہ اس کو گمان ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مجھ کو بڑا مرتبہ ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی پر وحی بھیجی کہ فلاں شخص سے کہدو کہ تو نے اپنی بکبک سے تمام زمین بھردی میں تیری اس بک میں سے کچھ قبول نہیں کرتا اس حکیم نے خلوت اختیار کی اور زمین کے نیچے کسی تہہ خانے میں جارہا اور دل میں کہا کہ اب میں اپنے پروردگار کی محبت کو پہنچ گیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی بھیجی کہ اسکو کہدو کہ میری رضا کو نہ پہنچے گا جب تک کہ لوگوں سے اختلاط کرکے ان کی ایذا نہ سہے اس کے بعد اس نے عوام سے اختلاط کیا اور ان کے پاس بیٹھا اور ساتھ کھانا کھایا اور بازاروں میں ان کے ہمراہ پھرا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم فرمایا کہ اس سے کہدو کہ اب تو ہماری رضا کو پہنچا۔ پس بعض عزلت گزیں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی عزلت کا باعث تکبر ہی ہوتا ہے اور محفلوں میں اسی وجہ سے نہیں جاتے کہ کوئی توقیر نہ کرے گا یا مقدم نہ بٹھائے گا یا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگوں سے نہ ملیں گے تو ہمارا رتبہ بڑھے گا اور نام زیادہ مشہور ہوگا اور کچھ لوگ اس وجہ سے عزلت اختیار کرتے ہیں کہ مبادا اختلاط کے باعث ہماری قلعی کھل جاوے اور زہد و عبادت کا اعتقاد جو ہم پر کرتے ہیں وہ نابود ہو جائے اسلئے وہ اپنے گھر کو اپنی برائیوں کی آڑ بنا لیتے ہیں تا کہ لوگ ان کو عابد و زاہد جانیں حالانکہ خود بدولت گھر میں کوئی وقت بھی ذکر و فکر میں صرف نہیں کرتے اور ان لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ خود کسی کے یہاں جانا پسند نہیں کرتے اور دوسروں کا اپنے یہاں آنا چاہتے ہیں بلکہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ عوام اور سلاطین ان کے دروازہ اور راستہ پر جمع ہوں اور ان کے ہاتھ کو تبرک جان کر بوسہ دیں تو ایسے لوگوں کو اگر اختلاط کی نفرت شغل عبادت کی جہت سے ہوتی تو جیسا اپنا جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا دوسرے کا آنا بھی اپنے پاس برا جانتے جیسے فضیلؒ کا حال ہم نے ابھی کیا ہے کہ دوست کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ تم صرف اس لئے آئے ہو کہ میں تمہارے سامنے بن سنور کر بیٹھوں اور تم میرے سامنے یا جیسے حاتم اصمؒ نے اس حاکم سے کہا تھا جو ان سے ملنے گیا تھا کہ میری حاجت یہ ہے کہ نہ میں تم کو دیکھوں اور نہ تم مجھ کو تو جو شخص تنہائی میں مشغول بذکر خدا نہیں اس کی عزلت کرنے کا سبب یہی ہے کہ شدت سے لوگوں میں مشغول ہے یعنی اس کا دل یہی چاہتا ہے کہ لوگ مجھ کو وقار اور حرمت کی نظر سے دیکھیں پس ایسی عزلت کئی وجہ سے جہالت ہے اول یہ کہ جو شخص علم اور دین میں بڑا ہوتا ہے۔ تو اختلاط اور تواضع سے اس کا منصب کم نہیں ہوتا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خرما اور نمک اپنے کپڑے اور ہاتھ میں اٹھالاتے اور فرماتے ؎

کامل کو کچھ ضرر نہیں اس کے کمال میں — گر فائدہ کی چیز وہ لاوے عیال میں

اور حضرت ابوہریرہؓ اور حذیفہ بن یمانؓ اور ابی بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ لکڑی کے گٹھے اور آٹے

کی گٹھڑیاں اپنے شانوں پر لے آتے تھے اور حضرت ابوہریرہ اپنے عہد حکومت میں لکڑیاں سر پر لئے جاتے اور کہتے کہ اپنے امیر کو راستہ دو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چیز خرید فرماتے [۱] اور خود مکان کو لے چلتے اور کوئی صحابی عرض کرتا کہ مجھ کو عنایت فرمائیے کہ میں لے چلوں تو فرماتے کہ چیز کا مالک اس کے لے چلنے کا زیادہ مستحق ہے اور حضرت امام حسن علیہ السلام سائلوں پر گزرتے کہ وہ ٹکڑے کھاتے ہوتے اور کہتے کہ صاحبزادہ آؤ کچھ تناول فرماؤ تو آپ سواری سے اترتے اور راستہ پر بیٹھ کر ان کے ساتھ کھاتے پھر سوار ہو کر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ تکبر والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص اس کام میں لگا ہے کہ لوگ مجھ سے راضی رہیں اور میرے باب میں اپنا اعتقاد درست رکھیں وہ مغالطہ میں پڑا ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کو کما حقہٗ پہچانے تو جان لے کہ خلق سے کوئی کام نہیں نکلتا نفع اور نقصان سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کوئی اس کے سوا نہ فائدہ پہنچا سکے نہ ضرر اور جو شخص لوگوں کی رضامندی اور محبت اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے ـــــــــ اور خلق کو بھی اس سے ناخوش کرتا ہے علاوہ اس کے لوگوں کی رضامندی طلب کی جائے اور اسی جہت سے حضرت امام شافعیؒ نے یونس بن عبد الاعلیٰ کو فرمایا کہ بخدا میں تیرے بھلے کی کہتا ہوں کہ آدمیوں سے سلامت رہنے کی کوئی تدبیر نہیں اس صورت میں تامل کر کے جو اپنے حق میں مصلحت جانو اس کو کرو اور اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

غم سے مرتا ہے کرے جو کوئی لوگوں کا لحاظ ملتی ہے دنیا میں لذت اس کو جو بے باک ہو

اور سہیل تستریؒ نے اپنے کسی مرید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ فلاں عمل کرو اس نے عرض کیا کہ یہ لوگوں کی جہت سے میں نہیں کر سکتا آپ اپنے مریدوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ آدمی کو حقیقت معرفت نہیں ملتی جب تک کہ دو باتوں میں سے ایک کے ساتھ متصف نہ ہو یا یہ کہ لوگ اس کی نظر سے گر جاویں کہ دنیا میں سوائے اپنے پروردگار کے اور کسی کو نہ دیکھے اور سمجھ لے کہ کوئی مجھ کو نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا یا یہ کہ اس کا نفس اس کے دل کے سامنے ہیچ ہو جاوے کہ اس کی پرواہ نہ رہے کہ لوگ کس حال پر مجھ کو دیکھیں گے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کا دوست اور دشمن نہ ہو تو جب یہ بات ہے تو انہیں کے ساتھ رہنا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے ہیں اور حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ آپ کی مجلس میں کچھ لوگ صرف اسی غرض سے آتے ہیں کہ دیکھیں آپ کہاں کہاں وعظ میں غلطی کرتے ہیں یا سوال کر کے آپ کو دق کریں آپ نے تبسم فرما کر اس شخص سے کہا کہ اس بات سے برا مت مانو کیونکہ میں نے اپنے نفس کو جنت میں رہنے اور خدائے تعالیٰ کی ہمسائیگی کے لئے رکھا ہے تو اسی کا میں طامع ہوں اور یہ میں نے کبھی نہیں کہا کہ لوگوں سے سلامت رہوں گا اس

---

[۱] ابو یعلی بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف۔

لئے کہ مجھ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو لوگوں کا خالق اور رزاق اور زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے وہ تو ان سے سلامت ہی نہیں رہا میں کیسے سلامت رہونگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب الہٰی میں عرض کیا کہ یارب لوگوں کی زبان مجھ سے روک دے حکم ہوا کہ اے موسیٰ یہ وہ بات ہے کہ اس کو میں نے اپنی ذات پاک کے لئے نہیں پسند کیا تو تیرے لئے کیسے کروں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اگر تم کو یہ بات اچھی نہیں ہوتی کہ میں تم کو لوگوں کے منہ میں مسواک کی طرح کر دوں کہ تم کو چبایا کریں تو میں تم کو اپنے یہاں تواضع کرنے والوں میں نہ لکھوں گا حاصل یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو گھر میں اسلئے روک رکھے کہ اس کے باب میں لوگوں کا اعتقاد اچھا ہو جاوے اور سب نیک کہیں تو اس کو دنیا میں بھی مشقت ہوئی اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے اگر سمجھے اس سے یہ نکلتا ہے کہ عزلت ایسے ہی شخص کو مستحب ہے جو ہر وقت اپنے پروردگار کے ذکر اور فکر اور عبادت اور معرفت میں ڈوبا رہے اور اگر لوگوں سے اختلاط کرے تو اس کی اوقات رائیگاں ہوا اور عبادت پریشان تو عزلت کے اختیار کرنے میں یہ آفتیں پوشیدہ ہیں ان سے ضرور بچنا چاہیئے کہ ظاہر میں تو نجات دینے والی معلوم ہوتی ہیں مگر واقع میں ہلاک کرنے والی ہیں۔

ساتویں آفت۔ عزلت کی یہ ہے کہ تجربے فوت ہوتے ہیں جن کا مدار لوگوں سے ملنے اور ان کے روز مرہ کے حالات دیکھنے پر ہے اور عقل طبعی دین اور دنیا کی مصلحتوں کے سمجھنے کے لئے کافی نہیں بلکہ مصلحتیں تجربہ اور مہارت سے معلوم ہوتی ہیں اور جو شخص تجربوں سے خوب ماہر نہ ہو اس کی عزلت میں کچھ بہتری نہیں مثلاً اگر کوئی لڑکا عزلت کرے تو ناتجربہ کار اور جاہل رہے گا بلکہ چاہیئے کہ اوّل علم پڑھے اور اس عرصہ میں جتنے تجربے کہ ضروری ہیں اس کو حاصل ہو جائیں گے اور اسی قدر کافی ہوں گے اور باقی تجربے حالات کے سننے سے بھی معلوم ہو سکتے ہیں اختلاط ہی کے محتاج نہیں اور نہ یادہ ضروری تجربوں میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس اور اخلاق اور صفات باطنی کو آزمالے اور یہ امر تنہائی میں نہیں ہو سکتا اس لئے کہ تنہائی میں ہر تجربہ کرنے والا راحت پاتا ہے اور جتنے غصہ والے اور کینہ اور حسد والے ہیں جب علیحدہ ہوتے ہیں تو ان سے کوئی خباثت سرزد نہیں ہوتی اور یہ صفتیں سب مہلک ہیں ان کا دور کرنا واجب ہے اور مغلوب کرنا پر ضرور ان میں یہ کافی نہیں کہ جن امور سے ان کو جنبش ہوتی ہو ان سے دور رہ کر ان کو ساکن کر دیا جائے کیونکہ دل کی مثال جس میں ایسی صفات بھری ہوں ایسی ہے جیسے دنبل جس میں پیپ اور کچھ لہو بھرا ہوا اور جب تک ان کو جنبش نہ ہو یا کوئی ہاتھ نہ لگاوے تب تک دنبل والے کو اس کا درد معلوم نہ ہو اب اگر فرض کرو کہ اس شخص کے ہاتھ نہیں جو اس کو چھوئے اور نہ آنکھ ہے کہ دیکھے اور نہ کوئی اس کے پاس ہے جو اسکو جنبش دے تو غالباً وہ دل میں یہی سمجھے گا کہ میں تندرست ہوں اور میرے بدن میں کوئی دنبل نہیں لیکن اگر کوئی اس کو حرکت دے گا

یا نشتر لگا دے گا تو اس میں سے پیپ اور مادہ ایسے بہنے لگے گا جیسے بند پانی فوارہ میں سے ابھرتا ہے اسی طرح جس دل میں کینہ اور بخل اور حسد اور غصہ اور دوسرے برے اخلاق بھرے ہوتے ہیں وہ بھی جوش کرتے ہیں جب ان کو حرکت دی جاتی ہے اور یہیں وجہ سالکان طریق آخرت جو اپنے دلوں کو صاف کیا چاہتے تھے وہ اپنے نفسوں کا امتحان لیا کرتے تھے تو جس شخص کو اپنے نفس میں تکبر معلوم ہوتا تھا تو پانی کی مشک کمر پر یا لکڑیوں کا بوجھ سر پر لے کر بازاروں میں پھرتا تھا کہ اس سے نفس کا تکبر دور ہو غرضیکہ نفس کی آفات اور شیطان کے مکر پوشیدہ ہوتے ہیں ایسے لوگ کم ہیں جو ان کو جانتے ہوں اور یہیں وجہ ایک بزرگ سے نقل ہے فرمایا کہ میں نے تیس برس کی نماز دوبارہ پڑھی باوجودیکہ میں اس کو صف اول میں پڑھا کرتا تھا مگر دوہرانے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز کسی عذر سے میں پیچھے رہ گیا اور اول صف میں جگہ نہ پائی لہذا دوسری صف میں کھڑا ہو گیا تو میں نے اپنے نفس کو دیکھا کہ میرے پیچھے رہ جانے کے باعث سے جو لوگ مجھے دیکھتے تھے تو خجالت کرتا تھا اس وقت میں نے جانا کہ میری نماز ریا سے ملی ہوئی تھی اور یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ مجھ کو خیرات کی طرف سبقت کرنے والا دیکھیں حاصل یہ کہ اختلاط کا ایک بڑا فائدہ کھلا ہوا یہ ہے کہ اس سے صفات مذمومہ معلوم ہو جاتی ہیں اور یہیں وجہ کہتے ہیں کہ سفر اخلاق کو ظاہر کر دیتا ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک قسم کا اختلاط ہے جو دیرپا رہتا ہے اور ان صفات کے معانی اور باریکیاں جلد ثالث میں مذکور ہوں گی کیونکہ ان کو نہ جاننے کے سبب سے بہت سا عمل خراب ہو جاتا ہے اور ان کے جاننے کے باعث سے تھوڑا سا عمل عمدہ ہو جاتا ہے اور اگر یہ بات نہیں ہوتی تو علم کو فضیلت عمل پر نہ ہوتی کیونکہ محال ہے کہ نماز کا علم جو صرف نماز کے لئے مقصود ہے نماز سے افضل ہو اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ جو چیز غیر کے لئے مقصود ہوتی ہے تو وہ غیر اس سے اشرف ہوا کرتا ہے مگر شریعت نے عابد سے عالم کے افضل ہونے کا حکم کیا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [۱] فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنٰی رجل من اصحابی تو معلوم ہوا کہ علم کو فضیلت تین وجہوں سے ہے اول تو وہی جو ہم نے ذکر کی یعنی اس کے باعث سے تھوڑا عمل بھی صاف وشستہ ہوتا ہے دوم یہ کہ علم کا فائدہ دوسرے کو پہنچتا ہے اور عمل کا فائدہ متعدی نہیں تیسرے یہ کہ علم سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور افعال کا علم ہو جو سب اعمال سے افضل ہے بلکہ اعمال سے غرض یہی ہے کہ دل مخلوق کی طرف سے خالق کی طرف راجع ہو اور بعد رجوع الی اللہ کے خدائے تعالیٰ کی معرفت اور محبت کے لئے ابھرے تو علم اور عمل دونوں اس علم کے لئے ہوتے ہیں اور مریدوں کی انتہا یہی علم ہے اور عمل اس کے لئے شرط کا قائم مقام ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں [۲] الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ تو کلم طیب یہی علم ہے اور عمل ایسا ہے جیسا بوجھ

---

[۱] عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت ایک ادنیٰ شخص پر میرے اصحاب میں سے اسکی سند باب العلم میں گزر گئی [۲] اسی کی طرف چڑھتا ہے کام ستھرا اور کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے ۱۲

اٹھانے والا کہ اس کو اٹھا کر منزل مقصود کو پہنچا دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ سواری کی نسبت کر سوار بہتر ہو گا یہ تقریر بطور جملہ معترضہ کے آگئی کہ اس بحث میں مناسب نہیں اس لئے ہم اس کو چھوڑ کر غرض اصلی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ جب تم نے عزلت کے فوائد اور آفات معلوم کر لئے تو جان لیا ہو گا کہ عزلت پر مطلق حکم کرنا کہ وہ افضل ہے یا نہیں ہے خطا ہے بلکہ چاہیئے کہ اس شخص کو اور اس کے حال کو اور جلیس اور اس کے احوال کو دیکھا جائے اور یہ بھی کہ اختلاط کا باعث کیا ہے اور اختلاط کے باعث سے کون کونسے فوائد جاتے رہیں گے اور کیا نفع ہو گا پھر نفع اور نقصان کا مقابلہ کیا جائے تب البتہ امر حق واضح ہو گا اور فضیلت معلوم ہو گی اور امام شافعیؒ کی تقریر اس باب میں قول فیصل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے یونس آدمیوں سے منقبض رہنا موجب عداوت کا ہے اور ان سے کھل کھیلنا برے ہم نشیں پیدا کرتا ہے تو ایسی طرح رہنا چاہیئے کہ نہ منقبض ہو نہ منبسط چنانچہ سعدیؒ فرماتے ہیں نہ ؏ چندان درشتی کن کہ از تو سیر گردند نہ چنداں نرمی کہ بر تو دلیر غرضکہ اختلاط اور عزلت میں اعتدال ضروری ہے اور یہ امر حالات کے تفاوت سے مختلف ہوا کرتا ہے اور فوائد و آفات کے دیکھنے سے افضل طریق واضح ہو جاتا ہے اس باب میں امر حق ٹھیک یہی ہے اور اس کے سوا جو کچھ کسی نے ذکر کیا ہے وہ ناتمام ہے بلکہ ہر ایک نے ایک ایسی حالت خاص کا ذکر کیا ہے جس میں وہ خود موجود ہے تو اگر غیر شخص پر جو اس حال میں نہیں ہے وہی حکم کیا جائے تو درست ہو گا اور علم ظاہر میں صوفی اور عالم کے درمیان بھی یہی فرق ہے کہ صوفی وہی تقریر کرتا ہے جس حال میں خود ہوتا ہے اس وجہ سے مسائل میں صوفیوں کے جواب جدا جدا ہوتے ہیں اور عالم وہ ہے کہ امر حق کو نفس الامر میں دریافت کرتا ہے اور اپنے حال کا لحاظ نہیں کرتا اسی وجہ سے جو کہتا ہے وہی حق ہوتا ہے اسمیں مجال اختلاف نہیں ہو سکتی کیونکہ امر حق تو ہمیشہ ایک ہی ہو گا اور حق سے قاصر بے شمار ہوا کرتے ہیں اور یہیں وجہ صوفیۂ کرام سے جو درویشی کا حال پوچھا گیا ہے تو ہر ایک نے وہ جواب دیا جو دوسرے کے جواب کا غیر تھا اور وہ جواب ہر چند باعتبار مجیب کے حال کے حق ہے مگر نفس الامر میں حق نہیں اس لئے کہ حق تو ایک ہی ہوا کرتا ہے مثلاً ابو عبد اللہ جلا سے جو پوچھا گیا کہ فقیری کیا ہے فرمایا کہ اپنی دونوں آستینیں دیوار سے مار کر کہو کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے یہی فقیری ہے اور حضرت جنید بغدادیؒ نے اس کا جواب یہ فرمایا ہے کہ فقیر وہ ہے جو نہ ؎ سوال کرے نہ کسی سے مزاحمت کرے اور اگر اس سے کوئی مناقشہ کرے تو خاموش ہو جائے اور سہل بن عبد اللہؒ نے فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو سوال نہ کرے اور نہ ذخیرہ کرے اور کسی اور بزرگ نے فرمایا ہے کہ فقیری یہ ہے کہ تمہارے پاس کچھ نہ ہو اور جب ہو بھی جاوے تو اپنی نہ سمجھو اور چونکہ تمہاری نہ تھی تو اب بھی تمہاری نہیں اور ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ فقیری یہ

؏ لوگوں نے نہ اتنی سختی کر دو کہ تم سے سیر ہو جاویں اور نہ ایسی نرمی کہ تمہارے سر چڑھ جاویں ؎ یعنی نہ مانگے اور نہ ٹوکے ۱۲

ہے کہ شکایت[۱] نہ کرے اور سخی کا اثر ظاہر ہو۔ اور مقصود یہ ہے کہ اگر سو آدمیوں سے سوال کیا جائے تو سو[۱]
جواب جدا جدا ہوں گے کہ غالباً دو بھی ایک سے نہ ہوں اور وہ من وجہ سب درست ہوں گے اسلئے کہ ہر ایک
کا جواب اس کے حال کی خبر اور جو کچھ اس کے دل پر غالب ہو رہا ہے اس کی حکایت ہو گی اور اسی وجہ
سے اس فرقہ کے دو آدمی ایسے نہ دیکھو گے جن میں سے ایک اپنے ساتھی کو تصوف میں ثابت قدم بتلائے
اور اس کی تعریف کرے بلکہ ہر ایک کو یہی دعویٰ ہوتا ہے کہ واصل اور واقف بحق میں ہی ہوں اس لئے
کہ ان کی دوڑ انہیں احوال کے مقتضا تک ہے جو ان کے دلوں پر پیش ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اپنے
ہی نفس سے مشغول رہتے ہیں دوسروں کی طرف التفات نہیں کرتے اور علم کا نور جب چمکتا ہے تو سب پر
محیط ہوتا ہے اور پردہ خفا کو دور کرتا ہے اور اختلاف اٹھا ڈالتا ہے اور اس اختلاف کی مثال یہ ہے کہ
ہم نے زوال کے وقت سایہ اصلی کے باب میں اقوال دیکھے ہیں کہ کچھ کہتے ہیں کہ گرمیوں میں سایہ دو قدم ہوتا
ہے اور کوئی کہتا ہے کہ نصف قدم ہوتا ہے اور دوسرا اس پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جاڑوں میں
سات قدم ہوتا ہے۔ اور کوئی پانچ قدم بتاتا ہے اور دوسرا اس کو رد کرتا ہے تو یہ حال صوفیوں کے
جوابوں کا سا ہے یعنی ہر شخص نے اپنے شہر کے سایہ اصلی کو دیکھ کر کہہ دیا کہ اتنا ہے اور یہ بات درست
ہے مگر دوسرے کی غلطی جو بیان کرتا ہے وہ بیجا ہے کیونکہ تمام دنیا کو اس نے اپنا شہر یا اس کے مثل سمجھ
لیا ہے جیسے صوفی اپنے حال پر قیاس کر کے دنیا پر حکم لگا دیتا ہے اور جو شخص زوال کو جانتا ہے اس کو معلوم
ہے کہ سایہ کس باعث سے چھوٹا اور بڑا ہوا کرتا ہے اور شہروں میں کس وجہ سے مختلف ہوتا ہے اسی وجہ سے
اس کا جواب ہر شہر کے لئے ایک جدا حکم پر مشتمل ہو گا مثلاً کہے گا کہ بعض شہروں میں سایہ نہیں رہتا اور بعض
میں لمبا اور بعض میں کوتاہ ہے۔ یہ ہے عزلت اور اختلاط کی فضیلت کا بیان جس کو ہم نے ذکر کرنا چاہا تھا اب
اگر یہ کہو کہ اگر کوئی اپنے حق میں عزلت افضل اور اسلم سمجھے تو عزلت کے آداب اس کے لئے کیا ہیں تو اس
کا جواب یہ ہے کہ آداب اختلاط کا بیان کرنا البتہ طویل تھا اس کو ہم باب آداب صحبت میں لکھ آئے اور عزلت
کو ہم طول نہیں دیتے مختصراً بیان کئے دیتے ہیں کہ عزلت کرنے والے کو اول یہ نیت کرنی چاہیئے کہ میری برائی
لوگوں کو نہ پہنچے دوم یہ کہ لوگوں کی شرکت سے سلامت رہوں سوم حقوق مسلمین کی بجا آوری میں قاصر ہونے
سے نجات پاؤں چہارم بتمام ہمت خدائے تعالیٰ کی عبادت کے لئے مجرد ہو جاؤں جب اس طرح عزلت
کرنے میں نیت کر چکے تو پھر خلوت میں علم اور عمل اور ذکر اور فکر پر مداومت کرے تا کہ ثمرہ عزلت سے
دامن مراد بھرے اور لوگوں کو روک دے کہ میرے پاس بہت آمدورفت نہ کرو و نہ اکثر اوقات میں

[۱] اصل میں یہ ہے کہ شکوہ ترک کرے اور نعمت ظاہر کرے۔

دلجمعی نہ ہوگی اور لوگوں کے احوال اور شہر کی ژٹلیں نہ سنے اور نہ اس بات پر کان لگا دے کہ لوگ کیا کرتے ہیں کیونکہ یہ سب باتیں دل میں کھب جاتی ہیں حتیٰ کہ نماز کے اندر اور فکر کے اثنا میں ایسی طرح اُبھر کھڑی ہوتی ہیں کہ آدمی کو خبر بھی نہیں ہوتی کان میں خبروں کا پڑنا ایسا ہے جیسے زمین میں تخم کا گرنا کہ وہ بھی ضرور نکلتا ہے اور رگ و ریشہ و برگ و شاخ پیدا کرتا ہے اسی طرح خبروں سے اور خبریں متفرع ہوتی ہیں اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور عزلت میں ایک امر ضروری یہ ہے کہ وسوسے منقطع ہوں جو ذکرِ الٰہی سے روکتے ہیں اور خبریں ان کا منبع ٹھہریں تو ان سے احتراز ضروری ہوا اور چاہیئے کہ تھوڑی سی معیشت پر قناعت کرے ورنہ اگر وسعت چاہے گا تو ناچار لوگوں سے اختلاط کرنا پڑے گا۔ اور چاہیے کہ ہمسایوں کی ایذا پر صابر ہوا اور اگر وہ عزلت کرنے سے اس کے ثنا خواں ہوں یا ترک اختلاط پر طعن کریں تو کچھ نہ سُنے اور اپنے دھیان میں لگا رہے اس لئے کہ اگر تھوڑی دیر بھی سنی جاتی ہیں تو بہت ضرر کرتی ہیں اور اپنے شغل ولی کے وقت یہ بھی ضرور ہے کہ طریق آخرت کی سیر سے واقف ہو یعنی یہ سیر یا تو اس طرح ہوتی ہے کہ کسی وظیفہ یا ذکر پر حضور دل کے ساتھ مواظبت کرے یا اس طرح ہے کہ اللہ تعالےٰ کے جلال اور صفات اور افعال اور زمین و آسمان کے اسرار میں فکر کرے یا یوں ہے کہ اعمال کی باریکیوں اور دل کے مفسدات میں تامل کرے اور امور سے بچنے کی جستجو میں رہے اور یہ سب طریق فراغت کو چاہتی ہیں اور جس صورت میں کہ آدمی اخبار وغیرہ پر کان لگا دے گا تو فراغت کا ہونا معلوم بلکہ اسی وقت دل کو پریشانی ہوگی اور بعض اوقات ان حالات کا یاد آ جانا دوام فکر کا بھی مخل ہوتا ہے۔ اور ایک بات یہ چاہیئے کہ کوئی گھر کا آدمی یا جلیس نیک بخت بھی ہو تا کہ عزلت نشیں دن بھر میں ایک گھنٹہ اس کی صحبت میں دل بہلائے اور محنت متواترہ سے راحت پائے کہ اس طرح سے باقی اوقات پر سہارا ہو جاتا ہے اور عزلت پر صبر کرنا اس وقت کامل ہوتا ہے کہ آدمی دنیا سے اور جس بات میں دنیا والے مصروف ہوں اس سے طمع قطع کر دے اور طمع کے منقطع ہونے کی صورت بجز امل کے مختصر کرنے کے اور کوئی نہیں یعنی اپنی زندگی بہت نہ سمجھے بلکہ یوں جانے کہ صبح ہوئی تو شام نہ پکڑوں گا اور شام ہوئی تو صبح نہ پکڑوں گا اس صورت میں اس پر چار پہر کا صبر کرنا آسان ہوگا اور اگر بالفرض یہ سوچے گا کہ میری موت بیس برس کے بعد آوے گی تو اتنے عرصہ تک صبر کرنا دشوار ہوگا۔ اور چاہیئے کہ عزلت میں موت کو بہت یاد کرے اور جب تنہائی سے دل تنگ ہو تو یہ سمجھے کہ آخر قبر میں کون ساتھ ہوگا وہاں بھی تو تنہا پڑا رہنا ہوگا اور یہ یقین کرے کہ جس کسی کا دل اللہ تعالیٰ کے

ف اور تو نہ سمجھ جو لوگ مارے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مردے بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے افضل سے

ذکر اور معرفت سے انس حاصل نہ کرے گا۔ اس کو مرنے کے بعد تنہائی کی وحشت کی تاب نہ ہوگی اور جو شخص ذکر اور معرفت سے مانوس ہوگا تو مرنے سے اس کا انس جاتا نہ رہے گا کیونکہ موت انس اور معرفت کے محل کو نہیں ڈھاتی بلکہ وہ خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس کی معرفت اور انس سے زندہ اور خوش رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہدا کے باب میں فرمایا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ۔ اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس پر مشقت کرتا ہے وہ مرنے کے بعد شہید ہوتا ہے کیونکہ جہاد کرنے والا وہی ہے جو اپنے نفس اور خواہش پر جہاد کرے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی[1،2] ہے اور جہاد اکبر نفس ہی کا جہاد ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کیا اس سے مراد ان کی یہی تھی کہ نفس کا جہاد شروع کیا اب باب عزلت تمام ہوا۔

والحمد للہ اولاً و آخراً والسلام علی کل عبدٍ مصطفیٰ

ساتواں باب سفر اور اس کے آداب

رباعی

ہے تعب و مشقت میں سفر مثل سقر ہوتی ہے ولے اس سے بھی آخر کو ظفر
ہے قول خدا دیکھئے سیروا فی الارض تا تجھ پہ کھلے راز معمائے سفر

واضح ہو کہ سفر نفرت کی چیز سے خلاصی کا ذریعہ اور مطلوب چیز کے ملنے کا وسیلہ ہے اور سفر دو قسم ہے ایک ظاہر بدن سے کہ اپنے وطن اور قرارگاہ سے جدا ہو کر صحرا و دشت نوردی کرے دوسرے سفر باطن دل کا کہ اسفل السافلین سے ملکوت سموات کی سیر کرے اور دونوں قسموں میں سے سفر باطن اشرف ہے اس لئے کہ جو شخص اسی حالت پر ٹھہرا رہتا ہے جس پر کہ پیدا ہوا ہے اور جو کچھ باپ دادوں کی تقلید سے سیکھ لیا ہے اسی پر جما رہتا ہے تو وہ درجہ قصور پر لازم اور مرتبہ نقصان پر قانع ہے اور وسعت فضاء جنت کے عوض تاریکی مجلس دار وحشت اختیار کرتا ہے اور کسی نے سچ کہا ہے۔ شعر۔

اس سے بڑھ کر ہے نہیں انسان میں کوئی بدی ہو کے قادر اپنی وہ تکمیل پر ناقص رہے

حاکم بروایت فضالہ بن عبید اور اس میں لفظ خواہش نہیں ۱۲۔ ع ۲ یہ سوچے گا الخ مطلب اصلی احیاء کا یہ کہ اگر فرض کر لو کہ اس کی موت کے وقت میں ۲۰ برس کی تاخیر ہے تو یکبارگی بیس برس تک صبر کرنے کا عزم آسان نہ ہوگا۔

مگر چونکہ اس سفر میں گھسنا دشوار ہے اسلئے اس کے واسطے کوئی راہبر اور رفیق درکار ہے اور ازانجا کہ راہ نامعلوم ہے اور راہبر اور رفیق معدوم اور راہ کے چلنے والے تھوڑے بہرہ پر مائل ہوتے ہیں اور اس دولت کثیر سے غافل لہذا ان راہوں میں کوئی پھرنے والا رہا نہ انفس و آفاق اور ملکوت کی سیرگاہوں میں کوئی سیر کرنے والا حالانکہ اللہ تعالیٰ اسی راستہ کی طرف بلاتا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے ت۱ سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم اور فرمایا ت۲ وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اور اس سفر سے بیٹھ رہنے پر اللہ تعالیٰ انکار فرماتا ہے اپنے اس ارشاد میں ت۳ وانکم لتمرون علیهم مصبحین وباللیل افلا تعقلون اور اس آیت میں ت۴ وکاین من آیة فی السموات والارض یمرون علیها وهم عنها معرضون تو جس شخص کو یہ سفر نصیب ہوتا ہے وہ بدن سے تو اپنے وطن اور قرارگاہ میں رہتا ہے اور باطن سے تماشا سیرگاہ جنت کا جس کا پھیلاؤ زمین کے برابر ہے کیا کرتا ہے یہ وہی سفر ہے جس کے چشموں اور گھاٹوں پر تنگی کا خطر نہیں اور کثرت ازدحام سے اس کو ضرر نہیں بلکہ مسافروں کی کثرت سے اس کے ثمرات اور فوائد زیادہ ہوتے ہیں۔ نہ اس کے ثمرات دائمی سے کسی کو مزاحمت اور نہ فوائد متزائد سے کسی کو ممانعت جو مسافر خود سستی سے بھرے یا اپنی حرکت میں وقفہ کرے تو اپنا کیا پاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت۵ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم اور ت۶ فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبہم اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا مگر بندے ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے اور جو شخص مرد اس مکان کا اور تماشائی اس بوستان کا نہیں وہ عجب نہیں کہ بہت سی مدت میں ظاہر بدن سے چند فرسخ گنتی کے چلے اور تجارت دنیاوی خواہ ذخیرۂ اخروی کے لئے اسی کو غنیمت سمجھے پس اگر اس کا مطلب سفر سے علم کا سیکھنا اور دین ہوگا یا دین پر مدد لینے کے لئے کفایت چاہتا ہوگا تو اس صورت میں تو وہ راہ آخرت کا سالک ہوگا اور سفر کے لئے اس کو کچھ شرطیں اور آداب چاہئیں کہ اگر ان کا لحاظ نہ کرے تو دنیادار اور زمرۂ شیاطین میں متصور ہو اور اگر ان کا لحاظ مدام رکھے تو اس سفر میں وہ فوائد ملیں جن سے آخرت کے طلبگاروں میں لاحق ہو جاتے اس لئے ہم سفر کے آداب و شروط کو دو فصلوں میں لکھتے ہیں۔

ت۱ اب ہم دکھادیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور آپ ان کی جان میں ۱۲ ت۲ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کو اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں ۱۲ ت۳ اور تم گذرتے ہو ان پر صبح کے وقت اور رات کو پھر کیا نہیں بوجھتے ۱۲ ت۴ اور بہتیری نشانیاں آسمان و زمین میں جن پر ہو نکلتے ہیں اور ان پر دھیان نہیں کرتے ت۵ اللہ نہیں بدلتا جو ہے کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو ہے اپنے بیچ ۱۲ ت۶ جب وہ پھر گئے پھیر دیئے اللہ نے ان کے دل ۱۲

پہلی فصل شروع سفر سے اختتام تک کے آداب اور نیت وفوائد کی تفصیل

فضائل مخفی نہ رہے کہ سفر ایک قسم کی حرکت اور اختلاط کا نام ہے اور اس میں بہت سے فائدے اور آفتیں ہیں چنانچہ باب الصحبت اور عزلت میں ہم نے ذکر کیا ہے اور جو فوائد کہ آدمی کو سفر پر آمادہ کرتے ہیں وہ یا تو کسی چیز سے گریز کرنا یا کسی چیز کا طالب کرتا ہے یعنی مسافر جو سفر کرتا ہے تو وہ یا اس لئے کرتا ہے کہ کوئی چیز اس کو بزور اپنے مقام سے نکالے دیتی ہے اور اگر بالفرض وہ نہ ہوتی تو یہ سفر بھی نہ کرتا یا اس لئے کرتا ہے کہ کسی مقصد یا مطلوب کو حاصل کرے اور گریز کرنے کی چیز یا ایسی ہے جس کی تاثیر امور دنیاوی پر ہو مثلاً طاعون اور وبا کا شہر میں ہونا یا کسی فتنہ اور خصومت کا برپا ہو جانا یا غلہ کا گران ہو جانا یہ اسباب تو عام ہیں اور کبھی سبب خاص بھی ہوتا ہے کہ شہر والوں کو خاص اسی شخص کو ایذا دینی منظور ہو اس لئے شہر سے چلا جائے اور ایک صورت ہے کہ اس کی تاثیر دین میں ہو مثلاً شہر میں رہنے سے جاہ ومال میں بتلا ہو جانا اور ایسے اسباب کی کثرت ہونی جن سے خدائے تعالیٰ کے ذکر کے لئے فارغ بالی میسر نہ ہو تو اس وجہ سے سفر اور گمنامی اختیار کرے اور جاہ وغنا سے احتراز چاہئے یا کسی شخص کو شہر والے جبراً بدعت کے ارتکاب کے لئے کہیں خواہ ایسے عمل کی ولایت اس کے سر دھریں جس کا کرنا شرعاً مباح اور حلال نہ ہو تو اس نظر سے شہر کو چھوڑنا چاہئے۔ اور مطلوب چیز بھی یا دنیاوی ہو جیسے مال وجاہ کی طلب یا کوئی امر دینی ہو پھر دینی مطلب یا علم ہوگا یا عمل اور علم تین طرح پر ہے ایک فقہ وحدیث وتفسیر اور ان کے متعلقات کا علم دوسرے اپنے اخلاق اور صفات کا علم تجربہ کے طور پر تیسرے زمین کی نشانیاں اور اس کے عجائب کا علم جیسے ذوالقرنین نے زمین کے اطراف میں سفر کیا تھا اور عمل دو طرح پر ہے یا عبادت یا زیارت عبادت تو جیسے حج اور عمرہ اور جہاد کا سفر ہے اور زیارت کا سفر یا مکانات کی طرف ہوگا جیسے مکہ اور مدینہ زادہما اللہ شرفاً اور بیت المقدس کا سفر یا دارالاسلام کی حدود پر کفار کو روکنے کے لئے جانا اور کبھی سفر زیارت سے مقصود اولیا اور علماء ہوتے ہیں اور وہ یا تو زندہ ہوں گے جن کو دیکھنا موجب برکت ہے اور ان کے حال کا مشاہدہ کرنے سے ان کی پیروی کی رغبت کو زور ہوتا ہے یا وہ مردے ہیں کہ ان کی قبروں کی زیارت ہوا کرتی ہے غرضکہ سفر کی اتنی ہی قسمیں ہیں اور اس تقسیم سے اقسام مفصلہ ذیل نکلتی ہیں۔ قسم اوّل علم کے لئے سفر کرنا اور چونکہ علم یا واجب ہے یا نفل ہے تو سفر بھی واجب کے لئے واجب ہوگا اور نفل کے لئے نفل اور ابھی ہم نے لکھا ہے کہ علم یا امور دینی کا علم ہے یا اپنے اخلاق کا یا زمین کے عجائب قدرت الٰہی کا ان میں سے علم کے لئے سفر کرے گا ثواب پاوے گا چنانچہ

علم دین کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں [۱] من خرج من بیتہ فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا [۲] من سلک طریقا یلتمس فیہ علما سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ اور حضرت سعید بن المسیب ایک حدیث کی طلب میں بہت سے دنوں کا سفر کیا کرتے تھے اور شعبی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسے کلمہ کی تلاش میں جو اس کو نیک بات بتائے یا ہلاک سے بچائے شام سے لے کر یمن کے اس کنارہ تک چلا جائے تو اس کا سفر ضائع نہ ہوگا اور جابر بن عبد اللہؓ مع دس صحابہؓ کے مدینہ منورہ سے مصر کو تشریف لے گئے کیونکہ انہوں نے سنا کہ عبد اللہ بن انیس انصاریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں چنانچہ ایک مہینہ برابر چلے اور اس حدیث کو سنا اور صحابہؓ کے زمانہ سے ہمارے اس زمانہ تک عالم ایسے کم ہوں گے جنہوں نے علم دین کی تحصیل میں سفر نہ کیا ہو۔ اور اپنے نفس اور اخلاق کا علم بھی ضروری ہے اس لئے کہ طریق آخرت کا چلنا بدون عادات کی درستی اور اخلاق کی تہذیب کے ممکن نہیں اور جو شخص اپنے باطن کے اسرار اور صفات کی برائیوں سے واقف نہ ہوگا وہ اپنے دل کو ان سے صاف کیسے کرے گا اور سفر تو اسی کو کہتے ہیں جس سے اخلاق ظاہر ہوں اور اسی سے اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے امور مخفی کر نکالتا ہے اور سفر کا نام بھی سفر اسی وجہ سے ہے کہ مشتق سفر سے ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں تو اخلاق کا ظاہر کرنے والا ہونے سے سفر کہلایا گیا اور اس لئے حضرت عمرؓ کے سامنے جب کسی گواہ کا پہچاننا ایک شخص نے بیان کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تو اس گواہ کے ساتھ کبھی سفر میں بھی رہا ہے جس سے مکارم اخلاق معلوم ہوا کرتے ہیں اس نے عرض کیا کہ یہ بات تو نہیں ہوئی آپ نے فرمایا کہ میری دانست میں تو اس سے ناواقف ہے اور بشرؒ فرمایا کرتے کہ اے گروہ قاریان سفر کرو تاکہ طیب ہو جاؤ کیونکہ پانی جب رواں ہوتا ہے تو طیب ہوتا ہے اور اگر مدت تک ایک جگہ میں ٹھہرتا ہے تو متغیر ہو جاتا ہے حاصل یہ کہ آدمی جب تک وطن میں رہتا ہے تو جن امور کی عادات اس کی طبیعت کو ہوتی ہے انہیں سے مانوس رہتا ہے اور برے اخلاق ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ طبیعت کے خلاف کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی اور جب سفر کی سختی اٹھاتا ہے اور امور معمولی اور معتاد میں تغیر پاتا ہے تو اخلاق کی خفیہ آیات منکشف ہو جاتی ہیں اور ان کے عیوب پر مطلع ہوتا ہے تو اب ان کا علاج بھی کر سکتا ہے جیسا کہ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

تا بہ دکان خانہ در گروی   ہرگز اے خام آدمی نشوی

---

[۱] جو شخص اپنے گھر سے علم کی طلب میں نکلے تو وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہے ترمذی بروایت انس اور کہا کہ حسن غریب ہے ۱۲

[۲] جو شخص یوں راہ چلے کہ اس میں علم طلب کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کی راہ سہل کر دیتا ہے مسلم کی حدیث پیشتر ہے گزری ۱۲ بخاری نے اسکو نقل کیا ہے۔

اورعزلت کی آفات کے ضمن میں ہم اختلاط کے فوائد ذکر کرچکے ہیں سفر میں اختلاط کے سوا اتنی بات اور ہے کہ کچھ زیادتی شغل کی اور مشقتوں کا اٹھانا بھی ہوتا ہے باقی رہا زمین میں خدائے تعالیٰ کی نشانیوں کا دیکھنا سو ان کے دیکھنے میں بھی بہت فائدے ہیں اہل بصیرت کے لئے مثلاً امکنہ مختلفہ ایک دوسرے سے متصل اور کوہ دشت اور بحر و بر اور اقسام حیوانات نباتات سب کچھ دیکھنے میں آتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جو خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر شاہد نہ ہوں اور زبان گویا سے اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر ان کی شہادت اور تسبیح کو وہی سمجھتا ہے جو کان لگاوے اور حضور دل سے سنے ورنہ منکر اور غافل جو دنیا کی ظاہری بہار پر فریفتہ ہیں وہ نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اس لئے کہ ان کو وہ کان ہی نہیں اور نہ وہ آنکھیں وہ تو اس آیت کے مصداق ہیں [۱] یعلمون ظاہرا من الحیوۃ الدنیا و ھم عن الاخرۃ ھم غافلون اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے [۲] انھم عن السمع لمعزولون اس میں ظاہر کے کان مراد نہیں کیونکہ گوش ظاہر سے تو وہ لوگ معزول نہ تھے بلکہ گوش باطن مراد ہیں اور گوش ظاہر سے بجز آواز کی چیزوں کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا اور اس باب میں خصوصیت انسان کو ہی نہیں سب حیوانات بھی اصوات سنتے اور گوش باطن سے زبان حال سنی جاتی ہے جو زبان قال سے علیحدہ چیز ہے جیسے کوئی میخ اور دیوار کا قصہ بیان کرے کہ دیوار نے میخ سے کہا کہ تو مجھ کو کیوں چیرتی ہے میخ نے جواب دیا کہ یہ امر اس سے دریافت کر جو میرے سر پر چوٹ کرتا ہے یعنی پتھر سے پوچھ کہ مجھ کو میری تجویز پر کیوں نہیں چھوڑتا مجھ کو کیونکہ ٹھوکتا ہے غرض کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر انواع شہادت نہ رکھتا ہو اور یہی شہادتیں اس کی توحید ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے پر جو شہادتیں ہر ذرہ میں ہیں وہ اس کی تسبیح ہیں مگر لوگ ذرہ کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس وجہ سے کہ ان کو مضیق گوش ظاہر سے میدان وسیع باطن کا سفر میسر نہیں ہوا اور زبان قال کی رکاکت سے زبان حال کی فصاحت پر گذر نصیب نہیں ہوا اور اگر بالفرض ہر عاجز شخص اس طرح کا سفر کر لیا کرتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام ہی پرندوں کی گفتگو سمجھنے سے مخصوص نہ ہوتے اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی کے سننے کی خصوصیت ہوتی جس کلام کا پاک جاننا اور اصوات کی مشابہت سے واجب اور جو شخص سفر کرتا ہے اس غرض سے کہ ان شہادتوں کو جو صفحات جمادات پر خطوط الٰہی سے لکھی ہوئی ہیں تلاش کرے اس کو سفر بدنی بہت سا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ ایک جگہ ٹھہر کر اپنے دل کو فارغ کرے گا تاکہ ہر ذرہ سے صدائے تسبیح سن کر راحت پاتے ایسے شخص کو جنگلوں میں پھرنے سے کیا کام اس کا مطلب تو آسمانوں کے اسرار سے نکل

---

[۱] جانتے تھے اوپر اوپر دنیا کا جینا اور وہ لوگ آخرت سے خبر نہیں رکھتے [۲] ان کو تو سننے کی جگہ سے کورے کر دیا ہے۔ ۱۲

سکتا ہے کہ سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے مطیع ہیں اور ارباب بصیرت کی نگاہوں میں سال اور مہینہ میں کئی بار دورے کرتے ہیں بلکہ ہر لحظہ حرکت کی مشقت اٹھاتے ہیں تو جس شخص کے گرد خود کعبہ طواف کرے وہ اگر کسی مسجد کے طواف کے لئے محنت کرے تو خالی از تعجب نہیں اسی طرح جس شخص کے گرد اطراف آسمان گے گردش کرتے ہوں وہ زمین کی سمتوں میں دورہ کرے گا تو خالی تعجب سے نہیں۔ پھر مسافر جب تک چشم ظاہر کے دیکھنے کا محتاج رہے گا اور سیر عالم ظاہری کو منحصر آنکھ کے دیکھنے پر جانتے گا تب تک وہ خدا تعالیٰ کی طرف چلنے والوں کی اول منزل میں رہے گا گویا کہ وطن کے دروازہ پر بیٹھا ہے اور میدان وسیع تک پہنچنے کی نوبت نہیں اور اس منزل میں پڑے رہنے کا سبب سوائے نامردی اور کم ہمتی کے اور کچھ نہیں اور یہی وجہ کسی اہل دل نے فرمایا ہے کہ آدمی یوں کہتے ہیں کہ اپنی آنکھیں کھولو اور میں کہتا ہوں کہ آنکھیں بند کرو تاکہ دیکھو اور قول میں یہ دونوں قول حق ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ قول اول حکایت منزل کی ہے جو وطن سے قریب ہے اور دوسرا قول ان منازل کا حال ہے جو وطن سے دور ہیں اور ان کو وہی طے کرتا ہے جو اپنے نفس کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور ان کی طرف گذرنے والا بعض اوقات برسوں حیران پھرتا ہے اور کبھی توفیق اس کا ہاتھ پکڑ کر سیدھا راستہ بتا دیتی ہے لیکن اس جنگل میں ہلاک ہونے والے بہت ہیں ؎

درین ورطہ کشتی فرو شد ہزار   کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

مگر جن لوگوں کو توفیق یاور ہوئی ان کو راحت بے شمار اور سلطنت پائدار ملی اور وہی لوگ ہیں کہ کاتب ازل نے ان کی قسمت میں خوبی لکھی ہے اس سلطنت کا حال دنیا کی سلطنت کا سا جانو کہ اوّل تو باوجود لوگوں کی کثرت کے اس کے طالب کم ہوتے ہیں پھر طالبوں میں سے ہلاک ہونے والے زیادہ ہوتے ہیں اور مراد کو پہنچنے والے کم اور یہ دستور ہے کہ جب مطلب بڑا ہوتا ہے تو اس میں مددگار کم ہوتے ہیں اور نامرد اور عاجز طلب سلطنت کے درپے نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں خطرہ اور مشقت بہت ہے اس کا نتیجہ اسی وقت ہوتا ہے کہ نفس حوصلہ دار ہو جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

نفس جب حوصلہ ور ہوتے ہیں اسوقت اجسام   محنتیں ان کی مرادوں کے لئے سہتے ہیں

اور اللہ نے دین اور دنیا کی عزت اور سلطنت کو بجز محل خطر کے اور کسی جگہ نہیں رکھا مگر نامرد اپنے جبن اور قصور کا نام ہوشیاری اور پرہیز رکھ لیتا ہے چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎

نامرد بزدلی کو سمجھتے ہیں احتیاط   برحق یہ ہے کہ دھوکا ہے طبع لئیم کا

غرض کہ ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عقدہ کشائیاں زمین میں دیکھ کر اگر سفر باطن منظور ہو تو اس کا حکم یہ تھا کہ جو مذکور ہوا اب ہم اس مطلب کو لکھتے ہیں جس کے بیان کے درپے ہیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ سفر عبادت کے لئے ہو مثلاً حج یا جہاد کے واسطے ہو اور اس سفر کی فضیلت اور آداب اور ظاہری اور باطنی اعمال باب اسرار حج میں ہم نے لکھے ہیں اور اسی میں داخل ہے انبیاء علیہم السلام اور صحابہؓ و تابعین اور علماء اور اولیاء کی قبروں کی زیارت یعنی جن لوگوں کا دیکھنا زندگی میں موجب برکت ہے تو ان کے مرنے کے بعد ان کے قبروں کی زیارت باعث برکت ہے اور اس غرض کے لئے سفر کرنا درست ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد[1] ہے لا تشد الرجال الا الیٰ ثلثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھذا ومسجد الاقصیٰ اس سفر کا مانع نہیں اس لئے کہ یہ حکم مسجدوں کے باب میں ہے کہ ان تینوں کے سوا سب ایک سی ہیں ورنہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی زیارت میں اصل فضیلت یکساں ہے گو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جتنا ان کے مدارج میں فرق ہے اسی قدر فضیلت بھی متفاوت ہوتی ہے اور حاصل یہ ہے کہ زندوں کی زیارت بہ نسبت مردوں کے افضل تر ہے اور زندوں کی زیارت کے یہ فائدے ہیں اور نیز ان کی زیارت میں ان کی پیروی اور ان کے اخلاق سے موصوف ہونے کی رغبت اٹھتی ہے علاوہ ازیں ان کی ذات اور افعال سے فوائد علمیہ کے حاصل ہونے کی توقع رہتی ہے اور خود فی اللہ بھائیوں کی زیارت ہی کو دیکھ لو کہ قطع نظر اور فوائد کے اس میں کتنی فضیلت ہے چنانچہ آداب الصحبت میں ہم لکھ آئے ہیں اور توریت میں ہے کہ چار میل سفر کر کے فی اللہ برادر کی زیارت کر باقی رہا مکانوں کا زیارت کرنا تو ان کی زیارت کے کچھ معنی نہیں بجز تینوں مسجدوں کے اور جگہ کو سفر نہ کیا جائے اور حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً کے فضائل باب الحج میں ہم لکھ آئے ہیں اور بیت المقدس کے فضائل بھی بہت ہیں حضرت ابن عمرؓ مدینہ منورہ سے چل کر بیت المقدس پہنچے اور پانچ نمازیں اسی میں ادا کر کے دوسرے روز وہاں سے مدینہ طیبہ کو رجوع فرمایا اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے پروردگار سے یہ دعا مانگی تھی کہ الٰہی جو کوئی اس مسجد کا قصد کرے اور بجز اس میں نماز پڑھنے کے اور کچھ اس کی غرض نہ ہو تو وہ جب تک اس مسجد میں رہے تو اپنی نظر عنایت اس سے مت ہٹا یو یہاں تک کہ وہ اس میں سے باہر ہو جائے اور اس کو گناہوں سے نکال دینا جیسا وہ اس روز تھا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے یہ دعا حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبول فرمائی پس ظاہر ہے کہ مسجد موصوف کی زیارت کا بہت ثواب ہے **تیسری قسم** سفر کی یہ ہے کہ جس سبب سے دین کے اندر تشویش ہو اس کی وجہ سے سفر کیا جائے یہ سفر بھی اچھا ہے اس لئے کہ جس چیز کی برداشت نہ ہو اس سے گریز کرنا انبیاء اور مرسلین کی سنت ہے اور جن چیزوں سے

[1] سواریاں نہ کسی جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف کو مسجد حرام اور میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ اس کی سند باب الحج میں گذری ۱۲

بھاگنا واجب ہے ان میں سے حکومت اور جاہ اور علائق کا بہت ہونا اور اسباب کی کثرت ہے اسلئے کہ یہ سب دل کی فراغت کو ابتر کرتے ہیں اور دل اس وقت کامل ہوتا ہے کہ دل غیر اللہ سے فارغ ہو تو اگر فراغت کامل نہ ہوگی تو جس قدر فراغت ہوگی اس قدر دین میں مشغول ہو سکے گا اور دنیا کا فارغ ہونا کاروبار دنیاوی اور حاجت ضروری سے ممکن نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حاجتیں خفیف ہوں یا ثقیل اور ہلکی حاجت والے ناجی ہیں اور بھاری والے ہالک اور خدائے تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ اس نے نجات کو اس امر پر وابستہ نہیں کیا کہ سب گناہوں اور بوجھوں سے بالکل فارغ ہو بلکہ اپنے فضل کامل اور رحمت وسیع سے ہلکے بوجھ والوں کو قبول کر لیا اور خفیف بوجھ والا وہ ہے کہ جس کی ہمت زیادہ تر دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو اور یہ بات وطن میں بسبب وسعت جاہ اور کثرت علائق کے میسر نہیں اس لئے بدون سفر اور گمنامی اور ان علائق کے منقطع کرنے کے جن سے مضر ہو سکتا ہے اور مدت مدید تک نفس کو مرتاض کرنے کے مقصود پورا نہ ہوگا اور اس کے بعد کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے اس پر انعام کرے اور نفس کی تقویت اور دل کا اطمینان عنایت فرمادے اور ان کے نزدیک حضر اور سفر یکساں ہو جائے اور اسباب کا عدم اور وجود برابر ہو تو اس صورت میں ذکر الٰہی سے اس کو کوئی چیز نہ روکے مگر ایسا ہونا نہایت کمتر ہے اب تو دلوں پر ضعف ہی غالب ہے اور گنجائش مخلوق اور خالق کی ایک ساتھ ان میں ہونی نہایت قلیل ہاں اس قوت سے انبیاء اور اولیاء سرفراز ہوا کرتے ہیں اور کسب سے اس تک پہنچنا مشکل ہے گو محنت کو ترک کرنا نہ چاہیئے اور کسب کو کسی قدر اس میں دخل ہے اس باب میں قوت باطنی کا مختلف ہونا ایسا ہے جیسا اعضا میں قوت ظاہری مختلف ہوتی ہے مثلاً بعض پہلوان ہٹے کٹے تنہا ڈھائی من بوجھ اٹھا سکتے ہیں پس اگر کوئی ناتواں اور بیمار چاہے کہ بوجھ اٹھانے کی مشق کرنے سے بتدریج پہلوان کا رتبہ حاصل کر لے تو ہرگز نہ ہوگا ہاں مہارت اور کوشش سے اس کی قوت کسی قدر زیادہ ہو جائے گی گو اس کے درجہ کو نہ پہنچے پس اگر آدمی مرتبہ عالی پر پہنچنے سے مایوس ہو تو محنت کو ترک کرنا نہ چاہیئے کہ یہ نہایت جہالت اور کمال درجہ کی گمراہی ہے چنانچہ سلف کے اکابر کی عادت تھی کہ فتنوں کے ڈر سے وطن چھوڑ دیتے تھے اور سفیان ثوری رح فرماتے ہیں کہ یہ وقت ایسا برا ہے کہ اس میں گمناموں کو بھی امن کی صورت نہیں مشہوروں کا تو کیا ذکر ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ آدمی شہر سے دوسرے شہر میں جائے اور جس جگہ مشہور ہو جائے وہاں سے دوسری جگہ چل دے۔ اور ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رح کو دیکھا تو شہ دان کمر پر رکھے اور ہاتھ میں تھیلیا لٹکائے جاتے ہیں میں نے پوچھا کہ کہاں کو فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک گاؤں میں ارزانی ہے اس لئے

چاہتا ہوں کہ اس میں ٹھہروں میں نے کہا کہ آپ ایسا کرتے ہیں فرمایا کہ ہاں جب تم سنو کہ فلاں گاؤں میں ارزانی ہے تو اس میں جا رہو کہ اس سے تمہارا دین بھی سلامت رہے گا اور نیز دو بھی کمتر ہوگا۔ غرضکہ یہ سفر نرخ کی گرانی کی وجہ سے ہے اور سری سقطیؒ صوفیوں سے فرمایا کرتے کہ جب جاڑا نکل گیا تو چیت کی آمد ہوئی اور درخت برگ دار ہوئے اور نکلنے کی بہار ہوئی تو اب نکلو پھرو۔ اور ابراہیم خواصؒ کسی شہر میں ایک چلہ سے زیادہ نہ ٹھہرتے اور متوکلوں میں سے تھے اسباب پر اعتماد کر کے کسی جگہ ٹھہرنے کو متوکل کا مخل جانتے تھے۔ اور اسباب پر اعتماد کرنے کے اسرار باب التوکل میں انشاء اللہ مذکور ہوں گے چوتھی قسم سفر کی یہ ہے کہ ایسی چیز سے گریز کرے جو بدن میں ضرر کرے جیسے طاعون یا مال میں خلل ڈالے جیسے نرخ کی گرانی یا اور کوئی ایسی ہی مضر چیز ہو اور اس قسم کے سفر میں بھی کچھ حرج نہیں بلکہ جو فائدے اس سفر میں مرتب ہوتے ہیں اگر وہ واجب ہوں تو بعض صورتوں میں یہ سفر بھی واجب ہوگا اور اگر وہ مستحب ہوں تو سفر بھی مستحب ہوگا مگر اس سفر سے طاعون کی صورت مستثنیٰ ہے کہ اس سے بھاگنا نہ چاہیئے کیونکہ حدیث شریف میں طاعون سے بھاگنے پر نہی وارد ہے چنانچہ اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۱] ان هذا الوجع او السقم رجز عذب به بعض الامم قبلكم ثم بقى بعد فى الارض فيذهب المرة ويأتى الاخرى فمن سمع به فى الارض فلا يقدمن عليه ومن وقع بارض وهو بها فلا يخرجنه الفرار منه اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲] کہ میری امت کی تباہی طعن اور طاعون سے ہوگی میں نے عرض کیا کہ طعن کے معنی تو ہم نے جانے مگر طاعون کیا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ ایک گومڑا مثل اونٹ کے طاعون کے جو لوگوں کی بیٹھ کے اسفل اور نرم حصہ میں پیدا ہوتا ہے جو مسلمان اس سے مرتا ہے اور جو شخص طلب ثواب میں طاعون کی جگہ مقیم رہتا ہے وہ ایسا ہے کہ گویا جہاد کی تاک میں تیار بیٹھا ہے اور جو اس سے بھاگتا ہے وہ ایسا ہے کہ گویا جہاد کی صف میں بھاگتا ہے اور مکحولؒ ام ایمنؓ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی کو وصیت[۳] فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شریک کسی چیز کو مت کر۔ تجھ کو تکلیف دی جائے یا دھمکایا جائے اور اپنے ماں باپ کی اطاعت کر اور اگر تجھ کو یہ کہیں کہ جو چیز تیری ہے سب سے دست بردار ہو تو سب سے دست بردار ہو جا نماز

---

[۱] یہ درد یا بیماری ایک عذاب ہے جس سے تم سے پہلے کی کوئی امت عذاب دی گئی پھر آگے کو زمین میں یہ بیماری رہ گئی تو کبھی چلی جاتی ہے اور کبھی آتی ہے تو جو کوئی کسی ملک میں اس کو سنے تو اس ملک میں نہ جاوے اور جس زمین میں یہ ہو تو جو شخص وہاں ہو گریز کر کے چلا نہ جاوے بخاری ومسلم ۱۲ [۲] احمد و ابن عبد البر در تمہید ۱۲ [۳] بیہقی نے نقل کیا ہے اور اس میں ارسال ہے ۱۲

کو عمداً مت چھوڑ کہ جو کوئی نماز عمداً چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اس سے بری ہو جاتا ہے اور شراب سے اجتناب کر کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے اور گناہ سے احتراز کر کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اور صف جہاد سے مت بھاگ اور لوگوں میں مری پڑے اور تو ان میں موجود ہو تو وہیں ٹھہرا رہ اپنی نعمت اپنے گھر والوں پر خرچ کر اور تادیب ان کو کیا کر اور خدائے تعالیٰ سے ان کو ڈرایا کر غرضیکہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے بھاگنا ممنوع ہے اور اسی طرح طاعون میں جانا ممنوع ہے اور اس کا بھید باب التوکل جلد چہارم میں مذکور ہوگا یہ قسمیں سفر کی تھیں ان کے بیان سے یہ حاصل ہوا کہ سفر یا بُرا ہوتا ہے یا اچھا یا مباح اور بُرا سفر یا تو حرام ہوگا جیسے غلام کا بھاگنا یا ماں باپ کی نافرمانی کر کے جانا یا مکروہ ہوگا جیسے طاعون والے شہر سے نکل جانا اور اچھا سفر بھی یا واجب ہوگا جیسے حج کو جانا خواہ اس علم کی طلب میں نکلنا جو ہر مسلمان پر فرض ہے یا مستحب ہوگا جیسے علماء اور ان کے مشاہد کی زیارت اور انہیں سببوں سے نیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ نیت کے معنی یہی ہیں کہ ابھرنا اس سبب کے لئے جو فعل پر آمادہ کرے اور قائم ہو جانا خواہش کے کہنا ماننے کے واسطے تو چاہئے کہ آدمی کی نیت تمام سفروں میں آخرت ہی ہو اور یہ بات واجب اور مستحب میں تو ہو سکتی ہے مگر مکروہ اور ممنوع میں محال ہے باقی رہا سفر مباح تو اس کا مآل نیت پر ہے یعنی اگر سفر سے غرض مال کی طلب ہے اس لئے کہ مثلاً سوال نہ کرنا پڑے گا اور اہل وعیال پر مروت کا لحاظ بنا ہے اور جو حاجت سے زائد رہے اس کو صدقہ کر دیا کرے تو یہ مباح اس نیت کے باعث اعمال آخرت میں سے ہو جاوے گا اور اگر بالفرض حج کو جاتا ہے اور نیت ریا اور شہرت ہے تو اس نیت سے یہ سفر اعمال آخرت سے نکل جاتے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات اور یہ حکم واجبات اور مستحبات اور مباحات میں عام ہے ممنوعات میں نہیں اس لئے کہ نیت کی تاثیر یہ نہیں کہ ممنوع کو ممنوع نہ رکھے بعض اکابر سلف نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر پر کچھ فرشتے معین کر دیے ہیں کہ وہ ان کے مقصدوں کو دیکھتے ہیں پھر ہر شخص کو اس کی نیت کے موافق دیا جاتا ہے یعنی جس کا مقصود دنیا ہوتی ہے اس کو دنیا ہی ملتی ہے اور اس کی آخرت میں سے کئی گنا گھٹا دیا جاتا ہے اور ہمت اس کی پریشان کر دی جاتی ہے اور حرص اور رغبت کا شغل زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کا مقصود آخرت ہوتی ہے تو اس کو بصیرت اور تیزی طبع عنایت ہوتی ہے اور بقدر نیت تذکرہ اور عبرت کا باب کھول دیا جاتا ہے اور اس کی ہمت مجتمع کر دی جاتی ہے اور فرشتے اس کے حق میں دعا اور استغفار کرتے ہیں اب یہ بحث کہ سفر بہتر یا اقامت تو یہ ایسی ہے جیسے یوں کہنا کہ عزلت افضل ہے یا اختلاط اور اس کا طریق باب عزلت میں ہم لکھ آئے ہیں اس بحث کو وہاں

سے سمجھ لینا چاہیے کہ سفر بھی ایک قسم کا اختلاط ہے اتنی ہی نہ زیادتی ہے کہ اس میں مشقت راہ اور تفرق ہمت اور پریشانی دل اکثروں کے حق میں ہوتی ہے اور افضل اس باب میں وہی ہے جس سے دین پر مدد زیادہ ہو اور دین کا ثمرہ کامل دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حاصل ہونا اور اس کے ذکر سے انس کا پایا جانا اور انس ذکر دائمی سے اور معرفت ہمیشہ کی فکر سے حاصل ہوتی ہے اور جو شخص کہ ذکر اور فکر کے طریق نہ سیکھ چکا ہوگا اس سے یہ دونوں نہ ہو سکیں گے اور سیکھنے کے لئے ابتدا میں سفر اعانت کرتا ہے اور انجام کو علم کے بموجب عمل کرنے کی اقامت مدد کرتی ہے اور ملکوں میں ہمیشہ سیاحی کرنی دل کو پریشان کرتی ہے اس پر بجز قوی شخصوں کے اور قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ سفر میں جان اور مال دونوں کا خطرہ ہے خدا ہی بچاوے تو بچے پس مسافر کو کبھی تو اپنی جان و مال کی فکر ہوتی ہے اور کبھی اپنے مالوف اور معتاد چیزوں کے جدا ہو جانے کا خیال ہوتا ہے کہ اقامت میں یہ بات نصیب تھی اس وقت نہیں اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہو جس کا خوف ہو تو لوگوں کی طرف طمع کرنے سے خالی نہیں رہتا کبھی مفلسی کے باعث دل ضعیف ہو جاتا ہے اور کبھی اسباب طمع کے قوی ہونے سے دل قوی رہتا ہے پھر روزمرہ کے کوچ و مقام کا تردد ایسا ہے کہ یہ سب حالات کو ابتر کر دیتا ہے تو سالک آخرت کو بجز طلب علم یا زیارت کسی بزرگ مقتدا کے جس کے دیکھنے سے رغبت اس کی سیرت اور خیر کی حاصل ہو سفر کرنا چاہیے پھر اگر قوی النفس اور واقف کار ہو اور عمل کا راستہ اس کے لئے کھلا ہو تو اس کے لئے ٹھہرنا ہی بہتر ہے مگر اس زمانہ کے اکثر صوفیوں کے باطن چونکہ لطائف افکار اور دقائق اعمال سے خالی ہیں اور خلوت میں ان کو اللہ تعالیٰ سے انس اور اس کے ذکر سے الفت نہیں حاصل ہوتی اور ذاکر شاغل ہونے کی جگہ باطل و کاہل ہو رہے نہ کوئی پیشہ کریں اور نہ کسی نیک کام میں مشغول رہیں اس لئے ان کو کاہلی کی عادت ہو گئی ہے عمل کو دشوار اور طریق کسب کو مشکل سمجھ لیا ہے سوال و گداگری سہل جان لی ہے یہ اچھا سمجھتے ہیں کہ شہروں میں جو رباطیں صوفیوں کے لئے بنی ہیں ان میں جا رہیں اور وہاں کے خادم جو اہل دل کی خدمت پر معین ہیں ان سے اپنی خدمت لیں ان لوگوں نے اپنی عقل اور دین دونوں کو حقیر کر دیا اس وجہ سے کہ ان کا مقصود خدمت سے بجز ریا و شہرت اور آوازہ پھیلنے اور بھیک سے مال جمع کرنے کے اور کچھ نہیں اور سوال کا بہانہ یہ کرتے ہیں کہ راہ خدا سیکھنے والے بہت جمع ہیں پس ایسے شخصوں سے خانقاہوں میں کیا تاثیر ہو گی اور مریدوں کی تادیب کیا نافع ہو گی کہ کوئی ان کا مانع زبردست نہیں گدڑیاں پہن کر خانقاہوں کو سیرگاہ بنا لیا ہے اور کسی قدر الفاظ چکنی بڑ کی طرح کے سیکھ لئے ہیں اور اپنے آپ کو لباس

۷۱ مدار اعمال کا نیت پر ہے بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق۔

اور سفر اور بول چال اور آداب ظاہری میں اصلی صوفیوں کے مشابہ دیکھ کر ہر ایک کالے کو جامن سمجھتے ہیں اور اپنے نفس کو بہتر گمان کرتے ہیں اور یہ وہم کرتے ہیں کہ ظاہر کے امور میں شریک ہونے سے ضرور ہے کہ حقائق میں بھی شرکت ہو اور یہ بات کہاں ہو سکتی ہے ؎

ہوتے سیرت سے ہیں مردان دلاور ممتاز ورنہ صورت میں تو کچھ نہیں شہباز سے چیل

جو شخص فربہی اور ورم میں تمیز نہ کرے اس سے زیادہ بے وقوف اور کون ہوگا تو اس طرح کے صوفی اللہ تعالیٰ کے نزدیک برے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جوان شخص بے کار کو ناپسند رکھتا ہے اور ان حضرات کو جو سفر پر آمادہ کیا ہے تو جوانی اور بے کاری ہی نے کیا ہے ہاں جو کوئی حج یا عمرہ کے لئے بدون ریا اور شہرت کے یا کسی بزرگ مقتدا کی زیارت کے واسطے سفر کرے تو وہ البتہ آفرین کے قابل ہے مگر اس زمانہ میں شہر ایسے لوگوں سے خالی ہو گئے اور امور دینی سب کے سب ضعیف اور خراب ہو گئے ہیں مگر تصوف تو بالکل ہی نیست و نابود ہو گیا ہے اسلئے کہ اور علوم تو ابھی تک موجود ہیں گو عالم بگڑ گئے ہیں مگر عالم کا بگڑنا اسی کی سیرت کا فساد ہے نہ علم کی خرابی تو ہو سکتا ہے کہ عالم بے عمل کا علم بنا رہے کہ عمل اور چیز ہے اور علم دوسری چیز لیکن تصوف اس کا نام ہے کہ اللہ کے واسطے دل کا مجرد ہونا اور اس کے سوا دوسری چیزوں کو حقیر جاننا اور یہ باب دل اور اعضا کے عمل سے متعلق ہے تو جس صورت میں عمل خراب ہوگا اصل ہی مفقود ہو جائے گی۔ فقہا کو ان صوفیوں کے سفر کرنے میں تامل ہے اس وجہ سے کہ بے فائدہ نفس کو مشقت میں ڈالنا ہے اور کہتے ہیں کہ نفس کو بلا وجہ مشقت میں ڈالنا ممنوع ہے تو اس بنا پر ان کا سفر بھی ممنوع ہو لیکن ہمارے نزدیک صواب یہ ہے کہ اس سفر کو ان کے حق میں مباح کہا جائے کیونکہ ان کی غرض اس سفر سے یہی ہے کہ مختلف شہروں کی سیر کر کے محنت بطالت سے آسائش پاویں اور یہ علت غائی اگرچہ خسیس اور حقیر ہے لیکن ان کے نفوس بھی اسی قسم کے ہیں تو گویا ان کی مثال اس سفر میں ایسی ہوئی ؎

گر آب چاہ نصرانی نہ پاک ست جہود مردہ بشویدچہ باک ست

اور فتویٰ اس بات کا مقتضی ہے کہ عوام کو جن مباحات میں نفع ہو نہ نقصان مطلق العنان کر دینا جائز ہے اور جو لوگ بدون کسی غرض دینی کے دنیا میں صرف سیر کی نیت سے سیاحی کرتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے جنگل میں بہائم پھرتے ہیں تو ان کی سیاحی کا کچھ مضائقہ نہیں جب تک کہ لوگوں کو ایذا نہ دیں اور اپنے حال سے مخلوق کو مغالطہ نہ دیں اس صورت میں ان صوفیوں کی خطا یہی ہے کہ مغالطہ دیتے ہیں اور تصوف کے نام سے مانگتے ہیں اور جو اوقاف کہ صوفیوں کے لئے ہیں ان میں سے کھاتے ہیں حالانکہ صوفی اس کو کہتے

ت بیثوی

ہیں جو مرد نیک بخت اور دین میں عادل ہو اور سوا نیک بختی کے اور صفات بھی رکھتا ہو تو یہ ظاہر ہے کہ صوفی اصل صوفی نہیں ہو سکتے اس لئے کہ لوگوں کی ادنیٰ صفت یہ ہے کہ بادشاہوں کا مال کھاتے ہیں اور مال حرام کا کھانا گناہ کبیرہ ہے تو کبیرہ کے ارتکاب کے ساتھ عدالت اور نیک بختی دونوں نہیں رہتیں اور اگر کوئی صوفی فاسق بھی ہو سکتا ہو تو چاہیئے کہ کافر بھی ہو سکتا ہو اور کوئی فقیہ یہودی بھی ہو تو جیسے فقیہ ایک مسلمان خاص کا نام ہے ویسے ہی صوفی بھی ایک عادل خاص کا نام ہے جو دین میں اسی قدر پر اکتفا کرے جس سے عدالت حاصل ہو اور اسی طرح جو شخص ان لوگوں کے ظاہر کو دیکھے اور باطن کو نہ جانے اور ان کو اپنے مال میں سے بطور تقرب الی اللہ کچھ دیوے تو ان کو اس کا لینا حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں یعنی جس صورت میں دینے والا ایسا ہو کہ اگر ان کے باطن کا حال معلوم کر جائے تو ان کو کچھ نہ دے تو ایسے شخص سے تصوف کا اظہار کر کے لینا اور واقع میں حقیقت تصوف سے بے بہرہ ہونا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے آپ کو سید کہہ کر لیوے تو جو شخص اپنے سید ہونے کا مدعی ہو اور واقع میں جھوٹا ہو تو اس کو اگر کوئی مسلمان باقتضائے محبت اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دیوے اور اگر جان لیوے کہ مدعی جھوٹا ہے تو کچھ نہ دیوے تو اس مال کا اس کو لینا حرام ہے اور یہی حال صوفی کا ہے اور یہیں وجہ اختیار کرنے والوں نے دین کے بدلے میں مال کھانے سے احتراز کیا ہے یعنی جو شخص اپنے دین کے باب میں احتیاط کرتا ہے اس کے باطن میں بھی کسی قدر عیوب ایسے ہوا کرتے ہیں کہ اگر وہ ظاہر ہو جاویں تو جو لوگ اس کے ساتھ رعایت کی رغبت رکھتے ہیں وہ رعایت میں کوتاہی کرنے لگیں تو ایسی صورت میں اس کا لینا ویسا ہی ٹھہرے گا جیسے جھوٹے صوفی اور سید کا تھا تو اسی خیال سے احتیاط والے کوئی اپنے لئے اپنے آپ خرید نہ کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ظاہر کی نیک بختی کو دیکھ کر بائع کچھ رعایت نہ کرے اور دین کے عوض کھانا نصیب نہ ہو پس اس نظر سے دوسرے شخص کو خریدنے کا وکیل کر دیتے تھے اور وکیل سے شرط یہ کر لیتے تھے کہ بائع سے نہ کہیو کہ مشتری کون ہے ہاں دین داری کے لئے جو مال ملتا ہے اس کا لینا اس وقت حلال ہے کہ اگر دینے والے کو لینے والے کے باطن کا حال کما حقہ معلوم ہو تب بھی اپنے سلوک میں سرمو[1] فرق نہ کرے اور عاقل منصف جانتا ہے کہ یہ امر محال خواہ کمیاب ہے اور جو شخص جاہل اور اپنے نفس کے مغالطہ میں پڑا ہوا ہے اس کو معاملہ دین سے ناواقف رہنا زیبا[2] ہے

---

[1] سرمو الخ مترجم نے سرمو زائد کر دیا اور بہتر یہ ہے کہ ایسی سختی یہاں ضروری نہیں ہے بلکہ باب الورع سے لائق ہے۔ ۱۲

[2] زیبا ہے الخ یہ مراد نہیں کہ اس کے واسطے یہ مناسب ہے کہ دین میں جاہل رہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص اپنے آپ ہی کو نہیں پہچانتا اگر دین نہ پہچانے تو کچھ تعجب کے قابل نہیں بلکہ دین سے ایسے شخص کو جاہل ہی ہونا ضروری ہے۔ ۱۲

کیونکہ اس کے بدن سے زیادہ تر نزدیک اس کا دل ہے جب دل ہی کا حال اس پر مشتبہ ہے تو غیر کا حال کیسے ظاہر ہو جائے گا اور جو شخص اس حقیقت کو پہچانتا ہے اس کو بالضرور لازم ہے کہ اپنی کمائی سے اپنی قوت کرے تاکہ اس آفت سے مامون ہو جائے یا ایسے شخص کا مال کھائے جس کو قطعاً جانتا ہو کہ اگر میرے عیوب پنہانی اس پر آشکار ہوں گے تب بھی یہ سلوک سے باز نہ رہے گا اور بدستور مواسات جاری رکھے گا اگر طالب حلال اور طریق آخرت کے سالک کو مجبوری غیر سے مال لینا ہی پڑے تو چاہیے کہ دینے والے سے صاف صاف کہہ دے کہ اگر تم مجھ کو اس اعتقاد سے دیتے ہو کہ میں دیندار ہوں تو میں اس مال کا مستحق نہیں اگر اللہ تعالیٰ میرا پردہ فاش کر دے تو تم مجھ کو تو قیر کی نگاہ سے نہ دیکھو گے بلکہ اعتقاد کرو گے کہ سب میں برا میں ہوں پھر اگر باوجود اس تصریح کے بھی وہ دیوے تو لے لیوے اس لئے کہ بعض اوقات دینے والے کو اس کی یہی خصلت اچھی معلوم ہو گی کہ اپنے دین کی سستی کا اقرار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اس مال کا مستحق نہیں مگر یہاں نفس کا ایک فریب بھی ہے اس سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ کبھی اس طرح پر اقرار کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اپنے آپ کو نیک بختوں کے مشابہ سمجھیں یعنی صلحا کا دستور ہے کہ اپنے آپ کو برا کہا کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کو حقیر جانتے ہیں اور ان کو بچشم حقارت دیکھتے ہیں تو اس صورت میں ظاہر کلام تو حقارت پر مشتمل ہو گا اور باطن اور روح کلام مدح و ثنا ٹھہرے گی کیونکہ اکثر لوگ اپنے نفس کو برا کہتے ہیں مگر واقع میں اسی مذمت سے گویا تعریف کرتے ہوتے ہیں اس نظر سے نفس کو خلوت ہی میں برا کہنا اچھا ہے اور مجمع میں توعین ریا ہے ہاں اگر طرز بیاں اس طرح ہو کہ سننے والا قطعاً جان لے کہ یہ شخص اپنے گناہوں کا مقر اور خطاؤں کا معترف ہے تو البتہ اس مکر سے محفوظ ہو سکتا ہے اور جو شخص اپنے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان معاملہ میں سچا ہے وہ جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کو یا اپنے نفس کو فریب دینا محال ہے تو اس کو ایسی باتوں سے احتراز کرنا کچھ دشوار نہیں۔ سفر کے اقسام اور مسافر کی نیت اور فضیلت سفر کی بحث یہاں تک ہو چکی ہے اب دوسرا بیان شروع کرتے ہیں۔

ابتدائے سفر سے واپسی تک کے گیارہ آداب

پہلا ادب یہ ہے کہ سفر کے ارادہ کرنے کے وقت پیشتر جن کے حقوق دبا لئے ہوں ان کے حوالہ کرے اور قرض خواہوں کا قرض بے باق کرے اور جن لوگوں کا خرچ دینا اپنے ذمہ ہو ان کی فکر کرے اور اگر کسی کی امانت اپنے پاس ہو وہ مالک کے پاس پہنچائے اور زاد راہ بجز مال حلال اور طیب کے اور

ع اپنے آپ کو یعنی مجھ کو ۱۲

مال نہ لے اور اتنا زادراہ لے کہ اس میں سے رفیقوں کے دینے کی بھی گنجائش ہو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آدمی کا کرم ایک یہ ہے کہ زاد سفر طیب ہو اور سفر میں اچھی طرح بولنا اور کھلانا اور مکارم اخلاق کو ظاہر کرنا ضرور ہے اس لئے کہ سفر باطن کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا ہے اور جو شخص سفر میں ساتھ رہنے کی لیاقت رکھتا ہے وہ حضر میں ساتھ رہنے کی لیاقت رکھتا ہے لگر بعض شخص حضر کی صحبت کے تو قابل ہوتے ہیں اور سفر کی صحبت کے قابل نہیں ہوتے اور اسی لئے کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کی تعریف اس کے ساتھ حضر میں معاملہ کرنے والے اور سفر کے رفیق دونوں فرماتے ہوں تو اس کی نیک بختی میں کچھ شک مت کرو اور سفر تکلیف کے اسباب میں سے ہے تو جو شخص تکلف میں خوش خلق رہے تو واقع میں خوش خلق وہی ہے ورنہ ہر ایک کام غرض کے موافق خاطر خواہ ہوتا جائے تو ایسی صورت میں کج خلقی بہت کم ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ تین شخصوں کی بے قراری پر ملامت نہیں ہوتی ایک روزہ دار۔ دوم بیمار۔ سوم مسافر اور مسافر کا حسن خلق اسوقت کامل ہوتا ہے کہ کرایہ والے سے سلوک کرے اور رفیقوں کی ہر قسم کے امور ممکنہ سے اعانت کرے اور اگر کوئی علیحدہ رہ گیا ہو تو اس کی دلجوئی کرے یعنی بدون اس کی اعانت کئے آگے نہ بڑھے سواری یا زادراہ جس کی اس کو حاجت ہو اگر بن سکے تو دریغ نہ کرے اور اولی یہ ہے کہ اس کی خاطر ٹھہر جائے اور رفیقوں کے ساتھ حسن خلق کا کمال یہ بھی ہے کہ بعض اوقات ہنسی اور دل لگی جس میں فحش اور گناہ نہ ہو کرتا رہے تاکہ تکلیف سفر اور شدائد راہ کا غم غلط ہو۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ رفیق سفر کے لئے تجویز کرے تنہا سفر نہ کرے کہ اول رفیق پھر طریق مشہور ہے اور رفیق ایسا ہونا چاہیئے جو دین پر مددگار ہو یعنی اگر یہ بھولے تو وہ یاد دلائے اور یہ یاد کرے تو اس کا موافق اور معین ہو کہ آدمی اپنے خلیل کے دین پر ہوتا ہے اور مرد بدون اپنے رفیق کے پہچانا نہیں جاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا[۲] کہ تین شخص جماعت ہیں اور فرمایا[۳] کہ سفر میں جب تم تین ہو جاؤ تو ایک کو اپنا حاکم کر لو اور اکابر سلف ایسا ہی کیا کرتے اور کہا کرتے کہ یہ وہ[۴] امیر ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر کیا ہے اور چاہیے کہ ایسے شخص کو امیر کریں جو اخلاق میں سب سے اچھا اور ساتھیوں کے ساتھ زیادہ نرم اور اپنے اوپر غیر کو ترجیح دینے اور طلب موافقت میں جلد باز ہو اور امیر کی ضرورت اسلئے ہے کہ منزلوں اور راہوں

۱؎ احمد بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ۲؎ یہ روایت ہم کو حضرت مرتضیٰ کی وصیت مشہور میں پہنچی ہے مگر یہ حدیث موضوع ہے الفاظ معروف الثلاثۃ رکب ہے چنانچہ ابوداؤد ترمذی و نسائی نے بروایت عمرو بن شعیب عن ابی جدہ نقل کیا ہے۔ ۱۲ ۳؎ طبرانی بروایت ابن مسعودؓ ۴؎ بزار و حاکم سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہوتے۔ ۱۲

اور سفر کی مصلحتوں کے تعین میں رائیں مختلف ہوتی ہیں تو اگر ایک کی رائے پر مدار رہے گا تو انتظام درست رہے گا اور نہ شرکت کی ہنڈیا چوراہہ پر مشہور رہے دنیا کا انتظام بھی اسی لئے بنا ہوا ہے کہ سب کا مدبر ایک ہے اگر بہت سے معبود ہوتے تو خرابی پڑتی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۱. اور یہ قاعدہ سفر اور حضر سب میں ہے کہ ایک کی رائے پر کام ہو تو درست رہتا ہے اور بہتوں کی رائے پر کام ہو تو ——————— خراب ہوتا ہے مگر حضر کے مقام میں تو کوئی امیر عام ہوتا ہے جیسے شہر کا حاکم یا امیر خاص ہوتا ہے جیسے مکان کا مالک لیکن سفر میں بدون خاص مقرر کرنے کے کوئی معین نہیں ہوتا اس لئے امیر کرنا ضرور ہوا تاکہ مختلف رائیں جمع ہو جائیں پھر امیر پر لازم ہے کہ وہ تدبیر سوچے جس میں قوم کی بہتری ہو اور اپنے آپ کو ان کی سپر کرے جیسے عبد اللہ مروزی سے منقول ہے کہ ابو علی رباطی نے سفر میں ان کی ہمراہی چاہی انہوں نے کہا کہ اس شرط پر منظور ہے کہ یا تم حاکم ہو یا میں ابو علی نے کہا کہ حاکم آپ ہی ہیں بس سارے سفر میں اپنا اور ابو علی کا زاد اپنی کمر پر رکھتے اور ایک رات جو مینہ برسا تو تمام رات سفر رفیق کے سر پر چادر لئے کھڑے رہے کہ مینہ میں نہ بھیگے اور جب ابو علی ان سے کہتے کہ خدا کو مان کر ایسا مت کرو تو جواب دیتے کہ اپنے قول سے نہ پھرو تم کہہ چکے ہو کہ حاکم میں ہوں جو میرا دل چاہے گا کروں گا تم کو میری اطاعت چاہئے ابو علی دل میں کہتے تھے کہ میں نے کیا غضب کیا کہ ان کو حاکم کہدیا اس سے تو میں مر جاتا تو خوب ہوتا کہ میرے واسطے اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں حاصل یہ کہ سفر کا امیر ایسا ہونا چاہیئے اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۲ کہ بہتر ساتھی چار ہیں اس حدیث میں جو سب اعداد میں چار کو خاص کیا تو اس میں کوئی فائدہ ضرور ہوگا ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے لئے دو کام ضروری ہیں ایک تو حفاظت اسباب کی دوم حاجات کے لئے آنا جانا اگر تین رفیق ہوں اور ان میں سے دو حفاظت کریں اور ایک حاجات کے لئے جاوے تو وہ اکیلا گھبرائے گا کہ رفیق کی دل لگی نہ رہی اور اگر دو جائیں گے تو حفاظت پر ایک رہ جائے گا اور تنگ دل ہوگا اور دونوں صورتیں خطرہ سے خالی نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ چار سے کمتر میں کام نہیں نکلتا چار ہوں تو دو سودا سلف لائیں اور دو حفاظت اسباب کریں اور چار سے زائد اگر ہوں گے تو ان میں ربط رفاقت خوب نہ ہوگا اس لئے کہ پانچواں شخص زائد از حاجت ہے اسی لحاظ سے جس شخص کو اس کی حاجت نہ ہوگی وہ کیسے اس کی طرف متوجہ ہوگا اور شرط رفاقت بجا لائے گا ہاں رفیقوں کی کثرت سے یہ فائدہ ہے کہ خوف کی جگہوں سے مامون رہتے ہیں اور حدیث میں جو مذکور ہے وہ عدد رفاقت خاصہ کے لئے ہے

---

۱ اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہوتے ۲ ابو داؤد ترمذی و حاکم روایت ابن عباسؓ ۱۲

نہ رفاقت عامہ کے واسطے اور کثرت رفیقوں کی صورت میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام راستہ میں ایک[۱] کو دوسرے سے بولنے کی نوبت بھی نہیں آتی کیونکہ کچھ کام ہو تو کلام بھی ہو۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ حضر کے رفیقوں اور گھر والوں کو رخصت کرے اور چلتے وقت دعا مانگے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہے یعنی استودع اللہ دینک و امانتک وخواتیم اعمالک بعض تابعی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تک رہا جب میں نے آپ سے جدا ہونا چاہا تو آپ چند قدم میرے ہمراہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ لقمان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اگر کوئی چیز سپرد کی جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور میں اللہ[۲] تعالیٰ کو تیرا دین اور گھر بار اور اواخر اعمال سپرد کرتا ہوں۔ اور زید بن القیم سے مروی[۳] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے سفر کیا چاہے تو اپنے بھائیوں سے رخصت ہو لے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے ان کے حق میں برکت کرتا ہے۔ اور عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شخص کو رخصت کیا کرتے تو یوں فرماتے تھے[۴] زودک اللہ التقوی وغفر ذنبک ووجھک للخیر حیث توجھت یہ دعا مقیم کی ہے مسافر کے لئے اور موسیٰ بن وردان کہتے ہیں کہ میں نے ایک سفر کا ارادہ کیا اور حضرت ابوہریرہؓ سے رخصت ہونے گیا آپ نے فرمایا کہ بھتیجے میں تجھ کو وہ چیز سکھاتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو رخصت ہونے کے لئے سکھائی میں نے کہا بہتر آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہو[۵] استودعت اللہ الذی لا تضیع ودایعہ اور حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں سفر کیا چاہتا ہوں آپ نے یہ ارشاد فرمایا[۶] فی حفظ اللہ و فی کنفہ زودک اللہ التقوی وغفر ذنبک ووجھک للخیر حیث کنت یا اینما کنت فرمایا اور چاہئے کہ جب اپنے پس

---

[۱] اصل یہ ہے کم من رفیق فی الطریق عند کثرۃ الرفاق لا یکلم ولا یخالطہ میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ راہ میں جب رفیق بہت ہوتے ہیں تو رفقاء میں سے اکثر ایسا رفیق رہ جاتا ہے کہ تمام راہ اس سے بات واختلاط کی نوبت نہیں آتی الخ ۱۲ [۲] خدا تعالیٰ کو سپرد کرتا ہوں میں تیرا دین اور گھر بار اور اواخر عمل اس کی سند آگے آتی ہے ۱۲ [۲] نسائی در یوم ولیلہ وابو داؤد مختصراً ۱۲ [۳] خرابطی در مکارم اخلاق اور بسند ضعیف ۱۲ [۴] اللہ تعالیٰ تیرا زاد تقویٰ کو کرے اور تیرے گناہ کو بخشے اور جہاں کہیں تو جاوے تجھ کو خیر کی طرف متوجہ کرے خرابطی در مکارم اخلاق اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے ۱۲ [۵] میں تجھ کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور اس کی سپرد کی ہوئی چیزیں تلف نہیں ہوتیں ابن ماجہ ونسائی در یوم ولیلہ ۱۲ [۶] اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں اللہ تعالیٰ تجھ کو تقویٰ کا زاد دے اور تیرے گناہ بخشے اور جہاں تو ہو تجھ کو خیر کا متوجہ کرے اس کی سند فصل ہشتم باب الحج میں گذری ۱۲

ماندوں کو سپرد خدا کرے تو سب کو سپرد کر دے کسی کی تخصیص نہ کرے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر لوگوں کو مال مرحمت فرماتے تھے کہ اتنے میں ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ جتنا یہ لڑکا تیرے مشابہ ہے میں نے کسی کو اتنا دوسرے کا ہمشکل نہیں دیکھا اس نے عرض کیا کہ میں اس کا حال آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جس وقت یہ حمل میں تھا میں نے سفر کرنا چاہا اس کی ماں نے کہا کہ تم باہر جاتے ہو اور مجھ کو اس حال پر چھوڑتے ہو میں نے کہا جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے اس کو میں خدائے تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور یہ کہہ کر میں چلا گیا پھر جو میں سفر سے آیا تو اس کی ماں مر چکی تھی ہم بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اس کی قبر پر آگ کی روشنی معلوم ہوئی میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ آگ کہاں جلتی ہے انہوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر میں سے نمودار ہے اور ہم ہر شب ایسا ہی دیکھتے ہیں میں نے کہا بخدا تو دن کو روزہ رکھتی تھی اور رات کو عبادت کیا کرتی تھی یہ کیا بات ہے اس کو دیکھنا چاہیئے میں نے ایک پھاوڑا لے کر قبر کی راہ لی لوگ بھی ہمراہ گئے اور اس کی قبر کو کھودا دیکھا تو ایک چراغ جلتا ہے اور یہ لڑکا ہاتھ پاؤں چلا رہا ہے اس وقت آواز آئی کہ یہ تیری ودیعت ہے اور اگر تو اس کی ماں کو بھی سپرد کر دیتا تو وہ بھی تجھ کو ملتی حضرت عمر نے فرمایا کہ جتنا کوا دوسرے کوے کے ہمشکل ہوتا ہے یہ اس سے بھی زیادہ تجھ سے ملتا ہے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ سفر سے پہلے نماز استخارہ پڑھے جس طرح کہ باب الصلوٰۃ میں اس کی ترکیب ہم نے لکھی ہے اور چلنے کے وقت سفر کی چار رکعتیں پڑھے چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک سفر کی منت مانی ہے اور وصیت لکھ رکھی ہے تو تین شخصوں میں سے کس کو وہ وصیت سپرد کروں اپنے باپ کو دوں یا بیٹے کو یا بھائی کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی نائب جو آدمی اپنے پیچھے گھر پر چھوڑے اس سے بہتر نہیں کہ جب کپڑے اپنی کمر سے لگائے تو چار رکعتیں اپنے گھر میں پڑھے اور ہر ایک میں سورہ فاتحہ اور اخلاص پڑھے پھر یہ دعا پڑھے[۱] اللھم انی اتقرب بھن الیک فاخلفنی بھن فی اھلی ومالی تو رکعتیں اس کے اہل اور مال میں نائب اور اس کے مکان کے گرد محافظ رہینگی جب تک کہ وہ شخص اپنے گھر کو واپس نہ آوے

پانچواں ادب یہ ہے کہ جب مکان کے دروازے پر پہنچے تو یوں کہے بسم اللہ توکلت علی اللہ

---

[۱] الٰہی میں ان رکعتوں سے تیری طرف تقرب کرتا ہوں تو تو ان کو میرا نائب کر دے میر گھر والوں اور مال میں خرائطی در مکارم اخلاق اور اسمیں ایک راوی مجہول ہے ۱۲ [۲] خرائطی در مکارم اخلاق اور جملہ الھم بارک الخ سن اربعہ میں بروایت فضم بن ورام غامدی منقول ہے ۱۲ سعہ

ساتھ نام خدا کے نکلتا ہوں میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا نہیں طاقت گناہ سے بچنے اور عبادت کرنے کی مگر بمدد اللہ تعالیٰ اے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ خود گمراہ ہوں یا گمراہ کیا جاؤں یا پھسلوں یا پھسلایا جاؤں یا ظلم کروں یا ظلم کیا جاؤں یا جہالت کروں یا کوئی مجھ سے جہالت کرے ۱۲

لا حول ولا قوۃ الا باللہ اللھم رب اعوذ بک ان اضل او اضل او اذل او ازل او اظلم او اظلم اجھل او یجھل علی اور جب دروازہ سے نکل کر چلے تو کہے[۱] اللھم بک انتشرت وعلیک توکلت وبک اعتصمت والیک توجھت اللھم انت ثقتی وانت رجائی فاکفنی ما اھمنی وما لا اھتم بہ وما انت اعلم بہ منی عز جارک وجل ثناؤک ولا الہ غیرک اللھم زودنی التقوی واغفرلی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجھت اور دعا کو ہر منزل سے کوچ کرتے وقت بھی پڑھ لیا کرے اور جب سواری پر سوار ہو تو کہے[۲] بسم اللہ وباللہ واللہ اکبر توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون اور جب سواری اس کے نیچے دب جاوے یعنی سواری پر اچھی طرح جم جاوے تو کہے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ اللھم انت الحامل علی الظھور وانت المستعان علی الامور

چھٹا ادب یہ ہے کہ منزلوں پر سے تڑکے کو چلے حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں[۱] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پنجشنبہ کو بارادہ تبوک کوچ بہت تڑکے سے فرمایا اور یہ ارشاد کیا اللھم بارک لامتی فی بکورھا یعنی خدایا میری امت کے لئے تڑکے چلنے میں برکت کر اور مستحب ہے کہ ابتداء سفر پنجشنبہ کو کرے کہ عبد اللہ بن کعب بن مالک اپنے باپ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ سفر کو سوائے پنجشنبہ کے نہضت فرمائیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۲] کہ امت کے لئے شنبہ کے روز کے تڑکے چلنے میں برکت کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک[۳] تھا کہ جب کوئی لشکر روانہ فرمایا کرتے تھے تو صبح کے وقت روانہ فرماتے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۴]

---

[۱] تیری مدد سے نکلا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تجھ کو مضبوط پکڑا اور تیری طرف متوجہ ہوا الٰہی تو میرا اعتماد اور تو میری امید ہے پس بچا مجھ کو اس چیز سے جسنے مجھ کو تردد میں ڈالا اور جسکا اہتمام میں نہیں کر سکتا اور جو چیز کہ تجھ کو معلوم ہے مجھ سے زیادہ بڑا ہے ہمسایہ تیرا اور بزرگ ہے تعریف تیری اور کوئی معبود نہیں سوائے تیرے الٰہی توشہ دے مجھ کو تقوی کا اور بخش دے میرے گناہ اور مجھ کو خیر کا متوجہ کر جہاں میں رہوں ۱۲ [۲] اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اللہ کی مدد سے اور اللہ بہت بڑا ہے میں نے بھروسہ کیا اللہ پر نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے اور قوت عبادت کی سوائے مدد اللہ تعالیٰ بزرگ برتر کے جو اللہ نے چاہا وہ ہوا جو نہ چاہا نہ ہوا پاک ہے وہ ذات جسنے اسکو ہمارا تابع کیا اور ہم نہ تھے اس کے مقابل ہونے والے اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ۱۲ الحمد شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو سب کی راہ دی اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ راہ دیتا ہمکو اللہ الٰہی تو پشتوں پر سوار کرنیوالا اور کاموں پر مدد چاہا گیا ہے ۱۲ [۱] بخاری نے اسکو نقل کیا ہے ۱۲ [۲] بزار نے یوم پنجشنبہ کو نقل کیا ہے اور دونوں ضعیف ہیں ۱۲ [۳] اصحاب سنن اربعہ بروایت صخر غامدی ۱۲ [۴] احمد ابن ماجہ و ترمذی و خرائطی بسند ضعیف ۱۲

کہ الٰہی میری امت کو پنجشنبہ کے تڑکے اٹھنے میں برکت کر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم کو کسی شخص سے کچھ کام ہو تو اس کو دن میں تڑکے جاکر پورا کرو رات میں اس کی تلاش مت کرو کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے[۱] الٰہی میری امت کے تڑکے اٹھنے میں برکت دے اور چاہیے کہ جمعہ کے روز فجر ہونے کے بعد سفر نہ کرے ورنہ گنہگار ہوگا جمعہ کے ترک کرنے سے کیونکہ تمام روز منسوب بجمعہ ہے تو شروع کا حصہ بھی جمعہ کے واجب ہونے کا ایک سبب ہے اور رخصت کیلئے مسافر کے ہمراہ چلنا مستحب بلکہ سنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۲] خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے ساتھ مجھ کو چلنا اور صبح یا شام کو اس کی سواری کے گرد ہونا دنیا و مافیہا سے میرے نزدیک اچھا ہے

ساتواں ادب یہ ہے کہ جب آفتاب خوب گرم نہ ہولے تب تک منزل نہ کرے کہ یہ امر سنت ہے اور اکثر راستہ رات کو قطع کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[۳] کہ اندھیرے میں چلا کرو کیونکہ مسافت رات کو اس قدر طے ہوتی ہے کہ دن کو اتنی نہیں ہوتی اور جب منزل معلوم ہونے لگے تو یہ کہے[ؔ]
اللھم رب السمٰوٰت السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین ورب البحار وما جرین اسئلک خیر ھذہ المنزل وخیر اہلہا واعوذ بک من شر ھذہ المنزل وشر ما فیہ اصرف عنی شر اشرارھم اور جب منزل پر اترے تو دوگانہ پڑھ کر یوں کہے اللّٰھم[ؔ] انی اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما خلق۔ اور جب رات ہو جائے تو یہ دعا پڑھے[ؔ] یا ارض ربی وربک اللّٰہ اعوذ باللّٰہ من شرک وشر ما فیک وشر ما دب علیک اعوذ باللّٰہ من شر کل اسد واسود وحیۃ وعقرب ومن شر ساکن البلد ووالد وما ولد ولہ ما سکن فی اللیل والنھار وھو السمیع العلیم

[۱] طبرانی و خرائطی بسند ضعیف ۱۲ [۲] ابن ماجہ بروایت معاذ بن انس بسند ضعیف ۱۲ [۳] اس کی سند فصل دوم باب الحج میں گذری ۱۲

[ؔ] یا اللہ ہمارے رب ساتویں آسمانوں کے اور اس چیز کے جس پر انہوں نے سایہ ڈالا اور پروردگار ساتوں زمینوں کے اور جس کو انہوں نے اٹھایا اور پروردگار ہواؤں کے اور جس چیز کو انہوں نے پراگندہ کیا اور مالک دریاؤں کے اور جس کو انہوں نے بہایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس منزل کی خیر اور اس کے باشندوں کی بھلائی اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس منزل کی برائی سے اس چیز کی جو اس میں ہو تو مجھ سے ٹال دے بدی کو ان کے بدوں کی [ؔ] الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات سے کہ نہیں تجاوز کرتا ان سے کوئی نیک نہ بد کا ہر برائی سے مخلوق کی ۱۲ اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے پناہ مانگتا ہوں اللہ کی تیری بدی یعنی خسف وغیرہ سے اور برائی سے تیرے اندر کی چیز سانپ وغیرہ سے اور برائی سے اس چیز کی جو تجھ پر چلتی ہے اور میں پناہ مانگتا ہوں شیر اور کالے اژدھے سانپ اور بچھو سے اور برائی سے شہر کے بسنے والے کی اور برائی باپ کی اور بیٹے کی یعنی ابلیس اور اس کی اولاد کی اور اللہ ہی کا ہے جو ٹھہرتا ہے رات اور دن میں اور وہ ہے سنتا جانتا۔

اور جب راہ میں کسی بلند زمین پر چڑھے تو یوں کہنا چاہئے[1] اللھم لک الشرف علی کل شرف ولک الحمد علی کل حال۔ اور جب اونچائی پر سے اترے تو سبحان اللہ کہے اور جس وقت سفر میں وحشت سے ڈرے تو کہے سبحان الملک القدوس رب الملائکۃ والروح جللت السموٰت بالعزۃ والجبروت[2]

آٹھواں ادب یہ ہے۔ کہ دن کو اس بات کا احتیاط رکھے کہ قافلہ سے علیحدہ نہ چلے اس لئے کہ عجب نہیں کہ ناگہانی مارا جائے یا جدا رہ جائے اور رات کو سوتے کے وقت ہوکنا رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور اکثر تھا کہ جب ابتدائے شب میں سفر میں سونے تو دست مبارک کو بچھا لیتے اور اگر شب میں سوتے تو ہاتھ کسی قدر کھڑا کر لیتے اور سر مبارک ہتھیلی پر رکھتے اور اس سے غرض یہ تھی کہ گہری نیند نہ آوے اور ایسا نہ ہو کہ سوتے رہیں اور آفتاب بے خبری میں نکل آوے اور جو بات کہ سفر سے مطلوب ہے اس سے بہتر چیز یعنی نماز قضا ہو جائے اور رات کو یہ مستحب ہے کہ سب رفیق مل کر چوکی دینے کی باری مقرر کر لیں اور ایک سو جائے تو دوسرا جاگتا رہے کہ یہ طریق مسنون[3] ہے۔ اور جب رات یا دن کو کوئی دشمن خواہ درندہ چڑھ آئے تو آیۃ الکرسی اور شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ہو آخر تک اور سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھنی چاہئے[4] بسم اللہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ توکلت علی اللہ ماشاء اللہ لا یاتی بالخیرات الا اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ حسبی اللہ وکفی سمع اللہ لمن دعا لیس وراء اللہ المنتھی ولا دون اللہ ملجا کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز تحصنت باللہ العظیم واستعنت بالحی الذی لا یموت اللھم احرسنا بعینک التی لا تنام واکنفنا برکنک الذی لا یرام اللھم ارحمنا بقدرتک علینا فلا تھلک وانت ثقتنا ورجاؤنا اللھم اعطف علینا قلوب عبادک وامائک برافۃ ورحمۃ انک انت ارحم الراحمین۔

نواں ادب یہ ہے کہ اگر سوار ہو تو سواری کے جانور پر نرمی کرے یعنی اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ

---

[1] الٰہی تجھ کو بلندی ہے ہر بلندی پر تجھ ہی کو تعریف ہر حال ہے۔ [2] اس کی سند باب الحج میں گذری ۱۲ [3] باب الحج کی فصل دوم میں گذری ۱۲

[4] اللہ کے نام سے جو چاہا اللہ نے نہیں ہے قوت مگر خدا تعالیٰ کی مدد سے کافی ہے مجھ کو اللہ بھروسا کیا میں نے اللہ پر جو چاہا اللہ نے نہیں لاتا ہے بھلائیاں سوا خدا کے جو چاہا اللہ نے نہیں ہٹاتا برائی کو سوا خدا کے کافی ہے مجھ کو اللہ اور کفایت ہوا اللہ سنتا ہے اس کی جو اس کو پکارے نہیں ہے اللہ اس طرف کوئی نہایت اور نہ اسطرف کوئی پناہ کی جگہ لکھ دیا اللہ تعالیٰ نے کہ میں غالب ہونگا اور میرے رسول البتہ اللہ غالی زبردست ہے عزت والا میں نے آڑ پکڑی اللہ عظیم کی اور مدد چاہی اس زندہ سے کہ نہ مریگا الٰہی تو ہم کو اپنی اس آنکھ سے حفاظت کر کہ سوتی نہیں اور ہم کو اس رکن کی پناہ دے کہ اس تک قبضہ نہیں الٰہی تو ہم پر رحم کر اپنی قدرت سے جو ہم پر ہے پس ہم کو ہلاک نہ کر اور تو ہمارا اعتماد اور امید ہے الٰہی مہربان کر دے ہم پر دل اپنے بندوں اور بندیوں کے اپنی مہر اور رحم سے کہ تو ہی بے شک سب رحیموں سے زیادہ مہر کرنے والا ہے

[2] وہ پاک ہے مالک نہایت پاک ہے پروردگار فرشتوں اور جبریل کا تو نے آسمانوں کو عزت اور جباری میں چھپا لیا ہے۔ ۱۲

نہ لادے اور نہ منہ پر مارے کہ یہ امر ممنوع ہے اور سواری پر نہ سووے کہ سونے سے آدمی بھاری پڑ جاتا ہے اور جانور کو اس سے ایذا ہوتی ہے اہل ورع سواری کے جانور پر ہرگز نہ سوتے تھے بجز اس کے کہ اونگھ جاویں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ا] ہے کہ اپنی سواری کی پشت کو چوکیاں مت بناؤ اور مستحب ہے کہ سواری سے صبح و شام اتر کر اس کو آرام دے دیا کرے کہ مسنون[۲] اور اسمیں بیانی سے آثار بھی ہیں بعض اکابر کا دستور تھا کہ کرایہ میں یہ شرط کر لیتے کہ ہم سواری پر سے نہ اتریں گے اور کرایہ پورا دیتے مگر پھر اتر لیا کرتے اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ یہ امر صرف جانور پر احسان ہو تا کہ ہمارے حسنات کے پلہ میں رہے مالک کے پلہ میں نہ جائے اور جو شخص چوپایہ کو مارنے سے خواہ طاقت سے زیادہ لادنے سے ایذا دیتا ہے قیامت کو اس سے مطالبہ کیا جائے گا جیسے اس کی خدمت میں ثواب پاتا ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے فی کل کبد حری اجر یعنی ہر جگر والے پیاسے کے پانی پلانے میں ثواب ہے۔ حضرت ابو درداؓ کا جو ایک اونٹ[۳] مر گیا تو اس سے فرمایا کہ اے شتر اپنے پروردگار کے سامنے مجھ سے خصومت نہ کرنا کہ میں تجھ پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادتا نہ تھا۔ اور ایک ساعت کے لئے اترنے میں دو صدقے ہیں ایک سواری کو آرام دینا دوسرے کرایہ والے کے دل کو خوش کرنا اور اپنا فائدہ بھی ہے کہ سواری پر چڑھے رہنے سے خوف پٹھوں کے سست ہو جانے کا ہے اس لئے اتر کر کچھ دور قدم رنجہ کرنا اور چلنے کی عادت ڈالنی بہتر ہے۔ اور چاہیئے کہ جو کچھ سواری پر لادے کرایہ والے سے جدا جدا نام چیزوں کا کہدے اور اس کو دکھلا دے تاکہ عقد کرایہ صحیح ہو اور جھگڑے کی بات باقی نہ رہے کہ نوبت طول کلام کی پہنچے اور کلام خصومت سے احتراز چاہیئے کہ ہر لفظ بموجب قول خداوند جل شانہ محافظ موجود ہے[!] مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید پس کرایہ والے سے بحث و تکرار کرنی چاہیئے اور جو اشیاء مقرر ہو چکے ہوں ان سے زیادہ کوئی چیز جانور پر نہ رکھے گو ہلکی ہی ہو کیونکہ تھوڑا ہی تھوڑا بہت ہو جاتا ہے اور جو کاجل کی کوٹھری میں داخل ہو گا دھبہ سے خالی نہ بچے گا۔ ایک شخص نے حضرت ابن مبارکؒ سے کہا کہ میرا یہ خط فلاں شخص کو دیجئے گا آپ کرایہ کے جانور پر سوار تھے فرمایا کہ میں نے سب چیزیں کرایہ والے سے شرط کر لی ہیں اور اس رقعہ کی شرط نہیں کی جب تک اس سے اجازت نہ لیلوں میں اسکو نہیں لے سکتا تو دیکھو کہ فقہا کا قول اس باب میں یہی ہے کہ ایسی چیز کا مضائقہ نہیں کہ ہر کوئی ادنیٰ امور سے تسامح کیا کرتا ہے مگر آپ نے فتوے پر لحاظ نہ کیا تقویٰ کی راہ اختیار کی۔

دسواں ادب یہ ہے۔ کہ چھ چیزیں اپنے ساتھ لے لینی چاہئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

---

[۳] اونٹ مر گیا الخ ظاہر یہ کہ ابو الدرداؓ نے اپنی موت کے وقت اپنے اونٹ سے یہ کلام کیا واللہ اعلم ورنہ نہیں ہو سکتا ایک بات جو نہیں اس پاس ایک راہ دیکھتا تیار ۱۲
[ا] باب الحج فصل سوم میں گذری [۲] مثل سابق ۱۲

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب سفر کیا کرتے تو اپنے ساتھ پانچ چیزیں لے جاتے آئینہ اور سرمہ دانی اور مسواک اور کنگھی اور مدری یعنی دانتا اور ایک روایت میں چھ چیزیں فرمائی ہیں یعنی آئینہ اور شیشی اور مقراض اور مسواک اور سرمہ دانی اور کنگھی اور ام سعد انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ سفر میں دو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتیں تھیں آئینہ اور سرمہ دانی اور صہیبؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے[۲] فرمایا کہ سونے کے وقت اثمد لگایا کرو کہ وہ بینائی کو زیادہ کرتا ہے اور بال کو اگاتا ہے اور مروی[۳] ہے کہ آپ ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ داہنی میں تین اور بائیں میں دو لگاتے تھے۔ اور صوفیہ کرام نے سفر کی چیزوں میں ڈولچی اور رسی زیادہ کی ہے اور کسی صوفی کا قول ہے کہ اگر فقیر کے ساتھ ڈولچی اور رسی نہ ہو تو معلوم ہوگا کہ اس کا دین ناقص ہے اور ان دونوں کو اس لئے زیادہ کیا کہ پانی کی طہارت اور کپڑوں کا دھونا احتیاط کی چیز ہے تو ڈولچی اس غرض کے لئے ہے کہ پاک پانی اس میں موجود رہے اور رسی کپڑے سکھانے اور پانی کھینچنے کے مطلب کی ہے اور پہلے لوگ تیمم پر کفایت کرتے تھے اور پانی کے بھرنے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے اور چشموں وغیرہ کے پانی سے وضو کرنے میں مضائقہ نہ جانتے تھے جب کہ نجاست پر یقین نہ ہو جاتے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کی ٹھلیا کے پانی سے وضو کیا تھا اور کپڑے زمین اور پہاڑوں پر پھیلا دیتے تھے اس لئے رسی کی حاجت نہ تھی اس سے معلوم ہوا کہ ڈولچی اور رسی بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے بری بدعت وہی ہوتی ہے جو صحیح اور ثابت سنتوں کی مزاحم ہو اور جو چیز کہ دینی احتیاط پر ممد ہو وہ مستحسن ہے جیسے ڈولچی اور رسی ہے اور ہم نے طہارت میں مبالغہ کرنے کے احکام باب الطہارت میں لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص خاص امر دینی کا ہو رہے اس کو نہ چاہیئے کہ طریق جواز پر کاربند ہو بلکہ طہارت کرے ہاں اگر احتیاط کرنے میں کوئی عمل اس سے بھی افضل فوت ہوتا ہے تو البتہ جواز پر کاربند ہونے کا مضائقہ نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خواصؒ جو اہل توکل سے تھے سفر اور حضر میں چار چیزیں ان سے علیحدہ نہ ہوتی تھیں ڈولچی اور رسی اور سوئی تاگا اور مقراض اور فرمایا کرتے کہ یہ چیزیں دنیا کی نہیں۔

گیارھواں ادب سفر سے واپس آنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی لڑائی یا حج یا عمرہ یا کسی اور سفر سے واپس ہوتے تو ہر زمین پر تین بار اللہ اکبر کہتے پھر یوں ارشاد فرماتے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر آئبون۔

[۱] یہ دونوں روایتیں طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے سنن اور خرائطی نے مکارم اخلاق میں نقل کی ہیں اور اسکے سب طریق ضعیف ہیں ۱۲

[۲] خرائطی نے مکارم اخلاق بسند ضعیف اور ترمذی اور ابن حبان نے بروایت ابن عباس صحیح الاسناد میں نقل کیا ہے [۳] طبرانی نے اوسط ابن عمر بسند لین ۱۲۔

تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ[۱] اور جب اپنی بستی نظر آنے لگے تو یوں کہے[۲] اللھم اجعل لنا بھا قرارا و رزقا حسنا[۳] پھر کسی شخص کو اپنے گھر روانہ کر دے کہ اس کے آنے کی اطلاع کر دے تاکہ ناگہاں گھر پر نہ پہنچے اور ایسی بات دیکھے جو اپنے آپ کو بری معلوم ہو اور چاہیے کہ گھر پر رات کو نہ پہنچے کہ اس سے ممانعت وارد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[۳] جب تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں داخل ہو کر دوگانہ ادا فرماتے پھر گھر میں تشریف لے جاتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو کہتے[۴] توبا توبا لربنا اوبا لا یغادر علینا حوبا۔ اور چاہیے کہ اپنے گھر والوں اور قریبوں کے لئے کچھ تحفہ کھانے کی چیز اور جسقدر بن سکے ساتھ لے کہ مسنون ہے چنانچہ مروی[۵] ہے کہ اگر کچھ نہ پائے تو اپنے برتن میں ڈھیلے ہی ڈال لے اور غالبا تحفہ کے لے جانے میں ترغیب کے لئے ایسا مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ سفر سے آنے والے کی طرف سب کی تاک ہوتی ہے اور تحفہ سے دلوں کو سرور ہوتا ہے اور اس خیال سے کہ انہوں نے ہم کو سفر میں بھی یاد رکھا اور زیادہ خوش ہوتے ہیں پس یہیں وجہ تحفہ کا لے جانا مستحب ہوا۔ یہ سب آداب ظاہری تھے اب سفر کے آداب باطنی کو لکھتے ہیں کہ ان کا مجموعہ تو بیان میں گذر گیا مگر مجملاً یہاں بھی اس قدر لکھا جاتا ہے کہ سفر اسی صورت میں اختیار کرے کہ سفر میں دین کی زیادتی ہو اور جس وقت اپنے دل کو متغیر پائے اسی جگہ ٹھہر جائے اور واپس چلا جائے اور منزل اسی جگہ کرنی چاہیئے جہاں دل مقتضی ہو اس کے خلاف نہ کرے اور شہر میں داخل ہونے سے یہ نیت کرے کہ وہاں کے کاملوں کی زیارت کروں گا اور اس باب میں کوشش کرے کہ جس کامل کی زیارت کی ہے اور کسی شہر میں ایک ہفتہ یا عشرہ سے زیادہ نہ ٹھہرے ہاں اگر کوئی مرشد جس کے پاس گیا ہے زیادہ رہنے کو کہے تو مضائقہ نہیں۔ اور جتنے ٹھہرے بجز سچے فقیروں کے اوروں کے پاس نہ بیٹھے۔ اگر کسی بھائی سے ملنے گیا ہے تو تین دن سے زیادہ نہ رہے کہ مہمانی کی حد

---

[۱] اس کی سند باب الحج میں گذری اور ترجمہ یہ ہے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں اس کا ملک ہے اور اسی کو تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم رجوع کرنے والے ہیں اور تائب ہیں عبادت کرنے والے سجدہ کرنے والے اپنے رب کی حمد کرنے والے اللہ تعالیٰ نے سچا کیا اپنا وعدہ اور مدد کی اپنے بندہ کی اور بھگا دیا جماعتوں کو تنہا ۱۲ [۲] اس حدیث کی سند پیشتر گذری ۱۲ [۳]۔ اس کی سند پیشتر ہو چکی ۱۲ [۴] توبہ کرتا ہوں توبہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوں اس طرح کہ نہ چھوڑے ہم پر کوئی گناہ ابن سنی در یوم ولیلہ وحاکم بروایت ابن عباس رض [۵] دار قطنی بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا بسند ضعیف ۲ اصفہانی بھرنے الخ اصل میں یہ ہے کہ پانی ساتھ لے جانے کی تکلیف سے بچتے تھے اور اسی طرح اصل میں چشموں نہیں ہے بلکہ تالابوں اور ہر طرح کے پانی سے الخ ۱۲ امیر علی عفی عنہ ع ۵ الہٰی کر ہمارے لئے اس میں قرار اور روزی ستھری ۱۲۔

یہی ہے لیکن اگر بھائی کو اس کی جدائی شاق ہو تو زیادہ رہنے کا بھی مضائقہ نہیں اور اگر کسی شیخ کی زیارت کو جائے تو اس کے پاس ایک دن رات سے زیادہ نہ ٹھہرے اور اپنے نفس کو عشرت میں مشغول نہ کرے کہ اس سے سفر کی برکت جاتی رہے گی اور جب بھی شہر میں گھسے تو کسی چیز سے مشغول نہ ہو بلکہ سیدھا شیخ کے مکان کو چلا جائے اور اگر وہ مکان میں تشریف رکھتے ہوں تو کواڑ نہ کھٹکھٹائے اور نہ اندر جانے کے لئے اجازت چاہے یہاں تک کہ خود ہی باہر نکلیں اور باہر تشریف لانے کے وقت ادب سے ان کے سامنے جا کر سلام کرے اور کوئی بات نہ کہے لیکن اگر وہ سوال کریں تو جس قدر پوچھیں اسی کا صرف جواب دے اور ان سے کوئی مسئلہ نہ پوچھے جب تک کہ پیشتر اجازت حاصل نہ کر لے اور جب سفر میں ہو تو شہروں کے کھانوں اور سختیوں کا بہت ذکر نہ کرے اور نہ اپنے دوستوں کا کثرت سے نام لے بلکہ وہاں کے مشائخ اور فقرا کا ذکر کیا کرے۔ اور سفر میں صالحین کی قبروں کی زیارت ترک نہ کرے بلکہ ہر گاؤں اور شہر میں اس کا جویا رہے اور اپنی حاجت بقدر ضرورت ہی اظہار کرے اور وہ بھی ایسے کے سامنے جو اس کو پورا کر سکے اور اثنار راہ میں ذکر الٰہی اور قرآن کی قرآت ایسی طرح کرتا رہے کہ دوسرا نہ سنے اور جب کوئی شخص اس سے کلام کرے تو ذکر کو چھوڑ کر اس کو جواب دے اور جب تک وہ گفتگو کرے ذکر موقوف رکھے پھر بدستور ذکر کرنے لگے اور اگر آدمی کا دل سفر یا اقامت سے گھبرا جائے تو اس کی مخالفت کرنی چاہیئے کہ نفس کی مخالفت میں برکت ہے اور اگر نیک بخت لوگوں کی خدمت قسمت سے میسر ہو جائے تو ان کی خدمت سے ملول ہو کر سفر کرنا نہ چاہیئے کہ یہ نعمت کی ناشکری ہے اور جب اپنے نفس میں حضر کی نسبت کر سفر میں نقصان پاوے تو جان لے کہ سفر اچھا نہیں اور مکان کو رجوع کرے اس لئے کہ اگر اچھا ہوتا تو اس کا اثر ظاہری ہوتا ایک شخص نے ابو عثمان مغربیؒ سے کہا فلاں شخص سفر کو نکلا ہے فرمایا کہ سفر میں اجنبی بنتا ہے اور اجنبیت ذلت ہے اور مومن کو جائز نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے اس جواب میں یہ اشارہ کیا کہ جس شخص کو سفر میں دین کی زیادتی نہ ہو اس نے اپنے نفس کو ذلیل کیا ورنہ ظاہر ہے کہ دین کی عزت بجز سفر کی ذلت کے حاصل نہیں ہوتی تو چاہیئے کہ سالک آخرت اپنی خواہش اور مراد اور طبیعت کے وطن سے سفر کرے تاکہ اس غربت میں عزت ملے اور ذلیل نہ ہو ورنہ جو شخص کہ سفر میں اپنی خواہش کا مطیع ہوگا وہ ذلت ضرور اٹھائے گا خواہ فی الحال ہو یا آئندہ کو۔

دوسری فصل: سفر کی رخصتیں قبلہ اور اوقات کی تفصیل

واضح ہو کہ مسافر ابتدائے سفر میں اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت کے لئے کچھ زاد ساتھ لے دنیا کا توشہ تو کھانا اور پینا اور دوسری ضرورت کی چیزیں ہیں بس اگر سفر قافلہ کے ساتھ ہو یا اثنار راہ میں گاؤں برابر پڑتے ہوں تو اس صورت میں اگر خدائے تعالیٰ پر توکل کر کے بدون زاد بھی نکلے گا تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر تنہا سفر کرتا ہے یا ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جن کے پاس کھانا پینا نہیں اور راہ میں آبادی بھی نہیں تو ایسی صورت میں اگر وہ شخص ایسا ہو کہ بھوک کی برداشت ہفتہ عشرہ کر سکتا ہے یا جنگل کی گھاس پر اکتفار کر سکتا ہے تو اس کو بدون زاد سفر کرنا جائز ہے اور اگر بھوک پر صبر کر نہیں سکتا ہے اور گھاس پر اکتفار کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں بدون زاد کے نکلنا گناہ ہے اس لیے کہ اپنے نفس کو اپنے ہاتھ سے ہلاکی میں ڈالتا ہے اور اس کا ایک راز ہے جو باب التوکل میں مذکور ہوگا اور توکل کے یہ معنی نہیں کہ اسباب بالکل دور ہو جائے اگر یہی ہو تو چاہیئے کہ ڈولچی اور رسی کی تلاش سے بھی توکل جاتا رہے اور کنویں میں سے پانی نکلنے سے بھی باطل ہو جائے اور متوکل پر اتنا صبر واجب ہو جاتے کہ خدائے تعالیٰ اس کے لئے کسی فرشتے یا انسان کو مسخر کر دے کہ وہ اس کے منہ میں پانی ڈال دے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ چیزیں توکل میں خلل انداز نہیں ہیں جب ڈولچی اور رسی کی حفاظت توکل کی مخل نہیں جو پانی ملنے کے آلات ہیں تو خود کھانے یا پینے کی چیز کا ایسی جگہ ساتھ رکھنا جہاں توقع ان کے موجود ہونے کی نہو بطریق اولیٰ توکل مخل نہ ہوگا اور توکل کی حقیقت انشاء اللہ جلد چہارم میں مذکور ہوگی جو علمار دین کے محققوں کے سوائے اوروں پر مشتبہ اور مخفی ہے اور زاد آخرت سفر میں علم ہے جس کی ضرورت طہارت اور روزہ اور نماز اور عبادتوں میں ہوتی ہے تو اس میں سے بھی مسافر کو ضرور زاد لینا چاہیئے اس لئے کہ سفر بعض باتوں کو مسافر پر تخفیف کر دیتا ہے جیسے نماز کا قصر کرنا اور دو نمازوں کا اکٹھا پڑھ لینا اور روزہ کا افطار کرنا تو ان میں یہ بات معلوم کرنے کی حاجت ہوتی ہے کہ تخفیف کس قدر اور کس صورت میں ہے اور بعض باتیں سفر میں سخت بھی ہو جاتی ہیں کہ جن کی حضر میں کچھ حاجت نہ تھی جیسے قبلہ کا حال معلوم کرنا اور اوقات نماز کا دریافت کرنا کہ حضر میں مسجدوں کے رخ دیکھنے سے تو قبلہ معلوم ہو جاتا ہے اور موذنوں کی اذان سے وقت دریافت ہو جاتا ہے اور سفر میں ان امور کو کبھی خود معلوم کرنے کی حاجت ہوا کرتی ہے لہذا اس کا سیکھنا بھی ضرور ہوا اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جن اشیار کے سیکھنے کی ضرورت سفر میں ہے وہ دو قسم کی ہیں اس لئے ان کا بیان

بھی دو قسموں میں کیا جاتا ہے۔

رخصتوں کی تفصیل

سفر سے سات رخصتیں حاصل ہوتی ہیں دو تو طہارت میں یعنی موزوں پر مسح کرنے اور تیمم میں اور دو فرض نماز کے اندر یعنی قصر کرنا اور دو فرضوں کا جمع کر لینا اور نماز نفل میں دو یعنی سواری پر اور پیادہ چلنے میں ادا کرنا اور ایک روزہ میں ہے یعنی افطار کرنا اب ان میں سے ہر ایک کو مفصل سننا چاہیئے۔

پہلی رخصت موزوں پر مسح کرنے کی ہے صفوان بن عسال رضؓ کہتے ہیں کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ہم مسافر ہوں تو تین دن اور رات تک موزے نہ نکالیں اس سے معلوم ہوا کہ جس نے موزوں کو ایسی طہارت کے بعد پہنا ہو جس سے نماز مباح ہو پھر بے وضو ہو گیا تو اس کو جائز ہے کہ بے وضو ہونے کے وقت سے لے کر تین دن رات تک اپنے موزے پر مسح کرے اگر مسافر ہو اور ایک دن رات کرے اگر مقیم ہو مگر پانچ شرطوں کے ساتھ موزوں پر مسح چاہیئے اوّل یہ کہ موزوں کو پوری طہارت پر پہنا ہو تو اگر داہنا پاؤں دھو کر موزے کے اندر کر لے گا پھر بایاں پاؤں دھو کر دوسرا موزہ پہنے گا تو امام شافعی کے نزدیک مسح درست نہ ہو گا جب تک کہ داہنے موزہ کو نکال کر پھر سے نہ پہنے دوم یہ کہ موزے ایسے مضبوط ہوئے کہ ان کو پہن کر چل سکے اور موزوں پر مسح جائز ہے گو ان میں جدا تلے نہ لگے ہوں اس لئے کہ عادت ہو گئی ہے کہ موزے پہن کر منزلیں چلے جاتے ہیں کیونکہ ان میں فی الجملہ قوت ہوتی ہے بخلاف صوفیوں کی جرابوں کے اور ان پا تیابوں کے جو موزوں کے اوپر پہنتے ہیں کہ ان پر مسح درست نہیں ضعیف ہونے کی وجہ سے سوم یہ کہ جہاں تک پاؤں کا دھونا فرض ہے اتنی جگہ موزہ پھٹا نہ ہو پس اگر اس قدر پھٹ گیا ہو کہ محل فرض کھل گیا تو اس پر مسح درست نہ ہو گا اور امام شافعی کا پہلا قول ہے کہ جب تک موزہ پاؤں پر چپٹا رہے تب تک مسح درست ہے گو پھٹ گیا ہو اور یہی مذہب امام مالک رحؒ کا ہے اور پھٹنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ سفر میں ہر وقت سینا دشوار ہے اور حاجت بہت ہے اور بنے ہوتے پاتابے پر مسح جائز ہے بشرطیکہ اتنے گھنے ہوں کہ قدم کی جلد نظر نہ آتی ہو اور یہی حال اس پھٹے موزہ کا ہے جس کی درز بڑے بڑے ٹانکوں سے سی گئی ہو اس لئے کہ ان سب کی طرف ضرورت پڑتی ہے تو اور باتوں کا اعتبار نہیں صرف اتنا دیکھ لینا چاہیئے کہ ٹخنوں سے اوپر تک چھپا رہتا ہے کہ نہیں اور اگر پشت قدم کا کچھ حصہ موزہ سے چھپا ہو اور کچھ لفافہ سے تو اس پر مسح درست نہ ہو گا۔ چہارم یہ کہ موزہ کے پہننے کے بعد نہ نکالے اور اگر نکالے گا تو نئے سرے سے وضو چاہیئے اور صرف دونوں

ترمذی و ابن ماجہ و نسائی در کبریٰ و ابن حبان ۱۲۔

پاؤں دھولے گا تب بھی کافی ہوگا۔ پنجم یہ کہ مسح ایسی جگہ کرے جو دھونے کے مقام کے اوپر واقع ہو تو اگر پنڈلی پر مسح کرے گا تو درست نہ ہوگا اور ادنیٰ مرتبہ مسح کا یہ ہے کہ پشت قدم کے موزہ پر بھیگا ہاتھ اس طرح لگا دے جس کو مسح کہہ سکیں اور اگر تین انگلیوں سے مسح کر لے گا تو کسی کا خلاف نہ رہے اور کامل تر مسح کی صورت یہ ہے کہ موزہ کے اوپر اور نیچے ایک بار مسح کرے دو دفعہ نہ کرے ایسا ہی آنحضرت[1] صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے۔ اور مسح کی کیفیت یوں ہے کہ دونوں ہاتھ تر کر کے دہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سر دہنے پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر ان کو اپنی طرف کھینچتا چلا آئے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سر بائیں موزے کی ایڑی کے نیچے رکھ کر پاؤں کی انگلیوں تک پہنچا دے۔ اور جس صورت میں کہ حالت اقامت میں مسح کیا پھر مسافر ہو گیا یا حالت سفر میں مسح شروع کیا پھر مقیم ہو گیا تو دونوں حالتوں میں اقامت کا حکم غالب رہے گا یعنی ایک دن رات مسح کرے اور دنوں کی گنتی کا حساب موزے پہننے کے بعد بے وضو ہونے کے وقت سے لیا جاتا ہے مثلاً اگر حضر میں صبح کے وقت موزے پہنے اور مسح کی نوبت نہیں آئی کہ سفر کو نکلا اور زوال کے وقت بے وضو ہوا تو تین دن رات کا شمار زوال کے وقت سے کرے یعنی چوتھے روز جب زوال کا وقت ہو جاوے گا تو اب جائز نہ ہوگا کہ بدون پاؤں دھونے کے نماز پڑھ لے بلکہ پاؤں دھو کر پھر سے موزے پہن لے اور خیال رکھے کہ کس وقت سے وضو جاتے گا جب سے بے وضو ہوا اسی وقت سے نئی مدت تین دن رات کی حساب سے کرے اور اگر حضر میں موزہ پہننے کے بعد بے وضو ہو گیا پھر سفر کو نکلا تب بھی تین دن رات تک مسح کرے اسلئے کہ عادت یوں بھی ہے کہ کبھی موزہ سفر سے پیشتر پہن لیتے ہیں اور بے وضو ہونے سے احتراز ہو نہیں سکتا لیکن اگر حضر میں موزوں پر مسح ابھی کر لیا ہو پھر سفر کا اتفاق ہو تو صرف مقیم کی مدت پر اکتفا کرنی چاہیئے اور جو شخص حضر یا سفر میں موزہ پہننا چاہے اسکو مستحب ہے کہ موزہ کو الٹا کر کے جھاڑ دے سانپ اور بچھو اور کانٹے وغیرہ کے خوف سے چنانچہ ابی امامہؓ سے مروی[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے موزوں کی جوڑی منگائی اور ایک کو پہن لیا اتنے میں ایک کوا آیا اور دوسرے موزے کو اٹھا لیا پھر پھینک دیا تو اس میں سے سانپ نکلا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے موزے بدون جھاڑے ہوئے نہ پہنے۔

---

[1] ابو داؤد و ترمذی ابن ماجہ بروایت مغیرہ اور ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے ۱۲ [2] طبرانی نے اس کو نقل کیا ہے اور اس سند میں ایک راوی معروف نہیں ۱۲ ع۔ قولہ اس پھٹے موزہ الخ یعنی معنی اصل کے یہ ہیں کہ ایسے موزے پر بھی مسح جائز ہے جس میں آگے پشت قدم پر شگاف ہوتا ہے جسکو تلے اوپر کر کے تسموں سے کس دیتے ہیں ۱۲ ع۔ اصل کا مطلب یہ ہے کہ جتنا حصہ موزہ ہے وہ کھلا ہو کپڑے وغیرہ سے باندھ دیا گیا ہو۔ ۱۲

دوسری رخصت تیمم ہے اور مٹی پانی کا بدلہ ہے جب پانی کا ملنا دشوار ہو اور اس کی دشواری کی یہ صورت کہ منزل سے اتنی دور ہو کہ اگر وہاں جائے گا تو چیخنے اور چلانے سے قافلہ تک آواز نہ آئے گی اور کوئی مدد نہ پہنچے گی اور یہ وہ فاصلہ ہے کہ منزل والے اتنی دور قضائے حاجت کو نہیں جایا کرتے اور ایک صورت پانی کی دشواری کی یہ ہے کہ پانی پر کوئی دشمن یا درندہ ہو تو اس صورت میں بھی تیمم درست ہے گو پانی نزدیک اور ایک صورت یہ ہے کہ اس روز خواہ دوسرے دن موجود پانی پینے کی ضرورت ہو اور اس کے سوا کوئی پانی نہ ہو تب بھی تیمم کرنا جائز ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ کوئی اپنے رفیقوں میں سے اس کے پینے کا حاجت مند ہو تو اس صورت میں بھی وضو کرنا درست نہیں بلکہ پانی رفیق کو بہ قیمت یا بدون قیمت کے دینا لازم ہے اور اگر پانی کی ضرورت شوربا پکانے یا گوشت کے پکانے یا روٹی کے ٹکڑے بھگونے کے لئے ہو تو اس حال میں تیمم درست نہ ہوگا بلکہ چاہیئے کہ سوکھے ٹکڑوں پر گذر کرے اور شوربہ نہ پکائے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کو پانی ہبہ کرے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور اگر پانی کا دام ہبہ کرے تو اس کا قبول کرنا واجب نہیں اس لئے کہ پہلی صورت میں منت نہیں اور دوسری صورت میں منت ہے۔ اور اگر پانی معمولی قیمت سے فروخت ہوتا ہو تو خریدنا لازم ہے اور اگر مہنگا بکتا ہو تو لازم نہیں تو جس صورت میں کہ آدمی کے پاس پانی نہ ہو اور تیمم کرنا چاہیئے اور اگر تلاش سے اس کا ملنا ہو سکتا ہو تو اول تلاش کرنی چاہیئے یعنی منزل کے ادھر ادھر پھر چل کر دیکھے اور اپنے اسباب اور برتنوں کو ٹٹولے اور گھڑوں بدھنوں میں جو کچھ بچا کھچا ہو اس کو دیکھے تو اگر پانی اسباب میں رکھا ہوا بھول گیا یا کنواں قریب تھا مگر تلاش نہ کیا اور نماز پڑھ لی تو نماز کا دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا کہ تلاش میں قصور کیا۔ اور اگر یہ جانے کہ پانی آخر وقت میں مل جائے گا۔ تو بہتر یہ ہے کہ اول وقت میں نماز تیمم کے ساتھ پڑھ لے کیونکہ زندگی کا اعتبار نہیں اور اول وقت خدائے تعالیٰ کی رضامندی ہے اسلئے اسکو ترجیح ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک بار تیمم کیا لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تیمم کرتے ہیں اور مدینہ طیبہ کی دیواریں سوجھتی ہیں آپ نے فرمایا کیا میں وہاں جانے تک زندہ رہوں گا اور جب نماز شروع کرنے کے بعد پانی ملے گا تو نماز باطل نہ ہوگی اور نہ وضو کرنا لازم ہوگا اور اگر نماز شروع کرنے کے پہلے پانی ملے گا تو البتہ وضو لازم ہے اور جس صورت میں کہ باوجود تلاش کے پانی نہ ملے تو قصد زمین پاک کا کرے جس پر کی مٹی میں سے غبار اٹھتا ہو اور چاہیئے کہ اس پر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بند کر کے ایک ضرب لگا دے اور دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیر لے پھر انگلیاں پھیلا کر اور انگوٹھی اتار کر دوسری ضرب لگا دے اور اس سے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مسح کرے اور اگر ایک ضرب سے سب جگہ غبار نہ پہنچ سکے تو ایک ضرب زیادہ کرے اور جس تدبیر سے کہ سب جگہ پہنچ سکتا ہے اس کو ہم نے باب الطہارت میں لکھ دیا ہے دوبارہ

لکھنے کی ضرورت نہیں پھر جب تیمم سے ایک فرض پڑھ چکے تو اس سے نفلیں جسقدر چاہے پڑھے لیکن اگر دوسرا فرض پڑھنا چاہے تو تیمم کرے غرضکہ ہر فرض نماز کے لئے جدا جدا تیمم کرنا چاہیئے اور یوں نہ چاہیئے کہ وقت نماز کے داخل ہونے سے پیشتر تیمم کرلے اور اگر ایسا کرے گا تو دوبارہ تیمم کرکے غرض واجب ہوگا۔ اور تیمم میں منہ پر ہاتھ پھیرے تو چاہیئے کہ نماز کو مباح کرنے کی نیت کرے اور اگر پانی اتنا ملے کہ اس سے بعض اعضا کی طہارت ہو سکے تو اس قدر اعضا پر پانی کا استعمال کر کے پھر پورا تیمم کرے۔

تیسری رخصت نماز فرض میں قصر کی ہے کہ مسافر ظہر اور عصر اور عشا میں چار کی جگہ دو پر اکتفا کر سکتا ہے مگر اس کے لئے تین شرطیں ہیں اوّل یہ کہ عین وقت پر یہ نمازیں ادا ہوں اگر بالفرض قضا ہو جائیں تو ظاہر تر یہ ہے کہ پوری چار پڑھنی لازم ہوں گی دوسری یہ کہ نیت قصر کی کرے پس اگر پوری پڑھنے کی نیت کرے گا تو چار پڑھنی لازم ہوں گی اور اگر شک ہو گیا کہ قصر کی نیت کی ہے یا پوری کی تو اس صورت میں بھی پوری پڑھنی لازم ہے تیسری یہ کہ مقیم امام کے پیچھے نہ ہو اور نہ ایسے مسافر کے جو پوری پڑھتا ہے ورنہ پوری پڑھنی پڑھے گی بلکہ اگر اس کو شک ہو گیا کہ امام مقیم ہے یا مسافر ہے تب بھی پوری پڑھنی لازم ہو گی گو بعد کو یہ معلوم کہ وہ مسافر ہے اس لئے کہ مسافر کی دھج چھپی نہیں رہتی تو چاہیئے کہ نیت کے وقت مستقل ہو اور اگر یہ تو معلوم کر لیا کہ امام مسافر ہے مگر یہ نہیں جانا کہ اس کی نیت قصر کی ہے یا اتمام کی تو اس تمام بات کے شک سے کچھ ضرر نہیں کیونکہ نیتوں پر اطلاع نہیں ہوا کرتی اور یہ سب اس وقت ہے کہ سفر دراز اور مباح ہو اور سفر کی تعریف باعتبار آغاز اور انجام کے مشکل ہے اس کا جان لینا ضروری تو سفر اس کو کہتے ہیں کہ اقامت کی جگہ معین پر بالقصد جاوے اس صورت میں جو شخص حیران پھرتا ہو یا لوٹ مار کرنے کو جاتا ہو اور کسی خاص جگہ کا قصد نہ ہو اس کے حق میں قصد کی رخصت نہ ہو گی اور جب تک شہر کی آبادی سے باہر نہ ہوئے گا تب تک مسافر نہ ہو گا اور یہ شرط نہیں کہ ویران مکانات اور باغوں سے بھی نکل جائے جہاں تک شہر والے ہوا کھانے کو چلے آتے ہیں لیکن اگر گاؤں سے سفر کرنے تو یہ شرط ہے کہ جن باغوں کا احاطہ بنا ہو ان سے نکل جائے اور جن کا احاطہ نہیں ان سے نکلنے کی کچھ قید نہیں اور اگر مسافر شہر سے نکل کر پھر کسی بھولی چیز کے لینے کو واپس آئے تو اگر یہ شہر اس کا وطن ہے تو خشک پھر آبادی سے باہر نہ نکل جائے قصر نہ کرے اور اگر وطن نہیں ہے تو قصر جائز ہے اس لئے کہ اوّل ہی مرتبہ کی حرکت اور باہر جانے سے مسافر ہو گیا یہ حال آغاز کا ہوا اور سفر کا انجام تین باتوں میں سے ایک کے پائے جانے سے ہوتا ہے اوّل یہ کہ جس شہر کی اقامت کی نیت کی ہے اس کی آبادی میں پہنچ جائے دوسری یہ کہ تین روز یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر کے خواہ جنگل میں یا شہر میں تیسری یہ کہ صورت اقامت کی ہو جائے گو اس نے عزم نہ کیا ہو مثلاً اگر ایک جگہ میں جانے کے دن کے سوا

تین دن اقامت کی تو اس کے بعد اس کو قصر کی اجازت نہیں ہاں اگر عزم اقامت نہیں اور کوئی کام درپیش ہے کہ ہر روز اس کے پورا ہونے کی توقع ہے مگر اتفاقاً تعویق اور تاخیر ہو جاتی ہے تو اس صورت میں دونوں قولوں میں سے قیاس کے مطابق یہی ہے کہ گو کتنی ہی مدت ہو جائے قصر کئے جائے اس لئے کہ وہ دل متحرک ہے اور بظاہر وطن سے مسافر اور ایسی حالت میں کہ دل برقرار نہ ہو اور ظاہر میں ایک جگہ ٹھہرا رہے اس رہنے کا اعتبار نہیں اور وہ کام جو اس کو درپیش ہے خواہ قتال ہو یا کوئی اور دونوں میں حکم ایک ہی ہے اسی طرح مدت کی درازی اور کمی میں بھی حکم کا فرق نہیں اور نہ اس میں فرق ہے کہ سفر میں [۲] دیر مینہ کے باعث ہوئی یا کسی اور جہت سے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت پر بعض غزوات میں عمل [۱] فرمایا اور ایک ہی جگہ پر اٹھارہ روز تک نماز قصر کی اور ظاہر یہ ہے کہ اگر جنگ میں اور تاخیر ہوتی تو زیادہ دنوں تک قصر فرماتے کیونکہ اٹھارہ روز کے تعین کی تو کوئی وجہ نہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصر کی وجہ یہی تھی کہ آپ مسافر تھے نہ یہ کہ غازی اور مقاتل تھے اب سفر طویل کی تعریف معلوم کرنی چاہیئے سفر طویل اس کو کہتے ہیں جو دو منزل ہو ہر منزل چوبیس میل اور میل چار ہزار قدم اور قدم تین پاؤں کا (یعنی حساب مروجہ حال سے قریب بارہ کے) اور سفر مباح سے یہ غرض ہے کہ ماں باپ کا نافرمان ہو کر نہ جاتا ہو نہ ان سے بھاگ کر اور نہ غلام اپنے آقا سے اور نہ عورت اپنے شوہر سے اور نہ تونگر قرض سے بھاگ کر جاتا ہو اور نہ رہزنی اور قتل ناحق کے لئے متوجہ ہو اور نہ بادشاہ ظالم سے حرام روزینہ مانگنے جاتا ہو اور نہ دو مسلمانوں میں فساد ڈالنے کے لئے سفر کرتا ہو حاصل یہ کہ آدمی کسی غرض کے لئے سفر کرتا ہے تو اگر اس غرض کا حاصل کرنا حرام ہو اور وہ غرض اگر بالفرض اس کو نہ ہوتی تو سفر نہ کرتا تو اسی غرض کے لئے سفر کرنا گناہ ہے اور اس سفر میں قصر کرنا نماز کا درست نہیں اور جس سفر میں کہ شراب پینے وغیرہ سے فسق کا مرتکب ہو تو وہ مانع رخصت نہیں بلکہ شریعت نے جس سفر سے منع فرما دیا ہے اس پر البتہ رخصت قصر سے مدد نہیں فرمائی اور اگر سفر کے باعث دو ہوں ایک مباح اور دوسرا ممنوع لیکن اگر باعث ممنوع نہ ہوتا تب بھی باعث مباح ہی فقط اس کو آمادہ سفر کرتا تو اس صورت قصر درست ہے اور ظاہر کے صوفی جو شہروں میں پھرتے ہیں اور بجز مختلف شہروں کی سیر کے اور کوئی صحیح غرض نہیں رکھتے ان کو اس رخصت پر عمل کرنے میں اختلاف ہے اور مختار یہی ہے کہ درست ہے۔

[۱] ابو داؤد بروایت عمران بن حصین در قصہ فتح مکہ و بخاری بروایت ابن عباس بتعداد انیس [۱۹] ۱۲ [۲] قولہ مینہ کے باعث آخ اصل میں یہ قید لگائی ہے کہ سفر کرنے میں دیر ایسی بارش شروع ہونے سے ہوئی جس کا تین دن تک لگا رہنا معلوم نہیں ہے یا کسی دوسرے باعث سے ہو جیسے خود اس مسئلہ میں یہ صورت آ گئی کہ مینہ شروع ہوا اور سفر نہ کر سکا اور معلوم نہیں کہ تین روز تک مینہ کی جھڑی رہے گی حالانکہ مدت نماز پوری پڑھنے کی تین روز ہے تو کیا آج وہ قصر کرے یا نماز پوری پڑھے ۱۲

چوتھی رخصت: ظہر اور عصر کو ان دونوں کے وقتوں میں اور مغرب اور عشا کو ان دونوں کے اوقات میں ایک ساتھ پڑھنے کی ہے اور یہ رخصت بھی اسی سفر میں جائز ہے جو طویل اور مباح ہو سفر قصیر میں اس کے جواز میں گفتگو ہے پھر اگر عصر کو ظہر کے وقت میں جمع کرے تو چاہئے کہ ظہر سے فارغ ہونے سے پیشتر ظہر اور عصر کے اکٹھا کرنے کی نیت کرے اور ظہر کے لئے اذان اور تکبیر دونوں کہے اور فراغ ظہر کے بعد عصر کی تکبیر کہے اور اگر تیمم سے پڑھتا ہو تو تکبیر سے پیشتر تیمم کر لے اور ظہر اور عصر میں اتنی ہی تاخیر کرے کہ تیمم اور تکبیر ہو سکے زیادہ دیر نہ کرے اور اگر پیشتر عصر کو پڑھے گا تو جائز نہ ہو اور اگر ظہر کے فراغ سے پیشتر جمع کی نیت نہ کی بلکہ نماز عصر کی نیت کے وقت جمع کی نیت کی تو مزنیؒ کے نزدیک درست ہے اور قیاس کی رو سے بھی اس کی ایک وجہ ہے کیونکہ تقدیم نیت کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں شریعت نے جمع کو درست فرمایا ہے اور یہ صورت بھی جمع ہی کی ہے اور چونکہ ظہر کو بموجب دستور کے پڑھ لیا اور عصر کو اس کے وقت میں جمع کرنے کی رخصت ہے تو نیت صرف عصر میں کافی ہونی چاہئے پھر جب فرضوں سے فارغ ہولے تو دونوں کی سنتوں کو بھی جمع کرنا چاہیئے عصر کے بعد تو کوئی سنت ہی نہیں مگر ظہر کے بعد کی سنتیں عصر کی نماز سے فارغ ہو کر خواہ سوار پڑھ لے یا ٹھہر کر کیونکہ اگر ظہر کا دوگانا سنت عصر سے پیشتر پڑھے گا تو ظہر اور عصر کے فرضوں میں پے بہ پے ہونا نہ رہے گا جو ایک صورت سے واجب ہے اور اگر دونوں نمازوں کے پیشتر کی رواتب ادا کرنا چاہئے تو اس طرح پڑھے کہ پہلے چار سنتیں قبل ظہر کے پھر چار قبل عصر کے پھر دوگانہ فرض ظہر پھر دوگانہ فرض عصر پھر ظہر کے بعد کی سنتوں کا دوگانہ اور چاہے کہ سفر میں نفلیں نہ چھوڑے اس لئے کہ جس قدر ان کا ثواب جاتا رہے گا اس قدر نفع نہ ملے گا علاوہ ازیں شریعت نے نوافل میں تخفیف بہت کر دی ہے کہ سواری پر ادا کرنا درست فرمایا ہے تاکہ اپنے رفیقوں سے نوافل کے باعث علیحدہ نہ رہ جائے اور اگر ظہر کو دیر کر کے عصر کے وقت میں جمع کرے تب بھی یہی صورت و ترتیب ملحوظ رکھے اور اس کی پرواہ نہ کرے کہ ظہر کے بعد کی سنتیں عصر کے بعد مکروہ وقت میں پڑھی جائیں گی اس لئے کہ جن نوافل کے لئے کوئی سبب ہے وہ اس وقت میں مکروہ نہیں اور مغرب اور عشا اور وتر میں بھی ایسا ہی کرے خواہ عشا کو مقدم کر کے مغرب کے وقت بعد ادائے مغرب کے پڑھے یا مغرب کو تاخیر کر کے عشا کے وقت میں فریضہ عشا سے پہلے پڑھے اور دونوں کے فرضوں سے فارغ ہونے کے بعد سب نوافل کو جمع کرے اور سب سے آخر وتر پڑھے اور اگر ظہر کا وقت نکلنے سے پیشتر دل میں اس کے نماز کا خیال ہوا تو چاہیئے کہ عزم کر لے کہ عصر کے ساتھ اس کو جمع کر لوں گا کہ یہی نیت جمع کی ہے اس لئے کہ یہ نیت نہ ہوگی تو یا ترک ظہر کی نیت

ہو گی یا عصر سے ظہر کو مؤخر کرنے کی نیت ہو گی اور دونوں باتیں حرام ہیں اور ان پر نیت کرنی بھی حرام ہے اور اگر ظاہر کو یاد نہ کیا یہاں تک کہ اس کا وقت نکل گیا خواہ سونے کی جہت سے یا کسی اور شغل کے باعث سے تو اس کو جائز ہے کہ ظہر کو عصر کے ساتھ ادا کر لے اور اس صورت میں گناہگار نہ ہو گا اس وجہ سے کہ سفر جیسا فعل نماز سے مشغول کر دیتا ہے ویسا ہی نماز کی یاد سے بھی بعض اوقات غافل کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ظہر ادا اسی صورت میں واقع ہو گا کہ اس کے وقت نکلنے سے پیشتر نیت اس کے پڑھنے کی کر لی ہو مگر ظاہر تر یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں کے وقت کا مجموعہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے لئے مشترک ہو گیا ہے تو اگر بلا نیت سابق بھی عصر کے وقت میں پڑھے گا تو ادا ہی واقع ہو گی اور بہمیں وجہ اگر حائضہ عورت سفر میں مغرب سے پیشتر طاہر ہو گی تو اس کو ظہر کی نماز بھی قضا کرنی پڑھے گی جیسے عصر کی نماز کو قضا پڑھے گی اور اسی بنا پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں ترتیب اور پیدرپے پڑھنا شرط نہ ہونا چاہیئے حالانکہ تم کہتے ہو کہ عصر کو پہلے پڑھیگا تو درست نہ ہو گی اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند سب وقت دونوں نمازوں میں مشترک ہے مگر ظہر سے فارغ ہونے کے بعد کا وقت عصر کے لئے کیا گیا ہے تو اب بدون ظہر کے پڑھنے عصر کیسے پڑھ سکتا ہے۔ اور مینہ کے عذر سے بھی جمع کرنا ان نمازوں کا درست ہے جیسے سفر کے عذر سے جائز ہے اور جمعہ کا ترک کرنا بھی سفر کی رخصتوں میں سے ہے۔ اور یہ فرض نمازوں سے متعلق ہے۔ اور اگر نماز عصر سفر میں پڑھ لی تھی اس کے بعد اقامت کی نیت کی اور ہنوز وقت عصر باقی ہے تو اس پر عصر کا ادا کرنا واجب ہے اور جو ادا کر چکا ہے وہ اس صورت میں کافی تھی کہ عذر عصر کے وقت نکلنے تک باقی رہتا۔

پانچویں رخصت سواری کی نفل پڑھنے کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر نفل پڑھا کرتے تھے چاہے وہ کدھر ہی کو جاتی ہو اور آپ نے وتر بھی سواری پر پڑھے ہیں اور جو شخص سواری پر نفل پڑھے وہ رکوع اور سجدہ میں اشارہ کرے اور سجدہ کے لئے رکوع کی نسبت کر زیادہ جھکے مگر ایسا جھکنا ضرور نہیں کہ جس سے کوئی خطرہ درپیش ہو یا جانور کی شرارت کا خوف ہو اور اگر خوابگاہ میں نفل پڑھے تو رکوع سجدہ پورا کرے کہ وہاں قدرت پورا کرنے کی حاصل ہے باقی رہا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا تو وہ نہ ابتدائے نماز میں واجب ہے اور نہ اثنائے نماز میں آخر تک بلکہ راستہ کا رُخ قبلہ کا بدل ہے اب نمازی کو اختیار ہے چاہے تمام نماز میں قبلہ رُخ رہے یا راستہ کی جانب متوجہ رہے کہ یہ ایسی جہت ہے کہ اس میں ثابت رہے گا پس اگر سواری کو قصداً راستہ سے موڑے گا تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن

اگر قبلہ کی طرف موڑے گا تو درست ہے اور اگر بھولے سے موڑے گا تو اگر زمانہ کم ہوگا تو نماز نہ جائے گی اور اگر زیادہ عرصہ لگے گا تو اس میں خلاف ہے اور اگر سواری بھڑک کر خود راستہ سے منحرف ہوگئی ہو تو نماز نہ جائے گی کیونکہ ایسا بہت ہوا کرتا ہے اور اس صورت میں نمازی پر سجدہ سہو بھی نہیں کیونکہ بھڑکنا سواری کا نمازی کا کام نہیں بخلاف اس صورت کے کہ بھول کر موڑ دیا ہو کہ اس میں سجدہ سہو اشارے سے کرے۔

چھٹی رخصت۔ یہ ہے کہ پیادہ چلنے کی حالت میں سفر کے اندر نفل پڑھنی درست ہے اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے اور تشہد کے لئے بیٹھے نہیں اس لئے کہ اگر بیٹھنا پڑے تو رخصت سے کیا فائدہ ہوا اور پیادہ چلنے والے کا حکم یہی ہے جو سوار کا بیان ہوا مگر اتنا فرق ہے کہ چلتا آدمی اگر نفل پڑھے تو قبلہ رُخ تکبیر تحریمہ کرے کہ ایک لمحہ کے لئے راہ سے دوسری طرف کو منہ پھیرنے میں کچھ وقت نہیں بخلاف سوار کے کہ اگر سواری کا پھیرنا گو باگ ہاتھ میں ہو خالی وقت سے نہیں علاوہ ازیں اگر نمازیں کئی پڑھنی ہوں تو ہر بار سواری کو متوجہ بقبلہ کرنے میں بڑا حرج ہے اور چاہیے کہ اگر راہ میں نجاست ہو تو اس میں عمداً نہ چلے اور اگر چلے تو نماز جاتی رہے گی بخلاف سوار کے کہ سواری کے پاؤں کے نیچے نجاست آجائے گی تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اور یہ لازم نہیں کہ جو نجاستیں راستہ میں اکثر پڑی رہتی ہیں ان سے بچنے کے واسطے تکلف کرے اور جو شخص کہ دشمن یا درندہ یا سیل سے بھاگنے والا ہو وہ نماز فرض سوار خواہ پیادہ اسی طرح پڑھ لے جیسے ہم نے نفل کا حال لکھا ہے۔

ساتویں رخصت افطار کی ہے کہ مسافر کو جائز ہے کہ سفر میں روزہ افطار کرے لیکن اگر صبح کو مقیم تھا پھر سفر کیا تو اس دن کا روزہ پورہ کرنا اس کو لازم ہے اور اگر مسافر روزہ دار تھا پھر اقامت کی تو اب روزہ کا پورا کرنا لازم نہیں بلکہ جب چاہے افطار کرنا جائز ہے اور روزہ رکھنا افطار سے بہتر ہے اور قصر کرنا نماز کے تمام پڑھنے سے افضل ہے کہ خلاف کا شبہ نہیں رہتا اور ایک وجہ روزہ کے افضل ہونے کی مسافر کے حق میں یہ بھی ہے کہ اگر افطار کرے گا تو اس کے ذمہ قضا لازم ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے مشکل پڑ جائے تو یہ فرض ذمہ پر رہ جائے گا ہاں اگر روزہ اس کو ضرر کرتا ہو تو اس صورت میں افطاری افضل ہے۔ تو یہ سات رخصتیں ہوئیں کہ تین سفر طویل سے متعلق ہیں یعنی قصر نماز کرنا اور افطار کرنا روزہ کا اور موزوں پر تین دن رات مسح کرنا اور دو مطلق سفر سے متعلق ہیں خواہ سفر طویل ہو یا قصیر یعنی جمعہ کا ساقط ہونا اور تیمم سے نماز پڑھنے کے بعد اس کی قضا کا ساقط ہو جانا اور نماز نفل کو پیادہ پا چلتے ہوئے یا سواری پر پڑھنے میں اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ سفر قصیر میں بھی جائز ہے اور دو نمازوں کے ایک ساتھ پڑھنے میں بھی خلاف ہے اور ظاہر تر یہی ہے کہ یہ امر سفر طویل سے

مخصوص ہے اور فرض نماز کو سواری پر اور چلتے ہوئے پڑھنا خوف کی جہت سے سفر کی خصوصیت نہیں رکھتا اسی طرح مردار کا کھانا اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم سے نماز کا پڑھنا سفر سے مخصوص نہیں بلکہ حضر اور سفر میں سے جس میں ان کے اسباب پائے جائیں گے اسی میں درست ہو جاتے ہیں اب اگر یہ کہو کہ مسافر کو ان رخصتوں کا سیکھنا سفر سے بیشتر واجب ہے یا مستحب تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسافر پہلے سے نیت پختہ کرلے کہ میں مسح اور قصر اور جمع اور افطار نہ کروں گا اور سواری پر اور پیادہ چلتے ہوئے نفل نہ پڑھوں گا تو اسکو ان رخصتوں کی شرطوں کا جاننا ضرور نہیں اس لئے کہ رخصت پر عمل کرنا اس پر واجب نہیں مگر تیمم کی رخصت کا علم ہونا ضرور ہے کہ یہ پانی کے نہ ملنے پر موقوف ہے اور پانی کا ملنا اس کے اختیار میں نہیں ہاں اگر نہر کے کنارے کنارہ جاتا ہو اور جانتا ہو کہ انتہائے سفر تک یقیناً پانی باقی رہے گا یا راستہ میں کوئی عالم ساتھ ہو کہ ضرورت کے وقت مسئلہ پوچھ لے گا تو البتہ سیکھنا ان مسائل تیمم کا حاجت کے وقت تک ملتوی کر سکتا ہے اور جس صورت میں کہ گمان پانی کے نہ ملنے کا ہو اور ساتھ میں کوئی عالم مسئلہ بتانے والا نہ ہو تو سیکھنا ضرور ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ تیمم کی حاجت نماز کے لئے ہو گی جس کا وقت ابھی تک داخل نہیں ہوا تو ایسی نماز کے لئے جس کا وقت ابھی نہیں آیا اور ذمہ پر واجب نہیں اور شاید واجب ہی نہ ہو علم طہارت کیسے واجب ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے درمیان کعبہ سے فاصلہ ایک برس کی راہ کا ہو تو اس کا حج کے مہینوں سے بیشتر سفر کا شروع کرنا اور افعال حج کا سیکھنا لازم ہوتا ہے بشرطیکہ گمان غالب ہو کہ اثناء راہ میں کوئی بتانے والا نہ ملے گا اس لئے کہ اصل زندہ رہنا اور انتہا سفر تک زندگی کا بنا رہنا ہے اور جو چیز اس طرح کی ہوتی ہے کہ واجب تک بدون اس کے رسائی نہ ہو تو وہ واجب ہوتی ہے اور جس چیز کی توقع ہو کہ ظاہر میں گمان غالب واجب ہو جائے گی اور اس کی کوئی شرط ایسی ہو کہ اس کی تقدیم سے اس چیز تک رسائی ہو تو اس شرط کا سیکھنا بھی واجب ہوتا ہے جیسے حج کے وقت سے بیشتر اور اس کے کرنے سے پہلے افعال حج کا سیکھنا ضروری ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو سفر کرنا بدون اسقدر مسائل تیمم کے سیکھنے کے حلال نہ ہو گا اور اگر سب رخصتوں پر عمل کرنے کی نیت پختہ ہو تو اس پر سب رخصتوں کا علم سیکھنا جس قدر ہم نے ذکر کیا ہے واجب ہے اس لئے کہ اگر اس کو سفر کی رخصت کا حال معلوم نہ ہو گا کہ جائز کیا بات ہے تو وہ اس پر اقتصار کیسے کرے گا۔ اب اگر یہ کہو کہ مسافر اگر بالفرض سواری پر اور پاپیادہ چلتے ہوئے نفل نماز پڑھنے کی کیفیت نہ سیکھے گا تو اس کا کیا نقصان ہے غایت ہے کہ اگر مثلاً نفل پڑھے گا تو فاسد ہو گی تو نفل اس کے ذمہ واجب نہیں اگر فاسد ہو گی تو کیا خرابی ہوئی پس اس کے لئے غیر واجب چیز کا علم واجب کیسے ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر واجب ہے

کہ نفل نماز کو فساد کی صفت پر نہ پڑھے جیسے بے وضو نفل پڑھنا اور نجاست کے ساتھ اور قبلہ کے سوا اور جانب کو رُخ کرنا اور بدون نماز کی شرطوں کے اتمام کے پڑھنا حرام ہے تو اس صورت میں ان باتوں کا سیکھنا جن سے نفل فاسد سے احتراز ہو اس پر واجب ہے تاکہ مرتکب حرام کا نہ ہو۔ یہاں تک بیان ان اشیاء کے سیکھنے کا ہوا جو سفر میں مسافر پر خفیف ہو جاتی ہیں۔

مسافر کے لئے نئے امور

اور وہ قبلہ کا جاننا اور وقتوں کا پہچاننا ہے اور ہر چند یہ باتیں حضر میں تو مسجدوں کے رخ سے قبلہ کے دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی کہ سب کا اس پر اتفاق ہوتا ہے اور موذن کی اذان سے وقت کی شناخت کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ وقت کا لحاظ رکھتا ہے اور مسافر کو کبھی قبلہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اور کبھی وقت مشتبہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کو قبلہ اور وقت کی دلیلوں کا جاننا ضروری ہے تو قبلہ کی دلیلیں تو تین قسم کی ہیں اول زمین کے اشیاء مثلاً پہاڑوں اور گاؤں اور نہروں سے قبلہ پہچاننا دوم ہوائی جیسے شمالی اور جنوبی اور شرقی اور غربی ہواؤں سے حال دریافت کرنا سوم آسمانی مثلاً ستاروں سے شناخت کرنی تو زمین اور ہوا کی علامتیں ہر شہروں میں جدا جدا ہوتی ہیں مثلاً بعض رستے ایسے ہی ہیں کہ ان میں کوئی اونچا پہاڑ ہے اور معلوم ہے کہ قبلہ رُخ کھڑے ہونے سے وہ دہنے یا بائیں یا آگے یا پیچھے پڑتا ہے تو اس کو جان بوجھ لینا چاہئے اور یہی حال ہوا کا ہے کہ بعض ملکوں میں کبھی اس سے سمت معلوم ہو جاتی ہے تو اس کو سمجھ لے کہ اس طرح سمت قبلہ معلوم ہو سکتی ہے اور ہم سے ان اشیاء کا پورا بیان نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شہر اور ولایت کا جدا حکم ہے لیکن آسمانی علامتیں دو طرح کی ہیں ایک دن کی اور ایک رات کی دن کی علامت آفتاب ہے تو شہر سے نکلنے کے پیشتر امتحان کرے کہ زوال کے وقت آفتاب کہاں ہوتا ہے آیا دونوں ابرو کے بیچ میں رہتا ہے یا دہنی آنکھ پر یا بائیں پر ہوتا ہے یا یہ پیشانی کی جانب ان جگہوں کی نسبت کہ زیادہ مائل ہے کیونکہ شمالی ممالک میں آفتاب انہیں جگہوں میں سے ایک نہ ایک پر رہا کرتا تو جب اس طرح سے زوال کو پہچان جائے گا تو پھر قبلہ کو معلوم کر لے اس دلیل سے جو ہم آگے لکھتے ہیں اسی طرح عصر کے وقت آفتاب کا موقع اپنے بدن سے ملحوظ رکھے کہ انہیں دونوں وقتوں کے دریافت کی حاجت ہو گی اور تین وقت تو ظاہری ہیں اور چونکہ یہ امر بھی ہر ملک میں جداگانہ اس لئے اس کا بیان بھی کامل ممکن نہیں باقی رہا قبلہ کا حال تو وہ مغرب کے وقت تو غروب آفتاب سے ہو سکتا ہے اس طرح کہ اپنے شہر میں معلوم کرے کہ غروب کی جگہ قبلہ رخ آدمی سے کس جانب کو رہتی ہے اس سمت کو یاد کر لے اور عشاء کے وقت شفق سے معلوم ہو سکتا ہے اور صبح کے وقت مطلع سے پتا لگ سکتا ہے غرضکہ آفتاب سے

گویا پانچوں وقت کا قبلہ دریافت ہو سکتا ہے مگر جاڑے اور گرمی میں کسی قدر مختلف ہوگا اس وجہ سے کہ طلوع وغروب کی جگہ بدلتی رہتی ہے گو دونوں طرف میں محدود ہے تو اس کو بھی سیکھ لینا چاہیئے لیکن کبھی مغرب اور عشا کے پڑھنے کا اتفاق بعد شفق کے غائب ہونے کے ہوتا ہے تو اس صورت میں شفق سے اس کا پتا لگنا ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے اس ستارہ کا لحاظ کرے جو قطب کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ ایسا ستارہ ہے کہ اس کی حرکت ظاہر نہیں ایک جگہ ثابت معلوم ہوتا ہے پس اس کو دیکھ لینا چاہیئے کہ قبلہ رخ شخص کے پیچھے رہتا ہے یا دہنے شانہ پر یا بائیں پر ان ممالک میں جو مکہ معظمہ سے شمال کو ہیں اور جنوبی ملکوں میں مثل یمن اور متعلقات کے تو قبلہ رُخ شخص کے مقابل پڑھتا ہے تو قطب کا حال سیکھ لے اور جو صورت اپنے شہر میں پاوے اسی کی رعایت تمام راستہ میں رکھے لیکن جس صورت میں کہ مسافت بہت ہو تو وہاں آفتاب اور قطب کے موقع میں اور طلوع اور غروب کے مواقع میں اختلاف ہو جاتا ہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ جس بڑے شہر میں جائے اس جگہ کے واقف کاروں سے دریافت کرے یا مسجد جامع کے مقابل کھڑا ہو کر قطب کو خود دیکھ لے کہ کس سمت پر واقع ہو تو جب ان دلائل کو سیکھ چکے تو ان پر اعتماد کرے اور اگر معلوم ہو کہ قبلہ کی جہت چوک گئی کسی اور طرف کو نماز پڑھ لی تو چاہیئے کہ نماز کو قضا کرے اور اگر اس طرح سے منحرف ہو کہ ٹھیک محاذی قبلہ کے نہیں رہا مگر جہت قبلہ سے نہیں نکلا تو قضا نماز اس پر لازم نہ ہو گی۔ اور فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ کعبہ کی جہت مطلوب ہے یا اس کی ذات اور بعض لوگوں پر یہ مضمون ہی مشتبہ رہا اس جہت سے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ عین کعبہ مطلوب ہے تو ممالک بعیدہ میں ٹھیک کعبہ کی طرف ہونا کیسے ہو پڑے گا اور اگر یہ کہیں کہ جہت مطلوب ہے تو جو شخص مسجد حرام کے اندر کھڑا ہو کر جہت کعبہ کی طرف رخ کرے اور بدن کعبہ کے مقابل نہ ہو تو سب کے نزدیک اس کی نماز درست نہیں اور جہت اور عین کے خلاف کے باب میں بہت سی لمبی تقریر کی ہے پس ضرور ہوا کہ اول یہ سمجھ لیا جائے کہ مقابلہ ذات کعبہ کا کس کو کہتے ہیں اور جہت کعبہ کے مقابل ہونے کے کیا معنی ہیں تو عین کے مقابل ہونے کی تو یہ صورت ہے کہ نمازی ایسی جگہ میں کھڑا ہو کہ اگر اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے ایک سیدھا خط کعبہ کی دیوار تک کھینچا جائے تو وہ دیوار سے مل جائے اور اس خط کے دونوں جانب دو زاویہ متساوی پیدا ہوں یعنی جس نقطہ پر دیوار کے یہ خط ملے اس نقطہ سے اگر دیوار پر خط کھینچیں تو خط مذکور پر یہ خط عمود ہو جیسا کہ نقشہ اول میں بنایا گیا ہے اور نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے اگر خط نکالا جائے تو فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہی اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نکلا ہے یہ صورت تو عین کعبہ کے مقابل ہونے کی ہے اور جہت

کعبہ کے مقابل ہونے کی صورت یہ ہے کہ دونوں آنکھوں کے درمیان سے خط مستقیم کعبہ کی دیوار سے
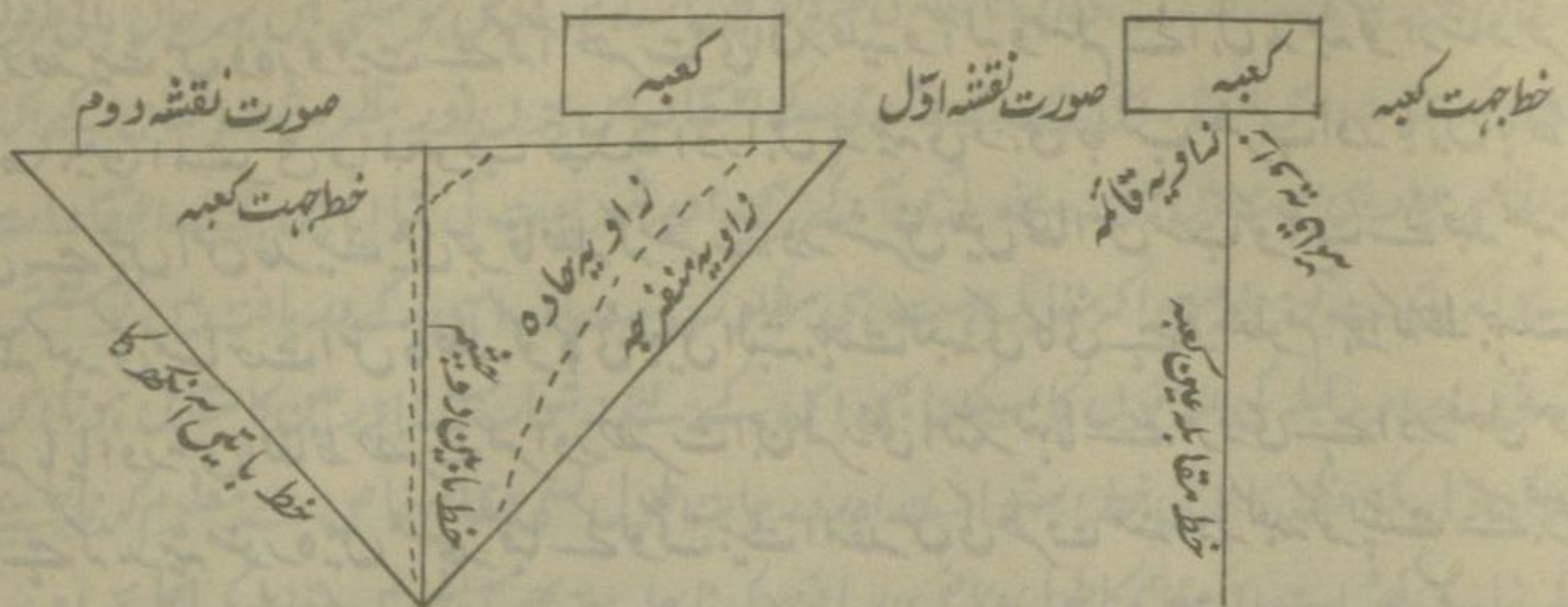
مل سکتا ہے مگر دونوں جانب کے زاویے جبھی برابر ہوں گے کہ خط عمود ہو اور عمود کا نقطہ ایک ہی ہوگا اس کے سوا جتنے نقطوں میں اور آنکھ کے درمیان خط ملائے جائیں گے ان سے برابر زاویے پیدا نہ ہوں گے پس جس صورت میں کہ کعبہ خط عمود سے ہٹا ہوا ہوگا تو جو خط آنکھوں سے اس تک ملے گا اس سے زاویے برابر نہ ہوں گے ایک چھوٹا اور ایک بڑا ہوگا اس صورت میں مقابلہ عین کعبہ کا نہ رہے گا بلکہ جہت کعبہ کا مقابلہ ہوگا اور خط جہتی اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ فرض کیا جائے کہ مصلی کی داہنی آنکھ سے ایک خط نکلے اور ایک بائیں آنکھ سے اس طرح کہ اگر ان دونوں کو آنکھ کی سمت میں کھینچیں تو دونوں مل کر زاویہ قائمہ بن جائیں پھر ان دونوں خطوں کو کعبہ کے محاذی کھینچیں یعنی دونوں کے برابر اتنا کھینچیں کہ اگر ان دونوں میں خط ملایا جائے تو وہ دیوار کعبہ کو مس کرتا گذرے اس خط کا نام جہت کعبہ ہے اور اس کی وسعت اسی قدر ہوگی جس قدر دوری مصلی کی کعبہ سے ہوگی اس کی صورت نقشہ دوم میں بنی ہے جس قدر مصلی کعبہ سے دور ہوگا اس قدر اس کا خط جہت بڑا ہوگا جب عین اور جہت کے معنی سمجھ چکے تو اب ہم کہتے ہیں کہ فتوے ہمارے نزدیک اسی طرح درست ہے کہ اگر کعبہ کا دیکھ لینا ممکن ہو تو عین کعبہ کا مقابلہ مطلوب ہے اور اگر دیکھنا دشوار ہو تو مقابل ہونا جہت کا کافی ہے دیکھنے کی صورت میں عین کا مقابلہ اس جہت سے مطلوب ہے کہ اس پر اجماع ہے اور عدم معاینہ کے وقت جہت کے مقابل ہونے پر قرآن اور حدیث اور صحابہؓ کا فعل اور قیاس دلالت کرتا ہے قرآن مجید کی دلالت اس آیت میں ہے۔ ۱؎ حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ اس میں شطر سے مراد ہے جہت چنانچہ جو شخص کعبہ

۱؎ اور جس جگہ تم جدا ہوا کرو پھیر اپنا منہ اسی کی طرف۔

کی جہت کے مقابل ہو اس کو عرب والے کہتے ہیں ولی وجهه شطره یعنی اپنا منہ کعبہ کی جہت پھیر لیا اور حدیث میں وہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مدینہ کو ارشاد فرمایا کہ [۱] ما بین المشرق والمغرب قبلة اور اہل مدینہ کی دہنی جانب مغرب اور بائیں ہاتھ مشرق پڑتی ہے پس اس حدیث میں جو فاصلہ کہ مغرب اور مشرق میں تھا اس سب کو آپ نے قبلہ ٹھہرا دیا حالانکہ کعبہ کی مساحت اس فاصلہ کو کافی نہیں البتہ جہت کعبہ کی کافی ہے تو معلوم ہوا کہ خط جہت کو قبلہ فرمایا اور یہی الفاظ حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور فعل صحابہ رضؓ کا یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں مسجد قبا کے لوگ بیت المقدس کی طرف منہ اور کعبہ کو پشت کئے صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ مدینہ منورہ دونوں کے درمیان میں ہے اتنے میں ان سے کسی نے کہہ دیا کہ قبلہ بدل گیا اور کعبہ اور طرف کو ہو گیا تو وہ لوگ بدون کسی علامت کے پوچھے کعبہ کی طرف پھر گئے اور ان [۲] کے اس پھرنے پر کسی نے انکار نہ کیا اور ان کی مسجد کا نام دو قبلوں کی مسجد رکھا گیا اور اگر عین کعبہ مطلوب ہوتا تو مدینہ منورہ سے اس کی سیدھ بدون دلائل ہندسہ کے معلوم ہونی دشوار تھی جو نہایت غور و تامل سے معلوم ہوتی ہے تو ان لوگوں نے فی البدیہہ نماز کے اندر تاریکی کی حالت میں اس کو کیسے جان لیا اور ان کے اس فعل سے بھی جہت ہی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے مکہ معظمہ کے نواح میں اور تمام بلاد اسلام میں مسجدیں بنائیں اور کہیں سمت قبلہ کے معلوم کرنے کے لئے کسی مہندس کو نہیں بلوایا حالانکہ عین کعبہ کا مقابلہ بدون نظر دقیق ہندسہ کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور قیاس یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہونے اور مسجدوں کے بنانے کی حاجت زمین کی طرفوں میں ہے اور بدون علوم ہندسہ کے مقابلہ عین کعبہ ممکن نہیں اور شریعت میں کہیں ذکر نہیں کہ ان علوم میں بحث کی جائے بلکہ اگر ہے تو ان علوم میں زیادہ توغل کرنے سے توبیخ وارد ہے پھر ایسی صورت میں شریعت کا معاملہ اس پر کیسے بنی کیا جائے گا اس سے معلوم ہوا کہ مقابل ہونا جہت کی ضرورت کے سبب سے کافی ہے اور جس صورت کو ہم نے لکھا ہے یعنی عالم کی جہتوں کا منحصر ہونا چار میں اس کے صحیح ہونے کی یہ دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں قضاء حاجت کے آداب میں یہ ارشاد فرمایا [۳] کہ نہ قبلہ کو منہ کرو اور نہ پشت کرو بلکہ شرق کو منہ کرو یا غرب کو اور مدینہ مطہر میں قبلہ رُخ آدمی کے بائیں طرف مشرق اور دہنی طرف مغرب پڑتی ہے تو دو جہتوں سے منع فرمایا اور دو کی اجازت دی اس سے معلوم ہوا کہ کل

[۱] مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ۱۲ [۲] مسلم بروایت انس رضؓ ۱۲

[۳] بخاری و مسلم بروایت ابی ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

جہتیں چار ہیں اور یہ کسی کے دل میں بھی نہیں آتا کہ عالم کی طرفین چھ یا سات یا دس ہو سکتی ہیں بہر حال باقی طرفوں کا کچھ حکم نہیں بلکہ جہات اسی طرح رہتی ہیں جیسے آدمی کے اعتقاد میں ہوں اور بنظر سرشت انسان کے اس کے لئے بظاہر چار ہی سمت ہیں یعنی دہنے بائیں آگے پیچھے اور شریعت کی بنا انہیں جیسے اعتقادات ظاہر پر ہوا کرتی ہے تو معلوم ہوا کہ مقابلہ جہت ہی مطلوب ہے اور اسی کے دریافت میں کوشش آسان پڑتی ہے اور قبلہ کی علامتوں کا سیکھنا بھی اس کے لئے دشوار نہیں اور عین کا مقابل ہونا اس طرح ہوگا کہ اوّل مکہ معظمہ کا عرض خط استوا سے اور درجات طول کسی مقام خاص سے معلوم کرنا چاہیئے پھر جس جگہ نمازی کھڑا ہے اس مقام کا طول وعرض دریافت کرنا چاہیئے پھر آپس میں مقابلہ کیا جائے اور خط عمودی کے لئے آلات و اسباب بہت سے درکار ہیں حالانکہ شریعت کی بنا ان پر یقیناً نہیں۔ غرضکہ قبلہ کی دلیلوں میں سے جس قدر سیکھنا چاہیئے وہ یہی کہ آفتاب کے نکلنے اور غروب ہونے کی جگہ اور زوال کی کیفیت اور عصر کے وقت وہ کہاں ہوتا ہے اس کا حال دریافت ہو جائے تو اس قدر سیکھ لینے سے وجوب ساقط ہو جائے گا اب اگر یہ پوچھو کہ مسافر اگر بدون ان باتوں کے سیکھے سفر کرے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس راستہ میں گاؤں پاس پاس پڑتے ہوں جن میں مسجدیں بنی ہوں یا اس کے ساتھ کوئی قبلہ کی علامتوں کا واقف کار ہو جس کے عادل اور تجربہ کار ہونے پر اعتماد ہو تب تو گنہگار نہ ہوگا اور اگر ان باتوں میں سے کوئی بھی نہ ہوگی تو البتہ گنہگار ہوگا کہ قبلہ کا متوجہ ہونا تو اس کو پیش ہی ہونے والا تھا اور قبلہ رُخ ہونا واجب ہے۔ تو اس کا علم پہلے کیوں نہ سیکھا تو اس کا حال ایسا ہی ہو گیا۔ جیسے مثلاً پانی نہ ملے اور پہلے سے مسئلہ تیمم کا نہ سیکھے اور نماز نہ پڑھے تو اس صورت میں بھی تیمم نہ سیکھنے سے گنہگار ہوگا پھر اگر علامات کو سیکھ لیا اور راہ میں بباعث ابر سیاہ کے قبلہ کا حال معلوم نہ ہوا یا بالکل سیکھا ہی نہ تھا اور راہ میں کوئی ایسا نہ ملا جس کی تقلید کرتا تو ایسی صورت میں اس پر واجب ہے کہ وقت پر نماز اپنے طور پر پڑھ کے پھر اس کی قضا کرے خواہ ٹھیک پڑھی ہو یا اور کسی طرف کو۔ اور اندھے آدمی کو بجز تقلید کے اور کوئی چارہ نہیں تو جس شخص کو دین اور عقل میں معتمد جانے اس کی تقلید کرے بشرطیکہ قبلہ کے حال دریافت کرنے میں کوشش کرتا ہو اور اگر قبلہ سب کو معلوم ہو تو اندھے کو جائز ہے کہ جو نیک بخت اس کو حضر یا سفر میں رُخ بتلادے اس کے قول پر اعتماد کرلے اور اندھے اور جاہل آدمی کو ایسے قافلہ میں سفر کرنا جائز نہیں جس میں کوئی قبلہ پہچاننے والا نہ ہو جیسے عامی آدمی کو ایسی بستی میں رہنا درست نہیں جس میں کوئی فقیہ نہ ہو کہ شریعت کا حال مفصل جانتا ہو بلکہ اس بستی سے ایسی جگہ ہجرت کرنی لازم ہے جہاں کوئی اس کو دین کی تعلیم کرے اور یہی حال ہے اگر

شہر میں فاسق فقیہ کے سوا دوسرا عالم نہ ہو تو اس صورت میں بھی ہجرت لازم ہے اس لئے کہ فاسق کے فتویٰ پر اعتماد جائز نہیں بلکہ فتوے کے قبول کے لئے عدالت شرط ہے جیسا کہ روایت میں ہے اور اگر ایسا شخص فقیہ ہو جس کا حال عدالت اور فسق کا مخفی ہو تو اگر عادل شخص عالم نہ ملے تو اس مستور کا قول قبول کرنا جائز ہے اس لئے کہ شہروں میں مسافر سے نہیں ہو سکتا کہ مفتیوں کی عدالت تحقیق کرتا پھرے پس اگر اس کو حریر پہنے دیکھے یا ایسا کپڑا اس کے بدن پر ہو جس میں ریشم غالب ہو یا سونے کے زین پر سوار ہو تو ایسی صورت میں وہ کھلا فاسق ہے اس کے قول کا ماننا ممتنع ہے اس کے سوا دوسرے کو تلاش کر کے اس سے مسئلہ پوچھے اور اسی طرح اگر اس کو بادشاہ کے دستر خوان پر کھاتا دیکھے جس کا اکثر مال حرام ہے یا اس روزینہ کو خواہ انعام لیتا ہے اور یہ تحقیق نہیں کرتا کہ وجہ حلال کا ہے یا نہیں تو یہ باتیں بھی فسق کی ہیں اور عدالت میں خلل ڈالتی ہیں اور فتوے کے قبول کرنے اور روایت اور گواہی کے مانع ہیں اور پانچوں وقتوں کا پہچاننا سفر میں ضروری ہے تو ظہر کا وقت زوال پر داخل ہوتا ہے اور ہر شخص کا سایہ آفتاب کے نکلنے کے بعد مغرب کی طرف کو لمبا ہوا کرتا ہے پھر جس قدر دن چڑھتا جاتا ہے وہ سایہ کم ہوتا جاتا ہے زوال کے وقت تک پھر پورب کی طرف کو بڑھنا شروع ہوتا ہے اور غروب تک بڑھتا رہتا ہے تو دو پہر کے قریب مسافر ایک جگہ خواہ خود کھڑا ہو جائے خواہ ایک لکڑی سیدھی دھوپ میں گاڑے اور اس کے سایہ کے سرے پر کچھ نشان کر دے پھر ایک ساعت کے بعد اس سایہ کو دیکھے اگر وہ نشان سے کم ہو گیا تو ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا اور اگر بڑھنے لگا ہو تو ظہر کا وقت آگیا اور ایک طریق اس کے پہچاننے کا یہ ہے کہ اپنے شہر میں جس مؤذن کی اذان پر اعتماد ہو اس کی اذان کے وقت اپنا سایہ ناپ لے اگر مثلاً تین قدم اپنے قدم سے ہو تو سفر میں جس وقت سایہ تین قدم ہو کر زیادہ ہونے لگے اس وقت نماز پڑھ لے اور جب ساڑھے نو قدم کا سایہ ہو اس وقت عصر کا وقت داخل ہوگا کیونکہ ہر شخص کا سایہ اس کے قدم سے ساڑھے چھ قدم تخمیناً ہوتا ہے اور سایہ اصلی مثلاً تین قدم تھا تو ساڑھے نو پر ایک مثل ہو جائے گا پھر اگر سفر گرمیوں کے سبب سے بڑے دن کے بعد شروع کیا ہوگا تو سایہ زوال ہر روز کسی قدر زائد ہوتا جاوے گا اور اگر جاڑوں کے سبب سے چھوٹے دن کے بعد کیا ہوگا تو سایہ ہر روز کم ہوتا جاوے گا اور زوال کے پہچاننے کا عمدہ طریق یہ ہے کہ مسافر اپنے ساتھ میزان زوال رکھے اور اس آلہ سے ہر وقت سایہ کے بدلنے کو سیکھ لے اور اگر زوال کے وقت سورج کا حال پہلے سے جانتا ہو کہ قبلہ رُخ آدمی کے فلاں موقع پر ہوتا ہے تو سفر میں اگر ایسی جگہ ہوگا جہاں قبلہ کسی اور علامت سے معلوم ہے تو اس جگہ زوال کا معلوم ہو جانا ممکن ہے کہ جب قبلہ رُخ ہو کر آفتاب کو موقع مذکور پر پاوے معلوم کرے کہ زوال کا وقت ہو گیا اور مغرب کا وقت آفتاب کے غروب

سے ہوتا ہے اور جس صورت میں کہ پہاڑوں کے سبب سے غروب کی جگہ نظر نہ آوے تو مشرق کی طرف سیاہی پر غور کرے جب سیاہی مشرق کے افق سے ایک نیزہ اونچی جاوے اسی وقت مغرب کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور عشا کا وقت شفق کی سُرخی کے غائب ہونے سے ہوتا ہے اگر پہاڑوں کی آڑ سے شفق کا حال معلوم نہ ہو تو یہ خیال کرے کہ جب چھوٹے ستارے کثرت سے نکل آویں تو جان لے کہ شفق نہیں رہی کیونکہ وہ سرخی کے غائب ہونیکے بعد ہی ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اور صبح کا وقت اس طرح معلوم کرے کہ اول ایک روشنی لمبی مثل بھیڑیئے کی دم کے مشرق کی جانب پیدا ہوتی ہے اور افق پر کچھ اس کی علامت نہیں ہوتی وہ صبح جھوٹی ہوتی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں پھر کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایک سفید چوڑی ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا معلوم کرنا آنکھ سے دشوار نہیں اس لئے کہ ظاہر ہوتی ہے اور افق تک ظاہر ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح ایسی نہیں ہوتی اور دونوں ہتھیلیوں کو ملا دیا بلکہ صبح ایسی ہوتی ہے اور ایک سبابہ کو دوسری پر رکھ دیا اور دونوں کو کھول دیا اسمیں اشارہ فرمایا کہ وہ عریض اور پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور بعض اوقات صبح پر منزلوں سے استدلال کیا کرتے ہیں اور یہ صورت تخمین کی ہے نہ تحقیق کی اس لئے اس میں اعتماد مشاہدہ پر کرے یعنی جب عرض میں روشنی پھیلی دیکھے جان لے کہ صبح ہو گئی اور یہ جو کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ صبح آفتاب کے طلوع سے چار منزل پیشتر نکلتی ہے یعنی قریب ایک پہر کے تو یہ غلطی ہے اس لئے کہ اسوقت فجر کاذب ہوتی ہے اور تحقیق والوں کے نزدیک صبح صادق آفتاب کے طلوع سے دو منزل پیشتر ہوتی ہے اور یہ بھی تخمینی بات ہے قابل اعتماد نہیں اس لئے کہ بعض منزلیں پھیلی ہوئی اور ترچھی نکلتی ہیں ان کے طلوع کا زمانہ کم ہوتا ہے اور بعض سیدھی نکلتی ہیں تو ان کے طلوع کا زمانہ دراز ہوتا ہے اور یہ امر ہر ملک میں مختلف ہوتا ہے جس کا ذکر کرنا طول کلام چاہتا ہے ہاں منازل سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ صبح کا قریب ہونا اور دیر میں ہونا معلوم ہو جاتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ابتداء وقت صبح کو دو منزل کہہ دیں حاصل یہ کہ جب آفتاب کے نکلنے تک چار منزل رہیں تو ان میں سے ایک منزل تو قطعًا صبح کاذب کی ہے اور جب دو منزل کے قریب طلوع آفتاب کو رہ جاتی ہیں تو اس وقت یقینًا صبح صادق ہو جاتی ہے اب ان دونوں صبحوں کے بیچ میں بقدر دو تہائی ایک منزل کے وقت مشکوک رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ صبح کاذب کا حصہ ہے یا صبح صادق کا اور یہ وقت وہ ہے جس میں سفیدی کا ظہور اور انتشار شروع ہوتا ہے اور ابھی پھیلتا نہیں تو اس وقت سے روزہ دار کو چاہیئے کہ سحر کھانی موقوف کرے اور شب بیدار نماز وتر کو وقت مذکور سے پہلے پڑھ لے اور جب تک یہ وقت گذر نہ جائے تب تک صبح کی نماز نہ پڑھے جب وقت یقینی شروع ہو اس وقت نماز پڑھے اور اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ ایک وقت معین ٹھیک ایسا معلوم کرے کہ اس

ہیں سحر کے لئے پانی پیئے اور معاً اس کے بعد ہی بلا مہلت نماز صبح ادا کرے تو یہ بات آدمی کی قوت میں نہیں بلکہ مہلت ضرور ہے کیونکہ اعتماد آنکھ سے دیکھنے پر ہے اور آنکھ سے دیکھنے پر اعتماد جبھی ہے کہ روشنی عرض میں پھیل جائے اور زردی کا آغاز شروع ہو جائے اور اس باب میں بہت لوگوں نے غلطی کی ہے وہ وقت سے پہلے ہی نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے قول کی صحت پر یہ حدیث دال ہے جو ابوعیسیٰ ترمذی نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں طلق بن علی سے مسنداً روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ اور پیو اور چاہیئے کہ تم کو روشنی اوپر چڑھنے والی مضطرب نہ کرے اور کھاؤ اور پیو یہانتک کہ تمہارے لئے سرخی پھیل جائے تو یہ حدیث سرخی کے لحاظ کرنے میں صریح ہے اور ابوعیسیٰ نے فرمایا کہ اس باب میں عدی ابن حاتم اور ابوذر اور سمرہ بن جندب سے بھی مروی ہے اور یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس پر عمل اہل علم کے نزدیک ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کھاؤ اور پیو جبتک روشنی لمبی رہے اس سے معلوم ہوا کہ زردی کے ظہور کے سوا اور چیز پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے اور وہی گویا آغاز سرخی کی ہوتی ہے اور مسافر کو ضرورت اوقات کے پہچاننے کی اس لئے ہوتی ہے کہ بعض اوقات کوچ سے پیشتر نماز پڑھ لینی چاہتا ہے تاکہ راہ میں سواری سے اترنا یا ٹھہرنا نہ پڑے یا یہ چاہتا ہے کہ نماز سونے سے پیشتر ادا کر کے جلدی سے آرام کرے پس اگر اول وقت کی فضیلت سے قطع نظر کر کے تھوڑی کلفت اترنے کی اور دیر کر سونے کی اپنے نفس پر گوارا کرلے اور یقینی وقت میں نماز پڑھے تو اوقات سیکھنے کی ضرورت بھی نہ رہے اس لئے کہ وقت اوقات کی ابتدا کا حال معلوم کرنے کی ہے کہ اول وقت کونسا ہے اور درمیانی اوقات تو ہر شخص نمازی جانا کرتا ہے والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً و صلے اللہ علے کل عبد مصطفےٰ۔

آٹھواں باب سماع اور اس کے آداب

رباعی

اسرار دلی راگ سے ہوتے ہیں عیاں	ہے راگ غذائے روح ہر اک انساں
شرطوں کے موافق نہ ہو گر تو اس سے	حاصل ہی ہوتا ہے نفاق اور عصیاں

واضح ہو کہ جیسے لوہے اور پتھر میں آگ مخفی رہتی ہے یا جیسے پانی کے نیچے مٹی چھپی ہے اسی طرح دلوں

۱؎ ابن ماجہ بروایت ابن مسعودؓ مختصراً ۱۲

کے اور باطن کے جواہر اور اسرار ان میں پوشیدہ ہیں اور ان کے اظہار کی تدبیر راگ سے بہتر کوئی نہیں
دلوں کی طرف راستہ بجز کان کے معدوم ہے نغمات موزوں اور لذیذ ان کے اندر کے راز ظاہر کرتے
ہیں خواہ برے ہوں یا بھلے کیونکہ دل کا حال بھرے برتن کا سا ہے کہ جب چھلکاؤ گے تو وہی نکلے
گا جو اس میں بھرا ہے اسی طرح راگ بھی دلوں کے حق میں سچی کسوٹی ہے جب اس سے دلوں کو حرکت ہوگی
تو ان سے وہی باتیں ظاہر ہوں گی جو ان پر غالب ہیں اور از انجا کہ دل بالطبع راگ کے مطیع ہیں یہاں
تک کہ اس کے سبب سے اپنی برائی بھلائی سب ظاہر کر دیتے ہیں تو ضرور ہوا کہ سماع اور وجد کو مشرح ذکر
کیا جائے اور ان دونوں کے فوائد و آفات اور آداب وہیئات اور علما کا اختلاف اس باب میں کہ
یہ ممنوع ہیں یا مباح یہ تفصیل بیان ہو اور ہم ان امور کو دو فصلوں میں ذکر کرتے ہیں

پہلی فصل، راگ کے مباح ہونے میں اختلاف کی تفصیل اور قول فعل

واضح ہو کہ اول راگ ہوتا ہے اور اس سے دل پر ایک حالت ہوتی ہے جس کو وجد کہتے ہیں اور وجد
کے سبب سے اعضا کو حرکت ہوتی ہے وہ اگر غیر موزوں ہوتی ہے تو اس کو اضطراب کہتے ہیں اور اگر
موزوں ہوتی ہے تو تال اور ناچ نام ہوتا ہے اب ہم اول راگ کا حکم لکھتے ہیں اور جتنے اقوال مختلف
اس باب میں ہیں ان کو نقل کرتے ہیں پھر راگ کی اباحت کا ذکر کریں گے اور سب سے آخر میں
ان لوگوں کی حجت کا جواب دیں گے جو اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

راگ کی حلت میں علما اور صوفیوں کے اقوال

قاضی ابو طیب طبری نے امام شافعی امام مالک اور امام اعظم اور سفیان
ثوری اور دوسرے بہت علما سے ایسے الفاظ نقل کیے ہیں جن سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب راگ کی حرمت کے قائل تھے اور امام شافعیؒ نے کتاب آداب القضا میں فرمایا
ہے کہ گانا ایک برا کھیل ہے باطل کی طرح کا جو شخص اس کا مرتکب زیادہ ہو وہ بے وقوف ہے اس
کی گواہی نہ مانی جائے اور قاضی ابو طیب نے فرمایا ہے کہ اصحاب شافعی کے نزدیک ایسی عورت سے
سننا جو مرد کی محرم نہ ہو کسی حال میں درست نہیں خواہ وہ کھلی ہو یا پردہ کی آڑ میں اور آزاد ہو یا لونڈی
اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جب لونڈی کا مالک لوگوں کو اس کے گیت سننے کے لئے جمع کرے
تو وہ سفلہ ہے اس کی گواہی نہ مانی جائے گی ——— اور یہ بھی انہیں سے منقول ہے کہ
آپ لکڑی وغیرہ سے گت لگانی بری جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ زندیقوں کی ایجاد کی ہوئی ہے تاکہ

اس کے باعث قرآن سے غافل ہو جائیں اور امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نرد سے کھیلنا زیادہ مکروہ ہے بہ نسبت ملاہی کے دوسری چیزوں سے کھیلنے کے چنانچہ یہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور میں شطرنج کھیلنا پسند نہیں کرتا اور جن چیزوں سے لوگ کھیلتے ہیں میں سب کو مکروہ جانتا ہوں کیونکہ کھیلنا دین اور مروت والوں کا کام نہیں۔ اور امام مالکؒ نے راگ سے منع فرمایا اور فتوے دیا کہ جب کوئی لونڈی خریدے اور معلوم ہو کہ یہ گانے والی ہے تو مشتری کو جائز ہے کہ اس کو واپس کر دے اور یہی مذہب تمام اہل مدینہ منورہ کا ہے بجز ایک شخص تنہا ابراہیم بن سعد کے۔ اور امام ابوحنیفہ ان ملاہی کو سب کو برا جانتے تھے اور راگ سننے کو منع فرماتے تھے اور یہی حال تمام اہل کوفہ سفیان ثوری اور حماد اور ابراہیم اور شعبی وغیرہم کا ہے۔ یہ سب اقوال ابوطیب طبری کے نقل کئے ہیں ابوطالب مکیؒ نے بہت لوگوں سے اباحت راگ کی نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہؓ کرام میں عبدؓ اللہ بن جعفرؓ اور ابن زبیرؓ اور مغیرہؓ بن شعبہؓ اور معاویہؓ وغیرہم نے سنا ہے اور بہت سے سلف صالحین صحابہ وتابعین نے اس کو سنا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ہمارے نزدیک مکہ کے اندر ہمیشہ حجاز والے برس کے افضل دنوں میں سماع سنتے چلے آئے ہیں اور وہ ایسی چند روز ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ذکر کا حکم فرمایا ہے جیسے ایام تشریق ہیں اور مکہ معظمہ والوں کی طرح مدینہ مطہرہ والے ہمیشہ راگ سنتے رہے ہمارے اس زمانہ تک چنانچہ ہم نے ابومروان قاضی کو دیکھا کہ ان کے پاس چند لونڈیاں گانے والی تھیں جن کو صوفیوں کے لئے رکھ چھوڑا تھا وہ لوگوں کو راگ سنایا کرتی تھیں اور حضرت عطاؒ کے پاس دو لونڈیاں گانے والی تھیں ان کے دوست ان کا راگ سنا کرتے تھے اور یہ بھی ابوطالب کا قول ہے کہ ابوالحسن بن سالمؒ سے کسی نے پوچھا کہ تم راگ کا کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ حضرات جنید اور سری سقطی اور ذوالنونؒ راگ سنا کرتے تھے انہوں نے کہا کہ میں اس کو کیسے انکار کروں کہ مجھ سے بہتر شخصوں نے اس کو جائز کہا ہے اور سنا ہے چنانچہ عبداللہ بن جعفر طیار سنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں تو صرف انکار لہو اور لعب اور راگ کا کرتا ہوں اور یحییٰ بن معاذ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تین چیزیں ہم سے جاتی رہیں اور اب وہ ہم کو ہمیشہ کم ہی ہوتی نظر آتی ہیں اور خوبصورت ہونا مع محفوظ رہنے کے دوم خوبی گفتار مع دیانت کے سوم بھائی بندی وفا کے ساتھ اور میں نے یہی قول بعینہ بعض کتابوں میں حارث محاسبی سے منقول دیکھا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ حارث محاسبی باوجود اپنے زہد اور حفاظت دین میں جد وجہد آمادگی کے راگ کو جائز جانتے تھے اور ابن مجاہد کا دستور تھا کہ دعوت جبھی منظور کرتے تھے اس میں راگ بھی ہو اور کسی بزرگ سے منقول ہے کہ ایک بار ہم ایک

دعوت میں گئے جس میں ابو القاسم بنیع کے نواسے اور ابو بکر بن ابی داؤد اور ابن مجاہد اور دوسرے ان کے ہمسر تھے اتنے میں راگ موجود ہوا ابن مجاہد نے بنیع کے نواسے کو ترغیب شروع کی کہ ابن ابی داؤد کو راگ سننے کو کہو ابن ابی داؤد نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے نقل کی ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل راگ کو برا جانتے تھے اور میرے باپ بھی اس کو بُرا سمجھتے تھے اور میں اپنے باپ ہی کے مذہب پر ہوں اور ابو القاسم نے کہا کہ میرے نانا احمد بن بنیع نے مجھ سے بیان کیا صالح بن احمد سے کہ ان کا باپ ابن خبازہ کا قول سنا کرتا تھا ابن مجاہد نے ابی داؤد سے کہا کہ تم تو اپنے باپ کے قول سے مجھ کو معاف کرو اور ابو القاسم سے کہا کہ تم اپنے نانا کے قول سے مجھے معاف رکھو پھر ابو بکر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اگر کوئی ایک شعر پڑھے تو کیا وہ تمہارے نزدیک حرام ہے ابن ابی داؤد نے کہا کہ نہیں پھر پوچھا کہ اگر وہ شخص پڑھنے والا خوش آواز ہو تو اس پر شعر پڑھنا حرام ہو جائے گا انہوں نے کہا نہیں پھر پوچھا کہ اگر شعر کو ایسی طرح پڑھے کہ جو ممدود حرف تھا وہ مقصور ہو جاوے اور مقصور ممدود تو کیا اس پر حرام ہوگا ابو بکر نے کہا کہ میں ایک شیطان پر تو غالب ہی نہیں آیا اب دو پر کیسے غالب ہوں اور ابوالخیر عسقلانی اس وجد دار بیار میں سے تھے راگ سنتے تھے اور بے ہوش ہو جاتے تھے اور سماع کے باب میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں منکروں پر رد کیا ہے اور اور بہت سے لوگوں نے منکروں کے اقوال کے رد میں کتابیں لکھی ہیں اور کسی بزرگ سے منقول ہے کہ میں نے خضرؑ کو دیکھا اور ان سے عرض کیا کہ اس راگ کے باب میں کیا فرماتے ہیں جس میں ہمارے اصحاب اختلاف کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ وہ بے کدورت اور صاف ہے کہ بجز عالموں کے قدم کے اس پر کوئی نہیں جمتا۔ اور ممشاد دینوری نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ اس راگ میں سے آپ کچھ برا جانتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس میں سے کچھ بُرا نہیں جانتا مگر ان سے کہہ دینا کہ اس سے پیشتر قرآن پڑھا کریں اور ختم کے بعد قرآن ہی پر تمام کیا کریں اور طاہر بن بلال ہمدانی وراق جو علما میں تھے کہتے ہیں کہ میں مسجد جامع جدہ میں سمندر کے کنارہ پر معتکف تھا کہ ایک روز ایک جماعت کو دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں کچھ گا رہے تھے اور سنتے ہیں میں نے دل میں بُرا جانا اور کہا کہ خدا تعالٰے کے گھر میں شعر پڑھتے ہیں پس اسی رات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اسی گوشہ میں بیٹھے ہیں اور آپ کے برابر حضرت صدیق اکبر ہیں اور حضرت صدیق کچھ شعر پڑھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے ہیں اور وجد کی سی حالت میں ہو کر اپنا دست مبارک سینہ شریف پر رکھتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ کو نہیں مناسب تھا کہ جو لوگ اشعار سن رہے تھے ان کو

بُرا جانوں یہاں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے ہیں اور حضرت صدیق سنا رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہذا حق بحق یا یوں فرمایا کہ حق من حق مجھ کو صحیح یاد نہیں رہا کہ کون سا لفظ فرمایا اور حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اس جماعت پر تین جگہوں میں رحمت اترتی ہے ایک کھانے کے وقت اس لیے کہ بدون فاقہ کئے یہ لوگ نہیں کھایا کرتے دوم باہم ذکر کرنے کے وقت کیونکہ بجز صدیقوں کے مقاموں کے اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے سوم راگ سننے کے وقت اس وجہ سے کہ اس کو وجد کے ساتھ سنتے ہیں اور حق کے سامنے ہوتے ہیں اور ابن جریج سے منقول ہے کہ وہ راگ سننے کی اجازت دیا کرتے تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ قیامت کے روز راگ آپ کی حسنات میں ہوگا یا منجملہ سیئات فرمایا کہ نہ حسنات میں ہوگا نہ سیئات میں اسلیے کہ لغو کے مشابہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قا لا یؤاخذکم اللّٰہ باللغو فی ایمانکم یہ اقوال راگ کے باب میں منقول ہیں اور جو شخص تقلید میں حق کا طالب ہوتا ہے جب وہ سب اقوال کو دیکھتا ہے تو بعض اوقات ایک دوسرے کے معارض پاکر حیران رہ جاتا ہے یا جدھر کو رغبت طبع دیکھی اس طرف مائل ہو جاتا ہے اور یہ امر نقصان میں داخل ہے بلکہ چاہیئے کہ حق کو حق کے طور پر طلب کرے یعنی جتنی باتیں اس میں ممنوع یا مباح معلوم ہوں ہر ایک کا حال دریافت کرے تاکہ انجام کو امر حق واضح ہو جائے جیسا ہم ذکر کرتے ہیں۔

مُباح ہونے کی دلیل

جاننا چاہیئے کہ جو شخص راگ کو حرام کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ اس پر عذاب کرے گا اور یہ بات ایسی نہیں کہ صرف عقل سے معلوم ہو جائے بلکہ اس کے لیے دلیل نقل چاہیئے اور شرعیات کی معرفت تو منحصر ہے نص میں اور قیاس میں جو منصوص چیز پر کیا جائے اور نص سے ہماری غرض وہ بات ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول یا فعل سے ظاہر فرمایا ہو اور قیاس سے وہ معنی مراد ہیں جو آپ کے الفاظ اور افعال سے سمجھ میں آتے ہوں پس اگر کسی چیز میں نہ نص ہو نہ قیاس راست آتا ہو تو اس چیز کی حرمت کا قول باطل بلکہ وہ چیز دوسرے مباحات کی طرح متصور ہو گی کہ اس کے فعل میں کچھ حرج نہیں اب راگ کو جو ہم دیکھتے ہیں تو اس کی حرمت پر نہ تو کوئی نص دلالت کرتا ہے اور نہ قیاس چنانچہ یہ امر بیان چہارم سے پایۂ وضوح کو پہنچے گا جس میں ہم نے قائلین حرمت کی دلیلوں کا جواب لکھا ہے اور جب ان کی دلیلوں کا جواب پورا ہو جائے گا تو اباحت کے لئے یہ طریق کافی ہو گا مگر یہاں دوسرا طریق ہم بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نص اور قیاس دونوں راگ کے مباح ہونے پر

ا: نہیں پکڑتا اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری لغو قسموں پر ۱۲ ع: یہ درست ہے حق کے موجب یا حق کی جانب سے ۱۲

ولالت کرتے ہیں قیاس تو اس طرح ہے کہ راگ میں کئی باتیں مجتمع ہیں تو چاہیئے کہ اول باتوں کو جدا جدا دیکھیں پھر مجموعہ پر لحاظ کریں یعنی راگ کیا ہے کہ سننا آواز خوش اور موزوں کا جس کے معنی سمجھ میں آویں اور دل کو حرکت دیں تو اس تعریف میں وصف عام آواز خوش ہے پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک موزوں اور ایک غیر موزوں اور موزوں بھی دو قسم ہے ایک وہ کہ سمجھ میں آوے جیسے اشعار ہوتے ہیں ایک وہ کہ سمجھ میں نہ آوے جیسے جمادات اور حیوانات کی آوازیں ہیں۔ پھر خوش آوازوں کا سننا باعتبار اچھا ہونے کے ایسی چیز نہیں کہ حرام ہو بلکہ نص اور قیاس کی رو سے حلال ہے قیاس تو یہ ہے کہ اس کا مال یہ ہے کہ حاسۂ سمع اپنی مخصوص چیز سے لذت پاتا ہے اور انسان کے لئے ایک عقل اور پانچ حواس ہیں اور ہر حاسہ کا ایک ادراک ہے اور جو چیزیں اس سے مدرک ہوتی ہیں ان میں سے بعض تو اس کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور بعض بری مثلاً آنکھ کو سبزہ اور جاری پانی اور اچھا چہرہ اور تمام خوبصورت رنگوں کے دیکھنے سے لذت ہوتی ہے اور میلے رنگوں اور بری صورتوں وغیرہ دیکھنے کو برا جانتی ہے اور سونگھنے کے حاسہ کو خوشبوؤں سے لذت اور بدبوؤں سے نفرت ہے ذائقہ کو لذیز چیزیں روغنی اور شیریں اور کھٹی اور چٹ پٹی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور تلخ اور بدمزہ کسیلی اور سیٹھی بری معلوم ہوتی ہیں اور کھردراپن اور اونچا نیچا برا معلوم اور عقل کو علم اور معرفت سے لذت ہے اور جہالت اور بلادت سے نفرت اور یہی حال ان اشیاء کا ہے جو حاسۂ سمع سے معلوم ہوں کہ بعض لذیذ ہوں گی جیسے بلبلوں کے چہچہے اور عمدہ باجوں کی آواز اور بعض کریہہ ہوں گی جیسے گدھے کی آواز تو اس حاسہ کی لذت کو اور حاسوں کی لذت پر قیاس کرنا نہایت ظاہر ہے اور نص سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سننا آواز خوش کا مباح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آواز خوش سے احسان جتایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا[1] یزید فی الخلق ما یشاء کہتے ہیں کہ اس سے مراد آواز خوش ہے اور حدیث میں ہے[2] ما بعث اللہ نبیاً الا حسن الصوت اور ایک حدیث[3] میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن کو آواز خوش سے پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت کو زیادہ سنتا ہے بہ نسبت گانے والی لونڈی کے مالک کے اپنے لونڈی کے راگ کو اور ایک حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کی مدح کے طور پر ارشاد ہے کہ وہ اپنے نفس پر نوحہ کرتے اور زبور کی تلاوت میں خوش آواز تھے یہاں تک کہ ان کی آواز سننے کو انسان اور جن اور وحشی اور پرندے جمع ہوا کرتے تھے اور آپ کی مجلس سے چار سو کے قریب جنازے اٹھا کرتے تھے کئی وقتوں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

[1] بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے ۱۲۔ [2] نہیں بھیجا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مگر خوش آواز۔ ترمذی بروایت قتادہ شمائل ۱۲ [3] اس کی سند باب تلاوت قرآن میں گذری ۱۲ م [4] اسکی سند مجھ کو نہیں ملی۔

ابو موسیٰ اشعری کی تعریف میں فرمایا[1] لقد اعطی مزمارا من مزامیر آل داؤد اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد[2] ان انکر الاصوات لصوت الحمیر اپنے مفہوم سے آواز خوش کی مدح پر دلالت کرتا ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ آواز خوش مباح اس شرط سے ہے کہ قرآن کی تلاوت میں ہو تو اس کو یہ کہنا بھی ضرور ہو گا کہ آواز بلبل کا سننا حرام ہے کیونکہ وہ بھی قرآن خوانی نہیں اور اگر صورت بلبل بمعنی کا سننا درست ہے تو جس آواز خوش میں حکمت اور معنی صحیحہ پائے جائیں اس کا سننا کیوں ناجائز ہو گا اور ظاہر ہے کہ بعض اشعار سراسر حکمت ہوتے ہیں یہ بحث تو خوش آوازی میں ہوئی اب دوسری بات کی بحث کرتے ہیں یعنی خوش آوازی کے ساتھ موزونی بھی ہو کہ وزن اور چیز ہے اور حسن اور چیز اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آواز اچھی ہوتی ہے مگر وزن نہیں ہوتا اور بعض اوقات موزوں ہوتی ہے اچھی نہیں ہوتی اور موزوں آوازیں بلحاظ اپنے مخارج کے تین ہیں ایک وہ کہ جماد سے نکلیں جیسے مزامیر اور تاروں کی آوازیں اور لکڑی کی گت اور ڈھولکی کی آواز ہے دوسرے وہ کہ انسان کے گلے سے نکلیں تیسرے وہ کہ حیوانوں کے گلے سے نکلیں جیسے بلبلوں اور قمریوں اور دوسرے جانوروں خوش الحان سجع والوں کی آواز کہ اس قسم کی آوازیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور موزوں بھی اور ان کا آغاز و انجام متناسب ہوتا ہے اور اسی جہت سے ان کا سننا اچھا معلوم ہوتا ہے اور آوازوں میں اصل حیوانات کے گلے ہیں کہ مزامیر کو انہیں کے مشابہ بنالیا ہے تاکہ صنعت خلق کے مشابہ بنالیا جائے اور جتنی چیزیں کہ کاریگروں نے ایجاد کی ہیں کوئی ایسی نہیں جس کی مثال خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں نہ ہو اول مبداء فیاض نے اس کو اختراع فرمایا پھر اس سے کاریگروں نے سیکھ کر خالق کا اقتدار کیا اور اس کی شرح طول چاہتی ہے حاصل یہ کہ ان آوازوں کا سننا حرام نہیں ہو سکتا اس وجہ سے کہ اچھی ہیں یا موزوں ہیں کیونکہ کسی کا مذہب یہ نہیں کہ بلبل کی آواز سننی حرام ہے یا کسی اور پرندکی اور اور سب پرندوں کے گلے یکساں ہیں ایک کی حرام ہو اور دوسرے کی نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا اور نہ جماد اور حیوان میں کچھ فرق ہے کہ حیوان کی آواز تو درست ہو اور جماد کی نادرست تو چاہیئے کہ جتنی آوازیں کہ تمام اجسام سے آدمی کے اختیار سے نکلتی ہیں ان کو بلبل کی آواز پر قیاس کیا جائے مثلاً جو آدمی کے حلق سے نکلنے یا لکڑی سے گت لگاوے یا ڈھولکی اور دف وغیرہ بجاویں سب جائز ہوویں اور ان سے ان کا استثنا کیا جائے جن کو شرح نے منع کیا ہے یعنی آلات لہو[3] اور تار کے باجے اور ان کی حرمت

---

[1] دیئے گئے ہیں ابو موسیٰ ایک نغمہ آل داؤد کی خوش آوازیوں میں سے باب تلاوت قرآن میں اس کی سند گذری ۱۲ [2] بے شک بری سے آواز گدھوں کی آواز ہے ۱۲ [3] احمد بروایت ابی امامہ ۱۲

لذت کے باعث نہیں اس لئے کہ اگر لذت کی وجہ سے یہ چیزیں حرام ہوتیں تو جن چیزوں سے آدمی لذت پاتا ہے سب حرام ہوتی بلکہ ان کی حرمت کی یہ وجہ ہے کہ لوگوں کو شراب کی حرص زیادہ تھی اس لئے اس کی حرمت اس درجہ کو سخت ہوئی کہ ابتدا میں مٹکوں کے توڑنے کا حکم ہوا اور اس کی حرمت کے لحاظ سے جو باتیں کہ میخواروں کے شعار میں سے تھیں مثل مزامیر وغیرہ کے وہ بھی حرام ہوئیں کہ یہ چیزیں اس کی توابع ہیں جیسے اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے اس وجہ سے کہ وہ مقدمہ ہے جماع کا یہ جیسے ران کا دیکھنا حرام ہے کہ پیشاب و پائخانہ کے مقام سے ملحق ہے اور شراب مقدار قلیل حرام ہوئی گو نشہ نہ کرے اس لئے کہ تھوڑی کا عادی ہونا بہت کی نوبت پہنچائے گا اور جتنی چیزیں حرام ہیں ان کے لئے ایک حد اور احاطہ ان کے متصل ہے کہ حرمت اس تک موجود ہے تاکہ حرام کی آڑ اور مانع اس کے آس پاس رہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[ا] کہ ہر بادشاہ کا ایک رمنہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رمنہ اس کے محرمات ہیں غرضکہ مزامیر وغیرہ کی حرمت شراب کی تبعیت کی وجہ سے ہوئی اور اس کے تین سبب ہیں اوّل یہ کہ یہ چیزیں مے نوشی کی طرف بلاتی ہیں کیونکہ جو لذت ان سے حاصل ہوتی ہے وہ شراب ہی سے کامل ہوتی ہے اور اسی سبب سے تھوڑی شراب حرام ہوئی کہ بہت کی طرف داعی ہوتی ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ جس کو شراب چھوڑے تھوڑے دن ہوتے ہوں اس کو یہ آلات وہی شراب کے جلسے یاد دلاتے ہیں تو یہ یاد کا سبب پڑتے ہیں اور یاد سے شوق ابھرتا ہے اور شوق جب زیادہ ابھرتا ہے تو وہ فعل پر جرأت کا سبب ہوتا ہے اور اسی علت کے باعث ابتدا میں دبا اور مزفت اور حنتم اور نقیر کہ خاص شراب ہی کے برتن ہوتے تھے ممنوع الاستعمال ہوئے[۲] کیونکہ ان برتنوں کے دیکھنے سے شراب یاد آتی تھی اور یہ علت پہلی علت سے جدا ہے کیونکہ پہلی میں تذکر لذت معتبر نہ تھا اور یہاں معتبر ہے پس اگر راگ ایسی طرح ہو کہ جو شخص میخواری کے ساتھ سننے کا عادی ہو اس کو میخواری یاد دلائے تو وہ شخص راگ سے اسی وجہ سے منع کیا جائے گا تیسرا سبب یہ ہے کہ ان آلات پر اجتماع کرنا اہل فسق کی عادت ہے تو اس کی مشابہت سے منع کیا گیا کیونکہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہوتا ہے اور اس علت کے سبب سے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی سنت کو اہل بدعت نے اپنا شعار کر لیا ہو تو ان کی مشابہت کے خوف سے اس سنت کا ترک کرنا جائز ہے اور اسی علت کی وجہ سے دور دبجانا حرام ہے کہ اس کو بندر والے بجاتے اور سابق میں ہیجڑے بجایا کرتے تھے اگر اس میں مشابہت نہ ہوتی تو یہ بھی مثل حج کے یا جہاد کے ڈھول کے ہوتا اور اسی علت پر یہ متفرع ہے کہ اگر کچھ لوگ ایک مجلس مزین کریں اور

[ا] باب الحلال والحرام میں گذری ۱۲ [۲] بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ ۱۲

اس میں آلات مے نوشی اور پیالے شراب کے جمع کریں اور ان میں سکنجبین ڈال دیں اور ایک ساقی مقرر کریں کہ وہ ان کو بھر بھر لاوے اور ساقی سے لے کر پیتے جاویں اور اپنی بولیاں معمولی شراب نوشی کی بولتی جاویں تو یہ فعل حرام ہوگا اگرچہ سکنجبین کا پینا مباح ہے مگر چونکہ اہل فساد کی صورت پر اس کو پیا اس لئے پینا حرام ہوا اور اسی وجہ سے قبا پہننے اور سر کے بالوں کے پٹے رکھانے سے ان بستیوں میں منع کیا جائے جہاں یہ طور اہل فساد کا ہو اور ماوراء النہر کے شہروں میں چونکہ یہ طور اہل صلاح کا ہے منع کرنا نہ چاہیئے حاصل یہ ہے کہ انہی تینوں علتوں کے سبب سے مزمار عراقی اور تاروں کے باجے مثل عود اور چنگ اور رباب اور سارنگی وغیرہ حرام ہوئے اور ان کے سوا اور باجے اپنی اصل پر قیاس کئے گئے جیسے شاہین چرواہے اور حاجیوں کے اور شاہین ڈھول والوں کے اور نقارہ اور جن آلات میں سے آپ ہی آواز موزون نکلتی ہے اور مے نوشوں کی عادت ان کے بجانے کی نہیں وہ سب اس لئے مباح ہوئے کہ نہ شراب سے متعلق ہیں اور نہ اس کی یاد دلاتے ہیں اور نہ شایق مے نوشی کرتے ہیں اور نہ موجب مشابہت اس فرقہ کی ہیں اس لئے اصل اباحت پر مثل پرندوں کی آواز کے باقی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی تاروں کے باجے کو ناموزوں بجائے کہ اس سے لذت بھی نہ ہو تب بھی وہ حرام ہی ہیں اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی حرمت میں علت صرف لذت نہیں اور نہ طیب ہونا بلکہ قیاس کی رو سے تو سب طیبات حلال ہیں بجز ان کے جن کی حلت میں کوئی فساد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ و الطیبات من الرزق تو یہ آوازیں اس جہت سے حرام نہیں کہ وہ موزوں ہیں بلکہ ان کی حرمت ایک امر عارض کی جہت سے ہے اور امور عارضہ جن کے باعث راگ حرام ہوتا ہے ہم اصلی بیان میں ذکر کرینگے تیسری بات میں یہ ہے کہ سمجھ میں آتا ہے یعنی شعر ہوتا ہے اور شعر انسان ہی کے گلے سے نکلتا ہے تو قطعاً مباح ہوا اس لئے کہ اب فقط اتنی زیادتی ہوئی کہ کلام مفہوم ہوگیا اور کلام حرام نہیں اور آواز طیب اور موزوں بھی حرام نہیں تو جب افراد حرام نہ ہووے تو مجموعہ کیسے حرام ہوگا ہاں اس بات کو دیکھنا چاہیئے کہ شعر میں سے کیا مضمون سمجھ میں آتا ہے اگر اس کا مفہوم امر ممنوع ہے تو اس کی نثر اور نظم دونوں حرام ہیں اور اس کو منہ سے نکالنا بھی حرام ہے خواہ نغمہ کے ساتھ ہو یا نہ ہو اور اس باب میں وہ ہے جو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ شعر ایک کلام ہے اگر اچھا ہے تو اچھا ہے اور برا ہے تو برا ہے جب شعر کا پڑھنا بدون آواز اور نغمہ کے درست ہے تو نغمہ کے ساتھ بھی درست ہے اس لئے کہ جب افراد مباح ہوتے ہیں تو مجموعہ بھی مباح ہوگا اور ایک مباح کو جب دوسرے سے ملاتے ہیں تو کل حرام نہیں ہوتا بشرطیکہ مجموعہ متضمن کسی امر ممنوع کا نہ ہو جو افراد میں نہ پایا جاتا ہو اور راگ میں کوئی ممنوع بات نہیں پائی جاتی اور شعر

ات تو کہہ کس نے منع کیا ہے رونق اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی ۱۲۔

پڑھنے کا انکار کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے شعر پڑھا گیا اور آپ نے فرمایا[۱] ان من الشعر لحکمۃ اور حضرت عائشہ رضؓ نے اس مضمون کا شعر پڑھا ہے ؎ گئے وہ لوگ ہم کو عیش تھا جن کی حمایت میں + میں پچھلوں میں رہی اس طرح جیسے جلد احرب کی + اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے[۳] کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے تو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور اور بلال کو بخار چڑھا اور ان دنوں مدینہ منورہ میں وبا تھی میں نے حضرت صدیق اکبر رضؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے پدر مہربان کیا حال ہے اور بلال سے پوچھا کہ تم کیسے ہو تو حضرت صدیق کو جب بخار چڑھتا تو اس مضمون کا شعر پڑھتے ؎ ہر ایک شخص کو ہوتی ہے صبح گھر میں ولے + شراک نعل سے بھی موت ہے قریب اس سے + اور بلال رضؓ کا جب بخار اترتا اور بلند آواز سے یوں کہتے ؎ کاش میں جانتا کب اتروں گا اس وادی میں + اذخر[۴] اک سمت کو ہو مجھ سے اور اک سو ہو جلیل + یا مجنہ[۵] کے ہو چشموں پہ کبھی میرا گذر + یا کسی روز پڑھے شامہ[۶] نظر اور طفیل + حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس حال کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کر دی آپ نے دعا مانگی کہ الٰہی ہم کو مدینہ ایسا محبوب کر دے جیسا ہم مکہ سے محبت رکھتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسجد مدینہ طیبہ کے بنانے میں لوگوں کے ساتھ اینٹیں اٹھاتے تھے اور یہ مضمون ارشاد فرماتے تھے ؎ یہ شتر ہیں نہ شتر خیبر کے + یہ تو اچھے ہیں کہیں اور اطہر + اور ایک بار آپ نے یہ بھی فرمایا[۷] ہے ؎ عیش ہے گر یا الٰہی تو ہے عیش آخرت + اہل ہجرت اور مرے انصار کو کر مرحمت + اور یہ مضمون صحیحین میں ہے اور آنحضرت[۸] صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حسان بن ثابت رضؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھا کرتے تھے کہ وہ اس پر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فخر بیان کرتے اور کفار سے اشعار میں مباحثہ اور خصومت کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ احسان کو روح القدس سے تائید کرتا ہے جب تک وہ خصومت اور مفاخرت اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے اور جب نابغہ میں اپنا شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم[۹] کے سامنے پڑھا تو آپ نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ

---

[۱] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ و مسلم بروایت عائشہ و ابن ثابت [۲] بعض شعر البتہ حکمت ہیں ۱۲ بخاری بروایت ابن کعب [۳] یہ ایسا ہی ہے جیسا مصنف نے لکھا ۱۲ [۴] اذخر اور خلیل گھاسوں کے نام ہیں۔ [۵] مجنہ بفتح میم و جیم و تشدید نون نام ایک جگہ کا قریب مکہ معظمہ کے ۱۲ [۶] شامہ بروزن خامہ اور طفیل بروزن کفیل دو پہاڑ ہیں مکہ کے جو مجنہ سے نظر آتے ہیں ۱۲ [۷] بخاری بروایت عروہ مرسلاً ۱۲ [۸] صحیح میں بروایت انس ہے ۲ [۹] ابو داؤد و ترمذی و حاکم بروایت عائشہ رضؓ ۱۲

تیرے دانت نہ توڑیو اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں[۱] کہ اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
پاس شعر پڑھا کرتے تھے اور آپ تبسم فرمایا کرتے اور عمر بن شرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں
کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سو قافیہ امیہ بن ابی الصلت
کے اشعار سے پڑھے ہر بار آپ[۲] یہی فرماتے تھے کہ اور پڑھو پھر آپ نے فرمایا کہ یہ شاعر تو اپنے
اشعار میں گویا مسلمان ہے اور حضرت انس سے مروی[۳] ہے کہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے لئے حدی پڑھی جاتی تھی انجشہ آپ کا غلام تو عورتوں کے لئے حدی پڑھتا تھا اور براء بن مالک
مردوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجشہ کو ارشاد فرمایا کہ اونٹ ہانکنے میں نرمی کر
کہ ان کے سوار شیشہ کے برتن ہیں اور حدی خوانی اونٹوں کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور
صحابہ کے زمانہ میں ہمیشہ رہی اور وہ اشعار ہی ہوتے ہیں کہ خوش آوازی اور موزوں نغموں سے پڑھے
جاتے ہیں اور صحابہ میں کسی سے اس کا انکار منقول نہیں ہوا بلکہ بعض اوقات اس کی التجا کیا کرتے تھے
یا تو اونٹوں کی حرکت کے واسطے یا خود لذت حاصل کرنے کے لئے پس راگ اس جہت سے بھی حرام نہیں
ہو سکتا کہ وہ کلام لذیذ مفہوم ہے اور آواز خوش اور نغمہ موزوں سے ادا کیا جاتا ہے چوتھی بات راگ
میں یہ ہے کہ دل کو حرکت دیتا ہے اور جو چیز اس پر غالب ہوتی ہے اس کو ابھارتا ہے تو اس میں ہم یہ کہتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بھید ہے کہ موزوں نغموں کو روحوں کے ساتھ مناسبت رکھی ہے یہاں تک
کہ وہ ارواح میں عجیب تاثیر کرتے ہیں مثلاً بعض نغمات سے سرور ہوتا ہے اور بعض سے غم کسی سے نیند
آتی ہے کسی سے ہنسی کسی میں یہ اثر ہے کہ اس سے موزونیت کی حرکتیں ہاتھ اور پاؤں اور سر وغیرہ
اعضا میں پیدا کر دیتا ہے اور یہ گمان کرنا نہ چاہیئے کہ یہ بات شعر کے معانی سمجھنے سے ہوتی ہے بلکہ تاروں
کے نغمات سے بھی یہی حال ہوتا ہے یہاں تک کہ جس شخص کو بہار اور اس کے شگوفے اور ستار اور
اس کے نغمے حرکت نہ دیں تو وہ مزاج کا خراب ہے اس کی کوئی تدبیر نہیں اور معنی کے سمجھنے سے کیسے
کہہ سکتے ہیں کہ یہ امر تو ذرا سے بچوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ جہاں آواز خوش سے لوری دی وہ رونا
چھوڑ کر چپکا اسی آواز کو سنتا ہے اور اونٹ باوجود غبی ہونے کے حدی سے ایسا اثر پاتا ہے کہ بھاری

[۱] بغوی در معجم صحابہ بروایت نابغہ بسند ضعیف اور نام نابغہ کا قیس بن عبد اللہ ہے ۱۲۔ [۲] ترمذی نے بروایت جابر بن سمرہ اسکو نقل
کیا ہے اور بروایت عائشہ مجھ کو نہیں ملی ۱۲۔ [۳] مسلم نے اسکو نقل کیا ہے ۱۲۔ [۴] انجشہ کا حدی پڑھنا بخاری ومسلم میں ہے اور ساری ابو داؤد طیالسی نے
نقل کیا ہے ۱۲۔ [۵] قولہ فتنۃ میں الخ مترجم نے جمال بجیم پڑھا اور صحیح یہ کہ حمال بحاء مہملہ ہے چنانچہ شروح بخاری وجمع وغیرہ میں ہے اور معنی یہ ہے کہ خیبر
سے جو گونیں لائی جاتی تھیں جن کو لوگ خوشی سے لیتے وہ ہیچ ہیں لائق خوشی یہ حمال ہیں کہ اینٹیں خام لاکر مسجد بناتے ہیں ۱۲ امیر علی عفی عنہ

بھاری بوجھ اس کے سبب سے ہلکے جانتا ہے اور شدت نشاط میں بڑی مسافت کو تھوڑی سمجھتا ہے اور حدی کا نشہ اس کو ایسا چڑھتا ہے کہ بڑے بڑے بیابانوں میں جب بوجھ اور محمل سے تھکتا ہے تو جہاں آواز حدی کی سنی گردن بڑھاتا ہے اور کان آواز حدی کی طرف لگا کر جلد جلد چلتا ہے حتیٰ کہ بوجھ او محمل سب ہل جل کر ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات بوجھ کی زیادتی اور سخت چلنے سے ہلاک بھی ہو جاتا ہے مگر اس وقت حدی کے سرور میں اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا چنانچہ ابو بکر بن محمد بن داؤد دینوری جورتی کے نام سے مشہور ہیں نقل کرتے ہیں کہ میں جنگل میں تھا کہ ایک قبیلہ عرب کا مجھ کو ملا اس میں سے ایک شخص نے میری دعوت کی اور اپنے خیمہ میں لے گیا میں نے خیمہ میں گھس کر دیکھا کہ ایک غلام سیاہ مقید ہے اور چند اونٹ پیش دروازے مرے پڑے ہیں اور ایک جو باقی ہے وہ بھی اتنا دبلا اور مریض ہے کہ مرنے کے قریب ہے اس غلام نے مجھ سے کہا تم مہمان ہو اور تمہارا حق ہے تم میری سفارش میرے آقا سے کر دو کہ وہ مہمانوں کی خاطر کرتا ہے تمہاری سفارش اتنی بات کے لئے رد نہ کرے گا اور غالباً مجھ کو قید سے چھوڑ دے گا جب وہ شخص کھانا لایا میں نے کھانے سے انکار کیا اور کہا کہ جب تک تم اس غلام کے باب میں میری سفارش قبول نہ کرو گے میں کھانا نہ کھاؤں گا اس شخص نے کہا کہ اس غلام نے مجھ کو محتاج کر دیا میرا سارا مال مار ڈالا میں نے پوچھا کہ اس نے کیا کیا اس نے کہا کہ میری گذران اونٹوں کے کرایہ پر بھی تھی اس نے ان پر بوجھ بہت لادا اس کی آواز اچھی ہے جب اس نے حدی پڑھی تو تین دن کی راہ ایک دن میں طے کر گئے جب ان کے بوجھ اتارے گئے تو سب مر گئے صرف ایک یہ رہ گیا ہے کہ وہ بھی قریب مرگ ہے مگر تم میرے مہمان ہو تمہاری خاطر سے میں نے یہ غلام تم کو ہبہ کیا میں نے چاہا کہ اس کی آواز سنوں صبح کو اس شخص نے غلام سے کہا کہ حدی پڑھ اور وہ اس وقت ایک کنویں سے پانی کا اونٹ لئے آتا ہو جب اس نے اپنی آواز بلند کی تو وہ اونٹ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے اور سب رسیاں توڑ ڈالیں اور میں بھی منہ کے بل گر پڑا مجھ کو گمان نہیں ہوتا کہ میں نے اس سے عمدہ آواز کبھی سنی ہو اس سے معلوم ہوا کہ راگ کی تاثیر دلوں میں محسوس ہوتی ہے اور جس شخص کو راگ سے حرکت نہ ہو تو وہ ناقص اور اعتدال سے ہٹا ہوا اور روحانیت سے دور اور اونٹوں اور پرندوں بلکہ تمام بہائم سے طبیعت میں کثیف تر ہے اس لئے کہ موزوں نغموں سے سب کو اثر ہوتا ہے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎ اشتر بشعر عرب در حالت ست و طرب + گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری + اور اسی وجہ سے پرند حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سننے کو ہوا میں ٹھہر جاتے تھے اور جس صورت میں کہ راگ کو دل میں تاثیر کرنے کے لحاظ سے خیال کریں تو اس پر مطلق اباحت یا مطلق حرمت کا حکم کرنا درست

نہیں بلکہ یہ امر احوال اور اشخاص کے اعتبار سے اور طریق نغمات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو دل کے اندر کی چیز کا حکم ہے ابو سلیمان نے فرمایا ہے کہ راگ دلمیں وہ بات نہیں پیدا کرتا جو اس میں موجود نہ ہو بلکہ جو بات دل کے اندر ہوتی ہے اس کو حرکت دے دیتا ہے غرضکہ کلمات موزوں اور مقفی کا لگانا چند موقعوں پر خاص غرضوں کے لئے دستور ہے جن سے دل میں اثر ہوا کرتا ہے اور وہ سات جگہ ہیں۔ اوّل حاجیوں کا گانا کہ وہ اوّل شعروں میں نقارہ اور شاہین بجاتے ہیں اور راگ گاتے پھرا کرتے ہیں اور یہ امر مباح ہے اس لئے کہ ان اشعار میں تعریف کعبہ اور مقام ابراہیم اور زمزم اور حطیم اور دوسرے مقامات متبرکہ کی اور جنگل وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر شوق پہلے سے ہوتا ہے تو حج بیت اللہ کا اشتیاق دوبالا ہو جاتا ہے ورنہ شوق اس وقت ابھر کھڑا ہوتا ہے چونکہ حج کار ثواب ہے اور اس کا شوق اچھا ہے تو شوق کا پیدا کرنا خواہ کسی چیز سے ہو اچھا ہی ہوگا اور جیسے وعظ کہنے والے کو جائز کہ وعظ میں کلام منظوم اور مقفیٰ پڑھ کر اور خانہ کعبہ اور افعال حج اور اس کا ثواب بیان کر کے لوگوں کے حج کا اشتیاق بڑھاوے تو دوسرے شخص کو بھی جائز ہو یا کہ نظم دل کش سے شوق رب کا ابھارے اس لئے کہ وزن و قافیہ جب کلام میں ہوتا ہے تو کلام کی تاثیر دل میں زیادہ ہوتی ہے اور جب اس پر آواز خوش اور نغمہ دل کش زیادہ ہو تو اور زیادہ اثر ہوتا ہے اور اگر نقارہ اور شاہین اور گت ہو تو تاثیر تگنی ہوتی ہے اور یہ سب امور جائز ہیں بشرطیکہ ان امور میں مزمار اور تار کے باجے جو شراب خواروں کے تمغے میں داخل نہ ہوں ہاں اگر اس راگ سے اس شخص کا شوق دلانا منظور ہو جس کو حج کو جانا جائز نہیں مثلاً ایک شخص فرض حج ادا کر چکا ہے اور اب اس کے ماں باپ اس کو اجازت نہیں دیتے تو اس کے حق میں حج کو جانا حرام ہے اور راگ سے اس کو شوق حج کا دلانا بھی حرام ہے اسلئے کہ حرام بات کا شوق دلانا بھی حرام ہے خواہ راگ سے ہو یا اور کسی چیز سے اسی طرح اگر راستہ مامون نہ ہو اور اکثر تلف ہی ہوتے ہوں تب بھی تحریک اور تشویق جائز نہیں دوم وہ اشعار جس کے غازی عادی ہیں لوگوں کو جہاد پر ابھارنے کے لئے وہ بھی مباح ہیں مگر چاہیئے کہ غازیوں کے اشعار اور ان کے گانے کے طریق اور ہوں اور حاجیوں کے جدا کیونکہ جہاد کا شوق بیان شجاعت اور کافروں پر غیظ و غضب کی تحریک اور نفس و مال کو جہاد کے سامنے حقیر جاننے سے اور بہادری کے اشعار سے ہوتا ہے جیسے متنبی نے اس مضمون کا ایک شعر کہا ہے ؎ مرے نہ تو جو تہ تیغ ہو کہ عزت سے + تو پھر مرے گا کبھی خواری اور ذلت سے + اور دوسرا شعر اسی مضمون کا اس نے کہا ہے ؎ نامرد بزدلی کو سمجھتے ہیں احتیاط + پر اصل میں یہ دھوکا ہے طبع لئیم کا + اور کسی دوسرے

کا شعر ہے ؎ اے برادر تو حدیث نبوی کو سن لے۔ باغ فردوس ہے تلواروں کے سایہ کے تلے، غرضکہ اشعار شجاعت کے طریق جداگانہ ہیں اور تشویق کے جداگانہ اور شجاع بنانا امر مباح ہے جسوقت جہاد مباح ہو تو اور مستحب ہے اسوقت کہ جہاد مستحب مگر انہیں لوگوں کے حق ہیں جن کو جہاد میں جانا جائز ہو۔ **سوم**۔ وہ اشعار جن کو بہادر مقابلے کے وقت پڑھتے ہیں ان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ نفس شجاعت کرے اور بدگار دلیری پر اقدام کریں اور لڑنے میں ان کو سرور جوش کرے ان اشعار میں شجاعت اور فتح کی تعریف ہوتی ہے اور اگر الفاظ عمدہ اور آواز اچھی ہوتی ہے تو دل پر اثر بہت ہوتا ہے اور ان کا پڑھنا بھی مباح لڑائی میں مباح اور مستحب میں مستحب ہوتا ہے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے میں ممنوع ہے اور اسی طرح ذمیوں کے لڑنے اور دوسری لڑائیوں میں کہ ممنوع ہوں ان کا پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ ممنوع بات کا شوق دلانا بھی ممنوع ہے اور ان اشعار کا پڑھنا بہادران صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے جیسے حضرت امام الاشجعین علی بن ابی طالب اور حضرت سیف اللہ المسلول خالد بن ولید رضی اللہ عنہما ایسا کرتے تھے اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ غازیوں کے لشکر میں شاہین کا بجانا نہ چاہیئے اس لئے کہ آواز نرم کنندہ اور رنج پیدا کرنے والی ہے عقد شجاعت اس سے ڈھیلی ہو جاتی ہے اور نفس کی جہت مبدل بہ سستی ہوتی ہے اور اہل وعیال اور وطن کا شوق پیدا ہوتا ہے اور جنگ میں کھنڈت پڑتی ہے اسی طرح جتنی آوازیں اور نغمات کہ دل کو نرم کریں اور حزن میں مبتلا کریں اور بہادری دلانے نغمات کے مخالف ہیں تو جو کوئی ان کو اس قصد سے پڑھے کہ دل متغیر ہو جاویں اور جنگ میں فتور پڑ جاوے تو وہ گنہگار نافرمان ہوگا ہاں اگر قتال ممنوع ہو اور اس سے دل ہٹانے کی نیت سے کرے گا تو مطیع ہوگا۔ **چہارم** نوحہ کی آوازیں اور نغمات ہیں اور ان کی تاثیر یہ ہے کہ حزن کو ابھارتی ہیں اور رونا اور ہمیشہ کو اداس کرنا ان کا اثر ہے اور حزن دو طرح کا ہے ایک اچھا اور ایک بُرا حزن مذموم تو وہ ہے جو فوت ہوئی چیزوں پر ہو کہ خدائے تعالیٰ ان پر غم نہ کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے چنانچہ فرماتا ہے کیلا تا سو علی ما تا تکم اور مردوں پر غم کرنا بھی اسی میں داخل ہے کیونکہ گویا حکم الہٰی پر ناراض ہونا اور ایسی چیز پر افسوس کرنا ہے جس کے لئے کچھ تدارک نہیں تو اس طرح کا حزن چونکہ مذموم ہے اس لئے نوحے اس کو ابھارنا بھی بُرا ہے اور یہیں وجہ نوحہ کرنے سے صریح[۲] نہی آ گئی اور حزن محمود وہ ہے کہ آدمی امر دین میں اپنے قاصر ہونے اور اپنی خطاؤں کو یاد کرنے پر حزن کرے اور اس کے لئے رونا اور رونی صورت بنانی اور غم کرنا اور غم کی صورت کرنی اچھی ہے اور اسی پر حضرت آدم علیہ السلام روتے تھے تو اس غم کی تحریک اور تقویت اچھی ہے کیونکہ

---

[۱] تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا ۱۲ [۲] بخاری و مسلم میں بروایت ام عطیہ مروی ہے کہ آپ نے بیعت میں ہم سے یہ عہد لیا کہ نوحہ نہ کریں ۱۲

اس سے تدارک کی آمادگی ہوتی ہے اور اسی سبب سے حضرت داؤد علیہ السلام کا نوحہ کرنا اچھا تھا کیونکہ دوام حزن اور کثرت گریہ خطاؤں اور گناہوں کے باعث سے تھی چنانچہ آپ خود غم کرتے اور دوسروں کو غمگین کرتے اور آپ روتے اور دوسروں کو رلاتے تھے کہ آپ کے نوحہ کی مجلسوں میں سے جنازے اٹھتے تھے اور یہ نوحہ الفاظ اور نغمہ سے کرتے تھے اور ایسا نوحہ اچھا ہے کیونکہ جو اچھی بات کی طرف پہنچائے وہ اچھا ہے اور اس بنا پر اگر کوئی واعظ خوش آواز منبر پر لحن سے کچھ اشعار غم میں ڈالنے والے اور دل نرم کرنے والے پڑھے یا رو دے اور رونی صورت اس لئے بناوے کہ دوسرے لوگ اپنی خطاؤں پر غم کریں تو اس کو یہ افعال حرام نہ ہوں گے پنجم۔ خوشی کے اوقات میں سرور کی تاکید کے لئے گانا کہ یہ مباح بھی ہے بشرطیکہ وہ سرور مباح ہو۔ جیسے ایام عیدین اور شادی کی تقریبوں میں اور غائب شخص کے آنے میں اور ولیمہ اور عقیقہ اور لڑکا پیدا ہونے اور ختنہ اور حفظ اور قرآن مجید میں سرور کی جہت سے گانا مباح ہے اور وجہ اس راگ کے جائز ہونے کی یہ ہے کہ الحان سے بعض ایسے ہیں کہ ان سے خوشی اور سرور کی امنگ ابھرتی ہے تو جن موقعوں پر سرور جائز ہے ان میں سرور کی امنگ کا ابھارنا بھی درست ہے اور دلیل نقلی اس کے جواز کی یہ ہے کہ جب آنحضرت[۲۱] صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رشک روضۂ رضوان فرمایا تو عورتیں چھتوں پر دف بجا کر گیت کی طرح یہ گاتی تھیں
بدر طالع گشت بر ما از ثنیات[۲۲] وداع + منکر واجب ہست بر ما تا دعا ائی کند + تو چونکہ یہ حضرت کی تشریف آوری کا سرور تھا اور وہ سرور عمدہ تھا تو اس کا ظاہر کرنا شعر و نغمات اور اچھلنے اور حرکات سے بھی اچھا تھا اور بعض اصحاب سے مروی ہے کہ ان کو جب سرور ہوا ہے تو ایک ٹانگ پر خوشی کے مارے اچھلتے تھے چنانچہ ان کا حال احکام رقص میں آوے گا اور یہ بات ہر آنے والے کے آنے میں جائز ہے ——— جس کے آنے میں خوشی درست ہو اور اسباب سرور میں جونسا سبب مباح ہے اس میں بھی درست ہے اور اس پر وہ دلالت کرتی ہے جو صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے[۲۳] کہ مجھ کو اپنی چادر سے چھپا دیتے اور میں حبشیوں کو دیکھا کرتی کہ مسجد میں کھیلا کرتے تھے یہاں تک کہ میں خود ہی تھک جاتی اب حضرت عائشہ کی نوعمری کے لحاظ سے کہ اس عمر میں عورتیں حریص کھیل کی ہوتی ہیں خیال کر لو کہ کتنی دیر کھڑی ہوتی ہوں گی کہ تھک

۲۱ بیہقی در دلائل النبوۃ بروایت عائشہ رض مفصلاً اور اس میں ذکر دف اور الحان کا نہیں ۱۲ ۲۲ ثنیہ بمعنی گھاٹی یا طریق جبل اور ثنیہ وداع مدینہ منورہ کے جانب جنوب ہے اسکا نام اس لئے رکھا گیا کہ مکہ جانے والوں کو وہاں سے رخصت کیا کرتے تھے وہاں تک ہمراہ آتے تھے ۲۳ یہ روایت بموجب قول مصنف صحیحین میں ہے۔

بجاتی تھیں اور بخاری اور مسلم نے یہ حدیث[1] عقیل کی زہری سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس دو لڑکیاں ایام منیٰ میں دف بجاتی تھیں اور ناچتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بدن مبارک چادر سے چھپائے ہوئے تھے ان لڑکیوں کو حضرت صدیق اکبر نے جھڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک کھول کر فرمایا اے ابو بکر جانے دو اور کچھ مت کہو کہ یہ عید کے دن ہیں۔ اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے آنحضرت کو دیکھا[2] کہ مجھ کو اپنی چادر میں چھپائے تھے اور میں حبشیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی اور وہ مسجد میں کھیل رہے تھے پس حضرت عمر نے ان کو جھڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ اے بنی ارفدہ[3] تم بے خوف رہو اور عمر بن حارث[4] نے جو ابن شہاب سے حدیث[1] روایت کی ہے اس میں بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ ہے کہ دونوں لڑکیاں گاتی بجاتی تھیں اور حدیث[5] ابو طاہر بن ابن وہب سے قول حضرت عائشہ کا یوں ہے کہ بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور حبشی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے ہتھیاروں کا تماشا کرتے اور آپ اپنی چادر سے مجھ کو چھپا دیتے کہ میں ان کا تماشا دیکھوں پھر میری خاطر کھڑے ہوتے یہاں تک کہ میں خود ہی ہٹ جاتی۔ اور حضرت[6] عائشہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گڑیوں سے کھیلا کرتی اور میری ساتھنیں میرے پاس آیا کرتیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا کر کے کوٹھڑی میں گھس جاتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو میرے پاس بھیج دیتے تاکہ میرے ساتھ کھیلیں۔ اور ایک روایت[7] میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ یہ کیا ہیں انہوں نے عرض کیا میری گڑیاں آپ نے فرمایا کہ ان کے بیچ جو نظر آتا ہے وہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا گھوڑا ہے آپ نے فرمایا کہ اس گھوڑے کے ادھر ادھر کیا ہیں آپ نے عرض کیا کہ اڑنے کے پر ہیں آپ نے فرمایا کہ گھوڑے[8] کے دو بازو ہیں حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے پر تھے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو سن کر اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں۔

---

[1] بخاری میں تو اس طرح ہے مگر مسلم میں عقیل کی جگہ عمر بن حارث ہے ۱۲ [2] مسلم نے بروایت ابی ہریرہ حضرت عمرؓ کا جھڑکنا نقل کیا اور باقی مضمون اوپر کی حدیث میں ہے ۱۲ [3] لقب حبشیوں کا ہے بکسر فا ۱۲ [4] اس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ ۱۲ [5] ایضاً ۱۲ [6] قولہ تو اب حضرت الخ مترجم نے خیال کیا کہ یہاں سے مصنف کا قول ہے حالانکہ یہ جملہ بھی حدیث کا جزو ہے خود حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ۱۲ امیر علی [7] بخاری و مسلم ۱۲ [8] ابو داؤد نے اس کو نقل کیا ہے۔

اور ہمارے نزدیک حدیث لڑکیوں کی عادت پر محمول ہے کہ تصویر مٹی یا کپڑے کی بدون پوری صورت کے بنالیتی ہیں چنانچہ بعض روایت میں آیا ہے کہ اس گھوڑے کے دو پر کپڑے کے تھے اور حضرت عائشہ سے مروی[۱] ہے کہ میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت کہ میرے پاس دو لڑکیاں روز بعاث کا ذکر گا رہی تھیں آپ بستر پر لیٹ رہے اور اپنا منہ پھیر لیا اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے مجھ کو جھڑکا کہ شیطان کا مزمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روا رکھتی ہو پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ان کو کچھ مت کہو جب حضرت صدیق ان لڑکیوں سے غافل ہوئے تو میں نے ان کو اشارہ کیا وہ باہر چلی گئیں اور عید کا دن تھا کہ اس روز حبشی پھری گدکے سے کھیل رہے تھے مجھ کو شک ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اول درخواست کی یا خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے مجھ کو اپنی پس پشت کھڑا کیا اور میرا رخسارہ آپ کے عذار مبارک پر تھا اور آپ ان سے فرماتے تھے کہ تماشا کئے جاؤ یہاں تک کہ میں تھک گئی تو آپ نے پوچھا کہ بس میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ تو اب جاؤ اور صحیح مسلم میں یوں ہے کہ میں نے اپنا سر آپ کے شانہ مبارک پر رکھ کر ان کا کھیل دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ میں خود ہی ہٹ گئی تو یہ سب روایتیں صحیحین میں ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہے کہ راگ اور کھیل حرام نہیں اور ان احادیث میں چند اقسام کی اجازت بھی پائی جاتی ہے اول کھیلنے کی رخصت اور ظاہر ہے کہ حبشیوں کی عادت ہے کہ ناچتے اور کھیلتے ہیں دوسرے تماشا کا مسجد میں ہونا تیسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو یہ فرمانا کہ تماشا کئے جاؤ کہ اس میں اجازت کھیل کی اور اس کی درخواست ہے تو اس کو حرام کیسے کہہ سکتے ہیں چوتھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو انکار اور تغیر سے منع فرمانا اور اس کی وجہ یہ بیان کرنی کہ عید کا روز ہے اور وہ سرور کا وقت ہے اور گانا بجانا اسباب سرور میں سے ہے۔ پانچویں بہت دیر تک آپ کا کھڑے رہنا اس کے دیکھنے اور سننے کو حضرت عائشہؓ کی خاطرداری کے لئے اور اس میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ عورتوں اور لڑکوں کے دل خوش کرنے کے لئے خوش خلقی کرنی اور کھیل کو دیکھنا بہتر ہے اس سے کہ زہد کی راہ سے بدخلقی اور کج ادائی ان کے ساتھ کی جائے کہ نہ آپ دیکھے نہ ان کو دیکھنے دے چھٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتداءً حضرت عائشہؓ کو یہ فرمانا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو اور یہ فرمانا کچھ اہل خانہ کی موافقت کی مجبوری سے نہ تھا کہ خوف ان کے غصہ اور وحشت کا تھا اس لئے کہ اگر بالفرض اول ان کی درخواست ہوتی

۱؎ بخاری و مسلم -۱۲-

اور آپ نہ منظور فرماتے تو عجب نہ تھا کہ سبب وحشت ہوتا لیکن ابتدائً سوال کرنے میں تو کوئی خدشہ نہ تھا پھر اس کی کیا حاجت ہوئی ساتویں گانا اور دف بجانا دونوں لڑکیوں کا جائز ہوا باوجودکہ مزمار کو شیطان سے تشبیہہ دی گئی اور اس سے یہ بھی نکلا کہ حرام مزمار اور چیز ہے آٹھویں یہ کہ دونوں لڑکیوں کی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان میں پڑتی تھی اور آپ لیٹے رہے اگر بالفرض کسی جگہ میں تاروں کے باجے بجتے ہوتے تو آپ کا وہاں بیٹھنا پھر کانوں میں اس کی آواز کا آنا ہرگز روا نہ رکھتے اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی آواز کی حرمت مزامیر کی آواز کی حرمت کی طرح نہیں بلکہ عورتوں کی آواز اسی جگہ حرام ہوتی ہے جہاں فتنہ کا خوف ہو غرضکہ یہ قیاسات اور تصدیق دلالت کرتے ہیں کہ راگ اور ناچ اور دف بجانا اور سپر اور ہتھیاروں سے کھیلنا اور حبشیوں اور زنگیوں کے ناچ کو دیکھنا سب اوقات سرور میں مباح ہے بقیاس روز عید کہ وہ بھی سرور کا وقت ہے اور اسی کی مثل شادی اور ولیمہ اور عقیقہ اور ختنہ اور مسافر کے گھر آنے کا دن ہے اور تمام اسباب فرح یعنی جن سے شرعاً خوشی کرنا درست ہے ان کا یہی حال ہے اور ازانجاکہ یاروں کے ایک جگہ جمع ہونے اور ملاقات کرنے اور باہمدیگر کھانا کھانے اور گفتگو کرنے سے بھی خوشی کرنی جائز ہے تو یہ موقع راگ سننے کا ہے ششم عاشقوں کا راگ شوق کی تحریک اور عشق کے دوبالا ہونے اور نفس کی تسکین کے لئے تو اگر معشوق کے سامنے ہو تب تو غرض لذت کے زیادہ ہونے سے ہوتی ہے اور اگر اس کی جدائی میں ہو تو مقصود شوق کا ابھارنا ہوتا ہے اور شوق ہرچند رنج ہے مگر اس وجہ سے کہ اس میں وصال کی توقع ملی ہے گونہ لذت بھی دیتا ہے کیونکہ توقع لذیز ہوتی ہے اور یاس درد دہندہ ہوتی ہے اور لذت توقع اسی قدر قوی ہوتی ہے جس قدر شوق قوی ہوتا ہے غرضکہ اس راگ میں عشق کا دوبالا کرنا ہے اور شوق کو حرکت دینا اور توقع وصال کی لذت کا حاصل کرنا ہوتا ہے اور حسن محبوب کا بیان طول دیا جاتا ہے اور اس طرح کا راگ بھی حلال ہے بشرطیکہ معشوق ان لوگوں میں سے ہو جن کا وصال مباح ہو مثلاً کوئی شخص اپنی منکوحہ یا حرم پر عاشق ہو جائے تو اس کے راگ پر کان لگاتا ہے تاکہ آنکھ کو اس کے دیدار سے اور کان کو اس کی آواز سے لذت ہو اور معانی لطیف وصال اور فراق کے دل سمجھتا جائے تو یہ لذت کے اسباب پے بہ پے ہو جاتیں گے اور یہ اقسام لذت دنیا کی مباحات اور متاع سے تمتع لینے کی ہیں اور متاع دنیا سب لہو و لعب ہے اور یہ امور بھی اس میں سے ہیں اور اسی طرح اگر اس کے پاس سے لونڈی چھن جائے یا کسی اور سبب سے جدائی واقع ہو تو اس کو جائز ہے کہ اپنے شوق کی تحریک آگ سے کرے اور سماع سے لذت رجاء وصال ابھارے لیکن اگر اس کو بیچ ڈالے

یا زوجہ کو طلاق دیدے تو اس صورت میں تحریک شوق راگ سے اس پر حرام ہے اس لئے کہ جس جگہ وصال اور دیدار جائز نہیں وہاں تحریک شوق بھی ناجائز ہے اور جو شخص اپنے دل میں صورت کسی عورت یا لڑکے کی خیال کرے جس کی طرف دیکھنا اس کو حلال نہیں اور جو کچھ راگ سنے اس کو اسی صورت پر ڈھال لیتا جائے تو یہ حرام ہے کیونکہ اس سے فکر افعال ممنوعہ کا پیدا ہوتا ہے اور اکثر عشاق اور جوانان بیوقوف غلبہ شہوت میں اس خیال سے خالی نہیں ہوتے کچھ کچھ دل میں رکھتے ہیں اور یہ امران کے حق میں ممنوع ہے اس وجہ سے کہ اس میں ایک اور راگ مخفی ہے نہ اس وجہ سے کہ خود راگ میں کوئی بات ہو اور یہی وجہ جب کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ عشق کیا چیز ہے تو کہا ایک دھواں ہے جو آدمی کے دماغ میں چڑھ جاتا ہے جماع سے جاتا رہتا ہے اور سماع سے بڑھتا ہے۔ ہفتم ان لوگوں کا سماع جو اللہ تعالیٰ کے عاشق اور اس کے دیدار کے مشتاق ہوں کہ جس چیز پر نظر کریں اس میں اس نور پاک کو دیکھیں اور جو آواز سنیں اس کو اسی سے یا اس کے باب میں جانیں تو ایسے لوگوں کے حق میں راگ ان کے شوق کو ابھارتا ہے اور عشق و محبت کو بختہ کرتا ہے اور یہ دل پر کام چقماق کا کرتا ہے اور اس میں سے ان مکاشفات اور لطائف کو ظاہر کرتا ہے کہ خارج از حیطہ وصف ہیں جو ان کو چکھتا ہے وہی ان کو پہچانتا ہے اور جس کی حس ان کے چکھنے سے کند ہوتی ہے وہ ان کو کیا جانے اور ان حالات کا نام ارباب تصوف کے یہاں وجد ہے جو وجود سے ماخوذ ہے یعنی اپنے نفس میں وہ احوال موجود پائے جو راگ سے پیشتر نہیں معلوم ہوتے تھے پھر ان حالات کے سبب سے بعد کو ان کے لواحق و توابع ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ دل کو اپنی آگ سے پھونک دیتے ہیں اور اس کو کدورات سے ایسا صاف کر دیتے ہیں جیسے آگ میں سے تپ کر میل سونے چاندی وغیرہ کا دور ہو جاتا ہے اور اس صفائی کے بعد مشاہدات اور مکاشفات ہوتے جو علت غائی عاشقان خدا اور ثمرہ جمیع عبادات ہے تو ان چیزوں کا ذریعہ بھی منجملہ عبادات ہوگا معصیت یا مباح اور دل کو راگ سے ان حالات کے حاصل ہونے کا سبب یہی ہے کہ نغمات موزوں اور ارواح میں مناسبت ہونی خدائے تعالیٰ کا راز ہے ارواح کو اللہ تعالیٰ نے نغمات کا مسخر بنایا ہے اور ان کے اثر سے شوق اور خوشی اور غم اور انبساط اور انقباض ارواح پیدا ہوتے ہیں اور آوازوں سے ارواح کے متاثر ہونے کا سبب علوم مکاشفات کے دقائق میں سے ہے غبی آدمی سنگ دل طبیعت کا منجمد راگ کی لذت سے محروم ہے اور سننے والے کو جو لذت معلوم ہوتی ہے اور وجد کی حالت میں اس کا حال دگرگوں ہوتا ہے اور رنگ بدل جاتا ہے اس کو دیکھ کر تعجب کرتا ہے لیکن اس کا تعجب ایسا ہے جیسا چوپایہ لوزینہ کی لذت سے تعجب

کرے یا نامرد لذت مباشرت سے اور لڑکا لذت ریاست اور اسباب جاہ کی وسعت سے اور جاہل آدمی لذت معرفت الٰہی اور اس کے جلال و عظمت اور عجائب صنعت کے ادراک کی لذت سے تعجب کرے اور ان سب کا سبب ایک ہی ہے یعنی لذت ایک قسم کا ادراک ہے جو قدرت مدرکہ کو چاہتا ہے تو جسکی قوت مدرکہ کامل نہ ہوگی اس کو لذت کیسے معلوم ہوگی مثلاً اگر کسی شخص میں قوت ذائقہ نہ ہوگی وہ مزہ کیسے معلوم کرے گا اور جو بہرا ہوگا اس کو آوازوں کی لذت کیسے معلوم ہوگی اور جس کے عقل نہ ہوگی وہ عقلی چیزوں کا کیسے ادراک کرے گا اسی طرح کان میں آواز پہنچنے سے راگ کا خط دل کے اندر کی حسن باطنی سے معلوم ہوتا ہے تو جس کو وہ حس نہ ہوگی اس کو راگ کی لذت بھی نہ ہوگی اب شاید تم یہ کہو کہ خدائے تعالیٰ کے حق میں کیسے ہو سکتا ہے تاکہ راگ اس کا محرک ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اس سے بالضرور محبت کرتا ہے اور جس کی معرفت الٰہی پختہ ہو جاتی ہے اس کی محبت بھی پختہ ہو جاتی ہے اور محبت جب زیادہ پختہ ہوتی ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں کیونکہ عشق معنی فرط محبت مؤکدہ کے ہیں اور اسی وجہ سے جب عرب کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ غار حرا میں عبادت الٰہی کے لئے تنہا رہتے ہیں تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب پر عاشق ہو گئے ہیں اور نیز جاننا چاہیئے کہ جمال جس قوت مدرکہ سے معلوم ہوتا ہے اس کے نزدیک محبوب ہوتا ہے اور یہ بہ تو خالق جل شانہ کا ہے کہ وہ خود جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے تو اگر جمال ظاہری ہوگا یعنی آدمی کا سڈول ہونا اور رنگ صاف ہونا وغیرہ تو یہ آنکھ کے حاسہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر جمال باطنی ہے یعنی جلال اور عظمت اور علو مرتبت اور صفات و اخلاق کا اچھا ہونا اور جمیع خلق کے ساتھ ارادہ کرنا اور ہمیشہ مخلوق پر خیرات کا جاری رکھنا وغیرہ تو یہ دل کے حاسہ سے معلوم ہوتا ہے اور لفظ جمال کبھی صفات باطنی کی خوبی کے لئے بھی بولتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص جمیل ہے حالانکہ اس کی صورت مقصود نہیں ہوتی بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ جمیل الاخلاق اور محمود الصفات اور سیرت کا اچھا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک کو دوسرے سے انہیں صفات باطنی کی جہت سے محبت ہوتی ہے جیسے ظاہر کی خوبصورتی کی وجہ سے محبت ہوتی ہے یہی محبت کبھی بڑھ کر عشق کہلانے لگتی ہے چنانچہ امام شافعی اور امام مالک اور امام اعظم رحمہم اللہ کی محبت میں بڑھے ہوئے بہت لوگ ہیں کہ اپنے جان و مال کو ان کی طرفداری اور یاری میں صرف کر ڈالیں اور غلو اور مبالغہ کسی عاشق میں بھی اتنا نہ ہوگا جتنا ان کو حاصل ہے تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے لوگوں پر عاشق ہونا جن کی صورت کبھی نہیں دیکھی کہ خوبصورت تھے یا بدصورت اور اب وہ انتقال کر کے صرف جمال باطنی اور خصائل حمیدہ اور علم دینی کی خیرات جاری

دیکھنے سے تو سمجھ میں آوے اور ممکن ہو اور جس ذات پاک کا حال یہ ہو کہ دنیا میں جتنی خیرات اور جمال اور محبوب ہیں وہ سب اسی کی خوبیوں کا پرتو ہوں اور اس کے آثار کرم کی علامت اور دریائے جود کا قطرہ بلکہ تمام حسن و جمال جو عالم میں عقل سے خواہ حواس ظاہری آنکھ کان وغیرہ سے شروع پیدائش سے دنیا آخر تک اور ثریا سے لے کر اسفل السافلین تک معلوم ہوتا ہے اور اس کے خزائن قدرت کا ایک ذرہ اور اس کے انوار حضرت کا ایک لمحہ ہے تو جس ذات پاک کا وصف یہ ہو ہم کو معلوم نہیں کہ اس کی محبت کیسے سمجھ میں نہیں آتی اور جو لوگ اس کے اوصاف کے عارف ہوں ان کے نزدیک یہ محبت کیسے نہیں بڑھتی بلکہ یہ محبت تو اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس کو عشق کہنا بھی خطا ہے یعنی لفظ عشق بھی اس افراط کے مفہوم سے قاصر پڑھتا ہے سبحان اللہ عجیب ذات ہے کہ شدت ظہور ہی میں اسکو عشق کہنا بھی خطا ہے اور کے نور کی چمک ہی آنکھوں کا پردہ اگر نور کے ستر پردوں میں وہ ذات مستتر نہ ہوتی تو اس کے چہرہ کے انوار اس کے جمال پاک کو دیکھنے والوں کی آنکھیں پھونک دیتے اور اگر اس کا ظہور سبب اس کے مخفی ہونے کا نہ ہوتا تو عقلیں حیران اور دل پریشان اور قوتیں ابتر اور اعضا منتشر ہو جاتے اور اگر بالفرض دل پتھر اور لوہے کے ہوتے تو اس کے ادنی انوار تجلی کے سامنے چکنا چور ہو جاتے کیونکہ نور آفتاب کی ماہیت کی تاب خیرہ میں کہاں ہو سکتی ہے اور عنقریب اس اشارہ کی تحقیق باب محبت جلد چہارم میں مذکور ہو گی اور معلوم ہو گا کہ محبت غیر اللہ کی قصور اور جہالت ہے بلکہ معرفت کا محقق سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں پہچانتا کیونکہ حقیقت میں سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کے اور کوئی چیز موجود نہیں تو جو کوئی افعال کو اس نظر سے پہچانے گا کہ یہ افعال ہیں اس کی معرفت فاعل سے آگے نہ بڑھے گی اور دوسرے کی طرف نہ جائے گی مثلاً جو شخص امام شافعی اور ان کے علم و تصنیف کو اس لحاظ سے پہچانے گا کہ یہ ان کی تصنیف ہے قطع نظر اس سے کہ وہ کاغذ مجلد اور سیاہی اور کلام منتظم اور زبان عربی ہے تو اس کی معرفت امام شافعی سے دوسرے کی طرف نہ جائے گی اور نہ ان کے غیر کی محبت دل میں آوے گی اب دنیا کی موجودات کو جو نظر کیجئے تو کل موجودات اللہ تعالیٰ کی تصنیف اور اس کے فعل ہیں جو کوئی ان کو اس اعتبار سے پہچانے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے تو وہ ان مصنوعات میں صانع کی صفات دیکھے گا جیسے خوبی تصنیف سے مصنف کی فضیلت اور اس کی قدر کی بزرگی معلوم ہوتی ہے اور اس کی معرفت و محبت بھی خدائے تعالیٰ پر منحصر رہے گی دوسرے کی طرف تجاوز نہ کرے گی اور اس عشق کی تعریف یہ ہے کہ شرکت کو قبول نہیں کرتا اور اس کے سوا جتنے عشق ہیں وہ شرکت قبول کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے سوا جو محبوب ہے اس کا نظیر ممکن ہے خواہ وجود میں یا امکان میں مگر اس جمال کا ثانی نہ امکان میں ہو سکتا

ہے نہ وجود میں اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی محبت کو عشق کہنا مجازی ہے نہ حقیقی ہاں جو شخص کہ کم عقل چوپایہ کے قریب ہوتے ہیں وہ لفظ عشق سے طلب وصال ہی سمجھتے ہیں جس کے معنی اجسام ظاہری کے ملنے اور شہوت جماع کے پورا کرنے کے ہیں تو ان جیسے گدھوں کے سامنے الفاظ عشق اور شوق اور وصال اور انس کے بولنے نہ چاہئیں بلکہ ان کے استعمال سے اجتناب چاہیے جیسے چوپایہ کے سامنے نرگس و ریحان نہیں کرتے اور صرف گھاس اور بھوسہ اور شاخوں کے پتے رکھ دیتے ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ان الفاظ کا بولنا جائز ہے جن سے سننے والے کو ایسی باتوں کا وہم نہ ہو جن سے اللہ تعالیٰ کو منزہ کہنا واجب ہے اور وہم لوگوں میں ان کی سمجھ کے موافق مختلف ہوا کرتے تو ان جیسے الفاظ میں اس دقیقہ کو یاد رکھنا چاہیئے ۔ با ہیچ نفہم لاف معنی چہ زنی + طفلانہ بطفل گفتگو باید کرد + بلکہ عجب نہیں کہ صفات الٰہی کے سنتے ہی دل پر وہ وجد غالب ہو جس کے سبب سے دل پھٹ جائے چنانچہ ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں[۱] کہ آپ نے ذکر فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پہاڑ پر تھا اس نے اپنی ماں سے پوچھا کہ آسمان کس نے پیدا کیا اس نے کہا اللہ عزوجل نے اس نے کہا کہ زمین کو کس نے پیدا کیا اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھا کہ پہاڑوں کو کس نے بنایا اس کی ماں نے کہا اللہ جل شانہ نے اس نے پوچھا کہ بادل کس نے پیدا کیا کہا اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دیا اور پاش پاش ہو گیا۔ اور اس کا سبب غالباً یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نے یہ باتیں سنیں جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور قدرت کامل کی دلیل ہیں تو اس نے طرب وجد کی حالت میں اپنے آپ کو گرا دیا اور کتابیں آسمانی سب اس لئے اتری ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لوگ طرب کریں بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں نے انجیل میں لکھا دیکھا ہے کہ ہم نے تمہارے سامنے گایا مگر تم نے طرب نہ کیا اور ہم نے تمہارے لئے مزمار بجایا مگر تم نہ ناچے یعنی ہم نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا تم کو شوق دلایا مگر تم مشتاق نہ ہوئے۔ یہ ہے جو ہم نے راگ کے اقسام اور اسباب اور مقتضاؤں کا ذکر کرنا چاہا تھا اور یہاں تک یقیناً معلوم ہو گیا کہ ... س راگ مباح ہے اور بعض میں مستحب ہے ہم ان عوارض کو لکھتے ہیں جن سے راگ حرام ہ... ئے ہیں۔

حرام ہونے کے عوارض

اوّل یہ کہ گانے والی عورت ہو جس کی طرف دیکھنا حلال ... فتنہ کا خوف ہو اور اسی کے حکم میں لڑکا بے ریش ہے جس کا گانا سننے سے ... ر کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے اور یہ حرمت راگ کی وجہ سے نہیں بلکہ ... کہ آواز کے باعث فتنہ کا خوف ہو تو اس

[۱] ابن حبان نسائی

سے کلام کرنا درست نہیں اور نہ تلاوت میں اس کی آواز کا سننا جائز ہے اور یہی حال لڑکے کا ہے بشرطیکہ فتنہ کا خوف ہو اب اگر یہ کہو کہ تم اس کو حرام ہر حال میں کہتے ہو تاکہ یہ بات بالکلیہ جاتی رہے یا حرام اسی جگہ کہتے ہو جہاں فتنہ کا خوف ہو اور جس شخص کے حق میں فتنہ کا خوف ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ کی رو سے یہ مسئلہ دو احتمال رکھتا ہے اور اصلوں میں منطبق ہو سکتا ہے ایک اصل تو یہ ہے کہ اجنبی عورت سے خلوت کرنی اور اس کی صورت دیکھنی حرام ہے خواہ فتنہ کا ہو یا نہ اس لئے کہ یہ امر فی الجملہ محل فتنہ ہے تو شریعت نے اس باب کو بند کرنے کے لئے حکم فرما دیا اور صورتوں کی طرف التفات نہیں کیا اور دوسری اصل یہ ہے لڑکوں کی طرف دیکھنا مباح ہے بجز اس حال کہ فتنہ کا خوف ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ لڑکوں کا حال عورتوں کی طرح پر عام نہیں بلکہ ان کے باب میں خوف فتنہ کی پیروی کی جاتی ہے اور عورت کی آواز ان دونوں اصلوں پر منطبق ہو سکتی ہے تو اگر اس کو اس کے دیکھنے پر قیاس کریں تب تو اس کی آواز کا نہ سننا ہی چاہیئے اور یہی قیاس قریب ہے مگر دیکھنے اور آواز سننے میں فرق بھی ہے اس لئے کہ شہوت اول ہی وہلہ میں دیکھنے کی مقتضی ہوتی ہے اور آواز سننے کی داعی نہیں ہوتی علاوہ ازیں دیکھنے سے شہوت چھٹنے کی زیادہ حرکت کرتی ہے بہ نسبت آواز سننے کے اور آواز عورت کی راگ کے سوا بہتر بھی نہیں کیونکہ عورتیں صحابہ کے وقت میں مردوں سے باتیں کیا کرتی تھیں یعنی سلام اور استفتاء اور سوال اور مشورہ وغیرہ کرتیں تھیں مگر راگ کو شہوت کی تحریک میں زیادہ اثر ہے تو آواز کا قیاس کرنا لڑکوں کے دیکھنے پر بہتر ہے اس لئے کہ جیسا عورتوں کو آواز مخفی رکھنے کا حکم نہیں ویسا ہی مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں اس صورت میں خوف فتنہ پر حرمت منحصر ہونی چاہیئے ہمارے نزدیک قرین قیاس یہی ہے اور حدیث دونوں لڑکیوں کی حضرت عائشہ کے گھر میں گانے کی اسی کی مؤید ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آواز سنتے رہے اور آواز سے احتراز نہ کیا کیونکہ فتنہ کا خوف آپ کو نہ تھا غرضکہ اس کا حال عورت اور مرد کے احوال کے لحاظ سے مختلف ہوگا جوان کا اور حکم ہوگا اور بوڑھے کا اور۔ اور ان جیسی باتوں میں حکم مختلف ہونا کچھ بعید نہیں مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار بوڑھا ہو اور وہ اپنی بی بی کا بوسہ لیوے تو جائز ہے اور جوان کا بوسہ لینا درست نہیں اس لئے کہ بوسہ مقتضی جماع کا ہوگا روزہ کی حالت میں اور وہ ممنوع ہے اور سماع بھی مقتضی دیکھنے اور قربت کا ہوتا ہے تو جس شخص کے حق میں ہو اس کو حرام ہوگا پس سماع بھی ہر شخص کے حق میں جدا حکم رکھتا ہے۔ دوسرم یہ کہ آلات سماع اچھے نہ ہوں مثلاً میخواروں اور مخنثوں کے شعار ہوں جیسے مزامیر اور ڈور اور تار کے باجے اور ان تینوں کے سوا اور اپنی اصل پر یعنی اباحت پر ہیں جیسے دف کہ اسمیں جھانجھ ہو اور نقارہ اور شاہین اور لکڑی پر گت لگانا اور دوسرے

آلات ہیں۔ سوم یہ کہ نظم میں خرابی ہو یعنی شعر ہیں اگر فحش اور بے ہودگی اور ہجو اور جو باتیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یا صحابہؓ پر جھوٹ ہو جیسے رافضی اصحاب کی شان میں بنا لیتے ہیں تو اس طرح کی باتوں کا سننا گیت کی طرح اور بدون گیت کے حرام ہے اور سننے والا کہنے والے کا شریک ہے اسی طرح وہ اشعار جن میں کسی خاص عورت کا وصف ہو کیونکہ عورت کا ذکر مردوں کے سامنے جائز نہیں جس سے اس کے بدن یا اعضا کا حال معلوم ہو لیکن کافروں اور بدعتیوں کی ہجو کرنی درست ہے چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کافروں سے خصومت کیا کرتے اور کفار کی ہجو بیان کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس لئے اجازت دے رکھی تھی لیکن اشعار تشبیب کے یعنی ذکر خط و خال اور رخسار و قد وغیرہ عورتوں کے اعضا۔ جو شروع قصائد میں معمول ہے تو اس میں تامل ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کا نظم کرنا اور پڑھنا خواہ آواز سے ہو یا بدون آواز کے حرام نہیں اور سننے والے کو چاہیئے کہ ان اوصاف کو کسی معین حسین عورت پر نہ ڈھالے اور اگر ڈھالے تو ایسی عورت پر ڈھالے جو اس کو حلال ہو مثلاً اپنی منکوحہ یا حرم پر اور اگر اجنبی عورت پر ڈھالے گا تو اس ڈھالنے اور اس باب میں فکر دوڑانے سے گنہگار ہوگا اور جس شخص کا حال یہ ہو کہ مضامین اشعار کو اجنبی عورت کو ڈھالتا ہو تو اس کو سرے سے راگ نہ سننا چاہیئے اس لئے کہ جس شخص پر عشق غالب ہوتا ہے وہ جو کچھ سنتا ہے اپنے معشوق پر ڈھال لیتا ہے خواہ لفظ مناسب ہو یا نہ ہو کیونکہ کوئی لفظ ایسا نہیں جس کو استعارہ کے طور پر بہت سے معانی پر نہ ڈھال سکیں مثلاً جس کے دل پر عشق الٰہی غالب ہوتا ہے وہ زلفوں کی سیاہی سے کفر کی تاریکی خیال کرتا ہے اور سفیدی اور تازگی رخسار سے نور ایمان اور وصال کے ذکر سے دیدار الٰہی اور فراق کے مضمون سے اس کی جانب سے مردودوں کے زمرہ میں محجوب ہونا اور رقیب وصال کے مخل سے دنیا کے عوائق و آفات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس دائمی میں خلل انداز ہیں سمجھ لیتا ہے اور ان الفاظ کو معانی مذکورہ پر ڈالنے میں اس کو کچھ تامل اور فکر اور مہلت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جو باتیں اس کے دل پر غالب ہیں وہ لفظوں کے ساتھ ہی جھٹ پٹ سمجھ میں آتی ہیں چنانچہ کسی بزرگ کا ذکر ہے کہ بازار میں گزرے اور کسی کو کہتے سنا کہ خیار پیسے کے دس ان کو اسی وقت وجد آگیا کسی نے جو حال پوچھا تو کہا کہ جب خیار پیسے کے دس ہیں تو اشرار کی کیا قیمت ہوگی یعنی خیار جو بمعنی کھیرا کے تھا اس کو فوراً جمع خیر بمعنی بہتر سمجھ لیا اور ایک اور شخص کا گذر بازار میں ہوا اور کسی کو کہتے سنا سعتری بری[1] تو

[1] جنگلی پودینہ ۱۲

ان کو وجد آگیا لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا وجد کس وجہ سے تھا کہا کہ میں نے سنا کہ گویا وہ یہ کہتا ہے اسع تر بری یعنی تو کوشش کر میرا سلوک دیکھے گا حتی کہ فارسی والوں پر کبھی وجد آجاتا ہے عرب کے اشعار سے اس لئے کہ عربی کے بعض کلمات فارسی کے ہم وزن ہوتے ہیں اس لئے ان سے اور معنی سمجھ لیتے ہیں مثلاً کسی نے یہ مصرع پڑھا ع ؎ و مازارنی فی الیل الاخیالہ + اس پر ایک فارسی نے وجد کیا اس سے لوگوں نے وجد کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ ما زاریم یعنی لفظ زار فارسی میں نحیف اور قریب مرگ کو کہتے ہیں اور ما نافیہ کو فارسی کی ضمیر جمع متکلم سمجھ کر یہ خیال کیا کہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ ہم سب آمادہ ہلاک ہیں اور اس وقت اس کے دل میں اندیشہ آخرت کی ہلاکی کا ہوا جو باعث وجد ہوا اور جو شخص آتش محبت میں جل رہا ہے اس کا وجد اس کی سمجھ کے موافق ہے اور اس کی سمجھ اسکے خیال کے موافق اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ اس کا تخیل شاعر کی مراد کے موافق پڑے یا شعر کی زبان سمجھے تو اس طرح کا وجد حق اور درست ہے اور جو کوئی آخرت کے ہلاک ہونے کا خطرہ معلوم کرے تو اس پر جو کچھ کیفیت نہ ہو جائے تو وہ تو تھوڑی ہے عقل کا مختل اور اعضاء کا مضطرب ہو جانا کیا بڑی بات ہے غرضکہ حقانی وجد والوں کے لئے الفاظ تشبیب کے بدلنے میں کچھ بڑا فائدہ نہیں وہ تو جونسا لفظ جس زبان کا سنیں گے اس سے اپنا ہی مطلب نکالیں گے چنانچہ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

چو شوریدگان مے پرستی کنند بر آواز دولاب مستی کنند

بلکہ جس شخص پر مخلوق کا عشق غالب ہو اسکو چاہیئے کہ کسی لفظ سے راگ نہ سنے اور اس سے محترز رہے چہارم یہ کہ سننے والے میں خرابی ہو یعنی شہوت غالب ہو اور عین بہار جوانی میں ہو اور یہ صفت اور صفات کی نسبت اس پر غالب ہو تو اس کو راگ سننا حرام ہے خواہ اس کے دل پر کسی معین شخص کی محبت غالب ہو یا نہیں کیونکہ وہ کسی حال میں ہوا کرے مگر جب وصف زلف و رخسار اور فراق اور وصال کا سنے گا تو اس کی شہوت جنبش کرے گی اور ان الفاظ کو کسی صورت معین پر ڈھالے گا جس کو شیطان اس کے دل پھونک دے گا اس صورت میں شہوت کی آگ بڑھک اٹھے گی اور شر سے اسباب تیز ہو جائیں گے اور اس کا شیطان کے لشکر کو مدد دینا اور عقل کو جو لشکر الہٰی ہے شیطان سے بچاتی ہے شکست دینا ہے اور دل کے اندر شیطان کے لشکر یعنی شہوات اور اللہ تعالیٰ کے لشکر یعنی نور عقل میں ہمیشہ لڑائی رہا کرتی ہے بجز اس دل کے جس میں ایک لشکر کی فتح ہو گئی اور دوسرا بالکل مغلوب ہو گیا ہو کہ اس میں جنگ موقوف ہو جاتی ہے اور اب تو اکثر دل ایسے

؎ نہ آیا شب کو میرے پاس جز خیال یار ۱۲

ہی ہیں جن کو لشکر شیطان نے جیت لیا ہے اور ان پر وہی غالب ہو رہا ہے تو اس صورت میں ضرور ہوا کہ از سر نو سامان جنگ مہیا کیا جائے تاکہ لشکر شیطان کا دل میں سے پاؤں اکھڑے نہ یہ کہ شیطان کے ہتھیار بہت کر دیئے جاویں اور اس کی تلواروں پر باڑھ رکھی جاوے اور بھالیں نکیلی کر دی جاویں اور اس قسم کے لوگوں کے حق میں راگ ایسا ہی ہے کہ شیطانی لشکر کے ہتھیار تیز کر دینا ہے تو ایسے آدمی سماع کی مجلس سے نکل جانا چاہیئے ورنہ اس کو سماع سے ضرر کثیر ہوگا۔ پنجم یہ کہ سننے والا عام لوگوں میں سے ہو اور اس پر نہ محبت خدائے تعالیٰ کی غالب ہے کہ سماع اس کو اچھا معلوم ہو اور نہ اس پر شہوت ہی غالب ہے کہ اس کے حق میں راگ ممنوع ہو تو ایسے شخص کے حق میں سماع ایسا ہوتا ہے جیسے اور لذتیں مباح ہیں لیکن اگر عامی شخص راگ کو اپنی عادت بنالے گا اور اپنے اکثر اوقات اسی میں صرف کرے گا تو بھی احمق ہے جس کی گواہی مقبول نہ ہوگی اس لئے کہ کھیل پر مواظبت کرنی گناہ ہے اور جس طرح کہ گناہ صغیرہ اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے اسی طرح مباح پر اصرار کرنے سے گناہ ہو جاتا ہے مثلاً زنگیوں اور حبشیوں کے پیچھے پڑا رہنا اور ان کے کھیل تماشے مدام دیکھنا ممنوع ہیں اگرچہ اصل ان کی ممنوع نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کیا ہے اور اسی قلیل سے شطرنج کھیلنا کہ یہ بھی مباح ہے لیکن ہمیشہ کھیلنا سخت مکروہ ہے اور جس صورتمیں کہ اس سے کھیل اور لذت مقصود مباح اس وجہ سے ہوتی ہے کہ دل کو آرام دینا ہوتا ہے اور بعض اوقات دل کو راحت پہنچانا ہی اسکا علاج ہوتا ہے تاکہ تھوڑا سا ستا کر باقی اوقات دنیا کے کاموں میں جد و جہد کرے مثل کاروبار تجارت کے یا دینی کاموں میں مشغول کرے مثل نماز و تلاوت کے اور بہت سی محنت میں تھوڑا سا کھیل ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے رخسار پر تل ہوتا ہے کہ ہر چند کالا ہوتا ہے مگر اچھا معلوم ہوتا ہے اور بالکل رخسار پر بہت سے تل ہو جائیں کہ تل رکھنے کی جگہ نہ رہے تو ظاہر ہے کہ رخسار نہایت بدصورت ہو جائے گا اور جو چیز حسن کی تھی وہی کثرت کے سبب قباحت کی ہو جائے گی تو یہ بات نہیں کہ جو چیز اچھی ہو وہ تو بہت کر بھی اچھا ہوا کرے یا جو چیز مباح ہے وہ کثیر بھی مباح ہی رہے بلکہ اکثر یہی ہے کہ کثرت کے باعث کراہیت اور حرمت کو پہنچ جاتی ہے مثلاً روٹی مباح ہے اور کثرت سے کھانا حرام ہے تو سماع بھی اور مباحوں کی طرح ہے کہ کبھی کا مضائقہ نہیں اور روزمرہ کا معمول ڈالنا مکروہ اور ممنوع ہے اب اگر یہ کہو کہ تمہاری تقریر سے پایا جاتا ہے کہ سماع بعض احوال میں مباح ہے اور بعض میں مباح نہیں تو تم نے اول اس کو مباح مطلق کیوں کہہ دیا تم تو خود قائل ہو کہ جس امر میں تفصیل ہو اس کے باب میں مطلق ہاں یا نہیں کہہ دینا خلاف اور غلط ہے پھر تم نے بدون تفصیل مطلق کیسے کہا

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اطلاق حکم اس تفصیل میں ممنوع ہے جو خود اس شے میں بدون لحاظ دوسری چیز کے پائی جاوے اور جو تفصیل کہ عوارض کے سبب سے پیدا ہو تو اس میں مطلق بیان کر دینا ممنوع نہیں دیکھو ہم سے اگر کوئی سوال کرے کہ شہد حلال ہے یا نہیں تو ہم مطلق یہ کہیں گے کہ حلال ہے باوجودیکہ وہ ایسے گرم مزاج والے پر حرام ہے جس کو اس سے ضرر ہوتا ہے اور اگر کوئی ہم سے شراب کا حال پوچھے تو ہم یہی کہیں گے کہ حرام ہے حالانکہ وہ اس شخص کے حق میں حلال ہے جس کے گلے میں لقمہ اٹک جائے اور دوسری چیز اس کے نیچے اتارنے کی نہ پائے لیکن اس لحاظ سے وہ شراب ہے بلا شبہ حرام ہے صرف حاجت کی وجہ سے حلال ہو گئی اور شہد اس اعتبار سے کہ شہد ہے حلال ہے حرام صرف ضرر کے عارض ہونے سے ہو جاتا ہے اور جو بات کہ عارض کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں جیسے بیع حلال ہے لیکن اگر جمعہ کی اذان کے وقت کرے تو حرام ہے اسی طرح اور عوارض سے حرمت ہو سکتی ہے مگر ان پر التفات نہیں کیا جاتا ہے پس سماع کو بھی ایسا ہی جاننا چاہیئے کہ اگر بدون لحاظ عوارض کے دیکھو تو اس نظر سے کہ وہ سننا عمدہ آواز مفہوم المعنی اور موزوں کا مباح ہونا اور اس کی حرمت صرف کسی امر خارجی سے ہو جاتی ہے جو اس کی حقیقت ذاتی میں داخل نہیں ہوتی پس جب کہ دلیل اباحت کا حال خوب واضح ہو گیا تو اب ہم کو اس شخص کی پرواہ نہیں جو بعد دلیل ظاہر ہونے کے اس کے خلاف کہے اور امام شافعیؒ کا تو مذہب ہی نہیں کہ راگ کو حرام کہیں اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ جو کوئی اس کو اپنا پیشہ مقرر کرلے اس کی گواہی درست نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس قسم کا مکروہ ہے جو باطل کا مشابہ ہے اور جو ایسے امر کو اپنا پیشہ بنائے تو سفاہت اور بے مروتی کی طرف منسوب ہو گا گو سماع حرام ظاہر حرمت والا نہیں اور اگر اپنے آپ کو راگ والا نہ کہلائے گا اور نہ اس وجہ سے کوئی اس کے پاس آوے اور نہ خود اس کی خاطر دوسرے کے یہاں جائے بلکہ یوں مشہور ہو کہ کبھی کبھی گا کر دل خوش کر لیتا ہے تو یہ امر مروت کو ساقط نہیں کرتا اور نہ گواہی باطل ہو اور استدلال امام شافعی کا وہی حدیث دونوں لڑکیوں کی ہے جو اوپر گزری اور یونس بن عبد الاعلی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے پوچھا کہ اہل مدینہ راگ کو مباح کہتے ہیں اسکا حال فرمایئے آپ نے فرمایا کہ علماء حجاز میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے راگ کو مکروہ کہا بجز اس راگ کے جو اوصاف کے باب میں ہو اور حدی اور منزلوں اور ان کے آثار کا گانا شعروں کے نغمات کی طرح اس کے مباح ہونے میں کچھ تردد نہیں اور یہ جو فرمایا کہ راگ وہ کھیل ہے جو باطل کے مشابہ ہے تو کھیل فرمایا درست ہے مگر کھیل اس نظر سے کہ کھیل ہے حرام نہیں چنانچہ حبشیوں کا کھیلنا اور ناچنا بھی ایک کھیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھا اور برا نہیں جانا بلکہ کھیل کے اگر یہ معنی لو کہ ایسا کام

کرنا جس میں کچھ فائدہ نہیں تو اس پر خدا تعالیٰ بھی مواخذہ نہ فرمائے گا مثلاً کوئی آدمی اپنا وظیفہ کرے کہ تمام دن سو بار اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا کرے تو یہ حرکت بے فائدہ ہے مگر اس پر مواخذہ نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم تو جب خدا کا نام بطور قسم لینے کے بدون اس شے پر عزم کرنے کے مواخذہ نہیں تو شعر اور ناچ پر کیسے مواخذہ ہوگا۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ باطل کے مشابہ ہے اس سے بھی حرمت نہیں سمجھی جاتی بلکہ باطل ہی فرما دیتے تو حرمت نہ پائی جاتی اس لئے کہ باطل اس کو کہتے ہیں جس میں فائدہ نہ ہو تو فقط اتنا ثابت ہوگا کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بی بی کو کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے ہاتھ بیچ دیا اور وہ جواب دے کہ میں نے خرید لیا تو یہ معاملہ باطل ہے بشرطیکہ مقصود دل لگی اور چہل ہو حالانکہ ایسا کرنا حرام نہیں ہاں اگر اس معاملہ سے اس کی حقیقی معنی مراد لے گا اور اپنے آپ کو مملوک ٹھہرائے گا تو حرام ہوگا کہ شرع نے اس کو منع فرمایا ہے اور یہ جو فرمایا ہے مکروہ ہے تو اس کی کراہت نہیں چند جگہوں میں ہے جن کو ہم نے مذکور کیا ہے یا کراہت تنزیہی مراد ہے جیسے آپ نے شطرنج کھیلنے کی تصریح کی ہے اور یہ بھی ذکر کیا کہ میں ہر ایک کھیل مکروہ جانتا ہوں اور آپ کا علت بیان کرنا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ کراہت تنزیہی ہو یعنی آپ نے وجہ کراہت یہ فرمائی ہے کہ یہ امر دینداروں اور اہل مروت کی عادت نہیں اور راگ پر مواظبت کرنے سے جو آپنے گواہی منظور کرنے کو ارشاد فرمایا ہے تو اس سے بھی حرمت نہیں پائی جاتی کیونکہ شہادت تو بازار میں کھانے سے بھی نہیں مقبول ہوتی ہے حالانکہ اس سے مروت قطع ———— نہیں بلکہ نور بانی ایک امر مباح ہے مگر اہل مروت کا پیشہ نہیں اسی طرح شہادت کبھی خسیس پیشہ کرنے سے بھی منظور ہوتی ہے غرضکہ بیان علت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپنے کراہت سے کراہت تنزیہی ———— مراد لی اور گمان غالب یہ ہے کہ اور اماموں نے بھی مکروہ تنزیہی ہی مراد لیا ہو اور اگر حرمت مراد لی ہو تو ہم نے لکھا ہے یہی ان کا جواب ہے۔

حرمت کے قائلین کے دلائل اور جواب

اول حجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن الناس من یشتری لہو الحدیث[2] حضرت ابن مسعود اور حسن بصری اور نخعی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ لہو الحدیث راگ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا گانے والی لونڈی کو اس کی فروخت کو اور اس کے دام کو اور اسکی تعلیم کو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں گانے والی لونڈی سے وہ لونڈی مقصود ہے جو شراب کی مجلس میں مردوں کے

[1] نہیں پکڑتا اللہ ناکارہ قسموں پر تمہاری ۱۲ [2] اور ایک لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے [3] طبرانی در اوسط بسند ضعیف ۱۲ اور بیہقی نے کہا کہ غیر محفوظ ہے ۱۲

سامنے گاوے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اجنبی عورت کا گانا فاسقوں کے اور ایسے لوگوں کے سامنے جن سے فتنہ کا خوف ہو حرام ہے اور عرب والے گانے والی لونڈی سے ممنوع گانا گواتے تھے اور اگر صرف مالک اپنے سامنے گوانے کو لیتا تو اس حدیث سے اس کی حرمت نہیں سمجھی جاتی بلکہ غیر مالک کو بھی اس کا راگ سننا درست ہے بشرطیکہ فتنہ نہ ہو اور اس کی دلیل وہی حدیث دونوں لڑکیوں کی ہے جو حضرت عائشہؓ کے مکان میں گاتی تھیں اور آیت میں جو لہو الحدیث کا خریدنا مذکور ہے اس کے آگے یہ بھی ہے کہ اس جہت سے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کرے تو وہ واقع میں حرام اور بُرا ہے اور اس میں گفتگو بھی نہیں مگر ہر ایک غنا ایسا نہیں کہ دین کے عوض خریدا جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کرنے کے لئے اور مقصود آیت شریف میں حرمت ایسے ہی راگ کی ہے بلکہ راگ پر کیا موقوف اگر بالفرض قرآن کو اس نیت سے پڑھے کہ لوگ گمراہ ہوں تو اس کا پڑھنا بھی حرام ہوگا چنانچہ کسی منافق کا ذکر ہے کہ وہ لوگوں کی امامت کیا کرتا اور سورہ عبس کے سوا دوسرا نہ پڑھتا اس لحاظ سے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عتاب ہے حضرت عمرؓ نے اس کے اس فعل کو حرام جانا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا اس نظر سے کہ اس کا منشاء گمراہ کرنے کو تھا تو اگر شعر اور راگ سے غرض گمراہ کرنا ہو تو بطریق اولیٰ حرام ہے دوم حجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؎ افمن ھذا الحدیث تعجبون و تضحکون ولا تبکون وانتم سامدون حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زبان حمیر میں سمود راگ کو کہتے ہیں جس سے سامدون نکلا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیت میں مذکور ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو چاہئے کہ ہنسنا اور نہ رونا بھی حرام ہو کہ یہ دونوں بھی آیت میں مذکور ہیں اور اگر یہ کہو کہ ہنسی سے ہنسی مخصوص مراد ہے یعنی مسلمانوں پر بوجہ مسلمان ہونے کے ہنسنا تو ہم بھی کہتے ہیں کہ راگ سے اشعار اور راگ مخصوص مراد ہے جو مسلمانوں کے تمسخر کے باب میں ہو جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ؎ والشعراء یتبعھم الغاوون والشعراء کہ اس میں شعراء کفار سے غرض ہے یہ نہیں پایا جاتا کہ شعر کا نظم کرنا فی نفسہ حرام ہے سوم حجت یہ ہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے شیطان نے نوحہ کیا اور اس نے ہی اول راگ گایا اس حدیث میں راگ اور نوحہ کو اکٹھا کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں آخر نوحہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نوحہ اور گناہ گاروں کا نوحہ اپنی خطاؤں پر مستثنیٰ ہے اسی طرح راگ میں سے وہ راگ مستثنیٰ ہوگا جس سے سرور اور حزن اور شوق کی تحریک مباح چیزوں کی طرف مراد ہو جیسے عید کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ا؎ کیا تم اس بات سے اچنبھا کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور کھلاڑیاں کرتے ہو ۱۲۔ ؎ اور شاعروں کی راہ پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں ۱۲۔ ؎۳ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی لیکن صاحب فردوس نے اس کو نقل کیا ہے مگر اس کے لڑکے نے سند میں اس کی تصریح نہیں کی ۱۲۔ ابن ابی الدنیا در ذم و طبرانی اور کبیر حدیث ضعیف ہے۔

کے گھر میں دونوں لڑکیوں کا گانا اور جس روز آپ مدینہ مطہرہ میں رونق افروز ہوئے عورتوں کا اس مضمون کا گانا مستثنیٰ ہے ؎

بدر طالع گشت بر ما از ثنیات وداع — شکر واجب ہست بر ما تا داعی دعا کند

چہارم حجت یہ ہے کہ حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[1] نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی آواز راگ میں بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو شیطان اس کے مونڈھوں پر بھیج دیتا ہے کہ دونوں اپنی ایڑیاں اس کے سینہ پر مارتے ہیں جب تک کہ چپکا ہو تو اس کا جواب ہے کہ یہ حدیث راگ کے بعض قسم پر محمول ہے یعنی جس راگ سے شیطان کی مراد کو حرکت ہو یعنی شہوت اور مخلوق کا عشق ابھرے لیکن جس راگ سے شوق الی اللہ یا عید کی خوشی یا لڑکا ہونے کی مسرت یا کسی غائب کے آنے کی فرحت پائی جائے تو یہ سب امور شیطان کی مراد کے مخالف ہیں اور ان کی دلیل قصہ ان دو لڑکیوں اور حبشیوں کا اور وہ اخبار ہیں جو ہم صحاح سے نقل کر چکے ہیں اس لئے کہ جائز ہونا ایک جگہ میں اباحت کی تصریح کر دیتا ہے اور منع ہزار جگہ میں بھی تاویل کا محتمل ہے اور تنزیہ کا بھی احتمال رکھتا ہے مگر فعل میں کچھ تاویل نہیں ہے اس لئے کہ جس کا حرام ہے وہ صرف زبردستی کے عارض ہونے سے حلال ہوتا ہے اور جس کا کرنا مباح ہے وہ بہت سے عوارض سے حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ نیتوں اور قصدوں کی جہت سے بھی، پنجم حجت یہ ہے کہ عقبہ بن عامرؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[2] کہ جتنی چیزیں کہ ان سے کھیلتا ہے باطل ہیں مگر اپنے گھوڑے کو پھیرنا اور تیر پھینکنا اور اپنی بی بی سے چہل کرنی تو اس کا جواب یہ ہے کہ باطل فرمانے سے حرمت نہیں پائی جاتی بلکہ بے فائدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو حبشیوں کی طرف دیکھنے کا کھیل ان تینوں میں داخل رہے گا اور حرام نہ ہو گا اور محصور میں غیر محصور کو قیاس کی وجہ سے ملا لیا جائے گا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد[3] لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلث کہ اس میں چوتھا پانچواں ملا لیا جاتا ہے تو ایسی ہی بی بی سے چہل کرنا ہے کہ اس سے بجز لذت کے اور کچھ فائدہ نہیں علاوہ ازیں باغوں کی سیر اور پرندوں کی آوازوں کا سننا اور دوسرے ہنسی ٹھٹھے جن سے آدمی کھیلتا ہے ان میں سے کوئی حرام نہیں اگرچہ ان کو باطل کہہ سکتے ہیں ششم یہ حجت ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی ہے نہ کبھی گیت گایا نہ جھوٹ بولا نہ اپنے داہنے ہاتھ سے آلہ تناسل کو چھوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ قول دلیل

---

[1] ابن ابی الدنیا در ذم و طبرانی در کبیر حدیث ضعیف ہے ۱۲ [2] اصحاب سنن اربعہ نے اسکو نقل کیا ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے ۱۲ [3] نہیں ہے حلال خون مرد مسلمان کا مگر تین باتوں میں سے ایک کے سبب یعنی قصاص یا رجم یا ارتداد سے بخاری و مسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲

حرمت ہے تو چاہیئے داہنے ہاتھ سے آلہ تناسل کا چھونا بھی حرام ہوا ہو۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان جس چیز کو ترک کرتے تھے وہ حرام ہی ہوتی تھی **ہفتم** یہ حجت ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہے کہ راگ دل میں نفاق اگاتا ہے اور بعضوں نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ جیسے پانی ترکاری کو اگاتا ہے اور بعض لوگوں نے اس قول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع[1] کیا حالانکہ صحیح نہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے احرام باندھے ہوئے گذرے اور ان میں ایک شخص راگ گاتا تھا آپ نے فرمایا دو بار کہ خدائے تعالیٰ تمہاری دعا نہ سنے اور نافعؒ سے مروی ہے کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ ایک راستہ میں تھا آپ نے ایک چرواہے کی بانسری سنی اور دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں دے لیں اور اس راہ سے دوسری طرف ہوئے اور مجھ سے پوچھتے جاتے تھے کہ نافعؒ وہ آواز تو سنتا ہے کہ نہیں یہاں تک کہ جب میں نے کہا اب آواز نہیں آتی تو آپ نے انگلیاں کانوں میں سے نکال لیں اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے ایسا ہی کیا تھا[2] اور فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ راگ زنا کا منتر ہے اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ راگ بدکاری کا ایلچی ہے اور یزید بن ولیدؓ نے فرمایا کہ راگ سے کنارہ کرو کہ وہ شہوت بڑھاتا ہے اور مروت کو ڈھاتا ہے اور شراب کا قائم مقام ہے اور نشہ کا سا اثر کرتا ہے اگر تم خواہ مخواہ سنو ہی تو راگ عورتوں کا مت سنو کہ وہ زنا کا مقتضی ہے تو ان سب اقوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کا قول کہ وہ نفاق اگاتا ہے اس سے یہ غرض ہے کہ گانے والے کے حق میں یہ تاثیر کرتا ہے کیونکہ اس کی غرض یہی ہے کہ اپنے آپ کو دوسرے پر پیش کرے اور اپنی آواز اس کو سناوے اور لوگوں سے میل اس لئے کرتا ہے کہ راگ پر راغب ہوں اور ریجھیں اور یہ نفاق کی بات ہے مگر اس سے حرمت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ نفاق اور ریا عمدہ پوشاک پہننے اور خوب جمتے گھوڑے پر سوار ہونے اور اقسام آرائش اور کھیتی اور انعام وغیرہ سے باہم فخر کرنے سے بھی دل میں پیدا ہوتا ہے مگر ان کل اشیاء کو مطلق حرام نہیں کہا جاتا اور دل میں اگنے کی وجہ سے صرف گناہ ہی نہیں ہوتے بلکہ جو مباحات کہ مخلوق کے دیکھنے کے محل ہوتے ہیں وہ بھی باعث ظہور نفاق ہو جاتے ہیں اور بڑا اثر کرتے ہیں اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے نیچے جب گھوڑا جم کر اور بن سنور کر آہستہ چلا تو آپ اتر پڑے اور اس کی دم کاٹ ڈالی کیونکہ اس کی خوش رفتاری سے اپنے دل میں تکبر معلوم فرمایا تو یہ نفاق مباح سے ہوتا ہے مخصوص بہ حرام نہیں کہ قول ابن مسعودؓ سے راگ کو حرام ہی کہا جائے اور حضرت ابن عمر کا فرمانا کہ خدا تمہاری دعا قبول نہ کرے اس سے بھی حرمت معلوم نہیں ہوتی بلکہ چونکہ وہ لوگ احرام باندھتے تھے

---

[1] بیہقی نے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے اور اس سند میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا ہے [2] اس کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور منکر کہا ہے۔

اور ان کو عورتوں کا ذکر مناسب نہ تھا اور ان کے آثار سے آپ کو ظاہر ہو گیا کہ راگ وجد کے لئے اور زیارت بیت اللہ کے شوق کے واسطے نہیں بلکہ صرف کھیل کے لئے ہے اسی جہت سے ان پر انکار کیا کہ بلحاظ ان کے حال اور احرام کے برا تھا اور ظاہر ہے کہ جتنی حالتیں زیادہ ہوتی ہیں اتنی ہی احتمال کی صورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور آپ کے کانوں میں انگلیاں دینے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس قصہ میں اس کا جواب موجود ہے کہ آپ نے نافع کو ارشاد نہ فرمایا کہ تو بھی کان بند کر لے اور مت سن اور اپنے آپ جو یہ فعل کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دل کو سردست ایسی آواز سننے سے پاک رکھا کہ عجب نہیں کہ ایسے امر کی محرک ہو جس فکر میں آپ تھے اس سے مانع ہو یا جو ذکر کہ راگ کی نسبت کر اولیٰ تھا اس سے باز رکھے اور اسی طرح آنحضرت صلعم کا فعل ہے کہ آپ نے بھی حضرت ابن عمرؓ کو منع نہ فرمایا تو آپ کے اس فعل سے بھی حرمت نہیں پائی جاتی بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ترک کرنا اولےٰ ہے اور ہمارے نزدیک اس کا ترک اکثر حالات میں بہتر ہے بلکہ دنیا کے اکثر مباح اشیاء کا ترک بہتر ہے بشرطیکہ گمان غالب ہو کہ ان کا اثر دل میں ہو گا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ابی جہم کا بھیجا ہوا کپڑا اتار ڈالا تھا کہ اس میں نقش و نگار تھے جس سے آپ کا دل مشغول ہوا اب کیا تم اس سے یہ سمجھتے ہو کہ کپڑے پر نقش حرام ہیں تو شاید آنحضرت صلعم بھی ایسی حالت میں ہوں گے کہ چرواہے کی بانسری کی آواز آپ کو اس حالت سے روکتی ہو گی جیسے نقش نے نماز میں حضور کامل سے روکا بلکہ جن لوگوں کو ہمیشہ حق کی حضوری حاصل ہے ان کو راگ کے حیلہ سے اپنے دلوں میں سے احوال شریفہ کا پیدا کرنا قصور ہے اگرچہ یہ تدبیر غیروں کے لئے کمال ہے اور اسی وجہ سے حصیریؒ نے کہا کہ میں اس راگ کو کیا کروں کہ کھانے والا مر جائے تو موقوف ہو جائے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سننا ہمیشہ کو باقی ہے تو چونکہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سننے اور دیکھنے کی لذت میں رہتے ہیں ان کو حاجت کسی حیلہ سے تحریک کی نہیں اور قول فضیلؒ کا کہ راگ زنا کا منتر ہے اور اسی طرح اور اقوال جن کا مضمون اسی کے قریب ہے تو وہ فاسقوں اور جوان شہوت پرستوں کے راگ کا حال ہے اور اگر سب راگوں کا یہی حال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانہ اقدس میں ان دو لڑکیوں کا راگ کیوں سنا جاتا یہ ذکر کتاب و سنت کی دلیلوں کا ہوا اور دلیل قیاسی کی غایت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ جیسے تار کے باجے حرام ہیں ویسے ہی راگ بھی حرام ہے تو راگ میں اور تار کے باجوں میں فرق پہلے مذکور ہو چکا ہے ان پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں یا یوں کہا جائے کہ راگ کھیل کود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں ایسا ہی ہے مگر دنیا سب کھیل کود ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی منکوحہ کو فرمایا تھا کہ تو ایک کھلونا ہے گھر کے کونے میں اور عورتوں کے ساتھ ہر طرح کی چہل کھیل ہی ہے بجز قربت کے کہ لڑکا ہونے

کا سبب ہے اسی طرح ہنسی جس میں فحش نہ ہو حلال ہے اس طرح کہ ہنسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے چنانچہ باب آفات اللسان جلد سوم میں انشاء اللہ مذکور ہو گی اور حبشیوں اور زنگیوں کے کھیل سے بڑھ کر کون سا کھیل ہے اس کی اباحت نص سے ثابت ہو گی علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ کھیل دل کو راحت پہنچاتا ہے اور فکر کا بوجھ اس پر سے ہلکا کرتا ہے اگر دلوں سے زبردستی کام لیا جائے تب بھی کام دیں گے ان کو راحت دینے سے اس بات کی اعانت ہے کہ اچھی طرح محنت کے ساتھ دیویں مثلاً جو شخص فقہ پڑھتا ہو اس کو چاہیئے کہ جمعہ کے روز تعطیل کرے اس لئے کہ ایک روز کی تعطیل اور ایام باعث کے لئے نشاط ہوتی ہے اور دل تھکتا نہیں اسی طرح جو شخص نوافل پر سب وقتوں میں مواظبت کرے چاہیئے کہ بعض اوقات میں سستا یوے اور نہیں لحاظ کچھ وقت شریعت نے ایسے مقرر کر دیئے کہ ان میں نماز مکروہ ہوتی ہے حاصل یہ کہ تعطیل سے عمل پر اعانت ہوتی ہے اور کھیل محنت اور جد جہد پر اعانت کرتا ہے اور محض جد و جہد اور تلخی امر حق پر بجز انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کے دوسرا صبر نہیں کر سکتا تو چونکہ کھیل دل کے لئے تھکن اور ماندگی کا علاج ہے اس لئے اس کا مباح ہونا چاہیئے مگر اس کی کثرت نہ کرنی چاہیئے جیسے دوا کثرت سے نہیں پیتے ہیں تو اس نیت سے کھیل ثواب ہو جائے گا اور یہ اس کے حق میں ہے کہ راگ اس کے دل سے کوئی صفت محمودہ پیدا نہ کرے جس کی تحریک منظور ہو بلکہ بجز لذت اور صرف استراحت کے اور کچھ فائدہ نہ ہو تو اس کے لئے راگ مستحب ہونا چاہیئے تاکہ اس کے ذریعہ سے منزل مقصود کو پہنچے ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ امر رتبہ کمال سے ناقص ہونے پر دلالت کرتا ہے بلکہ کامل وہ ہے جو اپنے نفس کے راحت دینے میں سوائے حق کے دوسری چیز کا محتاج نہ ہو مگر چونکہ نیک بندوں کی نیکیاں مقربوں کے حق میں برائیاں ہیں تو گو راگ مقربوں کے لحاظ سے برا ہو مگر ابرار کے لئے کار آمد ہے اور جو شخص کہ دلوں کے علاج کے علم پر محیط ہو اور لطائف الحیل سے حق کی طرف ان کا لے جانا جانتا ہے وہ یقیناً جان لے گا کہ ان جیسی باتوں سے دلوں کو راحت دینا ایسی دوا نافع ہے کہ بدون اس کے کوئی چارہ نہیں۔

دوسری فصل: سماع کے آثار و آداب

واضح ہو کہ اول درجہ سماع کا یہ ہے کہ جو سنا جائے وہ سمجھ میں آئے اور جو بات کہ سننے والے کے ذہن میں آئے اس پر ٹھیک کے پھر سمجھنے کے بعد وجد ہوتا ہے اور وجد اعضاء پر حرکت پیدا کرتا ہے تو اس نظر سے ان تینوں باتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان

ا ح: یہ حدیث باب صلوٰۃ میں گذری ۱۲

کیا جاتا ہے تین مقاموں میں۔

سماع کا سمجھنا

جو سننے والے کے حالات کے اختلاف کے موافق مختلف ہوتا ہے اور سننے والے کی چار حالتیں ہیں حالت اول تو یہ ہے کہ سننا صرف طبعی ہو یعنی بجز نغمات اور الحان کی لذت کے اور کچھ سماع کی کیفیت نہ جانے اور یہ سننا مباح ہے مگر سماع کے مراتب میں سب سے کمتر ہے کیونکہ اس امر میں تو اس کے شریک اونٹ اور بہائم بھی ہیں بلکہ اس ذوق کے لئے تو صرف زندگی چاہیئے کہ ہر ایک حیوان کو آواز خوش سے ایک طرح کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ سمجھ کے ساتھ سُنے مگر مضمون کو کسی مخلوق معین یا غیر معین پر ڈھالتا جائے اور یہ سننا جوانوں اور شہوت والوں کا ہے کہ جو کچھ سنتے ہیں اسکو موافق اپنی شہوتوں اور مقتضائے احوال کے ڈھال لیتے ہیں اور یہ حالت بھی ایسی نہیں کہ اس کا کچھ ذکر کیا جائے بلکہ اسکی برائی اور اس سے ممانعت پر ہی بس کرنا کافی ہے تیسری حالت یہ ہے کہ جو کچھ سنے اس کو اپنے حال کا ڈھالے یعنی خدائے تعالیٰ کے معاملہ میں جو اسکے حالات بدلتے ہیں کبھی تمکن ہوتا ہے اور کبھی تعذر تو انہیں پر ڈھالتا جاوے یہ سماع مریدوں کا خصوص مبتدیوں کا ہوتا ہے کیونکہ مرید کا کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہوگا اور اس کا مقصود خدا تعالیٰ کی معرفت اور اسکا دیدار اور مشاہدہ باطنی کے طریق سے اس تک پہنچنا اور حقیقت واضح ہوتی ہے اور اس مقصد کا ایک راستہ ہے جس پر وہ چلتا ہے اور کچھ معاملے ہیں جن پر مواظبت کرتا ہے اور کچھ حالات ہیں جو اس کو پیش آتے ہیں تو جب عتاب یا خطاب کا ذکر سنتا ہے یا قبول خواہ رد کا یا وصل و ہجر کا یا قرب و بعد کا یا افسوس فوت شدہ چیز کا یا اشتیاق متوقع کا یا شوق کسی آنے والے کا یا طمع کا یا خوف کا یا گھبرانے کا یا دل لگنے کا یا ایفائے وعدہ یا عہد شکنی کا یا خوف فراق خواہ سرور وصال کا یا حبیب کے دیکھنے کا یا رقیب کے برطرف ہونے کا یا اشک افشانی یا متواتر سرگردانی کا یا طول فراق خواہ وعدۂ وصال کا اور کسی بات کا ذکر سنتا ہے جس کا بیان اشعار میں ہوتا ہے تو ضرور ہے کہ بعض ان حالات میں کے مرید کے مطابق حال ہوں تو ان کا سننا ایسا ہوتا ہے جیسا چقماق سے آگ کا پیدا کرنا کہ فوراً دل کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ اور شوق کا ابھار اور غلبہ زور پکڑ جاتا ہے اور اس کے سبب سے حالات اس کی عادت کے مخالف اس پر ہجوم کرتے ہیں اور الفاظ کو اپنے احوال پر ڈھالنے کی اس کو بڑی گنجایش ہے یہ ضرور نہیں کہ وہ اشعار سے وہی معنی سمجھے جو شاعر کی مراد ہو بلکہ ہر کلام کئی صورتوں پر محمول ہو سکتا ہے اور ہر ذی فہم اس سے اپنی سمجھ کے موافق معانی نکال سکتا ہے اب ہم کچھ مثالیں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے الفاظ کو اپنے مقصود پر کیسے ڈھال لیا تاکہ کوئی جاہل یہ نہ گمان کرے کہ جن شعروں میں ذکر غم اور رخسار اور زلف کا ہوگا ان سے تو ظاہری ہی معنی سمجھ میں آئیں گے اور بات کوئی کیا سمجھے گا اور ہم کو اس کی حاجت نہیں کی کہ اشعار سے سمجھنے کی کیفیت کو بھی بیان کریں اسلیئے کہ یہ امر سماع والوں کی حکایات سے معلوم ہو جاتا ہے عیاں را چہ بیان چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی صوفی نے ایک شخص کو کہتے سنا ؎

مجھ سے کہا رسول نے کل کو ملو گے تم　　　　میں نے کہا کہ کہتا ہے کیا کچھ خبر بھی ہے۔

اس آواز سے اسکو اشتعالک ہوئی اور وجد میں آ کر مصرعۂ اول مکرر پڑھنے لگا اور صیغہ مخاطب کی جگہ متکلم کہنے لگا یہاں تک کہ شدت سرور اور لذت سے بے ہوش ہو گیا جب ہوش میں آیا تب اس سے وجد کا سبب دریافت کیا گیا کہا کہ مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آیا کہ جنت والے اپنے پروردگار کی زیارت ہر ہفتہ میں ایک بار کریں گے اور رقی نے ابن دراج سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں اور ابن فوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ پر جاتے تھے کہ اتنے میں ایک محل خوبصورت نظر آیا اس کے برآمدہ میں ایک شخص بیٹھا ہوا اور اسکے سامنے لونڈی یہ گا رہی تھی ؎

ہے تغیر ترے احوال میں ہر روز نیا　　　　تجھ کو تو اس کے سوا اور بھی کچھ ہے زیبا

اتفاقاً ایک جوان رعنا ڈول ہاتھ میں گدڑی پہنے برآمدہ کے نیچے نکلتا تھا کہ یہ آواز اس کے کان میں پڑی اس لونڈی سے کہا کہ تجھے قسم ہے خدا کی اور اپنے مولیٰ کی حیات کی اس کو دوبارہ کہہ دے اس نے وہی شعر دوبارا پڑھا کہا کہ بخدا حق کے ساتھ میرے حال کا تلون یہی ہے پھر ایک نعرہ جانسوز مار کر مر گیا راوی کہتا ہے کہ ہم نے کہا کہ اب تو ایک امر فرض ہم پر پیش ہو گیا یہاں ٹھہرنا چاہیئے اس کی تجہیز و تکفین کے لئے ہم ٹھہر گئے صاحب مکان نے اس لونڈی سے کہا کہ تو لوجہ اللہ آزاد ہے پھر بصرہ والے نکلے اور اس جوان پر نماز پڑھی اور جب دفن سے فارغ ہو چکے تو صاحب مکان نے ان سے کہا کہ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ جتنی چیزیں میری ہیں مع اس محل کے سب وقف ہیں اور میری سب لونڈیاں آزاد ہیں پھر اس نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور ایک تہہ بند باندھ کر دوسرا بدن پر ڈال لیا اور جدھر کو منہ ہوا چل دیا لوگ دیکھتے رہ گئے یہاں تک کہ ان کی نظر سے غائب ہو گیا سب اس کے فراق سے روتے تھے پھر اس کا حال کچھ نہ سنا گیا کہ کہاں گیا اور کیا ہوا اور مقصود یہ ہے کہ وہ جوان ہر وقت اپنے حال میں حق کے ساتھ مستغرق تھا اور معاملہ کے اندر حسن و ادب پر ثابت رہنے سے اپنے آپ کو عاجز جانتا تھا اور اپنے دل کے استقلال اور طریق حق سے مائل ہونے پر متاسف تھا تو جب اس کے کان میں وہی بات پڑی جو اس کے موافق تھی تو اس کو یوں خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو یوں خطاب ہے کہ تو ہر روز نئے رنگ بدلتا ہے اگر ایسا نہ کرے تو تیرے حق میں اچھا ہو اور جس شخص کا سماع من اللہ اور علی اللہ اور فی اللہ ہو اس کو چاہیئے کہ معرفت الٰہی اور اس کی صفات کی معرفت کا علم خوب منضبط کرے ورنہ سماع سے اس کے حق میں خطرہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسی بات تصور کرے جو اس کے حق میں محال ہو اور اس سے کافر ہو جائے تو جو مرید مبتدی ہو اس کو سماع میں خطرہ ہے ہاں اگر جو کچھ سنے اس کو اپنے حال پر ڈھالے اس طرح کہ خدا تعالیٰ کے وصف سے متعلق نہ ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ دقت ہے مثلاً شعر مذکور میں خطا اس طرح ہو سکتی ہے کہ اپنے آپ کو متکلم سمجھے اور خدا تعالیٰ

کو مخاطب اور اس کی طرف تلون کو نسبت کرے تو کافر ہو جائے گا اور ایسی غلطی کبھی تو محض جہالت سے ہوتی ہے جس میں کچھ تحقیق کی آمیزش نہیں ہوتی اور کبھی ایسی جہالت سے ہوتی ہے کہ اس میں گو نہ تحقیق بھی ہوتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اپنے حالات کا بدلنا بلکہ تمام عالم کا متغیر ہونا خدائے تعالیٰ کی طرف سے جانے تو اتنی بات حق ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کبھی آدمی کا دل کشادہ کرتا ہے اور کبھی تنگ اور گاہے نورانی فرماتا ہے اور گاہے ظلماتی اور کبھی اس کو سخت کرتا ہے اور کبھی نرم اور گاہے اس کو اپنی اطاعت پر ثابت اور مستحکم کر دیتا ہے اور کبھی اس پر شیطان کو مسلط کرتا ہے کہ اس کو طریق حق سے پھیر دے اور یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جس شخص سے کہ اوقات قریبہ میں مختلف احوال سرزد ہوا کرتے ہیں اس کو عادت اور عرف میں غیر مستقل اور متلون بولا کرتے ہیں اور غالباً شاعر نے اپنے محبوب ہی کو تلون کی طرف نسبت کیا ہے اس نظر سے کہ کبھی قبول کرتا ہے اور کبھی مردود اور گاہے نزدیک کرتا ہے اور گاہے دور مگر سماع سے اس امر کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا کفر محض ہے بلکہ اللہ جل شانہٗ کے ساتھ یہ عقیدہ چاہئیے کہ وہ دوسرے کو بدلتا ہے اور خود متلون نہیں ہوتا اس کی طرف سے تغیر ہے بخلاف بندوں کے کہ وہ متغیر ہوتے ہیں اور یہ علم مرید کو تو اعتقاد تقلیدی اور ایمانی سے حاصل ہوا کرتا ہے اور عارف کو یقین کشفی حقیقی سے اور یہ وصف خداوند حقیقی کا کہ دوسرے کو بدل دینا اور خود نہ بدلنا اوصاف عجیب میں سے ہے اور اس کے سوا دوسرے میں ہو نہیں سکتا کیونکہ جتنے بدل دینے والے اس کے سوا ہیں وہ اسی وقت دوسرے کو بدلتے ہیں کہ خود بھی بدل جاویں اور بعض ارباب وجد وہ ہیں جن پر ایسا حال غالب ہوتا ہے جیسا نشہ بے ہوش کر دیتا ہے ایسے حال میں ان کی زبان اللہ تعالیٰ کے ساتھ عتاب پر کھل جاتی ہے اور اس بات کو بعید جانتے ہیں کہ دل کو اس نے اپنا مطیع کر رکھا ہے اور ان کے حالت کو مختلف طور پر تقسیم کیا ہے کہ صدیقین کے دل کو صفائی اور حضوری عنایت کی اور منکروں اور مغروروں کے دل کو دوری اور مہجوری تو اس کی دی ہوئی چیز کا نہ کوئی روکنے والا اور نہ اس کی روکی چیز کا کوئی دینے والا کفار سے جو توفیق منقطع کر دی تو کسی پہلے قصور کی جہت سے نہیں اور انبیاء علیہم السلام کو جو اپنی توفیق اور نور ہدایت سے مدد دی تو کسی سابق کے ذریعہ سے نہیں بلکہ اپنے آپ کو یوں فرماتا ہے[1] ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین اور فرمایا[2] لکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین اور فرمایا[3] ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ اولئک عنہا مبعدون اب اگر تمہارے دل میں یہ خطرہ گذرے کہ تقدیر سابق ہی کیوں مختلف ہوتی بندہ ہونے میں تو سب مشترک ہیں تو تم کو سراپردہ

ت ۱ اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں ۱۲ ت ۲ - لیکن ٹھیک پڑی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے ۱۲ ت ۳ جن کو آگے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور ہوں گے ۱۲

جلال سے للکارا جاوے گا کہ حد ادب سے باہر مت ہو یہ وہ ذات پاک ہے جس کی شان لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ زبان سے اور ظاہر میں ادب کرنے پر تو اکثر قادر رہیں مگر دل میں ایسے اختلاف ظاہری کا بعید نہ معلوم ہونا کہ کوئی تو ہمیشہ کو شقی ہی رہے اور راندۂ درگاہ اور کوئی سعید جاوید اور مقبول بارگاہ اس امر پر بجز راسخ علماء کے اور کو قدرت نہیں اور یہی وجہ حضرت خضر علیہ السلام سے جو کسی نے خواب میں راگ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ صاف ستھرا ہے اس پر بجز علماء کے قدموں کے اور لوگوں کے قدم نہیں جمتے اور یہ اس وجہ سے فرمایا کہ راگ دلوں کے اسرار مخفی کو تحریک کرتا ہے اور جیسے نشہ مدہوش کرنے والا آدمی کو پریشان کر دیتا ہے اور ادب کا عقدہ کھول دیتا ہے اسی طرح راگ بھی دلوں کو پریشان کرتا ہے اس درجہ تک کہ عجب نہیں کہ ادب باطنی بالائے طاق ہو جائے مگر جس کو خدائے تعالیٰ اپنے نور ہدایت اور عصمت سے بچا لیوے اور اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے کہ کاش ہم راگ سے جوں کے توں بچ جائیں کہ نہ ہم کو کچھ ثواب ہو نہ عذاب غرضکہ اس قسم کے سماع میں اس سماع سے زیادہ خطر ہے جو شہوت کا محرک ہو کیونکہ محرک شہوت کی غایت یہ ہے کہ مرتکب معصیت ہو جائے یہ تو نہیں کہ کافر ٹھہر جائے جو اس راگ کی غایت ہے اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ سمجھ کبھی سننے والے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک ہی شعر کے دو سننے والوں کو وجد ہوتا ہے حالانکہ ایک کی سمجھ درست ہوتی ہے اور دوسرے کی خطا یا دونوں کی سمجھ درست ہے مگر ایک کچھ معنی سمجھا اور دوسرا کچھ اور ہر چند یہ دونوں معنی ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر ان دونوں شخصوں کے حالات کے لحاظ سے ضد نہیں جیسے عتبہ غلام سے مروی ہے کہ انہوں نے کسی کو گاتے سنا ؎

پاک ہے قدوس ذات کبریا   رنج میں رہتا ہے عاشق مبتلا

تو کہا کہ سچ کہتا ہے اور ایک شخص نے جو اس کو سنا تو کہا کہ جھوٹ کہتا ہے کہ کسی اہل دل نے فرمایا کہ دونوں درست و بجا کہتے ہیں اس لئے کہ اول قول اس عاشق کا ہے جس کو مراد دسترس نہیں ہوئی بلکہ اعراض اور انکار محبوب سے مبتلائے آلام فراق ہے اور دوسرا کلام اس عاشق کا ہے جس کو محبوب سے انس ہو اور فرط محبت میں آنچہ از دوست میرسد نیکوست پر کار بند ہے درد تکلیف کا اثر نہیں معلوم کرتا بلکہ اس سے مزہ اور لذت اٹھاتا ہے یا ایسے عاشق کا کلام ہے جو اپنی مراد سے فی الحال کامیاب ہو اور آئندہ کو خطر اعراض سے واقف نہیں یعنی رجا اور حسن ظن اس درجہ کو اس کے دل پر غالب ہوا ہے کہ خطر اعراض سے بالکل غافل ہے تو اسطرح حالات کے مختلف ہونے سے سمجھ میں اختلاف ہو جاتا ہے اور ابو القاسم بن مروان جو ابو سعید خرازؒ کی صحبت میں رہتے تھے اور بہت برسوں سے راگ سننا چھوڑ دیا تھا ان کی حکایت ہے کہ کسی دعوت میں گئے وہاں ایک شخص کو یہ گاتے سنا ؎

بر لب جو تشنہ لب استادہ ام　　جام از دستش نمی یابم ہنوز

حاضرین اٹھے اور وجد کیا جب ساکت ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس کے معنی آپ کیا سمجھے سب نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ احوال شریفہ کا اشتیاق ہے باوجود ان کے سامان موجود ہونے کے ان سے محرومی ہے اس جواب سے ان کی تشفی نہ ہوئی لوگوں نے کہا کہ آپ کے نزدیک کیا مقصود ہے فرمایا کہ یہ مراد ہے کہ حالات کے بیچ میں ہو اور کرامات مرحمت کی جائے مگر اصل حقیقت سے کچھ نہ عطا کیا جائے اور اس میں اشارہ ہے کہ حقیقت احوال اور کرامات کے سوا اور چیز ان کے بعد ہے اس سے پیشتر احوال ہوتے ہیں اور کرامات اس کے مبادی ہیں کرامات کے ہونے پر بھی حقیقت پر وصول نہیں ہوتا منزل مقصود دور رہتی ہے اب ان معنوں میں جو انہوں نے سمجھے اور ان میں جو لوگوں نے سمجھے تھے انتہائی فرق ہے کہ وہ اور جگہ کا اشتیاق بیان کرتے تھے اور ابو القاسم نے اور رتبہ کی تشنہ لبی بیان کی اور دونوں صحیح ہیں اس لئے کہ جو شخص احوال شریفہ سے محروم ہوتا ہے وہ اول انہیں کا مشتاق ہوتا ہے جب ان پر دسترس ہو جاتی ہے تو ان کے بعد کے مقامات کا اشتیاق کرتا ہے تو جس مقام پر سالک کو پہنچنا نصیب ہوگا اس کے نیچے کے مقامات کا اشتیاق نہ رہے گا اوپر کے مقامات کا راغب ہوگا اور شبلیؒ اکثر اس مضمون کے شعر پر وجد کیا کرتے تھے ؂

ہجر ست الفت تو محبت عداوتے　　وصل تو قطع باشد وصلت ستیزہ

اس شعر کو کئی مختلف صورتوں میں سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں سے بعض حق ہیں اور بعض باطل سب سے ظاہر تر وجہ یہ ہے کہ اسکو خلق کے باب میں بلکہ تمام دنیا اور ماسوا اللہ کے باب میں سمجھا جائے اس لئے کہ یہ حال دنیا ہی کا ہے کہ دغاباز فریبی اور لپیٹے اسباب کی قاتل باطن میں ان کی دشمن اور ظاہر میں دوست ہے جس مکان میں کہ اس سے عیش مالا مال ہے آخر کو اس کا برا حال ہے ابھی مکان والے شادان و فرحان ہیں اور ابھی نالہ کناں اور گریاں چنانچہ حدیث میں بھی ان کا انقلاب مذکور ہے اور تعالبی نے اس کا وصف اس مضمون سے بیان کیا ہے۔ نظم

بھاگ دنیا سے نہ کر نسبت کا اس سے تو خیال　　قاتل شوہر جو بی بی ہو نہ دے اس کو پیام
اسکے خوفوں کے مقابل میں ہیں امیدیں قلیل　　سختیاں زائد ہیں اس کی بے تردد لاکلام
بادۂ گلگوں ہے وہ لیکن ہے موت اسکا خمار　　ایک باطن میں وہ رکھتی ہے خیانت ہائے عام
خوب کثرت سے کہے ہیں واصفوں نے اسکے وصف　　لیک میں کہتا ہوں اسکے حق میں یہ تشبیہ تمام
باد پا ہے پر چڑھو اس پر تو ہووے بد لجام　　ہے وہ مہ پارہ کہ جس کا حسن ہے مردم فریب

غرضکہ شعر مذکور الصدر کے سب مضمون دنیا پر منطبق ہو سکتے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس شعر کو اپنے نفس پر اچھی طرح ڈھالے کہ خدائے تعالیٰ کے حقوق میں نفس کا یہی حال ہے مثلاً اس کی معرفت جہالت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

خود فرماتا ہے[1] وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اور اطاعت اس کی ریا ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ سے کما ینبغی ڈرتا نہیں اور محبت بالکل رد ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کوئی شہوت اپنی شہوتوں میں سے چھوڑتا نہیں اسی طرح اور اوصاف کمال کو قیاس کر لینا چاہیئے اور جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو بہتری کرنی منظور ہوتی ہے اس کو اس کے نفس کے عیبوں پر واقف کر دیتا ہے وہ اس شعر کو اپنے حال کا مصداق سمجھتا ہے گو غافلوں کی نسبت کہ وہ عالی رتبہ ہو اور یہیں وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[2] لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اور دوسری حدیث میں فرمایا[3] انی لاستغفر اللہ فی الیوم و اللیلۃ سبعین مرۃ۔ اور آپ کا استغفار اسی وجہ سے تھا کہ ہر وقت مقامات و احوال کے منازل آپ طے فرماتے تھے اور مدارج عالیہ کی نسبت ان مقامات کو بعید سمجھ کر استغفار کرتے تھے گو وہ مقامات اپنے ماقبل کی نسبت کر درجات قرب میں سے تھے مگر قرب و بعد امور اضافی ہیں کوئی قرب ایسا نہیں کہ اس کے آگے اور قرب نہ ہو بے انتہا درجے ہیں جیسا کہ مولوی روم فرماتے ہیں۔ ؎ اے برادر بے نہایت درگہے است + ہرچہ بروے میرسی بروے مایست + اور درجات قرب کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جانا محال ہے اور تیسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے احوال کے مبادی کو دیکھ کر ان پر راضی ہو اور پسند کرے اور پھر ان کے انجاموں کو دیکھ کر ان حالات کو حقیر جانے یعنی ہر ایک میں پوشیدہ مغالطے پاوے اور اس امر کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے جان کر جب یہ شعر سنے تو اس کو قضاو قدر کی شکایت پر ڈھال دے تو یہ کفر ہے جیسا ہم نے اوپر لکھا ہے اور کوئی شعر ایسا نہیں جس کا ڈھالنا کئی معنوں پر ممکن نہ ہو اور یہ امر سننے والے کی کثرت علم اور دل کی صفائی پر موقوف ہے چوتھی حالت یہ ہے کہ راگ سننے والا احوال مقامات کو طے کر کے ماسوائے اللہ کے سمجھنے سے جاتا رہا ہو یہاں تک کہ اپنے نفس اور احوال اور معاملات سب سے بیخبر ہو اور ایسا مدہوش ہو کہ گویا عین شہود کے دریا میں مستغرق ہے اور اس کا حال ان عورتوں کے مشابہ ہو جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کے دیکھنے کے وقت اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور ایسی مدہوش ہوئی تھیں کہ ہاتھوں کا کٹنا معلوم نہ ہوا اور اس جیسی حالت کو صوفی فنا فی النفس بولتے ہیں یعنی خودی سے جاتا رہنا اور واجب اپنے نفس سے فنا ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ دوسرے سے زیادہ تر فنا ہو گا تو وہ گویا بجز ذات واحد مشہود کے اور سب چیزوں سے فنا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ مشاہدہ کرنے سے بھی فنا ہو جاتا ہے اس لئے کہ دل اگر مشاہدہ کرنے کی طرف التفات نہ کرے گا اور اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو گا کہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں تو مشہود سے غافل ہو گا بلکہ عاشقان مشہود کو مشاہدہ سے سروکار نہیں رہتا۔ جیسے کوئی مرئی چیز کا جب اس کے دیکھنے میں زیادہ مستغرق ہوتا ہے تو اس کو نہ اپنے دیکھنے کی طرف التفات رہتا ہے اور نہ آنکھ کی طرف جس سے رویت ہوتی ہے اور نہ دل کی طرف جس سے لذت معلوم ہوتی ہے اسی

[1] اور انہوں نے نہ پہچانا اللہ تعالیٰ کی شان جیسا پہچاننا واجب تھا ۱۲۔ [2] میں نہیں احاطہ کرتا ہوں میں تجھ پر ثنا کا تو ایسا ہے جیسا تو نے اپنے نفس کی ثنا کی یہ مسلم کی حدیث ہے پہلے گذر چکی ہے ۱۲۔ [3] میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں رات دن میں ستر بار باب الاذکار کی دوسری فصل میں گذری ۱۲

طرح متوالے کو اپنے نشہ کی خبر نہیں اور نہ لذت پانے والے کی طرف توجہ ہو بلکہ جس سے لذت ہوتی ہے فقط اسی کا حال جانتا ہے اسی طرح کسی چیز کا جاننا اور چیز ہے اور اس کے جاننے کا علم ہونا اور ہے تو جو شخص ایک چیز کا عالم ہے جب اس کے دھیان میں اس کے عالم ہونے کا علم ہوگا تو وہ اس چیز سے اعراض کنندہ ٹھہرے گا اور یہ حالت فنا عن النفس کی کبھی تو مخلوق کے حق میں طاری ہوتی ہے اور کبھی خدائے تعالیٰ کے عہ حق میں ہوتی ہے مگر اکثر یوں ہے کہ یہ حالت بجلی کی سی چمک ہوتی ہے کہ ثابت اور دائم نہیں رہتی اور اگر ثابت رہے تو اس کے تحمل کی تاب قوت بشری میں نہیں بلکہ بعض اوقات اس کے بوجھ میں ایسا اضطراب کرتا ہے کہ اس سے اس کا نفس ہلاک ہو جاتا ہے چنانچہ ابوالحسن نوری کا حال لکھتے ہیں کہ وہ ایک مجلس سماع میں موجود تھے کہ اس مضمون کا شعر سنا

پہنچتا ہوں تیری الفت سے دائم ایسی منزل میں اترتے وقت جس میں ہوتی ہے عقلوں کو حیرانی

سنتے ہی اٹھے اور وجد میں آکر بدحواس منہ ہو اٹھائے چلدیئے اتفاقاً ایک جنگل میں پہنچے کہ اس میں سے بانس کاٹ لئے تھے اور ان کی جڑیں تیز دھار کھڑی تھیں پس انہیں میں دوڑتے رہے اور دوسری صبح تک شعر مذکور کا اعادہ کرتے رہے اور پاؤں میں سے خون نکلتا جاتا تھا یہاں تک کہ دونوں پاؤں اور پنڈلیاں ورم کر گئیں اور بعد اس کے آپ چند روز تک زندہ رہ کر واصل بحق ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ تو اس طرح کی سمجھ اور وجد صدیقوں کا درجہ ہے اور یہ سب درجوں میں اعلیٰ ہے کیونکہ سماع احوال کے ہونے پر درجہ کمال سے ناقص ہے اور وہ صفات بشری سے مخلوط رہتا ہے جو ایک طرح کا قصور ہے بلکہ کمال اس کا نام ہے کہ اپنے نفس اور احوال سے بالکل فنا ہو جاوے یعنی نہ نفس کی یاد رہے نہ احوال کی اور ان کی طرف التفات ہی نہ رہے جیسے مصر کی عورتوں کو ہاتھوں اور چھری پر التفات نہ رہا تھا اور راگ کو للہ اور باللہ اور فی اللہ اور من اللہ سُنے اور یہ رتبہ اس شخص کا ہے کہ ساحل احوال اور اعمال سے پار ہو کر بحر حقیقت میں گھسے اور صفائے توحید اور اخلاص محض رل مل جاوے اور خودی کا نشان کچھ اس میں نہ رہے بشریت بالکل منطفی اور صفات بشری کی طرف التفات یک قلم منفی ہو اور ہماری غرض فنا سے رل مل جاوے فنا جسم نہیں بلکہ فنا ئے دل مقصود ہے اور دل سے مراد گوشت و خون نہیں بلکہ وہ ستر لطیف مراد ہے جس کو قلب ظاہری کے ساتھ ایک علاقہ مخفی ہے اور اس کے بعد سرِ روح ہے جو خدائے عزوجل کے حکم سے ہے اسکو جو جانتا ہے وہی پہچانتا ہے اور جو جاہل ہے وہ نہیں جانتا اور اس سر کے لئے ایک وجود ہے اور صورت اس وجود کی وہ ہے جو اس میں موجود ہو تو جب اس کے اندر غیر چیز موجود ہو گی تو گویا بجز اس حاضر چیز کے اور چیز کا وجود نہ رہے گا اور اس کی مثال جلا والے آئینہ کی سی ہے کہ بذات خود اسمیں کوئی رنگ نہیں ہوتا بلکہ جو چیز اس میں حاضر ہوتی ہے اسی کا رنگ اس آئینہ کا رنگ ہوتا ہے اور یہی حال شیشہ کا ہوتا ہے

عہ حق میں یعنی اللہ تعالیٰ کے شہود میں۔

کہ خاص اس میں کوئی رنگ نہیں ہوتا بلکہ جو چیز ——————— اس کے اندر قرار پائی اسی کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے تو اس کا رنگ یہی ہے کہ سب رنگوں کے قبول کرنے کی استعداد اس میں موجود ہے اور سیر طلب کی حقیقت بلحاظ اسکے اندر کی چیز کے کسی شاعر کے اس قطعہ سے خوب معلوم ہوتی ہے۔ قطعہ

صہبا اور آبگینہ مے دونوں ہیں رقیق ہے ایک شکل دونوں کی اور ایک آب و تاب
گویا کہ ہے شراب نہیں جام کا وجود یا یہ کہو کہ جام ہی ہے واں نہیں شراب

اور یہ امر علوم مکاشفہ کے ان مقامات میں سے ہے جن سے بعض لوگوں نے حلول واتحاد ذات حق کا دعوی کر کے انا الحق کہدیا اور اسی کے گرد فرقہ انصاری گنگناتے ہیں جو عالم لاہوت اور ناسوت کے اتحاد کا دعوی کرتے ہیں یا اول کا لباس ادم کو بتاتے ہیں یا اول کا حلول دوسرے میں کہتے ہیں جیسے ان کی عبارتیں مختلف ہیں اور یہ ان کی غلطی ہے ان کا کلام ایسا ہے جیسے کوئی آئینہ کے اندر کی سرخی کو دیکھ کر اس کو سرخ رنگ بتادے اور یہ نہ جانے کہ یہ رنگ آئینہ کا نہیں بلکہ اس چیز کا ہے جو اس کے سامنے ہے اور جس کا عکس اس کے اندر پڑا ہے اور چونکہ یہ تقریر علم معاملہ سے مناسبت نہیں رکھتی اس لئے اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مسموعات میں متفرق درجات کا حال لکھ چکے ہیں۔

سماع اور وجد

صوفیہ کرام اور وہ حکما جو سماع کو ارواح سے مناسبت ہونے کی وجہ میں تقریریں کرتے ہیں دونوں فرقوں کے وجد کی ماہیت میں بہت سے اقوال ہیں اول ہم ان کے اقوال کو نقل کرتے ہیں پھر جو امر محقق ہے اسکو بیان کریں صوفیہ کے اقوال تو اس باب میں یہ ہیں کہ ذوالنون مصری سماع کے لئے فرماتے ہیں کہ وہ حق کا وارد ہے اس لئے آتا ہے کہ دلوں کی تحریک حق کی طرف کرے تو جو کوئی اس کو حق کے سبب سے سنے گا وہ محقق ہے اور جو نفس کے باعث سُنے گا وہ زندیق ہے تو گویا انکے نزدیک وجد سماع میں یہی ہے کہ دلوں کا میل حق کی طرف ہو یعنی جب سماع کا وارد آوے تو حق موجود پاوے کہ اس کا نام ہی وارد حق ہے اور ابو الحسین دراج سماع میں وجد کا حال یوں فرماتے ہیں کہ وجد اس حالت کا نام جو سماع کے وقت پائی جائے اور کہا کہ سماع مجھ کو رونق کے میدان میں دوڑا لے گیا اور عطا کے وقت حق کے واجب ہونے نے مجھ کو وجد میں ڈالا پھر جام صفا سے مجھ کو پلایا اور اور اس سے رضا کے مراتب میں نے حاصل کئے اور ریاض نزاہت اور فضا میں مجھ کو سیر کرائی۔ شبلیؒ نے فرمایا ہے کہ سماع کا ظاہر تو فتنہ ہے اور باطن عبرت تو جو کوئی اشارے کو پہچانتا ہے اس کو عبرت کا حال سننا حلال ہے ورنہ وہ خواستگار فتنہ کا اور بلا میں پڑنا چاہتا ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اہل معرفت کے لئے

سماع غذا ارواح کی ہے اس لئے کہ یہ ایسا وصف ہے کہ سب اعمال سے باریک ہے اور اپنے رقیق ہونے کی وجہ سے طبیعت رقت ہی سے حاصل ہوتا ہے اور بایں وجہ کہ جو اسکے اہل ہیں ان کے نزدیک یہ صفات اور لطیف ہے تو بجز سر قلبی کی صفائی کے اور کسی بات سے نہیں دریافت ہوتا اور عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ وجد حق کی طرف کے مکاشفات کا نام ہے اور ابو سعید بن اعرابی فرماتے ہیں کہ وجد یہ ہے کہ حجاب کا دور ہونا اور دوست کا مشاہدہ کرنا اور فہم کا موجود ہونا اور غیب کا دیکھنا اور راز قلبی سے گفتگو کرنا اور مفقود کو انس دنیا یعنی اپنی خودی کو زائل کرنے سے مانوس ہو جانا اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ وجد خصوصیت کے درجات میں سے اول ہے اور سبب امور غائبہ کی تصدیق کا ہے کہ جب سالک وجد کا مزہ چکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر اس کا نور چمکتا ہے تو ان کو کوئی شک اور شبہہ باقی نہیں رہتا اور یہ بھی ان کا ہی قول ہے کہ نفس کے آثار کا دیکھنا اور علائق اور اسباب کا تعلق وجد کا مانع ہوتا ہے اس لئے کہ نفس اپنے اسباب کے باعث سے محجوب ہے تو جب اس کے اسباب منقطع ہو جائیں اور ذکر خالص ہو اور دل ہوشیار اور رقیق اور صاف ہو اور نصیحت اس میں اثر کرے اور مناجات کے قریبی مقام میں پہنچ جاوے اور ادھر سے خطاب ہونے لگے اور خطاب گوش ہوش اور دل حاضر اور سر ظاہر سے سنے اور جو بات اپنے آپ میں نہ تھی اس کو مشاہدہ کرے تو اس کا نام وجد ہے کہ جو بات معدوم تھی اس کو خود میں موجود پایا۔ اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ وجد وہ ہے جو امور مفصلہ ذیل کے وقت ہو یعنی ذکر محرک کے وقت یا خوف قلق میں ڈالنے والے کے وقت یا لغزش پر توبیخ کرنے یا کوئی لطیفہ کہنے یا کسی فائدہ کی طرف اشارہ کرنے یا غائب کی طرف مشتاق ہونے یا گم شدہ پر افسوس کرنے یا گذشتہ پر نادم ہونے یا کسی حال کی طرف کھنچ جانے یا کسی واجب کی طرف مائل ہونے یا سر قلبی سے سر گوشی کرنے کے وقت اور وجد کی کیفیت یہ ہے کہ ظاہر کو ظاہر کے مقابل اور باطن کو باطن کے اور غیب کو غیب کے اور سر کو سر کے اور جو کچھ تقدیر میں فائدہ لکھا ہے مضر چیز کے بدلے میں اس کو پیدا کرنا تاکہ بندہ کی سعی اس باب میں اس کے لئے لکھ لی جاوے اور اسی کی جانب سے شمار کی جاوے تو اس صورت میں بدون سعی کے تو اس کے پاس سعی ہو جاوے گی اور بدون ذکر کے ذکر ہو جاتے گا اس لئے کہ شروع میں نعمت دینے والا اور ذمہ دار وہی کفیل مطلق تھا اور تمام معاملہ آئندہ کو اس کی طرف رجوع کرے گا تو علم وجد کا ظاہر یہ ہے جو بیان ہوا اور صوفیہ کے اقوال وجد کے باب میں اسی طرح کے بہت ہیں۔ اب حکماء کے احوال کو سنو کہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ دل میں ایک عمدہ فضیلت تھی جس کو قوت نطق لفظوں سے نکال نہ سکی پس اس کو نفس نے نغموں سے باہر نکالا اور جب وہ ظاہر ہوئی تو نفس خوش ہوا اور اسکے سامنے طرب میں آیا تو تم نفس سے سنا کرو اور اسی سے

سرگوشی کرو اور ظاہری مناجات کو ترک کر دو اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اول میں ایک عمدہ فضیلت سماع کا نتیجہ یہ باتیں ہیں کہ رائے سے عاجور ائے کا طالب مستعد بن جائے اور جو فکر سے خالی ہو اس کو فکر حاصل ہو جائے اور جو فہم کا کند ہو اس کی فہم تیز ہو جاوے حتی کہ جو بات نہ رہی ہو وہ پھر سے چلی آئے اور جو تھک گیا ہو وہ چست بن جائے اور جو میلا ہو وہ صاف بنے اور رائے اور نیت میں جولانی کرے اور درست کہے اور خطا نہ ہو اور کام کرے مگر تاخیر نہ کرے اور دوسرے حکیم نے کہا ہے کہ جیسا فکر علم کو معلوم کی طرف سے راہ بتاتا ہے ویسا ہی سماع دل سے عالم روحانی کی راہ بتاتا ہے اور کسی حکیم سے سوال ہوا کہ نغمتوں کے وزن اور گت پر ہاتھ پاؤں کا بالطبع ہل جانا کس وجہ سے ہے تو اس نے کہا کہ یہ عشق عقلی ہے عاشق عقلی اس بات کا محتاج نہیں کہ اپنے معشوق سے زبان ہی سے گفتگو کرے بلکہ وہ اس سے کلام اور سرگوشی تبسم اور پلک جھپکنے اور آبرو اور آنکھ کے لطیف اشارے سے کیا کرتا ہے اور یہ سب چیزیں باتیں کیا کرتی ہیں مگر روحانی زبان میں ہیں کہ بدون عقل کے اور طرح نہیں سمجھی جاتیں اور جو عاشق بہیمی تقریبیں وہ اپنی زبان کو مستعمل کرتے ہیں تاکہ اپنے شوق ضعیف اور کھوٹے عشق کو تقدیر زبانی سے ملمع کر دیں اور ایک حکیم کا قول ہے کہ جو شخص حزین ہو اس کو نغمات کا سننا چاہیئے اس لئے کہ نفس پر جب غم آتا ہے تو اس کا نور بجھ جاتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو اس کا نور مشتعل ہوتا ہے اور اس کی رونق جگہ پاتی ہے اس صورت میں جس قدر آدمی کو استعداد ہو گی اور ناپاکی سے صفائی ہو گی اسی قدر اشتیاق پیدا ہو گا اور سماع اور وجد کے باب میں اقوال بہت سے ہیں ان سب کے بیان کرنے سے کچھ فائدہ معلوم نہیں ہوتا اس لئے ہم امر حق کو لکھتے ہیں جس کو وجد کہنا چاہیئے پس واضح ہو کہ وجد اس حالت کا نام ہے جو سماع کا ثمرہ ہوتا ہے یعنی ایک نئی حالت راگ سننے کے بعد سننے والا اپنے نفس کے اندر پاتا ہے اور یہ حالت دو قسموں سے خالی نہیں یا تو اس کا انجام وہ مشاہدات اور مکاشفات ہوں جو منجملہ علوم اور تنبیہات گنے جاویں اور یا تغیرات اور احوال ہوں کہ وہ از قبیل علوم نہ ہو بلکہ مثل شوق اور خوف اور حزن اور قلق اور سرور اور افسوس اور ندامت اور بسط اور قبض کے ہوں اور سماع ان احوال کو یا تو جوش میں لاتا ہے یا قوی کر دیتا ہے پس اگر سماع ایسا ضعیف ہو کہ نہ تو ظاہر بدن کو حرکت یا سکون دے نہ کوئی سننے والے کی حالت بدلے کہ خلاف عادت ہلنے لگے یا گردن جھکالے یا دیکھنے اور بات کرنے سے ساکن ہو جائے تو ایسی حالت کو وجد نہ کہیں گے اور اگر ظاہر بدن پر حال کا متغیر ہونا معلوم پڑے گا تو اس کو وجد کہیں گے اور جس قدر اس کا ظہور اور ظاہر حالت کو بدلنا ہو گا اسی نسبت سے وجد مذکور ضعیف یا قوی ہو گا اور اس کی تحریک اس قدر زور سے ہو گی جس قدر قوت سے کہ وہ حالت آوے گی اور ظاہر کو تغیر سے محفوظ رکھنا بقدر وجد والے کے زور آور ہاتھ پاؤں کے قابو میں رکھنے کے ہوتا ہے تو اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ وجد باطن میں قوی ہوتا ہے مگر ظاہر میں تغیر نہیں آتا کہ وجد لینے والا قوی ہوتا ہے اور بعض

اوقات اس حالت جدید کے ضعیف ہونے سے ظاہر میں اثر نہیں کرتا کہ وہ حالت تحریک میں اور عقیدہ ضبط کے کھولنے میں قاصر ہوتی ہے اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے ابو سعید ابن اعرابی کے وجد کی تعریف میں کہ رقیب کا مشاہدہ اور حضور فہم اور غیب کا ملاحظہ ہوتا ہے چنانچہ اوپر بیان ہوا اور بعید نہیں کہ سماع ایسی چیز کے منکشف ہونے کا سبب ہو جو پہلے سے مکشوف نہ ہو اس لئے کہ کشف کئی سببوں سے ہوتا ہے اوّل تنبیہہ سے اور سماع تنبیہہ کرنے والا ہے دوم احوال کا بدلنا اور ان کا مشاہدہ اور ادراک کہ ان کے ادراک میں بھی ایک طرح کا علم ہے جو ایسی باتوں کو واضح کر دیتا ہے جو پیشتر معلوم نہ تھیں سوم دل کی صفائی اور راگ سبب ہے دل کی صفائی کا چہارم دل کا قوی ہونا اور قوت سماع سے دل کا سرور اتنا برانگیختہ ہوتا ہے کہ اس شدت سرور میں ان اشیاء کا مشاہدہ کر سکتا ہے جن کے مشاہدہ سے پیشتر عاجز تھا جیسے شتر راگ کے باعث وہ بوجھ اٹھا سکتا ہے جسکے اٹھانے کی پیشتر اس کو طاقت نہ تھی تو چونکہ دل کا عمل کشف ہوتا ہے اور اسرار ملکوت کا ملاحظہ کرتا ہے تو جب دل قوی ہوگا تو اس کا عمل زیادہ ہوتا ہے جیسے شتر کے قوی دل ہونے سے اس کا عمل زیادہ ہوتا ہے یعنی بوجھ کا اٹھانا پس انہیں اسباب کے وسیلہ سے سماع کشف کا سبب ہوتا ہے بلکہ دل جب صاف ہوتا ہے تو بعض اوقات امر حق اس کے سامنے صورت پکڑ کر سوجھنے لگتا ہے یا لفظ منظوم بن کر اس کے کان میں پڑتا ہے اور اس آواز کو اگر بیداری میں ہوتی ہے تو آواز ہاتف کہتے ہیں اور سونے کی حالت میں ہوتی ہے تو خواب کہتے ہیں اور یہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے کہ امر حق اس طرح آدمی پر واضح ہو جائے اور علم معاملہ سے اس علم کی تحقیق خارج ہے مگر تجربہ شاہد ہے کہ صلحا کو اس طرح کے معاملات پیش ہوتے ہیں چنانچہ محمد بن مسروق بغدادی کہتے ہیں کہ جن دنوں میں میں جاہل تھا ایک رات نشہ کی حالت میں اس شعر کو گاتا ہوا باہر نکلا سے گذر کرتا ہوں جس دم باغ زر بر طور سینا کے + عجب کرتا ہوں ان لوگوں پہ جو پیتے ہیں پانی کو + پس میں نے سنا کہ کوئی یوں کہتا ہے سہ جہنم میں وہ پانی ہے اگر کوئی پیئے اسکو + تو اک دم میں گلا ڈالے وہ امعاء نہانی کو + تو یہی آواز میرے لئے توبہ کرنے اور علم و عبادت میں مشغول ہونے کا باعث ہوئی تو اب دیکھ لو کہ راگ نے اس کے دل کی صفائی میں کیسے اثر کیا کہ حق بات کی حقیقت جہنم کی صفت میں صورت پکڑ کر اور الفاظ موزوں ہو کر اس کے گوش ہوش میں پڑ گئے اور مسلم عبادانی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بار صالح مری اور عتبہ غلام اور عبدالواحد بن زید اور مسلم اسواری تشریف لائے اور ساحل دریا پر فروکش ہوئے میں نے ایک رات ان کے لئے کھانا تیار کرایا اور ان کی دعوت کی چنانچہ سب صاحب تشریف لائے جب کھانا سامنے آ چکا تو اتنے میں کسی نے غیب سے پکار کر یہ شعر پڑھا سہ یاد تم کو نہیں کھانوں کے مزہ میں عقبیٰ + کچھ نہ کام آئے گی یہ لذت نفس آخرکار + اس کو سن کر عتبہ غلام نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور دوسرے لوگ بھی

رونے لگے کھانا جوں کا توں رکھا گیا کسی نے ایک لقمہ نہ کھایا اور جس طرح کہ قلب کی صفائی کے وقت ہاتف کی آواز سنائی دیتی ہے اس طرح آنکھ سے صورت خضر علیہ السلام کی بھی سوجھتی ہے کہ وہ اہل دل کے سامنے مختلف صورتوں میں شکل پکڑتے ہیں اور اسی جیسی حالت فرشتے انبیاء علیہم السلام کے سامنے صورت پکڑتے ہیں خواہ اپنی حقیقی صورت میں خواہ ایسی شکل میں کہ کسی قدر ان کی صورت اصلی سے مشابہت رکھتی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دوبار ان کی صورت پر دیکھا اور ارشاد فرمایا[۱] کہ انہوں نے افق کو روک لیا اور وہی صورت مراد ہے ان آیتوں میں[۲] علمہ شدید القوی ذومرۃ فاستوی وھو بالافق الاعلی آخر آیت تک اور انہیں جیسے احوال میں دلوں کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور اس معلوم ہونے کو تفرس کہتے ہیں اور یہی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۳] اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ کہتے ہیں کہ کوئی یہودی مسلمان کے پاس جاتا اور پوچھتا کہ اس حدیث کے کیا معنی ہیں اتقوا فراسۃ المومن تو لوگ اس کے معنی بیان کر دیتے مگر اس کی تشفی نہ ہوتی ایک بار وہ کسی صوفی صاحب باطن کے پاس گیا اور ان سے بھی وہی سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ اسکے یہ معنی ہیں کہ جو زنار تیرے کپڑوں کے اندر کمر میں ہوتا ہے اس کو توڑ ڈال اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا اس کے یہی معنی ہیں اور مسلمان ہو گیا اور کہا کہ اب میں نے جانا کہ آپ ایماندار ہیں اور آپ کا ایمان حق ہے۔ اسی طرح ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ جامع بغداد میں چند درویشوں کے ساتھ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک جوان ظریف خوبصورت اچھی خوشبو کا آیا میں نے اپنے یاروں سے کہا مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص یہودی ہے سب کو یہ بات بری معلوم ہوئی آخر میں باہر چلا آیا اور وہ شخص بھی چلا گیا ان لوگوں سے آکر دریافت کیا کہ شیخ نے میرے باب میں کیا فرمایا تھا انہوں نے بتانے میں تکلف کیا مگر اس نے اصرار کیا کہ سچ بتادو انہوں نے کہا کہ یوں کہا تھا کہ تم یہودی ہو پھر وہ شخص میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر جھکا اور سر کو بوسہ دیا اور مسلمان ہو گیا اور کہا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں یہ مضمون لکھا ہے کہ صدیق کی فراست خطا نہیں کرتی تو میں نے دل میں کہا کہ مسلمانوں کا امتحان لوں پھر جو مسلمان کو تامل کیا تو کہا کہ اگر مسلمانوں میں صدیق ہوتا ہوگا تو درویشوں کے فرقہ میں ہوگا کہ یہ خدائے تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اس نظر سے میں تمہارے مجمع میں صورت بدل کر آیا جب شیخ نے فراست سے میرا حال دریافت کیا تو میں نے جانا کہ وہ صدیق ہیں راوی کہتا ہے پھر وہ جوان بڑے صوفیوں میں سے ہو گیا اور اسی طرح کے کشف کی طرف اشارہ ہے[۴] لولا ان الشیاطین یحومون علیٰ قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السماء اور شیطانوں

---

[۱] بخاری ومسلم بروایت عائشہ رضی ۱۲ [۲] اسکو سکھایا سخت قوتوں والے نے زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارے آسمان کے ۱۲۔ [۳] ڈرو مومن کی فراست سے کہ وہ دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے نور سے ترمذی بروایت ابی سعید اور کہا کہ غریب ہے ۱۲۔ باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

کا دورہ دلوں پر اسی وقت ہوتا ہے کہ صفات مذمومہ سے بھرے ہوں کیونکہ شیطانوں کی تماشگاہ وہی ہیں اور جو شخص ان صفات سے اپنے دل کو خالص اور صاف کرے شیطان اس کے دل کے گرد نہیں پھرتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؎ الا عبادك منهم المخلصين اور فرمایا ان عبادی لیس لك عليهم سلطان اور سماع دل کی صفائی کا سبب ہے اور بذریعہ صفائی کے حق کا جال ہوا کرتا ہے کہ اس میں حق ہی سماتا ہے اور اس بات پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت ذوالنون مصری بغداد میں داخل ہوئے ان کے پاس کچھ صوفی جمع ہوئے جن کے ساتھ ایک قوال تھا اور آپ نے اجازت چاہی کہ یہ شخص ہمارے سامنے کچھ گاوے آپ نے اجازت دی تو اس نے اس مضمون کے اشعار پڑھے ؎ تیری چھوٹی سی الفت نے ستایا + بڑی ہوگی تو ہوگی کس غضب کی + اکٹھی کردی تو نے دل میں میرے + محبت جو کہ باہم مشترک تھی + نہ آیا ترس تجھ کو اس حزین پر ؎ ہنسے بے غم تو وہ کرتا ہے زاری + ذوالنون مصری اس کو سن کر کھڑے ہوئے اور منہ کے بل گر پڑے پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا آپ نے فرمایا ؎ الذی یراك حين تقوم۔ وہ شخص بیٹھ گیا آپ کو اس کے دل کا حال معلوم ہو گیا تھا کہ یہ تکلف سے وجد کرتا ہے اس لئے اسکو جتادیا کہ اگر غیر اللہ کے لئے اٹھو گے تو وہی تمہارا مدعی ہو گا جو اٹھتے وقت تم کو دیکھتا ہے اور اگر وہ مرد سچا ہوتا تو ہرگز نہ بیٹھتا۔ غرضکہ وجد کا انجام اس پر آرہا کہ وجد یا مکاشفہ ہوتا ہے یا حالت اب ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ افاقہ کے بعد اس کو بیان کر سکیں اور شاید تم اس امر کو بعید جانو کہ ایسی حالت اور علم کیسے ہو جس کی حالت بیان نہ کی جائے تو اس کو بعید مت جانو کیونکہ تم کو اس کی نظیر میں اپنے حالات میں مل سکتی ہیں علم کی مثال تو یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی فقیہ کے سامنے دو مسئلے ایک ہی صورت کے پیش ہوتے ہیں اور وہ اپنے ذہن میں ان دونوں کا فرق حکم میں جانتا ہے لیکن اگر اس سے کوئی فرق پوچھتا ہے تو زبان یاری نہیں کرتی کہ فرق بیان کر دے گو کیسا ہی فصیح ہو اور فرق کا معلوم کرنا ایک علم ہے جو اس کا دل ذوق سے دریافت کر لیتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کرتا کہ دل میں اس کے پڑنے کا کوئی سبب ہے اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت ہے مگر اس کو بتا نہیں سکتا نہ اس وجہ سے کہ اس کی زبان میں قصور ہے بلکہ اس وجہ کہ خود وہ معنی ہی دقیق ہیں کہ لفظوں میں نہیں آسکتے اور جو لوگ ہمیشہ مشکلات کی بحث کرتے رہتے ہیں ان کو یہ امر معلوم ہے کہ ایسا ہوا کرتا ہے اور حال کی مثال یہ ہے کہ اکثر آدمیوں کو جس وقت دل میں قبض یا بسط ہوتا ہے معلوم ہو جاتا ہے مگر اس کا سبب نہیں جانتے اور بعض اوقات آدمی ایک چیز میں فرق کرتا ہے اور اس سے اس کے دل میں اثر ہوتا ہے

بقیہ حاشیہ ؎ اگر شیطان بنی آدم کے دلوں کے گرد نہ گھومتے ہوتے تو بنی آدم آسمان کے ملکوت دیکھ لیتے اس کی سند باب الصوم میں گذری ۱۲ ؎ مگر جو تیرے چنے بندے ہیں ۱۲ ؎ جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر کچھ زور نہیں ۱۲ ؎ جو دیکھتا ہے تجھکو جب تو اٹھتا ہے ۱۲

پھر اس سبب کو بھول جاتا ہے اور اثر دل میں معلوم ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے اور کبھی یہی حالت سرور ہوتی ہے کہ کسی ایسے سبب کے سوچنے سے جو موجب سرور ہو دل میں قرار پکڑتی ہے یا حالت حزن کسی غم کی بات میں تامل کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس بات میں فکر کی تھی وہ یاد سے اتر جاتی ہے لیکن اس کے بعد اس کا اثر باقی رہتا ہے اور یہی حالت کبھی ایسی عجیب وغریب ہوتی ہے کہ نہ اس کو سرور کہہ سکتے ہیں نہ حزن اور نہ کوئی اور لفظ ملتا ہے جو ٹھیک اس کے معنی بتادے اور مقصود ظاہر کرے بلکہ ذوق موزون شعر کا اور ناموزوں میں تمیز کرنے کا ایسا ہے کہ کسی میں ہوتا ہے اور کسی میں نہیں ہوتا یہ بھی ایک حالت ہے کہ ذوق والے اس کو معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ موزون ہے اور یہ زحاف والی ہے مگر جس کو ذوق نہیں اس کے سامنے ایسی طرح بیان نہیں کر سکتے کہ جس سے مقصود واضح ہو جائے اور نفس میں احوال عجیب وغریب ہیں کہ ان سب کی یہی کیفیت بلکہ حالات مشہورہ خوف اور حزن اور سرور تو اسی سماع سے ہوتے ہیں جو مفہوم ہو لیکن تاروں کے باجے اور تمام نغمے جو سمجھ میں نہیں آتے ان سے نفس میں تاثیر عجب ہوتی ہے اور ان آثار عجیب کا لفظوں سے بیان کرنا ممکن نہیں اور کبھی ان کو شوق سے تعبیر کرتے ہیں مگر طرفہ شوق ہے کہ جس کا شوق ہے اس کا حال مشتاق کو معلوم نہیں مثلاً جس کا دل تاروں کے باجے اور شاہین اور ان جیسی اور چیزوں کے سننے سے مضطرب ہوتا ہے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ دل کس چیز کا مشتاق ہے جس کا دل اضطراب کرتا ہے اور دل میں ایسی حالت پاتا ہے کہ کسی بات کا متقاضی ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ کیا ہے یہاں تک کہ یہ کیفیت عوام پر اور ان لوگوں پر بھی گذرتی ہے جن کے دل پر نہ آدمی کی محبت غالب ہوتی ہے نہ اللہ تعالیٰ کی اور اس بات کا ایک بھید ہے وہ یہ ہے کہ ہر شوق کے دو رکن ہوتے ہیں ایک صفت مشتاق کی یعنی مشتاق کو گونہ مناسبت ہوتی اس سے جس کی طرف اشتیاق ہو دوسرے مشتاق الیہ کی صورت کا پہچاننا اور اس کی طرف پہنچنے کی صورت معلوم ہوتی تو اگر آدمی میں شوق کے دونوں رکن پائے جائیں گے تب تو ظاہری ہے کہ شوق میں اضطراب ہونا بعید نہیں اور اگر وہ صفت تو ہو جس سے شوق ہے مگر مشتاق الیہ کا علم نہ ہو تو جس وقت وہ صفت مشوقہ حرکت کرے گی اور اس کی آگ مشتعل ہوگی تو موجب دہشت اور حیرت کی ہوگی مثلاً کوئی آدمی اس طرح سے پرورش پائے کہ عورتوں کی صورت نہ دیکھے اور نہ جماع کی صورت سے واقف ہو پھر اگر وہ بالغ ہوگا اور شہوت غالب ہوگی تو اپنے نفس میں شہوت کی آگ معلوم کرے گا مگر یہ نہ جانے گا کہ یہ اشتیاق جماع کا ہے کیونکہ وہ تو نہ اس کی کیفیت سے واقف ہے نہ عورتوں کی صورت دیکھی ہے اسی طرح آدمی میں صفت شوق دلانے والی موجود ہے یعنی اس کو ملاء اعلیٰ سے مناسبت ہے اور جن لذات کا وعدہ اس سے سدرۃ المنتہیٰ اور فردوس بریں میں ہوا ہے وہ اس کے مشتاق الیہ ہیں مگر اس کے خیال میں ان باتوں کا علم بجز صفات اور ناموں کے اور کچھ نہیں۔ جیسے کوئی لفظ جماع اور عورتوں کے

نام سن لے اور کسی عورت کی صورت کبھی نہ دیکھی ہو نہ مرد کی اور نہ اپنی صورت آئینہ میں دیکھی کہ اس پر قیاس کر کے جان لے تو اب راگ سننے سے اُس کا شوق بھڑکتا ہے مگر چونکہ زیادتی جہل اور دنیا میں مشغول ہونے سے وہ اپنے نفس کو اور اپنے پروردگار کو بھول گیا ہے اور اپنا وہ ٹھکانا بھی یاد نہیں جس کی طرف اس کا شوق طبعی ہے اس لئے اس کا دل ایسے امر کا خواہاں ہوتا ہے کہ جانتا نہیں کہ وہ کیا ہے پھر مدہوش اور متحیر اور مضطرب ہوتا ہے اور اس کا گلا گھونٹے ہوئے کی طرح ہو جاتا ہے جس کو کیفیت اس درد سے چھوٹنے کی معلوم نہ ہو غرضکہ اسی طرح کے حالات کی حقیقت پوری نہیں معلوم ہوتی اور نہ حال والا ان کو تقریر سے بیان کر سکتا ہے اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ وجد دو طرح کا ہے ایک وہ کہ اس کا بیان لفظوں میں ہو سکے اور ایک وہ کہ نہ ہو سکے پھر معلوم کرنا چاہیئے کہ وجد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ خود بخود دل پر ہجوم کرے دوسرے وہ کہ بتکلف وجد کیا جائے اس دوسری صورت کو تواجد یعنی حال لینا کہتے ہیں اور تواجد میں اگر مقصود ریا ہو یا احوال شریفہ کا اپنے آپ ظاہر کرنا حالانکہ واقع میں ان سے مفلس ہے تب تو برا ہے اور اگر اس لئے ہے کہ احوال شریفہ کا اپنے اندر حاصل ہونا اور ان کو کسب کرنا اور تدبیر سے کھینچ لینا چاہتا ہے تو اچھا ہے اسی نظر سے کہ آخر کسب کو احوال شریفہ کے کھینچ لانے میں دخل ہے اور اسی نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت قرآن مجید میں فرمایا کہ جس شخص کو رونا نہ آوے وہ رونی صورت بناوے اور بتکلف حزن کرے کیونکہ یہ احوال ہر چند ابتداء میں بتکلف کیے جاتے ہیں مگر انجام میں ثابت اور متحقق ہو جاتے ہیں اور اسکا انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ جو شخص قرآن مجید سیکھتا ہے اول بڑے تکلف سے یاد کرتا ہے اور تکلف کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر ذہن لگا کر پڑھتا ہے مگر خوب یاد ہونے کے بعد زبان پر ایسا چڑھ جاتا ہے کہ نماز وغیرہ میں غفلت کی حالت میں بھی تمام سورۃ پڑھ جاتا ہے اور تمام ہونے کے بعد ہوشیار ہوتا ہے تو جانتا ہے کہ غفلت میں پڑھا اسی طرح کاتب اوّل میں بڑی محنت لکھنے پر کرتا ہے پھر جو مشق چڑھ جاتی ہے تو لکھنا سرشتی ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ورق کے ورق لکھتا اور نقل کرتا چلا جاتا ہے اور دل دوسری فکر میں ڈوبا رہتا ہے حاصل یہ کہ جن صفات کو نفس اور اعضا قبول کرتے ہیں ان کے اکتساب کی صورت یہی ہوتی ہے کہ تکلف اور بناوٹ کرنا پڑتی ہے اور آخر کو عادت سے سرشت ہو جاتی ہیں اور یہی غرض ہے اس قول سے کہ عادت طبع[2] ہے پس اگر احوال شریفہ کسی شخص کے اندر مفقود ہوں تو ان سے ناامیدی کرنی نہ چاہیئے بلکہ چاہیئے کہ ان کو بتکلف راگ سے یا اور کسی تدبیر سے حاصل کرے کیونکہ عادت میں ایسا دیکھا گیا ہے کہ جس شخص نے کسی دوسرے پر عاشق ہونا چاہا ہے اور پہلے سے عاشق نہیں تھا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے نفس کے سامنے اس کا ذکر مدام کرنا اور جو باتیں اس میں عمدہ اور اخلاق حمیدہ تھے ان کا تقریر کرنا اور علی الدوام اس کی طرف

[1] فصل دوم باب آداب تلاوت میں گذری ۱۲ [2] یہاں طبع سے مراد عنصر ہے ورنہ مشہور یوں ہے کہ عادت طبیعت دوم ہے ۱۲

دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس پر عاشق ہو گیا اور عشق اس کے دل میں ایسا جم گیا کہ اس کی حد اختیار سے باہر نکل گیا پھر اس نے اس کے بعد اس سے چھوٹنا چاہا تو نہ چھوٹ سکا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے دیدار کا شوق اور اس کی خفگی کا خوف اور دوسرے احوال شریفہ اگر آدمی میں نہ ہوں تو چاہیے کہ ان کے حاصل کرنے کی تدبیر کرے اس طرح کہ جو لوگ ان حالات سے موصوف ہوں ان کے پاس بیٹھ کر ان کے احوال دیکھا کرے اور ان کی صفات کو دل میں اچھا کہا کرے اور راگ سننے میں ان کا شریک ہو کر خدائے تعالیٰ کی جناب میں دعا اور تضرع کرے کہ وہ حالت مجھ کو بھی مرحمت کر اور اس کے سامان میرے لئے مہیا فرما اور ان احوال کے سامانوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راگ سنے اور نیک بخت بندوں اور خوف کرنے والوں اور محبوں اور مشتاقوں اور خاشعین کے پاس بیٹھے اس لئے کہ جو شخص دوسرے کے پاس بیٹھتا ہے اس کی صفات اس کے اندر بھی سرایت کر جاتی ہیں ایسی طرح کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اس بات کی جہت سے محبت وغیرہ احوال کے حاصل ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد دلیل ہے کہ آپ نے دعا میں فرمایا اللھم ارزقنی حبك وحب من احبك وحب من یقرب نی الی حبك تو دیکھو اس دعا میں اپنے محبت کی طلب فرمائی اگر یہ امر سرشتی ہوتا تو اس کی درخواست کیسے ہوتی یہاں تک کہ بیان سے معلوم ہوا کہ وجد کی دو قسمیں ہیں مکاشفہ اور حالت اور پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اس کا اظہار ممکن ہو دوسرے وہ کہ اس کا اظہار ممکن نہ ہو اور نیز وجد کی دو اور قسمیں ہیں ایک وہ کہ بتکلف ہو دوسری وہ کہ طبعی۔ اب اگر یہ کہو کہ کیا بات ہے صوفیوں کو قرآن مجید کے سننے سے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وجد نہیں ہوتا اور راگ پر جو کلام شعراء کا ہے وجد ظاہر ہوتا ہے اگر بالفرض وجد خدائے تعالیٰ کی عنایت ہی سے ہوتا اور حق ہوتا اور شیطان کے فریب سے اور باطل نہ ہوتا تو چاہیے تھا کہ راگ کی نسبت کر قرآن مجید سے بطریق اولیٰ ہوا کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو وجد حق ہوتا ہے وہ اللہ کی فرط محبت اور صدق ارادت اور اس کے شوق دیدار سے پیدا ہوتا ہے اور اس طرح کا وجد قرآن مجید کے سننے سے بھی جوش کرتا ہے اور جو وجد کہ خلق کی محبت اور مخلوق کے عشق سے ہوا کرتا ہے وہ البتہ قرآن مجید کے سننے میں جوش میں نہیں آتا اور قرآن مجید سے وجد ہونے پر خود قرآن گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے[1] الابذکر اللہ تطمئن القلوب اور فرمایا[۳] مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ۔ تو طمانیت اور بدن پر رووں کا کھڑا ہو جانا اور خوف اور دل کی نرمی جو ان آیتوں

---

[1] الٰہی مجھ کو روزی دے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے اور اس شخص کی محبت جو مجھ کو تیری محبت سے قریب کرے باب الدعوات میں گذری ۱۲۔ [۲] سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل ۱۲ [۳] کتاب دھرائی ہوئی بال کھڑے ہونے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں رب سے پھر نرم ہوتی ہیں انکی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر ۱۲۔

میں مذکور ہیں وہ وجد ہی ہیں اس لئے کہ وجد وہی ہوتا ہے جو سننے کے سبب سے سننے کے بعد نفس میں پایا جاوے اور دوسری جگہوں ارشاد ہے[1] انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم اور فرمایا[2] لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ تو ان آیتوں میں ترس اور خشوع وجد ہے حالات کے قبیل سے گو مکاشفات کے قبیل سے نہیں مگر کبھی مکاشفات اور تنبیہات کا سبب ہو جاتا ہے اور اسی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ[3] زینوا القرآن کو اپنی آوازوں سے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی شان میں فرمایا[4] لقد اوتی مزمارا من مزامیر آل داؤد علیہ السلام اور جن حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل کو قرآن سننے کے وقت وجد ہوا ہے وہ بہت ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[5] شیبتنی سورۃ ھود تو یہ بھی وجد کی خبر ہے اس لئے کہ بڑھاپا حزن اور خوف سے حاصل ہوتا ہے اور حزن اور خوف وجد میں داخل ہوتا ہے اور مروی ہے[6] کہ حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورہ نساء پڑھی جب اس آیت پر پہنچے[7] فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علیٰ ھولاء شھیدا آپ نے فرمایا کہ بس کرو اور دونوں آنکھوں سے اشک جاری تھے اور ایک روایت[8] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھا یا کسی اور شخص نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی[9] ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصۃ وعذابا الیما پس آپ بے ہوش ہو گئے اور ایک روایت[10] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر روئے[11] ان تعذبھم فانھم عبادک الآیۃ اور یہ آپ کا دستور تھا کہ آیت رحمت پر گذرتے تو دعا[12] مانگتے اور بشارت کی درخواست کرتے اور بشارت کی التجا وجد ہے اور جو لوگ قرآن مجید پر وجد کرتے ہیں ان کی تعریف خدائے تعالیٰ نے کی ہے چنانچہ فرمایا[13] واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] ایمان والے وہی ہیں کہ جب ایمان آوے اس کا ڈر جاویں دل ان کے[2] اگر ہم اتارتے یہ قرآن پاک پہاڑ پر تو تو دیکھتا وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے[3] باب آداب تلاوت میں گذری ۱۲[4] دیے گئے ابوموسیٰ ایک نغمہ داؤد علیہ السلام کی خوش آوازیوں سے اسی باب میں گذر چکی ۱۲[5] بوڑھا کر دیا مجھ کو سورہ ہود نے ترمذی بروایت ابی جحیفہ اور حاکم بروایت ابن عباسؓ ۱۲[6] پھر کیا حال ہوگا کہ جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا ۱۲[7] ابن عدی در کامل بروایت ابی الحرب بن ابی الاسود مرسلا ۱۲[8] البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکتا اور دکھ کی مار[9] مسلم بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲[10] اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو تو ہی زبردست حکمت والا ۱۲[11] باب تلاوت قرآن میں گذری اور اس میں بشارت کی درخواست کا ذکر نہیں ۱۲[12] اور جب سنیں جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں ابلتی ہیں آنسوؤں میں اس پر جو پہچانی حق بات ۱۲[13] ابوداؤد ونسائی وترمذی در شمائل وبروایت عبداللہ بن شخیر ۱۲۔

نماز پڑھا کرتے تھے اور آپ کے سینہ مبارک میں ایسا جوش ہوتا تھا جیسے ہنڈیا کے کھدبد ہونے کی آواز ہوتی ہے اور صحابہ تابعین نے جو قرآن پر وجد کیا ہے ان کی نقلیں بہت سی ہیں کہ بعضوں نے پچھاڑ کھائی اور کچھ روئے اور کچھ بے ہوش ہو گئے اور بعض غشی کی حالت میں مر گئے چنانچہ کہتے ہیں کہ زرارہ بن ابی اوفی رقہ میں لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے کہ کسی رکعت میں یہ آیت پڑھی [1] فاذا نقر فی الناقور فذلك یومئذ یوم عسیر اس کو پڑھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے اور محراب ہی میں مر گئے یہ بزرگ تابعین میں سے تھے اور حضرت عمر نے ایک شخص کو پڑھتے سنا [2] ان عذاب ربك لواقع ماله من دافع آپ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے لوگ مکان پر اٹھا لائے ایک مہینہ بھر آپ بیمار رہے اور ابو جریہ تابعی کے سامنے صالح مری نے قرآن میں سے کچھ پڑھا وہ چیخ مار کر مر گئے اور حضرت امام شافعی نے کسی قاری کو یہ پڑھتے سنا [3] هذا یوم لا ینطقون ولا یؤذن لهم فیعتذرون آپ کو غش آ گیا اور علی بن فضیل نے کسی قاری کو پڑھتے سنا [4] یوم یقوم الناس لرب العالمین تو غش کھا کر گر پڑے حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تجھ کو وہ ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے تجھ سے معلوم کر لیا ہے اسی طرح بہت سے لوگوں سے اس طرح کی حکایتیں منقول ہیں اور ایسا ہی صوفیوں کا حال منقول ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ شبلیؒ رمضان کی شب میں ایک امام کے پیچھے اپنی مسجد میں نماز پڑھتے تھے امام نے یہ آیت پڑھی [5] ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیك حضرت شبلی نے ایک چیخ ایسی ماری کہ لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا اور آپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور شانے تھرانے لگے اور یہی بار بار کہتے تھے کہ احباب کو ایسی ہی طرح خطاب کیا کرتے ہیں اور حضرت جنید بغدادیؒ حضرت سری سقطیؒ کے پاس کہتے ہیں کہ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص کو غش آیا ہوا ہے۔ مجھ سے فرمایا کہ یہ ایک شخص ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت سن کر اس کو غش آ گیا ہے میں نے کہا کہ اس پر وہی آیت دوبارہ پڑھو جب وہ آیت پڑھی گئی تو اس کو افاقہ ہو گیا حضرت سری سقطی نے پوچھا کہ یہ مضمون تم نے کہاں سے کہا میں نے کہا کہ حضرت یعقوب علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نابینائی مخلوق کے باعث سے تھے تو مخلوق ہی کے سبب سے اچھی ہو گئی اگر آپ کا نابینا ہونا حق کے واسطے ہوتا تو مخلوق کے سبب سے بینا نہ ہوتے حضرت سری سقطیؒ نے اس جواب کو اچھا کہا اور جو تدبیر کہ حضرت

---

[1] پھر جب کھڑ کھڑا دے وہ کھو کھرا پھر وہ اس دن مشکل دن ہے [2] بے شک عذاب تیرے رب کا ہوتا ہے اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں [3] یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو حکم ہو کہ توبہ کریں [4] درخواست الخ اصل میں یہ ہے کہ دعا مانگتے اور خوش ہو جاتے مترجم کا یہ کہنا کہ بشارت کی التجا ہے ٹھیک نہیں بلکہ خود خوشی میں بھر جانا اسی طرح حاشیہ پر یہ لکھنا کہ اس حدیث میں بشارت کی درخواست کا ذکر نہیں ہے یہ بھی غلطی ہے کیونکہ حدیث میں تصریح درخواست کرنا مذکور ہے لیکن عراقیؒ کا مطلب یہ ہے کہ اخبار میں جو استبشر کا لفظ ہے وہ حدیث میں نہیں ہے [4] جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے صاحب کی [5] اور اگر ہم چاہیں لے جائیں جو چیز تم کو وحی بھیجی

جنید نے فرمائی تھی اسی طرف شاعر کا قول اشارہ کرتا ہے ؂ میں نے اوّل تو پیئے جام مزہ میں آکر دور ثانی ہے بدیں وجہ کہ ہو دور خمار اور کسی صوفی کا قول ہے کہ میں ایک شب اس آیت کو پڑھ رہا تھا کل نفس ذائقة الموت میں نے اس کو مکرر پڑھنا شروع کیا اتنے میں غیب سے ایک آواز آئی کہ کہاں تک اس آیت کو مکرر پڑھے گا چار جن تو تو نے قتل کر دیئے جنہوں نے روز ولادت سے اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اٹھایا تھا اور ابو علی معاذلی نے شبلی سے کہا کہ بعض اوقات میرے کان میں کوئی آیت قرآن مجید کی پڑتی ہے تو مجھ کو دنیا سے اعراض کرنے کی طرف کشش کرتی ہے پھر جو اپنے کاروبار اور لوگوں کی طرف رجوع کرتا ہوں تو کیفیت مذکورہ باقی نہیں رہتا حضرت شبلی نے فرمایا کہ اگر قرآن سن کر تم متوجہ اور مائل الی اللہ ہوتے ہو تو یہ بھی خدائے تعالیٰ کی توجہ اور عنایت ہے اور اگر تم کو تمہارے نفس کی طرف رجوع کر دیتا ہے تو یہ بھی اس کی شفقت اور رحمت ہے کیونکہ اس کی طرف متوجہ ہونے میں تم کو بجز اس امر کے اور کچھ شایاں نہیں کہ اپنی تدبیر اور قوت سے بری ہو جاؤ اور کسی صوفی نے ایک قاری کو پڑھتے سنا[۱] یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية تو اس کو قاری سے دوبارہ پڑھوا کر کہا کہ نفس کو کب تک کہے جاؤں کہ رجوع کر اور یہ رجوع نہیں کرتا پھر حالت میں آکر ایسی چیخ ماری کہ جان نکل گئی اور بکر بن معاذ نے کسی کو پڑھتے سنا[۳] وانذرهم يوم الازفة الاية تو مضطرب ہوئے پھر چیخ مار کہا کہ رحم کر اس پر جس کو تو نے ڈرایا اور ڈرانے کے بعد بھی وہ تیری طاعت پر متوجہ نہ ہو اتنا کہہ کر ان کو غش آگیا۔ اور ابراہیم ادہم جب کسی کو[۴] اذا السماء انشقت پڑھتے سنتے تو آپ کے جوڑ ایسے مضطرب ہوتے کہ گویا بند بند کانپتا ہے اور محمد بن جبیح کہتے ہیں کہ ایک شخص فرات کے اندر غسل کرتا تھا اتنے میں ایک آدمی کنارہ پر یہ آیت پڑھتا ہوا نکلا[۵] وامتازوا اليوم ايها المجرمون تو وہ نہانے والا پڑھنے لگا یہاں تک کہ ڈوب کر مر گیا اور کہتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس سے محبت ہو گئی چند روز جو اس کو نہ دیکھا تو لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا کسی نے کہا کہ بیمار ہے آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے دیکھا تو نزع میں ہے اس نے حضرت سلمان سے کہا کہ جو بھر بہری کہ آپ نے میرے بدن پر ملاحظہ فرمائی تھی وہ بہت اچھی صورت بن کر میرے پاس آئی اور مجھ سے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرے سب گناہ بخش دیئے حاصل یہ کہ اہل دل قرآن سننے کے وقت بھی وجد سے خالی نہیں ہوتے اور اگر قرآن کا سننا اس میں کچھ اثر نہ کرے تو اس کو اس آیت کا مصداق سمجھنا چاہیے[۶] فمثله كمثل الذی ينعق بما لا يسمع الا دعاء ونداء صم بكم عمی فهم لا يعقلون بلکہ اہل دل کو تو کلمہ حکمت سننا بھی اثر کرتا ہے چنانچہ جعفر خلدی

---

[۱] ہر جی کو چکھنی ہے موت ۱۲۔ [۲] اے جی چین پکڑنے پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۱۲ [۳] اور خبر سنا دے انکو دن نزدیک والے کی ۱۲ [۴] جب آسمان پھٹ جاوے ۱۲ [۵] اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گنہگارو ۱۲۔ [۶] ان کی مثل جیسے مثال ایک شخص کی کہ چلاتا ہے ایک چیز کو جو سنتی نہیں مگر پکارنا اور چلانا بہرے گونگے اندھے ہیں سو ان کو عقل نہیں ۱۲

فارسی رضی اللہ عنہ نے کسی جوان کو تلاوت کرتے دیکھا اور جب وہ ایک آیت پر پہنچا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے حضرت سلمان

کہتے ہیں کہ ایک شخص خراسانی حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ آدمی کے نزدیک اسکے ثنا خواں اور برا کہنے والے یکساں کب ہو جاتے ہیں کسی درویش نے کہا کہ جب آدمی شفاخانہ میں جاتا ہے اور دو قیدوں میں مقید ہوتا ہے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ جواب تمہاری شان کے شایان نہیں پھر آپ اس خراسانی کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ نوبت اس وقت ہوتی ہے کہ یقین کرے کہ میں مخلوق ہوں اس شخص نے ایک چیخ ماری اور مر گیا اب اگر یہ کہو کہ اگر قرآن کا سننا وجد پیدا کرتا ہے تو صوفی قوالوں کے راگ سننے پر کیوں جمع ہوتے ہیں قاریوں سے قرآن مجید اکٹھے ہو کر کیوں نہیں سنتے مناسب تو یہ تھا کہ ان کا اجتماع اور حال لذبا قاریوں کے حلقہ میں ہوتا نہ ڈھاڑیوں کے طائفہ میں اور یہ بھی چاہیئے تھا کہ ہر ایک دعوت میں اجتماع کے وقت کوئی قاری بلایا جاتا نہ قوال کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام راگ سے بلا شبہ افضل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو قرآن مجید کا سننا باعث وجد ہے مگر اس کی نسبت کر وجد کا جوش سماع سے زیادہ ہوتا ہے سات وجہوں کے سبب سے وجہ اول یہ ہے کہ قرآن مجید کی سب آیتیں سننے والے کے مناسب حال نہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ سب کو سمجھ کر جس حال میں وہ مبتلا ہے اس پر ڈھال لے مثلاً جس شخص پر حزن یا شوق یا ندامت غالب ہو تو اس کے حال کے مناسب یہ آیت کیسے ہوگی[1] یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین اور یہ آیت[2] والذین یرمون المحصنات اور اس طرح اور آیتیں جن میں احکام میراث اور طلاق اور حدود وغیرہا کے ہیں اور دل کی بات کی محرک وہی چیز ہوتی ہے جو اس کے مناسب ہو اور اشعار کو جو شعراء نے نظم کیا ہے تو حالات دل کے ہی ظاہر کرنے کے لئے ہے ان اشعار سے حال کے سمجھنے میں کچھ تکلف نہیں کرنا پڑتا ہاں جس شخص پر حالت زبردست غالب ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسری حالت کی گنجائش ہی نہ ہو اور اس کی تیزی طبع اور ذکاء ذہن اتنا ہو کہ الفاظ میں سے دور دور کے معنی سمجھ لیا کرے تو ایسا شخص البتہ ہر قول کے سننے پر وجد کر سکتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم سے موت کی حالت سمجھے جس سے وصیت کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کہ ہر انسان کو ضرور ہے کہ اپنا مال اور اولاد جو دنیا کے اندر دو محبوب چیزیں ہیں ان میں سے ایک محبوب کو دوسرے کے قبضہ کے لئے چھوڑے ان دونوں سے مفارقت کر جائے تو اس خیال سے اس پر خوف اور فزع غالب ہو جائے یا یوصیکم اللّٰہ میں صرف اسم ذات سن کر مدہوش ہو جائے نہ اسکے آگے کے مضمون کی خبر رہے نہ پیچھے کے معنوں کی یا دل میں گذرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت کو دیکھنا چاہیئے کہ بندوں کی میراثوں کی تقسیم کا متولی بھی خود ہوا کہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں بندہ پر عنایت ہے اور اس سے یہ خیال کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد پر شفقت فرمائی ہے تو بیشک

[1] اللہ کہتا ہے تم کو تمہاری اولاد میں مرد کا حصہ برابر دو عورت کے ۱۲ [2] اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والیوں کو ۱۲

وہ ہم پر بھی نظر مرحمت فرمائے گا اور اس خیال سے رجا کی حالت جوش کرے گی اور موجب اس کے سرور اور استبشار کا ہو گی یا سن کو مثل حظ الانثیین سے دل میں خیال بندھے کہ مرد کو مردیت کے باعث سے عورت پر فضیلت ہے اور آخرت میں فضیلت ان مردوں کو ہے جنکی شان یہ ہے رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ اور یہ کہ جس شخص کو غیر اللہ خدائے تعالیٰ کی یاد سے بھلائے تو وہ حقیقت میں مرد نہیں عورت ہے اور اس خیال سے خوف کرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جیسے عورت اموال دنیا میں پیچھے رہ گئی ویسے ہی ہم بھی نعیم آخرت سے پیچھے نہ پڑ جائیں تو اس طرح کے خیالات سے البتہ بعض اوقات وجد کی تحریک ہوتی ہے لیکن اسی شخص کو جس میں دو وصف ہوں ایک تو حالت مستغرق غالب دوسرے فطانت جیدہ اور ذکا مر کامل کہ قریب کی باتوں کی تنبیہ سے دور کی باتوں پر واقف ہو جائے اور ایسا شخص چونکہ کامیاب ہے اسی لئے راگ کی طرف التجا کی جاتی ہے کہ اس میں الفاظ احوال کے مناسب ہوتے ہیں سنتے ہی جھٹ پٹ حالت آجاتی ہے اور مروی ہے کہ حضرت ابوالحسین نوریؒ کسی دعوت میں ایک جماعت کے ساتھ تھے ان لوگوں میں کچھ تذکرہ علمی ہونے لگا ابوالحسین خاموش سنتے رہے اور یکبارگی سر اٹھا کر اس مضمون کے اشعار پڑھے ؎

چاشت کو فاختہ دل باختہ ہر شاخ پہ بیٹھ — نغمہ کو کو سے کرتی تھی دل اپنا افگار
دلبر و موسم خوش یاد وہ کر رونے لگی — اس کے رونے سے ہوا دل میں مرے غم کا ابھار
اپنی زاری سے کبھی اس کو جگاتا ہوں میں — کچھ مجھے کرتی ہے وہ اپنے فغاں سے بیدار
میں جو دکھ کہتا ہوں اس کو نہیں سمجھا سکتا — نہ سمجھتا ہوں جو کچھ کہتی ہے وہ اپنا آزار
سوزش دل سے ہے لیکن ہمیں آپس کی شناخت — میں اسے جانتا ہوں اور وہ مجھے عاشق زار

راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے اٹھ کر وجد نہ کیا ہو اور یہ وجد ان کو اس علم سے نہ ہوا جسمیں بحث کر رہے تھے حالانکہ وہ علم بھی یقینی اور حق ہی تھا دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید اکثر لوگوں کو یاد ہوتا ہے اور کانوں اور دلوں پر کثرت سے آتا ہے اور جو بات کہ اول ہی سنی جاتی ہے اس کا اثر دلوں میں بہت ہوتا ہے اور دوسری دفعہ میں اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور تیسری بار تو گویا رہتا ہی نہیں اور اگر بالفرض کسی ایسے شخص کو کہا جاوے جس پر وجد غالب ہو کہ ہمیشہ ہی ایک شعر پر تھوڑے تھوڑے عرصہ میں ایک دن یا ہفتہ کے اندر حال کیا کر تو اس سے کبھی نہ ہو سکے گا اور اگر شعر بدل دیا جاوے گا تو البتہ اس کا اثر اس کے دل میں نیا پیدا ہو گا کہ مضمون وہی ہو جو پہلے شعر کا تھا مگر لفظ اور بدن و قافیہ کا پہلے سے جدا ہونا نفس کو حرکت دیتا ہے گو قوال وہی ہو اور قاری سے ممکن نہیں کہ ہر وقت نیا قرآن پڑھے اور ہر دعوت میں نئی تلاوت کرے اس لئے کہ قرآن تو محصور ہے اس میں کچھ بڑھ نہیں

۱؎ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سوداگری کرنے میں اللہ کی یاد سے

سکتا نہ الفاظ بدل سکیں وہ تو کل محفوظ ہے اور بہت دفعہ سنا جاتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب اعراب کو دیکھا کہ قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس کو سنتے ہیں اور روتے ہیں تو فرمایا کہ ہم بھی کبھی ایسے ہی تھے جیسے تم ہو مگر اب ہمارے دل سخت ہو گئے تو اس سے یہ گمان نہ کرنا کہ صدیق کا دل اجلاف عرب سے بھی زیادہ سخت تھا یا آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام سے محبت اتنی نہ تھی جتنی ان لوگوں کو تھی بلکہ اصل یہی تھی کہ دل بہ تکرار گزرنے سے عادی ہو گئے تھے اور کثرت استماع کی جہت سے اس سے اتنا انس تھا کہ اثر کم معلوم ہوتا تھا کیونکہ عادت میں محال ہے کہ کوئی سننے والا ایک آیت سنے جس کو پہلے نہ سنا ہو اور گریہ کرے پھر بیس برس تک ہمیشہ اس کو بکرر پڑھ کر رویا کرے حالانکہ آیت وہی ہے مگر چونکہ نئی بات نہیں ہوتی اس لئے کچھ اثر نہیں ہوتا اور یہ مشہور ہے کہ[۱] کل جدید لذیذ ہر نئی بات کا ایک صدمہ ہوتا ہے اور ہر مالوف کے ساتھ انس ہوتا ہے جو صدمہ کے مخالف اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے قصد کیا تھا کہ لوگوں کو خانہ کعبہ کا طواف کثرت سے نہ کرنے دیں اور فرمایا کہ مجھ کو خوف ہے کہ لوگ کہیں اس گھر سے مانوس نہ ہو جائیں اور پھر وقعت دل میں کم ہو جائے اور جو شخص حج کو جاتا ہے اور پیشتر خانہ کعبہ پر اس کی نگاہ پڑتی ہے تو روتا ہے اور چلاتا ہے اور بعض وقت دیکھتے ہی غش آجاتا ہے اور پھر جو اتفاقاً مکہ معظمہ میں مہینہ بھر ٹھہرتا ہے تو وہ بات اپنے دل میں نہیں پاتا حاصل یہ کہ قوال اجنبی اور نئے اشعار ہر وقت پڑھ سکتا ہے اور آیتوں میں قاری سے ایسا نہیں ہو سکتا تیسری وجہ یہ کہ کلام کے موزوں ہونے سے شعر کا مزہ بدل جاتا ہے اور دل میں اثر جدا گانہ کرتا ہے کیونکہ اچھی آواز موزوں اور ہوتی ہے اور کلام طیب بےوزن اور ہوتا ہے اور وزن اشعار ہی میں پایا جاتا ہے آیات میں نہیں ہوتا اور وزن کو اس باب میں اتنا دخل ہے کہ اگر قوال جس شعر کو پڑھتا ہو اس میں زحاف کر دے یا غلطی کرے یا لے کی حد سے جو نغمہ میں ہوتی ہے مائل ہو جائے تو سننے والے کا دل گھبرائے گا اور اس کا وجد و سماع باطل ہو جائے گا طبیعت کو عدم مناسبت کی جہت وحشت ہو گی تو دل پہلے پریشان ہو گا غرضکہ پاس لحاظ کہ وزن کو اثر ہوا کرتا ہے راگ میں شعر ہی مطلوب ہوا چوتھی وجہ یہ ہے کہ شعر موزوں کی تاثیر دل میں نغموں کی جہت سے مختلف ہوتی ہے جن کو سر اور لے کہتے ہیں اور یہ باتیں صرف مصور کو بڑھانے اور ممدود کو گھٹانے اور کلمات کے بیچ میں وقف کرنے اور بعض کو منقطع اور بعض کو موصول کرنے سے ہوتی ہیں اور یہ تصرفات شعر میں درست ہیں مگر قرآن مجید میں جائز نہیں کیونکہ اس میں تلاوت اسی طرح چاہیئے جیسے خداوند کریم نے نازل فرمایا ہے کہ مقتضائے تلاوت کے خلاف اس میں مد کی جگہ قصر یا اس کا عکس یا وقف یا وصل یا قطع ہو گا تو وہ حرام مکروہ ہو گا اور اگر قرآن مجید کو سادہ طور پر جیسے نازل ہوا ہے پڑھا جائے گا تو اس میں وہ اثر نہ ہو گا جو نغموں کے سروں سے ہوتا ہے حالانکہ تاثیر میں وہ سب مستقل ہیں گو سمجھے نہ جاویں جیسے تاروں

---

[۱] ہر ایک نئی چیز مزہ دار ہوتی ہے ۱۲

کے باجوں اور نفیری اور شادیانے اور تمام میں جو سمجھ میں نہ آویں اثر دیکھا جاتا ہے پانچویں وجہ یہ کہ نغمات موزون کی تاکید اور موزوں آواز سے بھی ہو جاتی ہے جو حلق خلق سے نہیں نکلتی مثلاً لکڑی سے گت لگانے یا ڈھولکی کی تال وغیرہ سے اثر دو بالا ہو جاتا ہے اس لئے کہ وجد ضعیف جب ہی ابھرتا ہے کہ اس کا سبب قوی ہو اور سبب ان سب باتوں کے یک جا ہونے سے قوی ہو جاتا ہے اور ان سے ہر وجد کو تاثیر میں دخل ہے اور واجب ہے کہ قرآن مجید کو ان جیسے قرائن سے بچایا جائے اس لئے کہ عوام کے نزدیک ان قرائن کی صورت کھیل کی سی ہے اور قرآن تمام خلق کے نزدیک کھیل نہیں پس حق محض میں ایسی چیز ملانی جو عوام کے نزدیک کھیل ہو یا خواص کے نزدیک کھیل کی سی صورت ہو گو وہ اس کو اس نظر سے نہ دیکھتے ہوں کہ کھیل ہے جائز نہ ہو گی بلکہ قرآن کی تعظیم کرنی چاہیئے کہ راستوں پر نہ پڑھا جائے اور نہ جنابت کے حال میں اور نہ بے وضو ہونے کے وقت میں بلکہ ایسی مجلس میں پڑھا جائے جس میں سکون اور سکوت ہو اور ظاہر ہے کہ حق حرمت قرآن کا بجز ان لوگوں کے اور کسی سے پورا نہیں ہو سکتا جو اپنے احوال کے نگران رہیں اسی لحاظ سے راگ کی طرف میل کیا جاتا ہے جس میں حاجت اس نگرانی اور لحاظ کی نہیں اور یہیں وجہ شادی کی شب میں دف بجانا مع قرآن کی تلاوت کے درست نہیں حالانکہ دف بجانے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نکاح کو ظاہر کرو گو چلنی ہی بجانے سے ہو یا کسی اور عبارت سے ارشاد کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ دف بجانا شعر کے ساتھ درست ہے نہ قرآن کے ساتھ اور اسی وجہ سے جب آنحضرت[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع بنت معوذ کے گھر میں ان کی شادی کے روز[2] تشریف لے گئے اور ان کے پاس کچھ لونڈیاں گا رہی تھیں پس آپ نے ایک کی آواز سنی کہ وہ یہ کہتی ہے ۔ خدا نے بھیجا ہے وہ سید الرسل ہم میں + کہ جو معاملہ کل ہوگا اسکو ہے معلوم آپنے فرمایا کہ اس کو ترک کر اور جو پہلے کہتی تھی وہی کہہ اور اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ نبوت کی شہادت تھی اور راگ کھیل تھیں تو اس کو ایسی چیز سے ملانا نہ چاہیئے جو کھیل کی صورت پر ہو اس صورت میں ان اسباب کی تقویت سے شوار ہو گئی جن سے سماع دل کی تحریک کرتا ہے تو اسی لئے اس کو اس قول سے منع فرمایا اور راگ کی اجازت دے دی پس جیسے اس لونڈی پر شہادت نبوت سے راگ کی طرف انحراف واجب ہوا اسی طرح حرمت قرآن مجید اسکی مقتضی ہے کہ اس سے بھی راگ کی طرف منحرف ہونا چاہیئے. چھٹی وجہ یہ ہے کہ قوال کبھی کوئی شعر ایسا پڑھتا ہے کہ سننے والے کے حال کے موافق نہیں پڑتا اسی لئے وہ اس کو برا جانتا ہے اور قوال کو روک دیتا ہے کہ اس کو مت کہو دوسرا شعر پڑھو کیونکہ ہر کلام ہر حال کے موافق نہیں ہوا کرتا پس اگر دعوتوں میں قاری سے کچھ پڑھوایا کرتے تو عجب نہیں کہ وہ ایسی آیت پڑھتا جو ان کے حال کے موافق نہ ہوتی اس لئے کہ قرآن ہر چند سب کا سب لوگوں کے لئے شفا ہے مگر باعتبار حالات کے ہی مثلاً رحمت کی آیتیں خائف کے حق میں شفا ہیں اور عذاب کی آیتیں بخوف اور مغالطہ میں پڑے ہوئے شخص کی شفا ہیں اسی طرح ہر آیت کو معلوم کرنا چاہیئے تفصیل وار لکھنا

[1] باب النکاح میں گذری ۱۲ [2] باب النکاح میں میں گذری ہے قولہ روز الخ بلکہ شب زفاف کی صبح کو تشریف لے گئے تھے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں تصریح ہے ۱۲ امیر علی عفا عنہ

[*] کی تاکید اور موزوں آواز سے

بہت طول چاہتا ہے تو اب قرآن پڑھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آیت حاضر مجلس کے حال کے موافق نہ پڑے اور اس کا نفس اس کو برا جانے اور کلام الٰہی کے برا جاننے کے خطرہ؏ میں مبتلا نہ ہو جائے کہ پھر اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل ہی نہ ملے اس خطرہ سے احتراز کرنا نہایت واجب اور ضرور ہے اس لئے کہ اس سے خلاص ہونے کی تدبیر یہی ہے کہ کلام کو اپنے حال پر ڈھالے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو صرف اسی صورت پر ڈھال سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مقصود ہے دوسری صورت پر اس کا ڈھالنا جائز نہیں اور شاعر کے شعر کو جائز ہے کہ اس کی مراد کے سوا پر بھی محمول کر لیا جائے غرضکہ قرآن مجید میں یا تو خطرہ اس کے برا جاننے کا ہے تاویل غلط کا جو حال کے موافق ہو تو کلام الٰہی کو ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھنا اور اس کی توقیر کرنی واجب ہے یہ چھ وجہیں قرآن مجید کے نہ سننے اور راگ کی طرف فرقہ صوفیہ کے میل کرنے کی مجھ کو سوجھی ہیں وجہ ساتویں وہ ہے جس کو ابو نصر سراج طوسی نے ذکر کیا ہے اور قرآن سے سماع نہ کرنے کا عذر اس طرح لکھا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک صفت ہے اس کی صفات میں سے اور چونکہ وہ حق ہے اور غیر مخلوق ہے تو بشریت جو مخلوق چیز ہے اس کو اس کی تاب نہیں اور اگر ایک ذرہ قرآن مجید اور اس کے معانی اور ہیبت کا واضح ہو جائے تو بشریت کی صفات پھٹ جائیں اور مدہوش و متحیر ہو جائیں مگر نغمات عمدہ کو طبیعتوں سے مناسبت ہے اور ان کی نسبت لذتوں کی سی نسبت ہے نہ امور حقہ کی سی اور شعر کی نسبت بھی حظوظ کی سی ہے تو جب اشعار کے اشارات اور لطیفے نغموں اور آوازوں سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے ہم شکل ہو جاتے ہیں اور لذتوں سے قریب تر اور دلوں پہ ہلکے معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ مخلوق کا جوڑ مخلوق سے خوب ہوتا ہے۔ تو جب تک بشریت رہتی ہے اور اپنی صفات اور حظوظ پر ہیں تو ہم کو راحت نغمات دل کش اور اصوات خوش سے ملتی ہے اسی لئے ان حظوظ کی بقا کے مشاہدہ کے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اشعار کی طرف راغب ہوں اور کلام الٰہی سے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اسی سے اس کا آغاز اور اسی پر اس کا انجام ہے حظوظ کے جویا نہ ہوں یہ خلاصہ ہے ابو نصر کی تقریر اور عذر کا اور ابو الحسن دراج کہتے ہیں کہ جس نے بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی زیارت اور سلام کے لئے سفر کیا جبرے میں داخل ہوا جس سے ان کا حال پوچھا اس نے یہی کہا کہ اس زندیق سے تم کو کیا کام ہے میرا دل تنگ ہوا یہاں تک کہ ارادہ واپس آنے کا کیا پھر دل میں سوچا اتنا بڑا سفر میں نے کیا ہے اور کچھ نہ ہو تو ان کو دیکھ تو لوں غرضکہ پوچھتا پوچھتا ان کے پاس گیا دیکھا تو وہ ایک مسجد کی محراب میں بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ایک شخص ہے اور خود قرآن ہاتھ میں لئے تلاوت کرتے ہیں اور نہایت خوبصورت اور چمک دمک کے آدمی

عہ خطرہ الخ اصل میں یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کے طریقہ میں اپنے آپ کو ایسے خطرہ پر پیش کرنا ہے کہ کلام الٰہی کو سننا ناگوار ہو ایسی طرح کہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے ۱۲ امیر علی عفا اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔

مقطع داڑھی والے ہیں میں نے سلام کیا انہوں نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم کہاں سے آتے ہو میں نے کہا کہ بغداد سے پوچھا کہ کس لئے آتے ہو میں نے کہا کہ آپ کے سلام کرنے کو آیا ہوں فرمایا کہ اگر بالفرض ان شہروں میں جہاں کو تم آتے ہو کوئی تم کو یوں کہتا کہ تم میرے پاس ٹھہر جاؤ ہم تمہارے لئے گھر یا لونڈی مول لئے دیتے ہیں تو یہ امر تمہارے آنے کا مانع ہوتا یا نہیں میں نے کہا کہ اب تک تو اللہ تعالیٰ نے میرا امتحان کسی بات سے نہیں لیا لیکن اگر اس طرح میرا امتحان لیتا تو نہ معلوم اس وقت میں کیسا ہوتا پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم کو کچھ گانا آتا ہے میں نے کہا ہاں انہوں نے کہا کچھ کہو میں نے یہ قطع پڑھا

قطعہ

بنائے ہجر تو کرتا ہے دیکھتا ہوں مدام جو ہوش ہوتا تجھے کرتا یہ بنا مسمار

پڑا ہے کام مجھے تم سے اس گھڑی جس دم کہ لفظ لیت ہے بہتر نہیں تمہیں گفتار

تو کاش پڑتا مجھے پالا ایسی ساعت میں بہانہ جوئی سے تم کو نہ ہوتا کچھ سروکار

انہوں نے قرآن مجید تو بند کر دیا اور اتنا روئے کہ داڑھی اور رومال تر ہو گیا حتی کہ رونے کی کثرت سے مجھے بھی ان کے حال پر ترس آگیا پھر فرمایا کہ بیٹا رے کے لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف زندیق ہے اور میرا یہ حال ہے کہ صبح کی نماز سے قرآن پڑھتا تھا مگر میری آنکھ سے ایک قطرہ بھی نہیں گرا اور ان شعروں سے مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی حاصل یہ کہ دل ہر چند خدائے تعالیٰ کی محبت میں پھونکے ہوئے ہوں تاہم شعر اجنبی ان میں وہ جوش پیدا کرتا ہے جو قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں ہوتا ہے اور یہ بات شعر کے وزن سے اور طبیعتوں کے ساتھ اس کے ہم شکل ہونے سے ہوتی ہے اور چونکہ اشعار طبیعت بشری کے مناسب ہوتے ہیں اس لئے آدمی شعر بنانے پر قادر ہے لیکن قرآن چونکہ کلام بشری کے اسلوب اور طریق سے باہر ہے اسی لئے قوت بشری میں نہیں کہ ویسا کلام کہہ سکے کیونکہ اس کی طبیعت کے ہم شکل نہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص ذوالنون مصری کے استاد اسرافیلؒ کے پاس آیا اور ان کو دیکھا کہ زمین اپنی انگلی سے کریدتے ہیں اور ایک شعر گاتے ہیں پھر اس سے پوچھا کہ تجھ کو کوئی چیز اچھی طرح گانی آتی ہے اس نے کہا کہ نہیں آپ نے کہا کہ تو بے دل کا آدمی ہے اس میں یہ اشارہ تھا کہ جو شخص دل والا ہے اور اپنی طبیعت کو جانتا ہے اس کو معلوم ہو کہ دل کو اشعار اور نغموں سے وہ حرکت ہوتی ہے جو دوسری چیز سے نہیں ہوتی اس لئے وہ تحریک کا طریق بتکلف پیدا کرتا ہے خواہ اپنی آواز سے ہو خواہ غیر آواز سے یہاں تک ہم دو مقاموں کا حکم لکھ چکے یعنی سماع کے سمجھنے اور ڈھالنے کا اور وجد کا جو دل میں معلوم ہوتا ہے اب ہم وجد کا اثر ظاہری یعنی چیخنا اور گریہ کرنا اور ہلنا اور کپڑوں کو پھاڑنا وغیرہ بیان کرتے ہیں۔

سماع کے آداب خمسہ نیز اس کے اچھے بُرے آثار

اول ادب یہ ہے کہ وقت اور جگہ اور یاران جلسہ کا لحاظ کرنا چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ سماع تین باتوں کی حاجت رکھتا ہے ورنہ سننا نہ چاہیئے وقت اور جگہ اور یاران جلسہ وقت کی رعایت سے یہ مراد ہے کہ کھانا موجود ہونے کے وقت یا جھگڑنے کے وقت یا نماز کے وقت یا اور کسی وقت جس میں کوئی مانع پیش ہو اور دل نہ لگنے دے سماع سے کچھ فائدہ نہیں اور مکان کی رعایت سے یہ غرض ہے کہ چلتا راستہ یا بری صورت کا مکان نہ ہو یا اس میں کوئی ایسا سبب نہ ہو کہ جس سے دل اسطرف بٹے تو ایسے مکانوں سے اجتناب چاہیئے اور یاران جلسہ سے یہ غرض ہے کہ کوئی غیر جنس سماع کا منکر زاہد خشک دلوں سے لطائف سے بے بہرہ مجلس میں نہ ہو کیونکہ ایسے شخص کا موجود ہونا گراں گزرے گا اور دل اس کی طرف مشغول ہوگا اور یہی صورت ہے اگر کوئی متکبر دنیادار ہوگا کہ اس کا لحاظ پاس کرنا پڑے گا یا کوئی بنا ہوا صوفی کہ وجد اور ناچنا اور کپڑے پھاڑنا نمود کے لئے کرے تو اس طرح کے لوگ دل کو پریشان کرتے ہیں ان سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے حاصل یہ کہ اگر یہ شرطیں نہ ہوں تو راگ کا نہ سننا بہتر ہے تو سننے والے کو اس کا لحاظ چاہیئے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ شیخ کو حال موجودین کو دیکھ لینا چاہیئے یعنی اگر اس کے مریدوں کو سماع سے ضرر ہوتا ہو تو ان کے سامنے راگ نہ سنے اور اگر سنے بھی تو ان کو کسی اور شغل میں لگا دے اور جس مرید کو سماع سے ضرر ہوتا ہے وہ تین طرح کے اشخاص میں سے ایک ہوتا ہے اور جو سب میں کم رتبہ ہے وہ مرید ہے جس نے طریق سلوک میں بجز اعمال ظاہری کے اور کچھ نہیں معلوم کیا اور اس کو سماع کا مزہ ہی نہیں تو ایسے مرید کا سماع میں مشغول ہونا بے فائدہ ہے اس لئے کہ نہ تو وہ کھیل والوں میں ہے تاکہ کھیل ہی کھیلے اور نہ ذوق والوں میں ہے کہ سماع کے ذوق سے مزہ پائے تو ایسے شخص کو ذکر میں یا اور کسی کام میں مشغول ہونا چاہیئے ورنہ راگ میں مفت تضیع اوقات ہوگی دوم وہ کہ اس کو سماع کا ذوق تو ہے مگر ابھی تک اس میں کچھ حظ نفس اور شہوات اور صفات بشری کی طرف التفات باقی ہے اور ابھی تک ایسا منکر نہ ہو کہ صفات بشری اور شہوات کی آفات سے مامون ہو جائے تو بعض اوقات عجب نہیں کہ سماع اس کے حق میں مقتضی لہو اور شہوت کا ہو جائے اور جس طریق میں وہ معروف ہے اس سے باز رکھے اور تکمیل سے روک دے سوم وہ مرید ہے کہ اس کی شہوت بھی ٹوٹ گئی ہے اور اس کی آفتوں سے بھی محفوظ ہے اور بصیرت مفتوح اور دل پر محبت الٰہی غالب ہے مگر اس نے علم ظاہر کی تحصیل بخوبی نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے واقفیت بہم پہنچائی اور نہ یہ معلوم کیا کہ خدائے تعالیٰ پر کون چیز جائز ہے اور کون محال تو ایسے شخص کے سامنے اگر باب سماع مفتوح ہوگا تو جو کچھ سمجھنے لگا اس کو خدائے تعالیٰ کے حق میں ڈھالے گا خواہ واقع میں جائز ہو یا ناجائز پس اس صورت

میں راگ سے جو فائدہ ہوتا اس نسبت کہ ضرر زیادہ ہوگا کیونکہ اکثر باتیں جو لائق جناب کبریائی نہیں ان کے ڈھالنے سے کافر ہو جائے گا سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ جس وجد کا شاہد قرآن اور حدیث نہ ہو وہ باطل ہے پس ایسے شخص سماع کے قابل نہیں اور نہ وہ جن کا دل دنیا کی محبت اور لوگوں کی تعریف وثنا کے اشتیاق میں ملوث ہے اور نہ وہ لائق ہیں جو صرف لذت اور بالطبع اچھا معلوم ہونے کو سنتے ہیں اس لئے کہ سماع ان کی عادت ہو جاتی ہے اور عبادات اور دل کی نگرانی سے روک دیتا ہے اور جس راہ کے طے کرنے کے درپے تھا وہ متروک ہو جاتا ہے حاصل یہ کہ سماع قدم کی لغزش کرنے کی جا ہے ضعیفوں کو اس سے علیحدہ رکھنا واجب ہے حضرت جنیدؒ بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں شیطان کو دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تیرا ہمارے یاروں پر بھی قابو چلتا ہے اس نے کہا کہ ہاں دو وقتوں میں ایک سماع کے وقت دوم نظر کے وقت کہ ان دونوں میں مجھ کو ان پر دخل مل جاتا ہے آپنے جو اس خواب کو بیان کیا تو کسی بزرگ نے فرمایا کہ اگر میں اس کو دیکھتا تو یوں کہتا کہ تو بڑا احمق ہے بھلا جو کوئی سننے کے وقت خدائے تعالیٰ ہی سے سنے اور دیکھنے کے وقت اسی کی طرف دیکھے تو اس پر کیسے جیتے گا آپ نے فرمایا کہ تم نے درست کہا۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ قوال جو کچھ کہے اس کو خوب دل لگا کر سنے ادھر ادھر التفات کم کرے اور سننے والوں کو نہ تاکے اور جو کچھ ان پر وجد کی کیفیت ظاہر ہو اسکو نہ دیکھے بلکہ اپنی طرف دھیان کرے اور دل کی نگرانی کرے اور دیکھے کہ خدائے تعالیٰ میرے باطن میں اپنی رحمت سے کیا چیز ڈالتا ہے اور حرکت کو روکے رہے جو یاران جلسہ کے دل کو پریشان کرتی ہے بلکہ ایسی طرح بیٹھے کہ اعضاء ظاہری سے کچھ نہ ہلے کھنکارنے اور جمائی لینے سے احتراز کرے اور گردن نیچے کو ڈال لے جیسے کوئی بڑی گہری فکر میں ڈوبا ہوا ہو تالی بجانا اور ناچنا اور تمام حرکتیں بناوٹ کی اور نمود کی کچھ نہ کرے اور اثناء سماع میں وہ کلام نہ کرے جس کی ضرورت نہ ہو اور اگر وجد غالب ہو اور بے اختیار ہلاوے تو اس میں وہ مجبور ہے کچھ ملامت کے قابل نہیں مگر جب افاقہ ہو اسی وقت پھر سکون اور وقار اختیار کرے یہ نہیں چاہیئے کہ اسی حالت پر باقی رہے اس شرم سے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ اچھا وجد تھا جو ذرا سی دیر میں جاتا رہا اور نہ یہ چاہیئے کہ زبردستی وجد ظاہر کرے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بڑا سخت دل ہے اور صفائی اور وقت سے بے بہرہ ہے کہتے ہیں کہ ایک جوان حضرت جنیدؒ کے ساتھ رہتا تھا جب کوئی ذکر سنتا تو چل پڑتا آپنے ایک روز اس کو فرمایا کہ اب اگر ایسا پھر کروگے تو میرے ساتھ مت رہنا اس کے بعد وہ اپنے نفس کو اتنا روکنے لگا کہ ہر بال میں سے اس کے پانی کا قطرہ نکلتا مگر چیخ نہ مارتا ایک روز جو اس نے اپنے نفس کو بہت روکا تو گلا گھٹنے لگا آخر ایک ایسا نعرہ مارا کہ اس کا دل پھٹ گیا اور جان نکل گئی اور مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ کہی ان میں سے کسی ایک شخص

نے اپنا کپڑا پھاڑ ڈالا یا کرتا پھاڑ ڈالا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ کہد و اسکو کہ ہمارے لئے اپنے دل کے ٹکڑے کرے کپڑے نہ پھاڑے ابوالقاسم نصر آبادی نے ابو عمرو بن عبید سے کہا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کچھ لوگ جمع ہوں اور ان کے ساتھ میں کوئی قوال کچھ گاوے تو یہ امر اس سے بہتر کہ وہ لوگوں کی غیبت کریں ابوعمرو نے کہا کہ راگ میں نمود کرنی یعنی جو حالت اپنے اندر نہ ہو اس کو ظاہر کرنا تیس برس کی غیبت کرنے سے بھی بڑا ہے اب اگر یہ کہو کہ افضل وہ شخص ہے جو ضبط کئے بیٹھا ہے اور سماع اس کے ظاہر میں کچھ اثر نہ کرے یا وہ افضل ہے جس پر اثر ظاہر ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اثر ظاہر نہ ہونا کئی طرح سے ہوتا ہے کبھی تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وجد ہی کم ہو تب البتہ نقصان میں داخل ہے اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وجد تو باطن میں قوی ہوتا ہے مگر چونکہ ضبط اعضاء کی قوت سالک میں بدرجۂ کمال ہوتی ہے اس لئے ظاہر نہیں ہوتا تو درجہ کمال کا ہے اس میں نقصان نہیں اور کبھی اس لئے ظاہر نہیں ہوتا کہ حالت وجد کی سالک کو ہر وقت اور ہر حال میں یکساں رہتی ہے تو سماع سے کچھ زیادہ اثر معلوم نہیں ہوتا یہ درجہ نہایت اعلیٰ ہے کمال کا کیونکہ وجد والوں کا وجد غالبا ہمیشہ نہیں رہا کرتا تو جو شخص وجد دائمی میں ہو تو وہ حق سے وابستہ اور عین شہود کا ملازم ہے اس کو احوال عارضی بدل نہیں سکتے اور عجب نہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے جو اعراب سے فرمایا تھا کہ ہم بھی کبھی ایسے ہی تھے جیسے تم ہو مگر اب ہمارے دل سخت ہو گئے اس قول سے وجد دائمی کا اشارہ ہے یعنی ہمارے دل قوی اور مضبوط اس درجہ کو ہو گئے ہیں کہ ہر حال میں وجد کے ملازم رہنے کی طاقت رکھتے ہیں اسی وجہ سے ہم گویا قرآن کے معنی ہمیشہ سنتے رہتے ہیں ہمارے حق میں قرآن کوئی نئی بات اور عارضی نہیں کہ اس سے ہم متاثر ہوں غرضکہ وجد کی قوت تحریک ظاہر کیا کرتی ہے اور عقل اور ورک کی قوت اسکو ضبط کیا کرتی ہے اور بعض اوقات ان دونوں میں سے ایک چیز دوسرے پر غالب ہو جاتی ہے یا تو اس وجہ سے کہ خود نہایت درجہ کو قوی ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ طرف مقابل کمزور ہوتی ہے اور نقصان اور کمال اسی کے موجب ہوا کرتا ہے تو تم کو یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ جو شخص خود زمین پر تڑپتا ہے وہ تو وجد میں کامل ہے اور جو اپنے اضطراب کو ضبط کئے ہیں وہ ناقص ہے بلکہ بہت سے ضابطہ بہ نسبت تڑپنے والے کے وجد میں کامل ہوتے ہیں چنانچہ حضرت جنیدؒ شروع سماع میں کچھ حرکت کیا کرتے تھے اور آخر کو بالکل جنبش نہ کرتے تھے کسی نے جو اس کا سبب پوچھا تو آپ نے یہ آیت پڑھی ؎ و تری الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر مر السحاب صنع اللہ الذی اتقن کل شیٔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ دل تڑپ رہا ہے اور ملکوت میں جولانیاں کرتا ہے اور ظاہر میں اعضاء ساکن اور ٹھہرے ہوتے ہیں اور ابوالحسین محمد بن احمد جو بصرہ میں تھے کہتے ہیں کہ میں ساٹھ برس سہل تستریؒ کے ساتھ رہا میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا کہ کبھی کسی قرآن کی آیت

؎ اور تو دیکھتا ہے پہاڑ جانتا ہے وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بدلی کاری گری اللہ کی جس نے سادھی ہے ہر چیز ۱۲

سن کر ان میں کچھ تغیر ہوا جب وہ آخر عمر میں پہنچے تو ایک شخص نے سامنے یہ آیت پڑھی فالیوم لا یؤخذ منکم
فدیۃ الآیہ تو میں نے دیکھا کہ کانپ اٹھے اور قریب تھا کہ گر پڑیں جب وہ اصلی حالت پر آ گئے تو میں نے پوچھا
کہ یہ کیا بات تھی آپ نے فرمایا کہ مشفق من اب ہم ضعیف ہو گئے اسی طرح ایک بار یہ آیت سنی[2] الملک
یومئذ ن الحق للرحمن تو تڑپ گئے ابن سالم جو آپ کے مرید تھے انہوں نے اس کی وجہ پوچھی فرمایا کہ
میں ضعیف ہو گیا کسی نے ان سے عرض کیا کہ یہ بات ضعف سے ہے تو حال کی قوت کیا ہے آپ نے فرمایا
کہ قوی الحال وہ ہے کہ جو وارد اس پر آوے اس کو اپنے حال کے زور سے نگل جاوے کوئی واردات کیسی
ہی زبردست کیوں نہ ہو اس کو متغیر نہ کر سکے اور باوجود وجد کے ضبط ظاہر پر قادر ہونے کا سبب یہ
ہوتا ہے کہ ہر وقت کے شہود سے سب حالتیں یکساں ہو جاتی ہیں چنانچہ سہل تستری کا قول ہے کہ میری حالت
نماز سے پیشتر اور اس کے بعد ایک ہے اس لئے کہ آپ ہر وقت دل کے نگران اور خدا تعالیٰ کے ساتھ
حاضر الذکر تھے جو اس طرح کا شخص سماع سے پہلے اور پیچھے یکساں رہے گا کیونکہ اس کا وجد اور حال دائمی ہوگا اور
اشتیاق برابر اور ذوق متواتر رہے گا اس طرح کہ سماع سے کچھ ترقی نہ ہوگی چنانچہ مروی ہے کہ ممشاد دینوریؒ
ایک جماعت پر گذرے کہ ان میں قوال کچھ کہہ رہے تھے وہ آپ کو دیکھ کر چپ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ تم اپنا کام
کرو میرے کان میں تو اگر تمام دنیا کے ملاہی اکٹھے ہوں گے تب بھی میری ہمت کو نہ روکیں گے اور نہ میری
حالت میں کچھ ترقی ہوگی اور حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ علم کے فضل کے ہوتے ہوئے وجد کا نقصان کچھ ضرر نہیں
کرتا اور علم فضل وجد کے فضل سے زیادہ کامل ہے اب اگر یہ کہو کہ ایسا شخص پھر سماع میں کیوں آتا ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض نے تو سماع کو بڑھاپے میں چھوڑ دیا تھا اور بہت کم سماع میں
آتے تھے یعنی کسی بھائی کی خاطر اور اس کے دل خوش کرنے کو کبھی اتفاق ہو جاتا تھا اور بعض اوقات اس
لئے شریک ہوتے تھے کہ لوگ ان کی قوت کے کمال کو دیکھیں اور جانیں کہ ظاہر کو وجد کچھ کمال کی بات نہیں
اور ظاہر کو ضبط کرنا ان سے سیکھیں کہ تکلف اور بناوٹ سے اس طرح علیحدہ رہتے ہیں گو ان سے ان کی پیروی
نہ ہو سکے[1] اس وجہ سے کہ یہ امر ان سے مثل سرشت ہو رہا ہے اور اگر وہ لوگ اتفاق ابناء جنس کے سوا اور کسی سماع میں
جاتے ہیں تو بدنوں سے ان کے شریک رہتے ہیں اور دلوں سے ان سے دور رہتے ہیں جیسے بدون سماع کے
غیر جنسوں میں اگر کسی ضرورت سے بیٹھتے ہیں تو وہاں بھی یہی حال ہوتا ہے کہ ظاہر ان میں ہوتا ہے اور باطن
ملکوت میں اور کچھ لوگوں سے سماع کا ترک منقول ہے اور گمان ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کو برا جانا ہے مگر واقع
سبب ترک کا یہی ہے کہ ان کو سماع کی حاجت نہ تھی دائم الوجد تھے اور بعض اس وجہ سے زاہد تھے کہ ان کو سماع میں حظ روحانی

---

[1] پیروی الخ اسطرح نہ ہوسکے کہ شہود دائمی ان کی سرشت ہو جاوے ۱۱۔ امیر علی عفی عنہ [2] سوآج تم سے نہیں قبول چھوڑوائی دیتی ۱۲ [3] آج اس دن
بچا ہے رحمن کا ۱۲۔ [4] پہلی فصل میں گذری ۱۲

نہ تھا اور نہ اہل لہو تھے تو اسی لیئے ترک کر دیا کہ بے فائدہ بات میں کیونکر مشغول ہوں اور بعضوں نے اسلیئے ترک کیا کہ ان کو یاران جلسہ میسر نہ ہوئے چنانچہ کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم راگ کیوں نہیں سنتے اس نے جواب دیا کہ کس سے سنوں اور کس کے ساتھ

چوتھا ادب یہ ہے کہ جب اپنے نفس کو روک سکتا ہو تو نہ کھڑا ہو اور نہ رونے میں آواز بلند کرے لیکن اگر ناچے اور رونی صورت بنا دے بشرطیکہ ریا منظور نہیں کیونکہ رونی صورت بنانے سے خون پیدا ہوتا ہے اور سرور نشاط کی تحریک کا سبب رقص ہوا کرتا ہے اور سرور مباح کی تحریک جائز ہے اور اگر ناچنا حرام ہوتا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حبشیوں کو ناچتے نہ دیکھتیں چنانچہ آپ بعض روایات میں یونہی فرماتی ہیں کہ وہ ناچ رہے تھے اور صحابہ میں سے بھی بعض اکابر کا ناچنا سرور کے وقت مروی اور وہی سرور موجب ان کے رقص کا ہوا ہے چنانچہ حضرت امیر حمزہ کی بیٹی کے قصہ میں جب حضرت علی مرتضےٰ اور حضرت جعفر آپ کے بھائی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہوا کہ اس لڑکی کی پرورش کون کرے تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو تو یہ فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہے اس کو سن کر حضرت علی اچھلنے لگے اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ تو میری صورت و سیرت کے مشابہ ہو گیا تو وہ حضرت علیؓ سے بھی زیادہ اچھلے اور آپ نے حضرت زید کو فرمایا کہ تو ہمارا بھائی اور مولا ہے تو وہ حضرت جعفر سے زیادہ اچھلے پھر آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکی جعفر کے پاس رہے گی کیونکہ اس کی خالہ جعفر کی منکوحہ ہے اور خالہ گویا والدہ ہی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تجھ کو حبشیوں کا ناچ پسند ہے غرضکہ ناچ اور اچھلنا خوشی کے سبب ہوتا ہے تو اس کا حکم بھی خوشی ہی پر مترتب ہو گا یعنی جس صورت میں کہ خوشی اچھی ہو اور ناچ سے اس کو ترقی اور تاکید ہوتی ہے تو وہ ناچ محمود اور اچھا ہو گا اور اگر خوشی مباح ہو گی تو ناچ بھی مباح ہو گا اور اگر بری ہو گی تو وہ بھی بُرا ہو گا یہ حرکت اکابر اور مقتدا لوگوں کی شان کے لائق نہیں کیونکہ یہ امر اکثر لہو و لعب کے طور پر ہوتا ہے اور جو بات لہو و لعب کی صورت پر لوگوں کی نظروں میں ہو تو اس سے مقتداؤں اور پیشواؤں کو اجتناب کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ ہوں اور لوگ ان کا اقتدار نہ چھوڑ بیٹھیں باقی رہا کپڑوں کا پھاڑنا تو اس کی اجازت نہیں مگر اس صورت میں کہ آدمی اپنے اختیار میں نہ رہے اور یہ کچھ بعید نہیں کہ دل پر وجد کا غلبہ اس درجہ کو ہو کہ وہ اپنے کپڑے کو پھاڑ دے اور وجد کے نشہ میں اس کو معلوم نہ ہو یا معلوم بھی ہو مگر بدون کپڑے پھاڑنے کے نفس کو ضبط نہ کر سکتا ہو تو اس شخص کا حال ایسا ہو گا جیسے زبردستی کسی سے کوئی کام لیا جاوے کیونکہ وہ تو تڑپنے اور کپڑے پھاڑنے میں بچاؤ کی صورت دیکھ کر مجبوری سے اس کو اختیار کرتا ہے جیسے بیمار آہ مجبوری

(۱) ابوداؤد بروایت علی مرتضےٰ بہ ہمیں الفاظ اور بخاری نے بھی اس کو نقل کیا ہے مگر اسی میں حجل یعنی رقص یا اچھلنے کا ذکر نہیں ۱۲۔

سے کرتا ہے اگر کوئی اس کو بزور آہ سے روکے تو ہرگز اس سے صبر نہ ہو سکے گا باوجودیکہ فعل اختیاری ہے کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جن فعلوں کا حاصل ہونا ارادہ سے ہو انسان اسکے ترک پر قادر بھی ہو مثلاً سانس لینا بھی ارادہ سے ہوتا ہے لیکن اگر کسی سے کہا جائے کہ ایک ساعت کو سانس روک لو تو وہ اپنے اندر سے گھبرا کر سانس لینا اختیار کرے گا یہی حال چیخنے اور کپڑا پھاڑنے کا ہے کہ یہ بھی کبھی ایسی ہی طرح ہوتے ہیں تو ان کو حرام کہہ سکتے چنانچہ سریؒ کے سامنے ذکر تیز وجد اور غالب کا ہوا آپ نے فرمایا کہ ہاں وجد غالب وہ ہوتا ہے کہ اگر وجد والے کے منہ پر تلوار لگے تو اس کو خبر نہ ہو لوگوں نے دوبارہ پوچھا اور اپنے گمان میں بعید جانا کہ اس حد کو وجد ہو جائے اس لئے بہت سا اصرار کیا مگر آپ نے پھر کچھ نہ کہا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض اوقات میں بعض شخصوں کو ایسا ہی وجد غالب ہوتا ہے کہ کیسی ہی ایذا ان کو دی جاوے وہ معلوم نہیں کرتے اب اگر یہ کہو کہ سماع کے بعد اور وجد سے فارغ ہونے پر جو صوفی نئے کپڑے پھیر کر اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس کا نام خرقہ کہتے ہیں تو اس باب میں تم کیا کہتے ہو یہ امر کیسا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر مباح ہے بشرطیکہ پارچہ پھٹا ہو مربع قابل پیوند لگانے کپڑوں یا جانماز کے ہو اسلئے کہ پھاڑنے میں کچھ ممنوع بات نہیں آخر تھان کو پھاڑ کر ہی کپڑا یا کرتا بناتے ہیں اور مال کا ضائع کرنا بھی نہیں اس لئے کہ اس پھاڑنے سے ایک غرض متعلق ہے یعنی پیوند لگانا کہ وہ چھوٹے ہی ٹکڑوں سے لگایا جاتا ہے اور سب کو بانٹنا اس نظر سے کہ چیز میں سب شریک ہوں مباح اور مقصود ہے اس لئے کہ ہر مالک کو اختیار ہے کہ اپنے تھان کے سو ٹکڑے کر کے مثلاً سو فقیروں کو دیدے لیکن ہاں یہ چاہیئے کہ وہ ٹکڑے ایسے ہوں جو پیوندوں میں کام آویں اور سماع میں جو ہم نے کپڑے پھاڑنے کو منع لکھا ہے تو اسی پھاڑنے کو منع کیا ہے جس سے کچھ کپڑا بگڑ جائے اور کسی کام کا نہ رہے کیونکہ یہ محض ضائع کرنا ہے تو اختیار کے ساتھ جائز نہیں ہم غیر اختیاری میں مجبوری ہے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ کھڑا ہونے میں لوگوں کی موافقت کرنی چاہیئے یعنی اگر کوئی شخص وجد صادق میں بدون نمودار بناوٹ کے کھڑا ہو جائے یا بدون اظہار وجد کے باختیار خود کھڑا ہو اور لوگ اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو ان کے ساتھ آپ بھی کھڑا ہو جائے کہ یاران جلسہ کی موافقت آداب صحبت میں سے ہے اسی طرح اگر لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہو کہ اگر وجد والے کی پگڑی گر جاوے تو بھی اپنی پگڑیاں اس کی موافقت کو اتار لیں یا اس کی چادر اتر جائے تو اپنی بھی اتار لیں تو ایسی باتوں میں سب کے موافق کام کرنا خوبی آداب صحبت اور عشرت میں داخل ہے کیونکہ ہمراہیوں کی مخالفت کرنی موجب وحشت ہے اور ہر قوم کی رسم جداگانہ ہے

ف پھر کچھ نہ کہا الخ اصل میں یہ ہے کہ آپ ہی کہے گئے اور اس قول سے نہ پھرے ۱۲ امیر علی عفی عنہ ؎ حاکم بروایت ابی ذرؓ ۱۲

توجیسا دیس ویسا بھیس کرنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خالقوا الناس باخلاقھم یعنی لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق بالخصوص جب ایسے اخلاق ہوں کہ ان میں حسن عشرت اور دلوں کا خوش کرنا موافقت کرنے سے پایا جاتا ہو تو ان کا استعمال ضروری ہے اور یہ جو معترض کہتا ہے کہ یہ امر بدعت ہے صحابہ کے وقت میں نہ تھا تو اس صورت میں صحیح ہو کہ جتنی مباحات ہیں وہ صحابہ سے منقول ہوں حالانکہ کچھ ضروری نہیں کہ مباحات صحابہ سے منقول ہوں بلکہ ممنوع وہ بدعت ہے جو مخالف کسی سنت کے ہو جس کے کرنے کا حکم شارع علیہ السلام نے دیا اور امر متنازع فیہ میں کسی طرح کی ممانعت منقول نہیں اور آنے والے کے لئے آنے کے وقت کھڑا ہو جانا عرب کی عادت میں نہ تھا یہاں تک کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی بعض احوال میں کھڑے نہ ہوتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے مگر چونکہ اس میں کوئی نہی عام ثابت نہیں ہوتی تو جن شہروں میں آنے والے کی تعظیم کی عادت کھڑے ہونے سے ہے ان میں کسی کے لئے کھڑا ہو جانا کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ مقصود تو اس کی عزت اور تعظیم اور دل خوش کرنا ہے تو جس بات میں موافقت کرنے سے دوسرے کا دل خوش کرنا مقصود ہو اور لوگوں نے اس کو دل خوش کرنے کی اصطلاح ٹھہرائی ہو تو ایسی چیز میں ان کی موافقت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے کہ موافقت کرے بجز اس صورت کے جس پر نہی وارد ہو اور اس کی تاویل کچھ نہ ہو اور ایک ادب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ناچنے کو نہ اٹھے اگر وہ لوگ اس کا ناچ برا جانتے ہوں اور ان کے احوال میں ابتری نہ ڈالے اسلئے کہ جو ناچ بدون اظہار وجد لینے کے ہو وہ تو مباح ہے اور تواجد کے نام سے ہوتا ہے اس میں سب کو بناوٹ کا اثر معلوم ہوتا ہے اور جو صدق کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اس کی طبیعتیں ثقیل نہیں جانتیں غرض کہ حاضرین جلسہ اگر اہل باطن ہوتے ہیں تو ان کے دل راستی اور تکلف کی کسوٹی ہوتے ہیں چنانچہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ وجد صحیح کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس کا صحیح ہونا یہ ہے کہ وجد والے اس کو قبول کریں بشرطیکہ اس کے موافق ہوں مخالف نہ ہوں اب اگر یہ کہو کہ یہ کیا بات ہے کہ طبیعتیں رقص سے نفرت کرتی ہیں اور ظاہرا یہ گمان ہوتا ہے کہ رقص باطل اور لہو اور دین کے مخالف ہے کہ جب کوئی دین میں کوشش کرنے والا اس کو دیکھتا ہے تو اس کا انکار ہی کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی لہو کا نہ اہد ہو اس کی حد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نہ ہوگی حالانکہ آپ نے مسجد میں حبشیوں کو ناچتے دیکھا اور انکار نہ فرمایا کیونکہ وہ وقت بھی اس کے لائق تھا اور وہ لوگ اس کے لائق تھے یعنی عید کا دن تھا اور حبشی ناچ رہے تھے ہاں ناچ سے بایں لحاظ طبیعتیں متنفر ہیں کہ اکثر اس کے ساتھ لہو و لعب ہوتا ہے اور لہو لعب ہر چند مباح ہے مگر ایسوں ہی کے لئے جیسے زنگی اور حبشی ہیں اور منصب والوں کے لئے مکروہ ہے

ؔخ باب آداب صحبت میں گذری

کہ ان کی شان کے لائق نہیں اور جو چیز اس وجہ سے مکروہ ہو کہ منصب والوں کے لائق نہیں اس کو حرام نہیں کہہ سکتے مثلاً اگر کوئی سائل کسی فقیر سے کچھ مانگے اور وہ اس کو ایک روٹی دے دے تو یہ دینا عمدہ طاعت ہے اور اگر کوئی بادشاہ سے کچھ سوال کرے اور بادشاہ اس کو ایک یا دو روٹی دے تو تمام خلق کے نزدیک بُرا ہوگا اور تاریخوں میں لکھا جائے گا کہ منجملہ بادشاہ کی برائیوں کے ایک یہ حرکت تھی اور اس کی اولاد و احفاد کو اس کے سبب سے لوگ ننگ دلائیں گے مگر اس کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ بادشاہ مذکور نے جو حرکت کی وہ حرام تھی اس لئے کہ اس نے بایں لحاظ فقیر کو دیا اچھا فعل کیا ہے لیکن اپنی شان کے اعتبار سے ایک روٹی کا دینا مثل نہ دینے کے ہے اور برا ہے اسی طرح ناچ اور دوسرے مباحات کا حال ہے کہ عوام کے حق میں مباح ہیں اور نیک بندوں کے حق میں برائیاں ہیں اور نیکیوں کی بھلائیاں مقرب بندوں کے حق میں برائیاں ہیں لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے کہ اس کو بلحاظ کسی منصب وغیرہ کے دیکھیں تو یہی حکم کرنا واجب ہوگا کہ بذات خود اس میں کچھ حرمت نہیں واللہ اعلم۔ تفصیل گذشتہ سے یہ ثابت ہوا کہ سماع چار قسم ہے حرام اور مباح اور مکروہ اور مستحب سماع حرام ان لوگوں کے حق میں ہے جو جوان ہوں اور جن پر دنیا کی شہوت غالب ہو کہ سماع ان میں کسی قسم کی تحریک نہ کرے گا بجز اس کے کہ جو بری صفتیں ان کے دل پر غالب ہیں وہ حرکت میں آجاویں گی اور مکروہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو سماع کو مخلوق کی صورت پر تو نہیں ڈھالتے مگر اکثر اوقات اس کو عادت ٹھہرا لیا ہے لہو کے طور پر اور مباح ان لوگوں کے حق میں ہے کہ جن کو سماع سے کوئی بہرہ سوا خوش آوازی سے مزہ پانے کے نہیں اور مستحب ان لوگوں کو ہے جن پر خدائے تعالیٰ کی محبت غالب ہے اور سماع بجز صفات محمودہ کے اور کسی چیز کی تحریک ان میں نہیں کرتا والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً و صلی اللہ علی کل عبد مصطفےٰ

نواں باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

رباعی

کر امر بھلی بات کا مت ہو جاہل ۔۔۔ لوگوں کو برے کاموں سے روک اے غافل

اللہ تعالیٰ کا حکم دیکھ وامر[1] بالمعروف ۔۔۔ پڑھ[2] وانہ عن المنکر اگر ہے عاقل

واضح ہو کہ اچھی بات کو حکم کرنا اور بری بات سے منع کرنا دین کا بڑا مدار ہے اور اسی کے لئے اللہ تعالیٰ

[1] حکم کر اچھی بات کا ۱۲ [2] منع کر بری بات سے

نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اگر اس کا بساط تہہ کر دیا جائے اور اسکے علم اور عمل کو مہمل چھوڑا جائے تو نبوت بیکار اور دیانت مضمحل اور سستی عام اور گمراہی تام اور جہالت شائع اور فساد ضائع اور فتنہ برپا ہو جاوے اور بلاد خراب اور عباد تباہ ہو جائیں گو اپنی ہلاکی کو بجز قیامت کے اور کبھی نہ جانیں اور جس بات کے ہونے کا ہم کو ڈر تھا وہ ہو گئی ت انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی اس مدار اعظم کا علم وعمل جاتا رہا کچھ اس کی حقیقت اور نشان باقی نہیں سب مٹ گیا دلوں پر خلق کی مداہنت چھاگئی اور خالق کا لحاظ بالکل نہ رہا لوگ ہوائے نفسانی اور شہوتوں میں بہائم کی طرح چھوٹے ہیں روئے زمین پر سچا ایماندار ایسا کمیاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے باب میں ملامت گزین کی ملامت سے نہ ڈرے تو جو شخص اس خلل کے دور کرنے اور اس رخنہ کے بند کرنے میں کوشش کرے گا اور آبیاری پیروی سے اس سنت کا آب رفتہ در جو لائے گا وہ تمام لوگوں میں احیاء سنت کے باعث نامور ہوگا اور ایسا اجر پائے گا کہ کوئی ثواب اس کے ہم پلہ نہ ہو اور ہم اس باب کے مضمون کو چار فصلوں میں لکھتے ہیں۔

پہلی فصل: فضائل اور ترک کی مذمت

پہلی فصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے اور اس کی فضیلت میں اور اس کے ترک کرنے کی مذمت میں قطع نظر اس سے کہ امر معروف اور نہی منکر پر اجماع امت ہے اور عقلیں سلیم اس کی خوبی کی شاہد اس کے لئے بہت سی آیات واحادیث و آثار بھی ہیں آیات یہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون اس آیت میں ایک تو وجوب اس فعل کا پایا جاتا ہے کیونکہ لفظ ولتکن صیغہ امر ہے اور امر کا ظاہر ایجاب ہے دوم یہ کہ فلاح اسی امر سے وابستہ ہے اس لئے کہ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ وہی ہیں فلاح پانے والے سوم یہ کہ امر معروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں اگر امت میں سے کچھ لوگ بھی اس پر کاربند ہو گئے تو باقیوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ یہ تو ارشاد نہیں فرمایا کہ تم سب ایسے ہو جاؤ بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت اس صفت کی ہو تو اسی لئے جب اس پر عمل ایک شخص یا زیادہ کریں گے تو دوسروں پر سے حرج ساقط ہو جائے گا اور مخصوص فلاح وہی ہوں گے جو اس کی تعمیل کریں گے اور اگر تمام خلق اس سے پہلو تہی کریں گے تو وبال سب پر ہوگا خصوص ان لوگوں پر جن کو

ت اور چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت بلائے نیک کام پر اور حکم کرے پسند بات کا اور منع کرنے ناپسند کو اور وہی پہنچے مراد کو ۱۲۔

امر معروف و نہی منکر کی قدرت ہوگی اور دوسری جا فرمایا ۔[1] لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون
ایات اللہ اناء الیل وھم یسجدون ویومنون باللہ والیوم الاخر ویامرون بالمعروف
وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصالحین اس آیت میں صرف ایمان باللہ
اور روز قیامت پر صلاح و نیک بختی کو متعلق نہ فرمایا یہاں تک کہ ایمان پر امر معروف و نہی منکر کو بھی زیادہ
کیا اور فرمایا[2] والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر
ویقیمون الصلوٰۃ اس آیت میں ایمانداروں کا وصف یہ ذکر فرمایا کہ اچھی بات کا امر کرتے ہیں تو جو کوئی امر
معروف کو ترک کرے گا وہ ان ایمانداروں کے زمرہ سے خارج ہوگا جن کا وصف اس آیت میں مذکور ہے اور
فرمایا[3] لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسی ابن مریم ذلک بما عصوا و
کانوا یعتدون کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون اس آیت میں نہایت
سختی ہے کہ علت ان کی مستحق لعنت ہونے کی یہی فرمائی کہ انہوں نے نہی منکر کو ترک کیا تھا اور یہ فرمایا[4] کنتم
خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر اس آیت سے فضیلت امر معروف
اور نہی منکر کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیان فرمایا کہ اس صفت کے لوگ خیر امت تھے اور فرمایا[5] فلما نسوا
ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا
یفسقون اس میں بیان فرمایا کہ ان لوگوں نے نجات حاصل کی جنہوں نے بری بات سے منع کیا اور نیز یہ آیت
اس کے وجوب پر بھی دلالت کرتی ہے اور فرمایا[6] الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ
وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر اس آیت میں امر معروف و نہی منکر کا ذکر نماز اور زکوٰۃ کے متصل

ت[1] وہ سب برابر نہیں کتاب میں ایک فرقہ سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اس کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں اور یقین لاتے
ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور حکم کرتے ہیں پسند بات کو منع کرتے ہیں ناپسند سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر وہ لوگ نیک
بختوں میں ہیں ۱۲ ت[2] اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسری کی مدد میں سکھاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات
سے اور کھڑی رکھتے ہیں نماز ۱۲ ت[3] لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد کی زبان اور عیسیٰ بیٹے مریم کی یہ اس لئے
کہ گنہگار تھے اور حد پر نہ رہتے آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو کر رہے تھے کیا برا کام ہے جو کرتے تھے ت[4] تم
بہتر سب امتوں سے جو پیدا ہوتے ہیں لوگوں میں حکم کرتے ہو پسند بات اور منع کرتے ہو ناپسند سے ت[5] پھر جب بھول گئے
جو ان کو سمجھایا تھا بچا لیا ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے برے کاموں سے اور پکڑا گناہگاروں کو برے
عذاب میں بدلا ان کی بے حکمی کا ۱۲ ت[6] وہ کہ اگر ہم ان کو مقدار دیں ملک میں کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں
بھلے کام کا اور منع کریں برے سے ۱۲ ۔

فرمایا صالحین اور مومنین کے وصف میں اور فرمایا[1] وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان اس میں تو امر قطعی ہے اور تعاون کے معنی یہ ہیں کہ خیر پر ترغیب دنیا اور بہتری کے طریقوں کو آسان کرنا اور بدی اور تعدی کی راہیں بند کر دینی جہاں تک ہو سکے اور فرمایا[2] لولا ینہاھم الربانیون والاحبار عن قولہم الاثم واکلہم السحت لبئس ماکانوا یصنعون اس میں بیان فرمایا کہ نہی منکر کے ترک کرنے سے گنہگار ہوئے اور فرمایا[3] فلولا کان من القرون من قبلکم اولوا بقیۃ ینہون عن الفساد فی الارض الآیۃ اس میں یہ بیان فرمایا کہ ہم نے سب کو ہلاک کر دیا مگر تھوڑے سے لوگوں کو جو فساد سے منع کرتے تھے اور فرمایا[4] یاایہا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین تو والدین اور اقارب کے حق میں امر معروف یہی ہے اور فرمایا[5] لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ اجرا عظیما اور فرمایا[6] وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما الآیۃ اور اصلاح اس کا نام ہے کہ سرکشی سے منع کرے اور اطاعت پر بدستور رہنا لاوے اور اگر وہ نہ مانے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ لڑنے کا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے[7] فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ اور اسی کا نام نہی منکر ہے اور احادیث اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ پڑھا اور اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کی تفسیر خلاف اس کی مراد کے کرتے ہو[8] یاایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم اور میں نے

---

[1] اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی پر۔ ۱۲۔ [2] کیوں نہیں منع کرتے انکو بزرگ اور عقلمند گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے کیا برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں۔ ۱۲۔

[3] سو کیوں نہ ہوئے ان سنگتوں میں تم سے پہلے کوئی لوگ جن پر اثر رہا ہو کہ منع کرتے بگاڑ کرنے سے ملک میں۔ ۱۲۔

[4] اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف اگر خدا تعالیٰ ہو اپنا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا ۱۲۔

[5] نہیں ہے بہتر انکی اکثر سرگوشیوں میں مگر جس نے صدقہ کا حکم کیا یا نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا۔ ج

کرا دے لوگوں میں اور جو کوئی یہ چیزیں کرے اللہ کی خوشی چاہ کر تو ہم اس کو دیں بڑا ثواب ۱۲۔

[6] اگر دو فرقے مسلمانوں کے لڑ پڑیں آپس میں تو ان میں ملاپ کرا دو۔ ۱۲

[7] تو سب لڑو اس پڑھائی والے سے جب تک پھر آوے اللہ کے حکم پر ۱۲۔

[8] اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کی تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم ہوئے راہ پر ۱۲۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے[۱] ما بین قوم عملوا بالمعاصی و فیھم من یقدر ان ینکر علیھم فلم یفعل الا یوشک ان یعمھم بعذاب من عندہ۔ اور ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تفسیر لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم کی پوچھی آپ نے فرمایا[۲] وامر بالمعروف و انہ عن المنکر فاذا رایت شحا مطاعا وھوی متبعا و دنیا موثرۃ و اعجاب کل ذی رای برایہ فعلیک بنفسک ودع عنک العوام ان من ورائکم فتنا کقطع اللیل المظلم للمتمسک فیھا بمثل الذی انتم علیہ اجر خمسین منکم قیل بل منھم یا رسول اللہ قال لا بل منکم لانکم تجدون علیہ اعوانا ولا یجدون علیہ اعوانا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا کہ اس کا وقت یہ زمانہ نہیں کیونکہ اس زمانہ میں تو نصیحت کو مانتے ہیں بلکہ عنقریب ایسا وقت آوے گا کہ تم امر معروف کرو گے تو تم سے ایسا ایسا کیا جائے گا۔ (یعنی لوگ ایذا دیں) اور تم کچھ کہو گے تو کوئی تمہاری بات نہ مانے گا اس وقت تم کو اس آیت کے بموجب کرنا چاہیے علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں البتہ اچھی بات کا امر کرو اور بری بات سے منع کرو ورنہ خدائے تعالیٰ تم پر تمہارے شریروں کو مسلط کر دے گا پھر تمہارے بہتر آدمی دعا مانگیں گے تو ان کی دعا مقبول نہ ہو گی اس کے یہ معنی ہیں کہ اچھے لوگوں کی

۱؎ جو قوم معصیتیں کرتی ہیں اور ان میں ایسا شخص ہوتا ہے کہ ان کو منع کر سکتا ہے لیکن اس نے منع نہ کیا تو دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے گا حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور پیشتر گزر چکی ۲؎ حکم کر اچھی بات کا اور منع کر بری بات سے پھر جب تو دیکھے بخل ہوئی اور ہر تجویز والے کا اپنی تجویز کو اچھا جاننا تب تو اپنی جان کی فکر کر اور عوام کو ترک کر بے شک تمہارے پیچھے فتنے ہیں جیسے اندھیرے رات کے ٹکڑے جو کوئی ان میں ایسے دین کا تمسک کرے گا جیسے ہو تو اس کو تم میں سے پچاس شخصوں کا ثواب ملے گا۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ انہیں میں سے پچاس کے برابر ہو گا فرمایا بلکہ تم میں سے اس لئے کہ تم خیر پر مدد پاتے ہو اور ان کو خیر پر مددگار میسر نہ ہوں گے۔ نقل کیا اس کو ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے

۳؎ ترمذی بروایت خدیفہ نحوہ باندک باختلاف باندک ۱۲

ہیبت بروں کی نظروں سے ساقط ہو جائے گی کہ ان سے خوف نہ کریں گے - اور ایک حدیث میں ارشاد[1] فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم امر بالمعروف کرو اور منکر سے منع کرو پیشتر اس سے کہ تم دعا مانگو اور تمہاری دعا مقبول نہ ہو اور ایک حدیث میں ارشاد[2] فرمایا کہ اعمال خیر جہاد فی سبیل اللہ کے سامنے ایسے ہیں جیسے پھوک دریائے عمیق کے سامنے اور فرمایا[3] کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے سوال کرے گا - کہ کس چیز نے تجھ کو باز رکھا کہ جب تو نے بری بات دیکھی تو منع نہ کیا اس وقت اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو جواب سکھلا دے گا - تو عرض کرے گا - کہ الٰہی میں نے تجھ پر بھروسا کیا اور لوگوں سے ڈر گیا - اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ایاکم[4] والجلوس علی الطرقات قالوا مالنا بد انما ھی مجالسنا نتحدث فیھا قال فاذا ابیتم الا ذلک فاعطوا الطریق حقھا قالوا ما حق الطریق قال غض البصر وکف الاذی ورد السلام وامر معروف ونھی عن المنکر[5] اور فرمایا کہ کلام ابن آدم کا سب اس کو مضر ہوتا ہے مفید نہیں ہوتا بجز امر معروف یا نہی منکر یا ذکر خدائے تعالیٰ کے اور ایک حدیث میں ارشاد[6] فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خواص کو عذاب نہیں کرتا عوام کے گناہوں کے باعث یہاں تک کہ کوئی برائی ان میں دیکھے اور وہ باوجودیکہ اس کے روکنے پر قادر ہوں مگر نہ روکیں تب البتہ ان کو عذاب کرتا ہے - اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکش ہو جائیں گی اور جوان بدکار ہو جائیں گے اور تم جہاد چھوڑ دو گے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات ضرور ہوگی آپ نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر بات ہوگی لوگوں نے عرض کیا کہ اس سے سخت تر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تمہاری کیفیت کیا ہوگی جب تم اچھی بات کا حکم نہ کرو گے اور بری بات سے منع نہ کرو گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر بات ہوگی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس سے سخت تر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم اچھی بات کو بری اور بری کو اچھی دیکھو گے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ ہونے والا ہے

---

[1] احمد وبیہقی بروایت عائشہ اور اس کی سند میں کسی قدر ضعف ہے ۱۲ - [2] اس کا اول جملہ ابو منصور دیلمی نے سند فردوس بسند ضعیف بیان ہے اور دوسرا جملہ علی بن سعد نے بروایت ابن عطاء مرسلاً یا معضلاً نقل کیا ہے ۱۲ [3] یہ حدیث ابن ماجہ کی بسند ۱۲ [4] کنارہ کو راہوں پر بیٹھنے سے انہوں نے کہا کہ اس سے ہم کو گریز نہیں یہ تو مجلس ہماری ہیں ان میں ہم باہمدیگر باتیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر بڑوں بیٹھے ماننے کو راہ حق دیا کرو. عرض کیا کہ راہ حق کیا ہے فرمایا کہ آنکھ کا نیچے رکھنا اور ایذا سے باز رہنا اور سلام کا جواب اور اچھی بات کا حکم کرنا اور بری سے منع کرنا [5] بخاری ومسلم بروایت ابی سعید ۱۲ [6] احمد بروایت عدی عمیرہ اور اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا ۱۲ -

آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر معاملہ ہوگا انہوں نے عرض کیا کہ اس سے سخت تر کیا ہوگا آپ نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بری بات کا امر کرو گے اور اچھی بات سے منع کرو گے انہوں نے عرض کیا کہ آیا یہ امر ہوگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر ہوگا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ ان پر ایسا فتنہ ٹھہلاؤں گا۔ کہ عقلمند اس میں حیران رہ جائے اور عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے[1] فرمایا کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے اس کے پاس تو مت کھڑا ہو کہ جو شخص وہاں موجود ہو اور اس کی آفت کو نہ ٹالے اس پر لعنت برستی ہے اور شخص ظلم سے پٹیا جاوے اس کے پاس مت کھڑا[2] ہو کہ جو کوئی اس کے پاس رہے اور اس پر سے ظلم دفع نہ[3] کرے تو اس پر لعنت برستی رہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مقام میں حاضر ہو تو اس کو نہ چاہیئے کہ بدوں حق بات کہے باز رہے اس لئے کہ اجل سے پیشتر تو مرنے[4] کا نہیں اور جو رزق اس کی تقدیر میں ہے اس سے ہرگز محروم نہ ہوگا (یعنی پھر کس خوف سے امر حق زبان پر نہ لائے) اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے گھروں میں جانا درست نہیں اور نہ ان جگہوں میں جہاں بری بات دیکھنی پڑے اور اس کے بدلنے اور دور کرنے پر قادر نہ ہو کیونکہ حدیث موصوف میں فرمایا ہے کہ حاضر شخص پر لعنت برستی ہے تو جو حاضر ہوگا وہ مستحق لعنت ہوگا اور آدمی کو بدوں حاجت بری کا مشاہدہ جائز نہیں اس عذر سے کہ ہم تو عاجز ہیں ہمارے منع کرنے سے کون مانتا ہے اور یہی وجہ اکابر سلف میں سے کچھ لوگوں نے عزلت اختیار کی کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ بازاروں اور عیدوں اور مجمعوں میں سب میں بری باتیں ہوتی ہیں اور خود انکے دور کرنے سے عاجز ہیں اور یہ امر چاہتا ہے کہ خلق سے ہجرت کرنی لازم ہے اور اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ سیاحوں نے جو اپنے مکانات اور اولاد سے مفارقت کی اس کی وجہ یہی ہوئی کہ ان پر وہی بلا اتری جو ہم بھگتتے ہیں یعنی شر کو ظاہر پایا اور خیر مٹ گئی اور دیکھا کہ نصیحت گر کی بات کوئی نہیں مانتا اور فتنے برپا ہیں اور یہ خوف کیا کہ کہیں ہم کو پیش نہ آئیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب ان لوگوں پر نازل ہو اور ان کے ساتھ ہیں ہم بھی اس سے محفوظ نہ رہیں اور خیال کیا کہ درندوں کے ساتھ رہنا اور سبزہ کھانا ان لوگوں کے پاس رہنے اور آسائش کے ساتھ بسر کرنے سے بہتر ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ففروا الی اللہ انی لکم منہ نذیر مبین۔

[1] ابو یعلی نے بروایت ابی ہریرہؓ یتن اول کے جملے ذکر کیے ہیں بدوں پچھلے دو جملوں کے اور اس کی سند ضعیف ہے اور سوا جملے چوتھے کے ابن ابی الدنیا نے بسند ضعیف نقل کیا ہے ۱۲۔ [2] بیہقی در شعب بسند عن ۱۲۔ [3] بیہقی در شعب بسند مشتمل حدیث سابق ۱۲۔ [4] سو بھاگو اللہ کی طرف میں تمکو اسکی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر [5] مرنیکا ہتیں الخ اصل میں یہ ہے کہ اس حق گوئی سے کچھ وقت مقرر سے پہلے اسکی موت نہ آوے گی اور نہ رزق مقرر سے محرومی ہوگی ۱۲۔ سید صدیق احمد عفی عنہ،

اور فرمایا کہ کچھ لوگوں نے فرار اختیار کیا اور اگر اللہ تعالیٰ نے نبوت میں کوئی راز نہ رکھا ہوتا تو ہم یہ کہتے کہ نبی ان لوگوں سے افضل نہیں اس لئے کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ فرشتے علیہم السلام ان لوگوں سے ملاقات اور مصافحہ کرتے ہیں اور ابر اور درندے ان کے پاس ہو کر نکلتے ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے ان کو پکارتا ہے تو جواب دیتے ہیں اور اگر ابر و درندوں سے پوچھتے ہیں کہ تم کو کس جگہ کا حکم ہوا ہے تو ان کو بتا دیتے ہیں حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[ا] کہ جو شخص کسی معصیت میں حاضر ہوا اور اس کو برا جانا تو وہ ایسا ہے گویا اس میں نہ تھا اور جو شخص معصیت میں شریک نہ ہو مگر اس کو اچھا جانے تو وہ ایسا ہے گویا اسمیں حاضر ہے اور معنی حدیث کے یہ ہیں کہ کسی ضرورت سے معصیت کی جگہ میں حاضر ہو یا اتفاق سے معصیت اس کے سامنے ہونے لگے ورنہ قصداً معصیت کی جگہ میں حاضر ہونا ممنوع ہے پہلی حدیث کی دلیل سے اور حضرت ابن مسعود رضؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۲] کہ اللہ نے جس نبی کو بھیجا ہے اس کے حواری بھی ہوتے ہیں[ع] پھر جس قدر خدا تعالیٰ کو منظور رہا اس مدت تک اپنی اپنی قوم میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حکم کے بموجب عمل کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اٹھا لے گا۔ تو حواری اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حکم کے موجب اور اپنے نبی کے طریق کے بموجب عمل کرتے رہیں گے اور جب وہ بھی چل بسیں گے تو ان کے بعد ایک قوم ایسی ہوگی کہ ممبروں پر چڑھ کر وہ باتیں کہیں گے جن کو جانتے ہیں اور کام وہ کریں گے جن کو نہیں جانتے تو جب تم ایسا دیکھو تو ہر ایماندار کو اپنے ہاتھ سے ان پر جہاد کرنا واجب ہے اور اگر ہاتھ سے نہ بن سکے تو زبان سے جہاد کرے اور اگر زبان سے بھی نہ ہو سکے تو دل سے جہاد کرے اور اس کے بعد اسلام نہیں اور حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا کہ ایک گاؤں کے لوگ مرتکب معاصی تھے اور ان میں چار شخص ان کے اعمال کو برا جانتے تھے ان میں سے ایک مستعد ہوا اور لوگوں سے کہا کہ تم ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہو ان سے باز آؤ غرضکہ ان کو منع کرنا اور ان کے افعال کی برائی کرنی شروع کی وہ لوگ اس کے اقوال کو رد کرتے رہے اور اپنے افعال سے باز نہ آئے اس نے ان کو برا کہا انہوں نے اس کو برا کہا آخر کو اس نے ان سے قتال کیا وہ لوگ اس پر غالب رہے پھر یہ ان سے علیحدہ ہو گیا اور جناب الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی میں نے ان کو منع کیا میری اطاعت نہ کی اور میں نے ان کو برا کہا تو انہوں نے مجھ کو برا کہا اور میں نے جنگ کی تو وہ غالب رہے یہ کہہ کر چلا گیا۔ پھر دوسرا شخص ان کے منع کرنے کو مستعد ہوا اس کی اطاعت بھی نہ کی اور اس نے ان کو سخت کہا تو انہوں نے بھی اس کو سخت کہا وہ بھی یہ کہہ کر

ا‌ح - ابن عدی نے اس کو نقل کیا ہے اور اس میں یحییٰ بن سلمان راوی بقول بخاری منکر الحدیث ہے ۱۲ ۲ح مسلم نحوہ ۱۲ ع ہوتے ہیں بصیغہ ماضی صحیح ہے اور جو آئندہ لکھا کہ منظور ہوگا۔ اور کرتا رہے گا۔ یہاں بھی ماضی سمجھنا چاہیے ۱۲

علیحدہ ہو گیا میرا کہنا نہ مانا اور میں نے اُن کو بُرا کہا تو انہوں نے مجھ کو بُرا کہا اور اگر میں اُن سے لڑتا تو یہی غالب رہتے پھر وہ چلا گیا۔ تیسرا اٹھا اور اس نے ان کو منع کیا انہوں نے نہ مانا وہ اُن سے علیحدہ ہوا اور کہا کہ الٰہی میں نے ان کو منع کیا انہوں نے نہ مانا اور اگر میں ان کو گالی دیتا تو وہ مجھ کو دیتے اور اگر میں لڑتا تو وہ جیت جاتے۔ پھر وہ بھی چلا گیا اور چوتھا قائم ہوا اس نے یوں عرض کیا کہ الٰہی میں اگر ان کو منع کرتا تو میرا کہنا نہ مانتے اور اگر برا کہتا تو مجھ کو برا کہتے اور اگر لڑائی کرتا تو غالب رہتے یہ کہہ کر وہ بھی چلا گیا۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ چوتھا شخص ان چاروں میں سے رتبہ میں کمتر تھا مگر تم میں اس کے مثل بھی کم ہیں۔ اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں[۱] کہ کسی نے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا گاؤں تباہ ہو جاتا ہے حالانکہ اس میں نیک آدمی بھی ہوں آپ نے فرمایا ہاں سائل نے عرض کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ وجہ ہے نیک بندوں نے سستی کی اور اللہ تعالیٰ کی معصیتوں پر سکوت اختیار کیا اور جابر بن عبداللہ رضی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد[۲] فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو حکم بھیجا کہ فلاں شہر کو اس کے باشندوں پر الٹا کر دو اس فرشتے نے عرض کیا کہ یارب اس بستی میں تیرا فلاں بندہ ہے جس نے تیری نافرمانی ایک لمحہ کو نہیں کی حکم ہوا کہ اس پر اور تمام بستی والوں پر وہ طبقہ الٹ دے کہ اس شخص کا چہرہ ایک ساعت کو بھی بستی والوں کی معصیت پر نہیں تمتایا۔ اور حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بستی کے لوگوں کو عذاب دیا گیا جس میں اٹھارہ ہزار وہ لوگ تھے کہ ان کے عمل انبیاء علیہم السلام کے سے عمل تھے لوگوں نے عرض کیا کہ یاحضرت یہ کیسے ہوا آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے خفا نہیں ہوتے تھے اور اچھی بات کا امر اور بری بات سے نہی نہ کرتے تھے اور عروہ اپنے باپ سے راوی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ یارب تیرے بندوں میں سے تیرے نزدیک کونسا محبوب تر ہے فرمایا کہ جو کوئی میری خواہش پر جھپٹے جیسا کہ گِس اپنی خواہش پر جھپٹتا ہے اور جو میرے نیک بندوں پر ایسا عاشق ہو جیسے بچہ شیر خوار پستان پر ہوتا ہے اور جس وقت میری حرام کی ہوئی چیزوں میں داخل ہو تو وہ ایسا غصہ کرے جیسا چیتا اپنے انتقام کے لئے غضب کرتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس کے واسطے غصہ ہوتا ہے تو یہ پروا نہیں کرتا کہ آدمی کم ہیں یا زیادہ

[۱] بزار و طبرانی باسناد ضعیف
[۲] طبرانی در اوسط و بیہقی در شعب بیہقی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور بیان کیا ہے کہ محفوظ یہ ہے کہ یہ قول مالک بن دینار کا ہے[۱۲] [۳] اس کی سند مرفوعاً مجھ کو نہیں ملی مگر ابن ابی دنیا اور ابن حبان نے نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن عمرو صنعانی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون کو وحی بھیجی کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار اخیار اور ساٹھ ہزار اشرار ہلاک کروں گا انہوں نے عرض کیا کہ اشرار تو سزا کے سزاوار ہیں اخیار کا کیا قصور ہے حکم ہوا کہ وہ میرے غصہ کے سبب غصہ نہ ہوتے اور ان کے ساتھ خورد و نوش میں شریک رہے ہے[۱۲] [۴] یہ حدیث منکر ہے مجھ کو اس کی سند نہیں ملی ۱۲۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی شدت میں امر معروف اور نہی منکر کا بڑا ثواب ہے۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ سوائے مشرکوں کے قتال کے کوئی اور بھی جہاد ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں اے ابوبکر زمین میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے شہیدوں سے افضل ہیں زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں زمین پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ اور ان کے لئے جنت ایسی آراستہ ہوتی ہے۔ جیسے ام سلمہؓ زوجۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے آراستہ ہوئی حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ کون ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ امر معروف اور نہی منکر کرنے والے اور فی اللہ بغض رکھنے والے ہیں پھر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں جان ہے کہ بندہ ان میں سے شہدا کے غرفوں کے اوپر کے غرفہ میں رہے گا۔ ہر غرفہ میں تین لاکھ دروازے ہوں گے کہ بعض ان میں سے یاقوت اور سبز زمرد کے ہوں گے اور ہر دروازہ پر نور ہوگا۔ اور ان میں سے ایک آدمی کا نکاح تین لاکھ حوروں نیچی نگاہ بڑی آنکھوں والی کے ساتھ ہوگا جب وہ ان میں سے کسی کی طرف التفات کرے گا اور دیکھے گا تو وہ کہے گی کہ تجھ کو یاد بھی ہے فلاں روز تو نے امر معروف اور نہی منکر کیا تھا اور جب ان میں سے کسی کی طرف توجہ کرے گا۔ تو وہ اس کے سامنے ان مقاموں کا ذکر کرے گی۔ جن میں اس نے کسی اچھی بات کا امر کیا یا کسی بری بات سے منع کیا اور حضرت ابوعبیدہ جراحؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہدا میں سے خدائے تعالیٰ کے نزدیک بزرگ تر کون سا ہے آپ نے فرمایاح کہ وہ شخص ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس کو اچھی بات کا امر کیا اور بری بات سے منع کیا اور اسی وجہ سے اس نے اس کو مار ڈالا اور اگر ظالم نے اس کو قتل نہ کیا تو قلم اس پر اس کے بعد نہ چلے گا گو وہ کتنا ہی زندہ رہے (یعنی اس کا ثواب اتنا ہے کہ امر معروف اور نہی منکر اگر حاکم کو کرے گا تو اگر مارا گیا۔ تو شہید ہوا اور گناہ نامۂ اعمال میں عمر بھر نہ لکھے جاویں گے) اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایاح کہ میری امت کے شہیدوں میں سے افضل وہ شخص ہے کہ ظالم امام کے سامنے کھڑا ہو کر اس کو اچھی بات کا حکم کرے اور بری بات سے منع کرے اور وہ ظالم بھیں وجہ اس کو مار ڈالے تو اس شہید کا رتبہ جنت میں حمزہ اور جعفر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوگا۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھےح۔ کہ بری قوم وہ لوگ ہیں جو انصاف کا حکم نہیں

ح بزار نے اس کو نقل کیا ہے اور اس میں ظالم کے قتل نہ کرنے کا ذکر نہیں آخر تک اور یہ زیادتی منکر ہے ۱۲۔ ح یہ حدیث بروایت حسن مرسلاً میری نظر سے نہیں گزری مگر حاکم نے بروایت جابر مرفوعاً نقل کیا ہے اس طرح ہے کہ سید الشہداء حمزہؓ ہیں اور وہ شخص کہ ظالم امام کے سامنے کھڑا ہو کر امر اور نہی اس کو کرے اور وہ اس کو مار ڈالے ۱۲۔ ح اس حدیث کو ابن حبان نے بروایت جابر نقل کیا ہے اور بروایت عمر فاروق ابومنصور دیلمی نے اشارۃً بیان کیا اس طرح وفی الباب عن عمرؓ ۱۲۔

کرتے اور بری قوم وہ ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتی اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ تم امر معروف اور نہی منکر کرو ورنہ خدائے تعالیٰ تم پر کوئی بادشاہ ظالم مسلط کر دے گا کہ وہ نہ تمہارے بڑے کی توقیر کرے گا اور نہ چھوٹے پر ترس کھاتے گا اور تمہارے نیک بندے اس کو بد دعا دیں گے تو ان کی بد دعا مقبول نہ ہوگی اور تم مدد مانگو گے تو مدد نہ ملے گی اور استغفار کرو گے تو تمہاری مغفرت نہ ہوگی اور حضرت حذیفہ سے کسی نے پوچھا کہ زندوں میں مردہ کون شخص ہے اپنے فرمایا کہ جو بری بات اپنے ہاتھ سے نہ بگاڑے اور نہ زبان سے اور دل سے برا کہے اور مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے ایک عالم تھا کہ اس کے مکان پر مرد و عورت جمع ہوا کرتے تھے اور وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے واقعات و انتقامات جو اہل دنیا میں گزرتے رہتے ہیں سنایا کرتے ایک روز آپ نے کسی لڑکے کو دیکھا کہ کسی عورت پر چشمک مارتا ہے تو اس کو کہا کہ بس کر بیٹا بس کر راوی کہتا ہے کہ وہ عالم تو تخت پر سے گر گیا اور اس کی گردن کا مہرہ ٹوٹ گیا اور اس کی عورت کا اسقاط ہو گیا اور اس کے بیٹے لشکر میں مارے گئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کو وحی بھیجی کہ فلاں عالم سے کہدو کہ میں تیری پشت سے صدیق کبھی نہ پیدا کروں گا۔ کہ تیرا غصہ میری خاطر نہ تھا صرف اتنا ہی کہا کہ بس کر بیٹا بس کر اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آوے گا کہ اگر میں ان میں مردہ گدھا ہوں تو مجھ کو وہ لوگ اس ایماندار سے محبوب تر جانیں جو ان کو امر معروف اور نہی منکر کرے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار اچھے اور ساٹھ ہزار برے ہلاک کروں گا انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی بد لوگ تو برے ہیں مگر اچھوں کا کیا قصور ہے ارشاد ہوا کہ انہوں نے میرے غصہ کیلئے غصہ نہ کیا اور بدوں کیساتھ کھانے پینے میں شریک رہے اور بلال بن سعد نے کہا ہے کہ معصیت جب پوشیدہ کی جاتی ہے تو سوا معصیت کرنے والے کے اور کسی کو ضرر نہیں کرتی اور جب اعلان کے ساتھ کی جاتی ہے اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا تو عوام کو ضرر کرتی ہے۔ اور کعب احبارؓ نے ابو مسلم خولانی سے فرمایا کہ تمہاری قوم میں تمہاری منزلت کیسی ہے اس نے کہا کہ اچھی ہے فرمایا کہ توریت تو اس کے خلاف کہتی ہے پوچھا کہ کیا کہتی ہے فرمایا کہ یوں کہتی ہے کہ جب آدمی امر معروف اور نہی منکر کرتا ہے تو اس کی قوم کے نزدیک اس کی منزلت بری ہو جاتی ہے ابو مسلم نے کہا کہ توریت سچ کہتی ہے اور ابو مسلم جھوٹ کہتا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ عمال کے پاس جایا کرتے پھر آپ بیٹھ رہے کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ ان کے پاس تشریف لے جائیں گے تو شاید ان کے دل میں رعب رہے گا۔

آپ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ اگر میں کچھ بولوں تو وہ یہ جانیں گے کہ حال کچھ ہے اور قال کچھ اور اگر خاموش

کہ گنہگار نہ ہوں تو اس کا مصداق بن رہا ہوں کہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص امر بالمعروف سے عاجز ہو اس پر لازم ہے کہ اس جگہ سے دور رہے اور ایسی جگہ چلا جائے کہ معصیت اس کے سامنے نہ ہو اور حضرت علی بن ابی طالب رضی فرماتے ہیں کہ اول جس جہاد پر تم کو دبایا جاتا ہے وہ ہاتھوں کا جہاد ہے پھر زبانوں کا پھر دلوں کا جب دل اچھی باتوں کو نہیں پہچانتا اور بری کا انکار نہیں کرتا تو اوندھا کر دیا جاتا ہے کہ اوپر کی طرف نیچے ہو جائے اور سہل بن عبداللہ رح فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کے سوا دوسرے پر قادر نہیں اور امر و نہی اپنی ذات کے متعلق بجالاتا ہے اور دوسرے سے جو برائی ہو اس کو دل سے برا جانتا ہے تو جس قدر امر معروف اور نہی منکر اس کو چاہیئے اس قدر بجالاتا ہے اور فضیل رح سے کسی نے کہا کہ تم امر معروف اور نہی منکر کیوں نہیں کرتے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے امر و نہی کی اور کافر ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے عوض ان کو جو تکلیف دی گئی تو اس پر صبر نہ کیا۔ اور حضرت ثوری رح سے کسی نے کہا کہ آپ امر معروف اور نہی منکر کیوں نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ جب سمندر ٹوٹ نکلے تو اس کی بند کون لگا سکتا ہے ان دلیلوں سے ظاہر ہوا کہ امر معروف اور نہی منکر واجب ہے اور اگر قدرت اس کی بجا آوری کی ہو تو اس کا فرض ساقط نہ ہوگا بجز اس کے کہ کوئی اس کی بجا آوری پر قائم ہو اب ہم اس کے شروط اور اس کے واجب ہونے کی شرطیں ذکر کرتے ہیں۔

دوسری فصل: ارکان و شرائط

جاننا چاہیئے کہ امر معروف اور نہی منکر دونوں ملا کر حسبت کہتے ہیں اور حسبت کے ارکان چار ہیں۔ اول محتسب دوسرے محتسب علیہ یعنی مجرم تیسرے محتسب فیہ یعنی معصیت چوتھے خود احتساب اور ان چاروں میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا شرطیں ہیں۔

محتسب اور اس کی شرائط اس کی شرطیں یہ ہیں کہ عاقل بالغ مسلمان قدرت رکھنے والا ہو تو ان شرطوں سے مجنون اور لڑکا اور کافر اور عاجز نکل گیا اور رعایا میں سے ہر کوئی داخل رہا گو اس کو بادشاہ کی طرف سے اذن نہ ہو اور فاسق اور غلام اور عورت بھی اس تعریف میں داخل ہے اب ہم ان شرطوں کی وجہ بیان کرتے ہیں اور نیز جن قیدوں کو ہم نے چھوڑ دیا ان کے چھوڑنے کا باعث لکھیں گے شرط اول تکلیف یعنی عاقل و بالغ ہونا اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ غیر مکلف پر کوئی حکم لازم نہیں اور ہم نے جو شرائط لکھی ہیں ان سے مراد شرط وجوب ہے نہ شرط جواز کیونکہ احتساب کا امکان اور جواز صرف عقل کا ہی مقتضی ہے اس کو بلوغ بھی نہیں چاہیئے حتی کہ لڑکا تمیز دار قریب بہ بلوغ ہر چند مکلف نہیں مگر اس کو جائز ہے کہ بری بات کا انکار کرے

اور شراب کو بہادے کو اور کھیل کی چیزیں توڑ ڈالے اور جب وہ یہ افعال کرے گا تو ثواب پاتے گا اور کسی کو جائز نہیں کہ اس کو ان افعال سے روک دے یہ لحاظ کر کے کہ یہ تو مکلف نہیں اس لئے کہ یہ افعال ثواب کے ہیں اور ایسا لڑکا ثواب کا اہل ہے مثلاً نماز اور اس کی امامت اور دوسرے ثواب کے کاموں کا اہل ہے اور احتساب کا حکم ولایتوں کا سا نہیں کہ اس میں جواز کے لئے بھی تکلیف شرط ہو اور اسی وجہ سے ہم نے اس کو غلام اور رعیت کے ہر کسی فرد کے لئے ثابت رکھا ہے ہاں فعل سے منع کرنے میں اور بری بات کے لگاٹنے میں ایک طرح کی ولایت اور حکومت معلوم ہوتی ہے مگر یہ حکومت صرف ایمان سے حاصل ہوتی ہے جیسے مشرک کا مارنا اور اس کے اسباب کا باطل کرنا اور ہتھیاروں کا چھین لینا کہ لڑکے کو بھی جائز ہے بشرطیکہ اس سے خود اس لڑکے کو ضرر نہ ہو تو جب کفر سے منع کرنا درست ہوا تو فسق سے روکنا بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے دوسری شرط ایمان کی قید کی وجہ سے صاف ظاہر ہے اس لئے کہ احتساب دین کی نصرت کا نام ہے تو اس کا اہل وہ شخص کیسے ہو سکتا ہے جو اصل دین کا منکر اور دشمن ہو۔ تیسری شرط عادل ہونا اس کو بعض لوگوں نے شرط کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ فاسق کو احتساب درست نہیں۔ اور اپنی دلیل اس باب میں ایک تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ان لوگوں پر جو کہتے ہیں اور قول کے بموجب خود نہیں کرتے وعید وارد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [1] اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم اور فرمایا کبر مقتا عند اللہ ان تقولو ما لا تفعلون [2] دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سے مروی [3] ہے کہ فرمایا کہ معراج کی شب کو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا کہ جن کے لب آگے کی مقراضوں سے کاٹے جاتے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو انہوں نے کہا کہ ہم امر خیر کا حکم کرتے تھے اور خود اس کو نہیں کرتے تھے اور بری بات سے منع کیا کرتے تھے اور خود اس کے مرتکب ہوتے تھے تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ تم اپنے نفس کو نصیحت کرو جب وہ نصیحت مان جائے تب لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے حیا کرو چوتھی دلیل بطور قیاس بیان کرتے ہیں اس طرح کہ دوسرے کا ہدایت کرنا اور راہ بتانا اس پر متفرع ہے کہ خود راہ پر ہو اسی طرح غیر کا سیدھا کرنا اپنے سیدھا ہونے کی فرع ہے اور درست کرنا زکوٰۃ ہے نصاب درستی کی تو جو شخص خود درست اور اچھا نہ ہوگا۔ وہ دوسرے کو کیسے درست کرے گا یہ تو مثل مشہور ہے ؏

سایہ کہ راست بود چوب باشد ناراست

اور یہ جتنی دلیلیں انہوں نے لکھی ہیں سب خیالات ہیں حق یہی ہے کہ فاسق کو احتساب جائز ہے

---

[1] - کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو آپ کو ۱۲۔ [2] بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو ۱۲ [3] باب العلم میں گزری ۱۲

اور اس کی برہان یہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ احتساب میں کیا یہ شرط ہے کہ محتسب سب گناہوں سے معصوم ہو اگر یہ شرط ہو تو خلاف اجماع ہے اور نیز باب احتساب کا بالکل بند کرنا ہے کیونکہ معصوم تو صحابہؓ بھی نہ تھے اوروں کا کیا ذکر ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت میں اختلاف ہے اور قرآن مجید سے منسوب ہونا حضرت آدم علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء کا معصیت کی طرف پایا جاتا ہے اور اسی لئے سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہے کہ اگر امر معروف اور نہی منکر وہی کیا کرے جس میں کوئی گناہ نہ ہو کوئی بھی اس امر کی تعمیل نہ کر سکے گا امام مالکؒ کو ان کا یہ قول پسند آیا اور اگر یہ کہیں کہ معصوم ہونا صغیرہ گناہوں سے مشروط نہیں یہاں تک کہ حریر پہننے والے کو جائز ہے کہ زنا اور شراب خوری سے منع کرے تو ہم یہ پوچھتے ہیں آیا شراب خور کو جائز ہے کہ کفار سے جہاد کرے اور کفر سے منع کرنے کا احتساب ان پر کرے اگر کہیں کہ نہیں جائز ہے تو خلاف اجماع ہو گا اس لئے کہ مسلمانوں کے لشکروں میں ہمیشہ نیک اور بہادر شراب خور اور یتیموں پر ظلم کرنے والے سب قسم کے آدمی ہوتے تھے ان کو جہاد سے ممانعت نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت مبارک میں ہوئی نہ آپ کے بعد اور اگر یہ کہیں کہ شراب خور کو جہاد کرنا اور کفر کی ممانعت کا احتساب جائز ہے تو ہم یہ سوال کریں گے کہ اس کو یہ بھی جائز ہے کہ قتل سے منع کرے اگر کہیں کہ جائز نہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ پھر شراب خور اور حریر پوش میں فرق بتانا چاہیئے کہ حریر پوش کو جائز ہے کہ شراب سے منع کرے حالانکہ قتل شرابخوری کی نسبت کرا اتنا ہی برا ہے جیسے شراب خوری حریر پوشی کی نسبت ہے تو کسی طرح کا فرق نہیں معلوم ہوتا اور اگر کہیں کہ قتل سے منع کرنا جائز ہے اور اس کی علت یہ بیان کریں کہ جو شخص ایک گناہ کا مرتکب ہے تو وہ اسی جیسے اور اس سے کم رتبہ سے منع نہیں کر سکتا ہاں اس سے زیادہ گناہ کو منع کر سکتا ہاں تو یہ دعویٰ بے دلیل اور زبردستی ہے کیونکہ جب یہ بعید نہیں کہ شرابخور زنا اور قتل سے منع کرے ویسا ہی یہ بھی بعید نہیں کہ زانی شراب پینے سے منع کرے بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ آدمی خود شراب پئے اور اپنے غلاموں اور خادموں کو شراب خوری سے منع کرے اور یہ کہے کہ مجھ پر نہی کو ماننا اور دوسرے کو نہی کرنا دو باتیں واجب ہیں تو یہ کہاں سے لازم آیا کہ اگر میں نے ایک بات میں معصیت کی تو دوسری میں بھی خدائے تعالیٰ کا عاصی ہو جاؤں اور جس صورت میں کہ منع کرنا مجھ پر واجب ہے تو اس کا وجوب میرے ارتکاب کی جہت سے کیسے ساقط ہو جائے گا اور واقع میں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یوں کہیں کہ منع کرنا شراب خوری سے اس پر اس وقت تک واجب ہے کہ خود شراب نہ پیوے اگر پی لے گا تو اس پر منع کرنا ساقط ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ تمہاری تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ مجھ پر وضو اور نماز دونوں واجب ہیں۔ مگر میں وضو کرتا ہوں گو نماز نہ پڑھوں اور سحر کھاتا ہوں گو روزہ نہ رکھوں مستحب تو میرے لئے دونوں ہیں پس اس کا جواب یہی دو گے کہ ان دونوں میں سے ایک چیز دوسرے پر مترتب ہے تو ہم بھی

کہتے ہیں کہ غیر کا سیدھا کرنا اپنی راستی پر مترتب ہے اس لئے اوّل اپنے نفس کی درستی چاہیئے پھر دوسرے کی بموجب مثل اول خویش بعدہ درویش تو اس کا جواب یہ ہے کہ سحر کا کھانا روزہ کے لئے ہوتا ہے اگر روزہ نہ ہوتا تو سحر کھانا مستحب نہ ہوتا اور جو چیز غیر کے لئے مطلوب ہوتی ہے وہ اس چیز سے جدا نہیں ہوا کرتی اور صورت متنازعہ فیہ میں غیر کی اصلاح اپنے نفس کی اصلاح کے لئے مقصود نہیں ہوتی نہ اپنے نفس کی اصلاح غیر کی اصلاح کے لئے تو ان میں سے جو ایک کو دوسرے پر مترتب کہتے ہو زبردستی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں اور وضو اور نماز کے اعتراض سے اتنا ہی لازم آتا ہے کہ جو شخص وضو کرلے اور نماز نہ پڑھے اور وہ وضو کے امر کو بجالاوے اس کا عذاب اس شخص کی نسبت کم ہوگا جو وضو اور نماز دونوں کا تارک ہوگا ایسا ہی جو شخص منع کرنا اور باز رہنا دونوں باتیں چھوڑ دے گا۔ اس کو عذاب زیادہ ہوگا بہ نسبت اس کے جو دوسرے کو منع کرے اور خود نہی پر کاربند نہ ہو کیونکہ وضو شرط ہے بذات خود تو مقصود نہیں بلکہ نماز کے لئے مقصود ہے تو بدون نماز کے اس کا کچھ اعتبار نہیں اور امر ونہی پر کاربند ہونے میں احتساب شرط نہیں تو ان دونوں صورتوں میں کچھ مشابہت نہیں۔ اب اگر یوں کہا جائے کہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ کوئی یوں کہے کہ جب ایک مرد کسی عورت سے زبردستی زنا کرے اور وہ عورت اپنا منہ چھپائے ہو پھر اپنے آپ منہ کھول دے اور مرد عین حالت زنا میں احتساب کرے۔ اور عورت سے کہے کہ تجھ پر زنا میں تو زبردستی ہوئی مگر منہ کھولنے میں تو تو خود مختار تھی تو نے جو تجھ غیر محرم کے سامنے اپنے منہ کو کھول دیا برا کیا اپنا منہ ڈھانک لے تو یہ احتساب نہایت برا ہے کہ ہر عاقل اسکو برا جانتا ہے اور ہر طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر حق کبھی طبیعتوں کو برا معلوم ہوا کرتا ہے اور باطل اچھا معلوم ہوتا ہے اس کا لحاظ ضروری نہیں بلکہ لحاظ دلیل کا کیا جاتا ہے وہم وخیالات کی پیروی نہیں کی جاتی اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مرد کا عورت سے یہ کہنا کہ اپنا منہ مت کھول واجب ہے یا حرام یا مباح اگر تم کہو کہ واجب ہے تب تو غرض حاصل ہے اس لئے کہ منہ کھولنا غیر محرم کے سامنے معصیت ہے، اور اس سے منع کرنا حق ہے اور اگر کہو کہ مباح ہے تو مرد کو مباح کا کہنا درست ہے پھر جو یہ تم کہتے ہو کہ فاسق کو احتساب درست نہیں اس کے کیا معنی ہوں گے اور اگر کہو کہ حرام ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ احتساب تو واجب تھا حرام کیسے ہوگیا۔ اگر اس شخص کے زنا کے مرتکب ہونے سے ہوا تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک حرام کرنے سے دوسرا واجب حرام ہو جائے باقی رہا طبیعت کا نفرت کرنا اور اس کو برا جاننا تو اس کی دو وجہیں ہیں اوّل تو یہ کہ اس مرد نے زیادہ تر ضروری چیز کو ترک کرکے اس سے کمتر ضروری کو اختیار کیا اور طبیعتیں جیسے اس بات کو برا جانتی ہیں کہ کوئی شخص ضروری بات کو چھوڑ کر بے فائدہ امر کو اختیار کرے اسی طرح اس سے بھی نفرت کرتی ہیں

کہ زیادہ ضروری کو چھوڑ کر کمتر ضروری کو اختیار کرے مثلاً کوئی شخص مغصوب کھانے سے تو احتراز کرے اور ہمیشہ زنا کرتا رہے تو ایسے شخص سے نفرت کی جاتی ہے یا کوئی غیبت سے بچے اور جھوٹی گواہی دیا کرے تو ایسے سے بھی نفرت کرتے ہیں اس لئے کہ جھوٹی گواہی دینی غیبت کی نسبت زیادہ خراب اور سخت ہے غیبت میں تو آدمی وہی بات کہتا ہے جو دوسرے میں ہو یعنی سچ بولتا ہے بخلاف جھوٹی گواہی کے لیکن طبیعتوں کا نفرت کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ترک غیبت واجب نہیں اور نہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر آدمی غیبت کرے یا لقمہ حرام کھائے تو اس سے اس کو عذاب زیادہ نہ ہوگا اسی طرح آخرت میں آدمی کو اپنے گناہ سے ضرر زیادہ ہوگیا بہ نسبت دوسرے کے گناہ کے ضرر سے تو اپنے نفس کی فکر نہ کرنی اور دوسرے کے بچانے میں مشغول ہونا طبیعتوں میں اس وجہ سے مکروہ ہے کہ اکثر کو چھوڑ کر کمتر کو اختیار کرتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کا گھوڑا اور لگام چھن جائے اور وہ گھوڑے کو چھوڑ کر لگام کی طلب میں مشغول ہو تو طبیعتیں اس سے متنفر ہوں گی اور اس کو جانیں گی کہ برا کرتا ہے۔ حالانکہ اس نے کوئی بات سوا لگام کی طلب کے نہیں کی اور وہ کچھ بری بات نہیں مگر چونکہ گھوڑے کی طلب کو چھوڑ کر لگام کی طلب میں مصروف ہوا اسی جہت سے برا جانا گیا کہ اہم کو چھوڑا اور اس سے کم پر توجہ کی اسی طرح فاسق آدمی کا احتساب اسی وجہ سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ اس کا احتساب اس جہت پر برا ہے کہ امر معروف یا نہی منکر ہے دوسری وجہ فاسق کے احتساب کے برا معلوم ہونے کی یہ ہے کہ احتساب کبھی تو وعظ سے ہوتا ہے اور کبھی قہر سے اور جو شخص خود اول نصیحت نہیں مانتا اس کا زبانی وعظ مفید نہیں ہوتا اور ہم کہتے ہیں کہ جو شخص جانے کہ میرا قول احتساب میں مقبول نہ ہوگا۔ اس وجہ سے کہ لوگ مجھ کو فاسق جانتے ہیں تو اس کو احتساب وعظ سے واجب نہیں کیونکہ اس کے وعظ کا فائدہ ساقط کر دیتا ہے اور جب وعظ کا فائدہ ساقط ہو جاتا ہے تو وجوب وعظ بھی ساقط ہو جاتا ہے لیکن جس صورت میں کہ احتساب منع سے ہو تو اس سے مراد قہر ہے اور قہر کامل یہ ہے کہ غلبہ فعل اور حجت دونوں میں ہو تو جس صورت میں محتسب فاسق ہوگا تو اگر وہ فعل میں غالب بھی ہوگا تو حجت میں مغلوب ہوگا کیونکہ اس پر یہ اعتراض متوجہ ہوگا کہ تم اس فعل کے مرتکب کیوں ہو اسی وجہ سے اگر وہ حجت میں دبا ہوا ہو کر فعل میں غالب ہوگا تو طبیعتیں اس کے فعل سے لوٹ کریں گی مگر اس سے یہ نہ ہوگا کہ وہ فعل حق نہ رہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ظالم کے پنجے سے چھڑا دے اور اس کا باپ جو مظلوم نہیں موجود ہے اس کو نہ چھڑا دے تو طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں مگر یہ نہیں کہ مسلمانوں کا پنجۂ ظالم سے چھڑانا حق نہ ہو تو اس سے یہ نکلا کہ فاسق پر وعظ سے احتساب اس شخص کا واجب نہیں جس کو اس کے فسق کا حال معلوم ہو اس لئے کہ وہ ماننے

کا نہیں اور جب کہ اس پر وعظ زبانی واجب نہیں اور یہ جانتے کہ میرے سے لوگ انکار سے پیش آئیں گے، اور گالیاں سنائیں گے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اسکو وعظ زبانی اس صورت میں جائز بھی نہیں اب اس تقریر کا انجام یہ ہوا کہ فسق کے باعث احتساب کی ایک قسم یعنی وعظ زبانی بالکل ہوگیا۔ اس کے لئے عدالت شرط ہے باقی رہی دوسری قسم یعنی احتساب قہری تو اس میں عادل ہونا شرط نہیں تو اس صورت میں اگر فاسق شراب گرادے اور لہو کے آلات وغیرہ توڑ دے جب اس کو ان امور پر قدرت ہو تو اس پر کچھ دقت نہیں اور یہ صورت نہایت انصاف کی اور صاف صاف ہے اور آیتوں سے جو ان لوگوں نے استدلال کیا ہے تو ان میں اس بات کی برائی مذکور ہے کہ ان لوگوں نے اچھی بات کو ترک کیا اس جہت سے نہیں کہ انہوں نے امر کیا مگر ان کے امر کرنے سے ان کے علم کا زور پایا گیا اور عالم کا عذاب زیادہ تر سخت ہوتا ہے اس وجہ سے کہ باوجود قوت علمی کے اس کو کوئی عذر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں[ت] لم تقولون ما لا تفعلون جھوٹا وعدہ مراد ہے اور اس ارشاد میں[ت۲] وتنسون انفسکم اس بات کو برا فرمایا کہ وہ لوگ اپنی جانوں کو بھول گئے اس وجہ سے برائی کی کہ انہوں نے دوسروں کو اچھی بات کا امر کیا اور دوسروں کا حال اس لئے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ عالم تھے اور ان پر حجت قوی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہ اول تو اپنے نفس کو نصیحت کر الخ تو وہ حال احتساب زبانی کا ہے اور اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فاسق کا وعظ زبانی غیر مفید ہے ان لوگوں کے حق میں جو اس کے فسق سے آگاہ ہیں اس کے آخر میں یہ فرمایا کہ مجھ سے شرم کر اس سے بھی غیر کو وعظ کرنے کی حرمت نہیں پائی جاتی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مجھ سے حیا کر میں فرمایا اور زیادہ ضروری کو چھوڑ کر کم ضروری میں مشغول مت ہو جیسے یوں کہا کرتے ہیں کہ اول اپنے باپ کا پاس کر پھر ہمسایہ کا ورنہ شرم کرو۔ اب اگر یوں کہو کہ اس صورت میں جائز ہے کہ اگر ذمی کسی مسلمان کو زنا کرتے دیکھے تو وہ بھی اس کو احتساب کرلے کیونکہ ذمی کا مسلمان کو یہ کہنا کہ زنا مت کرو واقع میں درست ہے تو اس پر حرام ہونا تو محال ہے بلکہ یا مباح ہونا چاہیئے یا واجب حالانکہ ذمی کا احتساب مسلمان کو ممنوع کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔ تو اب اگر کافر مسلمان کو اپنے فعل سے منع کرے گا تو یہ صورت کافر کے غلبہ کی ہے مسلمان پر جو بموجب آیت بالا کے نہ ہونی چاہیے پس اسی غلبہ کی وجہ سے کافر کو منع کیا جاتا ہے اور اگر صرف اس نے مسلمان کو زبان سے کہا کہ زنا مت کر تو یہ کہنا بذات خود اس پر حرام نہیں مگر اس اعتبار سے کہ اس لفظ سے مسلمان پر حکومت کرنے کی بو پائی جاتی ہے اور مسلمان کی ذلت ہے تو اسکی وجہ

ت ا۔ کیوں کہتے ہو وہ جو خود نہ کرو ۱۲۔ ت ۲۔ اور بھولتے ہو آپ کو ۱۲ ت ۳ اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمان پر راہ ۱۲

سے البتہ منع کیا جائے گا ہر چند مسلمان بدکار بھی مستحق ذلت ہے لیکن کافر کی نسبت کرتا ہم ذی عزت ہے تو کافر کا ذلیل رہنا بہتر سمجھ کر احتساب سے منع کرتے ہیں ورنہ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ کافر جب کہے کہ زنامت کر تو اس کو سزا ملنی چاہیئے اس لحاظ سے کہ اس نے زنا کی ممانعت کیوں کی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کافر نے یہ لفظ نہ کہا ہو اور دین کی فروع کا خطاب ہمارے نزدیک اس پر بھی ہو تو اس وقت اس لفظ کے نہ کہنے پر سزا دی جائے گی اور اس مقام میں بحث ہے اس کو ہم نے فقہ کے مسائل میں لکھا ہے یہاں وہ ہمارے مقصود سے متعلق نہیں چوتھی شرط احتساب میں بعضوں نے یہ لکھی ہے کہ محتسب کو امام اور حاکم کی طرف سے اجازت ہونی چاہیئے ان لوگوں نے رعیت میں سے ہر کسی کو احتساب ثابت نہیں کیا اور یہ قید لگانی غراب ہے اس لئے کہ ہم نے جو آیتیں اور اخبار لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو شخص بری بات کو دیکھ کر سکوت کرے وہ گنہگار ہوگا کیونکہ بری بات سے منع کرنا اس پر واجب ہے جہاں دیکھے اور جس کیفیت سے دیکھے اور یہ حکم عام ہے اس میں یہ قید لگانی کہ حاکم نے اس شخص کو یہ کام سپرد بھی کیا ہو دعویٰ بے دلیل اور بلا اصل ہے اور طرفہ یہ کہ رافضیوں نے اس پر بھی زیادتی کی اور کہا ہے کہ امر بالمعروف کرنا درست ہی نہیں جب تک کہ امام معصوم[2] ظاہر نہ ہوں جو ان کے نزدیک امام برحق اور پوشیدہ ہیں تو یہ فرقہ اس قابل نہیں کہ ان سے گفتگو کی جائے بلکہ ان کا جواب یہ ہے

کہ جب وہ قاضیوں کے یہاں خون اور مال کے حقوق طلب کرنے آئیں تو ان سے یہ کہا جائے کہ تمہاری طرف داری کرنی امر بالمعروف ہے اور جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے ان کے پنجہ سے تمہارے حقوق کا نکالنا نہی عن المنکر ہے اور تم جو حق طلب کرتے ہو یہ بھی منجملہ حقوق معروفہ ہے اور یہ زمانہ تمہارے قول کے بموجب ظلم سے منع کرنے اور حقوق کے طلب کرنے کا نہیں اس لئے کہ امام برحق ظاہر نہیں ہوئے جب ان کا ظہور ہوگا تب طلب کر لینا۔ اب اگر کوئی کہے کہ امر بالمعروف میں ثابت کرنا سلطنت اور حکومت کا ہے محکوم علیہ پر اور اسی وجہ سے کافر کے لئے امر بالمعروف مسلمان پر ثابت نہیں باوجود یکہ اس کا قول حق ہوتا ہے تو چاہیئے کہ رعیت میں سے بھی ہر کسی کو بدون والی اور امیر کے اختیار دینے کے ثابت نہو تو اسکا جواب ہے کہ کافر کو احتساب اسلیئے منع ہوا کہ اسمیں دباؤ اور حکومت کی عزت ہے اور کافر ذلیل ہے۔ اس کو اس بات کا استحقاق نہیں کہ مسلمان پر حکم کرنے کی عزت حاصل کرے لیکن ہر فرد مسلمان دین کی وجہ سے اس عزت کا استحقاق رکھتا ہے اور جس چیز میں حکومت اور دباؤ کی عزت ہو وہ امام کے اختیار دینے کی محتاج نہیں مثلاً تعلیم اور بتلانے کی عزت سب کے نزدیک متحقق ہے کہ اگر کوئی شخص جاہل ہو اور وہ نادانستگی سے ایک امر کا مرتکب ہو رہا ہو تو اس کو حرمت اور واجب ہونے کو بتلانے کے لئے حاکم کی اجازت ضروری نہیں حالانکہ عزت استادی اور رہنمائی کی اس میں موجود ہے اور

جس کو بتاتا ہے اس کو ذلت جاہل ہونے کی ہے لیکن اس قسم کی عزت میں صرف دینداری کافی ہے امام کا حکم ہو یا نہ ہو اور یہی حال منع کرنے کا ہے اور تفصیل اس تقریر کی یہ ہے کہ احتساب کے پانچ مرتبے ہیں۔ چنانچہ مذکور ہوں گے اول تعریف دوم وعظ لطیف باتوں سے سوم زبردستی منع کرنا اور قہر کا فعل کر دکھانا مثل لہو کے آلات کا توڑ ڈالنا اور شراب کو گرا دینا اور ریشمی کپڑا جو کوئی پہنے اس کے بدن سے اتار لینا چھینا ہوا مال غاصب سے بزور لے کر مالک کے حوالے کرنا چہارم سخت و سست کہنا اور اس سے یہ غرض نہیں کہ فحش بکے بلکہ یوں کہنا کہ اے جاہل اے عقل کے دشمن کیا تو خدائے تعالیٰ سے نہیں ڈرتا یا اور کوئی ایسا ہی لفظ بولنا پانچویں ڈرانا اور مار سے دھمکانا یا اتنا پیٹنا کہ جس کام کا وہ مرتکب ہے اس سے باز آوے مثلاً جو شخص غیبت کیا کرتا ہے اور زنا کی تہمت لگائے جاتا ہے یا گالیاں برابر دیتا ہے تو اس کی زبان کا چھین لینا تو ممکن نہیں مگر مارنے سے ساکت کر سکتے ہیں اور اس پچھلی صورت میں حاجت استعانت اور مددگاروں کی دونوں طرفوں کو ہوتی ہے اور نوبت کشت و خون کی پہنچتی ہے اور ظاہر ہے کہ چار پہلی صورتوں میں امام کے اذن کی کچھ حاجت نہیں لیکن اس پانچویں مرتبہ میں البتہ بحث ہے جو عنقریب مذکور ہوگی اول مرتبہ بتلانے کا اور دوسرا وعظ کا وہ تو کسی طرح محتاج امام کی اجازت کا نہیں اور چوتھا مرتبہ یعنی کسی فاسق کو جاہل اور احمق اور بدکار اور خدا تعالیٰ سے کم خوف رکھنے والا اور جو ایسے الفاظ ہوں کہنا ایک سچی بات ہے اور سچ اسی بات کا مقتضی ہے کہ بلا تامل بولا جائے بلکہ افضل درجات وہ حق بات ہے جو ظالم حاکم کے سامنے بولی جائے جیسے کہ حدیث[۱] میں وارد ہے تو جس صورت میں کہ حاکم کے خلاف سچ بولنے کا حکم ہے تو اس میں حاکم کے اذن کی کیسے حاجت ہوگی اور تیسرا مرتبہ یعنی لہو کے آلات کو توڑ دینا وغیرہ تو یہ ایسا فعل ہے کہ بدون اجتہاد کے بھی اس کے کرنے میں حق ہونا ثابت ہے۔ تو اس میں امام سے اذن کی کیا حاجت ہے ہاں پانچواں مرتبہ یعنی مددگار جمع کرنے اور ہتھیار کھینچنے۔ تو اس سے نوبت کبھی بلوائے عام کی ہو جاتی ہے اسی لئے اس میں بحث ہے چنانچہ مذکور ہوگی اور اکابر سلف جو ہمیشہ والیوں کو احتساب کرنے کے عادی رہے یہ امر دلیل قاطع ہے اس بات کی کہ ان کا اجماع تھا کہ اس باب میں حاجت حاکم کے اجازت دینے کی نہیں بلکہ جو شخص کہ امر معروف کرے گا۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا حاکم راضی ہوگا یا ناراض اگر راضی ہوگا تب تو بہتر ہے اور اگر ناراض ہو تو اس کی ناراضی ایک امر منکر ہے واجب ہے کہ اس کے سامنے اس کی برائی بیان کی جائے تو پھر ایسی بات میں اس کے اذن کی حاجت کیسے ہوگی اور سلف کی عادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اماموں کی منکر بات کو نہ مانتے تھے اور اس کی برائی سامنے ہی بیان کرتے تھے چنانچہ مروی ہے کہ مروان بن حکم نے نماز

[۱]۔ ابوداؤد ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابی سعید خدری ۱۲۔

عید سے پہلے خطبہ پڑھا اس کو ایک شخص نے کہا کہ خطبہ تو نماز کے بعد ہوا کرتا ہے مروان نے اس کو کہا کہ ہم تجھ کو سمجھ لیں گے حضرت ابو سعید خدری ؓ نے فرمایا کہ اس کو جو کچھ حکم تھا اس کی تعمیل کی ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۱] کہ جو شخص تم میں سے کوئی بری بات دیکھے تو چاہیئے کہ اس کو برا جانے اور یہ ضعیف تر ایمان ہے تو اکابر سلف ان احکام سے یہی سمجھے تھے کہ سلاطین بھی ان میں داخل ہیں تو پھر ان کے اذن کی حاجت کیسے ہو گی اور مروی ہے کہ خلیفہ مہدی جب مکہ معظمہ میں آیا تو کچھ عرصہ تک ٹھہرا پھر جب طواف کرنے لگا تو لوگوں کو خانہ کعبہ کے پاس سے ہٹا دیا حضرت عبد اللہ بن مرزوق نے جست کر کے اس کا گریبان پکڑ کر ہلایا اور فرمایا کہ دیکھ کیا کرتا ہے تجھ کو اس گھر کا مستحق زیادہ کس نے بنایا ہے کہ جو کوئی دور یا نزدیک سے اس کے پاس پہنچے تو تو اس کو خانہ کعبہ تک نہ جانے دے اور بیچ میں روک دے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سواء العاکف فیہ والباد۔[۲] یہ استحقاق تجھ کو کس نے دیا خلیفہ ان کا منہ تکنے لگا اور ان کو پہچانتا تھا اس لئے کہ وہ اس کے باپ دادا کے موالی میں سے تھے کہنے لگا کون ہے عبد اللہ بن مرزوق آپ نے کہا کہ ہاں خلیفہ ان کو گرفتار کر کے بغداد میں لے آیا اور اس کو اچھا نہ جانا کہ ان کو سزا ایسی دے جس سے عوام میں ان کی ذلت ہو اس نظر سے ان کو گھوڑوں کے طویلہ میں بند کر دیا کہ ان کی لاتوں اور ٹاپوں میں کچل جائیں اور ایک کاٹنے والا گھوڑا ان کے پاس کر دیا تاکہ ان کو کاٹ کھائے اللہ تعالےٰ نے اس گھوڑے کو ان کا رام کر دیا کہ کسی طرح کی ان کو تکلیف نہ ہوئی راوی کہتا ہے کہ پھر خلیفہ نے ان کو ایک حجرہ میں بند کر کے اس کی کنجی آپ لے لی تین روز کے بعد اس میں سے نکل کر باغ میں داخل ہوئے اور وہاں کا سبزہ کھانے لگے مہدی کو جو آپ کی اطلاع ہوئی آپ سے پوچھا کہ تم کو کس نے نکالا فرمایا کہ جس نے مجھ کو بند کیا تھا اسی نے نکال دیا پوچھا بند کس نے کیا تھا فرمایا جس نے نکال دیا خلیفہ بہت بھچکا اور بیچا کہ تم کو خوف نہیں کہ میں تم کو جان سے مار ڈالوں گا آپ نے اپنا سر اس کی طرف اٹھا کر فرمایا کہ اگر موت و حیات تمہارے قبضہ میں ہوتی تو البتہ میں ڈرتا غرض کہ آپ محبوس رہے یہاں تک کہ مہدی مر گیا پھر لوگوں نے ان کو رہا کر دیا تو آپ مکہ معظمہ کو واپس آئے اور اسی اثنا میں آپ نے نذر کی تھی کہ اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو ان کے ہاتھ سے رہائی دے گا تو میں سو اونٹ قربان کروں گا پس تدبیر کر کے نذر اپنی پوری کی اور حبان بن عبد اللہ سے منقول ہے، کہ ہارون رشید ایک محلہ و دین میں سیر کو نکلا اس کے ساتھ سلیمان بن ابی جعفر بنی ہاشم میں سے تھا ہارون رشید نے کہا کہ تیرے پاس ایک لونڈی خوب گاتی تھی اس کو بلاؤ وہ آئی اور راگ گایا مگر خلیفہ کے پسند نہ آیا اس سے پوچھا کہ تجھ کو کیا ہوا اس نے کہا کہ یہ عود میرا نہیں خلیفہ نے

ت[۱]:۔ اس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ ت[۲]:۔ برابر ہے اس میں لگا رہنے والا اور باہر کا ۱۲۔ ع[۳] یہ بات اسی بات کے ساتھ گئی ۱۲

خادم سے کہا کہ اس کا عود لے آوہ لیے آتا تھا کہ اثنا راہ میں ایک بوڑھا خرما کی گٹھلیاں چن رہا تھا خادم نے کہا
کہ بڑے میاں ہٹو اس نے جو سر ابھارا تو عود دیکھا اس کے ہاتھ میں سے لے کر زمین پر دے مارا کہ وہ ٹوٹ
گیا خادم اس کو گرفتار کر کے اس محلہ کے حاکم کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس کو حوالات میں رکھو کہ یہ امیر المومنین کا
مجرم ہے حاکم محلہ نے کہا کہ بغداد میں اس سے بڑھ کر کوئی عابد نہیں یہ امیر المومنین کا مجرم کیسے ہوا اس نے کہا کہ
جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو مان پھر ہارون کے پاس گیا اور کہا کہ میں عود لئے ایک بوڑھے کے پاس سے گزرا کہ وہ
گٹھلیاں چن رہا تھا میں نے اس کو ہٹنے کو کہا اس نے عود جو میرے ہاتھ میں دیکھا اس کو زمین پر ٹپک کر توڑ
ڈالا ہارون الرشید جل بھن گیا اور مارے غصے کے آنکھیں سرخ ہو گئیں سلیمان نے کہا کہ اتنا غصہ کیا ضرور
ہے حاکم محلہ سے کہلا بھیجو کہ وہ اس کی گردن کاٹ ڈالے اور اس کی لاش دجلہ میں پھینک دے ہارون نے
کہا کہ نہیں بلکہ ہم اس کو بلوا کر اس سے اول بحث کر لیں چنانچہ قاصد اس کے پاس گیا اور کہا کہ امیر المومنین کے
پاس چلو بلایا ہے۔ اس نے کہا کہ بہتر ایلچی نے کہا کہ سوار ہو لو کہا کہ سوار نہ ہوں گا غرضیکہ پیادہ اس کے ساتھ گیا
اور محل کے دروازے پر کھڑا ہوا ہارون کو خبر ہوئی کہ بوڑھا حاضر ہے اس نے اپنے ندیموں سے پوچھا کہ تمہاری
کیا صلاح ہے یہ منکر چیزیں جو ہمارے سامنے ہیں ان کو اٹھوا دیں اور اس کو اسی جگہ بلوا دیں یا کسی اور جگہ
جہاں منکر نہ ہو اٹھ چلیں اور وہاں بلوا دیں سب کی صلاح یہی ہوئی کہ دوسری مجلس میں اٹھ چلو غرضکہ
سب اُٹھ کر ایسے مکان میں جا بیٹھے جہاں امر منکر نہ تھا پھر بوڑھے کے بلانے کا حکم دیا وہ اندر گیا۔
اس کی آستین میں ایک تھیلی تھی جس میں گٹھلیاں تھیں خادم نے اس سے کہا کہ اس کو اپنی آستین سے
نکال ڈال تب امیر المومنین کے سامنے جا اس نے کہا کہ یہ تو میری غذا رات کے لئے ہے اس نے کہا کہ رات
کو کھانا ہم کھلا دیں گے بوڑھے نے کہا کہ مجھ کو تمہارے کھانے کی حاجت نہیں ہارون نے خادم سے کہا کہ
تو اس سے کیا کہتا ہے اس نے کہا کہ اس کے آستین میں گٹھلیاں ہیں میں یہ کہتا تھا کہ ان کو ڈال کر
آپ کی خدمت میں حاضر ہو یہ نہیں ڈالتا ہارون نے کہا کہ جھگڑا مت ڈالو اس کو آنے دے غرض کر
وہ گیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا ہارون نے اس کو کہا کہ بڑے میاں جو حرکت تم نے کی اس کا سبب
کیا ہے اس نے کہا کہ میں نے کیا کیا ہے ہارون شرماتا تھا کہ یہ کیا کہوں کہ میرا عود توڑ دیا جب کئی بار یہی
سوال کیا تو بوڑھے نے جواب دیا کہ میں تمہارے باپ دادوں سے سنتا تھا کہ ممبروں پر یہ آیت پڑھا کرتے
تھے ت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی اور میں
نے ایک امر منکر دیکھا اس کو بگاڑ دیا ہارون نے کہا کہ خیر بگاڑ دے اس کے سوا اور کچھ نہ کہا جب وہ بوڑھا

ت اہم اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور کنگالی کو اور دینے ناتے والے کے اور منع کرتا ہے بے حیائی کو اور نامشغول کام کو اور سرکشی کو۔

باہر نکلا تو ہارون نے ایک تھیلی اپنے آدمی کو دی اور کہا کہ اس کے پیچھے جا اگر تو دیکھے کہ یہ لوگوں سے ذکر کرتا ہے کہ میں نے امیر المومنین سے یہ کہا اور اس نے مجھ سے یہ کہا تب تو اس کو یہ تھیلی مت دینا اور اگر دیکھے کہ کسی سے کچھ نہیں کہتا تو یہ تھیلی دیدینا وہ بوڑھا جب محل سے باہر ہوا تو دیکھا کہ ایک گٹھلی زمین میں گڑ گئی ہے وہ اس کے نکالنے کی تدبیر کرنے لگا اور کسی سے کچھ نہ کہا اس آدمی نے اس سے کہا کہ امیر المومنین تجھ کو فرماتے ہیں کہ اس تھیلی کو لے لو بوڑھے نے کہا کہ امیر المومنین سے کہدو کہ جہاں سے اس کو لیا ہے اسی جگہ واپس کر دے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب وہ گفتگو کر کے نکلا تو گٹھلی زمین میں گڑی کو اکھاڑنے لگا اور یہ کہتا جاتا تھا۔ **قطعہ:۔**

پاس جس شخص کے دنیا ہے اسے دیکھتا ہو
جتنی بڑھتی ہے اسے ہوتی ہے غم کی کثرت

خوار کرتی ہے انہیں جو کرے اس کا اکرام
جن کی نظروں میں ہے خوار ان کی کرے ہے عزت

چھوڑ اس چیز کو جس سے ہے تجھے استغنا
کر ان اشیاء کو طلب جن کی ہے تجھ کو حاجت

اور حضرت سفیان ثوری سے مروی ہے کہ خلیفہ مہدی نے سنہ ایک سو چھتیس ہجری میں حج کیا میں نے اس کو دیکھا کہ جمرہ عقبہ پر کنکریں مارتا ہے اور لوگ دہنے بائیں کوڑوں سے لوگوں کو پیٹ رہے ہیں۔ میں کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے خوبصورت ہم سے حدیث بیان کی ہے ایمن بن وائل نے قدامہ بن عبداللہ کلابی رضؓ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ شتر پر سوار ہوئے نحر کے دن جمرہ کو کنکریں مارتے تھے نہ لوگوں کو مار پیٹ تھی نہ کوئی ہٹاتا تھا نہ یہ کہتا تھا کہ بچو بچو اور ایک تم ہو کہ دہنے بائیں لوگوں پر مار پڑ رہی ہے مہدی نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے اس نے کہا کہ سفیان ثوری ہیں پھر مجھ سے کہا کہ اے سفیان اگر خلیفہ منصور ہوتا تو تم کو یہ جرأت نہ ہوتی

میں نے کہا کہ منصور پر جو گذری اگر وہ تم سے کہہ جاتا تو تم بھی جس حال میں ہو اس میں کوتاہی کرتے پھر کسی نے خلیفہ سے کہہ دیا کہ انہوں نے تم کو خوبصورت کہا امیر المومنین نہ کہا مہدی نے کہا کہ ان کو بلاؤ لوگوں نے حضرت سفیان کو تلاش کیا مگر وہ آڑ میں ہو گئے اور نہ ملے اور منقول ہے کہ خلیفہ مامون کو خبر پہنچی ایک آدمی لوگوں میں چل پھر کر احتساب کرتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی منکر کرتا ہے حالانکہ خلیفہ کے یہاں اس بات پر مامور نہیں خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کو ہمارے پاس حاضر کرو جب وہ سامنے آیا تو خلیفہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم اپنے آپ کو قابل امر معروف اور نہی منکر کے سمجھتے ہو بدوں اس کے کہ ہم تم کو اجازت دیں اور مامون اس وقت کرسی پر بیٹھا ہوا ایک کتاب یا اخبار دیکھ رہا تھا اتفاقاً غفلت

ع ۱۔ اس کو ترمذی نے نقل کیا ہے ع ۵ یہ صحیح نہیں کہ اس لئے کہ وفات ثوری کی ۱۶۱ھ میں ہوئی تو ان کا دیکھنا مہدی کو کیسے ہو سکتا ہے ۱۲

سے تھوڑا سا توشہ نیچے گر کر اس کے پاؤں تلے آگیا اور اس کو خبر بھی نہ ہوئی محتسب نے اس کو جواب دیا کہ اول خدائے تعالیٰ کے ناموں پر سے اپنا پاؤں ہٹالو پھر جو چاہو سو کہو مامون اس کا مطلب نہ سمجھا اور کہا کہ کیا کہتے ہو اس نے تین بار یہی کہا چوتھی بار اس نے کہا کہ یا تم خود اٹھالو نہیں مجھ کو اجازت دو کہ میں اٹھا دوں خلیفہ نے کہا کہ میں نے اجازت دی اس نے اس توشہ کی طرف اشارہ کیا مامون نے دیکھا کہ پاؤں تلے کتاب پڑی ہے اس کو اٹھا کر بوسہ دیا اور شرمندہ ہوا پھر محتسب سے وہی سوال کیا کہ تم امر بالمعروف اور نہی منکر کیوں کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے خاندان کے لئے مخصوص کیا ہے اور ہم وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی شان میں فرماتا ہے ت۱ الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر محتسب نے کہا کہ آپ نے سچ کہا یا امیر المومنین آپ کو تسلط اور حکومت ایسی ہی ہے جیسی آپ نے فرمائی مگر اس باب میں ہم تمہارے مددگار اور طرف دار ہیں اس کا منکر وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاہل ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت۲ والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر الآیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ح المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً - اور تم کو خدائے تعالیٰ نے زمین پر حکومت دی ہے اور کتاب اللہ اور سنت نبی کریم دونوں موجود ہیں اگر تم ان کے مطابق کام کروگے تو جو شخص ان کی عزت کی وجہ سے تمہاری اعانت کرے تم کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے اگر تم ان سے تکبر کروگے اور جو بات کہ خاص تم کو ان دونوں کی رو سے لازم ہے اس سے انحراف کروگے تو جس ذات پاک کے سپرد تمہارا معاملہ ہے اور اس کے قبضہ میں تمہاری عزت اور ذلت ہے اس نے تو یہی فرمایا ہے کہ ت۳ لا یضیع اجر المحسنین اب آپ جو چاہیں وہ فرمائیں مامون اس کی تقریر سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ تم جیسے آدمی کو امر بالمعروف کرنا درست ہے جاؤ اپنا کام کرو ہماری اجازت اور تجویز یہی ہے غرضکہ وہ شخص احتساب کرتا رہا ان حکایتوں کے بیان سے مطلب یہی ہے کہ امام کے اذن کی کچھ حاجت نہیں اب اگر یہ کہو کہ احتساب کی ولایت پسر اور غلام اور زوجہ اور شاگرد اور رعیت کو باپ پر اور آقا اور شوہر اور استاد اور حاکم پر مطلقاً اسی طرح سے جیسے باپ کو بیٹے پر اور آقا کو غلام پر شوہر کو بی بی پر اور استاد کو شاگرد پر اور حاکم کو رعیت پر ہے یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل ولایت تو ویسی ہی ہے

ت ۱- اور جگہ ہم ان کو دیں اپنے ملک میں کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں نیک بات کا اور منع کریں بری بات ۱۲ -

ت ۲- اور ایمان والے مرد اور عورت ایک دوسرے کی مدد میں حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بری بات سے ۱۲ -

ح ۱- ایماندار دوسرے ایماندار کے لئے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ اشعری - (ت ۳) - اللہ نہیں کھوتا حق نیکی کرنے والوں کا ۱۲

مگر تفصیل میں فرق ہے اور اس کو ہم پسر اور پدر میں بطور مثال بیان کرتے ہیں دوسرے اشخاص کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے گا تو جاننا چاہیئے کہ ہم نے حسبت کے پانچ مرتبے ٹھہرائے تھے تو بیٹا باپ پر فقط دو اول کے مرتبوں سے حسبت کر سکتا ہے یعنی بتلانا اور ملائمت سے نصیحت کرنا اور دو پچھلے مرتبوں سے اسکو حسبت کرنا درست نہیں یعنی گالی اور دھمکی اور مار پیٹ سے باقی رہا تیسرا مرتبہ یعنی ایسا کام کرنا جس سے منکر بات جاتی رہے تو چونکہ اس میں نوبت باپ کی خفگی اور ناراضی کی ہوتی ہے اسی لئے اس سے حسبت کرنے میں تامل ہے مثلاً باپ کا عود توڑ ڈالے یا شراب کا برتن پھوڑ دے یا ریشمی کپڑے ادھیڑ ڈالے یا جو مال حرام باپ نے چوری خواہ غصب خواہ اس روزینہ سے جو مسلمانوں پر ڈانڈ پڑنے سے ملا ہو گھر میں رکھا تھا اس کو لے کر مالکوں کے حوالہ کر دے یا دیواروں پر کی تصویریں اور کڑیوں میں کی مورتیں بگاڑ دے یا سونے چاندی کے برتن توڑ ڈالے تو گو یہ سب افعال باپ کی ذات سے متعلق نہیں بخلاف مارنے اور گالی دینے کے لیکن باپ کو ان حرکات سے ایذا ہوئی ہے اور ان کے سبب سے ناراض ہوتا ہے مگر چونکہ فعل پسر کا حق ہے اور باپ کی خفگی کا منشا باطل اور حرام کی محبت ہے تو اس نظریہ سے قیاس کھلا ہوا یہی چاہتا ہے کہ پسر کو یہ مرتبہ حسبت کا جائز ہو بلکہ اس کو لازم ہے کہ ایسا کرے اور بعید نہیں کہ اس میں لحاظ امر منکر کی برائی اور خفگی اور ایذا کی مقدار کا کیا جائے یعنی اگر امر منکر بہت فحش ہو اور باپ کی خفگی اس پر کم ہو مثلاً تھوڑی سی شراب کا گرا دینا جس سے وہ بہت ناراض نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس طرح کی حسبت کر سکتا ہے اور اگر امر منکر بہت برا نہ ہو اور ناراضی نہایت درجہ کو ہو جیسے بلّور کے برتن کسی جانور کی صورت ہوں اور ان کے توڑنے میں بہت سے مال کا نقصان ہوتا ہو تو ان کے توڑنے سے ناراضی تو بہت ہو گی اور تصویر کا برا ہونا ایسا نہیں جیسے شراب کا ہے تو اس طرح کی باتیں محل بحث میں ہیں اب اگر یہ کہو کہ تم نے کہاں سے کہہ دیا کہ پسر کو حسبت درشتی اور مار سے اور امر باطل کو بزور چھڑا دینے سے نہیں حالانکہ امر بالمعروف کتاب وسنت میں عام بدون تخصیص کے وارد ہوا ہے اور اُف کہنے اور ایذا سے جو ممانعت وارد ہے وہ خاص ان امور میں ہے جو متعلق منکرات کے ارتکاب سے نہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کے حق میں خاص وہ باتیں وارد ہوئی ہیں جن سے باپ بھی عام سے مستثنیٰ ہو گیا مثلاً اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ جلاد کو اپنے باپ کا قتل کرنا زنا کی حد میں جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ خود باپ کو حد لگا دے بلکہ اگر باپ کافر ہو تو بیٹے کو اس کا قتل کرنا خود نہ چاہیئے بلکہ اگر باپ اپنے بیٹے کا ہاتھ کاٹ ڈالے تو باپ پر قصاص لازم نہ ہوگا اور نہ یہ کہ اس کے عوض میں باپ کو ایذا دے اور یہ سب باتیں اخبار[ح] سے ثابت ہیں اور بعض

ح: حدیث میں صرف اس قدر ہے لا یقاد الوالد بالولد یعنی قصاص نہ لیا جائے باپ سے بیٹے کا نقل کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت عمر فاروق اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس میں اضطراب ہے۔

اجماع سے بھی ثابت ہیں تو جس صورت میں کہ باپ کو ایذا دینا باوجو قصور سابق کے درست نہیں تو آیندہ کے قصور احتمالی پر سزا سے اس کو ایذا دینی کب درست ہو گی بلکہ اس صورت میں تو بطریق اولیٰ ایذا نہ چاہیئے اور یہی حال غلام اور زوجہ کا آقا اور شوہر کے ساتھ ہے کہ لزوم حق میں یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے اولاد باپ کی نسبت کر اور ہر چند ملک یمین بہ نسبت ملک نکاح کے زیادہ موکد ہے مگر چونکہ حدیث میں ہے کہ اگر کسی مخلوق کو سجدہ[۱] درست ہوتا ہے تو میں عورت کو حکم کرتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق شوہر کا بھی موکد ہے اور رعیت کا حال حاکم کے ساتھ ذرا ٹیڑھی کھیر ہے باپ کی نسبت کر بھی سخت ہے اس میں صرف دو اول کے مرتبوں یعنی تعریف اور نصیحت ہی سے کام چل سکتا ہے اور تیسرے مرتبہ میں بحث ہے کیونکہ بادشاہی خزانوں پر چڑھائی کر کے مال لینا اور مالکوں کو حوالہ کرنا اور ریشمی کپڑوں کو ادھیڑنا اور اس کے گھر میں سے شراب کا گرا دینا گویا اس کے رعب کو دور کرنا اور اس کی ہیبت وحشمت کھوتا ہے اور یہ ممنوع ہے چنانچہ اخبار میں وارد[۲] ہے جس طرح کہ امر منکر پر سکوت کرنے سے نہی وارد ہے تو اب دو ممنوع ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس صورت میں بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ منکر کس درجہ کا برا ہے اور بادشاہ پر چڑھائی کرنے سے اس کی حشمت کس قدر ساقط ہو جائے گی اور یہ بات ایسی ہے جس کا ضبط ممکن نہیں اور شاگرد اور استاد کا معاملہ آپس میں آسان ہے اس لئے کہ عزت اس استاد کی ہوتی ہے جو علم دین سکھائے اور جو عالم کہ علم کے بموجب عمل نہ کرے اس کی کچھ حرمت نہیں تو شاگرد کو جائز ہے کہ جو علم استاد سے سیکھا ہو اسی کے بموجب اس سے معاملہ کرے اور مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے سوال کیا گیا کہ بیٹا اپنے باپ پر حسبت کیسے کرے آپ نے فرمایا کہ جب تک باپ کو غصہ نہ آوے تب تک نصیحت کرے اور جب وہ غصہ ہو جاوئے تو وہ خاموش ہو رہے پانچویں شرط محتسب کا قادر ہونا ہے کہ عاجز آدمی پر بجز دل کی حسبت کے اور واجب نہیں اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی معصیت کو برا جانتا ہے اور دل سے متنفر ہوتا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کفار سے جہاد کرو اپنے ہاتھوں سے اور اگر یہ نہ ہو سکے اور صرف ان کے سامنے ناک بھوں چڑھا سکو تو یہی کرو اور وہ یاد رکھو کہ وجوب کا ساقط ہونا اس پر منحصر نہیں ہے کہ عاجزی محسوس ہو بلکہ اس میں وہ صورت بھی شامل ہے جس میں خوف برائی اور ایذا پہنچنے کا ہو کہ وہ بھی عاجزی ہی ہے اسی طرح اگر ایذا کا خوف نہ ہو مگر یہ جانے کہ میرا انکار مفید نہ ہو گا تو ضرور ہے

[۱] یہ حدیث باب النکاح میں گزری - [۲] ترمذی نے بروایت ابی بکرہ نقل کیا ہے من اہان سلطان اللہ فی الارض اہانہ اللہ فی الارض یعنی جو شخص اہانت کرے خدائے تعالیٰ کے سلطان کی زمین میں اللہ تعالیٰ اس کی اہانت کرے گا زمین میں ۱۲ -

کہ حسبت میں ان دو باتوں کا لحاظ کیا جائے یعنی در صورت منع کرنے کے اس کا کچھ اثر نہ ہونا اور دوسرے تکلیف اور ایذا سے ڈرنا اور ان دونوں باتوں کے اعتبار کرنے سے چار حالتیں حسبت کی حاصل ہوتی ہیں ایک یہ کہ دونوں باتیں جمع ہوں یعنی اس کو معلوم ہے۔ کہ میری حسبت مفید نہ پڑے گی اور اگر بولوں گا تو اس صورت میں اس پر واجب نہیں بلکہ بعض مواضع میں عجب نہیں کہ حرام ہو ہاں اس پر لازم ہے کہ ایسے مقامات میں نہ جاوے اور اپنے گھر میں بیٹھ رہے تاکہ بری باتوں کے دیکھنے کی نوبت نہ آوے اور بدون سخت ضروری یا واجب کام کے گھر سے باہر نہ نکلنے اور اس پر اس شہر کو چھوڑنا اور اس سے ہجرت کرنی لازم نہیں مگر جس صورت میں کہ لوگ زبردستی فساد میں شریک کریں۔ یا ظلم میں سلاطین کی موافقت کرائیں تب البتہ ہجرت لازم ہے بشرطیکہ ہجرت پر قادر ہو کیونکہ جو شخص زبردستی سے گریز کر سکتا ہے۔ اس کے حق میں اکراہ اور جبر عذر نہیں ہوتا دوسری حالت یہ ہے کہ دونوں باتیں مفقود ہوں اس طرح کر جانتا ہو کہ امر منکر میرے قول یا فعل سے جاتا رہے گا۔ اور کوئی مجھ کو ایذا نہ دے سکے گا تو اس صورت میں اس پر انکار واجب ہوگا اور قدرت مطلق اسی صورت کا نام ہے تیسری حالت یہ ہے کہ جانتا ہے کہ میرا انکار مفید نہ پڑے گا مگر کسی ایذا کا خوف بھی نہیں تو اس صورت میں اس پر حسبت غیر ہونے کی جہت سے واجب تو نہیں مگر مستحب ہے اس نظر سے کہ شعار اسلام کا منکر کرنا اور لوگوں کو امر دینی پر واقف کرنا ہے۔ چوتھی حالت اس کے برعکس ہے یعنی جانتے کہ مجھ کو ایذا تو پہنچے گی مگر امر منکر بھی میرے فعل سے جاتا رہے گا مثلاً کسی فاسق کا شیشہ پتھر مار کر توڑ دینا یا عود کو جھپٹ کر زمین پر دے مارنا کہ امر منکر تو فوراً جاتا رہے گا لیکن یہ جانتا ہو کہ ایسا کرنے سے دھولیں اور جوتیاں بھی لگیں گی تو ایسی صورت میں حسبت نہ واجب ہے اور نہ حرام بلکہ مستحب ہے اور اس کے مستحب ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو امام ظالم کے سامنے کلمۂ حق بولنے کے ثواب میں لکھ آئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ حسبت مقام خوف ہے اور اس پر وہ روایت کرتی ہے جو ابو سلیمان دارانیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی خلیفہ سے ایک کلام سنا اور چاہا کہ اس کو رد کروں اور جان لیا کہ جان سے مارا جاؤں گا مگر مجھ کو قتل ہونے نے نہیں روکا بلکہ یہ معاملہ علی رؤس الاشہاد تھا تو مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں لوگوں کی نمود کے لئے بات کو میں آراستہ نہ کروں اور پھر جان کی جان جائے اور فعل خالص خدا کے لئے بھی نہ ہو اس لئے چپ ہو رہا۔ اب اگر یہ کہو کہ حالت قتل کے خوف میں بھی اگر حسبت مستحب ہے تو اس آیت کے معنی کیا کہو گے۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں تو سب کا اتفاق ہے کہ ایک مسلمان کو جائز ہے کہ کفار کی صف

ت ا۔ اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاک میں ۱۲۔

پر حملہ کر کے ان سے لڑے گو جانتا ہو کہ مارا جاؤں گا اس صورت پر بعض اوقات یہ گمان ہوتا ہے کہ آیت موصوفہ کے مضمون کے خلاف ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تہلکہ سے یہ مراد نہیں کہ صف کفار پر اکیلا حملہ کرے اور جانتا ہو کہ مارا جاؤں گا بلکہ یہ مراد ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طاعت میں کھانا پینا[عہ] چھوڑ دے یعنی جو ایسا کرے گا اس نے گویا اپنی جان اپنے ہاتھ سے ہلاک کی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تہلکہ یہ ہے کہ گناہ کرے پھر کہے میری توبہ مقبول نہ ہوگی اور حضرت ابو عبیدہ رض نے فرمایا کہ تہلکہ یہ ہے کہ گناہ کرے پھر اس کے بعد کوئی نیکی نہ کرے یہاں تک کہ ہلاک ہو جائے اور جس صورت میں کہ یہ درست ہوا کہ کافروں سے لڑے یہاں تک کہ مارا جائے تو یہ بات حسبت میں بھی اس کو جائز ہونی چاہیے لیکن اگر جانے کہ کفار پر حملہ سے کچھ اثر نہ ہوگا۔ مثلاً اندھا آدمی جو اپنے آپ کو ان کی صف میں جا ڈالے یا درماندہ جس سے کچھ نہ ہو سکے تو ایسے کا حملہ کرنا حرام ہے اور آیت تہلکہ کے عوام میں داخل ہے بلکہ تنہا حملہ کرنا اسی وقت درست ہے کہ جانتا ہو کہ میں قتل بھی کروں گا اور مارا جاؤں گا یا یہ یقین ہو کہ میری بہادری دیکھ کر کفار کا پتا پانی ہو جائے گا اور جان لیں گے کہ مسلمان ہم کو کچھ مال نہیں سمجھتے اور خدائے تعالیٰ کی راہ میں ان کو جان دینا نہایت محبوب ہے اور اس جہت سے ان کے چھکے چھوٹ جائیں گے تو ایسی ہی صورت میں محتسب کو بھی حسبت جائز ہے بلکہ مستحب ہے کہ اپنے آپ کو ضرب و قتل کا ہدف کرے بشرطیکہ اس کی حسبت سے امر منکر برطرف ہو یا فاسق کا جاہ زائل ہو یا دینداروں کے دل کو قوت ہو لیکن اگر فاسق زبردست کو دیکھے کہ اس کے ہاتھ میں پیالہ شراب کا ہے اور پاس تلوار ہے اور جانے کہ اگر میں اس کو منع کروں گا تو شراب پی کر میری گردن اڑا دے گا اور خود اس وقت اکیلا ہو تو ہمارے نزدیک ایسے وقت میں حسبت کرنے کا موقع نہیں بلکہ خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے کیونکہ مطلوب تو یہ ہے کہ حسبت سے کوئی اثر دین میں ہو اور اس کے عوض میں اپنے نفس کو فدیہ کر دے یہ نہیں کہ نفس کو بدون کسی اثر کے ہلاک کر دے کہ اس کی وجہ دین میں کچھ معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایسی صورت حرام ہونی چاہیئے اور اس کو انکار اسی صورت میں مستحب ہے جب امر منکر کے بگاڑ دینے پر قادر ہو یا پس اگر یہ جانے کہ میرے ساتھ میں میرے یار دوست اور اقارب اور رفیق بھی پیٹینگے تو اس کو حسبت درست نہیں بلکہ حرام ہے اس لئے کہ وہ شخص ایک منکر کو بدون دوسرے منکر کے دفع نہیں کر سکتا اور یہ امر قدرت میں کچھ بھی داخل نہیں بلکہ اگر یہ جانے کہ اگر میں حسبت کروں گا تو وہ امر منکر باطل ہو جائیگا مگر ایک دوسرے منکر کا سبب

عہ: قولہ کھانا پینا چھوڑ دے الخ اقول نہیں بلکہ مطلب یہ کہ راہ الہی یعنی جہاد میں خرچ نہ کرے ۱۲۔ امیر علی عفی عنہ۔

ہے جس کو محتسب علیہ کے سوا کوئی دوسرا کرنے لگے گا تو اس صورت میں اس کو انکار کرنا ظاہر تر مذہب کی رو سے حلال نہیں اس لئے کہ مقصود یہ ہے کہ منکرات شرعی مطلق نہوں نہ زید سے نہ عمرو سے اور اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کے پاس کوئی شربت حلال ہے کہ اس میں نجاست گرنے سے نجس ہو گیا ہے اور محتسب جانتا ہے کہ اگر میں اس کو گرا دوں گا تو محتسب علیہ یا اس کی اولاد شراب پینے لگیں گی اس وجہ سے کہ شربت حلال ان کے ہاتھ سے جاتا رہا تو ایسی صورت میں اس نجس شربت کا گرا دینا اچھا نہ ہو گا اور یہ بھی بعض کا قول ہے کہ اس کو گرا دے کیونکہ گرا دینے سے ایک برائی نجس پینے کی تو یقیناً جاتی رہے گی باقی رہا شراب کا پینا تو جو اس کا مرتکب ہو گا ملامت اس پر رہے گی محتسب کے اختیار میں اس کا منع کرنا نہیں اس احتمال کو بھی اکثر نے پسند کیا ہے اور کچھ بعید بھی نہیں اس لئے کہ یہ مسائل فقہی ہیں ان میں حکم گمان غالب ہی سے ہوتا ہے اور اگر حکم بتفصیل ہو اس طرح کہ دیکھا جائے کہ جس منکر کو بگاڑتا ہے اور دوسرا منکر اس سے پیدا ہوتا ہے ان دونوں میں زیادہ برا کونسا ہے اور محتسب کو معلوم ہے کہ اگر اس کو منع کروں گا تو وہ کسی انسان کو ذبح کر کے کھا جائے گا تو اس صورت میں اس کو جسبت کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر کوئی شخص دوسرے کو ذبح کرتا ہو یا اس کا کوئی عضو جدا کرتا ہو اور محتسب جانے کہ اس کو منع کروں گا تو اس حرکت کو چھوڑ کر اس کا مال چھین لے گا تو ایسی صورت میں حسبت کی وجہ ہے اسی طرح کہ دقائق محل اجتہاد میں ہیں اور ان سب میں محتسب پر لازم ہے کہ اپنے اجتہاد کا اتباع کرے اور انہیں دقائق کی جہت سے ہم کہتے ہیں کہ عامی شخص بجز کھلے کھلے مسائل کے جو سب کو معلوم ہیں اور دل میں حسبت نکرے مثلاً شراب نوشی اور زنا اور نماز کے ترک پر اس کو حسبت جائز ہے لیکن جو باتیں ایسی ہوں کہ بعض افعال کے قرینے سے تو معصیت معلوم ہوتی ہوں اور کسی وجہ سے ان میں اجتہاد کی ضرورت ہو تو عامی شخص اگر ایسی باتوں میں خوض کرے گا تو بہ نسبت درستی کے بگاڑ زیادہ کرے گا اور جو لوگ کہ حسبت کی ولایت بجز حاکم کی اجازت کے ثابت کرتے ان کا گمان ایسی ہی صورت سے پختہ ہوتا ہے کیونکہ جب حاکم کی اجازت کی قید نہ رہی تو کیا عجب ہے۔ کہ حسبت کی تعمیل ایسا شخص کرے جو اپنی معرفت یا دیانت کے قاصر ہونے کی جہت سے اس کا اہل نہ ہو اور انجام کو موجب طرح طرح کے خللوں کا ہو اس کی توضیح و تحقیق عنقریب مذکور ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ اب اگر یہ کہو کہ تم نے تو مطلق علم کو لکھا ہے کہ ایذا پہنچنے اور جسبت کے مفید نہ ہونے کا علم ہو پس اگر علم کے عوض محتسب کو ظن ہو تو اس کا حکم کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان ابواب میں ظن غالب بمنزلہ علم کے ہے اور فرق صرف اسی جگہ ہو گا کہ جہاں ظن اور رائے ایک دوسرے کے متعارض ہوں کہ جانب علم یقینی کو ظن پر ترجیح دی جائے گی اور دوسری جگہوں میں علم کا حکم جدا ہوتا ہے اور ظن کا جدا یعنی اگر محتسب کو قطعاً معلوم ہو کہ حسبت مفید نہ

ہوگی تو وجوب حسبت اس صورت میں اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر ظن غالب غیر مفید ہونے کا ہو مگر احتمال مفید ہونے کا بھی ہوا اور اس کے ساتھ ہی یہ ہو کہ ایذا کی توقع نہ ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے کہ حسبت واجب ہے یا نہیں اور ظاہر تر یہ ہے کہ واجب ہے اس لئے کہ اس میں ضرر تو کچھ ہی نہیں اور فائدہ متوقع ہے اور امر معروف اور نہی منکر کی عام نصیں ہر حال میں مقتضی وجوب ہیں اور ہم جو ان میں سے بطریق تخصیص اس حسبت کو مستثنےٰ کرتے ہیں جس میں علم مفید نہ ہونے کا ہو تو یا اجماع سے کرتے ہیں یا قیاس ظاہر اور قیاس مذکور یہ ہے کہ امر بذات خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس میں مامور مقصود ہوتا ہے تو جس صورت میں مامور سے قطعاً یاس ہو تو وجوب سے کیا فائدہ ہوگا ہاں جس صورت میں مامور سے یاس نہ ہو تو مناسب یہی ہے کہ وجوب ساقط نہ ہو۔ اب اگر یہ کہو کہ جس ایذا کے پہنچنے کی توقع ہو وہ نہ تو یقینی ہو اور نہ غلبۂ ظن سے معلوم ہو بلکہ اس میں شک ہو یا غالب ظن اس کے نہ ہونے کا اور احتمال ہونے کا بھی ہو سکتا ہو تو اس احتمال سے وجوب ساقط ہوگا یا نہیں یا حسبت اسی صورت میں واجب نہیں جس میں یقین ایذا پہنچنے کا ہو یا ہر حال میں واجب ہے صرف اس صورت میں نہیں جس میں غلبۂ ظن ایذا کا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ظن غالب ایذا کا ہو تو حسبت واجب نہیں اور اگر عدم ایذا کا ظن غالب ہو تو حسبت واجب ہے اور احتمال ضعیف ایذا سے وجوب ساقط نہیں ہوتا اس لئے کہ امکان ضعیف تو ہر حسبت میں ہو سکتا ہے اور اگر غلبۂ ظن کسی طرف نہ ہو اور شک ہو کہ ایذا ہوگی یا نہیں تو یہ صورت محل گفتگو ہے کہ اس میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ موافق عام نصوں کے اصل وجوب ایذا پہنچنے سے ساقط ہوتا ہے اور ایذا کا پہنچنا بھی ہوگا کہ قطعاً یا غلبۂ ظن سے توقع ایذا کی ہو اور چونکہ اس صورت میں ایذاء کا نہ علم ہے نہ غلبۂ ظن تو وجوب ساقط نہ ہونا چاہیئے یہ احتمال ظاہر تر ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یوں کہیں کہ حسبت اسی صورت میں واجب ہے کہ عدم ضرر کا علم محتسب کو ہو یا غلبۂ ظن ہو اور چونکہ یہاں دونوں نہیں تو واجب نہ ہونی چاہیئے مگر عمومات جو امر معروف کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں ان کے رو سے احتمال اول ہی زیادہ درست ہے اب اگر یہ کہو کہ توقع ضرر کی بزدلی اور جرأت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے نامرد بزدل تو دور کے احتمال کو قریب سمجھتا ہے گویا نظر کے سامنے ہے اور اس سے ڈرا کرتا ہے اور دلیر بہادر اپنے اوپر ضرر کا پہنچنا اپنی سرشت کی وجہ سے بعید جانتا ہے یہاں تک کہ جب تک اس کو ضرر ہو نہیں لیتا تب تک ضرر کی تصدیق نہیں کرتا تو اب اعتماد کس پر کرنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتماد طبیعت کے اعتدال اور عقل اور مزاج کی سلامتی پر کرنا چاہیئے اس لئے کہ نامردی ایک مرض ہے یعنی دل کا ضعیف ہونا اور اس کا سبب قوت ضعف اور کمی ہے اور تہور یعنی بے عقلی کی دلیری بھی اعتدال کے درجے سے خارج اور افراط کا مرتبہ ہے اور دونوں نقصان ہیں کمال صرف اعتدال میں ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں اور نامردی اور تہور میں سے ہر ایک کبھی تو نقصان عقل کے باعث سرزد ہوتی ہے اور کبھی مزاج میں افراط

اور تفریط کے خلل کی بہت سے کیونکہ جس کا مزاج نامردی اور جرأت کی صفتوں میں معتدل ہوتا ہے اس کو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شر کے مواقع دریافت نہیں ہوتے تو جرأت کی وجہ جہالت ہو جاتی ہے اور کبھی دفع شر کے مواقع نہیں سمجھتا تو جہل کے سبب نامردی کا مرتکب ہوتا ہے اور کبھی تجربہ اور روزمرہ کے عادی ہونے سے خرابی کے طریقوں اور اس کے دفع کی تدبیروں سے واقف ہوتا ہے مگر ضعف ولی کی وجہ سے شر احتمالی بعید الوقوع اس میں وہ اثر کرتی ہے اسی وجہ سے دونوں طرفوں کا کچھ اعتبار نہیں اور نامرد کو لازم ہے کہ اپنی نامردی کی علت کو بتکلف دور کرے اور اس کی علت یا جہالت ہے یا ضعف اور جہل تجربہ سے دور ہوتا ہے اور ضعف اس فعل کو بار بار کرنے سے جس سے ڈر لگتا ہوتا کہ عادت ہو جائے کیونکہ مناظرہ اور وعظ کا مبتدی کبھی ضعف کے باعث دل چیرا ایا کرتا ہے مگر جب مہارت اور عادت ہو جاتی ہے تو ضعف جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہر کام میں قیاس کرنا چاہیئے پھر اگر محتسب کا ضعف قلب ایسا ہو کہ زوال کے قابل نہ ہو تو اس کا حکم اس کے حال کے تابع ہوگا یعنی جیسے کوئی بیمار بعض واجبات سے معذور گنا جاتا ہے اسی طرح حسبت کے واجب سے ایسے ضعیف دل کو معذور سمجھا جائے گا۔ اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جس شخص کو سمندر کے سوار ہونے میں بزدلی غالب ہو ایک رائے کے بموجب اس پر حج اسلام واجب نہیں اور جو زیادہ خوف نہ کرتا ہو اس پر واجب ہے تو اس طرح کا حال حسبت کے واجب ہونے کا جاننا چاہیئے اب اگر یہ کہو کہ ضرر متوقع کی حد کیا ہے آدمیوں کا حال تو اس باب میں مختلف ہوتا ہے کبھی ایک ہی لفظ سے ایذا پاتا ہے کبھی مار سے کبھی اس بات کو برا جانتا ہے کہ محتسب علیہ اس کے حق میں غیبت وغیرہ سے زبان درازی کرے یا بادشاہ کے یہاں اس کی چغلی کھائے یا کسی مجلس میں اس پر طعن کرے جس میں کرنے سے اس کو ضرر ہو اور جس شخص کو کسی اچھی بات کا امر کیا جاتا ہے اس سے کسی نہ کسی قسم کی ایذا کی توقع ہوتی ہے تو اس ایذا اور ضرر کی حد بتلانی چاہیئے جس سے حسبت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث بھی دقیق ہے اور صورت اس کی کثیر الوقوع اور اس کے ہونے کے مقامات منتشر ہیں مگر ہم حتی الوسع اس کے اقسام کو حصر کے ساتھ لکھتے ہیں اور منتشر کو ایک جگہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں نفس میں تو علم مطلوب ہے اور بدن میں تندرستی اور ثروت اور لوگوں کے دلوں میں جاہ کا بحال رہنا غرض کہ چار مطلوب ٹھہرے علم اور تندرستی اور ثروت اور جاہ یعنی لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا جیسے ثروت روپیوں کے مالک ہونے کا نام ہے اور جس طرح کہ روپیوں کا مالک ہونا غرضوں کے حاصل ہونے کا نام ہے اور جس طرح کہ روپیوں کا مالک ہونا غرضوں کے حاصل ہونے کا وسیلہ ہے ویسے لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا بھی غرضوں کا ذریعہ ہے اور جاہ کے معنوں کی تحقیق اور طبیعت انسانی کے اس کی طرف رغبت کرنے کا سبب جلد سوم میں

انشاء اللہ مذکور ہوگا اور ان چاروں مطالب میں سے ہر ایک کو آدمی اپنے لئے اور اپنے اقارب اور مخصوصوں کے لئے طلب کیا کرتا ہے اور ان میں دو باتوں کا ہونا برا جانتا ہے ایک تو موجود چیز کا جاتا رہنا دوسرے متوقع چیز جو اپنے پاس نہ ہو اس کا ملنا تو ضرر صرف دو ہی طرح کا ہوتا ہے یا حاصل چیز کے دور ہونے سے یا متوقع کی تاخیر اور التوا سے اس لئے کہ متوقع اسی چیز کو کہتے ہیں جس کا حصول ہونا ممکن ہو اور جس کا حصول ممکن ہے وہ گویا حاصل ہی ہے اور اس کے امکان کا فوت ہونا گویا حصول کا فوت ہونا ہے تو اب ضرر دو قسموں میں آرہا ایک متوقع چیز کے نہ ملنے کا خوف تو اس صورت میں تو مناسب نہیں کہ امر بالمعروف کے ترک کرنے کی کسی طرح اجازت دی جائے اور ہم اس خوف کی مثال چاروں مطالب مذکورہ میں لکھتے ہیں علم میں تو یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنے استاد کی کسی مخصوص شخص پر حسبت نکرے اس خوف سے کہ وہ استاد سے میری برائیاں بیان کرے گا اور پھر استاد مجھ کو تعلیم نہ کریں گے اور صحت کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص طبیب حریر پوش کے پاس جائے اور اس کو اس ڈر سے منع نہ کرے کہ آیندہ میرا علاج نہ کرے گا۔ اور اس وجہ سے تندرستی متوقع ترک ہو جائے گی اور مال کی مثال یہ ہے کہ حسبت بادشاہ اور امرا اور ان لوگوں پر نہ کرے جو اس کے ساتھ سلوک کرتے ہیں اس خوف سے کہ وہ آگے کو روزینہ بند کریں اور سلوک ترک کریں اور جاہ کی مثال یہ ہے کہ جس شخص سے آیندہ کو نصرت اور ترجیح کرنے کی توقع ہو اس پر حسبت نہ کرے اس ڈر سے کہ مبادا جاہ حاصل نہ ہو یا اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ کے سامنے جس سے توقع حکومت ملنے کی ہے برائی نہ کرے تو ان خوفوں سے جو چاروں مثالوں میں بیان ہوئے حسبت کا وجوب ساقط نہیں ہوتا اس لئے کہ ان میں خوف زیادات کے نہ حاصل ہونے کا ہے اور زائد چیزوں کے نہ ملنے کو مجازاً ضرر صرف ہوئی چیز کے جاتے رہنے کا نام ہے اور اس سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں بجز اس شے کے جس کی طرف حاجت کہتے ہیں حقیقی ضرر متحقق ہو اور اس کے فوت ہو جانے میں زیادہ ضرر ہو بہ نسبت منکر پر خاموش رہنے کے مثلاً ایسی صورت میں کہ مرض بالفعل موجود ہے اور اس کی جہت سے طبیب کی حاجت ہے اور توقع ہے کہ اس کی دوا سے تندرست ہو جائے اور جانتے کہ دیر کرنے سے مرض کی شدت ہو جائے گی یا دیر پا ہو جائے گا اور عجب نہیں کہ نوبت ہلاک کی پہنچے اور جاننے سے ہماری غرض ظن غالب ہے جس سے پانی کا استعمال چھوڑ کر تیمم کیطرف رجوع کیا جاتا ہے جب ظن غالب اس درجہ کو ہو تو بعید نہیں کہ حسبت نہ کرنے کی اجازت دی جائے اور علم میں حاجت ہونے کی مثال یہ کہ محتسب مہمات دین سے ناواقف ہے اور بجز ایک معلم کے دوسرا ملتا نہیں یا دوسرے کے پاس جانے پر قادر نہیں اور جانتا ہے کہ محتسب علیہ اس معلم تک رسائی نہ ہونے دینے پر قادر ہے اس وجہ سے

کہ وہ معلم اس کا مطیع ہے یا اس کا کہنا مانتا ہے تو اس صورت میں مہمات دین کا نہ جاننا بھی محذور ہے اور
امر منکر پر سکوت کرنا بھی محذور ہے اس لئے یہاں قرین قیاس یہ ہوگا کہ ایک جانب کو ترجیح ہو اور مال میں
حاجت ہونے کی یہ مثال ہے کہ محتسب کسب اور سوال سے عاجز ہے اور توکل پر قوی دل نہیں اور
ایک شخص کے سوا اس پر کوئی خرچ نہیں کرتا اور اگر یہ اسی دینے والے پر حسبت کرتا تو وہ اس کا روزینہ
موقوف کر دے گا پھر محتسب کو روزینہ کے لئے کسی مال حرام کی طلب کرنی پڑے گی یا بھوک سے مر جائے
گا تو اس صورت میں بھی بعید نہیں کہ مجبوری کی جہت سے اس کو خاموشی کی اجازت دی جائے اور جاہ
میں حاجت ہونے کی مثال یہ ہے کہ محتسب کو کوئی شریر ایذا دیتا ہے اور اس کی شر دفع کرنے کی کوئی تدبیر
بجز اس کے نہیں کہ بادشاہ کے یہاں سے جاہ حاصل ہو اور بادشاہ تک رسائی اور جاہ کے حصول کا وسیلہ
ایسا شخص ہے کہ حریر پہنتا ہے یا شراب پیتا ہے تو اگر اس پر حسبت کرتا ہے تو وہ وسیلہ نہ ہوگا اور
اسی وجہ سے جاہ حاصل نہ ہوگا اور شریر کی ایذا سے نجات نہ ہوگی تو یہ سب باتیں اگر ظاہر ہو کر قوت پکڑ جائیں
تو بعید نہیں کہ ان کو مستثنیٰ کر دیا جائے مگر ان کا معاملہ محتسب کے اجتہاد سے وابستہ ہے یہاں
تک کہ وہ اپنے دل سے فتویٰ لے اور ایک محذور کو دوسرے کے ساتھ تول کر دینی اعتبار سے
ایک کو ترجیح دے نہ اپنی خواہش نفس کے لحاظ سے پس اگر دین کے اعتبار سے ان امور کو ترجیح دے
کر سکوت کرے گا تو اس سکوت کا نام مدارات ہے اور اگر خواہش نفس کی وجہ سے سکوت کرے گا اس سکوت
کو مداہنت کہتے ہیں اور یہ معاملہ باطنی ہے اس پر اطلاع بدوں نظر دقیق کے نہیں ہو سکتی مگر پرکھنے والا بڑا دیکھنے
والا ہے وہ دل کے معاملوں کو خوب دیکھتا ہے پس ہر دیندار کو اس باب میں ضرور ہے کہ اپنے دل کا نگران
رہے اور جانے کہ اللہ تعالیٰ کو رغبت اور عدم رغبت کا حال معلوم ہے کہ دین کی وجہ سے ہے یا خواہش
نفس سے اور جو کوئی نیکی یا بدی کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس موجود پائے گا۔ گو دل کا التفات اور آنکھ
کا جھپکنا ہی ہو اور وہاں کچھ ظلم و زیادتی نہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔ اور دوسری قسم ضرر کی یعنی
حاصل ہوئی چیز کا فوت ہونا یہ البتہ ضرر اور حسبت پر سکوت کے جائز ہونے میں سوائے علم کے اور
مطالب سہ گانہ مذکورۂ بالا میں معتبر ہے اور علم میں اس لئے معتبر نہیں کہ علم چھین لے مگر تندرستی اور
ثروت اور جاہ کے چھین لینے پر قادر ہو سکتا ہے اور یہ بھی شرف علم کا ایک سبب ہے کہ دنیا میں بھی
ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا ثواب آخرت میں بھی ہمیشہ کو رہے گا غرض کہ اس کو ابداً لآباد نیستی نہیں اور
صحت اور سلامتی کا جاتا رہنا مار سے ہے تو جو کوئی یہ جانے کہ حسبت میں مجھ پر ضرب دردناک پڑے گی
تو اس پر حسبت واجب نہیں گو مستحب ہے جیسا کہ پہلے گذرا اور جب عدم وجوب ضرب دردناک میں سمجھا
گیا تو زخمی کرنے اور عضو کے جدا کرنے اور قتل میں بطریق اولیٰ ہوگا اور ثروت کا جاتا رہنا یہ ہے کہ جانے کہ

حسبت کرنے سے مکان لٹ جائے گا اور حویلی کھد جائے گی اور کپڑے چھن جائیں گے تو اس سے بھی حسبت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور استحباب باقی رہتا ہے اس جہت سے کہ اس میں کیا مضائقہ ہے کہ دین کے اوپر دنیا کو فدا کر دے اور مار اور لوٹ میں سے ہر ایک کے کئی مرتبہ ہیں ایک تو کمی کا جس کی پروانہ کی جاتی ہو جیسے آہستہ سے تھپڑ لگنا یا ایک کوڑی یا پیسے کا لٹ جانا اور ایک زیادتی کا جس کا اعتبار واجب کے سقوط میں کیا جاتا ہے اور ایک بیچ کی حالت جو اشتباہ میں ڈالتی ہے کہ اس کے ہونے سے حسبت کا وجوب ساقط ہوتا ہے یا نہیں اور دیندار کو لازم ہے کہ ایسی مشتبہ صورت میں اجتہاد کرے اور جہاں تک ہو سکے دین کی جانب کو ترجیح دے۔ اور جاہ کے فوت ہونے کا یہ طور ہے کہ مجمع میں پیٹا جائے اور ضرب دردناک نہ ہو جس سے تندرستی جاوے یا علی رؤس الاجتہاد گالیاں پڑیں یا اسی کا رومال گلے میں ڈال کر شہر میں پھرایا جائے یا کالا منہ کر کے تشہیر کیا جائے اور ضرب دردناک کسی میں نہ ہو تو یہ صورتیں جاہ کی مخل اور دل کی درد دینے والی ہیں اور اس کے بھی کئی درجے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ اس کی تقسیم یوں ہو کہ ایک درجہ جاہ کے جانے کا یہ ہو جس کو بےعزتی اور تشہیر کہتے ہیں مثلاً ننگے سر اور ننگے پاؤں شہر میں پھرانا تو ایسے درجے میں حسبت سے خاموشی کی اجازت ہے اس لئے کہ مروت اور عزت کے محفوظ رکھنے کا شریعت میں حکم ہے اور اس بے حرمتی کا درد دل میں بہ نسبت بہت سی ضربوں اور روپیوں کے جاتے رہنے کے زیادہ ہوتا ہے اور دوسرا درجہ صرف جاہ کے جانے کا ہو مثلاً ایک شخص کی عادت ہے کہ عمدہ پوشاک پہن کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا ہے اور جانتا ہے کہ اگر حسبت کروں گا۔ تو مجھ کو بازار میں پیادہ یا ایسے لباس میں پھرنا پڑے گا جس کا عادی نہیں تو اس صورت میں ان جیسی باتوں سے حسبت کا وجوب ساقط نہ ہو گا کیونکہ یہ زیادتی جاہ کی باتیں ہیں ان کا بچانا کچھ عمدہ بات نہیں اور حرمت کی نگاہداشت ایک عمدہ چیز ہے اس کے جانے کے ڈر سے واجب ساقط ہو جاتا ہے اور جاہ کی زیادتی میں یہ بھی داخل ہے کہ محتسب اس بات سے ڈرے کہ لوگ مجھ کو سامنے جاہل یا احمق یار یا کار منافق کہیں گے یا پیٹھ پیچھے طرح طرح کی غیبتیں کریں گے کہ اس سے بھی وجوب ساقط نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں صرف زیادتی جاہ کا زوال ہے جس کی چنداں حاجت نہیں اور اگر بالفرض ملامت کرنے والوں کی ملامت یا بدکاروں کی غیبت خواہ گالی دینے یا برا کہنے سے یا لوگوں کے دلوں میں سے اپنی منزلت گر جانے کے خوف سے حسبت نہ کی جائے تو حسبت واجب ہی نہ رہے گی اس لئے کہ یہ بات تو ہر حسبت میں موجود ہے ہاں جس صورت میں کہ امر منکر غیبت ہے اور محتسب جانے کہ اگر میں غیبت کنندہ کو منع کروں گا تو وہ جس کی غیبت کرتا ہے اس سے بھی خاموش نہ ہو گا اور اس کے ساتھ مجھ کو بھی ملالے گا تو

اس صورت میں حسبت حرام ہے اس لئے کہ حسبت معصیت کی زیادتی کا باعث ہے نہ کمی کا اور اگر یہ جانے کہ پہلی غیبت کو وہ چھوڑ دے گا اور صرف میری ہی غیبت کرے گا تب بھی حسبت اس پر واجب نہیں کیونکہ غیبت اس کی بھی غیبت کنندہ کے حق میں معصیت ہے مگر یہ حسبت اس نظر سے محتسب ہے کہ اپنی آبرو کو دوسرے شخص کی آبرو کا فدیہ کرتا ہے اور چونکہ عمومات وجوب حسبت کی تاکید پر دال ہیں اور منکر پر خاموش رہنے میں بڑا خطرہ شریعت میں موجود ہے تو ان کے فوت ہونے کے ڈر سے وجوب حسبت بھی ساقط ہوگا مگر زیادتی جاہ وحشمت اور اقسام تجمل اور لوگوں کے اچھا کہنے کے طالب ہونے کا کچھ درجہ نہیں تو ان کے خوف سے بھی ساقط نہ ہوگا باقی رہا یہ کہ حسبت کا نہ کرنا اس ڈر سے کہ یہی ایذائیں اپنی اولاد واقارب کو نہ ہوں تو یہ امر خود محتسب کے لحاظ سے تو کمتر ہے اس لئے کہ خود اپنا ایذا پانا زیادہ سخت ہوتا ہے بہ نسبت دوسرے کی ایذا کے اور دین کے اعتبار سے زیادہ ہے اس لئے کہ آدمی خود اپنے حقوق سے تو درگذر کر سکتا ہے مگر دوسرے کے حق میں مسامحت اس کو جائز نہیں اس سے یہ نکلا کہ اس کو چاہیئے کہ اس صورت میں حسبت نہ کرے کیونکہ خویش واقارب کے حقوق جو فوت ہونگے

تو دو حال سے خالی نہیں یا بطریق معصیت ہوں گے جیسے مارنا اور لوٹنا وغیرہ تو اس صورت میں بھی حسبت درست نہیں اس لئے کہ ایک منکر کو دور کرنے سے دوسری برائی پیدا ہوتی ہے معصیت کے طور پر نہ ہوں گے تب بھی مسلمان کی ایذا پائی جائے گی اور اس کو درست نہیں کہ دوسرے کا ضرر بدوں اس کی رضامندی کے کرے غرضکہ اگر حسبت کی وجہ سے کوئی معصیت ایسی ہوتی جس کا ضرر امر منکر کی نسبت زیادہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ حسبت کو ترک کرے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص تارک دنیا ہے جس کے اقارب مالدار ہیں تو اس کو اس بات کا ڈر نہیں کہ اگر میں بادشاہ پر حسبت کروں گا تو وہ میرا کچھ مال چھین لے گا بلکہ میرے اقارب کا قصد کرے گا۔ اور میرا غصہ ان پر نکالے گا تو جب اپنی حسبت سے اقارب اور ہمسایوں پر ایذا ہوتی جائے تو حسبت کو ترک کرے کیونکہ مسلمانوں کو ستانا ممنوع ہے جیسے کہ منکر پر سکوت کرنا ممنوع ہے ہاں اگر ان کو مال اور جان کی ایذا نہ ہو بلکہ گالی اور برا کہنے سے ہو تو اس میں بحث ہے اور باعتبار منکرات کے فحش ہونے کے اور کلام سخت کے دل میں اثر کرنے اور آبرو میں خلل ڈالنے کے اس کا حکم جداگانہ ہوتا ہے اب اگر یہ کہو کہ کوئی شخص اگر اپنا کوئی عضو کاٹ ڈالتا ہے اور بدوں قتال کے اس سے باز نہیں آتا اور عجب نہیں کہ قتال میں مارا جائے تو اس صورت میں اس سے قتال چاہیئے یا نہیں اگر تم کہو کہ چاہیئے تب تو محال ہے اس لئے کہ عضو کے تلف کرنے کے خوف سے جان کا تلف کرنا لازم آتا ہے اور جان جائے گی تو عضو پہلے جائے گا تو اس کا جواب یہ

ہے کہ اس کو منع کرنا اور لڑنا چاہیئے کیونکہ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ اس کی جان اور عضو محفوظ رہے بلکہ غرض یہ ہے کہ منکر اور معصیت بالکل مسدود ہو جائے اور حسبت میں اس کا مارا جانا معصیت اور اس کا عضو کو جدا کرنا معصیت ہے، اور اس کی مثال ایسی جانو کہ کوئی شخص مسلمان کے مال پر حملہ کرے اور مالک اس کو ایسی طرح ہٹادے کہ وہ مارا جائے تو اس طرح کا ہٹانا درست ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ روپیہ کے بدلہ میں ہم مسلمان کی جان لینا چاہتے ہیں کہ یہ تو محال ہے بلکہ اس کو مسلمان کا مال لینا معصیت ہے اور اس معصیت سے ہٹانے میں اس کا مار ڈالنا گناہ نہیں بلکہ مقصود گناہ کا ٹالنا ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ بالفرض اگر ہم جانتے ہوں کہ یہ شخص تنہا ہو گا تو اپنا ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالے گا تو یوں چاہیئے کہ اس کو اسی وقت مار ڈالیں تاکہ معصیت کا باب بالکل بند ہی ہو جائے

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کاٹنے کا علم یقینی نہیں اس لئے اس کا خون کر ڈالنا وہمی معصیت پر جائز نہیں ہاں اگر اس کو اپنا ہاتھ پاؤں کاٹتے دیکھیں تو منع کریں گے اور اگر ہم سے قتال کرے گا تو اس سے لڑیں گے چاہے اس کی جان رہے یا جاوے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معصیت کی تین حالتیں ہیں ایک تو کہ عاصی اس کو کر چکا ہو تو اس معصیت پر سزا دینی یا حد ہو گی یا تعزیر اور یہ سزا حکام کا کام ہے نہ ہر کسی کا دوسرے یہ کہ عاصی اس کو سر دست کر رہا ہو جیسے حریر پہنے ہو یا عود خواہ شراب لیے ہو تو ایسی معصیت کا باطل کرنا واجب ہے خواہ کسی طرح سے ہو بشرطیکہ اس کے باطل کرنے میں کوئی معصیت اس سے زیادہ خواہ اس کے برابر نہ ہوتی ہو ایسی معصیت کا دور کرنا ہر کسی کو ثابت ہے تیسرے یہ کہ معصیت متوقع ہو مثلاً ایک شخص مجلس میں جھاڑو دے کر اور گلدستوں سے آراستہ کر کے شراب خوری پر مستعد ہو اور ابھی تک شراب نہ آئی ہو تو یہ صورت مشکوک ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا مانع پیش آوے جس سے نوبت معصیت کی نہ پہنچے اسی وجہ سے معصیت متوقع سے منع کرنے کا اعتبار ہر کسی کو ثابت نہیں بجز اس کے کہ وعظ و نصیحت سے فہمائش ہو اور درشتی اور ضرب سے تو نہ احاد کو جائز ہے نہ سلطان کو ہاں اگر وہ معصیت کرتی عاصی کی عادت دائمی ہو اور جس سبب سے کہ اس معصیت کی نوبت پہنچے اس کو وہ کر رہا ہو اور حصول معصیت میں کوئی کسر نہ ہو بجز انتظار کے تو ایسی صورت میں سختی اور مار سے بھی حسبت جائز ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جوان شخص عورتوں کے حماموں کے دروازوں پر کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کو اندر جاتے اور باہر نکلتے دیکھیں تو یہ لوگ ہر چند راستہ کو تنگ نہیں کرتے کہ وہ وسیع ہوتا ہے تاہم درشتی اور ضرب سے ان کو وہاں سے اٹھا دینا اور اس جگہ کھڑے ہونے سے منع کرنا درست ہے کیونکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کا کھڑا ہونا ہی فی نفسہ معصیت ہے گو ان کا مقصد معصیت

نہ ہو جیسے اجنبی عورت سے خلوت کرنی فی نفسہ معصیت ہے اس وجہ سے کہ وہ مظنۂ معصیت کا حاصل کرنا بھی معصیت ہے اور مظنہ سے ہماری غرض وہ بات ہے جس سے انسان غالباً معصیت میں پڑ جانے کے در پیش ہو جائے اس طرح کہ اس سے رک نہ سکے تو اس صورت میں حسبت کرنا معصیت موجود پر ہوگا نہ متوقع پر۔

جس میں محاسبہ کیا جائے

یعنی وہ امر منکر جو فی الحال موجود ہو تو یہ چار شرطیں ہوئیں ہر ایک کا احوال جدا لکھتے ہیں اول اس شے کا منکر ہونا اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ شرع میں اس کا واقع ہونا ممنوع ہو اور ہم نے اس کو منکر کہا معصیت نہ کہا اس لئے کہ منکر بہ نسبت معصیت کے عام ہے مثلاً اگر کوئی لڑکے یا مجنون کو شراب پیتے دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ شراب کو گرادے اور ان کو منع کرے ایسا ہی اگر مجنون مرد کو مجنون عورت سے زنا کرتے خواہ چوپایہ سے صحبت کرتے دیکھے تب بھی منع کرنا اس حرکت سے واجب ہے اور یہ منع اس وجہ سے نہیں کہ فعل کی صورت بہت بری اور علانیہ ہے بلکہ اس منکر کو اگر خلوت میں دیکھے تب بھی منع کرنا واجب ہے حالانکہ مجنون کے حق میں یہ فعل معصیت نہیں اس لئے ہم نے لفظ منکر رکھا کہ سب برائیوں پر دلالت بھی کرتا ہے اور معصیت سے عام بھی ہے اور اس کے عموم میں ہم نے صغیرہ اور کبیرہ کو درج کر دیا ہے اور حسبت کچھ کبیرہ ہی پر مخصوص نہیں بلکہ حمام میں برہنگی کا کھولنا اور اجنبی عورتوں کو تاکنا سب صغیرہ ہیں اور ان سے ممانعت کرنی واجب ہے اور صغیرہ اور کبیرہ کے درمیان فرق میں بحث ہے کہ جلد چہارم باب التوبہ میں مذکور ہوگی دوم شرط یہ ہے کہ منکر فی الحال موجود ہو یہ قید اس سے احتراز ہے کہ جو شخص شراب خوری سے فارغ ہو چکا اور نیز احتراز ہے اس منکر سے جس کی آئندہ کو توقع ہو مثلاً کسی کے حال کے قرینہ سے معلوم ہو کہ آج رات کو شراب خوری کا قصد رکھتا ہے کہ اس پر حسبت کرنا بجز وعظ کے نہیں اور اگر وہ اپنے قصد کا منکر ہو تو وعظ بھی جائز ہے اس لئے کہ اس میں مسلمان پر بدگمانی ہے اور کیا عجب ہے کہ وہ سچ ہی کہتا ہو یا کوئی ایسا مانع پیش ہو جس سے وہ اپنا قصد پورا نہ کر سکے اور اس میں وہ دقیقہ یاد رکھنا چاہیے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے یعنی خلوت اجنبی عورت کے ساتھ اور کھڑا ہونا حمام زنان کے دروازہ پر اور اس طرح کی اور باتیں فی الحال کی معصیت ہیں۔ سوم شرط یہ ہے کہ منکر محتسب کو بدوں تجسس ظاہر ہو پھر اگر کوئی شخص معصیت اپنے گھر میں چھپا کر کرے اور مکان کا دروازہ بند کرلے تو اس پر جاسوسی کرنی واجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور قصہ حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کا اس باب میں مشہور ہے جس کو ہم باب آداب الصحبت میں لکھ آئے ہیں اور اسی طرح وہ قصہ ہے کہ حضرت عمر رضؓ ایک مکان کی دیوار پر چڑھ گئے اور اس کو بری حالت میں دیکھ کر منع فرمایا اس نے عرض کیا کہ امیر المومنین اگر میں نے خدا تعالیٰ کی معصیت ایک وجہ سے کی تو آپ نے تین وجہوں سے کی

آپ نے فرمایا کہ وہ کیا ہیں اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[ت۱] وَلَا تَجَسَّسُوْا - آپ نے جاسوسی کی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[ت۲] وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا - اور آپ دیوار پر چڑھ آئے اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا اور آپ نے سلام نہیں کیا حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا اور شرط کرلی کہ توبہ کرنا - اور اسی طرح حضرت عمرؓ نے ممبر پر صحابہؓ سے سوال کیا حضرت عمرؓ خود کوئی امر منکر دیکھ لے تو اس کو درست ہے یا نہیں کہ حد جرم پر قائم کرے حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ امر حد کا کم سے کم دو گواہ پر وابستہ ہے اس میں ایک کافی نہ ہوگا اور ہم نے ان اخبار کو باب آداب الصحبت میں حق مسلمان میں حق مسلمان کے ذیل میں لکھا ہے اب دوبارہ لکھنے کی حاجت پھر اگر یہ پوچھو کہ تعریف معصیت کے ظاہر ہونے اور در پردہ ہونے کی کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرے اور اس کی دیواروں کی آڑ میں ہو جائے تو اس کے پاس جانا بدون اس کی اجازت کے صرف معصیت کا حاصل معلوم کرنے کے لئے جائز نہیں ہاں اگر گھر کے باہر سے آدمی معلوم کرے کہ اس گھر میں منکر ہے مثلاً بانسری اور ستار کے باجے ایسی طرح بجتے ہوں کہ باہر آواز خوب آتی ہو تو جو کوئی ان کو سنے اس کو جائز ہے کہ گھر میں گھس کے آلات لہو کے توڑ ڈالے اسی طرح اگر شراب خوار جو کلمات ان میں رائج ہیں ان کو آواز سے بک رہے ہوں کہ سڑک کے لوگ سنیں تو یہ اظہار بھی موجب حسبت ہے غرض کہ دیواروں کی آڑ ہونے سے منکر کے ظاہر ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک بو کا معلوم ہونا دوسرے آواز کا سننا تو اگر شراب کی بو معلوم ہو اور یہ احتمال ہو کہ رکھی ہوئی کی بو ہے تب تو اس کے گرا دینے کا قصد کرنا درست نہیں اور اگر حال کے قرینہ سے معلوم ہو کہ بو کا ظاہر ہونا اس وجہ سے ہے کہ لوگ پی رہے ہیں تو اس صورت میں حسبت جائز ہے - اور بعض اوقات شراب کا شیشہ اور آلات لہو آستین میں یا دامن کے تلے چھپا لیا کرتے ہیں تو جب کوئی فاسق نظر پڑے اور اسکے دامن تلے کچھ ہو تو اسکی تفتیش جائز نہیں جب تک کسی علامت خاص سے معلوم نہ ہو اس لئے کہ فاسق ہونا اس بات پر نہیں دلالت کرتا کہ اس کے پاس شراب ہے کیونکہ سرکہ وغیرہ کی بھی تو اس کو ضرورت ہوتی ہے پس چھپانے سے استدلال نہیں ہو سکتا کہ شراب ہی ہے اور اگر سرکہ ہوتا تو نہ چھپاتا اس لئے کہ چھپانے میں بہت سی غرضیں متعلق ہیں اور اگر بدبو شراب کی معلوم ہوتی ہو تو محل بحث ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حسبت جائز ہے اس لئے کہ یہ علامت مفید ظن ہے اور ان جیسے امور میں ظن مثل علم کے ہے اسی طرح اگر اوپر کا کپڑا پتلا ہے تو عود وغیرہ کی شکل پہچانی جاتی

ت ۱- اور بھید مت ٹٹولو ۱۲- ت ۲ اور داخل ہو گھروں میں ان کے دروازوں سے ۱۲ - ت ۳- مت جایا کرو کسی کے گھر میں اپنے گھروں کے سوا جب تک نہ بول چال کرو اور سلام دے تو اس گھر والوں پر ۱۲-

ہے تو شکل کی دلالت بھی مثل بو اور آواز کی دلالت کے ہے اور جس کی دلالت ظاہر ہو وہ مستور نہیں بلکہ کھلی ہے اور ہم کو شریعت نے حکم فرمایا ہے کہ جس کو خدائے تعالیٰ نے مستور کیا اس کو ہم بھی مستور رکھیں اور جو ہمارے سامنے ظاہر ہو اس کو بگاڑ دیں اور ظاہر ہونے کی کئی طرح ہیں کبھی تو کان کے ذریعہ سے اور کبھی سونگھنے سے اور کبھی دیکھنے سے اور کبھی چھونے سے ظاہر ہوتا ہے تو اس کو آنکھ سے دیکھنے پر مخصوص کرنا نہ چاہیئے بلکہ مقصود علم ہے اور یہ حواس بھی علم کو مفید ہیں اس سے یہ کہے کہ مجھ کو دکھا دے معلوم کروں کہ اس میں کیا ہے اس لئے کہ یہ امر تجسس ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ایسی علامتوں کا تلاش کرنا جن سے چیز کا حال معلوم ہو غرض کہ اسی طرح کی علامتیں اگر خود بخود حاصل ہوں اور ان سے منکر کی شناخت ہو جائے تب تو ان کے مقتضا کے موافق عمل کرنا درست ہے مگر ایسی علامتوں کی تلاش کرنے کی اجازت ہرگز نہیں چہارم شرط یہ ہے کہ بدوں اجتہاد کے اس کا منکر ہونا معلوم ہو تو جتنی چیزیں کہ محل اجتہاد میں ہیں ان پر کچھ حسبت نہیں مثلاً کسی حنفی کو جائز نہیں کہ شافعی مذہب والے پر ضب [سوسمار ۱۲] اور کفتار [بجھو ۱۲] اور متروک التسمیہ کے کھانے کا انکار کرے اور نہ شافعی کو درست ہے کہ کہے تم نبیذ جس میں نشہ نہ ہو کیوں پیتے ہو یا ذوی الارحام کو ترکہ کیوں دیتے ہو ہمسایگی کے شفعہ سے لئے ہوئے مکان میں کیوں بیٹھے ہو اور اسی طرح اور مسائل ہیں جن میں اجتہاد جاری ہے ہاں اگر شافعی دوسرے شافعی کو نبیذ پیتے دیکھے یا بدوں ولی کے کسی عورت سے نکاح کرکے اس سے صحبت کرے تو اس میں تردد ہے اور ظاہر تر یہی ہے کہ اس کو حسبت اور انکار درست ہے اس لئے کہ کوئی عالم اس طرف نہیں گیا کہ مجتہد کو دوسرے کے اجتہاد کے بموجب عمل کرنا درست ہے اور نہ یہ کسی کا مذہب ہے کہ اگر کوئی مقلد اپنے اجتہاد میں کسی شخص کو سب علماء سے افضل جانے تو اس کے مذاہب کو چھوڑ کر دوسرے کا مذہب اختیار کرے اور سب مذاہب میں سے اپنے نزدیک عمدہ عمدہ باتیں چھانٹ لے بلکہ ہر مقلد پر اتباع اپنے امام کا ہر مسئلہ میں تفصیل وار واجب ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ اپنے امام کی مخالفت بالاجماع علما کے نزدیک منکر ہے اور جو کوئی مخالفت کرے وہ عاصی ہے مگر یہ کہ اس سے ایک اور بات زیادہ باریک لازم آتی ہے وہ یہ ہے کہ حنفی کو جائز ہے اگر کوئی شافعی بدوں ولی کے عورت سے نکاح کرے تو اس سے یہ کہے کہ ہرچند یہ فعل بذات خود حق ہے مگر تیرے حق میں نہیں کیونکہ تیرا اعتقاد یہ ہے کہ صواب مذہب شافعی میں ہے۔ تو جو امر تیرے عندیہ میں صواب ہے اس کی مخالفت کرنی تیرے حق میں معصیت ہے گو خدا تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہو اس صورت میں تیرا اس پر مرتکب ہونا باطل ہے اسی طرح شافعی حنفی پر اعتراض کر سکتا ہے جس صورت میں کہ حنفی اس کا شریک ضب اور متروک التسمیہ وغیرہ کے کھانے میں ہو اور یہ کہہ سکتا ہے کہ یا تو اس بات کا معتقد

ہو کر امام شافعی پیروی کے زیادہ مستحق ہیں پھر ان اشیاء کو کھاؤ یا جو بات تمہارے عقیدہ کے خلاف ہے اس کے مرتکب نہ ہو پھر اس سے ایک اور بات محسوسات میں جا پڑے گی یعنی فرض کرو کہ ایک بہرا آدمی کسی عورت سے بقصد زنا صحبت کرے اور محتسب کو یہ معلوم ہے کہ اس شخص کے باپ نے اس کا نکاح اس عورت سے لڑکپن میں کر دیا تھا اور عورت اس کی منکوحہ ہے مگر اس کو معلوم نہیں اور نہ اس کو بتا سکتا ہے اس جہت سے کہ وہ بہرا ہے اس کی زبان کو نہیں سمجھتا تو وہ شخص چونکہ اس عورت کو اجنبی اعتقاد کرتا ہے اس نظر سے صحبت کرنے سے عاصی ہے اور آخرت میں عذاب پائے گا۔ تو چاہیئے یوں کہ محتسب اس عورت کو اس سے منع کر دے باوجودیکہ وہ اس کی زوجہ ہے حالانکہ یہ منع کرنا اس لحاظ سے تو بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ عورت اس پر حلال ہے اور اس لحاظ سے قریب ہے کہ اس کی غلطی اور جہالت کی وجہ سے اس پر حرام ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی مرد اپنی منکوحہ کی طلاق محتسب کے دل کی کسی صفت پر مشروط کرے مثلاً ارادہ یا غصہ وغیرہ پر اور وہ صفت اس کے دل میں پائی جائے مگر زوجین کے بتلانے سے عاجز ہو اور یہ جانتا ہو کہ طلاق پڑ گئی تو جب مرد کو عورت سے مجامعت کرتے دیکھے تو زبان سے اس کو منع کرے کیونکہ واقع میں یہ زنا ہے۔ مگر زانی کو علم نہیں

کہ یہ زنا ہے اور محتسب کو معلوم ہے کہ تین طلاقیں پڑ گئیں اور چونکہ زوجین صفت کے موجود ہونے سے جاہل رہنے کے سبب عاصی نہیں تو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ یہ صحبت منکر نہ ہو کیونکہ یہ صورت مجنون کی زنا سے کم کسی طرح نہیں اور ہم نے بیان کر دیا کہ مجنون بھی زنا سے منع کیا جائے تو حاصل یہ ہے کہ جب ایسی بات سے منع جائز ہوا جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک منکر ہو گو فاعل کے نزدیک منکر نہ ہو اور وہ اس فعل سے بسبب عذر جہالت کے عاصی ہو تو اس کے عکس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو بات خدائے تعالیٰ کے نزدیک منکر نہیں اور صرف فاعل کے نزدیک جہالت کی وجہ سے منکر ہے تو اس سے منع نہ کیا جائے اور یہی ظاہر تر ہے واللہ اعلم تو اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ حنفی شافعی پر بدون ولی کے نکاح کی صورت میں اعتراض نہ کرے اور ایک شافعی دوسرے پر اس باب میں اعتراض کرے اس لئے کہ محتسب اور محتسب علیہ دونوں کا اتفاق ہے کہ یہ امر منکر ہے اور یہ مسائل فقہی دقیق ہیں اور ان میں احتمالات ایک دوسرے کے معارض ہیں ہم نے فتویٰ ان میں اسی بات پر دیا ہے جو ہمارے نزدیک فی الحال راجح پائی گئی اور ہم یہ بھی یقیناً نہیں کہتے کہ ان امور میں جو دوسرا حکم دے وہ خواہ مخواہ خطا ہی ہے یعنی اگر وہ یہ سمجھے کہ احتساب اسی صورت میں چاہیئے جیسے شراب اور سور اور دوسری یقینی حرام چیزیں ہیں لیکن ہمارے نزدیک قریب بصواب یہی ہے کہ مجتہد کے حق میں

اجتہاد اثر کرتا ہے کیونکہ یہ نہایت بعید معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص قبلہ میں اجتہاد کرے اور دلالت ظنی کی رو سے اپنے نزدیک قبلہ کا ایک سمت معین میں ہونے کا اقرار بھی کرے پھر قبلہ کو پشت کرکے نماز پڑھے اور اس کو منع نہ کیا جائے اس وجہ سے کہ دوسرے کے ظن میں غالباً پشت کرنا ہی صواب ہو اور جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہر مقلد کو اختیار ہے کہ مذاہب میں سے جو چاہے پسند کرے ان کا کچھ اعتبار نہیں اور غالباً کسی کا مذہب سرے سے یہ ہوگا بھی نہیں اور اگر ہو تو وہ معتبر نہیں ۔ اب اگر یہ کہو کہ جب حنفی پر شافعی نکاح بلاولی میں اعتراض نہیں کرسکتا اس نظر سے کہ وہ نکاح حنفی کے نزدیک حق ہے تو چاہیئے کہ معتزلی جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا اور خیر اللہ سے ہے اور شر اس سے نہیں اور کلام اللہ مخلوق ہے ان پر بھی اعتراض نہ کیا جائے اور نہ حشوی پر اعتراض ہو جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم وصورت رکھتا ہے اور عرش پر مستقر اور ثابت ہے بلکہ فلسفی پر بھی اعتراض نہ چاہیئے جو یہ کہتے ہیں کہ اجسام کا بعث نہ ہوگا بلکہ نفوس اٹھیں گے اس لئے کہ ان کا اجتہاد اسی کا مقتضی ہو اور وہ اپنے گمان میں اس کو حق خیال کرتے ہیں اور اگر یہ جواب دو کہ ان فرقوں کے مذہب کا بطلان ظاہر ہے تو جو مذہب مخالف نص حدیث کے ہے اس کا بطلان بھی ظاہر ہے پھر جیسے ظاہر نصوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار ثابت ہے اور معتزلی اس کا انکار تاویل سے کرتے ہیں اسی طرح وہ مسائل بھی ظاہر نصوں سے ثابت ہیں جن میں حنفی خلاف کرتے ہیں جیسے مسئلہ نکاح بلاولی اور ہمسایگی کے شفعہ وغیرہ کا ہے تو پھر تخصیص اعتراض نہ کرنے کی حنفی پر کیسے ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسائل دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ ان میں کہہ سکتے ہیں کہ ہر مجتہد ثواب پر ہے اور وہ احکام افعال کے ہیں حلت اور حرمت کے باب میں اور یہ مسائل ایسے ہیں کہ مجتہدین پر ان کے باب میں اعتراض نہیں کیا جاتا اس لئے کہ ان کی خطا یقیناً معلوم نہیں بلکہ ظنی ہے اور دوسری طرح کے وہ مسائل ہیں جن میں ایک مجتہد کے سوا دوسرا حق پر نہیں ہو سکتا جیسے مسئلہ دیدار الہی اور تقدیر کا اور کلام الہی کے قدیم ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کی صورت اور جسمیت اور عرش پر مستقر ہونے کی نفی کا یہ مسائل اس قسم کے ہیں کہ خطا کرنے والے کی خطا قطعاً معلوم ہو جاتی ہے اور اس کی خطا جو جہالت محض ہے معتبر نہیں رہتی اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ سب بدعتوں کی بالکلیہ جڑ کاٹنی چاہیئے اور بدعتیوں پر ان کی بدعت کا انکار کرنا چاہیئے گو ان کے عقیدے میں حق ہو جیسے یہود اور نصاریٰ کا کفر نہیں مانا جاتا حالانکہ ان کے اعتقاد میں وہ حق ہے اس لئے کہ ان لوگوں کی خطا قطعاً معلوم ہے بخلاف اس خطا کے جو مسائل اجتہادی میں ہو کہ وہ ظنی ہے نہ قطعی ۔ اب اگر یہ کہو کہ جب تم قدری شخص پر اعتراض کرو گے اس کے اس کہنے پر کہ شر خدائے تعالیٰ کی جانب سے نہیں تو وہ بھی تم پر اعتراض کرے گا تمہارے اس قول پر کہ

شر خدا تعالیٰ کی جانب سے ہے یا اس کہنے پر کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا یا اور اسی طرح کے مسائل پر
کیونکہ بدعتی اپنے عندیہ میں حق پر ہے اور حق والا اس کے عندیہ میں بدعتی ہے اور ہر کوئی دعویٰ یہی کرتا
ہے کرتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور اپنا بدعتی ہونا نہیں مانتا تو حسبت کیسے تمام ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے
کہ ہم اس تعارض کے سبب سے کہتے ہیں کہ جس شہر میں وہ بدعت ہوئی ہو اس
کو دیکھنا چاہیئے اگر اہل بدعت کم ہوں اور لوگ سب اہل سنت تو ان کو اس بدعت پر حسبت واجب ہے
بدوں سلطان کی اجازت کے اور اگر شہر میں دو فریق ہوں اہل بدعت بیں اور اہل سنت بھی اور بدعت
پر اعتراض کرنے سے احتمال دونوں فریق کے مقابلہ اور بلوہ پر دازی کا ہو تو اس صورت میں ہر کسی کو حسبت
کرنی سب مذہبوں میں درست نہیں لیکن بادشاہ کے اذن سے درست ہے یعنی جب بادشاہ مذہب
حق رکھتا ہو اور اس کی تائید کے لئے ایک شخص کو اجازت دے کہ بدعتوں کو اظہار بدعت سے منع کرے
تو اس کو حسبت جائز ہے اس کے سوا دوسرے کو جائز نہیں۔ اس لئے کہ جو حسبت بادشاہ کے حکم سے
ہوگی اس کا مقابلہ کوئی نہ کرے گا اور جو رعیت میں سے کوئی سا شخص کرے گا تو اس
میں مقابلہ اور بلوہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ اور منکرات کی نسبت سے بدعتوں میں حسبت زیادہ ضروری
ہے مگر اسمیں جو تفصیل ہم نے مذکور کی ہے اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے تاکہ نوبت مقابلہ اور فتنہ کی نہ ہو بلکہ
اگر سلطان مطلق اجازت دے دے کہ جو شخص تصریح سے کہے کہ قرآن مجید مخلوق ہے یا اللہ تعالیٰ
کا دیدار نہ ہوگا یا وہ عرش سے لگا ہوا ہے یا اس کے سوا اور بدعت زبان سے نکالے اس کو
منع کرنا چاہیئے تو اس صورت میں ہر کسی کو منع کرنا پہنچتا ہے اور اس میں مقابلہ کی صورت واقع نہ ہوگی
بلکہ مقابلہ صرف اسی صورت میں ہوتا ہے کہ سلطان کی اجازت نہ ہو۔

جس پر محاسبہ کیا جائے اس کی شرط یہ ہے کہ ایسی صفت کا ہو کہ فعل ممنوع اس کے حق میں منکر ہو جائے
اور غالباً یہ کہنا کافی ہے کہ انسان ہو اور مکلف ہونا شرط نہیں چنانچہ ہم
بیان کر چکے ہیں کہ اگر لڑکا شراب پیئے تو اس کو بھی منع کیا جائے گو بالغ نہ ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ کیونکہ دیوانہ
کے باب میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر وہ مجنون عورت یا چوپایہ سے زنا کرے تو اس کو منع کرنا چاہیئے
ہاں بعض افعال ایسے ہیں جو دیوانہ کے حق میں منکر نہیں جیسے نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا وغیرہ
مگر ہم اختلاف تفاصیل کی طرف التفات نہیں کرتے اس لئے کہ اس میں تو مقیم اور مسافر اور بیمار اور تندرست
کا حکم بھی جدا جدا ہے ہماری غرض اس صفت کے بتلانے سے ہے جس سے اصل انکار کہ محتسب علیہ
پر متوجہ ہوتا ہے نہ یہ کہ تفصیل کے بموجب توجہ انکار کو بیان کریں اب اگر یہ کہو کہ انسان کی شرط

کیوں لگاتے ہو۔ اسی پر اکتفا کرو کہ محتسب الیہ حیوان ہو اس لئے کہ اگر کوئی چوپایہ کسی شخص کی کھیتی خراب کرے تب بھی تو ہم اس کو منع کریں کے جیسے مجنون کو زنا سے اور چوپایہ کی صحبت سے منع کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ کہ چوپایہ کو کھیت سے منع کرنے کا نام حسبت رکھنے کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ حسبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو حق اللہ کی جہت سے امر منکر سے منع کرنا تاکہ وہ ارتکاب منکر سے محفوظ رہے اب مجنون کو زنا سے منع کرنا اور لڑکے کو شراب خوری سے منع کرنا حق اللہ کی جہت سے ہے اور کوئی آدمی غیر کی زراعت تلف کرے تو دو حقوق کی جہت سے منع کیا جائے ایک تو یہ کہ خود اس کا فعل معصیت ہے دوسرا جس کا مال تلف کرتا ہے اس کا حق ہے تو دونوں علتیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں ان علتوں میں سے جون سی علت پائی جائیگی منع ثابت ہوگا مگر حسبت وہی منع کرنا ہے جو حق اللہ کی جہت سے ہو پس اگر فرض کریں کہ کوئی شخص دوسرے کا ہاتھ اس کی اجازت سے کاٹتا ہے تو یہاں معصیت تو پائی گئی مگر دوسرے کا حق اس کی اجازت کے سبب سے ساقط ہو گیا پھر بھی حسبت ثابت ہے کہ حق اللہ کی جہت سے منع ثابت ہوگا اور چوپایہ اگر کھیت تلف کرے تو یہاں معصیت نہیں حق غیر ہے اس لئے منع ہوگا حسبت نہ ہوگی اور اس میں ایک اور دقیقہ ہے وہ یہ ہے کہ ہماری غرض کھیت میں سے چوپایہ کے نکالنے سے یہ نہیں ہوتی کہ وہ اس حرکت سے باز رہے بلکہ مسلمان کے مال کی حفاظت منظور ہوتی ہے کیونکہ مثلاً چوپایہ اگر مردار کھائے یا اس برتن سے پانی پیئے جس میں شراب ہے تو اس کو ہم نہیں روکتے اگر اس کا باز رکھنا مقصود ہوتا تو ان صورتوں میں بھی منع کرتے بلکہ شکاری کتوں کو مردہ جانور کھلانا جائز ہے تو پھر انکا باز رہنا مقصود کہاں رہا البتہ مسلمان کا مال اگر ضائع ہونے کو ہو اور ہم بدون مشقت اس کو بچا سکتے ہیں تو ہم پر اس کا بچانا واجب ہے بلکہ اگر کسی کا گھڑا اوپر سے گرے اور نیچے کسی کا قرابہ رکھا ہو تو قرابہ کے بچانے کے لئے گھڑے کو دفع کریں گے نہ یہ کہ گھڑے کو گرنے سے منع کرتے ہیں کہ قرابہ کو نہ توڑے اور مجنوں کو جو چوپایہ کی صحبت سے اور شراب پینے سے منع کرتے ہیں تو یہ غرض نہیں کہ چوپایہ محفوظ رہے یا شراب نہ ضائع ہو بلکہ منظور یہ ہے کہ مجنون اور لڑکا ان افعال سے محفوظ رہے اس لحاظ سے کہ انسان ذی حرمت ہیں ان کو ان افعال شنیعہ سے حتی الوسع بچانا چاہیئے تو یہ باریک لطیفے ہیں جن کو اہل تحقیق ہی سمجھتے ہیں ان سے غفلت کرنی نہ چاہیئے پھر جن افعال میں کہ لڑکے اور مجنون کا بچانا واجب ہے ان میں بحث ہے یعنی تردد ہوتا ہے کہ حریر پہننے وغیرہ میں بھی ان کو منع کرنا چاہیئے کہ نہیں تو اس بحث کی طرف ہم باب ثالث میں اشارہ کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اب اگر یہ کہو کہ چوپایوں کو کسی کے کھیت میں چھوٹا ہوا دیکھے تو اس پر ان کا نکالنا واجب ہے یا نہیں یا جو کوئی مسلمان

کا مال معرض تلف میں دیکھے اس پر اس کی حفاظت واجب ہے کہ نہیں اگر یہ کہو کہ واجب ہے تو
یہ ایک مشقت سخت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی عمر بھر دوسرے کا مسخر ہو جائے اور اگر یہ کہو
کہ واجب نہیں تو پھر جو شخص دوسرے کا مال چھینتا ہو اس پر حسبت کیوں واجب ہے اس میں بھی تو
مال غیر ہی کی رعایت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث دقیق اور غامض ہے

قول مختصر اس باب میں یہ ہے کہ جب آدمی دوسرے کا مال تلف سے محفوظ رکھنے پر ایسی طرح قادر
ہو کہ نہ بدن کو کچھ مشقت ہو نہ اس کے مال یا جاہ میں کچھ گھٹی آتی ہو تو اس پر دوسرے کے مال کی حفاظت
واجب ہے اور مسلمان کے حقوق میں اس قدر وجوب کیا بعید ہے تو یہ درجات حقوق میں سے
کمتر رتبہ ہے حقوق مسلمانوں کے جن دلیلوں سے واجب ہیں وہ بہت سی ہیں اور ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جب
اپنا کسی طرح کا نقصان نہ ہوتا ہو تو دوسرے کا مال ضائع ہونے سے بچاوے اور جواب سلام کے واجب
ہونے کی نسبت اس کا واجب ہونا اولیٰ ہے کیونکہ سلام کے جواب دینے میں اتنی ایذا نہیں ہوتی جتنی اس
صورت میں ہوتی ہے بلکہ بالاتفاق ثابت ہے کہ جب کسی آدمی کا مال کسی ظالم کے ظلم سے ضائع ہوتا ہے
اور دوسرے کے پاس شہادت ایسی ہو کہ اگر اس کو بیان کر دیں تو حق اس کا مل جاوے تو اس پر شہادت دینی
واجب ہوتی ہے شہادت کو چھپائے گا تو عاصی ہو گا اور جیسی شہادت ہے ویسی ہی اور باتیں ہیں جن سے
دوسرے کا بھلا ہو اور اپنا کچھ نقصان نہ ہو ہاں جس صورت میں کہ مال کی حفاظت میں اس پر کچھ مشقت یا نقصان
مال اور جاہ میں ہوتا ہو تب اس کو ضرور نہیں کہ دوسرے کے مال کی حفاظت کرے کیونکہ جیسے دوسرے کے
حق کی رعایت اس پر ہے ویسے ہی اپنے بدن اور جاہ اور مال کی منفعت کی رعایت اس کے ذمہ تو کچھ
ضرور نہیں کہ اپنے نفس کو دوسرے پر فدا کرے ہاں ایثار کرے تو مستحب ہے اور مسلمانوں کی خاطر سختیوں
کا جھیلنا ثواب ہے مگر یہ نہیں کہ واجب ہو اس سے یہ نکلا کہ اگر چوپایوں کے نکالنے میں کھیت کے
اندر سے اس کو مشقت ہوتی ہو تو اس باب میں سعی لازم نہیں لیکن اگر مشقت نہ پڑھتی ہو صرف مالک
کو خواب سے جگا دینا یا اطلاع کرنا پڑتا ہو تو یہ اس پر لازم ہے کیونکہ آگاہ نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا قاضی کے
سامنے گواہی کا نہ دینا پس جائز نہیں کہ اس کو ترک کرے اور یہ ممکن نہیں کہ اس باب میں قلت اور کثرت کا
لحاظ کیا جائے کہ اگر بہائم کے نکالنے میں نکالنے والے کا مثلاً ایک درہم کا نقصان ہو اور کھیت والے
کا زیادہ تو کھیت والے کی جانب کو ترجیح ہو گی کیونکہ نکالنے والا اپنے ایک ہی درہم کی حفاظت کا اتنا
مستحق ہے جتنا ہزار والا ہزار کی حفاظت کا پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ نقصان والے کی جانب کو ترجیح
ہو گی۔ اور جس صورت میں کہ مال کا فوت ہونا معصیت کے طریق سے ہو جیسے غصب یا دوسرے کے غلام

کو مار ڈالنا تو اس میں اگر منع کرنے والوں کو کچھ مشقت بھی پڑے تب بھی منع کرنا واجب ہے کیونکہ مقصود حق شرع ہے اور غرض معصیت کا دور کرنا ہے اور انسان پر لازم ہے کہ معاصی کے دور کرنے میں اپنے نفس کو مشقت میں ڈالے جیسے یہ لازم ہے کہ خود معاصی کو ترک کرنے سے مشقت اٹھاتے اور کوئی معصیت ایسی نہیں جس کے چھوڑنے میں مشقت نہ بلکہ طاعت کا مآل نفس کی مخالفت ہے جو نہایت درجہ درجہ کی مشقت ہے پھر اس پر یہ ضرور نہیں کہ ہر طرح کے ضرر کو برداشت کرے بلکہ اس باب میں تفصیل وہی ہے جس کو ہم محتسب کے بیان میں لکھ آئے ہیں اور فقہا میں دو مسئلوں میں اختلاف ہے جو ہمارے اس مدعا کے مناسب ہیں اول یہ کہ پڑی چیز کا اٹھانا واجب ہے یا نہیں کہ یہی لقطہ کو حرمال ضائع ہونے والا ہے اور اٹھانے والا اس کو تلف سے روکتا ہے اور اس کی حفاظت میں ساعی ہے اور جواب شافی اس مسئلہ کا ہمارے نزدیک اس تفصیل سے ہے کہ اگر لقطہ ایسی جگہ میں ہو کہ اگر وہاں چھوڑ دے گا تو تلف نہ ہوگا بلکہ جس کا ہوگا وہی اٹھائے گا یا پڑا رہے گا مثلاً کسی مسجد یا رباط میں پڑا ہے جہاں معین آدمی آتے ہیں اور سب ایماندار ہیں تو اس صورت میں اس کو اٹھانا لازم نہیں اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں ضائع ہو جائے گا تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر اس کی حفاظت میں مشقت ہوتی ہو مثلاً لقطہ کوئی جانور ہو کہ اس کا دانہ چارہ اور باندھنے کی جگہ چاہیئے تب بھی اس کو اس کا لینا لازم نہیں اس لئے کہ پائی چیز کا لینا صرف مالک کے حق کی جہت سے ہے کہ وہ ذی حرمت ہے اور لینے والا بھی چونکہ انسان ہی ہے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ دوسرے کے لئے اپنے آپ وبال میں نہ پڑے جیسے دوسرے کو اپنی خاطر مشقت میں نہ ڈالنا اس کو لازم ہے اور افتادہ چیز سونا یا کپڑا یا اور کوئی چیز ہو جس کی حفاظت میں کوئی مشقت اس کے سوا نہ ہو کہ برس دن تک اس کا ذکر کیا کرے تا کہ مالک اپنی چیز لے جائے تو اس باب میں دو قول ہیں کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ برس روز تک ذکر کرنا اور اس کی شرطوں کا بجالانا بڑی تکلیف ہے اس صورت میں اٹھا لینے کو آدمی پر لازم کر دینا تو ہو نہیں سکتا ہاں اگر بتزعاً اٹھالے اور ثواب کے طلب کے لئے ذکر کرنا اپنے اوپر خود لازم کرے تو ہو سکتا ہے اور کچھ یوں کہتے ہیں کہ اس قدر مشقت حقوق مسلمانوں کے لحاظ سے بہت کم ہے اس کو ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے گواہ قاضی کی مجلس میں جانے کی مشقت اٹھاتا ہے کہ اس کو دوسرے شہر میں گواہی کے لئے سفر کرنا لازم نہیں بجز اس کے کہ سلوک کے طریق سے مدعی پر احسان کرے لیکن اگر قاضی کی کچہری اس کے پاس ہے تو جانا لازم ہے اور یہ چند قدم کی مشقت گواہی دینے اور ادائے امانت کے سامنے کچھ مشقت شمار نہیں ہوتی اور اگر کچہری شہر کے دوسرے کنارے ہو اور دوپہر میں شدت گرمی کے وقت جانا پڑے تو ایسی صورت میں البتہ تامل ہے کہ جانا لازم ہے یا نہیں کیونکہ نقصان جو غیر کے حق

کی حفاظت میں آدمی کو ہوتا ہے اس کی ایک طرف تو کسی کی ہے کہ بلاشک اُتنے نقصان کی پرواہ نہیں کیا کرتا اور ایک طرف کثرت کی ہے کہ بلاشبہ اس کو اس قدر کی برداشت لازم نہیں اور ایک وسط ہے جس میں دونوں طرف کی کشاکشی ہوتی ہے اور ہمیشہ معرض شبہ اور تامل میں رہتا ہے اور یہ شبہات دیرینہ میں سے ہے جن کا دور کرنا آدمی کی طاقت میں نہیں کیونکہ کوئی وجہ ایسی نہیں ہوتی جس سے ان کے اجزا متشابہ کو جدا کرسکیں مگر متقی ایسے محل میں اپنے نفس کا خیال رکھتا ہے اور شک کی چیز کو چھوڑ کر یقینی کو اختیار کرتا ہے یہ امر اس قاعدہ میں — بنق طلب ہے۔

خود احتساب کی حقیقت

اور اس کے چند درجے اور کچھ آداب ہیں درجے تو اس ترتیب سے ہیں کہ اول منکر کی علامت کا ڈھونڈھنا پھر آگاہ کرنا پھر منع کرنا پھر وعظ کرنا پھر گالی اور درشتی سے پیش آنا پھر ہاتھ سے منکر کو لگاڑ دینا پھر مار پیٹ سے دھمکانا پھر زدوکوب کرنا پھر ہتھیار کھینچنا پھر مددگاروں اور طرفداروں سے پشتی یعنی اور جتھے اکھٹے کرنے **پہلا درجہ** تعریف کہلاتا ہے یعنی اس بات کا جویا ہونا کہ منکر ہو رہا ہے اور یہ ممنوع ہے اس لئے کہ یہ تجسس ہے جس کو ہم بیان کرچکے ہیں تو یہ نہ چاہیئے کہ دوسرے کے مکان میں کان لگادیں تاکہ آواز باجوں کی سنے یا سونگھے تاکہ شراب کی بو معلوم ہو یا شراب پینے کیواسطے رکھی ہے تو اس وقت اس کو جائز ہے کہ اس کے گھر میں چلا جائے اذن لینا اس پر لازم نہیں اور دفع منکر کے لئے دوسرے کی ملک میں چلنا ایسا ہوگا جیسا منع کرنے میں زدوکوب سے اس کا توڑنا بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو اور اگر دو غلاموں یا ایک عادل نے غرض کہ ایسے شخصوں نے جن کی گواہی مقبول نہیں منکر کی خبر دی تو ایسی صورت میں اس کے گھر پر چڑھ جانے کے جواز میں تامل ہے اور بہتر یہی ہے کہ نہ جانے اس لئے کہ اس کا حق ہے کہ کوئی اس کے مکان میں بدون اس کی اجازت کے نہ جائے اور جو حق مسلمانوں کا کسی چیز میں ثابت ہو جاتا ہے۔

وہ بدون دو گواہوں کے ساقط نہیں ہو سکتا اور صورت معروضہ میں چونکہ گواہی پوری نہیں تو بہتر یہی ہے کہ اس کا حق بھی ساقط نہ ہو اور کہتے ہیں کہ حضرت لقمانؑ کی انگوٹھی پر یہ کندہ تھا کہ معاتنہ کی ہوئی چیز کا چھپانا بہتر ہے گمان کی چیز فاش کرنے سے۔ **دوسرا درجہ**۔ آگاہ کرنا ہے کیونکہ منکر کا مرتکب کبھی ارتکاب اسی وجہ سے کرتا ہے کہ اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ امر منکر ہے اور جب جان لیتا ہے کہ منکر ہے تو اس کو ترک کرتا ہے مثلاً دیہاتی آدمی نماز پڑھتا ہے اور رکوع سجدہ اچھی طرح نہیں کرتا تو یہی جانا جاتا ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس طرح پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور اگر وہ نماز کے نہ ہونے ہی پر راضی ہوتا تو سرے سے نہ پڑھتا اتنی محنت وضو وغیرہ کی کیوں اٹھاتا تو اس کو نرمی سے بدون سختی کے آگاہ کر دینا واجب ہے

اور نرمی کی وجہ یہ ہے کہ آگاہ کرنے کے ضمن میں دوسرے کے جہل وحماقت کی طرف نسبت کرنا ہے اور اس میں آدمی کو ایذا ہوتی ہے اور ایسے آدمی کم ہوتے ہیں کہ امور سے جاہل کہلانے پر راضی ہوں خصوص شرع سے جاہل کہلانے پر تو اور بھی راضی نہیں ہوتے اور اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ جس شخص پر غصہ غالب ہوتا ہے جب خطا اور جہل پر آگاہ کیا جاتا ہے تو کیسا بھڑکتا ہے اور حق کو جان بوجھ کر کیسا انکار کرتا ہے اس ڈر سے کہ کہیں جہالت کی قلعی نہ کھلجائے اور طبیعتیں جہالت کے عیب چھپانے کی زیادہ حریص ہیں بہ نسبت بول وبراز کے مقامات کے چھپانے کے اس لئے کہ جہالت نفس کی بدصورتی اور اس کے چہرہ کی سیاہی ہے اور اس پر لوگ جاہل کو برا کہتے ہیں اور بول وبراز کے مقاموں کی برائی بدن کی صورت کی برائی ظاہر کرتی ہے۔ اور چونکہ نفس بدن سے اشرف ہے اور اس کا بدصورت ہونا بھی بدن کی بدصورتی سے برا ہے علاوہ ازیں بدن کی بدصورتی پر کوئی ملامت نہیں کرتا اس وجہ سے کہ بدن کی پیدائش اپنے اختیار میں نہیں ورنہ اس کی بدصورتی کا دور کرنا اور اچھی صورت بنالینا اپنے اختیار میں ہے اور جہالت ایسی بدصورتی ہے کہ اس کا دور کرنا اور علم کے حسن سے اس کو بدل لینا اختیاری بات ہے تو اسی لئے جب انسان کا جہل ظاہر ہوتا ہے تو اس کو بڑا رنج ہوتا ہے اور علم کے سبب سے اول تو آپ ہی بہت خوش ہوتا ہے پھر جب اسکے علم کا جمال دوسروں پر ظاہر ہوتا ہے تو زیادہ تر لذت پاتا ہے اور از انجا کہ آگاہ کرنا جہل کے عیب کو ظاہر کرتا ہے اور انجام اس کا دل کی ایذا ہے تو اسی لئے اس ایذا کے دور کرنے کی تدبیر یہی ہے کہ آگاہی نرمی سے کی جائے مثلاً دیہاتی مذکور سے یوں کہا جائے کہ بھائی آدمی پڑھا پڑھایا پیدا نہیں ہوتا ہم بھی نماز کے مسائل سے جاہل تھے مگر علماء نے ہم کو بتلا دیئے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گاؤں میں کوئی عالم نہیں یا اسکا عالم نماز کی شرح اور توضیح سے قاصر ہے ہم کو علماء نے یوں سکھایا ہے کہ نماز بین رکوع اور سجدہ کے اندر اطمینان حاصل ہونا شرط ہے بدون اس کے نماز نہیں ہوتی تم بھی اس کو یاد کرلو اور اسی طرح اس کے ساتھ نرمی برتے تا کہ آگاہی بدون ایذا کے حاصل ہو کہ ایذا دینا مسلمان کا حرام ہے اور ممنوع ہے جیسے اس کو منکر پر جمارکھنا ممنوع ہے اور ایسا غافل کوئی نہیں جو خون کو خون سے یا پیشاب سے دھودے تو جو کوئی منکر پر سکوت کرنے کے خطرے سے اجتناب کرکے آگاہ ایسی طرح کرے گا کہ اس سے مسلمانوں کو ایذا ہو باوجودیکہ ایذاء کی ضرورت نہ ہو تو وہ خون کو خون سے یا پیشاب سے دھووے گا اور چاہیئے یوں کہ پانی سے دھووے کہ کسی طرح کا دھبا یا نجاست نہ رہے اور جب دوسرے کی خطا امر دین کے سوا کسی اور بات میں ظاہر ہو تو اس کو رد کرنا نہ چاہیئے اس لئے کہ وہ تم سے بات کی بات سیکھے گا اور دشمن ہو جائے گا ہاں جب یہ جانو کہ وہ شخص علم کو غنیمت جانے گا تو کچھ مضائقہ نہیں اور ایسا شخص نہایت کمیاب ہے تیسرا درجہ وعظ ونصیحت سے

منع کرنے کا اور خدا تعالیٰ کا خوف دلانے کا ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو منکر کو منکر جان کر اس کے مرتکب ہوں یا اس پر اصرار کرے جیسے کوئی شخص شراب خوری یا ظلم یا مسلمانوں کی غیبت یا اور ایسی ہی بات پر مداومت کرے تو اس کو نصیحت کرنا چاہیئے اور خدائے تعالیٰ سے ڈرانا چاہیئے اور اس کے سامنے وہ حدیثیں پڑھنی چاہئیں جن میں ان افعال کے مرتکب پر وعید آئی ہے اور اکابر سلف کی عادت اور متقیوں کی عبادات کا حال سنانا چاہیئے اور یہ سب باتیں مشفقت اور نرمی سے ہوں درشتی اور غصہ سے نہوں بلکہ اس پر ترس کی نگاہ سے نظر کرنا اور اسکی معصیت میں مبتلا ہونے کو اپنی معصیت میں مبتلا ہونے کو اپنی معصیت سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ سب مسلمان مثل ایک نفس کے ہیں اور یہاں ایک آفت بہت بڑی ہے اس سے بھی احتراز ضرور ہے کہ وہ مہلک ہے تو عجب نہیں کہ آگاہ کرنے سے اس کا مقصود یہی ہو کہ شرف علم سے اپنی شیخی اور امتیاز ظاہر کرے اور دوسرے کو منسوب بجہالت کرنے سے ذلیل ٹھہرادے تو اگر نیت یہی ہو تو یہ برائی اس سے بڑھ کر ہے جس کے دور کرنے کے درپے ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اپنے آپ کو جلا کر دوسرے کو آگ سے بچائے اور یہ امر نہایت درجہ کی جہالت ہے اور اسی میں لوگوں کے قدم لغزش کر جاتے ہیں سخت ہولناک آفت ہے اور شیطان کا عجیب جال ہے کہ ہر کوئی اس میں پھنس جاتا ہے مگر جس کو اللہ تعالےٰ اپنے نفس کے عیبوں پر مطلع کر دیتا ہے اور نور ہدایت سے اس کی چشم بصیرت کھول دیتا ہے وہ البتہ اس آفت سے محفوظ رہتا ہے ورنہ غیر پر حکومت کرنے میں دو وجہ سے بڑی لذت ہوتی ہے اوّل تو علم کا فخر اور دوسرے پر حکومت اور غلبہ کا ناز کہ اس کا انجام نمود اور طلب جاہ پر ہے اور یہ خواہش خفی ہے جس کا مقتضاء شرک خفی ہوتا ہے لیکن اس کے امتحان کی ایک کسوٹی ہے محتسب کو چاہیئے کہ اس سے اپنے نفس کا امتحان کرلے اور اس آفت سے محفوظ رہے وہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک دوسرے شخص کا خود بخود منکر کو ترک کر دینا یا کسی دوسرے محتسب کے سمجھانے سے اس برائی سے باز آنا اس کی نسبت کہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میری ہی حسبت سے رو براہ ہو پس اپنے کو دیکھے اگر حسبت کرنا اس پر شاق اور گراں ہو اور یہ چاہتا ہو کہ کسی طرح دوسرا شخص اس کو سمجھاتا تو میں بچ جاتا تب حسبت کرنی چاہیے کہ اس صورت میں حسبت کا سبب دین ہی ہے اور اگر نفس میں یہ بات پاوے تو وہ عاصی خاص میرے ہی وعظ سے منکر چھوڑے اور اپنی حسبت دوسرے کی حسبت سے محبوب جانے تو اس صورت میں وہ محتسب اپنی خواہش نفس کا متبع ہے اور حسبت کے ذریعہ سے جاہ کا حاصل کرنا اور ظاہر کرنا چاہتا ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور پہلے نفس پر حسبت کرے اور ایسی ہی صورت میں اس کو وہ خطاب ہوگا جو حضرت عیسیٰ کو ہوا تھا کہ اے ابن مریم اپنے نفس کو نصیحت کر اور جب وہ نصیحت مان لے تو لوگوں کو نصیحت کر ورنہ مجھ سے حیا کر اور حضرت داؤد طائی کے

کسی نے کہا کہ یہ فرمایئے کہ اگر کوئی شخص ان امیروں کے پاس جائے اور امر معروف اور نہی منکر ان کو کرے تو آپ کی کیا رائے ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں اس کے کوڑے نہ لگیں سائل نے کہا محتسب اس بات سے قوی ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس پر تلوار کا خوف ہے اس نے کہا کہ وہ اس سے بھی زبردست ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس پر مرض مخفی شیخی کا ڈر ہے۔ **چوتھا درجہ**:۔ سخت وسست کہنے اور الفاظ درشت بولنے کا ہے اور اس کی ضرورت اس وقت ہے کہ نرمی سے کام نہ چلے ورنہ جب تک نرمی سے کام نکلے سختی کی حاجت نہیں بقول سعدی ؎

چو کارے برآید بہ لطف وخوشی چہ حاجت بہ تندی وگردن کشی

غرض کہ جب نرمی سے منع کرنا نہ بن پڑے اور علامات اصرار ظاہر ہوں اور وعظ ونصیحت سے تمسخر ہونے لگے تب سختی پر کار بند ہونا چاہئے جیسے حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ اُفٍ[ت۱] لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون اور ہماری غرض الفاظ درشت سے نہیں کہ فحش بکے جس میں نسبت زنا یا اس کے مقدمات کی ہو اور نہ یہ کہ جھوٹ بولے بلکہ یہ مقصود ہے کہ ایسے الفاظ سے اس کو خطاب کرے جو فحش نہ گنے جاتے ہوں جیسے یوں کہنا کہ او جاہل او احمق او فاسق کیا تجھ کو خوف خدا نہیں یا یوں کہنا او دیہاتی او مدہوش یا اور جو اسی قسم کا لفظ ہو کیونکہ جو برا کام کرے گا وہ احمق اور جاہل ہے اگر بیوقوف نہ ہوتا تو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کیوں کرتا بلکہ جو صاحب کیاست نہیں وہ احمق ہے اور صاحب کیاست وہ ہے جس کی کیاست کی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے[ح۲] الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ اور اس مرتبہ کے دو ادب ہیں اوّل یہ کہ اس کو جبھی اختیار کرے کہ نرمی سے سمجھانے سے عاجز ہو اور درشتی ہی کی حاجت پڑے دوسرے یہ کہ سچ کے سوا کچھ نہ کہے اور زبان کو مطلق العنان نہ کر دے کہ بہت سی باتیں کہتا چلا جائے جن کی ضرورت نہ ہو بلکہ مقدار حاجت پر اکتفا کرے اور اگر جانے کہ میرے ان کلمات درشت کے کہنے سے وہ باز نہ آئے گا تب کچھ کہنا ہی نہ چاہئے بلکہ غصہ ظاہری اور اس کو حقیر جاننے اور معصیت کے عیب سے بقدر سمجھنے پر کفایت کرے اور اگر جانے کہ اس کو اگر نصیحت کروں گا تو پٹوں گا اور اگر تیوری چڑھاؤں گا اور نفرت ظاہر کروں گا تو نہیں پٹوں گا تو اس صورت میں فقط دل سے انکار کرنا کافی نہ ہوگا بلکہ لازم ہوگا کہ اس سے منہ بگاڑے اور ترش روئی ظاہر کرے۔

ت ۱:۔ بیزار ہوں میں تم سے اور تم جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا تم کو سوجھ نہیں ۱۲ - ح۲ دانا وہ ہے جس کا نفس منقاد ہو اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کا اتباع اس کی خواہش میں کرے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹا چاؤ کرے ترمذی وابن ماجہ بروایت شداد بن اوس ۱۲

پانچواں درجہ۔ منکر کو ہاتھ سے بگاڑ دینے کا ہے اس طرح کہ مثلاً آلات لہو کو توڑ دے اور شراب کو بہا دے اور حریر کو اس کے سر یا بدن سے اتار لے اور حریر پر بیٹھنے نہ دے اور دوسرے کے مال پر بیٹھنے سے ہٹا دے اور مکان مغصوب میں سے پاؤں پکڑ کر نکال دے اور حالت جنابت میں اگر مسجد میں بیٹھا ہو تو کان پکڑ کر نکال دے اور جو ایسی ہی صورتیں ہوں اور یہ درجہ بعض معصیتوں میں تو ممکن ہے اور بعض میں نہیں ہو سکتا مثلاً زبان اور دل کی معصیتوں کا ہاتھ سے بگاڑ دینا نہیں ہو سکتا اسی طرح جو معصیت کہ عاصی کے نفس پر اور اس کے اعضاء باطنی پر منحصر ہو سب کا یہی حال ہے اور اس درجہ میں دو ادب ہیں یہ کہ منکر کو اپنے ہاتھ سے اسی وقت بدلے جب منکر کے مرتکب سے اس معصیت کو بزور ترک نہ کرا سکے مثلاً جو شخص مکان مغصوب میں یا مسجد میں بحالت جنابت ہے تو اگر یہ ممکن ہو کہ دباؤ سے وہ خود چلا جائے تو اس کو دھکا دینا اور گھسیٹنا نہ چاہیئے اسی طرح یہ ممکن ہو کہ دباؤ سے مجرم خود شراب گرا دے اور آلات لہو توڑ ڈالے اور حریر کی سیون ادھیڑ دے تب تک محتسب کو یہ باتیں اپنے ہاتھ سے نہ کرنی چاہئیں اس لئے کہ توڑنے کی اس سے باز پرس نہ ہوگی دوسرا باب یہ ہے کہ بگاڑنے میں مقدار حاجت پر کفایت کرے زائد از ضرورت کو روا نہ رکھے مثلاً باہر نکالنے میں مجرم کی داڑھی یا پاؤں پکڑ کر نہ گھسیٹے جس صورت میں کہ ہاتھ پکڑ کر نکال سکتا ہو اس لئے کہ اس باب میں زیادتی ایذاء کی کچھ ضرورت نہیں یا حریر کے کپڑے کو اگر دیکھے تو اس کو چیر نہ ڈالے بلکہ اس کی سیونیں ادھیڑ دے اور آلات لہو کو جلا دے نہیں بلکہ ایسی طرح توڑ دے کہ اس کام کے نہ رہیں اور توڑنے کی حد یہ ہے کہ ان کی مرمت میں اسی قدر مشقت پڑھے جس قدر نیا بنانے میں ابتداء ہوتی ہے اور صلیب جو نصاریٰ ظاہر کریں اس کو بھی جلانا نہ چاہیئے توڑ دینا کافی ہے اور شراب کے بہانے میں اگر کوئی تدبیر برتنوں کے بچاؤ کی ہو تو برتن نہ توڑے اور اگر اس کے سوا اور کچھ نہ بن پڑے کہ پتھر مار کر برتن کو توڑ ڈالے تو اس کو پتھر مارنا درست ہے اور برتنوں کی قیمت شراب کے سبب سے ساقط ہو گئی کیونکہ شراب کے بہانے میں وہی حائل تھے اگر شرابخور بالفرض اپنے بدن سے شراب چھپاتا تو ہم کو شراب گرانے کے لئے اس کے بدن کو زخمی کرنا پڑتا تو برتن کچھ اس کے نفس سے بڑھ کر نہیں کہ ان کی قیمت ساقط نہ ہو اور اگر شراب تنگ منہ کے شیشوں میں ہو اور اگر یہ ہر ایک کو بہاتا ہے تو دیر زیادہ لگتی ہے اور اس عرصہ میں بدکار اس کو پکڑ پائیں گے اور پھر بہانے نہ دیں گے تو اس کو جائز ہے کہ شیشے توڑ ڈالے کیونکہ یہ عذر ہے اور اگر یہ کھٹکا تو نہیں کہ بدکار پکڑ پاویں مگر ان کے بہانے میں دیر کے ہونے سے اپنے کاموں میں حرج ہوتا ہو تو اس صورت میں بھی اس کو توڑ ڈالنا شیشوں کا درست ہے کیونکہ اس پر یہ واجب

نہیں کہ اپنے بدن کا نفع اور دوسرے کام شراب کے برتنوں کی خاطر تلف کر دے اور جس صورت میں کہ شراب کا بہانا بدون برتن توڑنے کے ممکن تھا مگر اس نے بلا عذر اس کو توڑ ڈالا تو اس پر تاوان آوے گا یعنی برتنوں کی قیمت دینی پڑے گی اب اگر یہ کہو کہ برتنوں کا توڑنا تنبیہ اور زجر کے لئے درست کیوں نہ ہوا اسی طرح مکان مغصوب میں سے پاؤں پکڑ کر گھسیٹنا کیوں جائز نہیں یہ صورت تو زجر میں زیادہ تر مبالغہ کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زجر آئندہ کے لئے ہوتا ہے اور سزا گذشتہ پر ہوا کرتی ہے اور فی الحال کے منکر سے ہٹانا اور دفع کرنا ہوتا ہے تو رعیت کے لوگوں کو بجز دفع کے اور کوئی اختیار نہیں یعنی اگر منکر موجود پائیں تو اس کو معدوم کر دیں اور منکر کے معدوم کرنے سے سوا جو بات زائد کریں گے وہ یا تو جرم سابق کی سزا ہوگی یا آئندہ کے جرم سے زجر ہوگا اور سزا اور زجر حاکموں کا کام ہے نہ رعیت کا اور حاکم اگر مصلحت ان امور میں دیکھے تو اس کو ان کے کرنے کا اختیار ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ حاکم کو جائز ہے کہ برتنوں کو زجر کرنے کے لئے توڑنے کا حکم دیدے اور یہ بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زجر کی تاکید کے لئے کی گئی تھی ۔ اور اس کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہاں یہ البتہ ہے کہ اس وقت حاجت زجر کی اور عادت بد کو چھڑانے کی سخت تھی تو اب بھی اگر حاکم اپنے اجتہاد سے ویسی ہی حاجت دیکھے تو اس کو بھی ویسا ہی کرنا جائز ہے اور چونکہ اس میں اجتہاد دقیق کا کام پڑتا ہے اس لئے زجر اور سزا رعیت کے اختیار میں نہیں کی گئی اب اگر یہ کہو کہ جس صورت میں رعیت کو ایسا اختیار نہیں تو بادشاہ کو جائز ہونا چاہئے کہ لوگوں کو معاصی سے زجر کرنے کے لئے ان کے مال تلف کر ڈالے اور جن مکانوں میں وہ شراب پیتے ہیں یا اور معصیت کرتے ہیں ان کو اجاڑ ڈالے اور جو اموال کے ذریعہ معاصی ہوں ان کو پھونک دے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند زجر کے شریعت میں وارد ہونے کی جہت سے اس طرح کا زجر خارج از مصلحت تو نہیں مگر ہم مصلحتوں کو اپنی طرف سے ایجاد نہیں کرتے بلکہ ان میں اتباع پہلے لوگوں کا کرتے ہیں اور شدت حاجت کے وقت شراب کے برتنوں کا توڑنا ثابت ہے اور بعد اس کے شدت حاجت نہ ہونے سے نہ توڑنا پہلے حکم کا ناسخ نہیں بلکہ حکم علت کے جاتے رہنے سے جاتا رہے گا اور جب علت موجود ہوگی حکم بھی پھر آوے گا اور ہم نے امام کے لئے جو اس کو جائز رکھا تو اتباع ہی کے جہت سے ہے اور رعیت کے لوگوں کو اس لئے منع کیا کہ اس میں اجتہاد کی وجہ پوشیدہ ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اول شراب بہا دیجائے تو اس کے بعد اس کے برتنوں کا توڑنا جائز نہیں کیونکہ ان کا توڑنا صرف شراب کی تبعیت سے ہے اور جب وہ شراب سے خالی ہیں تو ان کا توڑنا مال کا تلف کرنا ہے لیکن اگر شراب میں رچے ہوں کہ اس کے سوا اور کسی قابل نہ ہوں تب البتہ توڑنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ فعل

توڑنے کا جو قرن اول سے منقول ہے اس کی دو وجہیں تھیں اول تو زجر کی حاجت شدید ہونی دوسرے برتنوں کا شراب کے تابع ہونا جنمیں وہ بھری ہوئی تھی تو توڑنے میں ان دونوں باتوں کی تاثیر ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کو یا دونوں کو حذف کر دیا جائے اور دو وجہوں کے سوا تیسری وجہ یہ ہے کہ اس فعل کا صدور صاحب امر کی رائے سے ہو اس لئے کہ اس کو معلوم ہو رہتا ہے کہ زجر کی حاجت شدید کب ہوتی ہے اور یہ وجہ بھی قابل لغو کرنے کے نہیں پس ان دقائق فقہیہ کے پہچاننے کی محتسب کو قطعاً ضرورت پڑتی ہے **چھٹا درجہ** دھمکانا اور ڈرانا ہے جیسے یوں کہے کہ اس کام کو ترک کرو ورنہ تیرا سر توڑ دوں گا یا دھول لگاؤں گا یا کسی سے پٹواؤں گا یا اور اسی طرح کے الفاظ سے بشرط امکان پہلے کہدیا کرے اور اس درجہ میں ادب یہ ہے کہ جس بات کو کر نہ سکے اس سے دھمکا دے بھی نہیں مثلاً یوں کہنا کہ تیرا مکان لوٹ لوں گا یا تیرے لڑکے کو پیٹوں گا یا تیری بی بی کو قید کر لوں گا اور جو باتیں اس کے مثل ہوں بلکہ ایسے الفاظ اگر پختہ ارادہ سے کہے گا تب تو حرام ہیں اور بدون پختہ ارادہ کے جھوٹ ہیں ہاں اگر عاصی ان دھمکیوں کو کچھ نہ سمجھے تو ایسی باتوں پر اس درجہ تک پختہ ارادہ کرنا چاہیئے جہاں تک کہ مقتضائے حال اور مصلحت وقت ہو اور محتسب کو جائز ہے کہ جتنا اس کا قصد باطن میں ہو وعید میں اس سے کچھ بڑھا کر کہے بشرطیکہ یہ جانے کہ اس طرح کا وعید اس جرم کی جڑ کھود دے گا اور مجرم کو قرار واقعی روک دے گا اور یہ زیادہ اس جھوٹ میں نہیں جو ممنوع ہے بلکہ ایسی باتوں میں مبالغہ کا دستور ہے اور اس مبالغہ کو ایسا جانو جیسا کوئی شخص دو آدمیوں میں صلح کرانے کو مبالغہ سے کچھ کہدے یا دوستوں سے ان کی سی بات مبالغہ کے طور پر کہدے اور اس قدر مبالغہ کی اجازت ہے کیونکہ حاجت پڑتی ہے اور یہ صورت بھی ویسی ہی ہے کیونکہ محتسب کا قصد بھی مجرم کی اصلاح کا ہے اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایسی چیز کا وعید فرمائے جس کو کرے نہیں تو کچھ قباحت نہیں اس لئے کہ عذاب کے وعدہ کو پورا نہ کرنا کرم ہے ہاں قباحت اس میں ہے کہ وہ وعدہ کرے ایسی چیز کا جس کو نہ کرے اور یہ قول ہمارے نزدیک پسند نہیں اس لئے کہ کلام الٰہی قدیم ہے اس میں خلاف کو دخل نہیں خواہ وعدہ ہو یا وعید البتہ یہ بات بندوں کے حق میں ہو سکتی ہے اور سچ بھی ہے کیونکہ وعید میں خلاف کرنا کچھ حرام نہیں۔ **ساتواں درجہ** ہاتھ اور پاؤں وغیرہ سے زدوکوب کرنے کا ہے بدون ہتھیار نکالنے کے اور بشرط ضرورت یہ امر رعیت کے لوگوں کو بھی درست ہے اور قدر حاجت پر اکتفا کیا جائے یعنی جب منکر دفع ہو جائے تو مار پیٹ سے ہاتھ روکنا چاہئے اور اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے مدعا علیہ پر حق ثابت ہو جاتا ہے تو قاضی ادائے حق تک اس کو قید رکھتا ہے اگر وہ نادہندگی پر اصرار کرتا ہے اور قاضی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حق کے ادا

پر قادر ہے مگر عناد اور ہٹ دھرمی سے نہیں دیتا تو اس کو اختیار ہے کہ بتدریج بقدر حاجت اس کو پٹوا کر حق دلوا دے اسی طرح محتسب بھی جتنی مار کی ضرورت جانے اس سے زیادہ نہ بڑھے اور اگر محتسب کو ضرورت ہتھیار کشی کی پڑے اور ہتھیار کشی اور زخم رسانی سے منکر کو دفع کر سکتا ہو تو اس کو جائز ہے کہ ایسا کرے بشرطیکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو مثلاً ایک فاسق کسی عورت کو پکڑے ہوئے ہے یا مزنار بجاتا ہے اور اس کے اور محتسب کے درمیان میں نہر حائل یا کوئی دیوار و خندق مانع ہے تو محتسب اپنی بندوق لے کر کہے کہ اس کو چھوڑ دے ورنہ گولی مارتا ہوں اگر وہ نہ چھوڑے تو جائز ہے اس کے گولی مارے مگر چاہئے کہ پنڈلی اور ران پر مارے ایسی جگہ نہ مارے جس سے وہ مر ہی جائے بلکہ تدریج کا لحاظ اس میں بھی رہے اسی طرح تلوار کا موقع ہو تو تلوار کو سونت کر اس منکر کو ترک کر ورنہ ایک ہاتھ لگاتا ہوں تو یہ سب باتیں منکر کے دفع ہونے کی ہیں اور اس کا دفع کرنا جس طرح سے ممکن ہو واجب ہے اس میں یہ فرق نہیں کہ وہ منکر خاص اللہ تعالیٰ کے حق سے متعلق ہو یا آدمیوں کے حق سے اور فرقہ معتزلہ کا قول یہ ہے کہ جو چیز آدمیوں سے علاقہ نہ رکھے اس میں حسبت نہیں بجز تقریر زبانی یا زدوکوب کے اور یہ بھی امام کو جائز ہے نہ رعیت کے لوگوں کو۔

آٹھواں درجہ یہ ہے کہ محتسب خود ہتھیار کھینچنے پر قادر نہ ہو اور اس بات کا محتاج ہو کہ کچھ طرفدار جمع ہو کر ایسا کریں اور عجب نہیں کہ فاسق بھی اپنے مددگاروں سے کمک مانگے اور انجام یہ ہو کہ دو طرفہ سے صف کشی ہو کر آپس میں کشت وخون کریں۔ تو اس درجہ میں اختلاف ہے کہ یہ بھی امام کے اذن کا محتاج ہے یا نہیں بعض کا قول تو یہ ہے کہ رعیت کے لوگ اس کے لئے مستقل نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اس سے انجام فتنوں کی تحریک اور فساد کا جوش مارنا اور شہروں کا خراب ہونا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ امام کے اذن کی حاجت نہیں اور قرین قیاس یہی قول ہے کہ خیر ہے کیونکہ جس صورت میں رعیت کے لوگوں کو امر بالمعروف سے اول درجہ تعریف اور دوم درجہ یعنی وعظ ونصیحت جائز ہے تو چونکہ اول درجہ دوم کی طرف کھینچتا ہے اور دوم سوم کی طرف تو آخر کو ضرور نوبت مار پٹائی کی ہوگی اور آپس میں مار کوٹ اپنے اپنے طرفداروں سے مدد لینے کو چاہتی ہے تو امر بالمعروف سے جو کچھ ہونا ہو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے کیونکہ غایت اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں اس کی نافرمانیوں کے دور کرنے کے لشکر جمع کرنا ہوگا تو اس میں کیا قباحت ہے جیسے ہم یہ جائز کہتے ہیں کہ غازی خود جمع ہو کر کفر کی بیخ کنی کے لئے کفار کے جس فرقہ سے چاہیں لڑائی کریں اسی طرح اہل فساد کی بیخ کنی بھی جائز ہے اس واسطے کہ مناسبت ہر طرح سے ہے یعنی کافر کے مار ڈالنے کا مضائقہ نہیں اور مسلمان اگر مارا جائیگا تو شہید ہے اسی طرح فاسق جو اپنے فسق کی پچ کیلئے لڑتا ہے اسکے مار ڈالنے کا کچھ مضائقہ نہیں اور محتسب جو حق پر ہو ظلماً مارا جائیگا تو شہید ہوگا حاصل یہ کہ حسبت میں اس درجہ تک نوبت پہنچے تو نہایت بکثرت پایا ہے اس لئے اسکے واسطے قیاس

کا قانون بدلا نہ جائے گا بلکہ یوں کہا جائے کہ جو شخص دفع منکر پر قادر ہو اس کو چاہیئے کہ منکر کو اپنے ہاتھ سے دور کرے خواہ ہتھیار سے اور خود دور کرے یا مددگاروں کے زور سے تو غرض اس مسئلہ میں وہی احتمال ہوں گے جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔ یہ حسبت کے درجات تھے جو بیان ہوئے اب ہم حسبت کے آداب ذکر کرتے ہیں۔

محتسب کے آداب

آداب کی تفصیل تو ہم ہر ایک ادب کے ذیل میں لکھتے آئے ہیں مگر اب ان کو ایک جا اور ان کا منشا لکھتے ہیں واضح ہو کہ محتسب کے سب آدابوں کا منشاء تین صفتیں ہیں محتسب کے اندر ایک علم دوسرے ورع تیسرے حسن خلق علم اس لئے کہ حسبت کے مقامات اور حدود اور موانع کو جانے تاکہ حد شریعت پر اس باب میں اکتفا کرے اور ورع اس لئے تاکہ جو کچھ اس کو معلوم ہو اس کی مخالفت نہ کرے کیونکہ ہر ایک عالم اپنے علم کے بموجب عمل نہیں کیا کرتا ہے تو لوگ بلکہ اکثر جان لیتا ہے کہ میں حسبت میں اس حد سے بڑھا ہوا ہوں جسکی شریعت سے اجازت ہے اور سراسر میری زیادتی ہے مگر پھر کبھی غرض کے لئے حسبت کرتا ہے تو ورع کے ہونے سے یہ بات نہ رہے گی محتسب کو ایسا ہونا چاہیئے کہ اس کی تقریر و نصیحت مقبول ہو کیونکہ فاسق اگر حسبت کرتا ہے تو لوگ اس پر ہنستے ہیں اور اس وجہ سے اس پر گستاخی بھی کرتے ہیں اور حسن خلق اس لئے کہ اس کے باعث سے ملائمت اور نرمی اختیار کرے جو اس بات میں اصل ہے اور علم اور ورع اس میں کافی نہیں کیونکہ جب غصہ جوش کرتا ہے تو صرف علم اور ورع اس کی بیخ کنی میں کافی نہیں ہوتے جب تک کہ طبیعت میں حسن خلق نہ ہو اور واقعی ورع کامل جبھی ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ حسن خلق اور شہوات و غضب کی قدرت ہو اور محتسب ایسے ہی ضبط سے دیندار اور حمایتی اللہ تعالیٰ کے دین کا ہوگا ورنہ جب کوئی آفت گالی یا مار کی اس کی آبرو یا جان و مال پر پڑے گی حسبت کو بھول اور دین الٰہی سے غافل ہو اپنی جان کی فکر میں مشغول ہوگا بلکہ بعض اوقات ابتداء حسبت اس لئے کرتا ہے کہ نام اور جاہ حاصل ہو۔ غرض کہ ان تین صفتوں کے باعث حسبت ثواب ہوتی ہے اور اس سے منکر بھی دور ہوتا ہے اور اگر یہ صفتیں نہیں ہوتی تو منکر بھی نہیں مٹتا بلکہ عجب نہیں کہ کسی صورت میں خود حسبت ہی منکر ہو کر حد شریعت سے گذر جائے اور ان آداب پر آنحضرتؐ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ امر معروف اور نہی منکر وہی کرے جو نرمی برتے امر کرنے میں اور نرمی برتے منع کرنے میں بردبار ہو امر کرنے میں بردبار ہو نہی کرنے میں فہیم ہو منع کرنے میں اور اس سے معلوم ہوا کہ مطلق فہیم ہونا شرط نہیں بلکہ امر و نہی کرنے میں فہیم ہونا شرط ہے اور یہی حال بردباری

ح ۱- اس کی سند الفاظ احیاء سے مجھکو نہیں ملی مگر بیہقی نے شعب میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نقل کیا ہے کہ جو شخص اچھی بات کا حکم کرے چاہیئے کہ اس کا حکم منقول طور پر ہو ۱۲۔

کا ہے۔ اور حسن بصری ؒ نے فرمایا ہے کہ جب تم ان لوگوں میں سے ہو جو امر بالمعروف کریں تو اول سب سے زیادہ معروف کو تم اختیار کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ کسی نے کہا ہے

قطعہ:۔ نہ دوسروں کو کرے طعن ایسے کاموں پر کہ جنکی مثل میں خود ہووے مبتلا انسان
کہ جو کوئی کرے اک چیز کو برا کہکر تو عقل سے اسے بہرہ نہیں وہ ہے نادان

اور ہماری اس سے یہ مراد نہیں کہ فسق کے سبب سے امر بالمعروف منع ہو جاتا ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ فاسق کے کہنے کا اثر اس کے فسق ظاہر ہونے سے لوگوں کے دلوں پر نہیں ہوتا ورنہ امر بالمعروف میں یہ ضرور نہیں کہ سب معاصی سے اجتناب کرے تو امر بالمعروف کرے اس لئے کہ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہم امر بالمعروف نہ کریں جب تک سب اپنی باتوں پر خود عامل نہ ہولیں اور بری بات سے منع نہ کریں جب تک سب برائیوں سے اجتناب نہ کرلیں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ امر بالمعروف کرو گو سب معروف پر خود عمل نہ کرو اور منکر سے نہی کرو گو سب منکرات سے خود اجتناب نہ کرو اور بعض اکابر سلف نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب تم میں سے کوئی امر بالمعروف کا ارادہ کرے تو چاہیئے کہ اپنے دلمیں صبر کرنا ٹھان لے اور اللہ تعالیٰ کے ثواب پر وثوق کرے کہ جو کوئی ثواب الٰہی پر وثوق کرتا ہے اس کو ایذا کی تکلیف نہیں معلوم ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ منجملہ آداب حسبت کے صبر کرنا بھی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف کے پاس ہی صبر کو ذکر فرمایا چنانچہ حضرت لقمان کا قول اس طرح نقل فرمایا[ت] یا بنی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابك اور ایک ادب یہ ہے کہ علاقہ دنیاوی کم کر دے تاکہ حسبت میں خوف بہت اور خلق سے طمع منقطع کر دے تاکہ مداہنت کا مضمون باقی نہ رہے جیسے کسی بزرگ کا حال لکھا ہے کہ اس کے یہاں ایک بلی تھی اور اس کے لئے اپنے ہمسایہ کے قصائی سے ہر روز کچھ چھیچھڑے لیا کرتے تھے ایک روز اس قصائی پر کوئی منکر دیکھا تو گھر میں جاکر اول بلی کو نکال آئے پھر اس قصائی کو اس برائی سے منع کیا اس نے کہا کہ اب آئندہ کو آپ کی بلی کے لئے کچھ نہ دوں گا انہوں نے فرمایا کہ میں نے تجھ پر حسبت جبھی کی ہے کہ بلی کو نکال چکا ہوں اور تجھ سے طمع قطع کر دی ہے اور حقیقت میں ان کا قول ٹھیک ہے کیونکہ جو شخص خلق سے طمع قطع نہ کرلے گا اس سے حسبت نہ ہو سکے گی اور جس کو یہ طمع ہو کہ لوگوں کے دل میری طرف سے اچھے رہیں اور میری تعریف میں سب کے سب رطب اللسان ہوں تو اس سے کیسے حسبت بن سکے گی حضرت کعب احبار نے ابو مسلم خولانی سے پوچھا کہ تمہاری منزلت تمہاری قوم میں کیسی ہے انہوں نے کہا اچھی

ح طبرانی در صغیر و اوسط اور اس کی سند میں عبد القدوس ابن حبیب متروک ہے اجماعاً ۱۲۔
ت ۱ے میرے بیٹے نماز قائم کر اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے روک اور جو تجھ کو پہنچے اس پر صبر کر۔

ہے آپ نے فرمایا کہ توریت تو یوں کہتی ہے کہ جب آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اس کی منزلت اس کی قوم میں بری ہوتی ہے ابو مسلم نے جواب دیا کہ توریت سچ کہتی ہے کہ جب آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اس کی منزلت اس کی قوم میں بری ہوتی ہے جس سے مامون استدلال کیا تھا یعنی جب ایک واعظ نے اس کو نصیحت کی اور کلام درشت کیا تو مامون نے کہا کہ میاں صاحب نرمی سے گفتگو کرو دیکھو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو تم سے بہتر تھے فرعون کے پاس بھیجا جو مجھ سے بدتر تھا مگر ان کو نرمی کے لئے ارشاد کیا اور فرمایا فقولا لہ قولاً لینا لعلہ یتذکر او یخشی پس محتسب کو نرمی کے باب میں انبیاء علیہم السلام کی پیروی چاہیئے چنانچہ حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ ایک جوان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا آپ مجھ کو زنا کی اجازت دیتے ہیں لوگوں نے اس کو للکارا آپ نے فرمایا کہ اس کو ٹھہرنے دو پھر فرمایا کہ قریب آوہ قریب ہوا حتیٰ کہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا آپ نے فرمایا کہ بھلا زنا کو تو اپنی ماں کے لئے پسند کرے گا اس نے عرض کیا کہ نہیں خدائے تعالیٰ مجھکو آپ پر قربان کرے آپ نے فرمایا کہ مردوں کا یہی کام ہے کہ زنا اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے بھلا تو اپنی بیٹی کے واسطے اس کو پسند کرے گا اس نے کہا نہیں خدائے تعالیٰ مجھ کو آپ پر فدا کرے فرمایا کہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں کہ زنا کو اپنی بیٹیوں کے لئے نہیں پسند کرتے بھلا تو اپنی بہن کے واسطے پسند کرے گا اور ابن عوف نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ آپ نے پھوپھی اور خالہ کا اسی طرح ذکر فرمایا اور وہ ہر ایک کے باب میں وہی جواب دیتا تھا جو اوپر گذرا اور آپ ہر بار فرماتے تھے کہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں کہ زنا کو پسند نہیں کرتے اور ابن عوف اور ابی امامہ دونوں نے متفق بیان کیا کہ پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس جوان کے سینے پر رکھا اور فرمایا کہ الٰہی تو اس کا دل صاف کر اور اس کا گناہ معاف کر اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ رکھ راوی کہتا ہے کہ پھر کوئی چیز اس شخص کے نزدیک زنا سے بری نہ تھی اور فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا کہ سفیان بن عیینہؒ سلطان کے انعام قبول فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے حق سے تو کم ہی لیتے ہیں پھر سفیان بن عیینہؒ کو علیحدہ لے گئے اور زجر و ملامت کی اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے گروہ علماء تم شہروں میں چراغ تھے جن سے لوگ نور حاصل کرتے تھے اب تم تاریکی و ظلمت بن گئے تم ستارہ تھے جن سے لوگوں کو ہدایت تھی اب تم باعث حیرت ہو گئے پھر کوئی شرم نہیں کرتا کہ ان امراء کا مال لیتا ہے اور تم کو معلوم ہے کہ یہ مال ان کے پاس کہاں سے آتا ہے پھر اپنی کمر تکیہ سے لگا کر کہتا ہے کہ حدثنی فلاں عن فلاں سفیان نے سر اٹھا کر آہ آہ کہا اور یہ بیان کیا کہ سبحان اللہ اے ابو علی اگر ہم نیکبختوں میں نہیں تو ان سے محبت ضرور رکھتے ہیں اور حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ صلۃ ابن اشیمؒ کے پاس کوئی شخص گذرا جس کا پاجامہ نیچے لٹکا

ف ۳ سو کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا ڈرے ۱۲ ح احمد نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲

ہوا تھا ان کے مریدوں نے چاہا کہ اس کے ساتھ یہ سختی پیش آئیں آپ نے فرمایا کہ یہ کام میرے سپرد کر دیں میں تم کو اس تردد سے بچا دوں گا آپ نے اس کے قریب جا کر فرمایا کہ بھتیجے مجھ کو تم سے کچھ مطلب ہے اس نے کہا چچا جان وہ کیا ہے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنا پاجامہ خود اونچا کر لو اس نے کہا کہ بہت بہتر اور فوراً اونچا کر لیا پھر آپ نے مریدوں سے کہا کہ اگر تم اس کے ساتھ سخت گیری کرتے تو یہ انکار کر دیتا اور تم کو برا بھلا کہتا اور محمد بن ذکریا غلابی کہتے ہیں کہ ایک رات عبداللہ بن محمد بن عائشہ کے پاس گیا وہ مغرب پڑھ کر اپنے مکان کو آتے تھے دیکھا تو اثنا راہ میں ایک قریش کا گبرو متوالا کھڑا ہے ایک عورت کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہے اور اس نے فریاد چاہی لوگ جمع ہو کر اس جوان کو مارنے لگے ابن عائشہ نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا اور لوگوں سے کہا کہ میرے بھتیجے کے پاس سے علیحدہ ہو پھر اس کو اپنے پاس بلایا وہ شرما کر پاس آیا آپ نے اس کو چھاتی سے لگایا اور کہا کہ میرے ساتھ چل یہاں تک کہ اپنے مکان میں لے گئے اور کسی خادم سے کہہ دیا کہ اس کو اپنے پاس سولائے جب اس کا نشہ اترے تو جو حرکت اس سے ہوئی ہے اس پر اس کو آگاہ کرنا اور جانے مت دینا جب تک کہ میرے پاس نہ لاوئے پس جس وقت اس شخص کا نشہ اترا تو خادم نے اس کا حال اس سے بیان کیا وہ سنکر بہت شرمایا اور رو دیا اور قصد جانے کا کیا خادم نے کہا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس لانا غرض ان کے پاس لے گیا آپ نے اس کو فرمایا کہ تجھ کو شرم نہ آئی اپنی شرافت کا ننگ نہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو کس کا لڑکا ہے خدا سے ڈر اور جس حال میں مبتلا ہے اس سے توبہ کر وہ شخص گردن نیچے ڈالے روتا رہا پھر سر اٹھا کر کہا میں نے اللہ تعالیٰ سے وہ عہد کیا ہے کہ اس کی پرسش مجھ سے قیامت کے دن ہوگی کہ اب میں کبھی نبیذ نہ پیوں گا اور نہ ان باتوں کے گرد پھروں گا جن کا میں مرتکب تھا اور میں نے توبہ کی آپ نے اس کو پاس بلا کر سر پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ شاباش بیٹا یوں ہی چاہیئے غرض کہ وہ شخص آپ کے پاس رہتا اور حدیث آپ سے لکھا کرتا اور یہ نرمی ہی کی برکت سے ہوا پھر آپ نے فرمایا کہ لوگ امر بالمعروف کرتے ہیں مگر ان کا معروف منکر ہوتا ہے تو تم کو لازم ہے کہ سب باتوں میں نرمی پر کاربند ہو جو چاہو گے وہ مطلب حاصل ہوگا۔ اور فتح بن شخرف کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو روک کر اس کو پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ میں چھری تھی جو کوئی اس کے پاس جاتا تھا اس کو زخمی کر دیتا تھا اور آدمی زبردست تھا ہر کوئی اس کے پاس بھی نہیں جاتا تھا اور عورت اس کے ہاتھ سے واویلا کرتی تھی اور لوگ جمع تھے کہ اتنے میں بشر بن حارث کا گذر وہاں ہوا آپ نے اس کے شانہ سے اپنا شانہ رگڑا وہ شخص زمین پر گر پڑا آپ وہاں سے چلد یئے اور وہ عورت بھی صحیح سالم چلی گئی لوگوں نے جو اس شخص کو قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ پسینے میں تر ہے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ کہا کہ میں اور کچھ نہیں جانتا مگر ایک پیر مرد نے مجھ سے قریب ہو کر یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھ کو اور تیرے اعمال کو دیکھتا ہے اس کے سننے سے میرے پاؤں ضعیف ہو گئے

اور مجھ کو اس شخص کی ہیبت چڑھی مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ کون تھا لوگوں نے کہا کہ وہ بشر بن حارث تھا اس نے کہا کہ ہائے خرابی اب وہ مجھ کو کس نگاہ سے دیکھیں گے اور اس کو اسی روز بخار چڑھا اور ساتویں روز مر گیا - حاصل یہ کہ حسبت کے باب میں دینداروں کی عادت اس طرح تھی اور باب آداب صحبت کے اندر ذیل میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے ہم نے اخبار و آثار اس باب میں نقل کئے ہیں اب دوبارہ خوف طول کلام سے نہیں لکھتے پس حسبت کے درجات و آداب میں نظر کامل اس طرح چاہیئے - واللہ الموفق

تیسری فصل: ایسے منکرات جو عام ہیں

ان کو ہم مجملاً بیان کرتے ہیں تاکہ ان کے بیان سے ان جیسے اور منکرات کو ان پر قیاس کر لیا جائے کیونکہ ان کا حصر اور استقصا ممکن نہیں اول یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ منکرات دو قسم ہیں ایک مکروہ دوسرے ممنوع تو جب ہم کہیں کہ یہ چیز منکر مکروہ ہے تو جان لینا چاہیئے کہ اس سے منع کرنا مستحب ہے اور اس پر خاموش رہنا مکروہ ہے حرام نہیں ہاں جب فاعل اس کا مکروہ ہونا نہ جانتا ہو تو اس کے مکروہ ہونے کو اس کے سامنے ذکر کر دینا واجب ہے اس لئے کہ مکروہ ہونا بھی ایک شریعت کا حکم ہے جو اس کو نہ جانتا اس کو اس حکم کا پہنچا دینا واجب ہے اور جب ہم یہ کہیں کہ فلاں منکر محظور ہے یا صرف منکر بولیں تو اس سے ہماری یہی غرض ہوگی کہ وہ ممنوع ہے اور اس پر خاموش رہنا باوجود قدرت کے ممنوع ہوگا - اب اس قسم کی منکرات مساجد میں دیکھی جاتی ہیں اور بازاروں اور راستوں پر اور دوسرے مقامات ہیں جن کو ہم جدا جدا بیان کرتے ہیں

مساجد اور تلاوت سے متعلقہ منکرات

اول رکوع اور سجدہ میں اطمینان نہ کرنے سے نماز کو خراب کرنا اور یہ منکر ہے بنص حدیث سے نماز کو باطل کرتا ہے تو اس سے منع کرنا واجب ہے مگر حنفی کے نزدیک جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ترک اطمینان صحت نماز کا مانع نہیں کیونکہ اس عقیدہ کے ساتھ میں منع کرنا کیا مفید ہوگا اور دوسرے کو نماز میں خرابی کرتے دیکھے اور چپ ہو رہے تو وہ اس کا شریک ہوگا اس میں اکثر یوں ہی وارد ہے اور حدیث سے بھی یہ بات پائی ہے کیونکہ غیبت کے باب میں وارد ہوا ہے کہ سننے والا کہنے والے کا شریک ہوتا ہے اسی طرح جو بات کہ صحت نماز کی مخل ہو مثلاً کپڑے پر نجاست کا ہونا جو نمازی کو معلوم نہیں یا تاریکی یا نابینائی کی وجہ سے قبلہ سے انحراف کرنا وغیرہ ان سب میں حسبت واجب ہے -

دوم - قرآن مجید کو غلط پڑھنا اس سے ممانعت واجب ہے اور صحیح کا سکھلا دینا بھی واجب ہے پس اگر کوئی شخص معتکف ہو کر ایسے ہی امور میں اوقات صرف کرتا ہے اور اس کے سبب سے ذکر اور نماز

ح اس کی سند باب الصوم میں گذری ۱۲

نفل نہیں پڑھتا تو اس کو انہیں منکرات کے منع کرنے میں مصروف رہنا چاہیئے کہ ذکر اور نفل کی برکت یہ افضل ہیں اس لئے کہ یہ ایسی عبادت ہے جس کا فائدہ دوسرے کو پہنچتا ہے اور واجب بھی ہے بخلاف نفل و ذکر کے کہ ان کا فائدہ خاص اسی پر منحصر ہے اور اگر ان سے ممانعت کرنے میں مثلاً کتابت یا اور کوئی فکر معیشت نہیں کر سکتا تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر اس کے پاس مقدار کفایت موجود ہو تب تو اس کو ممانعت منکر میں مشغول ہونا لازم ہے اور ترک حسبت دنیا کی زوائد چیزوں کی طلب کے سبب جائز نہ ہوگی اور اگر اس کو حاجت اسی روز کی غذا کی ہو تو البتہ عذر ہے اس کے ذمہ سے واجب ساقط ہو جائیگا کیونکہ مجبور ہے اور جو شخص قرآن پڑھنے میں غلطی بہت کرتا ہو تو اگر وہ سیکھنے پر قادر ہو تو چاہیئے کہ سیکھنے تک قراٴت سے باز رہے کیونکہ غلط پڑھنے سے گناہگار ہوگا کہ سیکھنے پر تو قادر ہے اور اگر اس کی زبان یاری نہ دیتی ہو تو پھر اگر اکثر قراٴت غلط ہوتی ہو تو تلاوت ترک کر کے صرف الحمد کے سیکھنے اور اس کے صحیح کرنے میں محنت کرے اسی طرح ایک ایک سورت جب تک صاف نہ کرلے اس کی تلاوت نہ کرے اور اگر اکثر قراٴت صحیح ہو مگر سب کے یکساں پڑھنے پر قادر نہیں تو پڑھنے کا کچھ مضائقہ نہیں مگر چاہیئے کہ پست آواز سے پڑھے تاکہ دوسرا شخص نہ سنے ہر چند اس کو اسی پڑھنے سے روکنے کی وجہ بھی موجود ہے لیکن جس صورت میں کہ پڑھنے والا زیادہ سے زیادہ اسی قدر صحیح پڑھ سکتا ہے اور اس کو تلاوت کے ساتھ انس اور اس کی حرص ہے تو اس صورت میں ہمارے نزدیک اس کے پڑھنے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ **سوم** موذنوں کا اذان میں مد زیادہ کرنا اور حی الصلوۃ حی علی الفلاح میں تمام سینہ کو قبلہ کی جانب سے پھیرنا یا ہر ایک کا ایک ساتھ اپنی اپنی اذان دینا اور انتظار نہ کرنا کہ ایک کہہ چکے تو دوسرا دے اور نمازیوں کو جواب اذان میں دشواری نہ ہو کیونکہ کثرت آوازوں میں جواب دینا دشوار ہوتا ہے تو یہ سب باتیں منکرات مکروہیہ ہیں ان کو ان سے آگاہ کر دینا واجب ہے اور اگر دانستہ ایسا کرتے ہوں تو منع کرنا اور حسبت کرنی مستحب ہے اسی طرح اگر کسی مسجد کا ایک ہی موذن ہو اور صبح ہونے سے پیشتر اذان کہدیتا ہو تو چاہیئے کہ اس کو منع کر دیا جائے اس لئے کہ لوگوں کو روزہ اور نماز میں تردد ہوتا ہے ہاں اگر وہ شخص مشہور ہو جائے کہ صبح سے پیشتر اذان کہا کرتا ہے اور اس کی آواز سے نماز میں یا سحر ترک کرنے میں لوگوں کو دھوکا نہیں پڑتا اور دوسرا موذن اور بھی ہے جو صبح ہوتے پر اذان کہتا ہے اور اس کی آواز لوگ پہچانتے ہیں تب البتہ مضائقہ نہیں اور یہ بھی مکروہ ہے کہ فجر ہونے کے بعد ایک ہی مسجد میں ذرا ذرا سی دیر کے بعد بہت سی اذانیں کہی خواہ ایک ہی شخص کہے یا کئی آدمی کیوں کہ بہت سی اذانوں سے کچھ فائدہ نہیں جس صورت میں کہ مسجد کے اندر کوئی سونے والا باقی نہیں آواز مسجد کے باہر نہ جاتی ہو کہ دوسرا کوئی سن کر آگاہ ہو تو یہ امور مکروہ اور مخالف طریقہ صحابہؓ اور اکابر سلف کے ہیں۔ **چہارم**:۔ خطیب کا سیاہ لباس پہننا جسمیں ریشم غالب ہو یا تلوار سنہری لئے رہنا کہ اس صورت میں وہ فاسق ہے اور اس حرکت کا انکار اس پر واجب

ہے لیکن نرا سیاہ لباس مکروہ نہیں بلکہ اس کا اختیار کرنا اچھا نہیں اس لئے کہ کپڑوں میں خدائے تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسند سفید ہے۔ اور جس نے یہ کہا ہے کہ سیاہ کپڑا مکروہ ہے۔ اور بدعت ہے اس سے یہ غرض ہے کہ قرن اول میں اسکی عادت نہ تھی مگر چونکہ اس میں ممانعت وارد نہیں تو اس کو بدعت اور مکروہ نہ کہنا چاہیئے بلکہ ترک اولیٰ سمجھنا چاہیئے

پنجم ایسے واعظوں کا وعظ جو اپنی تقریر میں بدعت ملائیں پس واعظ اگر وعظ میں جھوٹے حالات بیان کرے تو وہ فاسق ہے اور اس پر حسبت کرنی واجب ہے ایسا ہی بدعتی واعظ کو منع کرنا چاہیئے اور اس کے وعظ میں شریک نہ ہونا چاہیئے مگر اس نیت سے کہ اگر ہو سکے گا تو سب لوگوں کو منع کر دیں گے کہ اس کا کہنا کوئی مت ماننا یا جو لوگ اس کے پاس ہوں انہیں میں سے کسی قدر کو باز رکھیں گے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو بدعت کا سننا نہ چاہیئے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا[ت] فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ اور حدیث کہ اس کا وعظ اس قسم کا ہو کہ لوگوں کو معاصی پر جرأت دلاتا ہو یعنی مضامین رجا کے اتنے بیان کرے کہ لوگوں کو اس کی وعظ سے جرأت ہو اور اللہ تعالےٰ کے معاف کرنے اور رحمت فرمانے پر زیادہ وثوق ہو جائے اور خوف دل میں کمزور پڑ جائے تو یہ منکر اور واعظ کو اس سے روکنا واجب ہے اس لئے کہ اس کا فساد بہت برا ہے بلکہ آج کل تو خوف کا بیان اگر زیادہ کرے اور رجا کا کم تو خلق کی طبیعتوں کے لئے بڑا مناسب ہے اس لئے کہ ان کو خوف کی ضرورت زیادہ ہے اور اصل تو یہ ہے کہ خوف اور رجا کے پلے دونوں برابر رہنے چاہئیں جیسے حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا ہے کہ اگر بالفرض قیامت کو کوئی پکارنے والا پکارے کہ ایک شخص کے سوا سب آدمی جنت میں چلے جائیں بجز ایک کے تو مجھ کو خوف ہے کہ کہیں وہ شخص میں ہی نہ ہوں اور جس صورت میں کہ واعظ جوان کپڑوں اور وضع میں عورتوں کیلئے سجا ہو اور اشعار وعظ میں بہت کہتا ہو اور اشارات اور حرکات بہت کرتا ہے اور اس کی وعظ میں عورتیں آتی ہوں تو یہ بھی منکر ہے اس سے منع کرنا واجب ہے اس لئے کہ صلاح و بہتری کی نسبت اس سے فساد زیادہ ہے اور یہ بات واعظ کے حالات کے قرینوں سے ظاہر ہو جاتی ہے بلکہ جو شخص بظاہر ورع نہ رکھتا ہو اور سکینت و وقار کی وضع اور نیک بختوں کا لباس نہ ہو تو چاہیئے کہ اس کو وعظ کا کام ہی نہ سپرد کیا جائے ورنہ ایسے واعظ سے لوگ گمراہی میں زیادہ ہوں گے اور چاہیئے کہ مجلس وعظ میں عورتوں اور مردوں کے بیچ آڑ کر دی جائے جس سے نظر نہ آئے کیونکہ نظر بھی فساد کا مبنیٰ ہے اور ان منکرات پر عادتیں شاہد ہیں۔ اور عورتوں کو مسجد کے اندر نماز کے لئے آنے سے اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا جائے بشرطیکہ فتنہ کا خوف ہو چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا تھا آپ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ آنحضرت[۲]

ت ا:۔ تو ان سے کنارہ کر جب تک کہ بکنے لگیں اور کسی بات میں ۱۲ – ح ۲: بخاری و مسلم نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲

نے توان کو جماعتوں سے منع فرمایا آپ نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان حالات سے واقف ہوتے جو عورتوں نے اب ایجاد کئے ہیں توآپ بھی ان کو منع فرماتے اور اگر کوئی عورت کپڑے کے اندر چھپی ہوئی مسجد میں گذرے تو اس کو روکنا نہ چاہئے لیکن بہتر یہ ہے کہ مسجد کو صرف راہ مقرر نہ کیا جائے اور واعظوں کے سامنے قرآن کا پڑھنا آواز کو لمبا کھینچ کر اور گانے کی طرح یہ اس طور سے کہ نظم قرآن کو بدلدے اور تلاوت صحیح کی حد سے تجاوز کر جائے یہ بات منکر اور سخت درجہ کو مکروہ ہے سلف کے بہت لوگوں نے اس پر انکار کیا ہے **ششم** جمعہ کے روز دوائیوں اور کھالوں اور تعویذوں کے فروخت کے لئے حلقے ہونے اور سائلوں کا کھڑا ہونا اور کچھ اشعار پڑھنے یا قرآن پڑھنا کہ لوگ سن کر کچھ دیدیں یا اور اسی طرح کا کام کہ ان میں بعض چیزیں تو حرام ہیں کیونکہ وہ دغابازی اور عیب کا چھپانا مشتری سے ہو تو وہ حرام ہے اور بعض امور ایسے ہیں کہ مسجد کے باہر مباح ہیں جیسے سینا اور دوائیوں اور کتابوں اور غذاؤں کا بیچنا اور یہ باتیں مسجد میں بھی حرام نہیں اور بہتر یہ ہے کہ نہ کی جائیں اور مباح ہونے کے لئے بھی شرط ہے کہ کبھی اتفاقاً گنتی کے دنوں میں ہو جائیں اور اگر مسجد کو دوکان ہی بنالے ہمیشہ کے لئے تو حرام ہے اور اس سے منع کیا جائے کیونکہ بعض مباح ایسے ہی ہوتے ہیں جو بشرط قلت تو مباح رہتے ہیں اور اگر کثرت سے ہوں تو گناہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے بعض گناہ اصرار کے نہ ہونے کی صورت میں صغیرہ رہتے ہیں اور اصرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور اگر یہ باتیں ایسی ہوں کہ قلیل کے ہونے سے خوف ہو کہ نوبت کثیر کی پہنچے گی تو اس قلیل سے بھی منع کرنا چاہیئے مگر یہ منع حاکم کو یا مسجد کے متولی کو جو حاکم کی طرف سے انتظام کرتا ہے پہنچتا ہے اس لئے کہ یہ امر اجتہاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کو ایسا ہو گا اور رعیت کے لوگوں کو اس خوف سے کہ آگے کو بہت ہو جائے گا۔ منع کرنے کا اجتہاد نہیں۔ **ہفتم** مجنونوں اور لڑکوں اور متوالوں کا مسجد میں آنا اور مسجد میں لڑکوں کے داخل ہونے کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ نہ کھیلیں ہر چند مسجد میں لڑکوں کا کھیلنا حرام نہیں اور نہ ان کے کھیل پر سکوت کرنا حرام ہے مگر جب مسجد کو کھیل کی جگہ مقرر کریں اور عادت ڈالیں کہ مسجد میں ہمیشہ کھیلا کریں تو منع کرنا واجب ہو جاتا ہے اگر لڑکوں کا کھیل اس قسم میں ہے کہ کم ہو تو مسجد میں حلال ہے اور زیادہ ہو تو حلال نہیں اور کم کے حلال ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو صحیحین میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے ٹھہرے رہے یہاں تک کہ انہوں نے حبشیوں کا رقص اور اس پر تلوار سے کھیلنا عید کے دن مسجد کے اندر دیکھا اور اس میں شک نہیں کہ اگر حبشی مسجد کو بازی گاہ ٹھہرا لیتے تو منع کئے جاتے اور قلت کے ساتھ میں ان کا کھیلنا آپ نے برا سمجھا یہاں تک کہ خود ملاحظہ فرمایا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل خوش کرنے کے لئے ان کو بازی کرنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ اے بنی ارفدہ اپنا کھیل کئے جاؤ چنانچہ باب السماع

میں ہم نے یہ قصہ نقل کیا ہے اور مجنونوں کا مسجد میں آنا اس وقت مضائقہ نہیں رکھتا کہ خوف مسجد کے غلیظ کرنے کا
یا گالی اور فحش بکنے کا یا افعال منکر کرنے کا مثلاً برہنگی کو کھولنے وغیرہ کا نہ ہو اور جو دیوانہ ایسا ہو کہ عادت سے معلوم ہو
کہ خاموش اور ساکن رہتا ہے تو اس کا مسجد سے نکالنا واجب نہیں۔ اور متوالے کو حکم مجنون کا سا ہے کہ اگر یہ خوف ہو
کہ مسجد میں قے کر دے گا یا لوگوں کو زبان سے ایذا دے گا تو اس کا نکالنا واجب ہے اور یہی حال ہے اگر اس
کی عقل ٹھکانے نہ ہو تو اس سے ان افعال کا خوف ضرور رہتا ہے۔ اور اگر اسنے پی ہو اور مست نہ ہوا ہو مگر
بدبو آتی ہو تو یہ منکر مکروہ ہے سخت کراہت کے ساتھ کیونکہ جو کوئی لہسن اور پیاز کھائے اس کو آنحضرت نے
مسجدوں میں جانے سے منع فرمایا ہے تو ان دونوں چیزوں کا کھانا تو مکروہ ہی رہے گا اور شراب کا
معاملہ سخت ہے اس لئے اس میں سخت کراہت کا حکم چاہیئے اب اگر کوئی یہ کہے کہ مناسب یوں ہے کہ متوالے
زدوکوب کر کے مسجد سے نکال دیئے جائیں کہ ان کو توبیخ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ زدوکوب کا اختیار رعیت
کے لوگوں کو نہیں بلکہ حاکموں کو تعزیر کا اختیار ہے اور وہ بھی اس صورت میں ہے کہ وہ خود پینے کا اقرار کرے یا دوسروں
کی گواہی سے پینا ثابت ہو صرف بو کے آنے سے بھی نہیں تو اس نظر سے مناسب ہے کہ ایسے شخص کو
مسجد ہی میں بٹھلایا جاوے اور نہ پینے کے لئے امر کیا جائے اگر وہ ہوشیار ہو ہاں جس صورت میں کہ وہ بہک
کر چلتا ہے اس طرح کہ نشہ پہچانا نہ جائے تو اس کو مسجد میں اور باہر جہان ملے پیٹنا چاہیئے تاکہ پھر اثر نشہ
کا ظاہر نہ کرے کیونکہ برائی کے اثر کو ظاہر کرنا بھی برائی ہے اور معاصی کو اول تو ترک کرنا ہی واجب ہے
اور کر لیا تو اس کو چھپانا اور ان کے آثار کا ظاہر نہ کرنا واجب ہے تو اگر وہ شخص اثر کو چھپائے تو اس
پر تجسس کرنا جائز نہیں اور شراب کی بدبو دلیل پینے کی نہیں ہو سکتی کیونکہ بدبو بدون پینے کے بھی ہو
سکتی ہے کہ شراب کی جگہ میں بیٹھ گیا ہو یا منہ کو لگا کر کلی کر دی۔ ہو تو بدبو پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔

راستے اور بازار سے متعلقہ منکرات

بازاروں میں جن منکرات کی عادت ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ نفع پر بیچنے میں جھوٹ
بولتے ہیں تو جو شخص بیان کرے کہ میں نے یہ چیز اتنے کو مول لی ہے اور اتنے نفع پر دیتا
ہوں اور اس قول میں جھوٹا ہو تو وہ فاسق ہے اور جس شخص کو اس کا حال معلوم ہو اس پر واجب ہے کہ مشتری
کو اس کے جھوٹ سے مطلع کر دے اگر وہ بائع کی لدری سے خاموش رہیگا تو خیانت میں اس کا شریک ہوگا اور سکوت کے
باعث گنہگار۔ **دوم** چیز کا عیب مشتری سے پوشیدہ رکھنا تو کوئی عیب سے واقف ہو اس کو لازم ہے
کہ مشتری سے کہدے ورنہ وہ اپنے بھائی مسلمان کے مال تلف ہونے پر راضی ہوگا اور وہ حرام ہے۔
سوم گز کت اور ناپ اور تول میں کم کر دینا تو جس شخص کو فرق معلوم ہو اس کو لازم ہے کہ اپنے
ہاتھ سے اس فرق کو نکال دے یا حاکم کے پاس لے جائے کہ وہ فرق کھودے۔ **چہارم** ایجاب و
قبول نہ کرنا اور صرف تعاطی پر اکتفا کرنا اور چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے ایسے ہی شخص

کو اس سے منع کرنا چاہیئے جو ایجاب وقبول کے واجب ہونے کا معتقد ہو پنجم شروط فاسدہ کا معاملہ میں کرنا کہ لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے ان سے منع کرنا واجب ہے اس وجہ سے کہ وہ معاملات کو فاسد کرتے ہیں اور یہی حال ان اشیاء کا ہے جن میں ربوٰ کو دخل ہے اور جمیع تصرفات مفسدہ اور فاسدہ ایسے ہی ہیں ان سب سے منع کرنا چاہیئے۔ ششم عید کے روز لڑکوں کے لئے کھلونوں اور جاندار کی تصویر کا بیع کرنا ان کو توڑ ڈالنا اور ان کی بیع سے منع کرنا واجب ہے اور یہی حال چاندی سونے کے برتنوں کا ہے اسی طرح حریر کے کپڑے اور سونے اور ریشم کی ٹوپیاں ہیں اور کپڑوں سے ہماری یہ غرض ہے جو مردوں کے ہوں یا شہر کی عادت معلوم ہو کہ ان کو مرد ہی پہنتے ہیں تو یہ سب منکر اور محظور ہیں اسی طرح جو اس بات کا عادی ہو کہ مستعمل کپڑے دھلا کر بیچتا ہو اور شوب کے باعث لوگوں کو ان کا پرانا ہونا معلوم نہ ہو اور وہ یہی کہے کہ یہ نئے ہیں تو یہ فعل بھی حرام ہے اور اس سے منع کرنا واجب ہے ایسے ہی پھٹے کپڑوں کو رفو کرکے بیچنا غرضکہ جن معاملات میں دھوکہ ہوتا ہو ان سب کا کرنا ایسا ہی ہے ان کا شمار کرنا طول چاہتا ہے باقی کو انھیں پر قیاس کر لینا چاہیئے جتنے ہم نے لکھدیئے ہیں۔ راستوں کے منکرات جن کی عادت پڑی ہوتی ہے یہ ہیں کہ مکانات کے متصل کھمبے بنا کر چبوترہ بنانا اور پیڑ لگانا اور چھجے برآمدے اور سائبان نکال لینے اور لکڑیاں گاڑنی اور غلوں کی ٹھیکیاں لگانی اور بوجھ کے گٹھے وغیرہ راستوں میں ڈالدینے یہ سب بری باتیں منکر ہیں اگر ان سے راستہ تنگ ہوتا ہو یا گذرنے والوں کے ٹکر لگتی ہو اور اگر راہ اتنی فراخ ہو کہ کسی طرح کا ضرر نہ ہوتا ہو تو منع نہ کرنا چاہیئے ہاں لکڑیوں اور گھٹوں کا راستہ میں اس قدر ڈالنا درست نہیں کہ گھر میں ان کو اٹھا کر لے جائے کیونکہ اس حاجت میں سب لوگ شریک ہیں ہر ایک کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس سے منع کرنا درست نہیں اسی طرح جانوروں کا راہ میں ایسی طرح باندھنا کہ راہ تنگ ہو جائے اور چلنے والوں پر ان کے بول و براز کی چھینٹیں پڑیں منکر ہے اس سے منع کرنا واجب ہے لیکن صرف اترنے اور سوار ہونے کی مقدار جانوروں کا راہ میں رہنا حاجت کے لئے درست ہے اور چونکہ راستوں سے منفعت ہر شخص لے سکتا ہے اور کوئی ان کو خاص اپنے نفع کے لئے نہیں کر سکتا اسی لئے ان میں مقدار حاجت کا لحاظ رہتا ہے اور حاجت بھی وہ دیکھی جاتی ہے جس کے لئے عادۃً راستے مقصود ہوتے ہیں سب حاجتوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور ایک منکر یہ ہے کہ جانور پہ کانٹے لاد کر راستہ میں ایسی طرح ہانکیں کہ لوگوں کے کپڑے پھاڑیں یہ اس وقت میں منکر ہے کہ کانٹوں کو دبا کر ایسی طرح بھی باندھ سکتے ہوں کہ اس سے کسی کا ضرر نہ ہوتا کسی اور فراخ راہ سے نکل جانا ہو سکتا ہو اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو پھر منع کرنا نہ چاہئے اس لئے کہ شہر والوں کو اس کی بھی حاجت ہوتی ہے ہاں کانٹوں کو راستہ پر پڑا رہنے دینا نہ چاہیئے صرف

اتنی ہی دیر پڑے رہیں کر ان کو اٹھا کر گھر میں لے جائے۔ اسی طرح جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا منکر ہے مالکوں کو اس سے منع کرنا واجب ہے اور ایک منکر یہ ہے کہ قصائی اپنی دوکان کے سامنے جانور ذبح کرے اور سڑک کو خون سے آلودہ کرے اس کو اس حرکت سے منع کرنا چاہیئے بلکہ اس کو یوں مناسب ہے کہ اپنی دوکان کے اندر ذبح کرنے کا مقام بنالے کیونکہ راہ میں ذبح کرنے میں ایک تو راستہ تنگ ہوگا دوسرے لوگوں کو نجاست کی چھینٹوں اور راستہ پر پلیدی دیکھنے سے ضرر ہوگا اور ایک یہ ہے کہ کوڑا راہ میں ڈالدے یا خربوزہ تربوزہ کے چھلکے راہ میں چھڑکا دے یا پانی اتنا چھڑکے کہ لوگوں کے پاؤں پھسلنے کا ڈر ہو یہ سب منکر ہیں اور ایک یہ ہے کہ تنگ راہ میں پرنالا ڈالنا کہ اس سے کپڑے نجس ہوتے ہیں یا راستہ تنگ ہوتا ہے اور اگر راستہ اتنا فراخ ہو کہ اس میں یہ دونوں احتمال نہ ہوں تو منع کرنا نہ چاہیئے اس لئے کہ ممکن ہے کہ پرنالے سے بچ کر آدمی نکل جائے لیکن مینہ کا پانی اور کیچڑ اور برف راستہ میں ڈالنا اور اس کو صاف نہ کرنا منکر ہے مگر کسی شخص معین سے مخصوص نہیں بجز برف کے کہ اس کو ایک ہی ڈالے گا تو جو پانی راستہ میں ایک موری معین سے نکل کر جمع ہو گیا ہو یا کسی شخص نے برف ڈالدیا ہو تو راستہ کا صاف کرنا اسی کے ذمہ ہے اور اگر مینہ کا پانی یا سب بدردوں کا ہو تو یہ حسبت حاکموں کے ذمہ ہے کہ لوگوں سے کہہ کر اس کو صاف کرادیں رعیت والوں کو صرف وعظ و نصیحت البتہ جائز ہے۔ اور ایک منکر یہ ہے کہ دروازہ پر کتا ایسا بٹھلا دے جو لوگوں کو کاٹے تو اس سے اس کو منع کرنا واجب ہے اور اگر کتا اور کچھ ایذا نہ دیتا ہو صرف راستہ پلید رکھتا ہو اور اس کی پلیدی سے بچ کر نکلنا ممکن ہو تو منع نہ کیا جائے اور اگر کتا پاؤں پھیلا کر ایسی طرح راستہ میں بیٹھتا یا لیٹتا ہو کہ اس سے راستہ تنگ ہو تو خود اس کو منع کر سکتے ہیں پس کتے کو بٹھلانے سے تو بطریق اولیٰ منع کرنا چاہیئے۔

حماموں سے متعلق منکرات یہ ہیں کہ حمام کے دروازہ پر یا اندر تصویریں بناتے ہیں ان کا دور کرنا واجب ہے اس شخص پر جو حمام میں جائے اور دور کرنے پر قادر ہو پس اگر تصویریں اونچی جگہ میں ہوں جہاں اس کا ہاتھ نہ پہنچتا ہو تو اس کو حمام میں بدون ضرورت شدیدہ کے جانا ہی نہیں چاہیئے دوسرے حمام میں چلا جائے اس لئے کہ منکر کا دیکھنا جائز نہیں اور تصویر کے بگاڑنے میں اتنا کافی ہے کہ اس کو بدشکل کر دے اور چہرہ بگاڑ دے ساری کا بگاڑنا ضرور نہیں اور جانداروں کی تصویروں کے سوا اگر درختوں اور گل بوٹوں کے بوٹوں کے نقوش ہوں تو ان سے منع نہ کریں اور ایک منکر برہنگی کا کھولنا اور اس کو دیکھنا ہے ازاں جملہ یہ ہے کہ حمامی ران اور زیر ناف کو کھول کر میل دور کرتا ہے بلکہ تہمد کے نیچے ہاتھ ڈالتا ہے اور یہ اسوجہ سے منکر ہے کہ دوسرے کی برہنگی کو چھونا حرام ہے جیسے اسکا دیکھنا حرام ہے اور ازانجملہ ملنے والے کے سامنے پٹ لیٹنا ہے تاکہ وہ ران اور سرین دابے تو امر یہ مکروہ ہے۔ حائل کیساتھ ہو مگر حرام ہے جیسے کہ اس حرکت سے خوف شہوت ہو۔ اور یہی حال ذمی پچھنے لگانے والے کے سامنے برہنگی کھولنے کا ہے کیونکہ مسلمان عورت کو جائز نہیں کہ اپنے بدن کو ذمی عورت کے سامنے حمام میں کھولے تو مردوں کو کیسے

برہنگی کا کھولنا درست ہے اور ایک منکر یہ ہے کہ ناپاک ہاتھ اور برتن تھوڑے پانی میں ڈبونے اور لنگی اور ناپاک طشت کو حوض میں دھونا جس کا پانی تھوڑا ہوتا ہو کہ یہ حرکت پانی کو نجس کرتی ہے مگر امام مالکؒ کے مذہب میں پانی ناپاک نہیں ہوتا تو اگر حمام میں کوئی مالکی ہو تو اس کو منع کرنا نہ چاہیئے اور حنفی اور شافعی ایسا کریں تو ان کو منع کرنا جائز ہے اور اگر حمام میں شافعی اور مالکی جمع ہوں تو شافعی کو مالکی کا منع کرنا اس حرکت سے نہ چاہیئے ہاں نرمی اور التماس کی طرح پر اس سے یہ کہے کہ ہم کو اول ہاتھ دھو کر پانی میں ڈبونا ہوتا ہے اور تم کو اس کی حاجت اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ آپ ہم کو ایذا دیں اور ہماری طہارت کے مخل ہوں اگر آپ اتنے عرصہ کے لئے ہمارے طور پر کار بند ہوں تو آپ کا کچھ نقصان نہیں اور ہمارا فائدہ ہے یا کوئی اور تقریر ایسی ہی کرے جس میں مالکی راضی ہو کر پانی کو ناپاک نہ کرے ورنہ مختلف فیہ مسائل میں حسبت دباؤ سے نہیں ہو سکتی۔ اور ایک منکر یہ ہے کہ حمام کے درجوں کی راہ میں یا پانی آنے کے راستہ میں ایک پتھر چکنا پھسلنا لگا رہتا ہے کہ ناواقف اس پر سے پھسلا کرتے ہیں تو اس کا اکھاڑنا اور دور کر دینا واجب ہے اور اگر حمامی اس سے غفلت کرے تو اس کو منع کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے گرنے کی نوبت ہوتی ہے اور گرنے سے احتمال ہے کہ کوئی عضو ٹوٹ جائے یا اپنے مقام سے سرک جائے اس لئے اس کا دور کر دینا ضروری ہے اسی طرح بیری کے پتوں اور صابن کا زمین حمام پر چھوڑ دینا منکر ہے اور جو کوئی اس کا چھوڑ کر نکل آئے اور اس پر کوئی شخص پھسل کر گر پڑے اور اس کا کوئی عضو ٹوٹ جائے تو اگر وہ پھسلن ایسی جگہ ہو کہ معلوم نہ ہوتی ہو اور اس سے بچنا دشوار ہو تو تاوان میں اختلاف ہے کہ اس شخص پر ہوگا جو صابن وغیرہ چھوڑ آیا تھا یا حمامی پر جس کو حمام کا صاف رکھنا لازم ہے اور قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پہلے روز تو چھوڑنے والے پر ہو اور دوسرے روز حمامی پر ہو کیونکہ عادت ہے کہ حمامی حمام کو ہر روز صاف کر دیا کرتے ہیں اور اگر دستور حمام کی صفائی میں اور کچھ ہو تو اسی کا اعتبار کیا جائے گا اور حمام میں اور امور مکروہ ہیں جن کو ہم نے باب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے طول کی جہت سے یہاں نہیں لکھتے جس کو منظور ہو وہاں دیکھ لے۔

ضیافت سے متعلقہ منکرات

یہ ہیں کہ مردوں کے لئے حریر کا فرش حرام ہے اسی طرح بخور سلگانا چاندی اور سونے کی انگیٹھیوں میں یا پانی پینا اور گلاب چھڑکنا نقرہ اور طلا کے برتنوں میں یا ان میں جن کے منہ زر وسیم کے ہوں سب منکر ہیں اور ایک منکر یہ ہے کہ پردے یا تصویرات لٹکائے جاویں اور ایک یہ ہے کہ تار کے باجے بجتے ہوں یا رنڈیاں گاتی ہوں اور ایک یہ ہے کہ پردے یا تصویرات لٹکائے جاویں عورتیں چھتوں پر مردوں کو دیکھنے کو جمع ہوں اور مردوں میں وہ جوان بھی ہوں جن سے فتنے کا خوف ہو تو یہ سب باتیں ممنوع اور منکر ہیں ان کا دور کرنا واجب ہے اور جو کوئی دور کرنے سے عاجز ہو اس کا وہاں بیٹھنا جائز نہیں

اور ایسا ہی جو رکابی پیالوں پر ہوں اور جو برتن کہ بصورت جانور بنائے گئے ہو جیسے بعض انگیٹھیوں کے سر پرندوں کی صورت کے ہوتے ہیں تو وہ حرام ہیں مقدار صورت کا اس برتن سے توڑ دینا واجب ہے اور چھوٹی سرمہ دانی جو چاندی کی ہو اس میں اختلاف ہے امام احمد بن حنبلؒ ضیافت میں سے چاندی کی سرمہ دانی دیکھ کر باہر چلے گئے تھے اور جب کھانا حرام ہو یا جگہ مغصوب ہو یا فرش حرام ہو تو یہ صورتیں سخت منکر ہیں اور اگر ضیافت میں ایسا شخص ہو کہ وہ تنہا شراب پیتا ہو تو ایسی ضیافت میں نہ جانا چاہیئے اس لئے کہ شراب کی مجلسوں میں جانا حلال نہیں گو خود نہ پیوے اور حالت فسق کے پاس بیٹھنا درست نہیں اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ ارتکاب معصیت کے بعد بھی اس کے پاس بیٹھنا جائز ہے کہ نہیں یا اس سے بغض فی اللہ رکھنا اور ترک ملاقات ہے یا نہیں چنانچہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے باب میں ہم داخل اس اختلاف کو ذکر کر چکے ہیں اسی طرح اگر ضیافت کے مجمع میں کوئی شخص حریر پوش یا سونے کی انگوٹھی پہنے ہو تو وہ فاسق ہے بدون ضرورت اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں اور اگر ریشمی کپڑا کوئی نابالغ لڑکا پہنے ہو تو اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ امر منکر ہے اس کو اس کے بدن سے اتار دینا واجب ہے بشرطیکہ تمیزدار ہو کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ؎ ھذان حرامان علی ذکور امتی ۔ عام ہے اس میں کچھ بالغوں کی قید نہیں علاوہ ازیں لڑکے کو شراب سے صبر کرنا دشوار ہو گا اسی طرح اگر حریر اس عمر میں پہنے گا تو گویا بلکہ وجہ منع کی یہ ہے کہ شراب کا عادی نہ ہو ورنہ بالغ ہو کر شراب سے صبر کرنا واجب ہے تو اس نظر سے نہیں کہ لڑکا بالغ ہے بلکہ وجہ منع کی یہ ہے کہ شراب کا عادی نہ ہو ورنہ بالغ ہو کر شراب سے صبر کرنا دشوار ہو گا اسی طرح اگر حریر اس عمر میں پہنے گا تو گویا فساد کا بیج اس کے سینہ میں بو یا جائے گا اور اس سے اشتیاق مستحکم کا درخت اس کے سینہ میں جم جائے گا اور پھر اس کا قلع قمع کرنا دشوار ہو گا اسی لئے اس کو عادت ریشمی کی ڈالنی ہی نہ چاہیئے تاکہ عادی ہونے سے اشتیاق نہ بڑھنے لیکن جو لڑکا تمیز نہ رکھتا ہو وہ اگر ریشمی کپڑا پہنے تو یہ وجہ حرمت کی اس کے حق میں ضعیف ہے کہ ابھی وہ کوچہ اشتیاق سے بے خبر ہے مگر حرمت عموم حدیث کا اس میں بھی ہے واللہ اعلم ۔ اور دیوانہ کا حکم بے تمیز لڑکے کا سا ہے ہاں سونے اور حریر سے عورتوں کو زینت کرنی بدون اسراف کے درست ہے اور ہمارے نزدیک لڑکی کے کان چھیدنے بالیاں پہننے کے لئے جائز نہیں اس لئے کہ اس میں زخم ایذا دہندہ کرنا ہوتا ہے اور ایسے زخم سے قصاص لازم آتا ہے تو بدون حاجت ضروری کے جائز نہ ہو گا جیسے فصد کھولنا اور پچھنے لگانا اور ختنہ کرنا کہ بدون ضرورت نہیں ہوتے اور بالیوں کی زینت کچھ بہت ضروری نہیں بلکہ بندے اگر باندھ کر کان میں اوپر سے لٹکا دیئے جائیں کان کی زینت کو کافی ہیں اور دوسرے زیور مثل جگنی یا جمیل یا کنگن کیا تھوڑے ہیں جو بالیوں کی حاجت ہو تو

؎ یہ دونوں حرام ہے میری امت کے مردوں پر ابو داؤد و نسائی وابن ماجہ بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ ۔

بالیوں کے لئے کان چھیدنا اگرچہ عادت ہو رہی ہے مگر حرام ہے اور اس سے منع کرنا واجب ہے اور اس پر اجرت لینی درست نہیں بلکہ اجرت مذکور حرام ہے ہاں اگر کان چھیدنے کی اجازت شریعت سے منقول ہو تو مضائقہ نہیں اور ہم کو اس باب میں رخصت اب تک نہیں پہنچی اور ایک منکر ضیافت میں یہ ہے کہ اس مجمع میں کوئی بدعتی اپنی بدعت کے باب میں تقریر کرتا ہو تو وہاں ایسے شخص کو جانا جائز ہے جو اس کے جواب دینے پر قادر ہو اور اسی ارادہ سے جائے اور اگر جواب دینے پر قادر نہ ہو اور بدعتی بھی اپنی بدعت کے باب میں گفتگو نہ کرے تو اس طرح جانا جائز ہے کہ بدعتی سے نفرت اور اعراض ظاہر کرے جیسا کہ ہم نے بغض فی اللہ میں لکھا ہے اور اگر ضیافت میں کوئی مسخرہ ہو کہ کہانیاں اور عجائبات کہہ کر ہنسایا کرتا ہو تو اگر ہنسی کی باتوں میں وہ فحش بکتا ہو اور گالیاں اور جھوٹ کہتا ہو تو اس مجلس میں جانا جائز نہیں اور اگر جائے تو اس کو اس قسم کی باتوں سے منع کرے اور اگر اس کی باتیں ہنسی کی ہوں مگر ان میں جھوٹ اور فحش نہ ہو تو اس کا سننا مباح ہے بشرطیکہ کبھی کبھی کمتر اور اس کو اپنا پیشہ یا عادت بنا لینا مباح نہیں اور جس جھوٹ میں جھوٹ ہونا ظاہر ہو اور اس سے غرض دغابازی اور دھوکا دینا نہ ہو تو وہ منکرات میں داخل نہیں جیسے کوئی یوں کہے کہ آج میں نے تم کو سو دفعہ تلاش کیا یا تم سے ہزار دفعہ یوں کہہ دیا ہے اور اسی طرح کے جملے جیسے حقیقی معنی مقصود نہ ہوں تو ایسے جملے آدمی کی عدالت کے مخل نہیں ہوتے اور نہ ان سے شہادت نامقبول ہو اور باب آفات زبان جلد سوم میں تعریف مباح ہنسی اور مباح جھوٹ کی عنقریب مذکور ہو گی او ضیافت کا منکر ایک یہ ہے کہ کھانے میں اسراف کیا جائے اور یہی حال عمارت اور مال میں اسراف کرنے کا ہے بلکہ مال میں اسراف کرنے کا ہے بلکہ مال میں اسراف کے سوا ل کا ضائع کرنا بھی ہے کہ ضائع کرنا اسی کو کہتے ہیں کہ مال کو بدولت کسی فائدہ معتد بہ کے کھو دے مثلاً کپڑے جلانا یا پھاڑ ڈالنا یا مکان گرا دینا یا مال کو دریا میں پھینک دینا اور یہی حال ہے نوحہ کرنے والے اور مغنیؔ اور دوسری خرابیوں میں صرف کرنے کا اس لئے کہ یہ فوائد شرعاً حرام ہیں تو گویا معدوم ہی ہیں باقی رہا اسراف تو یہ لفظ عام ہے کبھی تو نوحہ کرنے والے اور مغنی اور دوسری خرابیوں میں صرف کرنے کو اسراف کہتے ہیں اور کبھی مباحات میں مال لگانے کو اسراف بولتے ہیں بشرطیکہ صرف مبالغہ کے ساتھ ہو اور مبالغہ کا حکم لوگوں کے حال کی نظر سے جدا جدا ہے بعض صورتوں میں منع اسراف سے واجب ہو گا مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس سو روپیہ ہیں اور عیال اطفال رکھتا ہے اور کوئی معیشت ان روپیوں کے سوا ان کے لئے نہیں پس اگر وہ شخص ان روپیوں کو ایک ولیمہ میں اٹھا ڈالے تو وہ مسرف اور فضول خرچ ہے اس کو اس حرکت سے منع کرنا واجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسوراً یہ آیت مدینہ منورہ میں اس شخص کے باب میں اتری جس نے اپنا مال سب تقسیم کر دیا اور لپنے عیال کے

ف[1] ۔ اور نہ کھول دے اس کو نرا کھولنا پھر بیٹھ رہے تو الزام کھایا ہارا۔

لئے کچھ نہ چھوڑا اور جب انہوں نے خرچ مانگا تو کچھ نہ دے سکا اور نیز دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے[1]۔ ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین اور اسی طرح[2] والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما۔ تو جو شخص ایسا اسراف کرے اس کو منع کرنا چاہیئے اور قاضی پر واجب ہے کہ اس شخص کو مال میں تصرف کرنے سے روک دے ہاں اگر آدمی تنہا ہو اور توکل میں نہایت قوت راسخہ رکھتا ہو تو اس کو جائز ہے کہ اپنا سب مال امور خیر میں اٹھا ڈالے اور جو شخص عیال دار ہو یا توکل سے عاجز ہو تو اس کو جائز نہیں کہ اپنا سب مال خرچ کر دے اسی طرح اگر کوئی اپنا مال بالکل دیواروں کی گلکاری اور عمارت کی زینت میں خرچ کر دے تو یہ خرچ بھی اسراف حرام ہے لیکن جس کے پاس مال بہت ہے اس کو گلکاری اور آرائش حرام نہیں اس لئے کہ آرائش بھی ایک غرض صحیح ہے اور ہمیشہ سے مسجدوں کی چھتوں اور دروازوں پر نقش و نگار ہوتے آتے ہیں باوجودیکہ چھت اور دروازہ کے نقش سے کوئی فائدہ بجز زینت کے نہیں پس اسی طرح مکانات کے نقش و نگار کا حکم سمجھنا چاہیئے اور کپڑوں اور کھانوں کے تجمل میں بھی یہی حکم ہے کہ وہ بذات خود مباح ہے مگر کم مایہ آدمی کے حق میں اسراف ہو جاتا ہے اور اہل دولت کے حق میں مباح اور اس طرح کے منکرات بے شمار ہیں جن کا حصر ممکن نہیں تو انہیں پر محصلوں اور قاضیوں کے محکموں اور سلاطین کے درباروں اور علماء کے مدارس اور صوفیہ کی خانقاہوں اور بازاروں کی سراؤں کو قیاس کر لو کہ ان میں سے کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں منکر مکروہ یا ممنوع نہ ہو اور چونکہ سب منکرات کی تفصیل اس بات کو چاہتی ہے کہ شرع کی تفصیل تمام اصول و فروع کی کیا جائے اس لئے اہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں کہ زیادہ طول نہ ہو۔

ایسے منکرات جن میں عام لوگ مبتلا ہیں

واضح ہو کہ اس وقت میں جو اپنے گھر میں بیٹھا ہوا کہیں ہو وہ بھی اس لحاظ سے خالی نہیں کہ لوگوں کو بتانے اور سکھانے اور معروف کی ترغیب دینے سے پہلو تہی کرتا ہے کیونکہ اکثر لوگ شہروں میں نماز کی مشروط سے ناواقف ہیں گاؤں اور جنگل میں تو کیسے نہ ہوں گے اور انہیں ناواقفوں میں سے اعراب اور کرد اور ترکمان اور دوسرے لوگ ہیں اور یہ واجب ہے کہ شہر کے ہر محلہ اور مسجد میں ایک عالم ہو کہ لوگوں کو دین کی باتیں سکھائے اور اسی طرح ہر گاؤں میں ایک عالم کا ہونا واجب ہے اور جو عالم کہ اپنے فرض عین سے فارغ ہو چکا ہے اور فرض کفایہ کی اس کو فرصت حاصل ہے اس پر واجب ہے کہ جو لوگ اس کے شہر کے گرد و نواح میں رہتے ہوں ان کے پاس جائے اور ان کو دین کی باتیں اور شریعت کی غرض سکھائے اور اپنا زاد ساتھ لے جائے اسی میں سے کھائے ان ناواقفوں کے کھانے نہ کھائے کہ وہ اکثر مغصوب ہوتے ہیں اور گرد و نواح کے آدمیوں کو اگر ایک سکھانے والا بھی چلا جائے گا تو باقی علما کے ذمہ سے

ف[1]:۔ اور مت اڑا بکھیر کر بیشک اڑانے والے بھائی ہیں شیطان کے ۱۲۔ ف[2]:۔ اور وہ کہ جب کہ خرچ کرنے لگیں نہ اڑا دیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گذران

حرج ساقط ہو جائے گا ورنہ سب کے ذمہ وبال رہے گا عالم کے ذمہ تو اس لئے کہ اس نے باہر نکل کر ان کو تعلیم نہ کی اور ناواقفوں پر اس لئے کہ انہوں نے سیکھنے میں قصور کیا اور جو عامی شخص نماز کی شرطیں جانتے اس پر واجب ہے کہ دوسرے کو سکھائے ورنہ گناہ میں وہ بھی شریک رہے گا اور یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے شریعت کا عالم نہیں پیدا ہوتا بلکہ علم والوں پر احکام شریعت کو پہنچا دینا واجب ہوتا ہے تو جس کو ایک مسئلہ بھی آجائے گا وہ بھی اس کا عالم کہلائے گا اور اس میں بھی شک نہیں کہ علماء پر گناہ زیادہ ہوگا اس لئے کہ ان کو طاقت سکھانے اور بتانے کی کافی ہے اور بتلانا علماء ہی پر پھبتا ہے کیونکہ اہل حرفہ اگر اپنے حرفوں کو چھوڑ کر اس کام میں مصروف ہوں تو معیشت کا کارخانہ بے کار ہو جائے گا انہوں نے تو وہ کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے جس کی ضرورت خلق کی بہتری میں ہے اور عالم کی شان اور اس کا پیشہ یہی ہے کہ جو کچھ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہنچا ہے وہ دوسروں کو پہنچاوے کہ علماء ہی وارث انبیاء ہیں اور کسی شخص کا اپنے گھر میں اس عذر سے بیٹھ رہنا اور مسجد میں نہ آنا جائز نہیں کہ لوگ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے بلکہ جب اس کو یہ حال معلوم ہو تو اس پر باہر نکلنا سکھانے اور منع کرنے کے لئے واجب ہے اسی طرح جس شخص کو یقین ہو کہ بازار میں کوئی منکر ہمیشہ ایک وقت معین میں ہوتا ہے اور وہ اسکے دور کرنے پر قادر ہو تو اسکو جائز نہیں کہ گھر میں بیٹھ رہے اور اس منکر کو دور نہ کرے بلکہ اس کو نکلنا لازم ہے اور اگر سب منکر کو دور نہیں کر سکتا مگر بعض کو دور کر سکتا ہے اور اگر منکر کے دیکھنے سے محترز ہے تب بھی اس کو نکلنا لازم ہے اس لئے کہ جب نکلنا اس وجہ سے ہوگا کہ جتنی برائی کو دور کر سکتا ہے اس قدر کو دور کر دے تو جس کو دور نہیں کر سکتا ہے ـــــــــــــــــــ اس کے دیکھنے سے کچھ ضرر نہیں دیکھنا مضر اس صورت میں ہوتا ہے کہ بدون کسی غرض صحیح کے دیکھے۔ حاصل یہ کہ ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ اول اپنے نفس کی اصلاح فرائض پر مواظبت اور محرمات کو چھوڑنے سے کرے پھر اپنی اصلاح کے بعد گھر والوں کو یہ باتیں تعلیم کرے اور ان سے فارغ ہونے کے بعد ہمسایوں کو پھر محلہ والوں کو پھر شہر والوں کو پھر شہر کے گرد ونواح والوں کو پھر جنگلیوں کو اور اسی طرح دنیا کی انتہا تک پھر اگر اس کام کو پاس کے لوگ بجا لائیں گے تو دور والوں پر سے تعلیم ساقط ہو جائے گی ورنہ جن کو تعلیم پر قدرت ہوگی سب گناہگار ہوں گے خواہ قریب کے ہوں یا بعید کے اور جب تک روئے زمین پر بالفرض ایک شخص بھی جاہل کسی دینی فرض سے رہے گا اور عالم کو قدرت ہوگی کہ خود جا کر اس کو سکھا دے یا دوسرے کے ذریعہ سے واقف کرا دے تب تک یہ حرج ثابت نہ ہوگا اور یہ کام نہایت ضروری ہے اس شخص کے حق میں جس کو دین کی فکر ہو اور تمام اپنی اوقات ان تفریعات عجیب اور دقائق علوم کے تعمیق میں مصروف کر رکھے ہوں جو فرض کفایہ ہیں اور اس کام سے بڑھ کر یا تو فرض عین ہے یا اور کوئی فرض کفایہ جو اس سے زیادہ اہم ہو۔

چوتھی فصل ؛ امراء وسلاطین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا

ہم نے اول امر بالمعروف کے درجات بیان کر دیئے ہیں کہ سب سے اول آگاہ کرنا ہے پھر نصیحت پھر زبان سے سخت کہنا۔ پھر زبردستی منع کرنا اور زدوکوب اور سزا سے حق بات کا پابند کرنا ان مراتب میں سے بادشاہوں کے ساتھ اول کے دو مرتبے جائز ہیں۔ یعنی آگاہ کرنا اور نصیحت اور چوتھا مرتبہ یعنی زبردستی منع کرنا رعیت کو بادشاہ کے ساتھ جائز نہیں اس لئے کہ اس سے فساد اور شر برپا ہوگا نیکی برباد گناہ لازم آوے گا۔ باقی رہا تیسرا مرتبہ یعنی درشت کلامی جیسے سلطان کو یوں کہنا کہ او ظالم یا او وہ شخص کہ خدائے تعالیٰ سے نہیں ڈرتا یا اسی قسم کے الفاظ تو ان سے اگر فساد اور خرابی ایسی ہو کہ دوسرے لوگوں کو اس کا ضرر پہنچے تب تو ایسا کہنا جائز نہیں اور اگر صرف کہنے والے ہی کی جان کو اس کا ضرر ہو تب جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ اکابر سلف کا دستور تھا کہ اپنی جان خطرہ میں ڈالتے تھے اور انکار ظاہر ظہور نہ کرتے تھے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ جان جاتی رہے گی اور طرح طرح کے مصائب اور عذاب احتساب کے لئے سہتے تھے اس لحاظ سے کہ ان کو معلوم تھا کہ اگر احتساب میں مارے جائیں گے تو شہید ہوں گے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے[1] خیر الشھداء حمزۃ بن عبد المطلب ثم رجل قام الی امام فامرہ ونہاہ فی ذات اللہ تعالیٰ فقتلہ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا[2] افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کی تعریف میں ارشاد فرمایا[3] کہ شجاع لوہے کی سری ہے اللہ تعالیٰ کے باب میں اس کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اثر نہیں کرتی حق گوئی نے اس کا یہ حال کر دیا ہے کہ اس کا کوئی دوست نہیں جیسے ہندی کی مثل ہے ریسی بات کبیر اکہے سب کے من سے اتر ارہتا ہے اور جب دین میں پختہ لوگوں نے معلوم کیا کہ کلام میں سے بہتر وہ کلمۂ حق ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کہا جائے اور یہ کہ اگر کہنے والا اس حق گوئی کے عوض میں مارا جائے گا۔ تو شہید ہوگا جیسے حدیث میں وارد ہے تو انہوں نے اس امر پر جرأت کی اور اپنی موت دل میں ٹھان لی اور طرح طرح کے عذاب اٹھائے اور رضائے الٰہی کے لئے ان پر صبر کیا اور اپنی جان نثاری کے ثواب کو اللہ تعالیٰ سے طالب ہوئے۔ اور سلاطین کو نصیحت کرنے اور امر معروف اور نہی منکر کرنے کا طور وہ ہے جو سلف کے علماء سے منقول ہے اور باب الحلال والحرام میں سلاطین کے یہاں جانے کے بیان میں کسی قدر ہم لکھ آئے ہیں اب یہاں ان حکایات پر اکتفا

---

[1] شہیدوں میں سے بہتر حمزہ بن عبد المطلب ہیں پھر وہ شخص کہ کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس کو امر و نہی اللہ تعالیٰ کے واسطے کی اور حاکم مذکور نے اس کو مار ڈالا حاکم بروایت جابر ۱۲ [2] بہترین جہاد کلمہ حق ہے حاکم ظالم کے پاس ابوداؤد و ترمذی وابن ماجہ بروایت ابی سعید خدری ۱۲ [3] ترمذی نے بروایت علی مرتضیٰ بسند ضعیف آخر جملہ نقل کیا ہے یعنی حق گوئی نے اس کو الخ اور اول جملہ طبرانی نے نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق نے کعب احبار سے پوچھا کہ تم میری تعریف توریت میں کس طرح پاتے ہو انہوں نے کہا کہ شجاع ۱۲

کرتے ہیں جن سے وعظ کی صورت اور سلاطین و امراء پر انکار کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ ان حکایات میں سے ایک حضرت صدیق اکبرؓ کا منع فرمانا ہے اکابر قریش کو جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا کا قصد کیا اور اس حکایت کو عروہؓ نے یوں بیان کیا ہے کہ میں[1] نے عبداللہ بن عمر سے کہا کہ قریش کے لوگ جو آنحضرت صلعم کے ساتھ کھلی عداوت کرتے تھے اس میں آپ کو جو تکلیفیں انہوں نے دی ہیں ان میں سب سے زیادہ تم نے کون سی دیکھی انہوں نے فرمایا کہ میں قریش کے پاس ایک روز گیا اور وہ حطیم کعبہ میں جمع تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کیا اور کہا کہ جتنا صبر ہم نے اس شخص سے کیا ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ ہمارے عاقلوں کو اس نے بے وقوف کہا اور پشتوں کو گالیاں دیں اور ہمارے دین کو بُرا کہا اور جماعت کو ابتر کر دیا اور ہمارے معبودوں کو سخت سست سنایا ہم نے بڑی بڑی باتوں پر صبر کیا یا اور کچھ انہوں نے ذکر کیا وہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ اتنے میں ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور چلے آئے یہاں تک کہ حجر اسود کو بوسہ دیا پھر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس کو گذرے جب آپ ان کے پاس ہوئے تو انہوں نے کچھ آوازہ پھینکا کہ اس کا اثر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک میں پایا پھر طواف کرتے رہے جب دوسرے پھیرے میں ان پر گذرے تو پھر قریش نے ویسا ہی کلمہ کہا اور میں نے آپ کے چہرۂ مبارک میں اس کا اثر پایا اور پھر آپ چلے گئے اور تیسرے پھیرے میں ان کے پاس کو نکلے تو پھر انہوں نے ویسا ہی آوازہ پھینکا یہاں تک کہ آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ سنتے ہو اے گروہ قریش قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے میں تمہارے لئے ذبح لایا ہوں۔ (یعنی دین تم کو موت کی طرح ناگوار ہے) یہ سن کر سب نے گردنیں نیچی کر لیں اور ایسے چپ ہوئے گویا ہر شخص کے سر پر کوئی پرند بیٹھا ہے اور اس جملہ نے وہ اثر کیا کہ جو شخص بیشتر زیادہ ترغیب آپ کی ایذا دیتا تھا۔ وہی جو لفظ کہ بہتر سے بہتر اس کو ملا اس سے آپ کی تسکین کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اے ابوالقاسم آپ بخیر تشریف لے جائیں کہ بخدا آپ نادان نہیں غرضکہ آپ تشریف لے گئے جب دوسرا روز ہوا تو پھر حطیم میں جمع ہوئے اور میں ان کے ساتھ تھا اور آپس میں کہنے لگے کہ تم کو یاد ہے جو کچھ تم سے اس شخص کو پہنچا اور جو اس سے تم کو یہاں تک کہ جب علانیہ تم سے وہ باتیں کہیں جن کو تم بُرا جانتے تھے تم نے اس کو چھوڑ دیا وہ اسی ذکر میں تھے کہ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمودار ہوئے پس سب کے سب نے آپ پر یکبارگی جست کی اور چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور کہا کہ تم ہی ایسا کہتے ہو تم ہی ایسا فرماتے ہو وہ باتیں نقل کرتے تھے جن کو اپنے معبودوں اور دین کی برائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سنا تھا آپ ان کا جواب[2] ارشاد فرماتے تھے۔ کہ ہاں میں ہی ایسا کہتا ہوں پھر تو میں نے دیکھا کہ قریش کے

---

[1] اس کو بخاری نے مختصر اور ابن حبان نے پوری بیان کی ہے ۱۲ [2] اس کو بخاری نے نقل کیا ہے ۱۲

ایک آدمی نے آپ کی تمام چادر پکڑ کر گھسیٹا اور حضرت صدیق اکبرؓ آپ کے پیچھے کھڑے روتے تھے اور کہتے تھے کہ خرابی ہو تمہاری کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پس قریش آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور میں نے دیکھا کہ قریش نے اس سے زیادہ تکلیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی پیشتر دی ہو اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عمر سے اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن کعبہ میں تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے شانہ مبارک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پکڑ کر اپنا کپڑا آپ کے گلے میں ڈال کر زور سے گلا گھونٹا پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اس کا شانہ پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سے ہٹایا اور فرمایا اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم اور مروی ہے کہ معاویہؓ نے مسلمانوں کی عطایا کو روک لیا تھا ایک روز وہ خطبہ پڑھتے تھے کہ ابو مسلم خولانی ان کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا اے معاویہؓ یہ مال جو تم نے روکا ہے نہ تو تمہاری محنت کا ہے نہ تمہارے باپ کی محنت کا نہ تمہاری ماں کی محنت کا حضرت معاویہ کو غصہ آیا اور منبر پر سے اتر کر ان کی آنکھوں سے غائب ہو گئے اور کہہ گئے کہ ایسے ہی بیٹھے رہو ایک ساعت کے بعد آپ نہا کر نکلے اور فرمایا کہ ابو مسلم نے مجھ سے ایسی بات کی کہ جس سے مجھ کو غصہ آگیا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی ہی سے بجھائی جاتی ہے، تو جب تم میں کوئی غصہ ہو تو غسل کر ڈالے اور میں اندر جا کر نہا آیا اور اب کہتا ہوں کہ ابو مسلم نے درست کہا کہ وہ مال نہ میری محنت کا ہے نہ میرے باپ کی مشقت کا سو آؤ اور اپنی عطایا لے جاؤ۔ اور ضبۃ بن محصن عنزی کہتے ہیں کہ بصرہ میں ہمارے حاکم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ تھے ان کا دستور تھا کہ جب خطبہ پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتے پھر حضرت عمر فاروقؓ کے لئے دعا کرتے مجھ کو ان کا یہ فعل برا معلوم ہوا میں کھڑا ہو گیا اور ان سے کہا کہ تم کو خلیفہ اول کا خیال نہیں تم حضرت فاروقؓ کو ان پر فضیلت دیتے ہو انہوں نے چند جمعہ ایسا کیا پھر حضرت عمرؓ کی خدمت میں میری شکایت لکھ بھیجی کہ ضبۃ بن محصن اثنا خطبہ میں میرا مزاحم ہوتا ہے۔ حضرت فاروق نے ان کو لکھا کہ اس کو ہمارے پاس بھیج دو انہوں نے مجھ کو آپ کے پاس روانہ کیا جب مدینہ منورہ میں پہنچا تو آپ کے دروازہ پر دستک دی آپ باہر تشریف لائے اور پوچھا کہ تو کون ہے میں نے کہا کہ ضبۃ بن محصن عنزی ہوں۔ آپ نے مجھ کو فرمایا کہ نہ مرحبا ہے نہ اہل میں نے عرض کیا کہ مرحبا تو خدا کی طرف سے ہے اور اہل کا حال یہ ہے کہ میں اہل اور مال دونوں نہیں رکھتا مگر یہ فرمائیے کہ آپ نے جو مجھ کو میرے شہر سے بدون

لے کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا ہے تم پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی ۱۲ ،۱۲ اس کو ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ہے جس کو میں نہیں جانتا ۱۲ ،۳ اس تمام قصہ کو بیہقی نے دلائل النبوت سے نقل کیا ہے بسند ضعیف ۱۲

کسی خفا یا تقصیر کے بلا لیا یہ کس وجہ سے آپ نے جائز سمجھا آپ نے فرمایا کہ تجھ میں اور ہمارے عامل میں کیا جھگڑا ہے
میں نے کہا اس کا حال میں اب آپ سے کہے دیتا ہوں کہ ان کا دستور یہ تھا کہ جب خطبہ پڑھتے تو خدائے تعالے
کی حمد و ثنا کر کے درود پڑھتے پھر آپ کے لئے دعا مانگنے لگتے مجھ کو ان کی اس حرکت پر غصہ آیا میں سامنے کھڑا
ہو گیا اور کہا کہ تم کو صدیق اکبرؓ کا دھیان نہیں کہ حضرت عمرؓ کو فضیلت دیتے ہو انہوں نے کئی جمعہ ایسا ہی کیا پھر
آپ کی خدمت میں میری شکایت لکھ بھیجی حضرت عمر فاروقؓ یہ حال سن کر بے اختیار رونے لگے اور کہتے تھے
کہ بخدا تو ہمارے عامل کی بہ نسبت زیادہ توفیق یافتہ اور راہ یاب ہے پھر فرمایا کہ بھلا تو میرا قصور معاف کرے
گا خدائے تعالیٰ تیرا قصور معاف کرے میں نے عرض کیا کہ تم کو خدائے تعالیٰ معاف کرے یا امیر المومنین آپ
بے اختیار رونے لگے اور کہنے لگے کہ خدا ابو بکرؓ صدیق کا ایک روز و شب عمرؓ اور آلِ عمرؓ سے بہتر ہے کیا
میں تجھ سے اس رات اور دن کو کہہ دوں میں نے عرض کیا کہ بہتر آپ نے فرمایا کہ صدیق اکبرؓ کی رات تو وہ ہے
کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ سے نکلنا اور مشرکوں کی ایذا سے بچنا چاہا تو آپ رات کے وقت
نکلے اور حضرت صدیقؓ آپ کے ساتھ ہوئے راہ میں کبھی تو آپ کے آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور گاہ داہنے
اور گاہ بائیں آنحضرت صلعم نے ان کو فرمایا کہ اے ابو بکر یہ کیا بات ہے میں تو نہیں جانتا کہ تم نے کبھی ایسا کیا ہو
آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب میں یاد کرتا ہوں کہ کوئی گھاتی نہ بیٹھا ہو تو آپ کے
آگے ہو جاتا ہوں اور جو دوڑ کو خیال کرتا ہوں تو پیچھے ہو جاتا ہوں اور دہنے بائیں بھی آپ کی حفاظت کے
لئے ہوتا ہوں کہ مجھ کو آپ کی طرف سے خوف لگا ہوا ہے غرضکہ رات بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پائے
مبارک کی انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ وہ گھس گئیں جب حضرت صدیقؓ نے آپ کی انگلیوں کا یہ حال
دیکھا تو آپ کو اپنے شانہ پر بٹھلا کر دوڑے یہاں تک کہ جبل ثور کے غار پر پہنچ کر آپ کو اتارا اور عرض کیا کہ قسم
ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ اس میں نہ جائیے جب تک میں نہ گھس لوں کیونکہ اگر کوئی
چیز اس میں ہو تو اس کا ضرر مجھ کو ہو آپ کو نہ ہو یہ کہہ کر حضرت صدیقؓ غار کے اندر گئے اور جب اس میں کچھ
نہ دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اٹھا کر اس کے اندر لے گئے اور غار میں کچھ دراڑ تھی جس میں سانپ
اور بچھو تھے حضرت صدیق نے اس میں اپنا پاؤں دے دیا اس ڈر سے کہ کہیں کوئی چیز اس میں سے نکل کر آنحضرت
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایذا نہ دے ان کو ایک سانپ نے کاٹ لیا آپ کے آنسو درد کے مارے دونوں رخساروں
پر جاری تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو ارشاد فرماتے تھے اے ابو بکرؓ لا تحزن ان اللہ معنا
یعنی غم مت کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کے لئے تسکین اتاری پر تو

ح بخاری و مسلم نے اس کو نقل کیا ہے بروایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بالفاظ دیگر ۔ ۱۲

عرب کے لوگ مرتد ہو گئے۔ اور بعضوں ؒ نے کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکواۃ نہ دیں گے حضرت صدیق رضؓ نے ان پر جہاد کا قصد کیا میں ان کی خدمت میں گیا کہ حتی الوسع نصیحت کروں گا میں نے کہا کہ اے نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ لوگوں کو پرچایئے اور ان کے ساتھ نرمی کیجئے آپ نے مجھ کو فرمایا کہ تعجب ہے کہ کفر میں تم اتنے سخت تھے اور اسلام میں اتنے ڈھیلے ہو گئے ہیں ان کو کس وجہ سے پرچاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرمائے رفیق اعلیٰ ہوتے اور وحی اٹھ گئی بخدا اگر لوگ مجھ کو ایک رسی سے بھی انکار کریں گے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اُن سے جہاد کروں گا غرضکہ ہم نے ان کے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو معلوم ہوا کہ بخدا وہ راہ یاب تھے اور اس باب میں انہیں کی تجویز ٹھیک تھی یہ حضرت صدیق رضؓ کے دن کا حال ہے پھر حضرت فاروق رضؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو ملامت لکھ بھیجی کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو قصور تمہارا ہی ہے اور اصمعی کہتے ہیں کہ جن دنوں عبد الملک بن مروان اپنی حکومت میں حج کو آیا تھا تو مکہ میں تخت پر بیٹھا اور گرد اس کے ہر قبیلہ کے اشراف جمع ہوئے اس وقت عطا بن ابی رباح اس کے پاس تشریف لے گئے عبد الملک دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھلایا اور آپ ان کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ آپ نے کیوں قدم رنجہ فرمایا انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین خدا تعالیٰ کے حرم اور اس کے رسول کے حرم کے باب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور ان کی آبادی کے خبر گیر رہنا اور مہاجرین و انصار کی اولاد کے باب میں خوف خدا رکھنا کہ تم تخت پر انہیں کی بدولت بیٹھے ہو اور جو لوگ مسلمانوں میں سے دار الاسلام کی حدود پر کفار کے منع اور روکنے کو متعین ہیں ان کے باب میں خوف خدا رکھنا اور مسلمانوں کے معاملات کا جو یا رہنا کہ ان کی بازپرس خاص تم سے ہو گی اور جو لوگ تمہارے دروازہ پر آویں ان کے باب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا کہ ان کے حال سے غافل نہ ہونا اور نہ اپنا دروازہ بند کرنا کہ وہ نہ آنے پائیں خلیفہ نے عرض کیا کہ بہتر میں ایسا ہی کروں گا پھر آپ اٹھے خلیفہ نے ان کو پکڑ لیا اور کہا کہ اے ابو محمد یہ تو آپ نے دوسروں کے مطلب بیان کئے ان کو ہم کہہ چکے کہ پورا کریں گے آپ اپنی حاجت فرمایئے انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو مخلوق کی طرف کچھ حاجت نہیں یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے عبد الملک نے کہا کہ شرف اس کو کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک روز ولید بن عبد الملک نے اپنے دربان سے کہا کہ دروازہ پر کھڑا ہو جب کوئی شخص گذرے تو اس کو میرے پاس بلا لانا کہ مجھ سے باتیں کرے۔ دربان دروازہ پر کھڑا ہوا کہ اتنے میں عطار بن ابی رباحؒ ادھر کو گذرے یہ ان سے ناواقف تھا ان کی خدمت میں عرض کیا کہ امیر المومنین کے پاس چلو کہ ان کا حکم ہے وہ خلیفہ کے پاس تشریف لائے اور اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیز بھی وہاں موجود

ا؎ بخاری و مسلم نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو نقل کیا ہے۔

تھے جب عطا ولید سے قریب ہوئے تو فرمایا السلام علیک یا ولید خلیفہ دربان پر بہت خفا ہوا کہ کم بخت میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میرے پاس ایسے شخص کو لایا جو مجھ سے قصے کہانی کہے تو ایسے شخص کو بلا لیا کہ اس کو یہ بھی خوش نہ آیا کہ جو نام اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پسند فرمایا اس نام سے مجھ کو پکارے دربان نے کہا کہ ان کے سوا اور کوئی میرے پاس نہیں آیا۔ پھر خلیفہ نے ان کو فرمایا کہ بیٹھئے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کرنے لگا منجملہ انکے عطاؒ نے ایک روایت اس کے سامنے یہ بیان کی کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام ہبب ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے لئے رکھا ہے جو اپنے حکم میں ظلم کرے اس قول کو سن کر ولید نے ایک چیخ ماری اور یا تو دروازہ کی دہلی کے پاس بیٹھا تھا یا پشت کے بل بے ہوش ہو دیوان خانہ کے بیچ میں گر پڑا حضرت عمر بن عبد العزیز نے عطا سے فرمایا کہ تم نے امیر المومنین کو مار ڈالا عطاء نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر خوب زور سے دبایا اور کہا کہ اے عمر یہ حال واقعی ہے پھر عطاء اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ ان کے ہاتھ دبا دینے کا اثر مجھ کو کئی برس رہا کہ میرا ہاتھ دکھتا رہا۔ اور ابن ابی شمیلہ جو عقل وادب میں موصوف ومعروف تھے عبد الملک بن مروان کے پاس گئے عبد الملکؒ نے ان سے کہا کہ کچھ فرمایئے انہوں نے فرمایا کہ کیا کہوں یہ تو تم جانتے ہو کہ متکلم جو کلام کرتا ہے وہ اس پر وبال ہوتا ہے بجز اس کلام کے جو اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو عبد الملک رو پڑا پھر کہا کہ خدائے تعالیٰ تم پر رحم کرے لوگ تو ہمیشہ سے ایک دوسرے کو نصیحت اور وصیت کرتے چلے آئے ہیں انہوں نے کہا کہ یا امیر المومنین قیامت میں لوگ اسی کی تلخی کے گلے میں پھنسنے اور ہلاک کو معائنہ کرنے سے نجات نہ پائیں گے مگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس کو خفا کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا۔ عبد الملک پھر رویا اور کہا کہ میں ان کلمات کو بلا شبہ اپنی زیست تک آنکھوں کے سامنے تصویر کی طرح رکھوں گا۔ اور ابن عائشہؓ کہتے ہیں کہ حجاج نے بصرہ اور کوفہ کے فقہا کو بلایا تو ہم سب گئے اور حضرت حسن بصریؒ سب سے پیچھے تشریف لے گئے حجاج نے ان کی تعظیم کی اور مرحبا کہا اور ایک کرسی منگا کر اپنے تخت کے پاس بچھائی اور اس پر آپ کو بٹھلایا پھر ہم سے ذکر ادھر ادھر کا کرنے لگا اور سوال کرتا رہا کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر کر کے آپ کی بدگوئی کرنے لگا اور ہم بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور اس کے خوف کے مارے بجز تسلیم کے اور کچھ نہ کہتے تھے اور حسن بصریؒ انگلی دانت تلے دبائے خاموش بیٹھے تھے حجاج نے ان سے کہا کہ آپ خاموش ہیں آپ نے فرمایا کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا اس نے کہا کہ آپ اپنی رائے حضرت علیؓ کے باب میں مجھ سے بیان کیجئے آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] وما جعلنا القبلة التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین ھدی اللہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لرؤف رحیم اور علی مرتضیٰ ان ایماندار لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی تو میری رائے ان کے باب میں یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر عم زاد اور آپ کے داماد اور آپ کے نزدیک سب لوگوں سے محبوب تر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو سوابق مبارک پہلے سے لکھدے تھے وہ سب ان کو حاصل ہیں تم سے یا اور کسی سے نہیں ہو سکتا کہ ان سوابق سے علی مرتضیٰ کو منع کر دو یا ان کے اور آپ کے درمیان حائل بن جاؤ اور یہ بھی میری رائے ہے کہ اگر حضرت علی مرتضیٰ سے کوئی بری بات ہوئی بھی تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا میرے نزدیک ان کے باب میں اس سے عمدہ اور قول نہیں یہ سن کر حجاج نے ناک بھوں چڑھائی اور رنگ متغیر ہو گیا اور غصہ میں آ کر تخت پر سے اٹھ کر ایک حجرہ جو تخت کے پیچھے تھا اس میں چلا گیا اور ہم سب باہر نکل آئے عامر شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اے ابو سعید تمنے حجاج کو خفا کر دیا اور اس کے سینہ کو کینہ سے بھر دیا آپ نے فرمایا کہ اے عامر مجھ سے الگ ہٹو آدمی تو کہتے ہیں کہ عامر شعبی کوفہ کا عالم ہے تم ایک شیطان سیرت بشر صورت کے پاس آ کر اس کی خواہش کے بموجب کلام کرتے ہو، اور اس کی رائے کو درست کہتے ہو تمہاری کیا شامت ہے تم نے خوف اور تقویٰ نہ کیا کہ جب تم سے سوال ہوا تھا یا سچ کہا ہوتا یا خاموش رہے ہوتے کہ سلامت رہتے عامر نے جواب دیا کہ میں نے کہا تو سہی مگر میں جانتا تھا کہ اس میں خرابی ہے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ بات تم پر اور زیادہ حجت اور سخت گناہ ہے عامر کہتے ہیں کہ حجاج نے حضرت حسن بصریؒ کو بلوایا جب آپ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ آپ ہی کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ان امرا کو قتل کرے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو روپیہ پیسے پر مار ڈالا آپ نے فرمایا کہ ہاں میں کہتا ہوں اس نے کہا اس کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے عہد لے لیا ہے کہ لوگوں سے بیان کر دینا چھپانا نہیں چنانچہ ارشاد فرمایا واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ[ت] حجاج نے کہا کہ بس زیادہ نہ بولو زبان بند کرو اور خبردار آگے کو ایسا قول تم سے نہ سنوں جو مجھ کو برا معلوم ہو نہیں تو تمہارا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ اور کہتے ہیں کہ حطیطہ زیات کو حجاج کے سامنے لائے جب وہ روبرو ہوا تو حجاج نے پوچھا کہ حطیطہ تو ہی ہے اس نے کہا ہاں تیرا دل جو چاہے پوچھ لے کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے مقام ابراہیم پر تین عہد کر لئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مجھ سے سوال ہو گا میں سچا جواب کہوں گا۔ دوئم اگر مجھ پر مصیبت ہو گی تو صبر کروں گا۔ سوم اگر عافیت سے رہوں گا تو شکر کروں گا۔ اس نے کہا کہ تو میرے باب میں کیا کہتا ہے کہا کہ یہ کہتا ہوں کہ تو زمین

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) [ت] اور وہ قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا جس پر تو تھا نہیں مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں اور یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دی اللہ تعالیٰ نے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا یقین لانا البتہ اللہ لوگوں پر شفقت رکھتا ہے مہربان ۱۲

(ھذا) [ت] اور جب اللہ تعالیٰ نے اقرار کیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں کے پاس اور نہ چھپاؤ گے

ہیں خدائے تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ہے لوگوں کی ہتک عزت کرتا ہے اور تہمت پر قتل کرتا ہے حجاج نے کہا کہ امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے باب میں کیا کہتا ہے اس نے کہا کہ کہتا ہوں کہ اس کا جرم تجھ سے بھی بڑھ کر ہے اس کی ساری خطاؤں میں سے ایک تو ہی ہے حجاج نے حکم دیا کہ اس شخص کو عذاب دو چنانچہ عذاب ہونے لگا آخر کو یہ نوبت ہوئی کہ بانسی کو چیر کر اس کی کھپاچین اس کے گوشت پر رکھ کر رسیوں سے باندھ دیں پھر ایک ایک کھپاچ گھسیٹنی شروع کی یہاں تک کہ گوشت سب ادھڑ گیا مگر اس نے اُف نہ کیا حجاج سے کہا گیا کہ اب وہ حالت نزع میں ہے اس موذی نے کہا کہ اس کو اٹھا کر بازار میں پھینک دو جعفر کہتے ہیں کہ میں اور اس کا ایک رفیق اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ حطیطہ تیری کوئی حاجت ہے اس نے کہا کہ پانی پینا چاہتا ہوں ہم نے پانی لا دیا اس نے اس کو پی کر کاسہ موت ساتھ ہی پی لیا اس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔ اور کہتے ہیں کہ عمرو بن ہبیرہ نے بصرہ اور کوفہ اور مدینہ منورہ اور شام کے علما کو اور گرد نواح کے فقہا کو بلوایا اور ان سے سوال کرنے لگا اور عامر شعبی سے گفتگو کی تو جو بات پوچھی اس سے ان کو خوب واقف پایا پھر حسن بصری کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے سوال کیا پھر کہا کہ کوفہ اور بصرہ کے عالم یہی دونوں ہیں پھر دربان سے کہا کہ اور علماء کو رخصت کرو صرف ان دونوں کو رہنے دو جب اور لوگ رخصت ہوئے پھر ان دونوں کو تنہائی میں لے جا کر عامر شعبی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اے ابو عمرو میں عراق پر امیر المومنین کی طرف سے عامل اور امین ہوں اور فرمانبرداری پر مامور ہوں مجھ کو رعیت کا کام سپرد ہے اور مجھ پر رعیت کا حق لازم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ رعیت محفوظ رہے اور جس بات میں ان کی بہتری اور خیر خواہی ہو اس کا جویا رہتا ہوں پھر ملک والوں سے کوئی ایسی بات سنتا ہوں جس سے مجھ کو ان پر غصہ آجاتا ہے تو میں کسی قدر ان کی عطا ضبط کر کے بیت المال میں رکھ دیتا ہوں اور میری نیت یہ ہوتی ہے کہ ان کو واپس کروں گا مگر اتنے میں امیر المومنین کو خبر ہو جاتی ہے کہ اس قدر مال اس طرح پر میں نے لیا وہ مجھ کو لکھ بھیجتے ہیں کہ واپس مت کرنا تو اب مجھ سے نہ تو خلیفہ کا حکم ٹالا جا سکتا ہے نہ تعمیل فرمان بن سکتی ہے مگر میں مامور طاعت ہی پر ہوں تو اس میں یا اور اس قسم کے امور میں کچھ مجھ پر گناہ ہے یا نہیں اور اپنی نیت کا حال میں نے تم سے بیان ہی کر دیا۔ شعبی نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ آپ کو نیکی دے سلطان بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی کرتا ہے اُس سے مواخذہ نہیں ابن ہبیرہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اس جواب کو پسند کیا اور کہا اللہ کا شکر ہے کہ مجھ پر مواخذہ نہیں پھر حسن بصری کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے ابو سعید آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارا یہ قول سنا کہ تم عراق پر امیر المومنین کے عامل اور امین ہو اور طاعت پر مامور اور رعیت کے کام میں مبتلا ہو اور اپنے ذمہ ان کا حق اور خیر خواہی اور بہتری کی جستجو اور خبر گیری لازم جانتے ہو اور واقع میں حق رعیت تم پر لازم ہے اور ان کو خیر خواہی کے ساتھ محفوظ رکھنا تم پر واجب

ہے کہ میں نے عبد الرحمٰن بن سمرۃ قرشی صحابی سے سُنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے[۱] ہیں کہ جو شخص کسی رعیت کا حاکم ہوا اور اس نے ان کی حفاظت خیر خواہی سے نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کرے گا اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ میں کبھی رعیت کی عطا ضبط کر لیتا ہوں اور نیت ان کی بہتری اور طاعت کی ہوتی ہے مگر یزید کو خبر ہو جاتی ہے کہ اتنا مال اس وجہ سے لیا ہے تو وہ لکھ بھیجتا ہے کہ اس مال کو واپس مت کرنا تو نہ مجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی عدول حکمی کروں اور نہ اس کے فرمان کی تعمیل کر سکتا ہوں حالانکہ تم پر خدائے تعالیٰ کا حق یزید کے حق کی نسبت کر زیادہ لازم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا حق ہے اس کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ چاہیئے پس یزید کے نوشتہ کو قرآن مجید پر پیش کیا کرو اگر اس کو موافق حکم خدا کے پاؤ اس پر عمل کرو اور اگر مخالف ہو تو پس پشت پھینکدو اے ابن ہبیرہ خدائے تعالیٰ سے ڈر کہ عنقریب پروردگار کا قاصد تیرے پاس آئے گا اور تجھ کو تیرے تخت سے اتار دے گا۔ اور اس محل وسیع سے نکال کر تنگ وتاریک قبر میں پہنچا دے گا یہ سلطنت اور دنیا سب اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا اور اپنے پروردگار کے سامنے جاکر جیسی کرنی ویسی بھرنی کا مصداق ہوگا اے ابن ہبیرہ اللہ تجھ کو یزید سے بچا دے گا مگر یزید کو یہ طاقت نہیں کہ تجھ کو خدائے تعالیٰ سے بچا دے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سب حکموں سے برتر ہے اس کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں اور میں تجھ کو اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو گنہگاروں سے نہیں پھرتا۔ ابن ہبیرہ نے کہا کہ اے شیخ چھوٹا منہ بڑی بات مت کہو امیر المومنین کا ذکر نہ کرو کہ وہ علم والا اور حاکم اور اہل فضل ہے اللہ تعالیٰ نے جو اس کو اس امت کا حاکم کیا ہے تو کچھ سمجھ کر اور اس کی فضیلت اور نیت دیکھ کر کیا ہے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اے ابن ہبیرہ حساب تیرے سر پر ہے کہ کوڑا عوض کوڑے کے اور غصہ بدلے غصہ کے اور اللہ تعالیٰ گھات میں ہے اور جان لے کہ اگر کوئی شخص مجھ کو ایسا ملے جو دین کے باب میں تجھ کو نصیحت کرے اور معاملہ آخرت کی ترغیب دلائے وہ اس شخص سے بہتر ہے کہ تجھ کو مغالطہ دے اور جھوٹی طمع دلائے ابن ہبیرہ یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور ترش رو اور چین بجبین نیلا پیلا ہو وہاں سے چلا گیا۔ شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؓ سے کہا کہ آپ نے امیر کو گرم کر دیا اور جو کچھ وہ ہم سے سلوک کرتا اس سے محروم رکھا آپ نے فرمایا کہ اے عامر مجھ سے دور ہو ایسی باتیں مت کر۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کے لئے تحفہ اور عمدہ چیزیں آئیں اور ان کی منزلت ہوئی اور ہم کو نہ کچھ ملا نہ قدر ہوئی تو واقع میں جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ اسی قابل تھے اور جو ہمارے ساتھ ہوا ہم اسی کے سزاوار تھے غرضکہ میں نے جتنے عالم دیکھے حسن بصریؒ جیسے نہیں دیکھے آپ کو جب پایا ایسا پایا جیسا تازی گھوڑا دو غلوں میں ہو اور جب کسی مجمع میں ہم جمع ہوتے ہم پر غالب ہی رہے کہ آپ نے تو خدائے تعالیٰ کے

---

[۱] اس سے سند لغوی نے معجم صحابہ میں نقل کیا ہے کہ مگر اس سند میں ضعف ہے اور صحیحین میں یہ حدیث بروایت حسین مروی ہے ۱۲

واسطے کہا اور ہم نے امراء کی پاسداری سے کہا اور میں نے اس روز سے عہد کر لیا کہ کسی حاکم کے پاس نہیں جاؤں گا کہ اس کی طرف داری کروں۔ اور محمد بن راسع بلال بن ابی بردہ کے پاس گئے اس نے عرض کیا کہ تقدیر میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے ہمسایہ میں اہل قبور ہیں ان کی حالت سوچو اس خیال میں تم تقدیر کا حال پوچھنا بھول جاؤ گے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے چچا محمد بن علی نے کہا کہ میں خلیفہ ابو جعفر منصور کی مجلس میں تھا اور اس میں ابن ابی ذئبؒ بھی تھے اور حسن بن زید حاکم مدینہ منورہ موجود تھا کہ اس اثناء میں غفاری قوم آئی اور حسن بن زید کی کچھ شکایت خلیفہ سے کی حسن نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ان کا حال ابن ابی ذئبؒ سے دریافت فرمائیے کہ یہ کیسے لوگ ہیں خلیفہ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ قوم لوگوں کی ہتک عزت کرتی ہے اور ان کو بہت ایذا دیتی ہے خلیفہ نے غفاریوں سے کہا کہ تم نے سنا کہ کیا کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ آپ ان سے حسن کا حال بھی پوچھئے خلیفہ نے پوچھا کہ اے ابن ابی ذئب حسن کے باب میں تم کیا کہتے ہو آپ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ناحق حکم کرتا ہے اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے خلیفہ نے حسن سے کہا کہ تم نے سنا کہ تمہارے باب میں کہا حالانکہ ابن ابی ذئب مرد نیک بخت ہے حسن نے کہا کہ یا امیر المؤمنین ان سے اپنا حال تو دریافت فرمائیے۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ میرے باب میں آپ کیا فرماتے ہیں فرمایا کہ اس سے مجھے معاف رکھیئے خلیفہ نے کہا کہ تم کو قسم ہے خدا کی ضرور کہو آپ نے فرمایا کہ تم قسم خدا دے کر مجھ سے پوچھتے ہو گویا اپنا حال تم خود نہیں جانتے خلیفہ نے پھر اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ مال حق طور پر نہیں لیا ناحق لیا اور ان لوگوں میں صرف کیا جو اس کے اہل نہ تھے اور میں گواہ ہوں کہ ظلم تمہارے دروازہ پر پھیلا ہوا ہے یہ سن کر منصور اپنی جگہ سے سرکا یہاں تک کہ ابن ابی ذئب کی گردن اپنے ہاتھ سے پکڑ لی اور کہا کہ یاد رکھو کہ اگر میں یہاں نہ بیٹھا ہوتا تو فارس اور روم اور دیلم اور ترک یہ جگہ تم سے چھین لیتے ابن ابی ذئب نے کہا کہ یا امیر المؤمنین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق بھی تو حاکم تھے اور انہوں نے مال کو حق طور پر وصول کیا اور برابر تقسیم کیا اور فارس اور روم کی گردنیں پکڑ کر ان کی ناکیں رگڑ دیں منصور نے آپ کی گردن چھوڑ دی اور رخصت کیا کہ بخدا اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ تم سچ کہتے ہو تو تم کو مار ڈالتا۔ ابن ابی ذئب نے کہا کہ واللہ یا امیر المؤمنین کہ میں تمہارے فرزند مہدی سے بھی زیادہ تمہارا خیر خواہ ہوں جب ابن ابی ذئب منصور کی مجلس سے نکلے تو سفیان ثوریؒ اُن کو ملے اور کہا کہ جو کچھ تم نے اس ظالم سے گفتگو کی مجھ کو خوش معلوم ہوئی لیکن مجھ کو یہ کہنا تمہارا بُرا معلوم ہوا کہ تم نے اس کے لڑکے کو مہدی کہا ابن ابی ذئبؒ نے کہا کہ خدا تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے میری غرض یہ نہیں تھی کہ مہدی مشتق ہدایت سے ہو بلکہ اس نظر سے مہدی کہا کہ سب انسان

لح ابن ابی الدنیا در مواعظ الخلفاء ۱۲

منسوب بسوئے مہدی ہیں۔ اور عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ میں ساحل میں تھا کہ مجھ کو خلیفہ منصور نے آدمی بھیج کر بلوایا جب میں اس کے پاس پہنچا اور آداب خلافت کے بموجب سلام کیا۔ خلیفہ نے جواب سلام دے کر مجھ سے بیٹھنے کو کہا جب میں بیٹھ گیا تو کہا کیا وجہ کہ اتنے دنوں تک تم ہمارے پاس نہ آئے۔ میں نے کہا کہ آپ کو ہم سے غرض کیا ہے کہا کہ کچھ باتیں سیکھیں اور فائدہ حاصل کریں میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین جب یہ بات ہے۔ تو جو کچھ آپ کو کہوں اس کا لحاظ رکھنا اور اس کو بھول مت جانا خلیفہ نے کہا کہ میں اس کو کیسے بھولوں گا میں خود تو پوچھتا ہوں اور اسی کی ضرورت سے تمہارے پاس آدمی بھیجا اور بلوایا میں نے کہا کہ مجھ کو یہ ڈر ہے کہ آپ سن تو لیں اور عمل نہ کریں میں نے جو یہ کہا تو ربیع نے مجھ کو للکارا اور تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔ خلیفہ نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ مجلس ثواب کی ہے نہ عقاب کی میرا دل خوش ہو گیا اور گفتگو کے لئے کھل گیا پس میں نے یہ کہا کہ اے امیر المؤمنین مجھ سے مکحول نے عطیہ بن بسر سے روایت کی ہے[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دین کے باب میں کوئی نصیحت آتی ہے تو وہ خدائے تعالیٰ کی نعمت ہے جو اس کے پاس آئی ہے پس اگر اس کو شکر کے ساتھ قبول کرے گا تو فبہا ورنہ وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر حجت ہو گی تاکہ وہ تو اس کے سبب کے گناہ میں زیادہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس پر ناراض زیادہ ہو۔ یا امیر المؤمنین مجھ سے حدیث بیان کی مکحول نے عطیہ بن بسرؓ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[2] جو حاکم اپنی رعیت کا بدخواہ مرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرماوے گا۔ یا امیر المؤمنین جس شخص نے حق کو برا جانا کہ اللہ تعالیٰ حق مبین ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری رعیت کے دلوں کو تمہارے واسطے نرم کر دیا ہے کہ تم کو ان کی حکومت دی بوجہ تمہاری قرابت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو امت پر رؤف اور رحیم اور اپنی جان و مال سے اُن کے غم خوار اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے نزدیک محمود تھے تو تم کو بھی مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے امت میں حق بجا لاؤ اور عدل کے ساتھ رہو اور ان کی عیب پوشی کرو فریادیوں کی فریاد سنو ان کے لئے اپنے پھاٹک بند مت کرو اور نہ پہرہ بٹھاؤ اگر ان کو آسایش ہو تو خوش ہو اور اگر تکلیف ہو تو رنج کرو اے امیر المؤمنین پہلے تم کو خاص اپنی فکر تھی اور اب اس تمام خلق کا بار تم پر ہے جس کا عرب و عجم اور کافر و مسلم تمہارے قبضہ میں ہے اور ان میں سے ہر ایک کا حصہ تمہارے عدل میں ہے تو جس صورت میں ان کے جوق در جوق کھڑے ہو جائیں اور کوئی تمہاری مصیبت ڈالنے کا شکوہ کرے اور کوئی حق دبا لینے کا تو پھر تمہارا کیا حال ہو گا۔ اے امیر المؤمنین مجھ سے حدیث[3]

---

[1] ح ابن ابی الدنیا در مواعظ الخلفاء ۱۲۔ [2] ح ابن ابی الدنیا در مواعظ الخلفاء و ابن عطار در کامل ۱۲۔ [3] ح ابن ابی الدنیا در مواعظ الخلفاء مرسلاً ۱۲۔

بیان کی مکحول نے عروہ بن رویم سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں شاخ خرما تھی جس سے آپ مسواک کرتے تھے اور منافقوں کو ڈراتے تھے آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شاخ کیسی ہے جس سے آپ نے اپنی امت کے دل توڑ دیئے اور ان کو رعب سے پُر کر دیا تو جو شخص ان کی جلدوں کو پھاڑے گا اور ان میں خون ریزیاں کرے گا اور ان کے شہر ویران کرے گا اور ملکوں سے جلاوطن کرے گا اور اس کا خوف ان کو غالب کر دے گا تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اے امیر المؤمنین مجھ سے حدیث[1] بیان کی مکحول نے زیادہ سے اور انہوں نے حارثہ سے حارثہ نے حبیب بن سلمہ رضؓ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات پاک سے قصاص لینے کو ارشاد فرمایا یعنی آپ کے ہاتھ سے ایک اعرابی کے نادانستگی میں کھرونچا لگ گیا تھا آپ کے پاس حضرت جبرائیلؑ علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظالم اور متکبر کر کے نہیں بھیجا آپ نے اس اعرابی کو بلایا اور فرمایا کہ مجھ سے قصاص لے اس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو معاف کیا آپ پر فدا ہوں میرے والدین میں ایسا نہیں کہ آپ سے قصاص لیتا گو آپ مجھ کو جان سے مار ڈالتے آپ نے اس کے حق میں دعائے خیر کی۔ اے امیر المؤمنین اپنے نفس کو اسی کے نفع کے لئے ریاضت دو اور اس کے واسطے اپنے پروردگار سے امن حاصل کرو اور اس جنت کی رغبت کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ اور جس کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ تم میں سے کسی کو جنت میں سے ایک کمان کی مقدار کا ہونا دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہے۔ اے امیر المؤمنین اگر سلطنت تم سے پہلے لوگوں کی پائیدار رہتی تو تم کو نہ پہنچتی اسی طرح تمہارے پاس بھی نہ رہے گی جیسے اوروں کے پاس نہ رہی اے امیر المؤمنین تم کو معلوم ہے کہ تمہارے دادا حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے[3] ما لھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصٰھا آپ نے فرمایا ہے کہ صغیرہ سے مراد مسکرانا ہے اور کبیرہ سے مراد ہنسنا تو جب مسکرانا اور ہنسنا صغیرہ اور کبیرہ ٹھہرے تو ہاتھوں کے اعمال اور زبانوں کے اقوال کا کیا حال ہوگا۔ اے امیر المؤمنین میں نے سنا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی بکری کا بچہ فرات کے کنارہ پر ضائع ہو کر مر جائے تو مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں اس کی پوچھ مجھ سے نہ ہو تو اب یہ فرمایئے کہ جو لوگ آپ کے فرش ہی پر ہوں اور تمہارے عدل سے محروم رہیں ان

ح۔ ابن ابی الدنیا در مواعظ الخلفا اور ابو داؤد نسائی نے بروایت عمر فاروق نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس سے قصاص دلایا اور حاکم نے بروایت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن ربیہ نقل کیا ہے کہ آپ نے اسید بن خفضیر کی تہ گاہ میں چوکا دیا انہوں نے کہا کہ آپ نے مجھ کو درد پہنچایا آپ نے فرمایا کہ مجھ سے قصاص لے الحدیث ۲؎ ابن ابی الدنیا بروایت اور رزامی اس کو مفصل نقل کیا اسناد نہیں بیان کی اور بخاری نے بروایت انس باندک اختلاف نقل کیا ہے ۳؎ کیسا ہے یہ لکھا نہ چھوڑی چھوٹی بات نہ بڑی بات جو اس میں نہیں گھری۔

کا مواخذہ تم سے کیسے نہ ہوگا۔ اے امیر المؤمنین تم کو معلوم ہے کہ تمہارے دادا سے اس آیت کی تفسیر کیا آئی ہے[۱] یاداود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں ارشاد کیا کہ جب مدعی اور مدعا علیہ تیرے سامنے بیٹھیں اور تجھ کو ان میں سے ایک کی طرف میل ہو تو ہرگز اپنے دل میں یہ نہ سوچنا کہ حق اسی کو ملے اور دوسرے پر یہی فتح یاب ہو ورنہ میں تجھ کو اپنے نبوت کے دفتر سے مٹادوں گا پھر نہ تو میرا خلیفہ رہے گا نہ کچھ بزرگی پائے گا اے داؤد میں نے اپنے رسولوں کو اپنے بندوں پر ایسا کیا ہے جیسے اونٹوں کے چرانے والے کہ وہ طریق حفاظت سے واقف ہوتے ہیں اور سیاست نرمی سے کرتے ہیں ٹوٹے کو باندھتے ہیں اور دبلے کو چارہ اور پانی سامنے کرتے ہیں۔ اے امیر المؤمنین تم ایسے امر میں مبتلا ہوئے ہو کہ اگر بالفرض آسمانوں اور زمین پر پیش کیا جاتا تو اس کے اٹھانے سے ڈر جاتے اور انکار کر دیتے۔ دیکھو مجھ سے حدیث[۲] بیان کی یزید بن جابر نے عبد الرحمٰن بن عمرہ الانصاری سے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو انصار میں عامل صدقہ مقرر کیا۔ بعد چند روز کے اس کو دیکھا کہ کام پر نہیں گیا۔ اسی جا مقیم ہے آپ نے پوچھا کہ کیا وجہ ہوئی کہ تم اپنے مقام پر نہیں گئے تم کو کیا معلوم نہیں کہ تم کو ایسا ثواب ہوگا۔ جیسا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کو ہوتا ہے اسی نے عرض کیا کہ یوں تو نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ اور کیسے ہے اُس نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو حاکم کہ لوگوں کے معاملات میں سے کسی چیز کا والی ہوگا وہ قیامت کے روز اس طرح لایا جائے گا کہ اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے اور اُن کو بجز اس کے عدل کے اور کوئی چیز نہ کھولے گی پھر جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا وہ پل اس کو ایک ایسا جھٹکا دے گا جس سے اس کا جوڑ جوڑ اپنی جگہ سے مل جائے گا پھر حالت اصلی پر آجائے گا اور حساب کیا جائے گا تو اگر محسن ہوگا تب تو اپنے احسان کے باعث سے بچ جائے گا اور اگر بدکار ہوگا تو پل اس جگہ سے پھٹ جائے گا اور دوزخ میں ستر سال کی راہ کے نیچے جا پڑے گا۔ حضرت عمر فاروق نے اس شخص سے پوچھا کہ تم نے یہ کس سے سُنا ہے اس نے کہا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے آپ نے آدمی بھیج کر ان دونوں کو بلوا کر اس حدیث کو دریافت[۳] کیا انہوں نے فرمایا کہ بے شک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سنا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

[۱] ت اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی چاہ سے پھر تجھ کو وہ بچلا دے اللہ کی راہ سے ۱۲

[۲] ح ابن ابی الدنیا نے مواعظ الخلفاء میں اسی طرح نقل کیا ہے اور طبرانی بروایت سوید بن عبد العزیز عن سیار ابی الحکم عن ابی وائل نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے بشر بن عاصم کو عامل کیا تھا الخ مختصر طور پر بیان کیا ہے وہ یہ کہ بشر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور سلمان ابوذر کا ذکر اس میں نہیں ۱۲

[۳] ح ابن ابی الدنیا نے مفصلاً نقل کیا ہے بدون اسناد کے اور بیہقی نے بروایت جابر متصلاً اور روایت ابن منکور مرسلاً نقل کیا ہے اور کہا مرسل ہے محفوظ ہے۔

کہ واویلا جب حکومت میں یہ خرابی ہے تو اب اس کو کون اختیار کرے گا۔ حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ وہ اختیار کرے گا جس کی ناک اللہ تعالیٰ کاٹ لے اور اس کا رخسار زمین سے ملادے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ اتنا سن کر منصور نے اپنا رومال منہ پر رکھ لیا پھر اتنا رویا اور دھاڑیں ماریں کہ مجھ کو بھی رلا دیا پھر میں نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کے دادا حضرت عباس بن عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکومت مکہ معظمہ یا طائف یا یمن کی مانگی تھی آپ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ اے عم بزرگوار آپ اگر اپنے نفس کو مشقت سے دور رکھیں تو اس حکومت سے بہتر ہے جس کو آپ محیط نہ ہو سکیں یہ آپ نے حضرت عباس کو اس لئے فرمایا کہ عم بزرگوار کی خیر خواہی اور شفقت کا مقتضا تھا اور حضرت عباس کو آپ نے یہ بھی خبر دی کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے میں کچھ کام نہ آؤں گا یعنی جب آپ پر وحی ہوئی وانذر عشیرتک الاقربین تو آپ نے حضرت عباس اور حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؓ زہرا کو فرمایا کہ اے عباسؓ اور اے صفیہؓ چچا پھوپھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اے فاطمہؓ جگر گوشہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا مجھ کو میرا عمل مفید ہوگا اور تم کو تمہارا عمل اور حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ لوگوں کی حکومت کا کام اسی سے بن آئے گا جو عقل کا مضبوط اور تدبیر میں صائب ہو کوئی برائی اس کی ظاہر نہ ہو اور نہ یہ خوف ہو کہ اپنی قرابت کی حمایت کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے باب میں کسی طعن کرنے والے کی ملامت اس پر اثر نہ کرے۔ اور یہ بھی حضرت فاروقؓ کا ارشاد ہے کہ حاکم چار ہیں ایک وہ ہے کہ خود بھی محنت کرے اور اپنے عاملوں سے بھی محنت لے تو اس کا حال ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہاتھ پھیلا ہوا ہوتا ہے دوسرا حاکم وہ ہے کہ اس میں کسی قدر ضعف ہے وہ خود تو مشقت کرتا ہے اور اس کے عامل مزے اڑاتے ہیں اس کے ضعف کے سبب سے تو وہ تباہی کے کنارہ پر ہے الا یہ کہ خدا تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ تیسرا حاکم وہ ہے جو عاملوں سے مشقت لے اور خود آسائش کرے تو وہ حطمہ ہے جس کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[۲] ہے کہ بدتر حاکموں کا حطمہ[۳] ہے تو وہ تنہا ہالک ہے چوتھا وہ حاکم ہے کہ خود بھی مزے کرے اور اس کے عامل بھی تو وہ سب ہلاک ہونے والے ہیں اے امیر المومنین میں نے سنا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے[۴] اور عرض کیا کہ میں اس وقت آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ دھونکنیاں آتش دوزخ پر رکھ دی گئی ہیں کہ قیامت کے لئے بھڑکائی جاوے آپ نے فرمایا کہ اے جبرائیل مجھ سے دوزخ کا حال بیان کرو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے

ات اور ڈر سنادے اپنے نزدیک ناتے والوں کو ۱۲ [۲] ح ابن ابی الدنیا در مواعظ الخلفا ۱۲ [۳] ح ابن ابی الدنیا در مواعظ مفصلاً و مسلم بروایت عایذ بن عمرو المزنی متصلاً ۱۲ [۴] ح ابن ابی الدنیا در مواعظ مفصلاً بدون اسناد ۱۲ [۵] حطمہ چرواہا ہے جس کو اونٹ چرانے نہ آتے ہوں یعنی ان کو سخت ہانکے یا پانی پلائے اور گھاٹ سے باہر آنے میں دھکا پیل کرے حاکم بد کے لئے مثل کے طور پر ایسا فرمایا ۱۲

حکم فرمایا کہ دوزخ کی آگ بھڑکائی جاوے چنانچہ ہزار برس تک بھڑکائی گئی کہ وہ سُرخ ہو گئی پھر ہزار برس تک بھڑکائی گئی کہ وہ زرد ہو گئی پھر ہزار برس تک بھڑکائی گئی کہ وہ سیاہ ہو گئی تو اب وہ سیاہ تاریک ہے کہ نہ اس کا ابلنا نظر آتا ہے اور نہ شعلہ بجھتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ دوزخیوں کے کپڑوں میں سے اگر ایک کپڑا زمین والوں کو دکھلایا جائے تو سب مرجائیں اور اگر ایک ڈول اس کے پانی کا زمین کے سب پانیوں میں ملا دیا جاوے تو جو کوئی پھر ان میں سے چکھے وہ فوراً مرجائے اور اس کی زنجیروں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اگر ایک کڑی زمین کے سب پہاڑوں پر رکھ دی جاوے تو سب پگھل جاویں اور جمے نہ رہیں اور اگر کسی شخص کو دوزخ میں داخل کر کے پھر دنیا میں نکالا جائے تو زمین کے باشندے اس کی بدبو اور شکل کی برائی اور ہیبت سے مرجائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال کو سن کر روئے اور آپ کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی روئے پھر حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ روتے ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا کہ میرا گریہ شکر کا ہے بھلا میں شکر گذار بندہ نہ ہوں اور یہ تو بتاؤ کہ تم تو روح الامین اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے امانت دار ہو تو کیوں روئے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میرا حال کہیں ہاروت و ماروت کا سا نہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ جس سے اپنے پروردگار کے نزدیک جو میرا رتبہ ہے اس پر میں بھروسہ نہیں کرتا ورنہ اس کے وار سے مامون ہو جاؤں گا غرضکہ دونوں روتے رہے یہاں تک کہ آسمانوں سے دونوں کو ندا ہوئی کہ اے جبرئیل اور اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اس بات سے مامون کر دیا کہ تم اس کی نافرمانی کرو اور وہ تم کو عذاب دے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء پر ایسی ہے جیسی جبرئیل علیہ السلام کی تمام فرشتوں پر اے امیر المؤمنین میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی تھی کہ الٰہی اگر تو جانتا کہ جب مدعی اور مدعا علیہ میرے سامنے بیٹھتے ہیں تو ان میں سے جو حق سے میل کرے خواہ قریب ہو یا بعید اگر میں اس کی رعایت کروں تو مجھ کو ایک دم کی مہلت مت دینا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بجا آوری اس کی مخلوق میں نہایت سخت کام ہے اور سب سے زیادہ بزرگی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے عزت کا خواہاں ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے اور عزت دیتا ہے اور جو کوئی اس کو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پست اور ذلیل کرتا ہے یہ ہے میری نصیحت والسلام علیک پھر میں اٹھا تو منصور نے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے میں نے کہا کہ امیر المؤمنین اگر اجازت دیں تو وطن اور بال بچوں میں جاؤں گا انشاء اللہ تعالیٰ خلیفہ نے کہا کہ میں نے اجازت دی اور آپ کے نصیحت فرمانے سے

ع۵ بل الخ صواب یہ کہ انگارہ نظر نہیں آتا ہے شاید مترجم نے جمر کو جمیر پڑھا ہے ۱۲ میر علی۔

آپ کا ممنون ومشکور ہوا اور اس نصیحت کو کما ینبغی میں نے قبول کیا اللہ تعالیٰ خیر کی توفیق دے اور اس پر میری مدد کرے میں اسی سے مدد چاہتا ہوں اور اسی پر بھروسا کرتا ہوں وہی میرا کافی اور ذمہ دار ہے مجھ کو توقع ہے کہ آپ مجھ کو ایسی ہی نظر التفات سے محروم نہ فرمادیں گے کہ آپ مقبول القول ہیں اور نصیحت سے آپ کی کوئی غرض متعلق نہیں ہیں نے کہا کہ ایسا ہی کروں گا انشاء اللہ محمد بن مصعب کہتے ہیں کہ منصور نے حکم دیا کہ آپ کے زاد راہ کی کچھ سبیل کر دی جائے مگر اوزاعی نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ مجھ کو اسکی حاجت نہیں اور نہ یہ منظور ہے کہ اپنی نصیحت کو دنیا کے مال کے عوض فروخت کروں اور چونکہ منصور کو آپ کا مذہب معلوم ہو گیا تھا اس لئے زیادہ اصرار نہ کیا۔ اور ابن مہاجر کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور مکہ معظمہ میں حج کو آیا تو دار الندوہ سے آخر شب میں طواف کو نکلتا اور طواف اور نماز ادا کرتا رہتا اور کسی کو معلوم نہ ہوتا جب صبح ہو جاتی تو دار الندوہ میں چلا آتا اسوقت مؤذن آکر اس کو سلام کرتے اور نماز کی تکبیر ہوتی تو لوگوں کو نماز پڑھاتا ایک رات سحر کے وقت حرم شریف میں گیا اور طواف کر رہا تھا کہ اتنے میں سنا کہ ایک آدمی ملتزم کے پاس یوں کہہ رہا ہے کہ الٰہی میں تیرے سامنے شکایت کرتا ہوں کہ زمین میں سرکشی اور فساد ظاہر ہو گیا اور ظلم اور طمع حق حقداروں میں حائل ہو گئے۔ منصور یہ سن کر جھپٹا یہاں تک کہ اس کا قول سب سنا۔ پھر وہاں سے نکل کر مسجد کی ایک طرف میں بیٹھ گیا اور اس شخص کو بلوایا۔ قاصد نے اس سے کہا کہ چلو امیر المؤمنین بلاتے ہیں اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور حجر اسود کو بوسہ دے کر قاصد کے ساتھ ہو لیا اور منصور کو سلام کیا منصور نے پوچھا کہ تم جو یہ کہتے تھے کہ زمین میں سرکشی اور فساد ہو گیا اور حقداروں کے حق میں ظلم اور طمع حائل ہیں یہ کیا بات ہے میں نے جو یہ سنا تو میں بیمار ہو گیا اور مجھ کو نہایت قلق ہوا اس شخص نے کہا اے امیر المؤمنین اگر آپ میری جان مامون کر دیں تب تو میں سب باتیں مع ان کی جڑوں کے آپ سے کہہ دوں گا اور نہیں تو میں اپنے ہی نفس پر اکتفا کروں گا کہ مجھ کو اسی کے دھندے سے فرصت نہیں منصور نے کہا کہ تو جان سے مامون ہے اس نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص میں اتنی طمع آگئی ہے کہ وہ اس کے اور حق کے درمیان میں حائل اور سرکشی اور فساد کی درستی کی مانع ہے وہ آپ ہی ہیں۔ منصور نے کہا کہ کم بخت مجھ میں طمع کیسے آئے گی زر وسیم میرے ہاتھ میں ہے اور تلخ و شیریں میرے قبضہ میں اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین جتنی طمع تم میں گھس گئی ہے بھلا اور کسی میں بھی اس قدر ہوئی ہو گی دیکھو تو خدائے تعالےٰ نے تم کو مسلمانوں کے معاملات اور اموال کا حاکم ان کی حفاظت کے لئے کیا تھا تم ان کے معاملات سے غافل ہو کر ان کے مال جمع کرنے میں پڑ گئے اور اپنے اور ان کے درمیان چونہ اور اینٹ کی دیواریں اور لوہے کے دروازے اور ہتھیار بند دربان مقرر کئے اور اپنے آپ کو ان مکانات میں محبوس کر لیا کہ مسلمان تمہارے پاس نہ آئیں اور اپنے عاملوں کو مالوں کے اکٹھا

کرنے اور خراج تحصیل کرنے کو بھیج دیا اور اپنے وزیر اور مددگار ظالم مقرر کیے کہ اگر تم بھولتے ہو تو وہ یاد نہیں دلاتے اور اگر اچھا کرتے ہو تو تمہاری مدد نہیں کرتے اور تم نے ان کو مال اور سواری اور ہتھیار دے کر ظلم پر قوی کر دیا ہے اور یہ حکم دے دیا ہے کہ تمہارے پاس بجز شخصوں معین کے جن کا نام تم نے بتلا دیا ہے اور کوئی نہ آوے اور اس کی اجازت نہیں دی کہ کوئی مظلوم یا اندوہناک یا بھوکا یا ننگا یا کمزور یا محتاج تمہارے یہاں سے کچھ پاوے حالانکہ ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو پس جب تمہارے ان ندیموں نے جن کو تم نے خواص مقرر کیا ہے اور رعیت پر ترجیح دے رکھی ہے کہ ان کو کوئی تمہارے پاس آنے سے نہ روکے یہ دیکھا کہ مال بیت المال سے بعض چیز تم اپنے لئے رکھ لیتے ہو اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں کرتے تو انہوں نے دل میں کہا کہ خلیفہ تو اللہ تعالیٰ کی خیانت کرتا ہے ہم خلیفہ کی خیانت کیوں نہ کریں اسلئے آپس میں اتفاق کر لیا کہ جو لوگ کہ رعیت کے اخبار خفیہ جانتے ہوں ان کی رسائی خلیفہ تک نہ ہو لیکن جس کو وہ چاہیں تو وہ پہنچ سکے اور ایک یہ کہ تمہارا جو عامل کہیں جانے اور ان کے خلاف کوئی امر کرے تو اس کو رہنے نہیں دیتے یہاں تک کہ ذلیل و بے قدر ہو جاتا ہے جب تمہارا اور تمہارے خواص کا حال اس طرح پھیل گیا تو لوگوں نے آپ کے اراکین کو بُرا سمجھا اور ان سے ڈرے اور سب سے پہلے تمہارے عاملوں نے تحفے اور مال ان کے پاس بھیج کر ان سے آشتی کی تاکہ تمہاری رعیت پر خوب ظلم کریں اور کچھ شنوائی نہ ہو پھر جو اور لوگ ذی اختیار مالدار تھے انہوں نے آپ کے مصاحبوں کو رشوت دی کہ جو لوگ ان سے کم ہوں وہ ان پر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے شہر سرکشی اور فساد کی طمع سے بھر گئے اور یہ مصاحب سلطنت میں تمہارے شریک ہو گئے اور تم کو خبر بھی نہیں اگر کوئی دادخواہ آتا ہے تو اس کو کوئی تمہارے پاس نہیں جانے دیتا اور اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ جب تمہاری سواری نکلے اُس وقت اپنا حال عرضی میں لکھ دے تو معلوم کرتا ہے کہ آپ نے اس امر سے ممانعت کر دی ہے اور تم نے جو ایک شخص مظلوموں کے حق کا ناظر مقرر کیا ہے اگر مظلوم اس کے پاس جاتا ہے اور تمہارے معتمدوں کو اس کی اطلاع ہوتی ہے تو ناظر کو کہہ دیتے ہیں کہ اس کی عرضی مت پیش کرنا اور اگر ناظر مذکور ذی حرمت ہے اور اُس کا حال مانا جاتا ہے تب بھی وہ آپ کے معتمدوں کے ڈر سے جو چاہتا ہے وہ نہیں کہہ سکتا غرضکہ مظلوم بیچارہ اُس کے پاس دوا دوش کر کے شکوہ یا فریاد کرتا ہے اور وہ اس کو نکال دیتا ہے یا بہانہ کرتا ہے جب باوجود کوشش کے وہ نکالا ہی جاتا ہے تو آپ کی سواری نکلنے کے وقت آپ کے سامنے فریاد کرتا ہے تو اتنا مارا جاتا ہے کہ اعضاء بھی کہیں کے کہیں ہو جاتے ہیں تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور تم تاکتے رہتے ہو نہ تو ہاتھ روکتے ہو نہ زبان سے منع کرتے ہو تو اب ایسی صورت میں مسلمانی اور اہل اسلام کی کیا چیز باقی رہی پہلے بنی امیہ اور عرب کے لوگ تھے کہ جہاں مظلوم ان میں پہنچا فوراً اس کا مقدمہ

پیش کر کے انصاف ہو جاتا تھا اور بعض اوقات آدمی ملکوں کے دوسرے کنارے سے آکر بادشاہی دروازہ پر پہنچ کے پکارتا تھا کہ اے اسلام والو تو سب اس کی طرف دوڑتے تھے اور پوچھتے تھے کہ تجھے کیا ہوا اور اس کا مقدمہ دربار شاہی میں پیش کر کے اس کا انصاف کرا دیتے تھے اور میں یا امیر المؤمنین چین کی زمین میں سفر کیا کرتا تھا اور اس میں ایک بادشاہ تھا ایک بار جو میرا گذر اُدھر ہوا تو وہ بادشاہ بہرہ ہو گیا تھا اپنی قوت سامعہ کے جانے سے وہ رونے لگا وزیروں نے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں خدا نہ کرے کہ آپ روئیں اس نے کہا کہ میں بہرہ ہو گیا اس لئے روتا ہوں ہر چند مجھ کو اپنی مصیبت پر رنج نہیں مگر یہ تردد ہے کہ مظلوم دروازہ پر کھڑا چیخا کرے گا اور میں اس کی آواز نہ سنوں گا پھر اس نے یہ کہا میرے کان جاتے رہے تو کیا ہوا میری آنکھیں تو موجود ہیں لوگوں میں منادی کر دو کہ کوئی سُرخ لباس نہ پہنے صرف وہی پہنے جو مظلوم ہو پھر وہ صبح شام ہاتھی پر سوار ہو کر پھرا کرتا تھا کہ کوئی مظلوم نظر پڑے تو اس کا انصاف کرے اے امیر المؤمنین مقام تامل ہے کہ بادشاہ چین مشرک ہو کر اس طرح کی عنایت اور رحمت مشرکوں کے حال پر رکھتا ہے اور سلطنت میں اپنے نفس کے بخل پر ترس کرتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد ہو تم کو مسلمانوں پر مہربانی غالب نہیں ہوتی اور اپنے نفس کے بخل پر ترس نہیں آتا تھا اور تمہارا بخل بیکار ہے اس لئے کہ تم مال کو تین باتوں میں سے ایک کے لئے جمع کرتے ہو اگر یہ کہو کہ میں اپنے لڑکے کے لئے جمع کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو بچہ کے باب میں عبرتیں دکھلا دی ہیں کہ جب اپنی ماں کے پیٹ میں سے نکلتا ہے تو روئے زمین پر اس کا کوئی مال نہیں جس پر کسی نہ کسی ممسک کے ہاتھ کا قبضہ نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس پر اپنی عنایت کرتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کی رغبت اس کی طرف بڑھ جاتی ہے اور جو کچھ اس کو ملتا ہے وہ آدمی نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے اور یہ بھی نہیں کہ تم کو ہی لڑکا عنایت ہو بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مرحمت کرتا ہے اور اگر یہ کہو کہ میں مال اس لئے جمع کرتا ہوں کہ اپنی سلطنت کو مضبوط کروں تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے تم کو گذشتہ لوگوں کی عبرتیں دکھلا دیں کہ جو کچھ زر و سیم انہوں نے جمع کیا تھا اُن کے کچھ کام نہ آیا اور جاہ و حشم اور ہتھیار اور سواری سب بے کار ہو گئے اور جب اللہ کو تم کو اس طرح مالک کرنا منظور ہو تو اس سے کچھ حرج نہ ہوا کہ تمہارے پاس اور تمہارے بھائیوں کے پاس مال کم تھا اور اگر یہ کہو کہ مال اس لئے جمع کرتا ہوں کہ جس حال میں اب ہوں اس سے زیادہ عمدہ مطلوب ہاتھ آئے تو اس کو جان رکھو کہ جس مرتبہ پر تم اب ہو اس سے بڑھ کر جو مرتبہ ہے وہ بدون اعمال صالح کے حاصل نہیں ہوتا اے امیر المؤمنین بھلا تم عاصی کو قتل سے زیادہ بھی کوئی سزا دیتے ہو خلیفہ نے کہا کہ نہیں اس شخص نے کہا کہ پھر جو مالک خدائے تعالیٰ نے تم کو دیا ہے اور دنیا کا مالک کیا ہے اس کو لے کر کیا کرو گے خدائے تعالیٰ تو اپنے عاصیوں کو قتل کی سزا نہیں دیتا بلکہ عذاب الیم میں ابد الآباد رہنے کی سزا دیتا ہے اور وہی تمہارے دلوں کو عزم اور جوارح کے باطنی امور کو دیکھتا ہے

تو بھلا جب شاہنشاہ جل وعلا سلطنت دنیا تمہارے ہاتھ سے چھین لے گا اور تم کو حساب کے لئے طلب کرے گا تو سلطنت دنیا پر جو تم بخل کر رہے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ تمہارے کام نہ آئے گا یہ سن کر منصور بہت رویا یہاں تک کہ دھاڑیں مارنے لگا۔ پھر کہا۔ مرا اے کاش کے مادر نمیزاد + وگر میزاد کس شیرم نمیداد۔ پھر پوچھا کہ جو سلطنت مجھ کو عطا ہوئی اس میں کیا تدبیر کروں آدمی تو مجھ کو خائن ہی نظر آتے ہیں اس نے جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین تم بڑے اونچے اماموں مرشدوں کو اپنے ساتھ رکھو منصور نے کہا کہ وہ کون ہیں اس نے کہا کہ وہ علماء ہیں خلیفہ نے کہا کہ وہ تو مجھ سے بھاگے پھرتے ہیں اس نے کہا کہ ان کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ ڈرتے ہیں کہ کہیں تم ان سے زبردستی وہی کام لو جو تمہارا طریقہ اپنے عاملوں کے ساتھ جاری ہے بلکہ دروازوں کو کھولو اور دربانوں کو کم کرو اور مظلوم کا انتقام ظالم سے لو ظالم کو ظلم سے روکو اور چیز کو حلال اور طیب وجہ سے لو اور حق اور عدل کے ساتھ تقسیم کرو پھر میں ضامن ہوں کہ جو کوئی تم سے گریز کرتا ہے وہ تمہارے پاس آئے گا اور تمہارے حلال اور رعیت کی بہتری میں تم کو مدد دے گا منصور نے کہا کہ الٰہی اس شخص کے قول کے بموجب مجھ کو عمل کرنے کی توفیق کرامت کر اتنے میں حرم شریف کے مؤذنوں نے منصور کو آکر سلام کیا اور نماز کی تکبیر ہوئی منصور نے نماز پڑھانے کے بعد محافظ دربار سلطانی کو حکم دیا کہ اس شخص کو حاضر کر اگر حاضر نہ کرے گا تو تیری گردن اڑا دوں گا اور اس پر نہایت غصہ ظاہر کیا محافظ اس کی تلاش میں نکلا پھرتے پھرتے کیا دیکھتا ہے کہ وہی شخص ایک گھاٹی میں نماز پڑھتا ہے یہ بیٹھ گیا جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے کہا کہ میاں صاحب آپ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس نے کہا کہ ہاں محافظ نے کہا کہ خدائے تعالیٰ کو پہچانتے ہو کہا ہاں محافظ نے کہا تو آپ امیر کے پاس میرے ساتھ چلیں کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم کو نہ لے جاؤں گا تو وہ مار ڈالے گا اس نے کہا کہ اب جانے کی تو کوئی سبیل نہیں محافظ نے کہا کہ وہ مجھ کو مار ڈالے گا اس نے کہا کہ قتل نہیں کرے گا محافظ نے کہا کہ کس طرح اس نے کہا کہ تجھ کو کچھ لکھا تھا نکالا اور محافظ سے کہا کہ لے اس کو اپنی جیب میں رکھ لے کہ اس میں دعاء کشائش مرقوم ہے محافظ نے کہا کہ دعا کشائش کیا ہے اس نے کہا کہ وہ دعا شہیدوں کے سوا اللہ تعالیٰ کسی اور کو مرحمت نہیں کرتا محافظ کہتا ہے کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ آپ نے جہاں مجھ پر اور احسان کیا ہے ایک یہ بھی کرو کہ اگر مناسب جانو تو اسکو مجھے بتادو اور اس کے ثواب سے آگاہ کر دو اس نے کہا کہ جو کوئی صبح و شام اس دعا کو پڑھے اس کے گناہ نابود ہوں اور سرور دائم رہے اور خطائیں محو ہوں اور دعا مقبول ہو اور رزق میں کشادگی ہو اور اس کا عمل خالص ہو اور دشمن پر مدد ملے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھا جائے اور بجز شہید ہونے کے اور طرح نہ مرے اور دعا یہ ہے ؎ اللّٰھُمَّ کما لطفت فی عظمتك دون اللطفاء وعلوت بعظمتك علی العظماء وعلمت ما تحت ارضك کعلمك بما فوق عرشك وکانت وساوس الصدور کالعلانیة عندك (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وعلانیۃ القول کالسر فی علمک وانقاد کل شیئ بعظمتک وخضع کل ذی سلطان سلطانک
وصار امر الدنیا والاخرۃ کلمۃ بیدک اجعل لی من کل ھم امسیت فیہ فرجا ومخرجا
اللھم ان عفوک عن ذنوبی وتجاوزک عن خطیئتی وسترک علی قبیح عملی اطمعنی ان اسئلک
ما لا استوجبہ لما قصرت فیہ ادعوک امنا واسئالک مستانسا وانک المحسن الی وانا المسیئ
الی نفسی فیما بینی وبینک تتود الی بالنعم واتبغض الیک بالمعاصی ولکن الثقۃ بک حملتنی
علی الجرأۃ علیک فعد بفضلک واحسانک علی انک انت التواب الرحیم۔ محافظ کہتا ہے
کہ میں نے اس پرچہ کو لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا پھر میں نے اور طرف پھر کر نہیں دیکھا سیدھا امیر المؤمنین کے
پاس آیا اور حاضر خدمت ہو کر سلام کیا اس نے سر اٹھا کر مجھ کو دیکھا اور تبسم فرمایا۔ اور کہا کہ شاید تجھ کو سحر خوب آتا
ہے میں نے کہا کہ اے امیر المومنین بخدا میں سحر سے واقف نہیں مگر یوں ماجرا ہوا خلیفہ نے کہا کہ وہ پرچہ جو تجھ کو
اس بزرگ نے دیا ہے وہ لا میں نے حوالہ کیا اس کو دیکھ کر رونے لگا اور کہا کہ تو بچ گیا اور حکم دیا کہ اس پرچہ کی
نقل کر لی جائے پھر مجھ کو دس ہزار درم کا حکم کیا اور کہا کہ تو جانتا ہے کہ یہ بزرگ کون ہیں میں نے کہا نہیں خلیفہ
نے کہا یہ خضر علیہ السلام تھے۔ اور ابی عمران جونی کہتے ہیں کہ جب ہارون الرشید کو خلافت ہوئی تو علماء اس کی
ملاقات کو گئے اور خلافت کی مبارک باد اس کو دی اس نے بیت المال کھول کر بڑے بڑے خلعت اور انعام
دینے شروع کئے اور عہد خلافت سے بیشتر علما اور زاہدوں کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور بظاہر زہد اور خستہ حالی
رکھتا تھا اور حضرت سفیان ثوریؒ سے بھائی چارہ مدت سے رکھتا تھا حضرت سفیان ثوریؒ نے اس سے خلافت کے
بعد ترک ملاقات کی اور مبارک باد کو نہ آئے ہارون الرشید ان کے ملنے کا مشتاق ہوا کہ تنہائی میں ان سے کچھ
باتیں کرے مگر حضرت سفیان ثوری تشریف نہ لائے اور نہ اس کی پرواکی کہ اب ہارون کا کیا منصب ہو گیا ہے یہ بات
اس پر شاق ہوئی اس لئے ہارون نے آپ کی خدمت میں ایک رقعہ اس مضمون کا لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ترجمہ) ؂ الٰہی جیسا تو لطیف ہے اپنی لطفت میں اور لطیفوں کے سوا اور تو بڑھ گیا اپنی عظمت سے سب عظیموں پر اور تو نے جانا اپنی زمین
کے نیچے کی چیز کو جیسے تو جانتا اپنے عرش کو اوپر کی چیز کو اور سینوں کے وسوسے ہیں تیرے نزدیک مثل کھلی بات کے اور کھلی بات اور چھپی بات تیرے علم
میں یکساں ہے اور ہر ایک چیز تیری عظمت کے سامنے منقاد ہے اور ہر غلبہ والا تیرے غلبہ کے سامنے پست ہو گیا ہے اور آخرت کا معاملہ بالکل تیرے قبضہ
میں آرہا ہے تو میرے لئے کشادگی اور نکاسی کر دے ہر تردد سے جس میں مبتلا ہوں الٰہی تیرے معاف کرنے سے میرے گناہوں کو اور درگذر فرمانے
میری خطاؤں سے اور پردہ پوشی نے میرے برے کاموں پر مجھ کو اس بات کی طمع دلائی کہ تجھ سے ایسی بات کا سوال کرتا ہوں جس کا مستحق نہیں بباعث اپنی
تقصیر کے میں تجھ سے بیدھڑک دعا مانگتا ہوں اور تجھ سے مل کر اور ہر جگہ سوال کرتا ہوں اور تو میرے اوپر احسان کرتا ہے اور میں اپنے نفس کے ساتھ
برائی کرتا ہوں تو مجھ میں اور تجھ میں کیا نسبت تو نعمتیں دے کر میرا دوست بنتا ہے اور میں گناہ کر کے تیرا دشمن مگر مجھ کو بھروسا اعتماد ہے اسی نے مجھ کو برانگیختہ
کیا کہ تجھ پر جرأت کروں پس تو اپنا فضل اور احسان مجھ پر بدستور رہا ئق فرما کر تو بے شک توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بندۂ خدا ہارون رشید امیر المومنین کی طرف سے اس کے بھائی سفیان بن سعید ثوری کو بعد حمد و نعمت وسلام کے معلوم ہو کہ برادر من اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے درمیان میں بھائی چارہ مقرر فرمایا اور اس بھائی چارہ کو اپنے لئے اور اپنے باب میں ٹھہرایا اور جان لو کہ میں نے تم سے جو بھائی چارہ کیا ہے اس کا رشتہ منقطع نہیں کیا اور نہ آپ کی دوستی توڑی بلکہ اب تک مجھ کو آپ سے افضل محبت اور اکمل عقیدہ حاصل ہے اور اگر خلافت کا بار میری گردن میں خدا تعالیٰ نہ ڈالتا تو میں آپ کی خدمت میں گھٹنوں ہی چل کر آتا کیونکہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میرے اور آپ کے دوستوں میں سے کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ کو مبارک باد دینے نہ آیا ہو اور میں نے بیت المال کھول کر بڑے بڑے انعام اس قدر دیئے کہ میری آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو فرحت ہوئی مگر جب آپ نے تشریف لانے میں دیر کی اور اب تک قدم رنجہ نہ فرمایا تو میں نے یہ خط اپنے سخت اشتیاق سے آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور اے ابو عبد اللہ تم کو معلوم ہے کہ ایماندار کے ملنے کا ثواب کیا کچھ آیا ہے تو جب یہ اشتیاق نامہ آپ کے پاس پہنچے تو زود از زود آپ قدم رنجہ فرمائیں۔ جب ہارون خط لکھ چکا تو جو لوگ اسکے پاس موجود تھے ان کی طرف متوجہ ہوا کہ کوئی خدمت نامہ بری اختیار کرے مگر سب کے سب حضرت سفیان ثوریؒ کو جانتے تھے اور آپ کی تند مزاجی کو پہچانتے تھے اسلئے جرأت نہ کر سکے خلیفہ نے کہا کہ ایک شخص کو دربانوں میں سے طلب کرو چنانچہ ایک شخص عباد طالقانی نام بلایا گیا خلیفہ نے کہا کہ اے عباد یہ میرا نامہ لے اور کوفہ کو لے جا بستی میں داخل ہو کر بنی ثور کا قبیلہ دریافت کر پھر سفیان ثوری کا حال پوچھنا اور جب ان سے ملاقات ہو تو یہ میرا خط ان کو حوالہ کرنا اور خبردار اپنے کان اور دل سے جو حال ان کا ہو ذرا ذرا یاد رکھنا اور سب کیفیت میں سے کوئی دقیقہ فرد گذاشت مت کرنا اور من وعن مجھ سے آکر کہنا عباد اس خط کو لے کر منزل مقصود کو چلا جب کوفہ میں پہنچا اور قبیلہ بنی ثور کو پوچھا لوگوں نے بتادیا پھر حضرت سفیان کا حال دریافت کیا تو کسی نے کہا کہ مسجد میں تشریف رکھتے ہیں عباد کہتے ہیں کہ میں نے مسجد کا راستہ لیا پس جب آپ نے مجھ کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سنتے اور جانتے کی شیطان مردود سے اور الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس آنے والے سے جو ہمارے پاس خیر کے سوا اور کسی طرح آوے آپ کے ان الفاظ نے مجھ پر ایسی تاثیر کی کہ میں تنگ ہو گیا۔ جب آپ نے مجھ کو دیکھا کہ مسجد کے دروازہ پر سواری سے اترا تو آپ نماز پڑھنے لگے حالانکہ کسی نماز کا وقت نہ تھا میں نے اپنا گھوڑا مسجد کے دروازہ سے باندھ اندر قدم رکھا دیکھا کہ آپ کے جلیس گردن جھکائے بیٹھے ہیں گویا چور ہیں کہ ان پر بادشاہ چلا آیا ہے اور اس کی سزا سے ڈرتے ہیں میں نے سلام کیا تو کسی نے سر ابھار کر مجھ کو نہ دیکھا اور پوروں کے اشارہ سے سلام کا جواب دیا میں جاکر کھڑا ہو گیا کسی نے مجھ سے نہ کہا کہ بیٹھ جاؤ اور ان کی ہیبت سے مجھ پر لرزہ چڑھ گیا میں نے ان کو تاکا اور سوچا کہ سفیان ثوریؒ یہی بزرگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں میں نے خط کو

ان کے سامنے پھینک دیا آپ خط کو دیکھ کر کانپے اور اس سے ایسا بچے کہ گویا سجدہ گاہ میں سانپ سامنے آگیا پھر رکعتوں کو پورا کر کر سلام پھیرا اور اپنا ہاتھ آستین میں کر چغہ میں لپیٹا اور اسی طرح خط کو لے کر پلٹا دیا پھر اس کو پشت کی طرف لوگوں میں پھینک دیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس کو لے کر پڑھ لے میں تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں کہ ایسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤں جس کو ظالم نے چھوا ہے غرضکہ ایک شخص نے ان میں سے ڈرتے ڈرتے اس کو کھولا گیا اس میں سانپ تھا کہ اس کے کاٹنے کا خوف تھا اور اس کو ابتدا سے انتہا تک پڑھا حضرت سفیان تعجب کرنے والوں کی طرح مسکراتے رہے جب مضمون تمام پڑھا گیا تو فرمایا کہ اس کو الٹو اور ظالم کے خط کی پشت پر جواب لکھو لوگوں نے کہا کہ اے ابو عبداللہ وہ شخص خلیفہ ہے مناسب ہے کہ آپ کسی صاف و عمدہ کاغذ پر جواب لکھوا دیجئے آپ نے فرمایا کہ نہیں اسی کے خط کی پشت پر جواب لکھو اگر اس نے اس کاغذ کو وجہ حلال سے حاصل کیا ہوگا تو اس کا ثواب پائے گا اور اگر حرام سے کمایا ہوگا تو عذاب بھگتے گا جس چیز کو ظالم نے چھوا ہے وہ ہمارے پاس نہ رہنی چاہیئے ورنہ ہمارے دین کو خراب کرے گی لوگوں نے دریافت کیا کہ جواب کیا لکھیں فرمایا کہ یوں لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم بندہ منیب سفیان بن سعید ثوری کی طرف سے اس بندہ کو جو آمال پر مغالطہ کھائے ہوئے ہے اور ایمان کا مزہ اس سے چھین گیا ہے یعنی ہارون رشید کو بعد سلام و حمد خدائے منعم اور نعت سید رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معلوم ہو کہ میں نے یہ خط تم کو اسی اطلاع کے لئے لکھا ہے کہ میں نے تمہاری الفت کا رشتہ توڑ دیا اور دوستی کا علاقہ کاٹ ڈالا اور اب میں تمہارا دشمن ہو گیا کیونکہ تم نے خود اقرار کیا کہ میں نے تمہاری العنت بیت المال کو کھول کر خرچ کر ڈالا اور ———— مجھ کو اس بات کا گواہ کیا کہ تم نے مسلمانوں کا مال بیجا اور بے موقع اٹھایا اور یہ بھی نہیں کہ جو کچھ تم نے کیا تھا اس پر راضی رہتے بلکہ باوجود بعد کے مجھ کو خط لکھا کہ تم پر میں اور میرے ساتھ کے لوگ جنہوں نے تمہارا اقراری خط پڑھا گواہ ہو جائیں تو یاد رکھو کہ ہم فردا ء قیامت میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تمہاری حرکت بیجا کی گواہی دیں گے اے ہارون تم نے جو مسلمانوں کا بیت المال اڑایا اس میں تو موجب حکم قرآن مجید کے سات فرقوں کا حق ہے تمہارے اس فعل سے کون سا فریق راضی ہوا مولفۃ القلوب[ع] راضی ہوئے یا صدقات کے عامل یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا مسافر یا حافظان قرآن اور علماء یا بیوہ عورتیں اور یتیم یا اور لوگ تمہاری رعیت میں سے اس فعل سے راضی ہوئے پس اب سوال کے جواب کے لئے مستعد ہو اور اپنی مصیبت کے دور کرنے کی فکر کرو اور جان لو کہ تم عنقریب حاکم عادل کے سامنے کھڑے ہو گے اور تمہارے نفس کے باب میں تم سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے علم اور زہد اور قرآن مجید اور ابرار کے پاس بیٹھنے کا مزہ کھو دیا اور اپنے نفس کے لئے ظلم اور ظالموں کا امام ہونا پسند کیا اے ہارون تم سریر پر بیٹھے اور حریر پہنا اور اپنے دروازہ پر پردہ ڈالا اور ان حجابوں سے تم نے رب العالمین

ع جن کا دل پر چایا گیا ہے ۱۲

کی مثابہت پیدا کی پھر اپنے ظالم سپاہیوں کو دروازہ اور پردہ کے پاس بٹھلا دیا کہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور
انصاف نہیں کرتے خود تو شراب پیتے ہیں اور جو کوئی پیے تو اسکو مارتے ہیں اسی طرح آپ زنا کرتے ہیں اور
دوسرے زانیوں کو مارتے حد لگاتے ہیں اور خود چوری کرتے ہیں اور دوسرے چوروں کا ہاتھ کاٹتے ہیں یہ
شریعت کے احکام تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر نہیں ہیں اور لوگوں پر جاری ہوتے ہیں تمہارے زمرہ پر نہیں ہوتے
اے ہارون کل کیا ہوگا جب ایک پکارنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارے گا [ف] احشروا الذین ظلموا
وازواجہم ظالم اور ان کے مددگار کدھر ہیں تم کو خدائے تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اس صورت
سے کہ تمہارے ہاتھ تمہاری گردن میں بندھے ہوں گے اور ان کو بجز تمہارے عدل کے اور کوئی نہ کھولے گا اور
دوسرے ظالم تمہارے گرد ہوں گے اور تم ان سب سے سردار ہو کر سب کو دوزخ میں لے جاؤ گے اے
ہارون گویا تمہارا حال میرے سامنے ہے کہ تمہاری گردن پکڑی گئی اور قیامت میں پیشی کے مقام پر حاضر کئے
گئے اور تم اپنی نیکیاں دوسرے کے پلہ حسنات میں دیکھ رہے ہو اور اپنی برائیوں کے سوا غیروں کی برائیاں
اپنے پلہ میں دیکھتے ہو کہ مصیبت پر مصیبت اور اندھیرے پر اندھیرا ہے پس اے ہارون میری وصیت یاد رکھو
اور جو نصیحت میں نے تم کو کی اس پر کاربند ہو اور جان لو کہ میں نے تمہاری خیر خواہی کی اور کوئی دقیقہ نصیحت
کا باقی نہیں چھوڑا تو اپنی رعیت کے باب میں خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ
آپ کی امت کے باب میں رکھو اور خلافت کو ان پر اچھی طرح کرو اور جان لو کہ اگر خلافت خلیفوں کے پاس
رہتی تو تمہارے پاس نہ پہنچتی اور یہ تمہارے پاس سے بھی جانے والی ہے اسی طرح دنیا سب لوگوں کو
ایک ایک کر کے لئے چلی جاتی ہے تو ان میں سے بعضوں نے تو ایسا توشہ بہم کر لیا جو اس کو مفید ہو اور بعض
لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ سے رہے اور میرے گمان میں یہی ہے کہ تم بھی انہیں لوگوں میں ہو
جن کو دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ ہو اب خبردار اس کے بعد کو کوئی خط مت لکھنا اور نہ میں اس
کا جواب تم کو تحریر کروں گا۔ والسلام عباد کہتا ہے کہ اس خط کو لکھوا کر بدوں تہہ کئے اور مہر لگائے میری
طرف پھینک دیا میں اس کو لے کر کوفہ کے بازار میں آیا اور آپ کی نصیحت مجھ پر اثر کر گئی تھی میں بازار میں
پکارا کہ اے کوفہ والو حاضرین نے مجھ کو کہا کہ فرمائیے میں نے کہا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ سے بھاگا ہوا تھا اس
کی طرف اس نے رجوع کیا کوئی تم میں سے اس کا خریدار ہے لوگ میرے پاس روپئے اشرفیاں لائے میں
نے کہا کہ مجھ کو مال کی حاجت نہیں بلکہ ایک موٹا جھوٹا صوف کا کرتا اور ایک کملی چاہتا ہوں لوگوں نے مجھ کو
دونوں چیزیں لا دیں میں نے ان کو پہن لیا اور وہ لباس کہ خلیفہ کے ساتھ پہنا کرتا تھا اتار ڈالا اور جو ہتھیار لگائے

ف۔ جمع کرو گنا ہگاروں کو اور ان کے جوڑ والوں کو ۱۲

ہوئے تھا ان کو گھوڑے پر رکھ کر گھوڑے کی باگ ڈور پکڑ کر پیادہ پا روانہ ہوا یہاں تک کہ جب میں خلیفہ ہارون کے دروازہ پر پہنچا اور لوگوں نے مجھ کو برہنہ پا اور پیادہ اس ہیئت سے دیکھا تو خوب تمسخر کیا پھر اطلاع کے بعد مجھ کو اجازت ہوئی جب میں خلیفہ کے سامنے گیا اور مجھ کو اس کیفیت پر دیکھا تو بیٹھا اور اٹھا پھر کھڑا ہو کر اپنا سر اور منہ پیٹتا ہے اور واویلا اور واحسرتا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ افسوس ایلچی نے فائدہ اٹھایا اور بھیجنے والا محروم رہا مجھ کو دنیا سے کیا سروکار سلطنت میرے کس کام آئے گی ڈھلتے سایہ کی طرح جلد چلی جائے گی پھر حضرت سفیان ثوری نے مجھ کو جیسا کھلا ہوا خط دیا تھا میں نے ویسا ہی نکال کر ہاروں کو دے دیا وہ پڑھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا اور گریہ وزاری اور فریاد باواز بلند کرتا جاتا تھا اس کے بعض ندیموں نے کہا کہ اے امیر المومنین ثوری نے آپ کی شان میں بڑی گستاخی کی آپ اگر کسی کو ان کے پاس بھیجیں اور لوہے بیڑیاں بھاری ڈال کر مجلس میں رکھیں تو دوسرے لوگوں کو عبرت ہو جائے گی ہارون رشید نے کہا کہ اے دنیا کے بندو ہم کو اس حرکت سے معاف رکھو جو تمہارے مغالطہ میں آئے وہ بڑا بدبخت ہے تم کو معلوم نہیں کہ سفیان ثوری ایک ہی منشرح یگانۂ روزگار ہیں وہ جانیں ان کا کام ان سے مزاحم نہ ہو پھر یہ خط سفیان ثوری کا ہمیشہ ہارون رشید کے پہلو میں رہتا ہر نماز کے وقت اس کو پڑھ لیا کرتا یہاں تک کہ انتقال کیا اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے پس جو شخص اپنے نفس پر ترس کرے اور خدائے تعالیٰ سے اس عمل میں جو کل کو اس کے سامنے کیا جائے گا اور اسی پر اس کی بازپرس اور جزا ہو گی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے کہ توفیق کا مالک وہی ہے اور عبد اللہ بن مہران کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے حج کیا تو کوفہ میں آکر چند روز قیام کیا پھر کوس رحلت بجایا گیا جب آدمی چلنے لگے تو بہلول مجنون بھی ان کے ساتھ ہوئے اور کناسہ پر بیٹھ گئے لڑکے ان کو ستاتے اور چھیڑتے تھے کہ اتنے میں ہارون کی عماریاں نکلیں لڑکے ان کے چھیڑنے سے باز رہے جب ہارون آیا تو بہلول نے باواز بلند پکارا یا امیر المومنین ہارون نے پردہ اپنے منہ پر سے اٹھا کر کہا لبیک یا بہلول انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین ہم سے حدیث بیان کی ایمن بن تابل نے قدامت بن عبد اللہ عامری سے کہا انہوں نے کہا میں نے آنحضرت کو عرفات سے واپس تشریف لاتے دیکھا کہ آپ اپنے ناقہ پر سوار تھے نہ زدوکرب تھی نہ دھکا دینا نہ بچو بچو کہنا اے امیر المومنین اس سفر میں تمہارا تواضع کرنا بہتر ہے بہ نسبت غرور اور ظلم کے ہارون اس کو سن کر رو دیا یہاں تک کہ اس کے آنسو زمین پر گرے پھر کہا کہ اے بہلول خدائے تعالیٰ تم پر رحم کرے کچھ اور فرماؤ کہا بہتر یا امیر المومنین جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال اور جمال عطا کرے اور وہ اپنا مال خیرات کرے اور اپنے جمال میں پارسا رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خالص دفتر میں ابرار کے ساتھ لکھا جاتا ہے

ح ابن ماجہ ونسائی وترمذی لیکن اس میں یہ نہیں کہ عرفات سے واپس تشریف لائے تھے بلکہ یہ ہے کہ جمرہ کو کنکریاں مارتے تھے اور یہی صواب ہے۔

ہارون نے کہا کہ تم نے بہت خوب کہا اے بہلول پھر ان کو کچھ انعام دیا بہلول نے فرمایا کہ اس مال کو جس شخص سے لیا ہے اسی کو واپس کر دو کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہارون نے کہا کہ اگر تمہارے ذمہ کچھ قرض ہو تو ہم ادا کر دیں فرمایا کہ علما کوفہ میں بہت ہیں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ دین کا ادا کرنا دین سے درست نہیں ہارون نے کہا کہ ہم تمہارے لئے اتنا مقرر کر دیں کہ تمہاری قوت کو کافی ہو بہلول نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا کہ اے امیر المؤمنین میں اور تم دونوں خدائے تعالیٰ کی عیال میں سے ہیں تو محال ہے کہ وہ تم کو یاد رکھے اور مجھ کو بھول جائے پھر ہارون پردہ ڈال کر چلا گیا اور ابو العباس ہاشمی صالح بن مامون کی اولاد میں سے کہتے ہیں کہ میں حارث محاسبی کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ آپ نے اپنے نفس سے محاسبہ کیا ہے فرمایا کہ ایسا کبھی ہوتا تھا میں نے کہا کہ اب کیا حال ہے فرمایا کہ اب تو میں اپنے حال کو چھپاتا ہوں ایک آیت قرآن مجید کی پڑھتا ہوں تو اس میں بھی بخل کرتا ہوں کہ میرا نفس نہ سنے اور اگر مجھ کو اس میں سرور نہ غالب ہو جاتا تو میں اسکو ظاہر نہ کرتا اور میں ایک رات اپنی محراب میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک جوان خوبصورت عمدہ خوشبو کا آیا اور مجھ کو سلام کر کے میرے سامنے بیٹھ گیا میں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں ایک سیاح ہوں جو لوگ اپنی محرابوں میں عبادت کرتے ہیں ان کے پاس جایا کرتا ہوں میں تم کو کچھ محنت کرتے نہیں دیکھتا تمہارا عمل کیا ہے میں نے کہا کہ چھپانا مصیبتوں کا اور کشش فوائد کی اس نے ایک چیخ ماری کہ مشرق اور مغرب کے درمیان میں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی صفت یہ ہے پھر میں نے چاہا کہ اس کو کچھ اور سناؤں تو میں نے کہا کہ تم کو معلوم نہیں کہ اہل دل اپنے احوال چھپاتے ہیں اور اپنے اسرار ظاہر نہیں کرتے اور خدائے تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ حالات خود ان سے بھی مخفی رہیں تو تجھ کو ان کا حال کہاں سے معلوم ہوتا اور ان کو کیسے پہچانتا اس نے پھر ایسی چیخ ماری کہ بے ہوش ہو گیا اور میرے پاس دو روز مدہوش رہا پھر افاقہ ہوا تو کپڑے اس کے بول براز سے نجس ہو گئے تھے میں نے سمجھا کہ اس کی عقل جاتی رہی میں نے اس کو نیا تھان نکال کر دیا اور کہا کہ یہ میرا کفن ہے میں نے تجھ کو اپنے نفس پر ترجیح دی اب تو غسل کر اور نماز کی قضا کر اس نے پانی مانگا اور غسل کر کے نماز پڑھی اور اسی کپڑے میں لپٹا ہوا باہر کو چلا میں نے کہا کہ کہاں کا ارادہ ہے اس نے کہا کہ میرے ساتھ چلو میں ساتھ ہو لیا وہ چلا چلا خلیفہ مامون کے پاس گیا اور اس کو سلام کیا اور کہا کہ اے ظالم اور اگر تجھ کو ظالم نہ کہوں تو میں ظالم ہوں اور اگر تیرے باب میں تقصیر کروں تو خدائے تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس باب میں کہ تجھ کو اس کا مالک کیا ہے اور بہت سی نصیحت کر کے باہر آنا چاہا اور میں دروازہ پر بیٹھا تھا مامون اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ میں ایک سیاح ہوں میں نے اپنے پیشتر کے صدیقوں کے اعمال میں فکر کیا تو اپنے نفس میں ان اعمال کا پتہ نہ پایا اس لئے تیری نصیحت کو مستعد ہوا کہ شاید صدیقوں میں مل جاؤں مامون نے

اس کی گردن اڑانے کا حکم دیا چنانچہ وہ اسی تھان میں لپٹا ہوا مقتول باہر نکالا گیا اور میں دروازہ پر بیٹھا تھا اور ایک
منادی کہتا تھا کہ جو اس کا وارث ہو وہ اس کو لے جاوے میں ان سے مخفی ہو گیا اور اس کو غربائے نے لے کر دفن کر دیا
دفن میں بھی شریک رہا میں نے اس سے اس کا حال نہ کہا بعد دفن کے میں گورستان کی ایک مسجد میں ٹھہر گیا اور
جوان کا غم میرے دل میں تھا کہ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جوان ایسی لونڈیوں میں ہے
کہ میں نے ان سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھیں تھیں اور مجھ سے کہتا کہ اے حارث قسم ہے خدا کی تو وہ چھپانے
والوں میں ہے کہ جو اپنا حال چھپاتے ہیں اور اپنے رب کی اطاعت کرتے ہیں میں نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں
اس نے کہا کہ اسی دم مجھ سے ملیں گے پھر میں نے کچھ پر اسواروں کو دیکھا اور ان سے کہا کہ تم کون ہو انہوں
نے کہا کہ ہم اپنے حال کے چھپانے والے ہیں اسی جوان کو تیری تقریر نے حرکت دی مگر اس کے دل میں جو کچھ تو نے
بیان کیا تھا اس میں سے کچھ نہ تھا اس لئے وہ امر و نہی کے واسطے نکلا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے ساتھ اتارا
اور اس کی خاطر اس کے قاتل پر غصہ فرمایا اور احمد بن ابراہیم مقری کہتے ہیں کہ ابوالحسن ثوریؒ امر فضول کم کرتے
اور بے فائدہ بات کا سوال نہ کرتے اور جس چیز کو ان کو حاجت نہ ہوتی اسکی تفتیش نہ فرماتے اور جب کسی منکر کو
دیکھتے تو اس کا بگاڑ ڈالتے گو جان ہی کیوں نہ جائے ایک روز ایک چشمہ پر جو مشرعۂ فحامین کے نام سے مشہور
ہے نماز کے لئے وضو کرتے تھے کہ ایک کشتی میں جس میں تیس مٹکے تھے ہر ایک پر دھونی سے لفظ لطف لکھا
ہوا تھا آپ نے اس کو پڑھ کر نہ پہچانا کیونکہ تجارات اور خانگی اشیاء میں کوئی چیز آپ کو نہ معلوم ہوئی جس کو
لطف کہتے ہیں اپنے ملاح سے کہا کہ ان مٹکوں میں کیا ہے اس نے کہا کہ آپ کو کیا مطلب پڑا ہے آپ اپنا کام
کیے جائیے جب آپ نے ملاح سے یہ سنا تو شوق دریافت کا دوبالا ہوا اور فرمایا کہ میں یہی چاہتا ہوں کہ تو
مجھ کو بتا دے کہ ان میں کیا ہے ملاح نے کہا تم کو اس سے کیا فائدہ تم تو صوفی آدمی ہو یہ معتضد کے لئے شراب ہے
اس کو منظور ہے کہ اس سے اپنی مجلس کی تکمیل کرے آپ نے فرمایا کہ شراب ہے ملاح نے کہا ہاں آپ نے فرمایا
کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ موگری مجھ کو اٹھا دے ملاح ان پر خفا ہوا اور اپنے غلام سے کہا کہ ان کو موگری حوالہ
کر دیکھیں کیا کریں گے جب موگری ان کے ہاتھ میں آ گئی وہ کشتی پر سوار ہو کر ایک ایک مٹکا توڑنے لگے
یہاں تک کہ بجز ایک مٹکے کے اور سب توڑ ڈالے اور ملاح فریاد کرتا رہا حتی کہ حاکم اسی پل کا جو یونس بن افلح
تھا چڑھ دوڑا اور ثوری کو آ کر گرفتار کر کے معتضد کے پاس روانہ کر دیا اور چونکہ معتضد کی تلوار پہلے چلتی تھی
اور زبان پیچھے اس لئے لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ بدون قتل کئے نہ چھوڑے گا ابوالحسن ثوری فرماتے ہیں کہ جب
مجھ کو خلیفہ کے سامنے لے گئے وہ کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک سونٹا تھا کہ اس کو پلٹے دے رہا تھا
مجھ کو دیکھ کر کہا کہ تو کون ہے میں نے کہا کہ محتسب ہوں اس نے کہا کہ تجھ کو حسبت کا عہدہ کس نے دیا میں نے

کہا جس نے تم کو امامت کا عہدہ دیا اس نے تھوڑی دیر گردن جھکالی بعد اس کے سر اٹھا کر کہا کہ تو نے جو حرکت کی وجہ اسکی تھی میں نے کہا کہ مجھ کو تمہارے حال پر ترس آیا کہ جس برائی کو تم سے ٹال سکتا ہوں اس میں کوتاہی کیوں کروں پھر خلیفہ سر نیچے کر میری تقریر کو سوچتا رہا اور بعد اس کے سر اٹھا کر کہا کہ سب مٹکوں میں سے یہ ایک مٹکا کیسے بچ رہا میں نے کہا کہ اس کی ایک وجہ ہے اگر امیر المؤمنین مجھ کو اجازت دیں تو میں بیان کر دوں کہا کہ بیان کر دو میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین میں جس طرف مٹکوں کی طرف متوجہ ہوا تو میرے دل میں اللہ تعالیٰ کا جلال بھرا تھا اور خوف مطالبہ الٰہی چھایا ہوا تھا۔ اس لئے میں نے ان کے توڑنے پر جرأت کی اور مخلوق کی ہیبت مجھ کو کچھ نہ تھی یہی حال سب مٹکوں کے توڑنے میں ہوا جب میں اس مٹکے پر پہنچا تو میرے نفس میں اس بات کی شیخی مجھ کو معلوم ہوئی کہ میں نے خلیفہ کے مٹکے توڑ دیئے جبھی میں نے ہاتھ کھینچ لیا اور اگر اس مٹکے پر پہنچنے میں بھی مجھ کو وہی جوش ہوتا جو پہلے تھا تو ایک یہ کیا اگر روئے زمین مٹکوں سے پر ہوتی تب بھی میں توڑتا چلا جاتا اور کچھ پروانہ کرتا معتضد نے کہا کہ جاؤ ہم نے تمہارے ہاتھ کو بیروک کر دیا جو نسا منکر چاہو اس کو بگاڑ دو میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اب سن کر کے بگاڑنے کو میں برا جانتا ہوں اس لئے کہ پہلے تو میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے بگاڑتا تھا اور اب خدمت کی جہت سے بگاڑ دوں گا معتضد نے کہا کہ تمہارا مطلب کیا ہے میں نے کہا یا امیر المؤمنین آپ حکم کر دیں کہ میں سلامت چلا جاؤں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ کوئی اس سے مزاحم نہ ہو غرضنکہ بصرہ میں چلے آئے اور اکثر بصرہ ہی میں رہے اس خوف سے کہ مبادا کوئی ضرورت درپیش ہو نوبت معتضد سے سوال کرنے کی پہنچے جب معتضد مر گیا تب بغداد میں واپس آئے۔ حاصل یہ کہ علماء کی عادت امر بالمعروف ونہی منکر میں یہ تھی کہ بادشاہوں کے دبدبہ کی پروا کم کرتے تھے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتا تھا تو اس کے فضل پر تکیہ رکھتے تھے اور اگر شہادت روزی کرتا تھا تو اس کے حکم پر راضی تھا اور چونکہ انہوں نے اپنی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر لی تھی اس لئے ان کے کلام کی تاثیر سخت دلوں میں یہ ہوتی تھی کہ دل نرم ہو جاتے تھے اور سختی دور ہو جاتی تھی اور اب تو طمع نے علماء کی زبان روک دی ہے کہ وہ کچھ کہتے ہی نہیں اور اگر کہتے ہیں تو اس وجہ سے کہ ان کا قول موافق ان کے حال کے نہیں ہوتا اس سے کچھ فائدہ مرتب نہیں اگر وہ سچے ہوتے اور علم کا حق ملحوظ رکھتے تو فلاح پاتے کیونکہ رعیت کی ساری خرابی بادشاہوں کے خراب ہونے سے ہے اور اور بادشاہوں کی خرابی علماء کی خرابی سے ہے اور علماء کی خرابی مال اور جاہ کی محبت سے ہے تو جس شخص پر دنیا کی محبت غالب ہوگی وہ رذیلوں اور ذلیلوں پر بھی حسبت نہ کر سکے گا۔ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کا تو کیا ذکر ہے اللہ تعالیٰ ہر حال میں مددگار رہے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً وصلی اللہ علی کل عبد مصطفےٰ۔

دسواں باب

نبی کریم علیہ السلام کی سیرت مبارکہ اور اخلاق عالیہ

شادابی نخل گلشن سرمد ہے　　احسن یہ بہار روضۂ احمد ہے
جس کا مداح خالق امجد ہے　　یعنی شہ کونین کے ہے خلق کا ذکر

واضح ہو کہ ظاہر کے آداب باطن کے آداب کے عنوان ہوتے ہیں اور اعضاء ظاہری کی حرکات دلی باتوں کے ثمرے اور اعمال نتیجے اخلاق کے ہیں اور آداب انجام معرفتوں کے اور رازہائے درونی افعال کے تخم اور منبع ہیں اور ظاہر پر باطن ہی کا نور پڑ جاتا ہے کہ اس کو زینت اور جلا دیتا ہے اور اُس کی برائیوں کو خوبیوں سے بدل دیتا ہے اور جس شخص کا دل خشوع نہیں کرتا اس کے اعضاء ظاہری بھی خشوع نہیں کرتے اور جس کا سینہ انوار الٰہی کا محل نہیں ہوتا اس کے ظاہر پر بھی چمک آداب نبویؐ کی نہیں پڑتی اور میرا ارادہ تھا کہ اس جلد میں معاملات کے خاتمہ میں ایک بات متضمن تمامی آداب زندگی کا لکھوں تاکہ طالبوں کو اُن کا نکالنا سب بابوں سے دشوار نہ ہو پھر میں نے دیکھا کہ جلد اوّل اور دوم کے ہر باب میں تھوڑے آداب مذکور ہو چکے ہیں اس لئے میں نے ان کو دوبارہ لکھنا ثقیل جانا کہ نفسوں کی سرشت میں ہے کہ مکررات سے نفرت رکھتے ہیں اس نظر سے مناسب ہوا کہ اس باب میں صرف آداب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ کے اخلاق جو اسناد کے ساتھ مروی ہیں لکھوں اور ان سب کو جدا جدا اسناد حذف کر کے بیان کروں تاکہ وہ سب ایک جگہ ہو جائیں اور یہ فائدہ ہو کہ آپ کے اخلاق کریمہ دیکھ کر ایمان کی تجدید اور تاکید ہو جائے کیونکہ آپ کی ایک ایک عادت شریف ایسی ہے جس سے قطعاً معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے نہایت بزرگ اور رتبہ میں برتر ہیں تو جس صورت میں سب آپ کی ذاتِ اقدس میں اکٹھی ہیں تو کیسے افضل و اعلیٰ نہ ہوں گے پھر اخلاق کے بعد آپ کا سراپا مذکور کروں پھر ان معجزات کو لکھوں جو صحیح احادیث میں آئے ہیں تاکہ مکارم اخلاق کا بیان کامل ہو اور پنبۂ غفلت منکروں کے کانوں سے زائل اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ عادات اور احوال میں اور تمام امور دینی میں، ہم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں اور ان کے اقتدار کا دم بھریں کہ وہ حیرت والوں کا راہنما اور مضطروں کے لئے مجیب الدعا ہے ہر چند یہ مطلب دریائے ناپید اکنار ہے مگر ہم تیرہ بیانوں میں اس مضمون کو لکھتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے آپکا ذکر قرآن میں کیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تضرع وزاری بدرگاہ باری بہت کرتے اور ہمیشہ سوال کرتے کہ مجھ کو محاسن آداب و مکارم اخلاق سے

آراستہ کر اور یوں دعا مانگتے اللھم احسن خلقی وخلقی اور فرماتے[۲] اللھم اجنبنی منکرات الاخلاق تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اپنے اس وعدہ کو پورا کیا[۳] ادعونی استجب لکم یعنی تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا اور آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا اور اس سے آپ کو ادب سکھلایا تو آپ کا خلق قرآن مجید ہے چنانچہ سعد[۳] بن ہشام کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا حال ان سے پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تو قرآن پڑھتا ہے میں نے کہا ہاں انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن مجید تھا۔ اور قرآن مجید سے آپ کو ادب اس طرح سکھایا کہ ارشاد فرمایا[۴] خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین اور فرمایا[۵] ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی اور فرمایا[۶] واصبر علی ما اصابک ان ذالک من عزم الامور اور فرمایا[۷] ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور اور فرمایا[۸] فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین اور فرمایا[۹] ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم اور فرمایا[۱۰] ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم اور فرمایا[۱۱] الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین اور فرمایا[۱۲] اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ اور جب جنگ احد میں آپ کے دندان مبارک کی چوکڑی ٹوٹ گئی اور سر مبارک میں ضرب آئی تو خون چہرہ مبارک پر بہتا تھا اور آپ خون کو پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے[۱۳] کیسے بھلا ہوگا اس قوم کا جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگین کیا حالانکہ وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ادب سکھانے کے لئے یہ

---

[۱] الٰہی میرا ظاہر و باطن اچھا کر احمد بروایت ابن مسعود و عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اللھم احسنت خلقی فاحسن خلقی یعنی الٰہی تو نے میری پیدائش اچھی بنائی تو میری عادت بھی اچھی کر ۱۲۔ [۲] الٰہی مجھ کو برے اخلاق سے علیحدہ رکھ ترمذی و حاکم بروایت تعلبہ ۱۲ [۳] مسلم بروایت مذکورہ احیاء ۱۲۔ [۴] پکڑ معاف کرنا اور کہہ نیک کام کو اور کنارہ کر جاہلوں سے [۵] اللہ حکم کرتا ہے انصاف کا اور بھلائی کا۔ اور دینے کو ناتے والے کے اور منع کرتا ہے بیحیائی کو اور نامعقول کام کو اور سرکشی کو ۱۲ [۶] اور سہار جو کچھ تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں ہمت کے کام ۱۲۔ [۷] البتہ جس نے سہا اور معاف کیا۔ بے شک یہ کام ہمت کے ہیں ۱۲۔ [۸] سو معاف کر اور درگذر کر ان سے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے نیکی والوں کو ۱۲ [۹] اور چاہیئے معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے ۱۲ [۱۰] جواب میں تو کہہ اس سے بہتر جو دیکھے تو جس میں تجھ میں دشمنی تھی۔ وہ دوست دار ہے ناتے والا ۱۲ [۱۱] تھانبتے ہیں غصے کو اور معاف کرتے لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو ۱۲ [۱۲] بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے کیونکہ بعضی تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو ۱۳ [۱۳] مسلم بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲۔

آیت نازل فرمائی لیس لک من الامر شیئ او یتوب علیھم او یعذ بھم فانھم ظالمون اور اسی طرح کی تادیبیں قرآن مجید میں بے شمار ہیں اور تادیب اور تہذیب سے مقصود اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں پھر آپ کی ذات پاک سے سب خلق پر نور پڑھتا ہے اس لئے کہ قرآن مجید سے آپ کو ادب سکھایا گیا اور خلق کو آپ سے ادب تعلیم کیا گیا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ۲ اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں پھر آپ نے خلق کو محاسن اخلاق کی ان باتوں کی ترغیب دی جن کا ذکر ہم باب ریاضتِ نفس اور تہذیب اخلاق جلد ثالث میں کریں گے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کا خلق کامل کر دیا تو تعریف فرمائی اور یہ ارشاد کیا ۳ وانک لعلی خلق عظیم سبحان اللہ اس کی کیا بڑی شان اور کتنا کامل احسان اور کیسا فضل عظیم اور لطف عمیم ہے کہ آپ ہی اپنے نبی کریم کو خلق سے آراستہ کیا اور آپ ہی تعریف فرماتا ہے اور خلق کو آپ کی طرف منسوب کرتا ہے کہ تو بڑے خلق پر ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلق سے بیان ۴ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور ان میں سے برے اخلاق سے بغض رکھتا ہے۔ اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ مرد مسلمان سے تعجب ہے کہ اس کے پاس کوئی اس کا مسلمان بھائی کسی ضرورت سے آوے اور اپنے نفس کو دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے کے قابل نہ سمجھے بھلا اگر اس کو توقع ثواب کی یا خوف عذاب کا نہ ہو تو اس کو یہ چاہیئے کہ مکارم اخلاق کی طرف مبادرت کرے کہ ان سے راہ نجات کا پتہ چلتا ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ نے اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں مع اور بات کے جو اس سے بھی بہتر ہے یعنی جب ۵ طے کے قیدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو ان میں ایک لڑکی بھی تھی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ مصلحت سمجھیں تو مجھ کو رہا فرما دیں اور قبائل عرب کو مجھ پر نہ ہنسائیں کہ اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا اور قیدی کو رہا کرتا تھا بھوکے کا پیٹ بھرتا تھا اور کھانا کھلاتا تھا اور سلام کا افشار کرتا تھا کبھی کسی حاجت کے طالب کو محروم نہیں پھیرا میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لڑکی یہ صفت سچے ایمانداروں کی ہے اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس پر رحمت اللہ کی کہتے اور لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو اچھا جانتا اور اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق کا دوست دار ہے پس ابو بردہ بن تیار کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی

---

۱ کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے یا عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں ۱۲۔ ۲ احمد و حاکم و بیہقی بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ۳ اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ۱۲ ۴ بیہقی بروایت سہل بن سعد ۱۲ ۵ حکیم ترمذی در نو اور بسند اندک ضعیف

علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کیا مکارم اخلاق کو دوست رکھتا ہے آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ جنت میں بجز خوش اخلاق کے اور کوئی داخل نہ ہوگا اور حضرت معاذ بن جبلؓ روایت[۹] کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا محیط مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کو کر دیا ہے اور منجملہ ان کے یہ باتیں ہیں باہم اچھی طرح رہنا عمدہ فعل کرنا پہلو کا ملائم رکھنا خیرات دینا کھانا کھلانا سلام کا افشا کرنا مسلمان بیماروں کو پوچھنا نیک ہو یا بد مسلمان کے جنازہ کے ہمراہ جانا اور جس شخص کے ہمسایہ میں رہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اس کے ساتھ اچھی طرح رہنا اور بوڑھے مسلمان کی عزت کرنی اور دعوت کا قبول کرنا اور دوسرے کی دعوت کرنی اور معاف کرنا اور لوگوں میں صلح کرانی اور جود اور کرم اور سماحت کرنا اور ابتدا اسلام کرنا اور غصہ کا پی جانا اور لوگوں سے درگذر کرنی اور جو چیزیں اسلام نے حرام کر دی ہیں ان سے اجتناب کرنا یعنی کھیل اور باطل اور غنا اور آلات لہو بتماہا اور کینہ اور عیب کی بات اور غیبت اور بخل اور زیادتی کنجوسی اور جفا اور دغا اور فریب اور چغلی اور آپس میں بگاڑ ڈالنا اور قرابت کو توڑنا اور بدخلقی اور تکبر اور شیخی اور اترانا اور بڑائی مارنی اور فحش کہنا اور فحش سننا اور کینہ اور حسد اور بدفالی اور سرکشی اور حد سے گذرنا اور ظلم۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں[۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عمدہ نصیحت ایسی نہیں چھوڑی جس کی طرف ہم کو نہ بلایا ہو اور نہ کوئی عیب اس فہم کا چھوڑا کہ جس سے ہم کو ڈرایا نہ ہو یا منع نہ کیا اور ان سب باتوں سے یہ آیت کفایت کرتی ہے[۳] ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآیہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اس طرح وصیت فرمائی کہ[۴] اے معاذ میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں خدا تعالیٰ سے ڈرنے کی اور سچ بولنے اور عہد پورا کرنے اور امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے اور ہمسایہ کا لحاظ رکھنے اور یتیم پر رحم کرنے اور نرم گفتگو کرنے اور سلام کے فاش کرنے کی اور حسن عمل اور کوتاہ کرنے اس کی اور ایمان پر جمے رہنے اور قرآن کی سمجھ پیدا کرنے کی اور آخرت کی محبت اور حساب سے خائف رہنے اور بازو کو پست رکھنے کی اور میں تجھ کو منع کرتا ہوں کہ کسی حکیم کو گالی مت دینا اور سچے شخص کو جھوٹا مت ٹھہرانا اور کسی گناہگار کی اطاعت نہ کرنا اور امام عادل کی نافرمانی مت کرنا۔ اور زمین میں فساد مت کرنا اور تجھ کو وصیت کرتا ہوں خدائے تعالیٰ سے ڈرنے کی ہر پتھر اور درخت اور ڈھیلے کے پاس اور یہ کہ ہر گناہ کے لئے توبہ نئی کرنا پوشیدہ گناہ کے لئے پوشیدہ توبہ اور ظاہر کے لئے ظاہر غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس طرح ادب تعلیم فرمایا اور ان

[۱] اس کی اصل پر میں واقف نہیں ہوا اور دوسری روایت حضرت معاذؓ سے آگے آتی ہے اُس کے سامنے اس کی کچھ ضرورت بھی نہیں

[۲] اسکی سند مجھ کو نہیں ملی مگر مضمون کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے [۳] اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور نیکی کرنے کا ۱۲ [۴] ابو نعیم در حلیہ وبیہقی در زہد

کو مکارم اخلاق اور محاسن آداب کی طرف بلایا۔

محاسن اخلاق

جن کو بعض علماء نے احادیث چن کر جمع کیا ہے اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب[1] لوگوں سے زیادہ حلیم تھے۔[2] سب سے زیادہ شجاع تھے۔[3] سب سے زیادہ سخی تھے۔[4] سب سے زیادہ پارسا تھے کبھی آپ کا دست مبارک ایسی عورت کے ہاتھ کو نہ لگا جو آپ کی ملک میں نہ ہو یا آپ کی محرم نہ ہو۔ سب[5] سے زیادہ سخی تھے۔ آپ[6] کے پاس دینار درہم رات کو نہ رہتا تھا۔ اور اگر بچ رہتا اور ایسا شخص نہ ملتا جس کو عطا فرمائیں اور یکایک رات ہو جاتی، تو اپنے مکان میں تشریف نہ لاتے جب تک کہ بچے ہوئے کو کسی محتاج کو نہ دے چکتے۔ جو کچھ[7] اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا۔ اس میں سے بجز سال بھر کی اپنی غذا کے نہ لیتے اور وہ بھی سب سے زیادہ ارزاں اور سہل الوصول خرما اور جو کی ہوتی تھی اور باقی سب کو فی سبیل اللہ خرچ کرتے۔ جس[8] چیز کا سوال کوئی آپ سے کرتا اس کو مرحمت فرماتے۔ پھر آپ[9] اپنے سال بھر کے قوت میں سے بھی دے ڈالتے اور سائلین کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے حتیٰ کہ بعض اوقات برس گذرنے سے پیشتر قوت کی ضرورت پڑتی۔ بشرطیکہ کوئی چیز آپ کے پاس نہ آجاتی۔ اور[10] اپنا جوتا گانٹھتے اور کپڑے میں پیوند لگاتے اور اپنے گھر کی ٹہل کرتے اور[11] ازواج مطہرات کے ساتھ گوشت کاٹتے سب[12] لوگوں سے زیادہ حیادار تھے کہ کسی کے چہرہ پر آپ کی نگاہ نہ جمتی۔ آزاد[13] اور غلام کی دعوت منظور فرماتے۔ اور[14] ہدیہ قبول فرماتے گو ایک گھونٹ دودھ کا ہو یا ران خرگوش کی اور ہدیہ کی مکافات فرماتے۔[15] ہدیہ کو تناول فرماتے اور صدقہ کو نہ کھاتے۔ لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمانے سے تکبر نہ فرماتے ان کے ساتھ چلے جاتے اپنے پروردگار کی خاطر غصہ فرماتے اور اپنے

۱ح ابو الشیخ در اخلاق بروایت عبد الرحمٰن بن ابزی مرسلاً و ابن حبان بروایت عبد اللہ بن سلام اور ضمن حدیث طویل ۱۲ - ۲ح بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲ ۳ح ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ حدیث بطویل ۱۲ ۴ح بخاری مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ ۵ح بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ بلفظ جود الناس ۱۲ ۶ح ابوداؤد بروایت بلالؓ در حدیث طویل اور بخاری میں بروایت عقبہ بن الحارثؓ اسی کے قریب دوسرا مضمون ہے ۱۲ ۷ح - بخاری و مسلم بروایت عمر فاروقؓ ۸ح طیالسی و دارمی بروایت سہل بن سعد اور بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ اور جابرؓ اس مضمون کو با الفاظ مختلف لکھا ہے ۱۲ - ۹ح یہ مضمون ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ کی حدیثوں سے جو بروایت ابن عباسؓ نقل کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یعنی آپ کی وفات ہوئی اسوقت میں کہ آپ کی زرہ بیس صاع جو کے عوض گرو تھی جس کو آپ نے گھر والوں کی قوت کے لئے لیا تھا اور یہی مضمون بخاری میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہیں ۱۲ - ۱۰ح احمد بروایت عائشہؓ ۱۱ح احمد بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ اور صحیحین میں بروایت عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ اثنا ایک حدیث میں یہ مضمون ذکر کیا ہے ۱۲ - ۱۲ح بخاری و مسلم بروایت ابو سعید خدری بالفاظ دیگر ۱۲ - ۱۳ح۱۴ ہدیہ کا منظور کرنا اور اس کے مکافات بخاری میں بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے اور دودھ کا ہدیہ منظور کرنا صحیحین میں بروایت ام فضل مذکور ہے اور خرگوش کی ران کا ہدیہ قبول کرنا صحیحین میں بروایت انسؓ آیا ہے۔

نفس کے لئے غصہ نہ فرماتے حق کو جاری فرماتے گو اس میں آپ کا اور آپ کے اصحاب کا نقصان ہوتا مشرکوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے طرف دار ہو کر دوسرے مشرکوں سے عوض لیں اور اس وقت آپ کے پاس آدمیوں کی اتنی قلت تھی کہ اگر ایک شخص بھی آپ کے ساتھیوں میں زیادہ ہوتا تو اس کی بھی ضرورت تھی مگر آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا ہوں۔[۱] اور ایک شخص کو اپنے فضلاء صحابہ اور اخیار اصحاب میں سے یہودیوں میں مقتول پایا مگر آپ نے ان پر ظلم نہ کیا اور نہ تلخ نہ حق سے زیادہ بڑھے بلکہ اس مقتول کی دیت سو اونٹنیاں دیں حالانکہ اس وقت اصحابؓ کو اونٹ کی نہایت ضرورت تھی کہ ایک بھی ملتا تو اس سے قوت حاصل کرتے[۲] اور بھوک کے مارے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے جو موجود ہوتا وہ تناول فرماتے اور جو پاتے اس کو نہ ہٹاتے اور حلال کھانے سے ورع نہ فرماتے اور اگر خرما بدون روٹی کے پاتے تو اس کو ہی نوش جان فرماتے اور اگر بھنا ہوا گوشت ملتا تو وہی کھا لیتے اور اگر روٹی گیہوں یا جَو کی ملتی اس کو کھا لیتے اور اگر دودھ بدون روٹی کے پاتے تو اسی پر اکتفا فرماتے[۴] اور اگر خربزہ یا تر خرما ملتا تو وہی کھا لیتے[۵] تکیہ لگا کر نہ کھاتے اور نہ اونچے خوان پر رکھ کر کھانا کھاتے۔ آپؐ کا رومال دونوں تلوے پائے مبارک کے تھے۔ گیہوںؐ کی روٹی سے تا زیست تین دن پیہم پیٹ نہیں بھرا اور یہ امر مفلسی اور بخل کی وجہ سے نہ تھا بلکہ نفس کو مطیع اور مغلوب رکھنے کے لئے۔ ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے[۸] بیمار کی عیادت فرماتے اور جنازہ کے ہمراہ تشریف لے جاتے۔ دشمنوںؐ میں بلا نگہبان تنہا پھرتے۔ تواضع سبؐ[۱۰] سب سے زیادہ اور وقار میں سب سے بڑھ کر تھے بدون تکبر کے کلام میں سب سے زیادہ بلیغ بدون طویل تھے۔ سبؐ[۱۱] سے زیادہ خندہ پیشانی تھے۔[۱۲] امور دنیا

اح بخاری ومسلم بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ۲ح بخاری ومسلم بروایت سہل بن ابی خثیمہ ورافع بن خدیج اور جو صحابی مقتول پایا گیا ان کا نام عبداللہ بن سہل انصاری تھا بخاری ومسلم بروایت جابرؓ ۱۲ ۳ح آپ کے یہ سب اخلاق معروف ہیں چنانچہ ترمذی میں بروایت ام ہانیؓ خشک روٹی کا کھانا اور بروایت ام سلمہ گوشت بریان کا کھانا اور بروایت ابن عباس جو کی روٹی کا کھانا اور صحیحین میں بروایت عائشہ صدیقہ حلوا اور عسل کو دوست رکھنا اور تین روز پیاپے گیہوں کی روٹی کا کھانا اور نسائی میں بروایت عائشہؓ [illegible] کا کھانا مروی ہے ۱۲۔ ۴ح اس کی سند آداب کھانے کی فصل اول میں گذری ۱۲ ۵ح یہ فعل آپ کا معروف نہیں بلکہ ابن ماجہ نے بروایت جابر ذکر کیا ہے کہ ہم آپ کے عہد مبارک میں ایسا کرتے تھے ۱۲۔ ۶ح بخاری ومسلم بروایت عائشہ صدیقہ ۱۲ ۷ح یہ فعل آپ کا معروف ہے اور ابھی ذکر گذرا ۱۲ ۸ح ترمذی وابن ماجہ وحاکم بروایت انس اور صحیحین میں چند احادیث عیادت اور جنازہ کی ہمراہی کی ہیں ۲ ۹ح ترمذی وحاکم نے بروایت عائشہ نقل کیا ہے کہ جب آیت یعصمک من الناس اتری تو آپ ممانعت نہ فرماتے تھے ۱۲ ابوالحسن علی بن عنماک نے اپنی شمائل میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے اور نسائی اور ابن ماجہ اور ابوداؤد میں احادیث آپ کی سیرت تواضع کی آئی ہے ۱۲۔ ۱۰ح ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ ۱۲۔ ۱۱ح احمد بروایت عائشہ صدیقہ ۱۲۔ ۱۶ح بخاری نے بروایت سہل بن سعد شملہ کا پہننا اور صحیحین میں بروایت انس چادر یمنی کا آپ کو محبوب تر ہونا اور بروایت مغیرہ بن خثیمہ جبہ صوف پہننا مذکور ہے۔ ۱۷ح بخاری نے بروایت عائشہ صدیقہؓ اس مضمون کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے شمائل میں بروایت بسند بن ابی امامہ ۱۲۔

میں سے آپ کو کوئی چیز تعجب میں نہ ڈالتی۔ جو[1] پہننے کو پاتے وہ پہن لیتے کبھی شملہ یعنی چھوٹا کمل اور کبھی یمن کی چادر اور کبھی صوف کا جبہ جو مباح مال سے ملتا اس کو پہن لیتے۔ آپ[2] کی انگوٹھی چاندی کی تھی اس کو داہنے ہاتھ اور بائیں کی چھنگلیا میں پہنا کرتے تھے۔ اپنے پیچھے[3] اپنے غلام کو یا دوسرے شخص کو سوار کر لیتے تھے۔ جو[4] سواری بہم ہو جاتی اس پر سوار ہو جاتے کبھی گھوڑے پر گاہے اونٹ پر کبھی سبز خچر پر کبھی دراز گوش پر کبھی پیادہ برہنہ پا بدون چادر اور عمامہ اور ٹوپی کے چلتے اور مدینہ منورہ کے پرلے کنارے پر بیماروں کی عیادت فرماتے خوشبو کو آپ[5] پسند فرماتے اور بدبو کو مکروہ جانتے۔ فقیروں[6] کے ساتھ بیٹھتے[7] مساکین کو ساتھ کھلاتے۔ جو[8] لوگ اخلاق میں افضل ہوتے ان کا اکرام کرتے اور اہل شرف کے ساتھ سلوک کر کے ان کو پرچاتے رصلہ[9] رحم فرماتے نہ اس طرح پر کہ غریبوں کو ان سے افضل شخصوں پر ترجیح دیں۔ کسی[10] پر جفا نہ فرماتے جو آپ کے سامنے عذر کرتا اس کا عذر قبول کر لیتے آپ[11] مزاح فرماتے مگر سچ کے سوا کچھ نہ کہتے۔ [12] مسکراتے اور زور سے نہ ہنستے۔ مباح[13] کھیل کو دیکھتے اور منع نہ فرماتے اپنے[14] اہل کے ساتھ دوڑتے کہ کون آگے نکلتے۔ آپ[14] کے سامنے آوازیں بلند ہوئیں اور آپ صبر فرماتے۔ آپ[15] کے پاس دودھیل اونٹنی اور بکری تھی کہ ان کو دودھ آپ اور آپ کے گھر والے پیتے تھے۔ آپ[16] کے پاس لونڈیاں اور غلام تھے۔ کھانے اور پہننے میں آپ ان سے برتری نہ فرماتے کوئی وقت[17] آپ پر ایسا نہ گذرتا جس میں آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کام یا اپنے نفس کی بہتری کے لئے امر

اح صحیحین میں بروایت ابن انس چاندی کی انگوٹھی اور مسلم میں اس کا پہننا داہنی اور بائیں چھنگلیاں میں مذکور ہے ۱۲ ۲و۳ح صحیحین میں بروایت ابن عباس اسامہ کو ردیف کرنا جو آپکا مولیٰ تھا اور فضل بن عباس اور معاذ بن جبل کو ردیف کرنا ثابت ہے ۱۲ ۴و۵ بخاری نے بروایت عائشہ صدیقہ رض اس مضمون کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے شمائل میں بروایت ہند بن ابی امامہ ۱۲ ۶و۳ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رض در ضمن حدیث طویل ۱۲ ۸ح حاکم بروایت ابن عباس رض ذکر کیا کہ آپ حضرت عباس کی تعظیم مثل والد کے کرتے تھے اور بروایت سعید بن ابی وقاص روایت کیا کہ حضرت عباس وغیرہم کو مسجد سے نکال دیا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رض کو بسبب تقدم اسلام کے نہیں نکالا تھا اور صحیحین میں بروایت ابو سعید منقول ہے کہ کوئی خوخہ مسجد میں نہ رہے سوائے خوخہ صدیق کے ۱۲ ۵ح ابوداؤد و ترمذی در شمائل و نسائی در یوم ولیلہ بروایت انس رض ۱۲ ۶ح بخاری و مسلم بروایت کعب بن مالک رض ۱۲ ۷ح احمد بروایت ابو ہریرہ رض ۱۲ ۸ح بخاری و مسلم و بروایت عائشہ رض ترمذی بروایت عبداللہ بن حارث ۹ح شیخان بروایت عائشہ رض اور باب السماع میں گذر گئی ۱۲ ۱۰ح ابوداؤد و نسائی در کبریٰ و ابن ماجہ بروایت عائشہ رض ۱۲ ۱۱ح بخاری بروایت عبداللہ بن زبیر در قصہ نزول یا ایہا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم ۱۲ ۱۲ح محمد بن سعد در طب بروایت ام سلمہ و در شیخان نے اونٹنی شیر دار کا ہونا بروایت سلمۃ بن الاکوع اور ابوداؤد نے بکری شیر دار کا ہونا بروایت لقیط بن جبیرہ ذکر کیا ہے ۱۲ ۱۳ح محمد بن سعد در طبقات بروایت سلمٰی اور مسلم میں بروایت ابوالیسر یوں ہے اطعموہم مما تاکلون والبسوہم مما تلبسون ۱۲

ضروری نہ کرتے ہوتے۔ اپنے[1] اصحاب کے باغوں میں تشریف لے جاتے۔ کسی[2] مسکین کو اس کے مفلس اور اپاہج ہونے کے سبب سے حقیر نہ جانتے اور نہ کسی بادشاہ کے اس کی بادشاہت کی جہت سے ڈرتے بلکہ دونوں کو برابر اللہ تعالیٰ کی طرف[3] بلاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے سیرت فاضلہ اور سیاست تامہ جمع کر دی تھی آپ امی ہیں کہ نہ پڑھے نہ لکھے جہل کے ملکوں اور جنگلوں کے اندر حالت فقراء اور بکریاں چرانے میں یتیم پیدا ہوئے کہ نہ باپ تھا نہ ماں تھی مگر اللہ تعالیٰ آپ کو سب محاسن اخلاق اور اچھے طریقے اور پہلوں اور پچھلوں کے حالات اور جن باتوں سے آخرت میں فوز و نجات ہو اور دنیا میں لوگ رشک کریں اور واجب امر پر لازم رہنا اور فضول کو ترک کرنا سب کچھ تعلیم فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ آپ کے امر بجا لائیں۔ اور آپ کے افعال کی اقتدار کریں آمین یا رب العالمین۔

آداب و اخلاق از روایات ابوالبختری

آنحضرت[3] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کسی کو ایمانداروں میں سے گالی دی اس کے حق میں اس کو کفارہ اور رحمت ہونے کی دعا کی۔ کسی[4] عورت کو نہ کبھی لعنت کی اور نہ کسی خادم کو اور آپ[5] سے اثنائے قتال میں عرض کیا گیا کہ اگر آپ اعدا کو لعنت کریں تو مناسب ہے آپ نے فرمایا کہ رحمت کے لئے مبعوث ہوا ہوں نہ لعنت کے۔ اور[6] جب آپ سے التماس کیا جاتا کہ کسی مسلمان یا کافر عام یا خاص کے لئے بد دعا فرمائیے۔ تو آپ بد دعا سے اعراض کر کے دعاء خیر فرماتے۔ آپ نے[7] دست صلی اللہ علیہ وسلم مبارک کا وار کسی پر نہیں کیا۔ بجز جہاد فی سبیل اللہ کے اور جو برائی آپ کے ساتھ کی گئی اسکا بدلہ آپ نے کبھی نہیں لیا۔ مگر یہ کہ پردہ دری حرمت الٰہی کی ہو۔ اور جب[8] کبھی دو امروں میں آپ کو اختیار دیا گیا۔ تو دونوں میں سے سہل تر کو پسند فرمایا۔ بشرطیکہ اس میں گناہ یا قطع قرابت نہ ہو کہ ان دونوں سے آپ سب سے زیادہ دور رہتے تھے اور[9] جو کوئی آزاد یا غلام یا لونڈی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو آپ اس کے

ا ح ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رض اس ضمن میں کہ آپ نے اپنی اوقات کے تین حصے کئے تھے ۱۲۔ ۲ ح باب آداب اکل کی تیسری فصل میں ابی الہیثم اور ابو ایوب انصاری کے باغ میں آپ کا قدم رنجہ فرمانا گزر گیا ۱۲۔ ۳ ح بخاری میں سہل بن سعد سے وہ قصہ مروی ہے کہ ایک شخص گزرا اور آپ کے صحابہ سے پوچھا کہ اس کے باب میں کیا کہتے ہو عرض کیا کہ اگر پیام نکاح کرے تو نکاح کیا جائے اور دوسرا مفلس گذرا پھر آپ نے فرمایا کہ یہ پچھلا شخص زمین پر پہلے شخص کی مثل سے بہتر ہے اور مسلم بروایت انس آپ کا نامہ کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کو دعوت الی اللہ کا مذکور ہے۔ ۱۲

۴ ح بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابو ہریرہ درضمن عائشہ رض ۱۲۔ ۵ ح بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ضرب بجائے لعنت اور بخاری میں بروایت انس رض ہے لم یکن فحاشہ ولا لعاناً ۱۲۔ ۶ ح مسلم بروایت ابو ہریرہ ۱۲۔ ۷ ح بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ رض ہے کہ لوگوں نے آپ کی خدمت میں دوس کے حق میں بد دعا کرنے کی التجا کی تھی آپ نے اس قوم کی ہدایت کی دعا مانگی ۱۲

۸ ح بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ باندک اختلاف اور فصل سوم باب آداب صحبت میں گذر گئی ۱۲۔ ۹ ح بخاری و مسلم بروایت عائشہ باندک اختلاف ۱۲

ساتھ اس کی حاجت میں کھڑے ہو جاتے۔ حضرت انسؓ[۱] فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ جو چیز آپ کو بری لگی اس میں مجھ سے آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ تو نے کیوں کی اور جب کسی نے آپ کے گھر والوں میں سے ملامت کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا کہ اس کو کچھ مت کہو تقدیر میں یوں ہی ہونا تھا۔ اور[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب گاہ میں عیب نہیں لگایا۔ اگر کسی نے بچھونا بچھادیا تو لیٹ رہے اور اگر بستر نہ ہوا تو زمین پر لیٹ رہے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف آپ کو نبی کرنے سے بیشتر توریت میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا بندہ برگزیدہ ہے نہ درشت خو ہے نہ سخت وہ نہ بازاروں میں چیختا ہے نہ بدی کا بدلہ بدی سے لیتا ہے بلکہ معاف اور درگذر کرتا ہے اس کی پیدائش کی جگہ مکہ معظمہ اور مقام ہجرت طابہ یعنی مدینہ منورہ اور اس کا ملک شام میں ہے وہ اور اس کے ساتھی تہمد باندھتے ہیں۔ قرآن اور علم کے حافظ ہیں اور ہاتھ پاؤں کو وضو میں دھوتے ہیں اور اسی طرح کا وصف انجیل میں مذکور ہے۔ اور آپ[۳] کی عادت یہ تھی کہ جس سے ملتے اول سلام کرتے۔ اور[۴] جو کوئی آپ کو کسی کام کے لئے کھڑا کر لیتا تو آپ توقف فرماتے جب تک کہ وہ شخص خود چلا نہ جاتا اور جو شخص[۵] آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا تو آپ اس سے ہاتھ نہ چھوڑاتے یہاں تک کہ وہ آپ سے نہ چھوڑ دیتا۔ اور جب[۶] اپنے اصحابؓ میں سے کسی سے ملتے تو اول مصافحہ کرتے پھر اس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالے اور خوب مضبوط گرفت فرماتے۔ اور جب[۷] کھڑے ہوتے اور بیٹھتے تو ذکر اللہ ہی کرتے اور اگر آپ کے پاس نماز پڑھنے میں کوئی آبیٹھتا تو آپ اپنی نماز مختصر کر دیتے اور اس سے پوچھتے کہ تم کو کچھ کام ہے اور جب[۸] اس کے کام سے فارغ ہوتے تو پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اور آپ[۹] کی اکثر نشست یہ تھی کہ دونوں ساقوں کو کھڑی کر کے ان کے گرد سے دونوں ہاتھ گوٹ مارنے کی طرح پکڑ لیتے تھے۔ آپ[۱۰] کی نشست آپ کے اصحاب کی نشست سے ممیز نہ تھی۔ جہاں[۹] آپکو جس جگہ نشست کے لئے جگہ ملتی تھی اسی جگہ بیٹھ جاتے تھے۔ کبھی آپ[۱۱] کو کسی نے

۱ح بخاری بروایت انس تعلیقاً و ابن ماجہ موصولاً ۱۲۔ ۲ح بخاری و مسلم بروایت انسؓ جلد اول روایت کیا ہے اور ابوالشیخ بروایت انس تجامہ باندگ اختلاف نقل کیا ہے ۳ح اس کی سند احیاء کے لفظ ہے نہیں ملی مگر ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضیٰؓ والا عیاب کہا ہے اس کے عموم میں یہ مضمون بھی آگیا ہے اور بوریے پر آپ کا لیٹنا صحیحین میں بروایت عمر فاروقؓ اور ترمذی میں بروایت ابن مسعود منقول ہے ۱۲ ۴ح ترمذی بروایت ہند بن ابی ہالہ ۱۲۔ ۵ح ابو نعیم در دلائل النبوۃ بروایت علی مرتضیٰؓ ۱۲۔ ۶ح ترمذی و ابن ماجہ بروایت انسؓ ۱۲۔ ۷ح ابو داؤد نے بروایت ابی اور مصافحہ اور حاکم نے بروایت ابو ہریرہ تشبیک نقل کی ہے ۱۲۔ ۸ح ابو داؤد و ترمذی در شمائل بروایت ابو سعید خدری اور اس کی سند ضعیف ہے ۱۲۔ ۹ح ابو داؤد و نسائی بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ مضمون نقل کیا ہے ۱۲۔ ۱۰ح ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۱۱ح دار قطنی بروایت انس رضی اللہ عنہ اور کہا کہ باطل ہے و ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ کبھی نہیں دیکھا گیا ہے کہ آپ نے جلیس کے رو برو گھٹنے بڑھائے ہوں ۱۲ح ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ عنہ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی

نہیں دیکھا کہ آپ نے پاؤں اصحابؓ میں پھیلائے ہوں اور ان پر جگہ تنگ ہو گئی ہو ہاں اگر مکان وسیع ہوتا اور پاؤں پھیلانے سے تنگی نہ ہوتی تو کچھ مضائقہ نہ تھا اور آپ کی اکثر نشست قبلہ رُخ ہوتی تھی۔ اور جو آپؐ کے پاس آتا تھا اس کی خاطر اور تعظیم فرماتے حتیٰ کہ جن میں اور آپ میں کسی طرح کی قرابت اور دودھ پینے کا علاقہ نہ تھا ان کے لئے اپنی چادر بچھا کر اس پر ان کو بٹھلاتے اور[2] جو تکیہ آپ کے نیچے رہتا تھا آنے والے کے لئے اس کو نکال کر حوالے فرماتے اور اگر وہ اس کے لینے سے انکار کرتا تو آپ قسم دیتے کہ اس پر تکیہ لگا کر بیٹھے۔ اور جس کسی[3] نے آپ سے محبت کی اُس کو یہی گمان ہوتا کہ سب سے زیادہ آپ مجھ پر کرم فرماتے ہیں یہاں تک کہ اپنے جلیسوں میں سے ہر ایک کی طرف حصہ رسد توجہ فرماتے حتیٰ کہ آپ کی نشست اور سننا اور بات کہنا اور بزم لطیف اور جلیس کی طرف توجہ اور اس کے ساتھ بیٹھنا حیا اور تواضع اور رازداری کی مجلس تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[4] فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم و لو کنت فظا غلیظ القلب لا انفضوا من حولک[5] اپنے اصحاب کو ان کی خاطر اور دلداری کے لئے ان کی کنیتوں سے پکارتے اور جس کی کنیت نہ ہوتی اس کی کنیت آپ فرماتے پھر لوگ اس کو اسی سے پکارتے۔ جن[6] عورتوں کے اولاد ہوتی ان کی کنیت بھی مقرر فرماتے اور بے اولاد والی کی کنیت پہلے سے کر دیتے۔ اور لڑکوں[8] کے لئے کنیت ٹھہرا دیتے تو اس سے ان کا دل نرم ہو جاتا۔ اور سب[9] لوگوں سے زیادہ دیر میں آپ کو غصہ آتا اور سب سے جلد راضی ہو جاتے۔ لوگوں[10] پر نہایت درجہ کی رافت فرماتے اور ان کے حق میں سب سے بہتر اور نافع تر تھے۔ آپ[11] کی مجلس میں آوازیں نہ ہوتیں۔ اور جب[12] مجلس سے اُٹھتے تو فرماتے[13] سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

[1] ح، حاکم بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔ [2] ح اس کی سند باب آداب الصحبۃ کی فصل سوم میں گذری ۱۲۔ [3] ح ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضیٰ رضؓ حدیث طویل میں یہ مضمون باختلاف الفاظ نقل کیا ہے ۱۲ [4] ح سو کچھ اللہ کی مہر ہے جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر تو ہوتا سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تیرے گرد سے ۱۲۔ [5] ح صحیحین میں قصۂ غار میں حضرت صدیق کو رضؓ کو ابابکر فرمانا اور حاکم بروایت ابن عباس میں حضرت فاروق کو اباحفص کہنا اور روایت صحیح میں حضرت علی کو ابو تراب ارشاد فرمانا مذکور ہے اور حاکم نے بروایت ابن مسعود روایت کیا ہے کہ آپ نے ان کی کنیت ابو عبد الرحمٰن فرمائی حالانکہ آپ کی اولاد نہ ہوتی تھی ۱۲۔ [6] ح ترمذی نے بروایت انس بیان کیا کہ آپ نے ان کی کنیت ابو حمزہ فرمائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت صہیب سے پوچھا کہ تمہارے اولاد نہیں کنیت کن سے ہوئی فرمایا کہ میری کنیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو یحییٰ فرمائی ۱۲۔ [7] ح حاکم نے بروایت ام ایمن ذکر کیا کہ آپ نے ان کو ام ایمن فرمایا اور ابو داؤد میں حضرت عائشہ کی کنیت ام عبد اللہ بروایت عائشہؓ اور بخاری میں بروایت ام خالد ہے کہ آپ نے حالت صغر سنی میں ان کو ام خالد کہا تھا ۱۲ [8] ح صحیحین میں بروایت انس قصۂ ابو عمیر کا مذکور ہے ۱۲۔ [9] ترمذی بروایت ابو سعید خدری ۱۲۔ [10] ح فوائد ابو الدحداح بروایت علی مرتضیٰ ۱۲۔ [11] ح ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رضؓ ۱۲۔ [12] ح نسائی در یوم ولیلہ و حاکم بروایت رافع بن خدیج ۱۲۔

اور فرماتے کہ یہ کلمات مجھ کو جبرئیل علیہ السلام نے سکھلائے ہیں۔

آپ کی گفتگو اور ہنسی

آنحضرت صلعم سب سے زیادہ فصیح اور شیریں تقریر تھے۔[۱] اور فرماتے کہ میں زیادہ فصیح ہوں۔ اور[۲] جنت کے لوگ جنت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بولی میں گفتگو کریںگے۔ آپ[۳] کم سخن نرم گفتار تھے جب بولتے تو بہت کلام نہ فرماتے آپ کی تقریر منتظم موتیوں کی سی لڑی تھی حضرت[۴] عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری طرح بہت گفتگو نہ فرماتے تھے آپ کا کلام مختصر ہوتا تھا اور تم کسی قدر اس کو پھیلاتے ہو۔ سب[۵] سے زیادہ مختصر کلام آپ کا تھا اور اسی کو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس لائے اور باوجود اختصار کے جو چاہتے وہ جمع فرماتے آپ[۶] کلمات جامع سے کلام فرماتے نہ زیادتی ان میں تھی نہ کمی گویا موتیوں کے دانوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں اور اثنار کلام میں گو نہ توقف ہوتا تھا کہ سننے والے یاد کر لے۔ آپ[۷] کی آواز بلند اور لہجہ سب سے اچھا تھا۔ سکوت[۸] بہت فرماتے اور بدون حاجت لب مبارک گفتگو کو نہ ہلاتے۔[۹] لفظ نامعقول زبان پر نہ لاتے اور حالت رضا اور غضب میں بجز سچ کے اور کچھ نہ کہتے۔ جو کوئی برا لفظ بولتا اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ اور[۱۰] جو لفظ آپ کو برا معلوم ہوتا اور بمجبوری کہنا پڑتا تو اس کو صراحتہ نہ فرماتے اشارۃً ارشاد فرماتے۔ جب[۱۱] آپ خاموش ہو جاتے تو جلیس بولتے آپ کے پاس کوئی دوسرے کی بات نہ کاٹتا۔ خیر خواہی[۱۲] کے ساتھ بدون ہنسی کے پند فرماتے ارشاد[۱۳] فرماتے کہ بعض قرآن کو بعض سے مت ٹکراؤ کہ وہ کئی طرح پر اترا ہے۔ اپنے[۱۴] اصحاب کے رو برو سب سے زیادہ تبسم اور خندہ فرماتے اور ان کی باتوں سے زیادہ تعجب فرماتے اور ان میں اپنے نفس مبارک کو زیادہ مخلوط فرماتے۔ اور بعض اوقات اتنا خندہ فرماتے کہ آپ کی کچلیاں کھل جاتی۔ اور آپ کے اصحاب کا خندہ آپ کے

۱ح ابوالحسن بن ضحاک در شمائل بروایت ابو سعید بسند ضعیف ۱۲۔ ۲ح طبرانی در کبیر بروایت ابو سعید خدری بسند ضعیف ۱۲۔ ۳ح حاکم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۴ح طبرانی بروایت ام سعید ۱۲۔ ۵ح اول حدیث صحیحین میں ہے اور اخیر دو جملوں کو ثعلبی نے بسند منقطع نقل کیا ہے ۱۲۔ ۶ح عبد بن حمید بروایت عمر فاروق رضہ بسند منقطع و دارقطنی بروایت ابن عباس ۱۲۔ ۷ح ترمذی اور شمائل بروایت ہند ابی اہالہ اور اول جملہ صحیحین میں بروایت ابی ہریرہ ہے اور باقی ترمذی میں بروایت عائشہ منقول ہے۔ ۱۲۔ ۸ح ترمذی اور نسائی میں بروایت صفوان بن عسال آپ کا بلند آواز ہونا ایک اعرابی کے قصہ میں مذکور ہے اور صحیحین میں بروایت براء بن عازب سب سے خوش آواز ہونا منقول ہے ۱۲ ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی اہالہ ۱۲۔ ۹ح ابو داؤد بروایت عبداللہ بن عمر در ضمن قصہ ۱۲۔ ۱۰ح ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ بالفاظ دیگر ۱۲۔

۱۱ح۔ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ ۱۲۔

۱۲ح مسلم بروایت جابر در ضمن بیان خطبہ ۱۲۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سامنے تبسم ہوتا تھا آپ کے اقتدار اور توقیر کی بہت سے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک روز ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کا رنگ اسوقت متغیر تھا اور صحابہؓ اس کو خلاف عادت شریف دیکھ کر پہچان گئے تھے اس اعرابی نے آپ سے کچھ پوچھنا چاہا۔ صحابہؓ نے فرمایا کہ کچھ نہ پوچھو کہ ہم آپ کا رنگ متغیر دیکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھ سے تعرض مت کرو قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق کر کے بھیجا ہے میں آپ کو بے ہنسائے نہ چھوڑوں گا۔ غرضکہ اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے سنا ہے کہ دجال لوگوں کے لئے ثریدٗ لائے گا تو فدا ہوں آپ پر میرے والدین کیا آپ مجھ کو یہ اجازت فرماتے ہیں کہ میں اس کے ثرید سے رُکا رہوں اور نہ مانگوں یہاں تک کہ لاغری سے ہلاک ہوں یا یہ حکم دیتے ہیں کہ اس کے ثرید پر ہاتھ لگاؤں اور جب خوب تن جاؤں تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤں اور اس کا منکر ہوں۔ آپ اس کو سُن کر اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں کھل گئیں۔ پھر فرمایا کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ اور ایماندار کو غنی کر دے گا اسی سے تجھ کو بھی اس کی پروانہ رکھے گا۔ اور آپ[۲] سب سے زیادہ تبسم فرماتے اور دل خوش رہتے۔ بشرطیکہ آپ پر قرآن مجید نازل نہ ہوتا یا قیامت کا ذکر خطبہ اور وعظ نہ فرماتے ہوتے۔ اور جب[۳] آپ خوش اور راضی ہوتے تو سب سے بہتر رضا کی حالت میں ہوتے اور اگر وعظ فرماتے تو واقعی طور پر فرماتے نہ ہنسی کے طور سے اور اگر آپ غصہ ہوتے اور غصہ بجز خدا کے واسطے ہوا نہ کرتے تھے تو کسی چیز کو آپ کے غصہ کے سامنے ٹھہرنے کی تاب نہ تھی اور آپ اپنے سب کاموں میں ایسے ہی تھے۔ اور جب[۷] کوئی واقعہ آپ پر آتا تو اس کو سپرد بخدا فرماتے اور طاقت و قوت سے بری ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی التجا کرتے اور یوں فرماتے کہ الٰہی مجھ کو حق کو حق دکھلا کہ میں اس کا اتباع کروں اور منکر کو منکر دکھلا اور مجھ کو اس سے بچنا روزی کر اور مجھ کو اس بات سے پناہ میں رکھ کہ منکر مجھ پر مشتبہ ہو جائے اور بدون تیری ہدایت کے میں اپنی خواہش نفس کا اتباع کروں اور میری خواہش نفس کو اپنی طاعت کا تابع کر اور اپنی ذات پاک کی رضی کا کام میرے نفس سے تندرستی کی حالت میں

۱ ح طبرانی بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲۔ ۲ ح ترمذی در جامع بروایت عبداللہ بن حارث در شمائل۔ بروایت علی مرتضیٰ و مسلم بروایت جابر بن سمرہ ۱۲۔ ۳ ح بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود در قصہ شخصے کہ بعد از ہمہ دوزخ بر آید و در قصہ عالم یہود ۱۲۔ ۴ ح ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ ۱۲۔ ۵ ح اس کی اصل مجھ کو معلوم نہیں ہوئی ۱۲۔ ۶ ح کثرت تبسم کے باب میں حدیث عبداللہ بن حارث کی اوپر گذری اور طبرانی اور احمد نے اور حاکم نزول وحی اور وعظ اور ذکر قیامت کے وقت آپ کا متغیر ہو جانا بروایت جابر نقل کیا ہے ۱۲۔

۷ ح ابوالشیخ ابن حبان بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲۔

۸ ح اول حدیث کی اصل پر مجھ کو اطلاع نہیں ہوئی اور دعا کو مستغفری نے دعوات میں روایت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کیا اور اخیر جملہ مسلم نے بروایت عائشہ نماز تہجد کی دُعا میں نقل کیا ہے ۱۲۔

لے اور امر حق میں اختلاف پڑھنے کے وقت مجھ کو اپنے حکم سے راستہ دکھلا کہ تو ہی جس کو چاہے سیدا راستہ ہدایت کرتا ہے۔

کھانے میں آپ کا طریق

آنحضرت[۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو موجود پاتے اس کو کھالیتے۔ اور[۲] جس کھانے پر بہت سے ہاتھ ہوتے وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھا اور جب دسترخوان بچھایا جاتا تو آپ یہ فرماتے بسم اللّٰھم اجعلھا نعمۃ مشکورۃ فصل بھا نعمۃ الجنۃ اور[۴] اکثر جب آپ تناول فرمانے کو بیٹھتے تو اپنے دونوں زانو اور دونوں قدم ملا لیتے جیسے نمازی بیٹھتا ہے مگر زانو بر زانو اور قدم پر قدم نہ ہوتا تھا۔ اور فرماتے تھے کہ میں بندہ ہوں کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔ اور[۵] گرم کھانا آپ نہ کھاتے اور فرماتے کہ اس میں برکت نہیں ہوتی اور اللہ تعالےٰ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی سو اس کو ٹھنڈا کر لو۔ اور[۶] اپنے قریب سے آپ کھایا کرتے اور[۷] تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور بعض[۸] اوقات چوتھی سے سہارا لیتے اور[۹] دو انگلیوں سے نہ کھاتے اور فرماتے کہ یہ طور شیطان کے کھانے کا ہے۔ اور ایک[۱۰] بار حضرت عثمان رضی ابن عفان آپ کے پاس فالودہ لائے آپ نے اس میں سے تناول فرمایا اور پوچھا کہ یا ابا عبد اللہ یہ کیا ہے حضرت عثمان رضی نے عرض کیا کہ آپ پر میرے والدین فدا ہوں ہم شہد اور گھی دیگچی میں کر کے آگ پر پکاتے ہیں اور اس میں گیہوں کا میدہ ڈال کر گھی اور شہد کو چمچہ سے دیگچی میں پھرائے جاتے ہیں یہاں تک کہ پک کر ایسا ہو جاتا ہے جیسا آپ ملاحظہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ غذا طیب ہے۔ اور[۱۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدون پھنے جَو کے آٹے کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ اور[۱۲] ککڑی تر خرما کے ساتھ اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے اور[۱۳] تر میووں میں سے آپ کو خربوزہ اور انگور بہت محبوب تھا۔ اور آپ[۱۴] خربوزہ روٹی کے ساتھ اور مصری کے ساتھ تناول فرماتے۔ اور کبھی[۱۵] خربوزہ خرما تر کے ساتھ کھاتے۔ اور کھانے میں

اح اس کی سند پیشتر گذر چکی ہے ۱۲۔ ۲ح ابو یعلی و طبرانی و ابن عدی بروایت جابرؓ ۱۲۔ ۳ح بسم اللہ کہنا تو نسائی نے ایک خادم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت سے نقل کیا۔ باقی الفاظ مجھ کو نہیں ملے ۱۲۔ ۴ح عبد الرزاق نے بروایت ایوب مفصلاً آپ کا سمٹ بیٹھنا اور ابن ضحاک نے بائیں زانو پر بیٹھنا اور دہنے کو کھڑا کرنا بروایت انسؓ اور ابو شیخ نے بروایت ابی کعب دو زانو بیٹھنا نقل کیا ہے۔ اور بقیہ حدیث بطریق متعدد وم دی ہے ۱۲۔ ۵ح طبرانی در اوسط بروایت ابی ذرہ ۱۲۔ ۶ح ابو الشیخ ابن حبان بروایت عائشہ ۱۲۔ ۷ح مسلم بروایت کعب بن مالک ۱۲۔ ۸ح اس کی روایت ہم کو عیلانیات میں بروایت عامر بن ربیعہ پہنچی ہے اور اس کی سند میں قاسم بن عبد اللہ عمری کا نام نہیں اور مصنف ابن ابی شیبہ نے بروایت زہری مرسلاً نقل کیا کہ آپ پانچ انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے ۱۲۔ ۹ح دار قطنی فی افراد بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲۔ ۱۰ح معروف یہ ہے کہ حضرت عثمان نے خبیص بنایا تھا نہ فالودہ چنانچہ بیہقی نے شعب میں بروایت لیث بن ابی سلیم کے نقل کیا ہے اور طبرانی کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے ۱۲۔ ۱۱ح بخاری میں بروایت سہل بن سعدؓ ۱۲۔ ۱۲ح خرما کے ساتھ کھانا صحیحین میں بروایت عبد اللہ بن جعفر ہے اور نمک کے ساتھ کھانا ابن حبان نے بروایت عائشہ نقل کیا ہے ۱۲ ۱۳ح شروع ہے خدا تعالےٰ کے نام سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دونوں ہاتھوں سے مدد لیتے ایک روز آپ تر خرما داہنے ہاتھ سے کھاتے تھے اور گٹھلیاں بائیں ہاتھ میں جمع فرماتے تھے کہ اتنے میں ایک بکری آئی آپ نے اس کی طرف گٹھلیوں کا اشارہ کیا۔ وہ آپ کے ہاتھ میں کھاتی رہی اور آپ داہنے ہاتھ سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ کھا چکے تو بکری بھی چلی گئی۔ اور کبھی آپ انگوروں کا خوشہ منہ میں رکھ لیتے یعنی کئی کئی ایک دفعہ کھاتے اور انگور آپ کی ریش مبارک پر موتیوں کی طرح اترتا معلوم ہوتا۔ اور آپ[۲] کا اکثر کھانا پانی اور خرما ہوتا۔ اور کبھی آپ ایک گھونٹ دودھ کا لیتے اور اوپر سے ایک خرما کھاتے پھر اسی طرح کرتے اور دودھ اور خرما کو الطیبین فرماتے (یعنی دو عمدہ چیزیں) اور سب[۳] سے زیادہ محبوب کھانا آپ کے نزدیک گوشت تھا اور فرماتے کہ گوشت شنوائی کی قوت بڑھاتا ہے اور دنیا اور آخرت میں کھانوں کا سردار ہے اور اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کرتا کہ مجھ کو ہر روز گوشت عطا کرے تو وہ بے شک عطا فرماتا۔ اور آپ[۴] ثرید کو گوشت اور کدو کے ساتھ کھاتے۔ اور کدو کو آپ[۵] پسند فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ یہ پیڑ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے۔ حضرت[۶] عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ارشاد فرماتے کہ جب تم ہنڈیا پکاؤ تو اس میں کدو بہت ڈالا کرو کہ وہ غمگین دل کو تقویت دیتا ہے۔ اور جس[۷] پرند کا شکار ہوتا اس کو تناول فرماتے۔ اور[۸] شکار کا پیچھا خود نہ کرتے اور نہ آپ شکار مارتے مگر کوئی شکار کر کے لا دیتا تو اس کے کھانے کو پسند فرماتے۔ اور جب[۹] گوشت کھاتے تو سر مبارک کو اس کے لئے نہ جھکاتے بلکہ اس کو منہ کے پاس لا کر دانت سے کاٹتے۔ اور[۱۰] روٹی اور گھی تناول فرماتے اور[۱۱] بکری میں سے آپ کو دست اور شانہ پسند تھا اور ہنڈیا میں سے کدو اور روٹی لگا کر کھانے کی چیزوں میں سے سرکہ اور کھجوریں میں سے عجوہ پسند فرماتے۔ اور[۱۲] عجوہ کھجور کے باب میں برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ یہ جنت میں سے ہے اور زہر اور جادو سے شفا ہے۔ اور[۱۳] ساگ کی قسم میں آپ کاسنی اور ریحان اور خرفہ جس کو رجلہ کہتے ہیں

(بقیہ حاشیہ) خرو ہے خدائے تعالیٰ کے نام سے الٰہی اسکو نعمت مشکور کر جس سے نعمت جنت تک پہنچا دے ۱۲۔ ۱۳ ح خربزہ روٹی کے ساتھ کھانا میری نظر سے نہیں گذرا البتہ انگور کا روٹی کے ساتھ کھانا ابن عدی بروایت عائشہ لکھا ہے اور اسی طرح خربزہ مصری کے ساتھ میں نے نہیں دیکھا۔ ۱۲۔ ۱۴ ح ترمذی و نسائی بروایت عائشہ ۱۲ حافظ)

۱ ح دونوں ہاتھوں سے استعانت احمد نے بروایت عبداللہ بن جعفر لکھا ہے اور حدیث انس اس باب میں گذر گئی اور بکری کا قصہ فوائد ابی بکر شافعی میں بروایت انس بسند ضعیف ہے ۱۲

۲ ح ابن عدی در کامل و عقیلی در ضعفا بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲۔ ۳ ح بخاری بروایت اسمٰعیل بن ابی خالد عن ابی ۱۲۔ ۴ ح ابن حبان بروایت ابن سمعان و ابن ماجہ بروایت ابو درداء بسند ضعیف ۱۲ ۵ ح مسلم بروایت انسؓ ۱۲۔ ۶ ح نسائی و ابن ماجہ بروایت انس ۱۲۔ ۷ ح فوائد ابی بکر شافعی ۱۲۔ ۸ ح ترمذی بروایت انس ابو داؤد بروایت سفینہ ۱۲۔ ۹ یہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے کیونکہ فرمایا من تبع الصید غفل یعنی جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہوا بروایت ابو داؤد و ترمذی بروایت ابن عباس ۱۲ ۱۰ ح ابو داؤد بروایت صفوان ابن امیہ دبر دانت سے کاٹنا گوشت کا بروایت ابی ہریرہ ہے ۱۲ ۱۱ ح بخاری و مسلم بروایت انس در قصہ طویل ۱۲۔ ۱۱ ح دست کا گوشت محبوب ہونا صحیحین بروایت ابی ہریرہ ہے اور شانہ کا ابن حبان نے بروایت ابی ہریرہ رضہ نقل کیا ہے اور کدو کا محبوب ہونا بروایت انس اور سرکہ اور عجوہ بروایت ابن عباس مذکور کیا ہے ۱۲۔ ۱۲ ح ترمذی و نسائی ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہ و بخاری و مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص جملہ

پسند فرماتے اور گردوں[۱] کو آپ بُرا جانتے تھے اس وجہ سے کہ پیشاب کے قریب رہتے ہیں۔[۲] اور بکری میں سے سات چیزیں نہ کھاتے تھے ذکر اور فوطے اور پھکنا اور پتہ اور غدہ اور فرج اور خون اور ان کو بُرا جانتے تھے۔ اور[۳] کچا لہسن اور پیاز اور گندنا تناول نہ فرماتے تھے۔ اور[۴] کسی کھانے کو کبھی بُرا نہیں فرمایا بلکہ اگر اچھا معلوم ہوا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا اور اگر بُرا جانا تو دوسرے کی نظر میں اُس کو ناپسند نہیں کیا۔ اور ضب[۵] اور تلی سے آپ نفرت رکھتے تھے مگر ان کو حرام نہیں فرماتے اور[۶] اپنی انگلیوں سے رکابی چاٹتے اور فرماتے کہ پچھلے کھانے میں برکت بہت ہوتی ہے۔ اور[۷] کھانے کے بعد اتنی انگلیاں چاٹتے کہ سرخ پڑ جاتیں۔ اور[۸] اپنا دست مبارک رومال سے نہ پونچھتے جب تک کہ ایک ایک انگلی چاٹ نہ لیتے اور فرماتے کہ معلوم نہیں کہ کون سے کھانے میں برکت ہے اور[۹] جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے[ع] الحمد للہ اللھم لک الحمد اطعمت فاشبعت وسقیت فارویت لک الحمد غیر مکفور ولا مودع ولا مستغنی عنہ۔ اور[۱۰] جب آپ گوشت روٹی خاص کر کھاتے تو ہاتھوں کو خوب دھوتے پھر بقیہ پانی کو منہ پر پونچھ لیتے۔ آپ[۱۱] پانی تین دفعہ میں پیتے اور ان میں تین بسم اللہ اور آخر میں تین الحمد للہ کہتے (یعنی ہر بار کی ابتدا میں ایک بار بسم اللہ اور انتہا میں الحمد للہ ہوتی) اور[۱۲] پانی کو چوس چوس کر پیتے بڑے گھونٹ سے نہ پیتے۔ اور[۱۳] کبھی ایک ہی سانس میں پانی پینے سے فراغت پاتے۔ اور برتن میں اثنائے شرب میں سانس نہ لیتے بلکہ اس سے علیحدہ ہو کر سانس لیتے۔ اور اپنا اُلش اس کو مرحمت فرماتے جو آپ کے داہنی طرف ہوتا اور کبھی[۱۴] بائیں طرف والا رتبہ میں بڑا ہوتا تو داہنی طرف والے سے اجازت لیتے کہ طریق سنت تو یہی ہے کہ تجھ کو ملے لیکن اگر تجھ کو پسند ہو تو بائیں طرف والے کو اپنے نفس پر

---

۱ ابو نعیم نے طب نبوی میں بروایت ابن عباسؓ کانسی کو انقص مذکور کیا ہے اور ریحان کے باب میں مجھ کو حدیث نہیں ملی اور دجہ کے باب میں ابو نعیم نے حدیث مرسل اور ضعیف نقل کیا ہے ۲ ح ابی بکر بن محمد بن عبد اللہ بن الشخیر کی حدیث بیہقی بروایت ابن عباس بسند ضعیف مرفوعاً اور بروایت مجاہد مرسلاً ۳ ح مالک در موطا بروایت سلیمان بن یسار مرسلاً ۱۲ ۴ ح اول حدیث میں پیشتر گذر چکا ہے اور صحیحین میں ضب کے قصہ میں ہے کہ مجھ کو کھاؤ کہ حرام نہیں اور نہ اس میں کچھ مضائقہ ہے مگر وہ میری قوم کی غذا نہیں ۱۲۔ ۵ ح حدیث ضب صحیحین میں بروایت ابن عباس ہے اور تلی کی بیہقی نے بروایت زید بن ثابت موقوفاً تخریج کیا ہے کہ میں تلی کھاتا ہوں حالانکہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں تاکہ میرے گھر والے جانیں کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ۱۲۔ ۶ ح بیہقی در شعیب بروایت جابرؓ در ضمن حدیث ۷ ح مسلم بروایت کعب بن مالک مگر اس میں سُرخ ہونے کا ذکر نہیں ۱۲۔ ۸ ح مسلم بروایت کعب بن مالک در بیہقی بروایت ایضاً ۹ ح طبرانی بروایت حارث بن الحارث بسند ضعیف ۱۲۔ ۱۰ ح ابو یعلیٰ بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۱ ح طبرانی در اوسط بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲ ح ابن عدی و ابن ہندہ بروایت بہز و طبرانی بروایت ام سلمہ بسند ضعیف ۱۲۔ ۱۳ ح ابن حبان بروایت زید بن ارقم بسند ضعیف ۱۲۔ ۱۴ ح حاکم بروایت ابی ہریرہ ۱۲۔ ع سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں الٰہی شکر تیرا ہے تو نے کھانا کھلایا تو پیٹ بھر دیا پانی پلایا تو سیراب کر دیا تجھی کو حمد ہے درحالیکہ ناشکری نہیں کرتے نہ آگے سے تیری نعمتوں سے توقع توڑتے ہیں نہ تجھ سے بے نیاز ہوتے ہیں ۱۲

ترجیح دے دے۔ اور[۱] ایک بار آپ کی خدمت میں ایک برتن آیا جس میں شہد اور دودھ تھا آپؐ نے اس کو پینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ دو پینے کی چیزیں ایک دفعہ میں اور دو سالن ایک برتن میں ہیں پھر فرمایا کہ میں اُن کو حرام نہیں کرتا ہوں مگر فخر کو اور دنیا کی فضول کا قیامت میں محاسبہ ہونے کو بُرا جانتا ہوں اور تواضع کو پسند کرتا ہوں کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے۔ اور آپؐ[۲] اپنے مکان کے اندر باکرہ عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ کھانا[۳] گھر والوں سے ندمانگتے اور نہ ان پر کسی کھانے کی فرمائش کرتے اگر انہوں نے کھلا دیا تو کھا لیا اور جو سامنے لاکر رکھا قبول فرمایا اور جو پلایا وُہ پی لیا۔ اور بعض اوقات اپنے کھانے یا پینے کی چیز کو خود کھڑے ہو کر لے لیتے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لباس میں آپ کا طریق

کپڑوں[۴] میں جو آپ کو ملتا تہمد یا چادر یا کرتہ جبہ یا اور کچھ وہی پہن لیتے اور آپ کو سبز کپڑے اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اور آپ کی اکثر پوشاک سفید ہوتی اور فرماتے کہ اُس کو اپنے زندوں کو پہناؤ اور اموات کو اس میں کفناؤ۔ اور[۵] لڑائی کے وقت قبائے پنبہ دار پہنتے اور بدون بھراو کی بھی پہنتے۔[۶] اور ایک قبا دیبا کی آپ کے پاس تھی کہ اس کو آپ پہنتے تو اس کی سبزی آپ کے رنگ کی سفیدی میں اچھی معلوم ہوتی۔ اور آپؐ[۸] کے سب کپڑے ٹخنوں سے اوپر چڑھے رہتے اور تہمد ان سے بھی اوپر نصف ساق تک ہوتا۔ اور آپؐ[۷] کی قمیص کے بند بندھے رہتے اور کبھی نماز میں اور غیر نماز میں بند کھول دیتے۔ اور آپؐ[۹] کے پاس ایک بڑی چادر تھی زعفران سے رنگی ہوئی کبھی صرف اسی کو پہن کر لوگوں کو نماز پڑھا دیتے۔ اور کبھی آپؐ[۱۰] صرف چادر پہنتے کہ کوئی کپڑا بدن پر نہ ہوتا۔ اور آپؐ[۱۱] کے پاس ایک چادر پیوند لگی تھی اس کو پہنتے اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں، پہنتا ہوں جیسے بندہ پہنتا ہے۔ اور[۱۲] جمعہ کا جوڑا آپ کا

---

۱ بخاری و مسلم بروایت انس ۱۲۔ ۲ ح بخاری و مسلم بروایت سہل بن سعدؓ ۱۲۔ ۳ ح طبرانی بروایت عائشہ بسند ضعیف ۱۲۔ ۴ ح اس کی سند پیشتر گذری ۱۲۔ ۵ ح کھانا معین مراد ہے ورنہ بلا تعیین طلب طعام اصحاح میں مروی ہے چنانچہ مسلم میں بروایت عائشہ ہل عندکم شئی اور دوسرے جملوں کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ ۶ ح ابوداؤد میں بروایت بنت قیس ہے کہ آپ نے ان کے یہاں دوال لٹکی ہوئی میں سے خود تناول فرمایا اور ابن ماجہ نے بروایت کبشہ نقل کیا ہے کہ آپ نے لٹکی ہوئی مشک میں سے خود کھڑے ہو کر پانی پیا ۱۲۔ ۷ ح صحیحین میں بروایت عائشہ تہمد کا پہننا مذکور ہے اور چادر کی حدیث اوپر گذری اور نسائی میں کرتہ کا محبوب ہونا بروایت ام سلمہ اور حدیث جبہ اوپر مذکور ہوئی ۱۲۔ ۸ ح ابن ماجہ اور حاکم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ۱۲۔ ۹ ح اس کی سند عراقی کی کتاب میں قلم کاتب سے رہ گئی ۱۲۔ ۱۰ ح بخاری تعلیقاً و مسلم بروایت جابر رضی اللہ عنہ ۱۲ مگر اس میں ذکر رنگت کا نہیں ۱۲۔ ۱۱ ح ابو الفضل محمد بن طاہر بروایت عبداللہ بن بسر ضعیف ۱۲۔ ۱۲ ح ابوداؤد ابن ماجہ و طبرانی بروایت ابن عباسؓ ۱۲۔ ۱۳ ح ابوداؤد بروایت قیس بن سعد ۱۲۔ ۱۴ ح ابن ماجہ و ابن خزیمہ بروایت شبابت بن الصامت ۱۲۔ ۱۴ ح بخاری و مسلم نے بروایت ابی بردہ چادر بلند کا ذکر کیا ہے ۱۲۔ ۱۵ ح طبرانی در صغیر و اوسط بروایت عائشہ بسند ضعیف ۱۲۔

سوائے اور دونوں کے کپڑوں کے اور کبھی[۱] آپ ایک چادر تہبند کی پہنتے دوسری چیز بدن پر نہ ہوتی۔ اور اس کے دونوں کناروں کو دونوں شانوں کے درمیان گرہ لگاتے۔ اور کبھی جنازوں[۲] پر اس سے امامت کرتے۔ اور اور کبھی مکان[۳] کے اندر ایک تہبند میں لپٹ کر اور دونوں کناروں کو شانوں پر ادھر کا ادھر ڈال کر نماز پڑھتے اور یہ وہی تہبند ہوتا جس میں رات کو صحبت کی ہوتی۔ اور کبھی[۴] نماز تہبند کے ایک کنارہ کو اپنے بدن مبارک پر پہن کر اور باقی کو بعض ازواج مطہرات پر ڈال کر پڑھتے۔ اور آپؐ کے پاس ایک چادر سیاہ تھی اس کو آپ نے کسی کو دے ڈالا حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ سیاہ چادر کیا ہوئی آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو ہبہ کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ جیسی آپ کی سفیدی اس کی سیاہی پر بھلی معلوم ہوتی تھی میں نے ایسی چیز کبھی نہیں دیکھی۔ اور[۶] حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض اوقات دیکھا کہ ہم کو نماز ظہر ایک چھوٹی چادر میں پڑھائی جس کے کناروں کو آپ نے گرہ دے لیا تھا۔ اور[۷] آپ انگوٹھی پہنتے اور[۸] کبھی باہر تشریف لاتے اور آپ کی انگوٹھی میں چیز کی یادداشت کے لئے دھاگا بندھا ہوتا۔ اسی[۹] انگوٹھی سے آپ خطوں پر مہر لگاتے اور فرماتے کہ خط پر مہر کر دینی تہمت سے بہتر ہے۔ اور[۱۰] ٹوپیاں آپ عماموں کے تلے اور بدون عماموں کے پہنتے۔ اور کبھی ٹوپی کو سر مبارک سے اتار کر اس کا سترہ کرتے اور اس کی طرف کو نماز پڑھتے۔ اور[۱۱] کبھی عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی پر پٹی باندھ لیتے۔ اور آپؐ[۱۲] کے ایک عمامہ کا نام سحاب تھا اس کو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کو ہبہ کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کبھی اس کو پہن کر تشریف لاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے کہ علی تمہارے پاس سحاب میں آئے۔ اور جب[۱۳] آپ کپڑا پہنتے تو داہنی طرف سے شروع کرتے اور فرماتے[۱۴] الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی و اتجمل بہ فی الناس۔ اور جب کپڑا اتارتے تو بائیں طرف سے ابتداء کرتے۔ اور جب[۱۵] نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی مسکین کو عنایت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ جو مسلمان کو اپنے پرانے

۱ح بخاری بروایت محمد بن المنکدر ۱۲۔ ۲ح اس کی سند مجھ کو نہیں ملی نماز مطلق پڑھنا پہلی روایت میں آیا ہے ۱۲۔ ۳ح ابویعلی بروایت معاویہؓ ۱۲۔ ۴ح ابوداؤد مسلم بروایت عائشہؓ ۱۲۔ ۵ح۔ ان کی روایت ام سلمہ سے اس طور نہیں نظر پڑی مگر سیاہ چادر کا ہونا مسلم نے بروایت عائشہ اور ابوداؤد و نسائی نے بروایت عائشہؓ مذکور کیا ہے ۱۲۔ ۶ح ابن ماجہ بروایت عبادہ بن الصامت ۱۲۔ ۷ح بخاری و مسلم بروایت ابن عمر و انسؓ ۱۲۔ ۸ح ابن عدی بروایت واصلہ ۱۲۔ ۹ح انگوٹھی سے مہر کرنا صحیحین میں بروایت انسؓ اور شمائل ترمذی میں بروایت عمر منقول ہے مگر دوسرے جملہ کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲۔ ۱۰ح طبرانی و ابن حبان بروایت ابن عمر لیکن سترہ کا ذکر نہیں ہے ۱۲۔ ۱۱ح بخاری بروایت ابن عباس ۱۲۔ ۱۲ح ابن عدی و ابن حبان بروایت جعفر بن محمد جدہ مرسلاً اور یہ حدیث نہایت ضعیف ہے ۱۲۔ ۱۳ح ترمذی بروایت ابی ہریرہؓ ۱۲۔

۱۴ح ابن ماجہ و حاکم بروایت عمر فاروقؓ ۱۲۔

۱۵ح ابن حبان بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲۔

کپڑے پہنائے اور پہنانا صرف خدائے تعالیٰ کے واسطے ہو تو وہ حالت حیات و موت دونوں میں خدائے تعالیٰ کی ضمان اور پناہ اور برکت میں رہے گا جب تک کہ مسلمان کو پہنائے گا۔ اور آپؐ کا ایک چمڑے کا گدا تھا جس میں خرما کی چھال بھری تھی اس کا طول دو گز کے قریب اور عرض ایک گز ایک بالشت کے قریب تھا۔ اور آپؐ کا ایک کمل تھا کہ اس کو ہر جگہ اٹھا کر آپ کے تلے دو تہہ کر کے بچھا دیتے تھے۔ اور آپؐ بوریے پر سوتے کہ اس کے سوا اور بستر نہ ہوتا۔ اور آپؐ کی عادت شریف تھی کہ اپنے جانوروں اور ہتھیاروں اور چیزوں کا نام رکھتے تھے چنانچہ آپ کے نیزہ کا نام عقابؐ تھا اور آپؐ کی تلوار کا نام جس کو لڑائی میں ساتھ رکھتے تھے ذوالفقار تھا۔ اور ایک تلوار کا نام مخذم تھا اور ایک اور کو رسوب کہتے تھے۔ اور ایک اور قضیبؐ کے نام سے موسوم تھی اور آپ کی تلوار کا قبضہ چاندی بھرا ہوا تھا۔ اور آپؐ چمڑے کی پیٹی پہنتے جس میں تین کڑیاں چاندی کی تھیں۔ اور آپ کی کمان کا نام کتوم تھا اور ترکش کا نام کافور۔ اور آپؐ کے ناقہ کا نام قصوے تھا۔ جس کو عضبا بھی کہتے تھے۔ اور آپؐ کے پاس مٹی کا ایک لوٹا تھا جس سے آپ وضو کیا کرتے اور پانی پیتے پس آدمی اپنے چھوٹے بچوں تمیز دار کو بھیجتے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے اور اگر لوٹے میں پانی پاتے تو اس کو پیتے اور اپنے چہروں اور بدن پر حصول برکت کے لئے ملتے۔

قدرت کے باوجود مجرموں کو معافی

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حلیم اور باوجود قدرت کے عفو قصور میں سب سے زیادہ راغب تھے یہاں تک کہ آپؐ کی خدمت میں سونے اور چاندی کے ہار آئے اور آپ نے ان کو اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم

ا ح ترمذی و ابن ماجہ بروایت عمر فاروقؓ مگر اس میں آپ کے کپڑے پہننے اور پرانے کپڑے کے تصدق کرنے کا ذکر نہیں ہے صرف اشارہ ہے اور جملہ آخر ہی نہیں ۱۲۔ ۲ ح بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ بدون ذکر طول و عرض اور ابن حبان نے بروایت ام سلمہ نقل کیا ہے کہ آپ کا گد مقدار قد انسان کے تھا اور اس میں ایک راوی مجہول ہے ۱۲۔ ۳ ح ابن سعد در طبقات و ابن حبان بروایت عائشہؓ مگر یہ صحیحین نہیں اور شمائل ترمذی میں بروایت حفصہ ٹاٹ کا فرش دوتہ کا مذکور ہے کہ اس پر آپ سوتے تھے ۱۲۔ ۴ ح بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق در قصہ اعتزال ازواج ۱۲۔ ۵ ح طبرانی بروایت ابن عباسؓ آپ کی سب چیزوں کے نام لکھے ہیں مگر اس سند میں ایک راوی منسوب بوضع حدیث ہے ۱۲۔ ۶ ح ابن حبان بروایت مرسلاً ۱۲۔ ۷ ح ابن حبان حبان بروایت علی مرتضیٰؓ ۱۲۔ ۸ ح ابن سعد در طبقات بروایت مروان بن ابی سعید مرسلاً ۱۲۔ ۹ ح ابن سعد بروایت سابق ۱۲۔ ۱۰ ح ابن خثیمہ در تاریخ ۱۲۔ ۱۱ ح ابوداؤد ترمذی بروایت انسؓ ۱۲۔ ۱۲ ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی مگر ابن سعد و ابن حسان نے بروایت جعفر بن محمد حسن ابیہ حسن جدہ مرسلاً نقل کیا ہے کہ آپ کی مندیں دو کیدریاں چاندی کی چھاتی کی جگہ پر اور دو پس پشت یقینی ۱۲۔ ۱۳ ح اس کا پتہ مجھ کو نہیں ملا مگر طبرانی نے بروایت ابن عباس لکھا ہے کہ آپ کی کمان کا نام صداد اور ترکش کا نام جمع تھا اور ابن خثیمہ نے تاریخ میں آپ کی کمانوں کے تین نام اور لکھے ہیں ۱۲۔ ۱۴ ح مسلم بروایت جابر و بخاری بروایت انس ۱۲۔ ۱۵ حاکم بروایت علی مرتضیٰؓ ۱۲۔ ۱۶ ح فوائد ابی الدحداح ۱۲۔ ۱۷ ح ابن سعد نے آپکی بکریوں کے سات نام اور لکھے ہیں اور فوائد ابی الدحداح میں بکری کا نام برکہ لکھا ہے ۱۲۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں تقسیم فرمایا اس وقت ایک بدوی شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم البتہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو عدل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ مگر میں آپ کو عدل کرتے نہیں دیکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ کمبخت میرے سوا پھر تجھ پر کون عدل کرے گا جب وہ پشت پھیر کر چلا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو نرمی کے ساتھ میرے پاس واپس لے آؤ۔ اور حضرت[۱] جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین کے روز لوگوں کے لئے حضرت بلال کے کپڑے میں چاندی جمع کرتے ہیں آپ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدل فرمائیے آپ نے اس کو فرمایا کمبخت اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا تو محروم اور خسارہ میں رہے گا۔ اگر میں عدل نہ کروں۔ حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں کہ یہ منافق ہے آپ نے فرمایا معاذ اللہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں اپنے یاروں کو قتل کرتا ہوں۔ اور[۲] ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لڑائی میں تھے کہ کفار نے مسلمانوں کی کچھ غفلت دیکھی اتنے میں ایک کافر شمشیر برہنہ آنحضرت صلعم کے سر پر آگیا اور کہا کہ اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا آپ نے فرمایا جلشانہ راوی کہتا ہے کہ اس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور آنحضرت صلعم نے اس کو اٹھا کر فرمایا کہ مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا اس نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو اسیر کر لیا بہتر گرفتار کرنے والوں میں سے ہو جیے آپ نے فرمایا کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اس نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر میں آپ سے نہ قتال کروں گا نہ آپ کا ساتھ دوں گا ان لوگوں کے ساتھ ہوں گا جو آپ سے لڑتے ہیں آپ نے اس کو رہا فرمایا وہ اپنے ساتھیوں میں آیا اور کہا کہ میں تمہارے پاس بہترین مردم کے پاس سے آتا ہوں۔ اور[۳] حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودیہ عورت آپ کی خدمت میں ایک بکری زہر ملی ہوئی لائی تاکہ آپ اس میں سے تناول فرمائیں اس عورت کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں لائے آپ نے اس سے زہر کا حال پوچھا اس نے عرض کیا کہ ارشاد ہو تو اس کو قتل کریں آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اور[۴] ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا تھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس حال کی اطلاع دی تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے اس جادو کو نکلوا کر گرہ کھولی تو اس سے افاقہ ہو گیا۔ اور اس یہودی سے کبھی اس کا تذکرہ نہ فرمایا اور نہ اس پر یہ حال کیا۔ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے مجھ کو اور زبیر اور مقداد کو فرمایا کہ روضہ خاخ کو جاؤ اور اس میں ایک عورت مسافر ہے اس کے پاس ایک خط ہے اس سے وہ خط لے آؤ ہم بموجب ارشاد کے روضہ خاخ میں (کہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے

(باقی حاشیہ)

۱ح اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی ۱۲۔ ھذا الحاشیۃ[۱] اس کی سند پیشتر گذری ۱۲۔ ۲ح ابن حبان بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۱۲۔ ۳ح مسلم ۱۲۔ ۴م بخاری ومسلم بروایت جابر باختلاف الفاظ ۱۲۔ ۵ح مسلم بروایت انس بخاری بروایت ابن ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔ ۶ح نسائی بروایت زید بن ارقم اور قصہ آپ کے سحر کا صحیحین میں بروایت عائشہ اور الفاظ سے منقول ہے ۱۲۔

جاتے ہوئے راہ میں پڑتا ہے گئے اور اس عورت سے کہا کہ تیرے پاس خط ہے وہ حوالہ کر اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہم نے کہا کہ یا خط نکال ورنہ اپنے کپڑے نکال ڈال آخر اس نے خط اپنی چوٹی سے نکالا وہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آئے دیکھا تو حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال لکھا تھا کہ آپ مدینہ منورہ سے باہر ہو چکے ہیں خواہ تم پر آئیں گے یا کسی اور پر) آپ نے حاطب سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت کی اس نے عرض کیا کہ آپ جلدی نہ فرمائیں اصل یہ ہے کہ میں اپنی قوم میں مل گیا ہوں (یعنی قریش میں مقیم ہوں نسب میں شریک نہیں) اور آپکے ساتھ اور مہاجروں کے رشتہ دار مکہ میں بہت ہیں وہ ان کے گھر والوں کو بچالیں گے تو میں نے یہ چاہا کہ مجھ کو اگر قرابت نسبی حاصل نہیں تو قریش پر کچھ احسان کروں جس سے میرے قریبوں کو بچائیں اور یہ امر میں نے کفر کی راہ سے نہیں کیا اور نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہو کر اور نہ اپنے دین سے مرتد ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے تم سے سچ کہا حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ مجھ کو اجازت فرمایئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص بدر کی لڑائی میں شریک تھا اور تم کو کیا معلوم ہے شاید اللہ تعالیٰ نے بدر والوں کے حال پر مطلع ہو کر فرما دیا ہو کہ یہی چاہو وہ عمل کرو کہ میں نے تمہاری مغفرت کی۔ اور[۱] ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا ایک شخص نے انصار میں سے کہا کہ یہی وہ قسمت ہے جس سے رضاء الٰہی ارادہ نہیں کی گئی یہ بات کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ذکر کی آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمایا کہ رحم کرے اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر کہ ان کو اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی مگر انہوں نے صبر فرمایا۔ اور[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے کہ تم میں سے کوئی میرے اصحابؓ کی طرف سے کوئی بات مجھ سے نہ کہا کرے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس سینہ صاف ہو کر آؤں۔

بری باتوں سے چشم پوشی

آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلد پتلی اور آپ کا ظاہر و باطن صاف تھا۔ آپ کی خفگی اور رضامندی آپ کے چہرہ سے معلوم ہو جاتی تھی اور جب آپ کو غصہ بہت ہوتا تو آپ اپنی ریش مبارک کو بہت ہاتھ لگاتے۔ کسی[۴] کے سامنے وہ بات نہ فرماتے جو اس کو بری معلوم ہو۔ ایک[۵] شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زرد خوشبو لگائے تھا آپ کو بری معلوم ہوئی مگر اس سے کچھ نہیں فرمایا۔ جب وہ چلا گیا تو لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس سے کہہ دو

۱ح بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود ۱۲۔ ۲ح ابوداؤد و ترمذی بروایت ابن مسعودؓ ۱۲۔ ۳ح ابی حبان بروایت ابن عمرؓ ۱۲۔ ۴ح ابن حبان بروایت عائشہ صدیقہؓ ۱۲۔ ۵ح ابوداؤد و ترمذی در شمائل بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲۔

کہ اس کا استعمال نہ کرے تو اچھا ہو۔ اور ایک[1] اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا صحابہ رضی اللہ اس پر چڑھ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا پیشاب مت روکو پھر اس سے ارشاد فرمایا کہ یہ مسجدیں اس قابل نہیں کہ کوئی کوڑا یا پیشاب یا پاخانہ ان میں ہو اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پاس بلاؤ بدکاؤ نہیں۔ اور ایک[2] اعرابی آپ کی خدمت میں ایک روز کچھ سوال کرنے آیا آپ نے اس کو کچھ دیا پھر فرمایا کہ میں نے تجھ پر احسان کیا اس نے عرض کیا کہ آپ نے احسان کیا نہ نیکی کی راوی کہتا ہے کہ مسلمان اس بات سے غصہ ہوئے اور اس کی طرف چلے آپ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ باز رہو پھر آپ اُٹھ کر اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور اس اعرابی کو بُلوا کر کچھ اور دیا پھر پوچھا کہ میں نے تجھ پر احسان کیا اس نے عرض کیا ہاں اللہ آپ کے اہل وعشیرہ کو جزائے خیر دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تو جو لفظ اول کہہ چکا ہے میرے اصحاب کے دل میں وہ کھٹکتا ہے اگر تیرا دل چاہے تو جو میرے سامنے کہتا ہے وہی ان کے سامنے کہہ دینا تا کہ ان کے دلوں سے جو تجھ پر غبار ہے وہ نکل جائے۔ اعرابی نے عرض کیا بہت بہتر دوسرے روز صبح کو یا شام کو وہ اعرابی آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس اعرابی نے کہا تھا جو کہا تھا مگر ہم نے اس کو زیادہ دیا تو اس نے کہا کہ میں راضی ہو گیا۔ پھر اعرابی سے پوچھا کہ کیوں بھلا یوں ہی ہے اس نے کہا ہاں آپ کے اہل وعشیرہ کو خدائے تعالٰے جزائے خیر دے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور اس اعرابی کی مثل ایسی ہے جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک گئی اور لوگ اس کے پیچھے ہوئے تو اور زیادہ بھاگی پھر اونٹنی کے مالک نے ان کو آواز دی کہ تم سب علیحدہ ہو جاؤ میں جانوں اور میری اونٹنی میں اس پر زیادہ شفیق اور اس کے حال سے زیادہ واقف ہوں پھر وہ سامنے کی طرف سے اسی کی طرف چلا اور زمین کا خشک چارہ لے کر اس کو دکھلایا اور آہستہ آہستہ اس کو پاس بلا لیا یہاں تک کہ جب وہ آئی تو اس کو بٹھلایا اور اس پر کاٹھی باندھ کر سوار ہو گیا۔ جب اس شخص نے وہ لفظ کہا تھا اور میں تم کو منع نہ کرتا اور تم اس کو مار ڈالتے تو دوزخ میں جاتا۔

جود وسخاوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سب[3] لوگوں سے زیادہ سخی اور جواد تھے اور ماہ[4] رمضان المبارک میں آندھی کی طرح ہوتے کہ کوئی چیز بدون دیئے نہ چھوڑتے اور[5] حضرت علیؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف کرتے تو فرماتے کہ کف مبارک سب سے جواد اور سینہ سب سے زیادہ وسیع اور گفتگو سب سے زیادہ راست اور عہد کے زیادہ پورے کرنے والے نرم تر عادت

۱ح بخاری ومسلم بروایت انسؓ ۱۲۔ ۲ح بزار وابن حبان بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف ۱۲۔ ۳ح بخاری ومسلم بروایت انسؓ ۱۲۔ ۴ح بخاری ومسلم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اس میں یوں ہے کہ جبرائیلؑ سے جب ملاقات ہوتی تو خیرات میں آندھی کی طرح ہوتے ۱۲۔ ۵ح حدیث ترمذی کی ہے اور کہا کہ اس کی روایت متصل نہیں ۱۲۔

میں بزرگ ترین خاندان میں تھے جو کوئی آپ کو دفعۃً دیکھتا تو آپ سے ڈر جاتا اور اگر شناسائی کے طور پر آپ سے اختلاط رکھتا تو عاشق ہو جاتا آپ کا وصف کرنے والا کہتا کہ میں نے نہ ایسا آپ کے پیشتر دیکھا نہ آپ کے بعد آپ جیسا نظر آیا۔ اور مسلمان ہونے پر جو چیز کسی نے کبھی مانگی وہی اس کو عطا فرمائی چنانچہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اتنی بھیڑ بکریاں دیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان میں بھر جائیں وہ شخص اپنی قوم کو لوٹ گیا اور ان سے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کی طرح عطا عنایت فرماتے ہیں جو فاقہ سے نہ ڈرتا ہو۔ اور[۲] کبھی کسی چیز کا سوال آپ سے نہیں ہوا کہ آپ نے اس کو نہیں فرمایا ہو اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ نہیں مگر تجھ کو جو ضرورت ہے وہ کسی شخص سے میرے نام پر قرض لیلے جب ہمارے پاس کچھ آئے گا ہم اس کو ادا کر دیں گے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز پر آپ کو قدرت نہیں اس کی تکلیف خدائے تعالیٰ نے آپ کو نہیں دی آپ کو یہ بات بری معلوم ہوئی اس شخص نے عرض کیا کہ آپ خرچ کئے جایئے اور مالک عرش بریں سے خوف مفلسی کا نہ فرمایئے آنحضرت صلعم نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرۂ مبارک پر سرور معلوم ہوا۔ اور جب آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ حنین سے مراجعت فرمائی تو اعراب نے حاضر خدمت ہو کر مانگنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک ببول کے درخت کی طرف بمجبوری جانا پڑا اس درخت میں آپ کی رداء مبارک رہ گئی پس آپ نے توقف فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھ کو میری چادر دو اگر میرے پاس ان درختوں خاردار کی مقدار اونٹ ہوں تو میں تم میں ان کو تقسیم کروں پھر تم مجھ کو بخیل اور جھوٹا اور نامرد نہ پاؤ گے۔

شجاعت

آنحضرت[۴] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ قوی اور بہادر تھے۔ حضرت[۵] علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ہم نے اپنے آپ کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ پکڑتے تھے اور آپ ہم سب کی نسبت کر دشمن سے قریب تر تھے اور اس روز سب لوگوں سے زیادہ سخت لڑنے والے تھے۔ اور یہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول[۶] ہے کہ جب ہنگامہ کارزار گرم ہوتا تھا اور دونوں صفیں مل جاتی تھیں تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آڑ میں ہو جاتے تھے پس آپ کی نسبت کر دشمن سے زیادہ قریب کوئی نہ ہوتا تھا اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم سخن اور

---

۱ رح مسلم بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۲ رح مسلم بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۳ رح بخاری و مسلم بروایت جابر رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۴ رح ابو اسحاق ابن لضی ک در شمائل بروایت حسن مرسلہ اور بخاری میں بروایت انس تعلیقاً بلا ذکر عدد مروی ہے ۱۲۔ ۵ ترمذی در شمائل بروایت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۶ رح بخاری بروایت جبیر بن مطعم ۱۲۔ ۷ رح دارمی میں بروایت ابن عمر اور صحیحین میں بروایت انس ہے کان احسن الناس واجمع الناس ابن حبان در اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲۔ ۸ رح نسائی بروایت علی مرتضیٰ و مسلم بروایت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۹ رح ابن حبان بروایت سعید بن عیاض مرسلاً ۱۲۔

قلیل الکلام تھے اور جب لوگوں کو قتال کا حکم فرماتے تو آپ بنفس نفیس مستعد ہوتے اور سب لوگوں سے زیادہ لڑاک تھے۔ اور[1] بہادر وہی ہوتا تھا جو لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوتا کیونکہ آپ دشمن سے قریب رہتے تھے۔ اور عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت[2] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ٹولی سے آپ بھڑے ہیں تو اول وار آپ ہی نے فرمایا ہے۔ اور آپ[3] قتال میں نہایت قوی تھے۔ اور جب[4] آپ کو مشرکوں نے گھیر لیا تو آپ اپنے خچر سے اتر پڑے اور فرمانے لگے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب تو اس روز کوئی ایسا نہیں نظر آیا کہ آپ سے زیادہ قوی دل ہو۔

تواضع آنحضرت[5] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے علو منصب میں سب لوگوں سے زیادہ تواضع اور انکسار فرماتے۔ ابن[6] عامر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ اونٹنی پر سوار جمرہ پر کنکریاں مارتے دیکھا ہے کہ کوئی کسی کو نہ مارتا تھا نہ دھکے دیتا تھا نہ ہٹو بچو کہتا تھا۔ اور آپ[7] دراز گوش پر چادر کا زین ڈال کر سوار ہوتے باوجود اس کے دوسرے کو اپنا ردیف کر لیتے۔ اور آپ بیمار کی عیادت فرماتے اور جنازہ کے ساتھ جاتے اور غلام کی دعوت منظور فرماتے اور پاپوش مبارک کی مرمت کر لیتے اور کپڑے میں پیوند لگاتے اور اپنے مکان میں گھر والوں کی حاجت میں ان کے شریک ہو کر کام کرتے۔ اور آپ[8] کے اصحاب آپ کا کام نہ کرتے اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ اس بات کو آپ برا جانتے ہیں۔ اور آپ کا گذر جب[9] لڑکوں پر ہوتا تو ان کو سلام کرتے۔ اور[10] ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تو وہ آپ کی ہیبت سے کانپ گیا آپ نے فرمایا کہ خوف مت کر میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش میں کی ایک عورت کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ اور آپ[11] اپنے اصحاب میں ایسے رل مل کر بیٹھتے کہ گویا انہیں میں سے ایک آپ بھی ہیں اجنبی شخص آتا تو بدون پوچھے نہ معلوم کرتا کہ آپ کون سے ہیں یہاں تک کہ صحابہؓ نے التماس کیا کہ آپ ایسی جگہ پر بیٹھا کریں کہ اجنبی آپ کو پہچان لیا کرے چنانچہ آپ کے لئے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا کہ اس پر آپ نشست فرماتے اور حضرت عائشہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ مجھ کو آپ پر

۱ح مسلم بروایت براء بن عازب ۱۲۔ ۲ح ابن حبان نے نقل کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے ۱۲۔ ۳ح طبرانی در اوسط بروایت ابن عمرؓ بلفظ دیگر بسند ضعیف ۱۲۔ ۴ح بخاری و مسلم بروایت بن عازب مگر اس میں پچھلا جملہ نہیں یعنی اس روز سے آخر تک اور اس جملہ کے ساتھ ابن حبان نے بروایت براء اور بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے ۱۲۔ ۵ح ابو الحسن بن ضحاک در شمائل بروایت ابو سعید بسند ضعیف ۱۲۔ ۶ح ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت اسامہ بن عبد اللہ ۱۲۔ ۷ح بخاری و مسلم بروایت اسامہ بن[رضی] ۱۲۔ ۸ح اس کی سند اس باب کے شروع میں گذری ۱۲۔ ۹ح ترمذی بروایت انس ۱۲۔ ۱۰ح بخاری مسلم بروایت انسؓ ۱۲۔ ۱۱ح حکم بروایت جریرؓ ۱۲۔ ۱۲ح ابوداؤد و نسائی بروایت ابوہریرہ ۱۲۔ ۱۳ح ابن عمیر بروایت عبداللہ بن عبیدؓ بن عمیر عن عائشہؓ ۱۲۔ حـہ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں میں بیٹا ہوں عبد المطلب کا ۱۲۔

قربان کرے آپ تکیہ لگا کر تناول فرمایا کیجئے کہ یہ آپ کو آسان پڑے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک اتنا جھکایا کہ قریب تھا کہ پیشانی زمین سے لگ جائے فرمایا کہ میں ایسے کھاؤں گا جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھوں گا جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔ اور آپ[1] کھانا خوان اور کشتی میں نہ کھاتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملے۔ اور[2] جو کوئی آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے یا دوسرے لوگوں میں آپ کو پکارتا تو آپ جواب میں لبیک ارشاد فرماتے۔ اور جب آپ[3] لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تو اگر وہ آخرت کے باب میں گفتگو کرتے تو ان کے ساتھ وہی تقریر فرماتے اور اگر وہ کھانے پینے کی بات کرتے تو ویسا ہی ذکر فرماتے اور اگر وہ دنیا کے باب میں کلام کرتے تو آپ بھی وہی کرتے کہ آپ کو ان کے ساتھ نرمی اور تواضع کرنی منظور تھی۔ اور[4] کبھی اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے سامنے شعر پڑھتے اور کچھ باتیں عہد جاہلیت کی ذکر کرتے اور ہنستے تو ان کے ہنسنے کے وقت آپ بھی تبسم فرماتے اور بجز حرام کے ان کو اور چیز سے زجر نہ فرماتے۔

سراپا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد مبارک نہ بہت سا طویل اور نہ کوتاہ بونا تھا بلکہ جب تنہا چلتے تو لوگ میانہ قد کہتے اور باوجود اس کے اگر کوئی شخص طویل القامت آپ کے ساتھ چلتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا قد مبارک اس سے نکلتا معلوم ہوتا اور کبھی دو لمبے قد والے آپ کے ادھر اُدھر ہوتے تو طویل قامت میں آپ ان پر غالب ہوتے اور جب وہ آپ سے علیحدہ ہوتے تو ان کو لوگ طویل کہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میانہ بتاتے اور اور آپ فرمایا کرتے کہ بالکل خیر میانہ پن میں کر دی گئی۔ اور آپ کا رنگ مبارک ازہر یعنی گورا چٹا تھا نہ آپ گندم گون تھے اور نہ سخت سفید اور ازہر وہ سفید خالص ہے جس میں آمیزش زردی اور سرخی اور دوسرے کسی رنگ کی نہ ہو۔ اور آپ[5] کے وصف میں آپ کے چچا ابو طالب نے اس مضمون کو شعر کہا ہے ؎

وہ نورانی بدن جس کے سبب مانگے ملے باراں   یتیموں اور بیوؤں کا وہ ملجا اور ماویٰ ہے

اور بعضوں نے آپ کا وصف یہ بیان کیا ہے کہ آپ سرخی مائل تھے گو اس کی تطبیق میں کہا ہے کہ جو اعضا[6]

۱ح بہ بخاری بروایت انس ۱۲۔ ۲ح ابو نعیم در دلائل النبوۃ بروایت عائشہ اور اس سند میں حسین ابن علوان متہم بالکذب ہے اور طبرانی نے کبیر میں بروایت محمد بن حاطب نقل کیا ہے کہ ایک لونڈی نے آپ کو پکارا آپ نے فرمایا لبیک وسعدیک اور اس کی روایت جید ہے ۱۲۔ ۳ح ترمذی در شمائل بروایت زید بن ثابت اور اس میں [illegible] ذکر پینے کا نہیں ہے ۱۲۔ ۴ح مسلم بروایت جابر بن سمرہ مگر اس میں آخر جملہ نہیں کہ بجز حرام کے اور چیز سے زجر نہ فرماتے ۱۲۔ ۵ح یہ حدیث سراپا کی بطول ابو نعیم سے دلیل النبوۃ بروایت عائشہ نقل کی ہے اور اس میں کچھ کمی بیشی ہے یعنی ذکر ابو طالب کا نہیں اور یہ جملہ نہیں کہ بالوں کو کونوں پر کر دیتے تھے تو گردن کا کنارہ چمکتا معلوم ہوتا اور یہ جملہ نہیں کہ پیشانی مبارک وسیع تھی اور اس سند میں ضبیع عبداللہ منکر ہے ۱۲ ۶ح بخاری تعلیقاً بروایت ابن عمر و ابن ماجہ و ابن اسحاق در سیرت ۱۲ ۷ح بخاری و مسلم بروایت براء بن عازب ۱۲۔

مبارک دھوپ اور ہوا میں کھلے رہتے تھے جیسے چہرہ اور گردن ہیں وہ تو سرخی آمیز تھے اور جو اعضاء کپڑے کے تلے رہتے تھے، وہ ازہر بے سُرخی کے تھے اور عرق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک پر موتی کی طرح مشک خالص سے بھی زیادہ خوشبودار تھا اور آپ کے موئے مبارک عمدہ مڑے ہوئے تھے نہ بالکل لٹکے ہوئے نہ بہت گھونگروالے۔ جب آپ ان میں کنگھی کر چکتے تو جیسے ریت میں ہوا سے لہریں پڑجاتی ہیں ویسی ہی ان میں معلوم ہوتیں اور مروی ہے کہ آپ کے بال شانوں سے لگتے ہوئے تھے۔ اور اکثر روایت یہ ہے کہ کانوں کی لَو تک تھے اور کبھی آپ اُن کو چار لچھے کر دیتے اور ہر گوش مبارک دو لچھوں کے بیچ میں نکلا رہتا اور کبھی آپ بالوں کو کانوں کے اوپر کر دیتے تو آپ کی گردن کا کنارہ چمکتا اور جھلکتا معلوم ہوتا اور آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں سترہ[۱] بال سفید تھے اس سے زیادہ نہیں ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سب سے زیادہ خوبصورت اور روشن تر تھا جس نے آپ کے چہرہ کا وصف بیان کیا اس نے اس کو چودھویں رات کے چاند ہی سے تشبیہ دی اور چونکہ آپ کی جلد صاف تھی تو آپ کی رضا اور خفگی چہرہ سے معلوم ہو جاتی تھی اور لوگ یوں کہا کرتے تھے کہ آپ ایسے ہی ہیں جیسے آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ کی مدح کی ہے اور اس مضمون کا شعر کہا ہے ؎

امین مصطفےٰ داعی بخیر است　　چہ نور بدر کز ظلمت بر آید

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی وسیع اور بھویں[۲] باریک پوری اور دونوں بھوؤں کے درمیان نور تاباں گویا خالص چاندی ہے اُن کے درمیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھیں کشادہ اور حسین اور ان کی سیاہی خوب گہری تھی اور آپ کی آنکھوں میں گونا سُرخی کا اختلاط تھا مژہ طویل اور اس کثرت سے تھیں کہ قریب ملنے کے ہو گئی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک مبارک پتلی اور لمبی برابر تھی اور آپ کے دندان مبارک کچھ چھدرے تھے جب آپ خندہ شیرینی فرماتے تو اُن کی چمک بجلی کی دمک معلوم پڑتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب مبارک سب اللہ کے بندوں سے حسین اور لطیف تر تھے اور آپ کے رخسار مبارک غیر مرتفع اور سخت تھے آپ کا چہرہ مبارک نہ لمبا تھا نہ نہایت مدوّر بلکہ کسی قدر گولائی تھی ریش مبارک گھنی تھی اور اس کو آپ نہ کترواتے چھٹی رکھتے اور مونچھیں کترواتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی نہ لمبی نہ چھوٹی جس قدر پر دھوپ اور ہوا لگتی تھی وہ گویا چاندی کی صراحی جس میں سونا ملا ہو معلوم ہوتی اور اس کی چمک میں چاندی کی جھلک اور کندن کی دمک نظر آتی

۱ھ بخاری تعلیقاً بروایت ابن عمرو ابن ماجہ و ابن اسحاق در سیرت ۲۱۳ھ بخاری و مسلم بروایت براء بن عازب ۱۲۔ ۳ھ یہ اوصاف ابرو اور چشم اور بینی اور ریش اور رخسار و دہن و دندان کے ترمذی نے بروایت ہند ابی ہالہ شمائل میں ذکر کئے ہیں ۱۲

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ بے کینہ چوڑا تھا کسی جگہ کا گوشت دوسری جگہ سے ابھرا ہوا نہ تھا برابر آئینہ کی طرح سفید چاندی کی طرح تھا سر سینہ سے ناف مبارک تک ایک بالوں کا خط باریک دھار کی طرح تھا اور اس کے سوا پیٹ اور سینہ پر اور بال نہ تھا آپ کے شکم مبارک میں تین شکن تھے ایک تہمد کے تلے چھپ جاتا اور دو کھلے رہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانے بڑے تھے اور ان پر بال کثرت سے تھے اور آپ کے شانوں اور کہنیوں اور تہیگاہ کے جوڑ پر گوشت تھے اور پشت مبارک وسیع اور دونوں شانوں کے درمیان شانہ راست کے متصل مہر نبوت تھی جس میں ایک سیاہ داغ مائل بزردی تھا۔ اور اس کے گرد کچھ بال بہم گھوڑے کی ایال کے بال کی طرح تھے اور آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ پر گوشت تھے اور دونوں بند دست لمبے اور کف دست وسیع اور ہاتھ پاؤں کشیدہ اور آپ کی انگلیاں گویا چاندی کی شاخیں تھیں۔ ہتھیلی آپ کی خز سے بھی زیادہ نرم گویا خوشبو میں عطر فروش کی ہتھیلی تھی خواہ آپ اس پر خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں مصافحہ کرنے والا جو آپ سے مصافحہ کرتا تو دن بھر اس کی خوشبو سے معطر رہتا اگر کسی لڑکے کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرتے تو ہاتھ کی خوشبو کے باعث جو اس کے سر میں ہوتی وہ دوسرے لڑکوں سے پہچان پڑتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہمد کے نیچے کا بدن یعنی رانیں اور پنڈلیاں پُر گوشت تھیں اور آپ کا بدن فربہی میں معتدل تھا۔ آخر عمر میں کچھ فربہ ہو گئے تھے مگر گوشت ایسا چست تھا کہ گویا اول ہی خلقت پر تھے فربہی سے آپ کو کچھ ضرر نہیں ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار ایسی تھی کہ گویا پاؤں کو جما کر اٹھاتے ہیں اور اونچان سے نیچے کو تشریف لاتے ہیں۔ قدم آگے کو جھک کر رکھتے اور پاؤں پاس رکھ کر چلتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ میں اوروں کی نسبت کر آدم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ ہوں اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام ——————— خلقت اور اخلاق میں مجھ سے زیادہ مشابہ تھے۔ اور فرماتے کہ میرے پروردگار کے یہاں میرے دس نام ہیں میں محمدؐ ہوں میں احمدؐ ہوں میں ماحیؐ ہوں کہ میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو محو فرمائے گا میں عاقبؐ ہوں یعنی پیچھے آنے والا کہ میرے بعد اور کوئی نبی نہیں اور میں حاشرؐ ہوں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو میرے اٹھنے کے بعد حشر فرمائے گا۔ اور میں رسول رحمت اور رسول توبہ اور رسول ملاحم اور مقفی ہوں کہ سب لوگوں کے بعد آیا یعنی انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر آیا ہوں اور میں قثم ہوں۔ ابو البختری نے کہا کہ قثم کے معنی کامل اور جامع جمیع اوصاف کے ہیں:۔

معجزات

واضح ہو کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کا مشاہدہ کرے اور آپ کے اخلاق اور افعال اور احوال اور عادات اور خصال اور اقسام خلق کی سیاست

اور ان کے انتظام کی کیفیت اور تمام مخلوق کو برچانے اور ایسی طاعت پر کھینچ لانے کے اخبار سننے اور نیز جو عجائب جوابات آپ نے دقیق مسائل میں ارشاد فرمائے اور خلق کی بہتری میں ہمہ بیرات عجیب نکالیں اور ظاہر شرع کی تفصیل میں عمدہ اشارات فرمائے جن کی ادنےٰ باریکیوں کے دریافت میں فقہا اور علماء عمر بھر حیران اور عاجز رہے ہیں اور ان سب پر غور کرے تو اس کو اس بات میں کچھ شک و شبہ باقی نہ رہے گا کہ یہ امور ایسے نہیں کہ قوت بشری کی تدبیر سے حاصل ہوں بلکہ بدون تائید غیبی اور قوت لاریبی کے ممکن نہیں اور کسی جھوٹے یا فریبی سے ایسی باتیں ہونی محال ہیں آپ کی علامت ظاہری اور احوال ہی آپ کے صدق کی قطعی دلیلیں ہیں یہاں تک کہ خالص عرب آپ کو دیکھ کر کہتا کہ یہ صورت جھوٹوں کی نہیں یعنی بمجرد علامات ظاہری کے نظر کرنے کے آپ کے صدق کی شہادت دیتا تھا تو جس شخص نے آپ کی عادات کا مشاہدہ کیا ہو اور سب حالات نشست و برخاست میں برتے ہوں وہ کیسے شہادت نہ دے گا اور ہم نے کسی قدر آپ کے اخلاق اس لئے بیان کئے تاکہ محاسن اخلاق معلوم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدق اور علو منصب اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑا درجہ ہونا مفہوم ہو کہ خداوند کریم نے آپ کو یہ سب باتیں عنایت کیں حالانکہ آپ امی محض تھے نہ علم کی مزاولت کی نہ کتابوں کا مطالعہ کیا نہ علم کی طلب میں کبھی سفر کیا ہمیشہ جہال عرب میں رہے اور باینہمہ یتیم اور بیکس اور لوگوں کی نظروں میں بے بس تھے تو ایسی بے سروسامانی میں آپ کو محاسن اخلاق اور آداب اور مسائل فقہیہ کی شناخت کہاں سے حاصل ہوئی دوسرے علوم اور معرفت الٰہی اور فرشتوں اور کتابوں آسمانی کے جاننے کو جانے دو اگر صریح وحی نہ ہوتی تو یہ سب چیزیں کیسے آئیں اور قوت بشری ان امور کو کیسے جان سکتی ہے پس اگر ان امور ظاہری کے اور باتیں آپ میں نہ ہوتیں تو یہی کافی تھیں مگر آپ کے ہاتھوں معجزے اور نشانیاں بھی اتنی ظاہر ہوئی ہیں کہ ان کے بعد پھر کسی طرح کا شبہ عاقل کو نہیں رہتا اور ہم آپ کے معجزات میں سے ذکر کرتے ہیں جو احادیث میں شائع ہیں اور صحاح میں ثابت اور ان کو بطور اجمال بدون سب قصہ کے نقل کئے لکھتے ہیں منجملہ ان کے چاند کا پھٹ جانا[۲] مکہ میں جب کہ آپ سے قریش نے معجزہ طلب کیا۔ اور حضرت[۳] جابرؓ کے مکان پر روز خندق میں بہت سے لوگوں کو سیر بھر جو میں کھانا کھلایا۔ اور اسی طرح[۴] حضرت ابوطلحہؓ کے مکان پر تھوڑی غذا سے بہت

۱ح پانچ نام اول کے صحیحین میں بروایت جبیر بن مطعم منقول ہیں اور مسلم نے مقفی اور نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ بروایت ابو موسیٰ نقل کیا ہے اور نبی الملاحم ذکر کیا ہے اور ابو نعیم نے دلائل میں ابی الطفیل سے آٹھ نام منجملہ اس کے کچھ کم زیادہ کر کے لکھے ہیں اور ابن عدی نے دسواں نام بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید و ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہ بسند ضعیف نقل کئے ہیں ۱۲۔

۲ح بخاری و مسلم بروایت ابن مسعودؓ و ابن عباس و انسؓ ۱۲۔ ۳ح بخاری و مسلم بروایت جابرؓ ۱۲۔ ۴ح بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲

کو شکم سیر کر دیا۔ اور ایک بار[۱] ایک صاع جو اور ایک بکری کے بچہ سے اسی[۲] آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ اور ایک بار حضرت انس جو کی روٹیاں اپنے ہاتھ میں لے گئے ان کو اسی آدمیوں سے زیادہ کو کھلایا اور ایک بار[۳] تھوڑے سے خرمے بشر کے بیٹے اپنے ہاتھوں میں لائے ان سے آپ نے سب لشکر والوں کا پیٹ بھر دیا اور پھر بھی بچ رہے۔ اور ایک چھوٹا پیالہ تھا کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پھیل نہ سکتا تھا اس میں اپنا دست مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں میں سے پانی پھوٹ نکلا جس سے تمام لشکر نے وضو کیا اور پانی پیا اور سب پیاسے تھے۔ اور آپ[۴] نے ایک بار وضو کا پانی تبوک کے چشمہ میں ڈال دیا اور اس میں پانی نہ تھا تو اس میں اتنا پانی چڑھ آیا کہ لشکر والوں نے جو ہزاروں تھے پانی پیا اور چھک گئے اور ایک بار[۵] حدیبیہ کے کنوئیں میں بقیہ وضو ڈالا تو اس میں باوجودیکہ پانی نہ تھا مگر ایسا پانی جوش کر آیا کہ پندرہ سو آدمیوں نے پیا۔ اور حضرت عمر[۶] فاروق کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑے سے خرمے جو سب مل کر شتر کے گھٹنے کے برابر تھے چار سو سواروں کو زاد حوالہ کرو فاروق نے سب کو زاد بھی دے دیا اور اسی قدر بچ رہے۔ اور آپ[۷] نے ایک مٹھی مٹی کی لشکر کی طرف پھینکی۔ اور سب کی آنکھوں میں پڑی اور بے کار کر دیا چنانچہ اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے ؎ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اور[۸] اللہ تعالیٰ نے کہانت کو آپ کے مبعوث ہونے سے باطل کر دیا کہ بالکل نیست ہو گئی حالانکہ پیشتر علانیہ موجود تھی۔ اور جب[۹] آپ کے لئے ممبر تیار ہوا تو جس ستون کے سہارے آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے اس نے نالہ کیا یہاں تک کہ اس کی آواز مثل آواز شتر کے سب اصحابؓ نے سنی آپ نے اس کو اپنے سینہ سے لگایا وہ خاموش ہو گیا۔ اور آنحضرت[۱۰] صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو ارشاد فرمایا کہ موت کی تمنا کرو اور انکو آگاہ کر دیا کہ تمنا نہ کر سکیں گے تو ایسا ہی ہوا کہ بول نہ سکے اور اظہار تمنا سے عاجز ہو گئے اور یہ قصہ[۱۱] سورۂ جمعہ میں مذکور ہے جو جامع مسجدوں میں مشرق سے مغرب تک جمعہ کے روز پکار کر اسی آیت کی عظمت کے لئے پڑھی جاتی ہے اور آنحضرت[۱۲] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیب کی باتوں کی خبر دی مثلاً حضرت عثمان غنیؓ کو خبر دی کہ تم کو بلوہ پہنچے گا جس کے بعد جنت ہے

۱ح بیہقی در دلائل النبوت بروایت جابر اور یہ روایت بخاری میں بھی بدون ذکر عدد منقول ہے ۱۲۔ ۲ح بخاری و مسلم بروایت انسؓ ۱۲۔
۳ح بیہقی در دلائل بروایت بشر بن سعد ۱۲۔ ۴ح بخاری و مسلم بروایت انسؓ اور اس میں صرف وضو کا ذکر ہے اور ابو نعیم نے بروایت انس پینے کو بھی ذکر کیا ہے ۱۲۔ ۵ح مسلم بروایت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔ ۶ح مسلم بروایت سلمہ بن ۱۲۔ ۷ح خرائطی بروایت مرداس بن قیس ۱۲۔ ۸ح بخاری بروایت جابر و سہل ابن سعد ۱۲۔ ۹ح بخاری بروایت ابن عباس ۱۲۔ ۱۰ح بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ ۱۲۔ ۱۱ح بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ ۱۲۔
۱۲ح مسلم بروایت قتادہ وام بخاری بروایت ابی بکر ۱۲۔

اور حضرت عمارؓ کو فرمایا کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور حضرت امام حسنؓ کے باب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب سے مسلمانوں کی دو بھاری جماعتوں میں صلح کرے گا۔ اور[۲] ایک شخص کو جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ دوزخی ہوگا تو ایسا ہی ہوا یعنی اس شخص نے خود اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ اور یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن وجہوں سے معرفت پیشتر ہو جاتی ہیں ایسے کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتیں نہ نجوم سے نہ کہانت سے نہ رمل سے نہ فال سے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے آگاہ کرنے اور وحی سے آپ کو معلوم ہوئی تھیں۔ اور[۳] سفر ہجرت میں سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں اتر گئے اور ایک دھواں اس کے پیچھے آیا۔ یہاں تک کہ اس نے آپ سے فریاد کی آپ نے اس کے لئے دُعا فرمائی تو گھوڑا چھوٹ گیا اور آپ نے اس کو خبر دی کہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ بادشاہ کے کنگن پہنائیں گے اور ایسا ہی ہوا اور آپ[۴] نے اسود عنسی کے قتل کی خبر جس نے نبوت کا دعویٰ جھوٹا کیا تھا اُسی شب بیان کی، جس رات وہ مارا گیا حالانکہ وہ صنعاء میں قتل ہوا تھا اور قاتل کا نام بھی ارشاد فرمایا۔ اور[۵] قریش کے سو آدمی جو آپ کی گھات میں بیٹھے تھے آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور سب کے سر پر خاک ڈال آئے مگر انہوں نے آپ کو نہ دیکھا۔ اور[۶] اصحاب کے روبرو اونٹ نے آپ کی خدمت میں شکایت کی اور آپ کا منقاد ہو گیا۔ اور[۷] چند اصحاب آپ کی خدمت میں مجتمع تھے آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص دوزخ میں جائے گا اس کی داڑھ کوہ احد جیسی ہو گی تو ایسا ہی ہوا کہ اور لوگ اسلام پر مرے۔ اور ایک مرتد ہو گیا اور اسی بے دینی کی حالت میں مارا گیا۔ چند[۸] اور اصحابؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جو سب کے بعد مرے گا آگ میں ہوگا اور ایسا ہی ہوا کہ جو سب سے پیچھے مرا وہ آگ میں گر کر جل گیا اور مر گیا۔ اور آپ[۹] نے قضاء حاجت کے لئے دو درختوں کو بلایا وہ دونوں آپ کے پاس حاضر ہوئے اور مل گئے پھر آپ نے حکم فرمایا تو وہ جدا ہو کر جہاں کے تہاں ہو گئے۔ اور[۱۰] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد تھے مگر جب لمبوں کے ساتھ تو طول قامت میں ان پر غالب رہتے اور آنحضرت[۱۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

۱ح بخاری بروایت ابی بکرہ ۱۲۔ ۲ح بخاری بروایت ابی ہریرہ و سہل بن سعد ۱۲۔ ۳ح بخاری و مسلم بروایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۱۲۔ ۴ح یہ قصہ سیر میں مذکور ہے بروایت فیروزہ دیلمی ہے اور صحیحین میں بروایت ابی ہریرہ یوں ہے کہ میں نے خواب میں دو کنگن سونے کے اپنے ہاتھ میں دیکھے مجھ کو رنج ہوا اور حکم ہوا کہ ان کو پھونک مار میں نے پھونک ماری تو اڑ گئے پھر میں نے ان کو دو جھوٹوں سے تعبیر دی جو میرے بعد نکلیں گے تو ایک ان میں کا قصے صاحب صنعا ہے ۱۲۔ ۵ح ابن مردویہ بروایت ابن عباس بسند ضعیف اور اس میں ذکر عدد نہیں ۱۲۔ ۶ح ابوداؤد بروایت عبداللہ بن مسعود و در متن حدیث ۱۲۔ ۷ دار قطنی بروایت ابی ہریرہ بلا اسناد و طبرانی بروایت رافع بن خدیج اس شخص کا نام رجال بن عنفوہ تھا ۱۲۔ ۸ح بیہقی در دلائل بروایت ابی محذورہ و بروایت ابی ہریرہ ۱۲۔ ۹ح الحاکم بروایت ابی یعلی بن مرہ ۱۲۔ ۱۰ اسکی سند اوپر ہو چکی ہے ۱۲۔ ۱۱ح بخاری

نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے بلایا وہ نہ آئے اور اُن سے فرما دیا تھا کہ اگر مباہلہ کرو گے تو سب ہلاک ہو جاؤ گے انہوں نے جان لیا کہ آپ درست فرماتے ہیں اس لئے نہ آئے۔ اور عامر بن طفیل اور اربد بن قیس جو عرب کے شہسوار اور شجاع تھے آنحضرت صلعم کے قتل کے عزم سے آئے مگر اُن سے بن نہ پڑا اور آپ نے ان کے حق میں دُعا بد فرمائی تو عامر تو طاعون میں ہلاک ہوا اور اربد پر بجلی گری اس نے اس کو پھونک دیا۔ اور آپ[۱] نے فرمایا کہ ابی بن خلف کو میں قتل کروں گا پس جنگِ اُحد میں آپ نے اس کے ایک لطیف چوکا دیا کہ اس میں اس کی موت ہوئی۔ اور آنحضرت[۲] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر کھلایا گیا تو جس شخص نے آپ کے ساتھ کھایا تھا وُہ تو مر گیا اور آپ چار برس تک اس کے بعد زندہ رہے اور بکری کے دست میں جو زہر ملا ہوا تھا اس نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ میں زہر ہے۔ اور[۳] جنگ بدر کے روز آنحضرت صلعم نے سردارانِ قریش کے پچھڑنے کی جگہ بیان فرمائی اور ایک ایک کا نام لے کر فرما دیا کہ فلاں یہاں گرے گا اور فلاں یہاں تو جو جگہ جس کے لئے فرمائی تھی اس سے اس نے تجاوز نہ کیا۔ اور آپ[۴] نے آگاہ کر دیا تھا کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کریں گے اور ایسا ہی ہوا۔ اور آپ[۵] کے لئے زمین یکجا کر دی گئی اور اس کے مشارق اور مغارب دکھلائے گئے اور آپ نے فرمایا کہ میری امت کا ملک عنقریب وہاں تک پہنچے گا جہاں تک میرے لئے زمین یکجا کی گئی ہے اور ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت ابتدائے مشرق یعنی بلاد ترک سے آخر مغرب یعنی بحر اندلس اور بلاد بربر تک پھیلی اور دکن اور شمال میں نہ پھیلی جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور[۶] اپنی لختِ جگر فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ارشاد فرمایا کہ میرے خاندان میں سے اول تم مجھ سے ملو گی اور ایسا ہی ہوا اور آپ[۷] نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ جو تم میں خیرات زیادہ کرتی ہو گی وہ مجھ سے جلد تر ملے گی تو حضرت زینب بنت جحش[۸] جو دستکاری کر کے خیرات کیا کرتی تھیں سب سے اول واصل بحق ہوئیں۔ اور آپ نے ایک پہلا بکری کے تھن کو ہاتھ لگا دیا جس نے کبھی دودھ نہ دیا تھا پس وہ دودھ دینے لگی اور یہی امر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مسلمان ہونے کا سبب ہوا۔ اور ایک[۹] بار اُم معبد خزاعیہ کے خیمہ میں آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔ اور کسی[۱۰] صحابی کی آنکھ نکل کر گر پڑی تھی آپ نے اس کو اپنے دست مبارک سے اسی جگہ رکھ دیا تو وہ آنکھ دونوں میں صحیح اور خوبصورت زیادہ ہو گئی اور خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ[۱۱] کی آنکھیں دکھتی تھیں آپ

ا ح بیہقی در دلائل بروایت سعید بن مسیب مرسلاً ۱۲۔ ۲ ح ابو داؤد بروایت جابر رضی اللہ عنہ اور جو صحابی مر گیا تھا وہ بشر بن براء تھا اور صحیحین میں بروایت انس ہے کہ ایک یہودیہ عورت زہر یلی بکری آپ کے پاس لائی آپ نے اس میں سے کھایا ۱۲۔ ۳ ح بروایت عمر فاروق ۴ ح بخاری و مسلم بروایت ام حرام ۱۲۔ ۵ مسلم بروایت ثوبان ۱۲۔ ۶ ح بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ۱۲۔ ۷ ح مسلم بروایت عائشہ رضہ ۱۲ ۸ ح احمد بروایت ابن مسعودؓ ۱۲۔ ۹ ح اسکی سند تخریجات عراق میں نہیں ملی ۱۲۔ ۱۰ ح ابو نعیم و بیہقی بروایت قتادہ بن نعمان اور یہی صحابی ہیں جن کی آنکھ گر گئی تھی ۱۲۔

امام اعظم ابو حنیفہ رح

یہ کتاب امام اعظمؒ کی زندگی پر اُردو میں ایک جدید ریسرچ ہے جسے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مدنی دارالافتاء بجنور نے پانچ سال کی انتھک محنت سے ترتیب دیا ہے۔ مشاہیر ہندوستان نے اس کتاب کو ہر اعتبار سے سراہا ہے اور اردو زبان میں اس موضوع پر چھپنے والی تمام کتب سے اسے بہتر قرار دیا ہے خود مصنف کا اس کتاب کی تصنیف کے بعد اپنے بارے میں یہ خیال ہے

غم عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
ترے عشق نے بنادی میری زندگی فسانہ

اس کتاب کی معنوی خوبیوں کو مفید عام بنانے کے لئے ہم نے عمدہ طباعت اور خوبصورت جلد کے ذریعے اس کے ظاہری حسن کو بھی دلآویز بنانے کی کوشش کی۔

مشکوٰۃ المصابیح مترجم

۳ جلدیں

حدیث شریف کی گیارہ کتابوں سے ایک جامع انتخاب جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اسلامی زندگی گزارنے کے لئے ہر پہلو سے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اپنی اسی جامعیت کی بنا پر اپنی تدوین کے روز اول سے ہی ہر حلقہ فکر اور معاشرے کے ہر طبقہ میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر ہم نے اس متاع بے بہا کو سلیس اور رواں اُردو میں پیش کیا ہے عمدہ کتابت وطباعت سے مزین تین جلدوں میں محفوظ ہے۔

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق

دو طاقتیں آپس میں ہمیشہ سے برسرپیکار رہی ہیں۔ ایک اچھائی دوسری بُرائی۔ ان دونوں کی باہمی جنگ کبھی بھی ختم نہیں ہوتی، ہر دور میں دنیا کے کچھ لوگ ایک قوت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور کچھ دوسری قوت کے ساتھ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی یہ کتاب اچھائی کے علمبرداروں کی مددگار رہی ہے اُن کے ہاتھ میں یہ کتاب ایک ایسا ہتھیار رہی ہے جو بُرائی کے خلاف ہر میدان میں اُن کے کام آسکتی ہے ہم نے اس ہتھیار کی سج دھج کو دلآویز بنا دیا ہے۔

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی

مصنفہ: خلیق احمد نظامی

اکبری دور کے ملحدانہ نظریات کی رو میں جاہ پرست علماء کے پاؤں ڈگمگا گئے تھے۔ علماؤں کی وجہ سے دین میں رخنے پڑ رہے تھے اور مذہب کی بنیادیں کھوکھلی کی جا رہی تھیں۔ یہ شیخ مرحوم کی ہمت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ حضرت شیخ کی تحریک نے اسوۂ رسول کو عملی پروگرام کی حیثیت سے پیش کیا اور مسلمانان ہند کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درس حدیث کے ذریعے مستحکم کر دیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر جناب خلیق احمد نظامی کی یہ کتاب ان ہی شیخ عبدالحق کی ملی خدمات کا مرقع ہے۔

تذکرہ علمائے پنجاب

: ۲ جلدیں :

مصنف :- اختر راہی

خطہ پنجاب جو آج سمٹ کر ایک مختصر وادی میں تبدیل ہو چکا ہے —— کبھی اس کی سرحدیں دہلی سے درۂ خیبر تک پھیلی ہوئی تھیں —— متعصب مورخین اور تذکرہ نگاروں نے مخصوص پس منظر میں دنیا کی ہر خرابی اس خطہ زمین کے بسنے والوں کے سر تھوپ لیکن اس مردم خیز زمین سے اٹھنے والے ارباب دانش و بینش اہل علم و فضل اور مجاہدین حریت ان کی آنکھوں سے اوجھل رہے۔

نوجوان اور صاحب دل مورخ اختر راہی نے سالوں کی بادیہ پیمائی کے بعد یہ تذکرہ مرتب کیا ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ سرزمین پنجاب کے خدام علم سے متعلق اختر صاحب کی اس قابل فخر پیشکش کو "مکتبہ رحمانیہ" نے بصد آب و تاب خلق خدا کے سامنے پیش کیا جس پر ہمیں قلبی مسرت ہے۔

غنیۃ الطالبین

اللہ علیم وخبیر نے اپنے مقبول بندے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات کی طرح اُن کی کتاب "غنیۃ الطالبین" کو بھی بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے حضرت شیخ کے بقول یہ کتاب ہر اس شخص کے لئے ہے جو شرعی آداب کی پہچان کا خواہشمند ہو جو خالق عزوجل کی شناخت دلائل وعلامات سے چاہتا ہو، جو قرآن وحدیث کی مجالس میں شریک ہو کر فائدہ حاصل کرے۔ جو نیک بندوں کے اخلاق کی طرف راغب ہو۔ اور جو اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے ہٹنے کی کوشش کرے۔

مذاق العارفین اور احیاء علوم الدین

: ۴ جلدیں :

مصنف :- امام غزالیؒ

پانچویں صدی کے مجدد اعظم حضرت الامام غزالی رحمہ اللہ جیسے جامع شریعت وطریقت بزرگ ماہر علوم اسلامیہ اور نباض ملت کی زندہ جاوید و شہرۂ آفاق کتاب احیاء علوم الدین مسلمان قوم کے سرمایہ علمی میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہے —— ہر دور میں اہل علم نے اس کتاب کو سر آنکھوں پر رکھا اور انفرادی و اجتماعی مطالعہ و تکرار سے اس سے روحانی بالیدگی حاصل کی۔ عربی زبان کے ذوق کی کمی کے پیش نظر مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی نے مذاق العارفین کے نام سے اسکا مستند ترجمہ اپنے پریس بریلی سے چھاپا جو ایک صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود اپنے اندر ایک تازگی لئے ہوئے ہے —— شریعت وطریقت کے اسرار و رموز پر مشتمل اس تابندہ کتاب کی اشاعت کا فخر "مکتبہ رحمانیہ" کو حاصل ہوا۔

تذکرہ مصنفین درس نظامی

ملک میں ہزاروں مساجد سینکڑوں مدارس اور بیسیوں دارالافتاء ہیں اور ان میں اتنے ہی ائمہ اور خطیب ہیں روزانہ قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں بلند کرتے اور سننے والوں کو اللہ اور اس کے رسول کی راہ سمجھاتے ہیں یہ سب قابل صد احترام ہستیاں درس نظامی پڑھ کر ہی رشد وہدایت کے اس مقام بلند پر فائز ہوتی ہیں، جناب پروفیسر اختر راہی نے "تذکرہ مصنفین درس نظامی" میں ان نابغہ روزگار شخصیات کو اس کتاب کا موضوع بنایا ہے جو ان کتابوں کو وجود میں لائیں جنہیں سبقاً سبقاً پڑھ کر یہ حضرات مذہبی قیادت کے زینے طے کرتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب پُرکشش انداز میں چھاپ کر ہم نے ملی خدمت انجام دی ہے